بیان الاخلاق

ترجمانِ پاکستان مبلغِ اسلام مولانا محمد بخش صاحب مسلم رحمۃ اللہ علیہ

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور - کراچی ○ پاکستان

نام کتاب	بیان الاخلاق
مصنف	مبلغ اسلام مولانا محمد بخش صاحب مسلمؒ بی۔اے
اشاعت	اکتوبر 2003ء
تعداد	ایک ہزار
ناشر	ضیاءالقرآن پبلی کیشنز، لاہور
کمپیوٹر کوڈ	1Z257
قیمت	-/200روپے

ملنے کے پتے

ضیاءالقرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔7221953 فیکس:۔042-7238010

9۔الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔7225085-7247350

14۔انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون:۔021-221201-2630411۔ فیکس:۔021-2210212

e-mail:- zquran@brain.net.pk

Website:- www.ziaulquran.com

تھدیہ

اسلامی زندگی اور اخلاقی زندگی کے نام

جو

پاکستان کا نصب العین ہے۔ جس کے لئے اس کا
وجود عمل میں لایا گیا اور جس پر اس کا استحکام
اور دوام منحصر ہے

مسلم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ
وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ
عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ؕ
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی
اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی
اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ؕ

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

مقدمہ

یہ کتاب ہمارے مایہ ناز عالم دین اور خوش نوا خطیب مولانا محمد بخش مسلم بی اے رحمتہ اللہ علیہ (م ۸/ فروری ۱۹۸۷ء) کی تصنیف لطیف ہے جسے آپ نے ملت پاکستانیہ کی اخلاقی تربیت کے لئے لکھی اور نئی نسل کی اخلاقی نشوونما کے لئے شائع کی۔ فاضل مولف کی زندگی کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ پاکستانی قوم کا ہر فرد اخلاق محمدی کا نمونہ بن جائے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو مشعل راہ بنا کر زندگی بسر کرے۔ کتاب کے صفحہ صفحہ پر اخلاقیات کے عمدہ اسباق پائے جاتے ہیں۔ پڑھنے والا ہر جملہ پڑھنے کے بعد یہ آرزو کرتا ہے کہ کاش میں ایسے اخلاق کو اپنا کر دنیا کے سامنے آتا۔

حضرت مولانا محمد بخش مسلم علمائے اہلسنت میں ایک بلند قامت عالم دین تھے جنہوں نے ساری زندگی تبلیغ دین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ترجمانی میں گزار دی۔ آپ نے ملک کے گوشے گوشے میں جا کر عوام کو دین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر چلنے کی تلقین کی اور پاکستانی معاشرے کو ایک اسلامی معاشرہ بنانے کی جدوجہد کی۔ آپ ایک خوش بیان مقرر ہونے کی وجہ سے جہاں جاتے ہزاروں لوگ آپ کو سنتے اور اکثر لوگ اپنی سیاہ کارانہ عادات سے دستبردار ہو جاتے۔ آپ نے اپنی ساری زندگی کی توانائیاں اسی مقصد کے لئے وقف کر دی تھیں خصوصاً جب ملک کی آزادی کے لئے جدوجہد کا دور آیا تو آپ نے تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور برصغیر پاک و ہند کے نیشنلسٹ علماء کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ آپ علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ کے شیدائی تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح کے مداح تھے اور تحریک پاکستان کے نڈر سپاہی تھے۔ آپ نے اس تحریک میں جو نمایاں کردار ادا کیا وہ ان کے ہمعصر علماء میں نمایاں اور درخشاں نظر آتا ہے۔

مولانا محمد بخش مسلم ۱۸/ فروری ۱۸۸۸ء کو قدیم لاہور کے ایک گنجان محلے چھتہ بازار میں پیدا ہوئے۔ والد کا اسم گرامی پیر بخش (م ۱۸/ مارچ ۱۹۳۳ء) تھا۔ آپ کا خاندان شہر قصور کا رہنے

والا تھااور حضرت میاں شیر محمد شیر ربانی کا عقیدت مند تھاجو عرصہ پہلے شرقپور کو چھوڑ کر لاہور میں آبسا تھا۔ مولانا مسلم نے پانچ سال کی عمر میں قرآن پاک محلّہ کی ایک نیک سیرت خاتون سیدہ چراغ بی بی سے پڑھا۔ دوران تعلیم سیدہ چراغ بی بی نے محسوس کیا کہ یہ بچہ ذہین بھی ہے اور خوش آواز بھی ہے مولانا محمد بخش مسلم کے والد کو بلا کر کہا کہ اس بچے کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دیں۔ یہ بڑا ہو کر آپ کے خاندان کی عزت میں اضافہ کرے گا اور اگر زیور تعلیم سے آراستہ ہو گیا تو قوم کے لئے بھی مفید ثابت ہو گا۔

مولانا محمد بخش مسلم اپنی ابتدائی تعلیم اور گھر میں عسرت و غربت کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے۔ مجھے ذوق مطالعہ نے اتنا گرویدہ کر لیا تھا کہ ایک رات عشاء سے صبح کی اذان تک کتاب پڑھتا رہا۔ میرے والد نے دیکھا تو کہا بیٹا اگر تم اسی طرح ہمارے دیئے کا تیل جلاتے رہے گے تو ہم کیا کریں گے۔ مولانا محمد بخش مسلم نے ہوش سنبھالا تو ان کے سامنے لاہور میں دو ایسے علماء دین موجود تھے جن کی مسند ارشاد کے ارد گرد لوگوں کا جمگھٹا دکھائی دیتا تھا۔ مولانا بھی ان دونوں علمائے کرام سے بڑے متاثر ہوئے اور ان کی مجالس میں حاضری دینے لگے۔ یہ علماء کرام مولانا پروفیسر اصغر علی روحی اور مولانا غلام مرشد صدر مدرس دار العلوم نعمانیہ لاہور تھے۔ ان دنوں مولانا غلام مرشد سنہری مسجد اور مولانا روحی بھاٹی دروازے کے اندر جھنڈی وہڑا کی مسجد میں درس دیا کرتے تھے۔ مولانا مسلم دونوں بزرگوں کے درسوں سے استفادہ کرنے پہنچ جاتے اور ان دونوں کے علوم و فنون سے بڑا حصہ سمیٹتے۔

آپ نے ۱۹۱۱ء اور ۱۹۱۲ء میں منشی فاضل کا امتحان دیا تو اس امتحان کی تیاری کے لئے عربی کتابیں مولانا روحی سے اور فارسی کتابیں مولانا احسان اللہ شاہ جہانپوری سے پڑھا کرتے تھے۔ مولانا احسان اللہ، ملک برکت علی (برکت علی محمدن ہال لاہور کے بانی) کے بھائی تھے۔ آپ مولانا مسلم کے شفیق استاد تھے۔

مولانا شباب کی وادی میں آگے بڑھے تو آپ کے سامنے لاہور شہر کی عظیم دینی درسگاہیں اپنے دامن بچھائے علم و ادب کے خزانے بانٹ رہی تھیں۔ ان میں دار العلوم انجمن نعمانیہ، ٹکسالی گیٹ، درس وڈا میاں (گنج مغلپورہ)، مدرسہ حمیدیہ (نیلا گنبد) دار العلوم انجمن حزب الاحناف (چنگڑ محلہ دہلی دروازہ)، دار العلوم فتحیہ (اچھرہ) بڑی مشہور درسگاہیں تھیں۔ آپ نے

ہر درسگاہ سے دامن علم بھرا حتیٰ کہ آپ نے ۱۹۱۸ء کو پنجاب یونیورسٹی سے بی اے کا امتحان پاس کر لیا تو آپ کے نام کے ساتھ بالالتزام بی اے لکھا جانے لگا۔ لاہور کا یہی واحد مولوی تھا جو گریجویٹ تھا، بی اے تھا پھر مسجد کے محراب و منبر میں کھڑے ہو کر تقریریں بھی کیا کرتا تھا۔

آپ کے معاصرین علماء میں سے آپ کے اساتذہ کے علاوہ مولانا غلام قادر بھیروی، مولانا غلام محمد بگوی، مولانا ذاکر بگوی، مولانا سید دیدار علی شاہ الوری، مولانا محمد نبی بخش حلوائی (مؤلف تفسیر نبوی)، مولانا غلام مرشد آگے چل کر مولانا ابوالحسنات خطیب مسجد وزیر خان اور حافظ خادم حسین جیسے بلند قامت علمائے اہلسنت لاہور کی دینی فضا پر چھائے ہوئے تھے۔ مولانا مسلم انہی بلند پایہ علماء کے زیر سایہ تربیت پاتے رہے اور ایک وقت آیا کہ آپ ایک خطیب ایک مقرر اور ایک ادیب بن کر آسمان شہرت پر آفتاب عالم تاب کی طرح چمکے۔

آزادی کی تحریک چلی تو ملک میں علمائے کرام کے ساتھ ساتھ کئی سیاسی لیڈر بھی میدان سیاست میں آئے۔ ان میں علامہ محمد اقبال کے علاوہ مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا محمد علی جوہر، نواب بہادر یار جنگ، مولانا ظفر علی خان، سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور مولانا شبیر احمد عثمانی کے اسماء سر فہرست تھے۔ ان سیاسی خطیبوں کے علاوہ سر فیروز شاہ مہندر، بدرالدین طیب بار ایٹ لاء اور قائداعظم محمد علی جناح اور کئی ہندو کانگریسی لیڈر میدان سیاست میں ابھرے جنہوں نے آزادی کی تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اسی زمانہ میں مسز سروجنی نائیڈو، مسٹر سبھاس چندر بوس، دیوان چمن لال، پنڈت موتی لال نہرو ان کے بیٹے جواہر لال نہرو اور گاندھی پارلیمانی ایوانوں میں تقاریر کرتے نظر آئے۔ ان سارے سیاسی راہنماؤں سے مولانا محمد بخش مسلم نے سیاسی اثرات قبول کر کے دینی اور سیاسی امتزاج میں اپنی تقاریر کا آغاز کیا۔

تحریک پاکستان کا آغاز ہوا تو سیاسی راہنما دو حصوں میں بٹ چکے تھے۔ مسلمانوں میں بھی ایک طبقہ پاکستان کے حق میں تھا اور دوسرا پاکستان کی مخالفت میں پیش پیش تھا۔ مولانا محمد بخش مسلم تحریک پاکستان کے حق میں قائداعظم کے جھنڈے کے سایہ میں کھڑے تھے جہاں آپ کے ساتھی مولانا عبدالحامد بدایونی، مولانا جمال میاں فرنگی محلی، علامہ علاءالدین صدیقی، خان عبدالقیوم خان سرحد پیر آف مانکی شریف اور پیر آف زکوڑی شریف۔ تحریک پاکستان کے ترجمان بن کر سامنے آئے۔

مولانا محمد بخش مسلم جدید و قدیم علوم کا ایک حسین امتزاج تھے وہ اپنی تقاریر میں مستشرقین کے انگریزی اقتباسات اپنے منفرد انداز میں پیش کر کے سامعین کو گرویدہ بنا لیتے۔ لوہاری دروازے کے باہر جہاں آج مسلم مسجد اپنے بلند مینار کے سہارے کھڑی ہے مولانا مسلم تحریک پاکستان کے حق میں تقریر کیا کرتے تھے تو مسلمان نوجوانوں کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ لگ جاتے آپ اس مسجد کے باغ میں اپنی زندگی کے ستاون سال خطاب کرتے رہے۔

مولانا مسلم کی تقاریر لاہور سے نکل کر بمبئی اور پشاور تک اپنے اثرات مرتب کر رہی تھیں۔ ۱۹۲۵ء میں مولانا مسلم کو خیال آیا کہ وہ جس باغیچے میں کھڑے ہو کر تقاریر کرتے ہیں کیوں نہ اسے ایک عظیم مسجد میں بدل دیا جائے چنانچہ آپ نے پہلوان خدا بخش بسا (مالک نعمت کدہ ہوٹل) ظہیر الدین (مالک استقلال پریس)، شیخ محمد دین (پتھراں والا) کے تعاون سے "انجمن خادم المسلمین" کی بنیاد رکھی اور ان اراکین نے مسجد کی تعمیر کا منصوبہ تیار کر کے مسجد کا آغاز کیا جو آگے چل کر مسلم مسجد کی شکل میں لاہور کی ایک بلند قامت مسجد بن گئی پھر آپ کی کوششوں سے اسی مسجد میں جنوری ۱۹۵۵ء کو "مدرسہ کریمیہ" کا قیام عمل میں آیا جس میں حفظ و ناظرہ کے علاوہ قرأت و تجوید کی تعلیم دی جانے لگی۔ ۱۹۷۵ء میں مسلم مسجد کو محکمہ اوقاف نے اپنی تحویل میں لے لیا۔ آج تک یہ مسجد محکمہ اوقاف پنجاب کے زیر اہتمام ہے۔

مولانا محمد بخش مسلم ایک متحرک دینی راہنما تھے وہ ایک طرف ملک بھر کے جلسوں میں خطاب کے لئے دور دراز سفر کرتے دوسری طرف اسلامی تحریکوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے۔ اپریل ۱۹۲۰ء میں لاہور میں "انجمن معین الاسلام" قائم ہوئی تو مولانا مسلم اس کے روح رواں تھے اسی انجمن نے آگے چل کر لاہور میں میلادالنبی کے جلوسوں کو مرتب کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جشن میلاد پر علمائے کرام کو دعوت خطاب دیا جاتا تھا۔ ملک کے خوش آواز نعت خوانوں کو دعوت دی جاتی تھی اور کئی دوسری انجمنوں کو علماء مہیا کئے جاتے تھے۔ اس زمانہ میں انجمن نعمانیہ لاہور تبلیغی جلسے کراتی تو مولانا مسلم پیش پیش ہوتے۔ انجمن حمایت الاسلام کونشن کراتی تو مولانا مسلم سٹیج پر ہوتے۔ ملک کی کئی سیرت کمیٹیاں مسلم صاحب کے مشورہ سے کام کیا کرتی تھیں۔

ایک زمانہ آیا کہ لاہور میں شیعوں نے قزلباش فیملی کا سہارا لے کر گلی گلی کوچہ کوچہ میں

ذوالجناح کے جلوس نکالنے کو رواج دیا تو مولانا مسلم اور دوسرے علمائے اہلسنت نے ایام عاشورہ میں زبردست جلسے، جلوس اور مجالس منعقد کرانے کا اہتمام کیا۔ ان مجالس میں مسلم صاحب سٹیج سیکرٹری ہوتے اور سید دیدار علی شاہ الوری، مولانا معوان حسین رامپوری، مولانا عبدالشکور فاروقی لکھنوی "مدیر النجم" جیسے نامور خطیب آتے اور عوام کی اعتقادی راہنمائی کرتے ان جلسوں نے لاہور میں شیعوں کے بڑھتے ہوئے منصوبوں کا زور توڑ دیا۔ "انجمن معین الاسلام" کی دعوت پر مولانا معوان حسین رامپوری، مولانا ریحان حسین رامپوری، مولانا سید دیدار علی شاہ الوری، مولانا ابوالحسنات اور مولانا ابوالبرکات ہندوستان سے پہلی بار آئے اور لاہور کے ہی ہو کر رہ گئے۔

مولانا مسلم نے جب میدان صحافت میں قدم رکھا تو روزنامہ "سیاست" لاہور کے کالم نویس مقرر ہوئے۔ مولانا ظفر علی خان نے آپ کو اپنے اخبار "زمیندار" کے لئے منتخب کیا پھر آپ نے اپنا مستقل "ماہنامہ بصیرت" نکالا۔ جس کی وجہ سے آپ صحافی دنیا میں روشن ستارہ بن کر چمکتے رہے۔ آپ محکمہ امداد باہمی میں ملازمت کے دوران "ماہنامہ کوآپریشن" کے مدیر اعلیٰ مقرر ہوئے۔ مولانا مسلم نے روزنامہ سیاست اور روزنامہ زمیندار لاہور میں اکتیس سال تک کالم نویسی کی اور ۱۹۵۶ء تک ان اخبارات میں کالم لکھتے رہے۔

اخباری کالموں کے علاوہ آپ نے کئی علمی، نصابی اور دینی کتابیں لکھیں۔ سکولوں کے تدریسی شعبوں اور محکمہ اوقاف کے علماء کرام کی راہنمائی کے لئے کئی کتابیں لکھیں جو زیور طباعت سے آراستہ ہو کر عوامی راہنمائی کی ضامن بنیں۔ آپ کی زیر نظر کتاب "بیان الاخلاق" اسی دور کی یادگار ہے جس کے کئی ایڈیشن چھپ کر عوام و خواص کے ہاں مقبول ہوئے۔ مولانا اس کتاب کے ذریعہ اسلامی اخلاقیات اور اسوۂ حسنہ رسول مقبول ﷺ کو لوگوں تک پہنچانا چاہتے تھے۔ آپ نے اخلاقی کہانیاں، اخلاقی جملے، اخلاقی نظمیں اور اخلاقی اصولوں کو نہایت قابلیت سے مرتب کیا اور کتاب کو طباعت کی شکل دی۔ اس زمانہ میں مولوی رحمت اللہ آزاد سبحانی کی کتاب "مخزن اخلاق" چھپی تو اہل علم نے اسے بے حد پسند کیا مگر مولانا محمد بخش مسلم رحمتہ اللہ علیہ کی یہ کتاب سامنے آئی تو علمی دنیا میں ایک نیا انداز سامنے آیا اور اہل علم و فضل نے اس کی بے حد تعریف کی، تبصرے لکھے، تقاریظ لکھیں، تاثرات لکھے اور ہدیہ تحسین پیش کیا۔

اس کتاب کے کئی ایڈیشن زیور طباعت سے آراستہ ہوتے رہے۔ مختلف اشاعتی ادارے

اسے چھاپتے رہے مگر ایک عرصہ سے یہ کتاب نہیں مل رہی تھی حالانکہ اس دور میں ایسی کتابوں کی بے حد ضرورت ہے۔

ہم ضیاءالقرآن پبلی کیشنز لاہور کی دینی اور اشاعتی خدمات کو بہ نظر استحسان دیکھتے ہیں۔ اس اشاعتی ادارے کی بنیاد حضرت ضیاءالامت جسٹس پیر محمد کرم شاہ ازہری رحمتہ اللہ علیہ نے آج سے پچیس سال پہلے رکھی پھر اس ادارے کے منتظمین نے اسے اشاعتی دنیا میں بلند قامت بنادیا۔ قرآن پاک کی اشاعت میں نہایت نفیس انداز اختیار کیا۔ تفاسیر، احادیث اور دوسرے اسلامی موضوعات پر بڑی بلندپایہ اور معیاری کتابیں شائع کیں جسے علمی حلقوں میں بڑا پسند کیا گیا۔

ہم پیر زادہ محمد حفیظ البرکات شاہ ضیاءالقرآن پبلی کیشنز لاہور کی علمی خدمات کو سراہے بغیر نہیں رہ سکتے۔ جنھوں نے اپنی شاندار مطبوعات میں مولانا محمد بخش مسلم بی اے رحمتہ اللہ علیہ کی اس کتاب کا انتخاب کیا اور معیاری طباعت کی آب و تاب سے مزین کر کے عوام تک پہنچایا۔ ہم امید کرتے ہیں کہ یہ کتاب اہل ذوق کو پسند آئے گی اور اخلاقیات کے ماہرین اپنے اپنے حلقوں میں پھیلانے کی کوشش کریں گے۔

پیر زادہ اقبال احمد فاروقی ایم اے

مکتبہ نبویہ لاہور

....

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ذات باری تعالیٰ

هُوَاللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى ط يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ج وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ (پارہ ۲۸ سورۃ حشر)

اسلام کی رو سے ذات باری کو ماننا لازمی ہے۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ خدا ہر شے کا ذی شعور خالق ہے اور وہ معبود اسی لئے ہے کہ اس نے ساری کائنات کو نیست سے ہست کیا ہے۔ اسلام کی رو سے ذات باری کا ذاتی نام "اللہ" ہے۔ خدا اس کا فارسی ترجمہ ہے۔ خدا دو لفظوں سے مرکب ہے۔ خود آ۔ جس کی ذات اس کے ذاتی تقاضا سے ہے۔ جس کا وجود اپنا ہے۔ خانہ زاد ہے۔ وہ خدا ہے۔ خدا کا تصور ہر دل میں موجود ہے۔ جو اسے نہیں مانتے۔ وہ بھی اسے جانتے ضرور ہیں۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

کانٹا ہے ہر ایک حلق میں اٹکا تیرا — آویزہ ہے ہر گوش میں لٹکا تیرا
مانا نہیں جس نے تجھکو جانا ہے ضرور — بھٹکے ہوئے دل میں بھی ہے کھٹکا تیرا

سیدھی بات ہے کہ جب تک کوئی شے موجود نہ ہو۔ اس کا دل میں تصور نہیں آسکتا۔ یہ کیا راز ہے کہ جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے۔ اس کی پشت پر ایک لحہ بھی ایسا نہیں گزرا۔ کہ دنیا کی کوئی قوم خدا کے تصور سے بے نیاز رہی ہو۔ معلوم ہوا کہ اس کی ذات کو ماننا ہر ایک متنفس کی فطرت میں

داخل ہے۔ ہاں اگر چند ایک اشخاص اس سے منکر ہیں۔ تو اس کی ہستی دام قانون میں استثنیٰ کا حکم رکھتی ہے۔ اور یہ استثنیٰ وہ ہے جو قانون کو محکم کرتا ہے۔ مثلاً جان ہر ایک کو پیاری ہے اس فطری جذبے پر ہزاروں قانون مبنی ہیں۔ زندگی کی محبت ہر زندہ انسان کی فطرت میں داخل ہے۔ لیکن بعض اس طرح سے خودکشی کر لیتے ہیں۔ ان کی یہ حرکت متذکرہ قانون کو پامال نہیں کرتی۔ ایسے ہی ہو سکتا ہے کہ بعض انسان کھانا کھائے بغیر کافی مدت تک زندہ رہ سکیں۔ لیکن اس سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کھانے کی خواہش فطری نہیں۔ ہر شخص کھانا اپنے مزاج کے مطابق کھاتا ہے لیکن مذاق کے اختلاف کے باعث یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کھانے کی ضرورت فطری نہیں ہے۔ دنیا کے تمام نیک اور پارسا لوگ خدا پرست ہوئے ہیں۔ یہ لوگ سچے تھے۔ وہ کسی جھوٹ پر متفق نہیں ہو سکتے تھے۔

زندہ انسان

ہم انسان ہیں۔ زندہ ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ کوئی شخص ہم کو وہ شے نہیں دے سکتا جو اس کے پاس نہ ہو۔ یا جس پر اسے دسترس یا تصرف حاصل نہ ہو۔ مادہ بے جان ہے۔ لہٰذا وہ ہمیں جان نہیں دے سکتا۔ موجودہ سائنس نے تسلیم کر لیا ہے کہ کوئی جاندار ہستی بے جان سے پیدا نہیں ہو سکتی۔ پہلے کہا کرتے تھے کہ اگر مٹی کے برتن میں گوبر اور دہی ملا کر رکھ دی جائے تو کچھ روز کے بعد اس برتن میں بچھو پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور مشہور تھا کہ اگر کسی مردہ مینڈک کو خشک کر لیا جائے اور اس کے جسم کو پیس کر اس سفوف کو پانی کی سطح پر چھڑکا جائے تو کچھ دنوں کے بعد اس سفوف سے مینڈک نمودار ہو جاتے ہیں لیکن کافی تجربوں نے ہویدا کر دیا ہے کہ یہ مشاہدات غلطی پر مبنی تھے۔ اس لئے کہ جب تک بچھو یا مینڈک کے انڈے کسی جگہ موجود نہ ہوں۔ وہاں سے ان کا وجود ظہور پذیر نہیں ہو سکتا۔ لوگوں نے صاف پانی میں دو چار خشک پتے بھگو کر یہ دکھایا کہ لیجئے اس پانی میں بے شمار کیڑے پیدا ہو گئے ہیں۔ جن کو بذریعہ خوردبین دیکھا جا سکتا ہے لیکن اس کے جواب میں کہا گیا کہ اگر ان پتوں اور پانی کے قطرات کو شیشے کی صراحی میں رکھا جائے اور انہیں ایک خاص درجہ تک حرارت پہنچائی جائے اور اس کے بعد صراحی کا منہ زاہد خشک کی طرح بند کر دیا جائے تو اس میں کچھ بھی پیدا نہیں ہوتا۔ اس پر یہ شبہ وارد کیا گیا کہ گرم پانی کے باعث اور ہوا کے رک

جانے کے باعث تو زندہ جانور بھی ہلاک ہو جاتے ہیں۔ جب صراحی کا پانی گرم ہو گیا اور اس کا منہ بند ہو گیا۔ ہوا کا راستہ رک گیا۔ تو اب کیا شے پیدا ہو سکتی ہے۔ اس اشکال کا حل یہ بتایا گیا ہے کہ اچھا شیشی کا منہ روئی سے بند کر دو۔ روئی ہوا کو نہیں روک سکتی۔ پھر دیکھو کہ کیا ہوتا ہے ایسا کرنے سے یہ ہوا کہ پتوں سے کچھ بھی نمودار نہ ہوا۔ جس پر عقل نے سائنس کے حق میں ڈگری دیدی۔ کہ چونکہ کیڑے صراحی میں نہیں جا سکے۔ اس لئے کچھ پیدا نہ ہو سکا۔ معلوم ہوا کہ جاندار اپنے وجود کیلئے کسی بے جان کا نہیں بلکہ جاندار کا محتاج ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ جاندار اگر کسی کام میں محتاج غیر ہو۔ یا کسی شے کے نہ ہونے کے باعث اس کا کوئی کام رک جائے تو جانداروں کو وجود عطا کرنے کے لئے اس کی ہستی کافی نہیں ہو سکتی۔ اور کوئی جاندار ظہور پذیر نہیں ہو سکتا۔ لیکن چونکہ ہم ہیں اور ہم میں جان ہے اور یہ جان اسی کا عطیہ ہو سکتی ہے جو کسی کا محتاج نہ ہو یا جس کی راہ میں کوئی روک نہ ہو۔ اس لئے ماننا پڑتا ہے کہ کوئی خدا ہے۔ وہ قادر مطلق ہے۔ سب اس کے محتاج ہیں اور وہ کسی کا محتاج نہیں۔ اس ہستی کو اسلام کی بولی میں اللہ کہتے ہیں۔

مادہ اور خدا

منکرین خدا کا ایمان یہ ہے کہ جمادات، نباتات، حیوانات، انسان، زمین، فضاء، خلاء، آسمان سب کا بنانے والا مادہ ہے۔ جو ان گنت ننھے ننھے ناقابل تقسیم ذرّوں کا مجموعہ ہے۔ یہ ذرّے یونہی مل گئے۔ عناصر بن گئے۔ ان سے جمادات نے جنم لیا۔ ہوتے ہوتے جمادات سے حیوانات تیار ہو گئے۔ حیوانات کا خاتمہ بندر پر ہوا اور بندر سے انسان نمودار ہوا۔ ۶ اگست ۱۹۴۵ء کو جاپان کے شہر ہیروشیما پر امریکہ کے ہوا باز نے ایک قیامت خیز بم گرایا۔ جس نے چشم زدن میں ساٹھ ہزار نفوس کو ہلاک کر دیا اور ایک لاکھ مرد، عورت اور بچوں کو زخمی کیا۔ جن میں سے بہت سے ایڑیاں رگڑتے ہوئے کرب و درد میں سسکتے ہوئے بتدریج موت کا شکار ہو گئے۔ بتایا گیا ہے۔ یہ بم ایٹم بم تھا۔ ایٹم کا ترجمہ ہے۔ ذرہ۔ یونانیوں کے بعض دانشوروں اور ہندوؤں کے پنڈتوں نے کہا کہ ذرہ (پرمانو) ناقابل تقسیم ہے۔ مگر امریکہ کے سائنس دانوں نے اسے پارہ پارہ کر دیا۔ جس سے یونانی اور ہندوستانی علماء کے فلسفہ کی دھجیاں اڑ گئیں۔ اسی جوہر کے انشقاق کے باعث ایک اور بم تیار ہوا ہے۔ جس کا نام ہے۔ ہائیڈروجن بم۔ یہ ذراتی (ایٹم) بم سے ہزاروں گنا زیادہ ہلاکت انگیز ہے۔ بتایا گیا ہے کہ ایٹم

مثبت (پوزیٹو) یا منفی (نیگیٹو) ذرات برقی کا شاہکار ہے اور ان برق پاروں یا شراروں کو جس نے وجود بخشا ہے۔ اس کا نام ہے ہیولا (مادہ اولیٰ) پہلی شے واضح کیا گیا کہ یہ ہیولا کرشمہ ہے۔ ایتھر (ETHER)۔اور یہ ایثر (ایتھر) ایک گیس ہے جو خلاء و فضا میں پھیلا ہوا ہے۔ روشنی، حرارت، قوتِ کہربائی یا برقی اور قوت مقناطیس سب اسی گیس سے نکلتے ہیں۔

یہ عقل کے پتلے بتاتے ہیں کہ ان سب کی ابتداء مادہ کی انرجی (ENERGY) یعنی قوت سے ہوئی ہے۔ یہ قوت بے شعور ہے، بے حس ہے، بے ارادہ ہے، بے جان ہے۔ اسلام کہتا ہے کہ یہ قوت اسی ذات میں ہے جو "قوی" ہے۔ یہ قدرت اس میں ہے کہ جو "عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ" ہے۔ وہ علیم ہے، حیّ ہے، قیوم ہے۔ وہ جامع الصفات ہے۔ وہی رب العالمین ہے۔ وہی رحیم و رحمان ہے۔ وہی مالک یوم الدّین ہے۔

منکرین کا دعویٰ یہ ہے کہ ہم اسے مانتے ہیں جسے محسوس کرتے ہیں۔ وہ دیکھتے ہیں کہ فضائے عالم میں حسن ہے۔ ترتیب ہے۔ تنظیم ہے۔ تقدیر ہے اور ہر چیز ایک قانون کے مطابق کام کر رہی ہے۔ یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ انہوں نے ایتھر کو نہیں دیکھا۔ البتہ یہ ہے کہ ایتھر کا کرہ زمین کے کرہ سے پندرہ کھرب گنا بڑا ہے۔ یہ ایتھر سیاہ انوار کی دس بارہ قسم کی لہریں ہیں۔ ان میں سے ایک قسم یا لہر (VIBRATION) ایکس رے (X-RAY) لاشعائی تصویر ہے اور یہ سب لہریں یا ان کی ابتدائی لہر بھی قانون کے تابع ہے۔ یہ قانون بھی محض اندھا ہے۔ بے ہوش ہے۔ نہ اس میں ادراک ہے۔ نہ احساس، قرآن کہتا ہے کہ سب کچھ قانون کے تابع ہے۔ "لَهٗ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ (1) وَالْاَرْضِ" لیکن یہ قانون اسی کا ہے جو زمین اور آسمان کا فاطر (خالق) ہے۔ محاورہ میں کہا جاتا ہے کہ قانون کا حکم یہ ہے مگر حقیقی بات یہ ہوتی ہے کہ حاکم کا حکم یہ ہے۔ سائنس نے یہ حیران کن بات سُجھائی ہے کہ ایتھر جس سے برقی روشنی پیدا ہوئی ہے۔ بے حد تاریک ہے۔ اس میں کوئی شے دکھائی نہیں دیتی۔

قرآن کہتا ہے کہ "اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" آسمانوں اور زمینوں کا نور اللہ ہے۔ مطلب یہ کہ ان کو روشنی عطا کرنے والا اللہ ہے۔ حدیث کہتی ہے۔ "كَانَ اللّٰهُ وَلَمْ يَكُنْ مَعَهٗ شَيْئًا" (بخاری) اللہ تھا اور اس کے ساتھ کوئی شے نہیں تھی۔ دوسری حدیث یہ ہے کہ "كُنْتُ

---

1 (آل عمران) پارہ ۳۔

كَنْزاً مَّخْفِيًّا"۔ اللہ کہتا ہے۔ میں تھا ایک چھپا ہوا خزانہ، اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ دنیا صفات خداوندی کا سایہ ہے۔ دنیا کا ظہور اسی لئے ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی اس شان کا اظہار کیا کہ هُوَ الظَّاهِرُ (وہ ظاہر ہے) جب دنیا ظاہر نہیں تھی۔ تو وہ خدا کے علم میں تھی۔ گویا اس وقت خدا کی صفت باطن جلوہ آراء تھی۔ اس لئے کہ هُوَ الْبَاطِنُ (وہ باطن ہے) اس سے سیاہ نورانی لہروں کی الجھن سلجھ جاتی ہے۔ دنیا اس کے پرتو سے پیدا ہوئی۔ اس کے ارادے نے اسے بنایا۔ مگر دنیا خدا نہیں۔ کوئلہ سورج سے پیدا ہوا۔ اس سے نکلا نہیں۔ اس کی تجلی سے پیدا ہوا ہے۔ وہ سیاہ ہے۔ سورج روشنی کا سرچشمہ ہے۔ لکڑی سے پھول ابھرتا ہے۔ مگر پھول لکڑی نہیں۔

دنیا کی پیدائش

جو لوگ مادہ پرست ہیں۔ یا مارکسی ہیں۔ جن کی روس، رومانیہ، بلغاریہ، چین، پولینڈ، زیکوسلاویہ میں حکومت ہے۔ ان کے علم کے مطابق دنیا کی پیدائش یوں ہوئی کہ ناقابل تقسیم ذرے قانون کشش کے باعث اکٹھے ہوئے۔ ان سے ایک کرہ بن گیا۔ وہ اپنے محور کے اردگرد گھومنے لگ گیا۔ ایک اور قانون کے زیر اثر وہ بھڑک اٹھا۔ اور وہ بھڑکنے والا سورج کہلایا۔ پھر اس کی گردش شروع ہوئی۔ اس سے ستارے جدا ہوئے۔ ہر ستارہ محو گردش ہوا۔ ان میں چاند ہے، عطارد ہے، مریخ ہے، زحل ہے، مشتری ہے، زہرہ ہے اور ہماری زمین بھی ہے، جس پر ہم آباد ہیں۔ یہ زمین بھی خوب گھومی۔ اس سے زمین کی سطح ٹھنڈی ہو گئی۔ اس کے سرد پوست سے دھاتیں، پھل، پھول، سبزیاں، کانٹے، حیوانات، بری بحری، ہوائی پیدا ہوئے۔ لمبے عرصہ تک یہ زمین انسانوں سے خالی رہی۔ آخر کار فرزندان آدم نمودار ہوئے۔ ان فاضلوں کو اس سے انکار نہیں کہ (الف) جو کچھ ہے مادہ اور اس کی حرکت کا اثر ہے۔ مادہ اور حرکت میں ایک ثانیہ کی جدائی بھی محال ہے۔ مادہ کے ساتھ حرکت ہے اور حرکت کے ساتھ مادہ ہے۔ (ب) اس حرکت کی حرکت سے جمادات نباتات وحیوانات وانسان کا ظہور ہوا۔ لاکھوں سال تک جمادات کا جلوہ رہا۔ ازاں بعد نباتات کی باری آئی اور انسان تو بہت ہی مدت بعد کی مخلوق ہے۔ اس لئے کہ طبقات الارض کے عالموں نے بتایا ہے کہ انسان کے آثار صرف زمین کے اوپر کے طبقات میں پائے جاتے ہیں نچلے طبقوں میں ان کا نام ونشان نہیں ملتا۔ سوال یہ ہے کہ اگر انسان کی علت بھی حرکت ہے۔ تو کیوں

انسان لاکھوں سال کے بعد نمودار ہوا۔ یہ کہاں کی منطق ہے؟ کہ علت ہو قدیم اور معلول ہو حادث؟ یاد رہے کہ مادہ بھی بے جان ہے۔ اس میں ارادہ نہیں، حرکت بھی بے جان ہے، اس میں بھی ارادہ نہیں۔ ذی ارادہ تو جب چاہے اپنا ہاتھ ہلا سکتا ہے۔ اور جب چاہے روک سکتا ہے لیکن جسے رعشہ کا مرض ہو اس کا ہاتھ رعشہ سے رک نہیں سکتا۔ کیا وجہ ہے کہ علت ہے اور معلول نہیں ہے؟ مادہ میں تخلیق انسان کی صلاحیت کہاں سے آئی؟ انسان گوناگوں علوم کا عالم ہے۔ کیا مادہ کے ہر ذرّے میں اتنا علم تھا اور وہ ظہور کے لئے کسی وقت کا طالب تھا۔ کیا بے شعور شے کی نسبت ان حقائق کا تصور پرلے درجے کی بے شعوری نہیں؟

مادہ کی بجائے شعور

آئرلینڈ کے دانش ور برکلے نے ثابت کر دیا کہ مادہ کوئی شے ہی نہیں۔ سائنسدانوں نے نئی کروٹ بدلی ہے۔ جیسے انیسویں صدی میں یہ دعویٰ کیا گیا تھا کہ کائنات فقط مادہ سے بنی ہے۔ آج روح یا شعور کو کائنات کی اصل ٹھہرایا جا رہا ہے۔ نظریہ کوانٹم کے موجد پروفیسر پلانک (رسالہ ابزرور ۲۶ جنوری سنہ ۱۹۲۱ء) میں بیان کرتے ہیں۔ میں شعور کو ایک بنیادی حقیقت سمجھتا ہوں۔ میں مادہ کو شعور کا نتیجہ سمجھتا ہوں۔ ہم شعور سے آگے نہیں جا سکتے۔ ہر چیز جس کا ہم ذکر کرتے ہیں یا جس کو موجود تصور کرتے ہیں اس کی ہستی شعور پر مبنی ہے۔ دنیا کا مایہ ناز حکیم آئن سٹائن رقم طراز ہے۔ "کائنات پر شعور کی حکومت ہے۔ خواہ یہ شعور کسی ماہر ریاضیات کا سمجھا جائے۔ یا کسی شاعر کا یا کسی تصور کا۔"

سر جیمز جینز کا استدلال یہ ہے۔ "مادہ غیر حقیقی ہے۔ اس لئے کائنات آخرکار ریاضیات کے مجموعہ کے بغیر کچھ ثابت نہیں ہوئی۔ کائنات ایک شعور کی تخلیق ہے۔"

آپ اپنی کتاب "پُراسرار کائنات" میں تحریر کرتے ہیں۔ کائنات کسی مادہ تشریح کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ کائنات ایک بڑی کل کی بجائے ایک بڑے تصور کی صورت میں نظر آنے لگی ہے۔ ہمیں شعور ہی کو مادی دنیا کا خالق اور حکمران قرار دینا چاہئے۔

پروفیسر جے ایس ہالڈین کا خیال ہے۔ "وہ حکماء جو علم حیات کا مطالعہ سنجیدگی سے کرتے ہیں۔ اب اس بات کے قائل نہیں کہ زندگی فقط مادہ کی کسی خاص کیمیائی ترکیب کا نتیجہ ہے۔"

جرمنی کے ماہر حیات ڈریش مدعی ہے۔ "ماحول کی خارجی کیفیات سے متاثر ہونے کی وجہ سے جو حرکات ایک زندہ حیوان سے سرزد ہوتی ہیں۔ وہ ایک کل کی حرکات سے یکسر مختلف ہیں۔ اگر ہم ایک کیکڑے کی ٹانگ کاٹ دیں تو اس کی جگہ دوسری ٹانگ پیدا ہو جاتی ہے۔ کوئی کل اپنے ٹوٹے ہوئے پرزہ کو خود بخود مہیا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ اس پر بھی یہی سوال وارد ہوتا ہے کہ طعام کی لذت طعام جانتا ہے یا کھانے والا۔ شعور خالق ہے؟ یا خالق شعور خالق ہے؟ اسلام کہتا ہے۔ کائنات کا خالق مادہ نہیں۔ قانون نہیں۔ شعور نہیں۔ خدا ہے۔ اس لئے کہ علیم خبیر ہے۔

مرغی یا انڈا

کیا یہ مشاہدہ نہیں کہ انڈا مرغی کے پیٹ میں ہوتا ہے؟ اور کیا اس سے انکار کیا جا سکتا ہے کہ مرغی انڈے سے ہی پیدا ہوتی ہے۔ ہم نے بیج سے درخت کا نشوونما ملاحظہ کیا ہے۔ اور ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ بیج درخت سے حاصل ہوتا ہے۔ آم گٹھلی سے ہے اور گٹھلی آم سے ہے؟ بلاشبہ نر اور مادہ کے ملاپ سے یہ اولاد ہوتی ہے۔ مگر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ جو چیز بھی اولاً ظہور پذیر ہوئی۔ وہ عام نظارہ کے برعکس پیدا ہوئی۔ پہلا آدم علیہ السلام یقیناً کسی ماں باپ کا بیٹا نہیں تھا۔ مسیحی دنیا بنا باپ پیدا ہونے والے جناب مسیح علیہ السلام کو خدا سمجھ بیٹھی۔ تو کیا اربوں مخلوق کو کہ جو بلا نر و مادہ متولد ہوئی۔ نعوذ باللہ، ڈبل خدا مان لیا جائے۔ نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ سوال یہ ہے کہ یہ مخلوق اولاً کیوں کر پیدا ہوئی۔ کیا خود بخود؟ کیا ہر ایک میں یہی صلاحیت تھی کہ وہ خود بخود پیدا ہو جائے؟ یہ تو ماننا ہی پڑے گا کہ پہلے انسان میں یہ صلاحیت نہیں تھی کہ وہ پہلے حیوان کو بھی پیدا کرے۔ اگر انسان میں اپنے آپ کو پیدا کرنے کی قابلیت تھی تو اس نے یہ تنزل کیوں گوارہ کیا۔ کہ اب اس کا وجود نر و مادہ کے ملاپ کا محتاج ہو گیا۔ صاف اور معقول بات یہی ہے کہ سب کا خالق اللہ ہی ہے جس کی نسبت قرآن نے کہا ہے۔

تمام تعریفوں کا مستحق وہی ہے کہ جو ساری کائنات کا پیدا کرنے والا ہے اور اسے اس کے کمال تک پہنچانے والا ہے۔ (اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ)۔

خدا کا وجود

جو کچھ بیان کیا گیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مارکسی اور مادہ پرست بھی مانتے ہیں کہ

اس عالم میں ایک مبدا (شروع کرنے والا) ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ وہ شروع کرنے والا مادہ ہے۔ یا اس کی حرکت ہے۔ عہد حاضر کے دانشوراسی دعوے میں ترمیم کرتے ہیں کہ خالق مادہ نہیں شعور ہے۔ اس کے مقابلہ میں وہ لوگ جو خدا کے وجود کے قائل ہیں۔ اس کو صاحب شعور وارادہ تسلیم کرتے ہیں۔ ان دونوں کے فرق کو سمجھنے کیلئے آپ ایک کرسی یا معجون مقوی دماغ پر غور کریں۔ کرسی لکڑی سے بنتی ہے۔ اسے اصطلاح میں کہتے ہیں علت مادی۔ ایسے ہی جن دواؤں سے معجون تیار کیا گیا ہے۔ انہیں کہا جائے گا۔ اس کی علت مادی۔ یہ جو کرسی یا معجون کی صورت ہے۔ اسے کہتے ہیں علت صوری۔ کرسی بنانے والے بڑھئی اور معجون ساز کو کہتے ہیں علتِ فاعلی۔ کرسی کی غرض یہ ہے کہ اس پر بیٹھا جائے۔ معجون کی غرض ہے۔ دماغ کو تقویت پہنچانا۔ اسے کہتے ہیں علتِ غائی۔ مادہ پرستوں یا اشتراکیوں کے نزدیک کائنات میں صرف علتِ مادی کارفرما ہے۔ ظاہر ہے کہ بڑھئی اور معجون ساز لکڑی اور دوائیوں سے جداگانہ ہستی ہے۔ وہ اس کے قائل نہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ ٹھیٹھ عقلی زاویہ نگاہ سے کسی ذی شعور موجد یا خالق کی ضرورت ہے یا نہیں۔

عام مشاہدہ

ہم دیکھتے ہیں کہ بعض چیزیں بغیر اختیار وارادہ ہیں اور بعض اختیار وارادہ کے ساتھ ہیں۔ ایک مرتعش کا ہاتھ تھر تھراتا ہے۔ کانپتا ہے بغیر کسی ارادہ واختیار کے مگر ٹائپ کرنے والے کا ہاتھ حرکت کرتا ہے ارادہ واختیار کے ساتھ۔ ایک دیوانے کی زبان بھی قینچی کی طرح چلتی ہے۔ ٹھہرتی ہے۔ گھٹتی ہے۔ بڑھتی ہے اور اس سے حروف صادر ہوتے ہیں اور ایک مقرر کی زبان بھی الفاظ، حروف اور فقرے پیدا کرتی ہے۔ دیوانے کی بڑبڑ، بے اختیاری ہے۔ اضطراری ہے۔ مقرر کی تقریر اختیاری ہے۔ ایک شخص کا کوٹھے پر سے پاؤں پھسلتا ہے۔ وہ زمین پر گر پڑتا ہے اور ایک کوٹھے پر سے پھاند پڑتا ہے۔ دونوں کی ٹانگ ٹوٹ گئی ذریعہ ایک ہے۔ نتیجہ ایک ہے۔ دونوں اوپر سے نیچے آئے۔ دونوں نے ایک ہی فضا طے کی۔ ایک کی حرکت اضطراری ہے۔ دوسرے کی ارادی ہے۔ کیا مقرر کی تقریر دیوانے کے ہذیان سے زیادہ قابل توجہ نہیں؟ کیا چھلانگ لگانے والے اور گر پڑنے والے دونوں کی نسبت ایک ہی رائے کا اظہار کیا جائے گا؟

آپ نے ریگستان میں سفر کیا ہوگا۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ صحرا میں جو ہوا چلتی ہے وہ اپنے

ساتھ ریت کے ذروں کو لاتی ہے۔ اس کی وجہ سے کہیں پستی اور کہیں بلندی کے مناظر پیدا ہو جاتے ہیں۔ کیا کبھی آپ کو یہ سوجھی کہ اس بلندی و پستی کا سبب آپ ہیں؟ کیا اس بناء پر آپ نے اپنی نسبت کسی رائے کا اظہار کیا؟ آپ دھوپ سے گھبرا جاتے ہیں۔ باد سموم کے جھونکے آپ کو مضطرب کر دیتے ہیں۔ آپ کسی ایسے مقام پر پہنچ جاتے ہیں جہاں ایک مکان ہے۔ دکان ہے۔ چارپائیاں ہیں۔ کرسیاں ہیں۔ چیزیں فروخت کرنے والے موجود ہیں۔ مکان صاف ستھرا ہے۔ دو منزلہ ہے۔ اس میں سونے کے کمرے بھی ہیں۔ جس میں آپ قیام کرتے ہیں۔ آرام کرتے ہیں۔ کیا آپ نے کبھی اس مکان والے کا شکریہ نہیں ادا کیا۔ یا اس کی غیر حاضری یا عدم موجودگی میں اسے یہ دعا نہیں دی۔ کہ خدا اس کا بھلا کرے۔ کیا اسے دیکھ کر آپ کو بقائی ہوش و حواس کبھی یہ سوجھی؟ کیا یہ مکان ہوا کی حرکت اور ذروں کی اتفاقیہ مرکز سے یونہی تیار ہو گیا۔ ہوا درختوں کو اڑا لائی۔ درخت یونہی ٹوٹے۔ اور اتفاق سے دروازوں کی صورت میں تبدیل ہو گئے۔ یہ جو کچھ ہوا، معمار، مزدور، بڑھئی وغیرہ کی ارادی واختیاری صناعی کے بغیر ہوا۔

ممکن ہے کہ آپ کو یہ معلوم نہ ہو کہ اس آرام گاہ کا بنانے والا کون ہے۔ مگر آپ یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ اس کے بنانے والا کوئی نہیں۔ کیا کبھی کارخانے، مشین، کسی انجن، کسی مکان کی نسبت آپ کو یہ خیال آیا۔ کہ وہ بے شعور ذروں کی ذاتی صنعت کا کرشمہ ہے؟ کیا یہ تمام اشیاء کائنات کا جزو نہیں۔ کیا جزو کل کا مغائر ہوتا ہے؟ جب جزو کی نسبت آپ یہ نہیں کہتے کہ وہ بے سمجھ ذروں کے اتفاقی ملاپ کا ثمرہ ہے تو کیوں کر اس پھیلی ہوئی فضاء۔ اس بچھی ہوئی زمین۔ اس اونچے آسمان اور اس چھت میں جو سورج، چاند، سیارے ٹکے ہوئے ہیں اسے اپنے پھیرے پر پھیر رہے ہیں۔ ان کے متعلق یہ خیال دل سے پیدا ہو سکتا ہے کہ یہ سب از خود ہیں۔ از خدا نہیں ہیں؟ آپ ایسا کیوں نہیں کہہ سکتے۔ اس لئے کہ ہر چیز میں ایک خاص شان ہے۔ وصف ہے اور تمام چیزیں ایک دوسرے سے وابستہ ہیں۔ سب ایک زنجیر کی کڑیاں ہیں۔ ایک گھر کا ضروری سامان ہیں۔ ان کا ہونا خاص غرض کے لئے ہے۔ اس مشین کا ہر ایک پرزہ خاص مقصد کے لئے خاص نتیجے پر ڈھالا گیا ہے۔ جب یہ ہے تو کیا آپ کے اپنے جسم کے جوڑ جوڑ، مفاصل، رگیں اور ہڈیاں یونہی بے جوڑ ہیں۔ بے کار ہیں۔ کیا آپ کے اعضاء میں کوئی ارتباط نہیں؟ کیا آپ کی ان گنت ضرورتیں آپ کے ہاتھ پاؤں وغیرہ سے پوری نہیں ہو رہیں؟ کیا باریک رگوں اور جلد کے غلاف نے آپ کو

یہ یقین نہیں دلایا۔ کہ ان کے بنانے والے کو پہلے سے معلوم تھا۔ کہ اس مخلوق کو کس طرح کی ضروریات پیش آئیں گے۔ کیا ... کو دیکھ کر آپ نے معمار کی تعریف کی تھی تو اپنے وجود کی نازک ترین حسین ترین مشین پر سو ر کے آپ کا یہ دل نہیں کہہ اٹھتا۔
"فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ" کیا کسی اچھی صورت کے نظارے نے آپ کو یہ کہنے پر مجبور نہیں کیا۔

ہوش اڑا دیتا ہے۔ ان زہرہ جبینوں کا جمال
خود وہ کیا ہو گا انہیں ہوش میں لانے والا

فوٹوگرافی کی مشین

آپ فوٹو کے شوقین ہیں۔ آپ عکاسی فوٹوگرافی کی مشین پر نگاہ ڈالتے ہیں۔ آپ اس کی تعریف کرتے ہیں۔ ملا منش فوٹو کو پسند نہ کرے۔ لیکن یہ ضرور کہیگا۔ کہ یہ مشین ضرور قابل تعریف ہے۔ آپ دیکھتے ہیں ایک بند اور محدود صندوق کے اندر ایک ایسا شیشہ ہے جو سامنے کی ہر شے کا عکس لے لینے کے قابل ہے۔ وہ عکس لیتا ہے اور خاص صورتوں سے اسے محفوظ بھی کر لیتا ہے۔ اور پھر دواؤں کے ذریعے اسے کاغذ کے صفحے پر منتقل بھی کر دیتا ہے۔ دل بے ساختہ کہتا ہے کہ موجد مشین بلاشبہ ذہین تھا۔ کیا کیمرہ والے اور آپ کے بدن میں جو آنکھ ہے وہ یونہی ہے وہ ذرات مادی کی حرکت غیر ارادی کا شاہکار ہے؟
کل کی خبر نہیں۔ آج جو آلات عکاسی ہم دیکھ رہے ہیں۔ ان میں بڑی نمایاں کمزوریاں بھی ہیں۔ جس رخ پر کیمرے والے نے ان کے شیشہ کو لگا دیا ہے۔ جب تک کیمرے والا انہیں دوسرے رخ پر نہ لگائے۔ وہ برابر بزبان حال داغ کا یہ شعر پڑھتا رہتا ہے۔

اور ہوں گے تیری محفل سے نکلنے والے
حضرت داغ جہاں بیٹھ گئے بیٹھ گئے

اس کا ادھر ادھر مڑنا آپ کی یا کیمرہ والے کے ہاتھ کی حرکت پر موقوف ہے۔ یہ بھی ہے کہ ایک شیشہ پر جب ایک تصویر آ گئی۔ تو جب تک وہ تصویر محو نہ ہو یا اسے دھویا نہ جائے اور شیشہ کو بالکل صاف نہ کیا جائے۔ اس پر دوسرا فوٹو نہیں آ سکتا۔ اس سے بھی انکار نہیں کیونکہ یہ مشاہدہ

ہے کہ شیشہ تصویر کو اپنے قد و قامت کے مطابق لے گا۔ اگر وہ چھوٹا ہے۔ تو چیز خواہ بڑی ہو اس کی تصویر اس آئینہ پر چھوٹی ہی آئے گی۔ اگر شیشہ بڑا ہے اور چیز چھوٹی ہے تو اس کی جو شکل شیشہ پر آئے گی۔ وہ بڑی ہو گی۔ یوں کہا جائے گا کہ شیشہ پر چیز کی واقعی و حقیقی مقدار ظاہر نہیں ہو گی۔ آؤ آلۂ عکاسی یا اس آنکھ پر غور کریں۔ جو یہ جانتی ہے کہ وہ ہے اور یہ بھی جانتی ہے کہ وہ دیکھ رہی ہے۔ کیا ہوا کہ وہ اپنے آپ کو دیکھ نہیں رہی۔ شیشہ سامنے آجائے تو اپنے آپ کو بلکہ اپنے ہی کاٹے ہوئے سرمہ اور اس کی دھاریوں کو بھی دیکھ لیتی ہے۔ اسے بنانے والے نے ایک اُونچی جگہ پر رکھا ہے۔ تاکہ وہ دور دور کی چیزوں کو آسانی سے تاڑ سکے۔ اس میں دروازے لگے ہیں جس کے پٹ بند ہوتے اور کھل جاتے ہیں۔ تاکہ گرد و غبار سے شیشے خراب نہ ہوں۔ اور ان میں چلمنیں لگائی ہیں جو دروازوں کے کھلے ہونے کی حالت میں اٹھتی اور گر پڑتی ہیں۔ اس میں ایک ایسی پھرکی یا کل لگائی گئی ہے جس سے وہ شیشے چاروں طرف ہی نہیں۔ بلکہ اوپر نیچے بھی ہر طرف کے عکس لیتے رہتے ہیں۔ یہ آبگینے ایک عکس کو لے کر بے کار نہیں ہو جاتے۔ اسے یہ خبر نہیں کہ کتنے فوٹو ان کے پردوں میں ہیں۔ ان شیشوں کو بدلنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ انہیں دھونے کی حاجت بھی نہیں۔ بلکہ خود آلہ میں یہ خاصیت ہے کہ صورت کو بھی لیں اور سادہ بھی رہیں۔ اور وہ صورت محو نہ ہو۔ بلکہ ایک خزانہ میں منتقل ہو جائے جس میں محفوظ رہے۔ اور جب انسان چاہے وہ تصویر اس البم سے نکل کر پھر اس کے پیش نظر ہو جائے۔ یہ اس کی خوبی ہے کہ جس کو ذہن میں رکھتے ہوئے انسان یہ کہہ دیتا ہے۔

دل کے آئینہ میں ہے تصویر یار
جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

ان شیشوں کا کام ہی یہ ہے کہ وہ ہر وقت تصویریں لیں۔ ہر آن سادہ اور دوسری تصویر لینے کے لئے آمادہ۔ لطف یہ ہے کہ ان شیشوں میں چیزوں کی اصل مقداریں بھی محفوظ رہتی ہیں۔ اگر وہ بڑی ہیں تو بڑی، اور اگر چھوٹی ہیں تو چھوٹی۔ دور نہ جائیں۔ یہ آلات عکاسی کوئی اور نہیں آپ کی دونوں آنکھیں ہیں۔ انہیں سر کی کھوپڑی (پیشانی) میں رکھا گیا یہ۔ جو بدن کے محل کا بلند حصہ ہے۔ تاکہ دور کی چیزوں کا مقابلہ بہ سہولت ہو سکے۔ ان کے پپوٹے دروازے ہیں۔ جو ضرورت کے وقت کھلتے اور بلند ہوتے ہیں۔ ان کی پلکیں چلمنیں ہیں۔ جو اٹھتی ہیں اور گر پڑتی ہیں۔ ان کو

گردش کی قوت دی گئی ہے۔ تاکہ وہ جس سمت کے نقشوں کو چاہیں لے لیں اور نگاہ کے سامنے پیش کر سکیں۔ ان دونوں کا اتحاد ملاحظہ ہو۔ صورت جس کا احساس ہوتا ہے ایک ہے۔ اور وہ دونوں اس صورت کو لے کر حسِ مشترک اور پھر حافظہ کے خزانہ میں منتقل کر دیتی ہیں۔ اور خود دوسری صورتوں کے ادراک کے لئے سادہ و آمادہ رہتی ہیں۔ وہ اپنی چھوٹی سی ہستی کے باوجود بڑے سے بڑے پہاڑ۔ دریا۔ سمندر کی تصویر لیتی اور اسے اتنا ہی دکھلاتی ہیں۔ جتنا وہ ہے۔ وہ عکس گرفتہ صورت کی ظاہری صورت اور منہ کی مقدار ہی کو نہیں دکھا دیتی۔ بلکہ اس کے رنگ، روپ، جوش، حرکت سکون کو بھی واقعی طور پر پیش کرتی ہیں۔ جس میں اختلاف نہیں ہوتا۔ کیا کوئی شیشہ اتنا نازک ہے کہ جتنا آپ کی آنکھ کا پردہ نازک ہے۔ آپ بھرے بازار میں شیشہ کا گلاس ہتھیلی پر رکھ کر لے جائیں۔ کیا امید ہے۔ کہ آپ اسے جوں کا توں گھر واپس لا سکیں گے؟ مگر آپ کا اپنا تجربہ یہ ہے کہ آنکھ پر ضرب شاذ و نادر ہی آتی ہے۔ خطرناک شے آنکھ کے سامنے آئے۔ تو پپوٹے غیر ارادی طور پر بند ہو جاتے ہیں۔ کیا آنکھ اسی اندھے مادہ کی اتفاقی چشمک ہے۔ یا "علیم بصیر" کے کرم کا اثر ہے؟

واجب الوجود

دنیا میں ہر شے اپنے مرکز کا پتہ دیتی ہے۔ مثلاً ہم ایک نمائش میں جاتے ہیں وہاں ہم کو متفرق چیزیں نظر آتی ہیں۔ ایک دکان پر قلم ہیں۔ کاغذ ہیں۔ دواتیں ہیں۔ دوسری پر کھانے پینے کی چیزیں ہیں۔ تیسرے سٹال پر اونی اور سوتی پارچات ہیں۔ پہلی دکان بساطی کی تھی ہم غور کرتے ہیں کہ ہمیں لکھنے کیلئے کاغذ، دوات، روشنائی اور قلم کی حاجت ہے۔ مگر ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ کاغذ کو قلم اور دوات کو روشنائی کے ساتھ کوئی ایسا تعلق ہے۔ کہ یہ چیزیں بالکل ایک ساتھ ہی ہونی چاہئے۔ دوات شیشے یا مٹی کی ہے۔ ہم نے یہی دیکھا کہ کاغذ کا مخزن کوئی اور ہے۔ دوات کسی اور کارخانے میں تیار ہوئی ہے۔ ان میں سے ہر ایک کا اصل مرکز دوسرے سے جدا ہے۔ جو مشین کاغذ بناتی ہے۔ وہ قلم نہیں بناتی۔ ہر ایک کا مرکز جدا جدا ہے۔ ظاہر ہے کہ دنیا میں جتنی بھی چیزیں ہیں ان میں سے ہر ایک کا مرکز الگ ہے۔ جو مرکز پانی کا ہے وہ آگ کا نہیں۔ ویسے بھی ہمیں بتایا گیا کہ یہ کرۂ نار ہے یہ کرہ آبی ہے۔ دنیا میں ہمیشہ وجود و عدم کو ساتھ ساتھ دیکھا۔ ہر شے میں ہستی کا پہلو بھی ہے اور نیستی کا بھی۔ لیکن جب ہم ذات ہستی پر غور کرتے ہیں تو وہ نیستی کی محتاج نہیں ہے اور

نہ ہستی کی پابند ہے۔ اس لئے ہم جب عقل پر زور دیتے ہیں تو ہمیں کہنا پڑتا ہے کہ ایک ایسی ہستی ہے جہاں نیستی مطلقاً نہیں۔ گویا یہ کہ وہ ہستی کا مرکز ہے۔ جیسے پانی کے مرکز میں پانی ہی ہے۔ ایسے ہی ہستی کے مرکز میں ہستی ہی ہے۔ جس ہستی کا وجود ضروری ہے کہ ہست ہو۔ اسے واجب الوجود کہتے ہیں۔ واجب الوجود صرف خدا ہے۔ جو کائنات کا باشعور خالق ہے۔

انسان اور رحمان

انسان بڑا ذی شان ہے۔ مگر ہوا، پانی، خوراک اور پوشاک کا محتاج ہے۔ مکان کا محتاج ہے۔ اسے بھوک لگتی ہے۔ پیاس لگتی ہے۔ وہ آب و غذا کی تلاش کرتا ہے۔ اسے گرمی اور سردی ستاتی ہے۔ اس لئے وہ ان اسباب کی تلاش کرتا ہے کہ جن کی مدد سے اسے گرمی اور سردی میں آرام ہو وہ دیکھتا ہے کہ زمین سے اسے یہ چیزیں حاصل ہو جاتی ہیں۔ اگر سورج نہ ہو تو زمین بے کار ہے۔ سورج زمین سے نو کروڑ ۲ لاکھ میل کے فاصلہ پر ہے۔ سورج کی روشنی زمین تک کم و بیش آٹھ منٹ میں پہنچتی ہے۔ علم ہیئت والے بتاتے ہیں کہ قطب شمالی کے ستارے کی روشنی زمین تک پہنچنے میں دس ہزار برس لگتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ زمین سے یہ ستارہ اتنے فاصلے پر ہے کہ گنا نہیں جاسکتا۔ عام حساب یہ لگایا گیا ہے کہ وہ زمین سے تقریباً ۹۲۷۰۰۰۰۰ × ۶۵۹۰۰۰۰۰۰۰ میل ہو گا۔ اس کے بعد معلوم نہیں۔ ماننا پڑتا ہے کہ اللہ نے جو یہ کہا ہے کہ اپنے ان لشکروں کو وہی جانتا ہے "لا یعلم جنود ربك الا هو" بالکل صحیح ہے۔ سورج کا حجم زمین کے حجم کا بارہ لاکھ گنا ہے۔ اور جتنا سورج ایک ریت کے ذرے سے بڑا ہے۔ اس کہکشاں کے ثوابت و سیارہ کا مجموعہ سورج سے اس کی بہ نسبت بہت زیادہ بڑا ہے۔ اس کہکشاں میں اربوں ثوابت و سیارے ہیں۔ ایک طرف یہ حال ہے۔ دوسری جانب یہ حقیقت ہے کہ سوئی کی نوک کے سوراخ کا جتنا قطرہ اٹھ آتا ہے۔ اس ننھے منے قطرے میں اتنے ہی چھوٹے چھوٹے کیڑے موجود ہیں جتنے کرہ زمین پر آدمی ہیں یعنی اربوں۔ علم والے کہتے ہیں کہ ان تمام بڑوں اور چھوٹوں کے موجود ہونے، نشو و نما پانے۔ بڑھنے گھٹنے کا طریقہ ایک ہی ہے۔ سب کے سب ایک نظام میں جکڑے ہوئے ہیں۔ سب ایک ہی مقصد کو پورا کر رہے ہیں۔ سب ایک قانون کے تابع ہیں۔ یہ قانون کس کا ہے؟ ان کے پیدا کرنے اور ان پر تصرف قائم کرنے پر کون قدرت رکھتا ہے۔ قرآن بتاتا ہے۔ "تبارك الذی بیده الملك وهو علی كل

شيءٍ قدير" برکت والا ہے وہ جس کے قبضہ قدرت میں اختیار ہے۔ جو ہر شے پر قادر ہے۔
انسان حیران ہیں کہ یہ کہاں سے ہیں۔ کب سے ہیں۔ وہ خود کیا ہے؟ کب سے ہے؟ کس سے ہے؟ شاعر کیا خوب کہتا ہے۔

تمناؤں میں اُلجھایا گیا ہوں
کھلونے دے کے بہلایا گیا ہوں
میرے آنے کا مطلب ان سے پوچھو
میں خود آیا نہیں لایا گیا ہوں

آسمان اور زمین کی چیزیں مل کر انسان کی حاجتیں پوری کر رہی ہیں۔ ان میں سے کوئی بولتا نہیں۔ مگر انسان بولتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب وہ پیدا ہوا اسے کیونکر معلوم ہوا۔ کہ فلاں شے سورج ہے؟ فلاں زمین ہے؟ وہ پانی ہے؟ وہ آگ ہے؟ ان چیزوں کے بغیر اس کا گزارہ نہیں۔ اور ابتداء میں اسے ان کا پتہ کیوں کر ہوا۔ آخر یہ تم نے سنا ہی ہوگا کہ کبھی نہ کبھی انسان پیدا ہوا ہوگا۔ کیا محض مرد پیدا ہوئے۔ تو ان کے آگے سلسلہ کیونکر چلا۔ اس نے کیوں کر جانا کہ اس کے لئے عورت کا ہونا لابدی ہے۔ انہوں نے ایک دوسرے کو کیوں کر پہچانا؟ ان پر یہ کیسے ظاہر ہوا کہ وہ ایک دوسرے کے رفیق حیات ہیں؟ یہ کیا بات ہے۔ کہ انگریز کا بچہ پانی کو واٹر کہتا ہے۔ ایرانی آب۔ بھارتی جل۔ عربی ما اور پاکستانی پانی۔ کیا عرب۔ انگریز۔ بھارت۔ ایران اور پاکستان کے ذروں نے یہ الفاظ بتائے؟ کیا یہ الجھنیں سلجھ سکتی ہیں؟ اتنی بات ضرور ہے کہ ایک کتاب ہے جس کا نام ہے قرآن۔ اس میں لکھا ہے۔ "خَلَقَ الْإِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ" انسان کو اللہ نے پیدا کیا۔ اور اسے بولنا اللہ نے سکھایا۔ اس نے واضح کیا کہ خدا نے ایک آدم بنایا۔ اور اس کی جنس سے اس نے حوا بنائی۔ ارشاد ہے "خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ" تمہیں ایک جان سے بنایا۔ "وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا" اور اس کی رفیقۂ حیات کو اس کے مادہ سے بنایا۔ فرمایا۔ خدا نے آدم کو تمام ضروری چیزوں کے نام بتائے۔ "عَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَآءَ كُلَّهَا" قرآن نے بتایا۔ زمین اور آسمان کا خالق وہی ہے۔ ان گنت عالموں کا رب وہی ہے۔ اور اس نے سب کے لئے ضروری سامان پیدا کئے اور سب کے لئے ہی ضروری سامان پیدا کرتا رہتا ہے۔ وہ رب العالمین ہے۔ رحمٰن ہے رحیم ہے۔

قرآن مجید کا طریق استدلال

قرآنِ مجید نے وجود باری کے سمجھانے کیلئے وجدانی اور فطری طریق اختیار فرمایا۔ حافظ ابن کثیر مکی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عرب کے صحرا میں جب بدوی اونٹ پر سوار ہوتا ہے تو اس کی نظر چند چیزوں پر ہوتی ہے۔ اس کی پہلی نظر اپنے اونٹ پر ہوتی ہے۔ جب وہ آنکھ اوپر اٹھاتا ہے تو اسے آسمان دکھائی دیتا ہے۔ زاں بعد وہ پہاڑ پر نگاہ دوڑاتا ہے۔ اور پھر زمین کو دیکھتا ہے۔ صحرا میں اونٹ کے بغیر گزارہ نہیں۔ کیا اس ضرورت کو ناگہانی اتفاق نے پورا کر دیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا کہ آپ ان عربوں سے جو وجود باری کے منکر ہیں۔ یوں خطاب کریں۔ "اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ" کیا تم اونٹ کی طرف نہیں دیکھتے اس کی پیدائش کیسے ہوئی؟ اونٹ عجیب جانور ہے۔ اس کے پیٹ پر جھلی ہے جس میں پانی محفوظ رہتا ہے اس میں یہ چیز کس نے پیدا کی؟ کہ ایک دن پانی پی لے تو آٹھ روز تک گزارہ کر سکتا ہے۔ ایسے ہی اس کی پشت پر کوہان ہے جس میں خوراک کا ذخیرہ ہے۔ صحراؤں میں صرف کانٹے ہیں۔ بجز اونٹ کون ہے کہ جس کی گردن اتنی اونچی ہے کہ وہ ان کانٹوں تک پہنچ کر انہیں توڑ سکتا ہے اور پھر ان کا وہاں ان کیلئے ضروری ہے۔ وہ اس کی غذا ہیں۔ اس کا معدہ ان کے لئے مناسب ہے۔ کیا اس نوعیت کا جانور صحرائیوں کی خدمت کے لئے ریت کے ذروں نے یا ببول کے کانٹوں نے پیدا کر دیا؟

"وَاِلَی السَّمَاءِ کَیْفَ رُفِعَتْ" اور آسمانوں کو دیکھو کہ وہ کس طرح اونچے کھڑے کر دیئے گئے ہیں۔ کیا ان کا کوئی ستون دکھائی دیتا ہے؟ کیا ان میں جو بے شمار ستارے، سیارے چاند اور سورج چمک رہے ہیں۔ دمک رہے ہیں۔ ان کی ضرورت نہیں تھی؟ کیا وہ زمین پر موزوں نہیں تھے؟ اگر نہیں تھے ان کے لئے عالم بالا کس نے تجویز کیا۔ بارش کہاں سے آتی ہے۔ کیا یہ آسمان اندھے بے سمجھ ذروں کا کرشمہ ہیں؟

"وَاِلَی الْجِبَالِ کَیْفَ نُصِبَتْ" پہاڑوں پر غور کرو۔ وہ کیوں کر نصب ہو گئے۔ کیا زمین کے لئے ان کی ضرورت نہیں تھی؟ کیا اس ضرورت کی سمجھ ذروں کو آسکتی تھی؟

"وَاِلَی الْاَرْضِ کَیْفَ سُطِحَتْ" اس زمین کو کس نے بچھونا بنا دیا۔ اس کی سطح کی پیدائش کس کی صنعت ہے۔

ابراہیم علیہ السلام و نمرود

قرآن کا بیان ہے کہ بابل کے شہر اُوریا میں ایک نبی علیہ السلام پیدا ہوئے۔ جن کا نام تھا ابراہیم علیہ السلام۔ ان کی قوم ستاروں کی پوجا کرتی تھی۔ ان کے کنبے والے بت ساز اور بت فروش تھے۔ ان کا بادشاہ خدا بنا بیٹھا تھا۔ آپ نے اپنے خاندان کے شیخ کو سمجھایا۔ کہ وہ بت پرستی سے باز آ جائے۔ آپ نے قوم کو سمجھایا کہ کوکب (تارہ) چاند اور سورج فنا پذیر ہیں۔ ڈوب جانے والے ہیں۔ اللہ کو مانو۔ جو ان کا اور زمین و آسمان کا خالق ہے۔ انہوں نے بادشاہ کو سمجھانے کی ٹھانی۔ آپ نے یہ واضح کیا کہ کسی کو زندگی عطا کرنا اور کسی سے زندگی سلب کر لینا اسی کی قدرت میں ہے۔ اس کے سوا نہ کوئی زندگی دے سکتا ہے اور نہ کوئی زندگی سلب کر سکتا ہے۔ اے بادشاہ کیا تو اس پر قادر ہے؟ آپ کا منشا یہ تھا کیا تو از خدا پیدا ہوا ہے یا تجھے خدا نے پیدا کیا ہے جب تو مخلوق ہے تو خالق کیونکر ہو سکتا ہے۔ کیا تیری قوت تیرے تصرف میں ہے۔ یا تصرف باری میں ہے؟ اگر تیرے قبضے میں نہیں۔ تو خدا تو نہیں ہو سکتا؟ ایسے ہی فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ نظام کر رکھا ہے کہ وہ سورج کو مشرق سے طلوع کرتا ہے۔ کیا تو اس کا نظام بدل سکتا ہے؟ اگر وہ کہے کہ سورج اس کے تصرف میں ہے۔ تو قوم اس کے خلاف بغاوت کا علم بلند کر دیتی کہ وہ ان کے سب سے بڑے خدا سے بڑا بنتا ہے۔ اس لئے وہ حیران ہو گیا۔ اس لئے قرآن نے واضح کیا کہ نظام کونی۔ نظام قمری اور نظام شمسی پر تصرف خدا کو ہے۔ یہ نظام اس کا قائم کردہ ہے اور موت و حیات بھی اس کے تصرف میں ہے۔ اگر مادہ میں حیات ہے۔ مادہ حیات کا مرکز ہے۔ تو وہ ممات کا مرکز نہیں ہو سکتا۔ جب اس سے زندگی ابھرتی ہے۔ کیا اس وقت بھی اس میں موت کی قبا چھا جاتی ہے۔ کہ یہ نظریہ ہی لغو ہے۔ خلاف دانش ہے۔ ازلی، ابدلی از خود زندہ اللہ ہی ہے۔ وہی زندگی دیتا ہے۔ وہی دنیا سے اٹھا لیتا ہے۔ وہی جنت میں حیات ابدی عطا کرے گا۔

خدا شناسی

غور و فکر کرنے والا انسان ہر شے کی تہ تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے۔ دل سے پوچھتا ہے۔ یہ چیز کیا ہے؟ کیوں کر بنی ہے؟ کس غرض کے لئے بنی ہے؟ آپ سے آپ بن گئی ہے یا کسی نے بنائی ہے؟ بنانے والے نے اس کے بنانے میں کیا کاریگری کی ہے؟ اگر وہ چیز ایسی ہے

کہ اس میں آدمی کے عمل کو بھی تھوڑا بہت دخل ہے۔ مثلاً وہ مکان ہے۔ پھول ہے۔ یا کھیت ہے اس نے یہ جاننا چاہا۔ کہ مکان کیوں کر بنا؟ اس نے بنانے کے مفہوم پر غور کیا۔ تو بس یہ نظر آیا کہ اس نے مٹی سے اینٹیں تھاپیں۔ ان کو پکایا۔ درختوں کی لکڑی چیر کر کڑی۔ تختہ، کواڑ۔ چوکھٹ یہ چیزیں بنائیں۔ ان کو لوہے کی کیلوں سے جوڑا۔ پھر سب چیزوں کو موقع موقع سے ترتیب دے دیا۔ اتنا کرنے سے وہ معمارِ مکان کہلایا۔ مگر پانی۔ مٹی۔ لکڑی۔ لوہا کوئی چیز بھی آدمی نے پیدا نہیں کی۔ اس نے ان کی صورت بدل دی ہے۔ اس نے پھول کو پیدا نہیں۔ صرف کاغذ کی صورت تبدیل کی ہے۔ یا باغ سے پھول توڑ لایا ہے۔ اور گلوں سے یہ بات سنی ہے۔

اگر یہ جانتے چن چن کے ہم کو توڑیں گے
تو گل کبھی نہ تمنائے رنگ و بو کرتے

ان سے ہٹ کر اس نے آسمانوں کو دیکھا۔ اس کے دل نے گواہی دی۔ کہ ان کو کس نے بنایا؟ وہاں تک اس کا ہاتھ تو کیا طائر خیال بھی نہیں پہنچ سکتا تھا۔ اچھا تو یہ زمیں کس نے بنائی اس کو کہنا پڑا۔ کہ میں نے نہیں بنائی۔ یہ کیا ماجرا ہے۔ کہ کبھی دن ہے کبھی رات ہے؟ دن بھی نہایت ضروری ہے اور رات بھی نہایت ضروری۔ اس کی زندگی کیلئے ان کا وجود لازمی ہے۔ تو کیا یہ ویسے ہی بن گئے ہیں۔ ضرورت ہے اس کی اور اسے پورا کیا ہے کسی اور نے۔ اس نے کہ جو زمین کا خالق ہے۔ آسمانوں کا خالق ہے۔ اچھا تو کیا یہ سمندر اس نے بنایا ہے۔ یہ ہے تو بڑا فائدہ رساں۔ اس سے اِدھر کا پانی اُدھر پہنچ رہا ہے۔ اِدھر کا اُدھر آ رہا ہے۔ اس کا پانی تو آسمان سے آتا ہے۔ اس کا خالق کون ہے؟ آدمی خود نہیں۔ پانی نے مٹی کو زندہ کر دیا۔ اس نے پھل۔ پھول پیدا کر دیئے۔ غلے اگا دیئے۔ ان کے بغیر زندگی محال تھی تو کیا بارش کے ننھے ننھے قطروں کو یہ خیال آیا کہ وہ میرے لئے زمین کو زندہ کریں۔ جنگلوں میں صحراؤں میں۔ وادیوں میں ہر قسم کے جانور ہیں۔ میں ان سے دودھ لیتا ہوں۔ ان کی اون سے کپڑے بناتا ہوں۔ کیا گائے میرے لئے میرے پاس آئی ہے۔ کیا گھوڑے کی مرضی ہے۔ کہ میں اسے گاڑیوں میں جوتوں۔ کیا بیل یہ چاہتا ہے کہ میں اس سے قبضہ رانی کا کام لوں۔ یہ ہوائیں کیوں چل رہی ہیں۔ یہ کمال کر رہی ہیں۔ بڑے بڑے بادلوں کو اپنے پروں پر اڑا کر لے جا رہی ہیں۔ یہ بادل کیوں آسمان اور زمین کے درمیان کھڑے ہیں۔ ان کا ہونا کس کی علامت ہے۔ قرآن پاک کا بیان یہ ہے کہ ان سب کا پیدا کرنے والا خدا ہے۔ اور یہ نشانات قدرت خدا کے

ہیں۔ واقعی سچ ہے۔ ہر کہ شک آور کافر گردد۔

نیوٹن کی قیمتی بات

یورپ کے مشہور فلسفی نیوٹن نے بڑے پتے کی ایک مفید اور قیمتی بات کہی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جو کمزور آدمی ایک من کا بوجھ دس قدم لے چلنے سے عاجز ہے۔ وہ یہ فیصلہ نہیں کر سکتا کہ اسے وہ بھی نہیں اٹھا سکتا کہ جس کی طاقت میری طاقت سے زیادہ ہے۔ ایسے ہی کوئی یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ مجھ سے زیادہ فکر و فہم کس میں ہے۔ اور یہ کہ جسے میں نہیں سمجھ سکتا۔ اسے کوئی بھی نہیں سمجھ سکتا۔ اگر نیک لوگوں سے ان حضرات نے جن پر وحی ہوتی ہے۔ یہ کہہ دیا ہے کہ خدا ہے۔ تو ہم یہ کیوں کہیں۔ کہ ان سچوں نے جو بات کہی ہے۔ وہ سچ نہیں ہے۔ کیا خوب کہا کسی نے۔

عطا کی عقل جس نے، عقل اس کو کس طرح پائے
سمجھ بخشی ہے جس نے، وہ سمجھ میں کس طرح آئے
یہ کہہ دو فلسفی سے جا کے سر پتھر سے ٹکرائے
حدیثِ علت و معلول ہے میرا نہ سر کھائے

موت وحیات

جب سے دنیا بنی ہے یہی معلوم ہوتا ہے کہ کسی انسان کا دل نہیں چاہتا تھا کہ مرے۔ مگر اس کے بغیر گزارہ نہیں۔ یہ زمانہ بڑے علم کا ہے۔ زمین اور آسمان کے قلابے ملائے جا رہے ہیں۔ سب یہی کہتے ہیں کہ مرنا سب کو ہے۔ سب چاہتے ہیں کہ زندہ رہیں۔ سب کی کوشش ہے کہ زندہ رہیں۔ مگر حالت یہ ہے کہ بقول اکبر

ضروری کام جو نیچر کا ہے کرنا ہی پڑتا ہے
نہیں جی چاہتا مطلق مگر مرنا ہی پڑتا ہے

آخر ایسا کیوں ہے؟ عقل یہی کہتی ہے کہ موت اور حیات کسی ایسے کے قبضے میں ہے کہ جو مر نہیں سکتا۔ بلکہ زندہ ہے۔ زندہ تھا اور زندہ رہے گا۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کون ہے۔ عرب کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ کائنات کے ہادی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتایا کہ ان پر خدا کی طرف سے کتاب نازل ہوئی۔ وہ پڑھنے کے لائق ہے۔ اس کا نام ہے قرآن۔ اس میں لکھا ہے۔

"تَبَارَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ" بڑی برکت والی ہے وہ ذات جس کے قبضہ قدرت میں ملک ہے۔ "وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ" وہ اپنی ہر چاہی ہوئی شے پر قادر ہے۔ "خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ" اس نے ہی موت کو پیدا کیا۔ اس نے ہی زندگی کو زندگی بخشی۔ (پارہ ۲۹)

آدمی کی پیدائش

قرآن کہتا ہے کہ آدمی پیدا ہوا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے۔ ہم نے انسان کو مٹی کے نچوڑ سے پیدا کیا ہے۔ "وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِیْنٍ" کوئی چیز ایسی نہیں۔ جو مٹی سے پیدا نہ ہوئی ہو۔ ہماری خوراک (غلہ، سبزی، پھل، گوشت) سب زمین سے پیدا ہوئی ہے پوشاک (روئی اور اون) بھی زمین سے ہے۔ اون جانوروں کی ہے۔ جانور وہ خوراک کھاتے ہیں جو زمین سے پیدا ہوتی ہے۔ اس سے ان کا گوشت بنتا ہے۔ اسی سے ان کے بدن پر اون اگتی ہے۔ ہم گوشت کھاتے ہیں۔ ان کی اون سے پوشاک تیار کرتے ہیں۔ روئی بھی زمین سے ہی ہے۔ زمین سورج کی کرنوں کو جذب کرتی ہے۔ پانی کو جذب کرتی ہے۔ چاند کی چاندنی کو جذب کرتی ہے۔ گویا زمین کے ذروں کو چھان پھٹک کر اس کا ست نکال کر انسان کا پتلا تیار کیا گیا۔ انسان کی پیدائش کا دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ قدرت کے فیض کے باعث جو خوراک تیار ہوئی اسے انسان نے پکایا اور اس سے اپنے معدے کے تنور کو تپایا۔ کھانا کیلوس کیموس بنتا بنتا خون بن گیا۔ اور خون سے نطفہ بن گیا۔ "ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِیْ قَرَارٍ مَّكِیْنٍ" اللہ تعالیٰ نے خوراک سے خون اور خون سے نطفہ بنایا۔ اور نطفہ کو ایک موزوں مقام میں رکھا۔ مادہ کا پیٹ اور پیٹ کا حصہ رحم بے حد تاریک اور اس کا وہ ننھا منا سا گوشہ جہاں آب زندگی کو رکھا۔ وہ گھپ تاریک۔ یہ کون ہے کہ جو ان بے حقیقت باریک باریک قطروں سے انتہا درجے کی تاریک جگہ سے ایسی صورتیں تیار کر دیتا ہے کہ جس کا حسن اپنا جواب نہیں رکھتا۔ ہم نے تو کبھی یہ نہیں دیکھا۔ کہ کسی نے پانی پر کوئی نقشہ کھینچا ہو۔ اس لئے شاعر پوچھتا ہے کہ کہ کرد است بر آب صورت گری۔

پانی پر یہ تصویر کس مصور نے بنائی۔ پھر یہ کہ ایک تصویر دوسری سے نہیں ملتی۔ قرآن اس پریشانی کو دور کرتا ہے اور بتاتا ہے۔ "هُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُكُمْ فِی الْاَرْحَامِ" (رحموں میں تصویر کشی قدرت کا کام ہے) اس سے معاملہ آگے پہنچا۔ تو یہ نظر آیا کہ نطفہ سے قدرت نے خون بستہ

پیدا کر دیا۔ "ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً" اور خون بستہ سے گوشت کا لوتھڑا پیدا کر دیا۔ "خَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً" اور گوشت کے لوتھڑے سے ہڈیاں بنا دیں۔ "فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا" پس ہڈیوں پر چڑا چڑھا دیا۔ "فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا" پھر یہ کیا کہ اس سے ایک اور چیز پیدا کر دی۔ "ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا آخَرَ" روح پیدا کر دی۔ حس و حرکت پیدا کر دی۔ یہاں تک کہ اس ہیولے کی نوک پلک سنوار دی۔ ۹ ماہ کے بعد بچہ شکم مادر سے باہر آیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے یہ ہوا کہ وہ خون حیض جو اس بچہ کی غذا تھا۔ بڑے سفید اور شیریں دودھ میں تبدیل ہو گیا۔ اور قدرت نے اس ننھی سی جان کیلئے اس کی والدہ کے دو مشکیزے دودھ سے بھر دیئے۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ کام کسی اندھے بے عقل مادے کی اتفاقی حرکت کا شاہکار ہے۔ عقل اس دعوے کو تسلیم نہیں کر سکتی۔ بیشک ماننا ہی پڑتا ہے کہ ٹھیک بات وہ ہے جو قرآن نے کہی ہے۔ بلاشبہ جو انسان یہ سمجھ لیتا ہے کہ وہ کیا ہے وہ جان لیتا ہے کہ اس کا خالق کون ہے۔

اندھیرا اور نور

رحم کا اندھیرا بھی خدا نے پیدا کیا اور آنکھوں کا نور بھی اسی نے پیدا کیا۔ اندھیرے میں جو بنا اس کی آنکھیں بڑی پر نور ہیں۔ دنیا میں کہیں نور ہے۔ کہیں اندھیرا ہے۔ کہیں پستی ہے کہیں بلندی ہے۔ انسان کا سر اونچا ہے، پاؤں نیچے ہیں، انسان کے بال سیاہ ہیں، چہرہ سرخ ہے، کسی کا زرد ہے، سرخ، سفید، سیاہی، زردی سب ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ اندھیرے یعنی شر (بدی) کا خالق کوئی اور ہے اور نور یعنی خیر (نیکی) کا خالق کوئی اور ہے تو بے شمار خدا ماننے پڑیں گے۔ یہی قرین عقل ہے کہ یہ مانا جائے کہ "جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ" اندھیرے بھی اسی نے بنائے ہیں اور انوار بھی اسی نے بنائے ہیں۔ اور ان کا وجود ضروری ہے۔ ان کی ہستی مادے کی کاریگری نہیں۔ بلکہ خدا کی قدرت کے باعث ہے۔

دل کی گواہی

ایک شخص حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے عرض کی میں نہیں جان سکتا کہ خدا بھی کوئی ہے۔

حضرتؓ نے فرمایا: تو کبھی کشتی پر سوار ہوا ہے؟

منکر خدا: ہاں میں ایک مرتبہ کشتی پر سوار ہوا۔
حضرت امامؒ: تو نے اس کی مصیبت کو دیکھا؟
منکر خدا: ہاں دیکھا۔
حضرت امامؒ: اس کی تفصیل کیا ہے؟
منکر خدا: بڑی سخت ہوا چلی۔ جس سے کشتی کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ ملاح بھی غرق ہو گیا۔ میں نے یہ ترکیب کی کہ کشتی کے ایک تختہ کو تھام لیا۔ وہ بھی میرے ہاتھ سے نکل گیا۔ میں بھی پانی کی لہروں میں پڑ گیا۔ مگر بہتا بہتا دریا کے کنارے پر پہنچ گیا۔
حضرت امامؒ: پہلے تجھے کشتی پر اعتماد تھا۔ وہ پارہ پارہ ہو گئی۔ تو نے ملاح پر اعتماد کیا۔ ملاح بھی ڈوب گیا۔ تیرا سہارا تختہ بن گیا۔ جب وہ بھی گیا۔ تو تیرا کیا ہوا۔ کیا تجھے بچنے کی امید تھی؟
منکر خدا: ہاں امید تھی۔
حضرت امامؒ: وہ امید کس پر تھی؟ جب کوئی تھا ہی نہیں۔ تو تیرا بھروسہ کس پر تھا۔
منکر خدا: حضرت میں نہیں کہہ سکتا کہ کس پر تھا۔ مگر بھروسہ ضرور تھا۔
حضرت امامؒ: وہ جسے تو نہیں جانتا اور نہیں مانتا۔ وہی ہے خدا۔ تیرا بھروسہ اس پر تھا۔
منکر خدا: حضور آپ مجھے کلمہ پڑھائیں۔ میں نے مان لیا کہ خدا واقعی ہے۔

مصیبت کو دور کرنے والا

عرب کا ایک بت پرست جس کا نام تھا۔ عمران۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔
نبی کریم ﷺ: تیرے کتنے معبود ہیں؟
عمران: دس۔
نبی کریم ﷺ: ان میں سے کون ہے کہ جو غم اور مصیبت کے وقت تیرے کام آتا ہے اور جب کوئی مشکل تجھے پیش آتی ہے وہ اس کو دور کرتا ہے۔
عمران: وہ تو اللہ ہے۔
نبی کریم ﷺ: جب یہ بات ہے تو اس کے سوا تیرا کوئی معبود نہیں ہے، عمران بت پرستی سے

تائب ہو گیا اور خدا پرست بن گیا۔

اسباب سے بھری ہوئی کشتی

حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ دہریوں کی ایک جماعت ہاتھوں میں تلوار لئے ہوئے انہیں شہید کرنے کو آئی۔ امام صاحب ذرہ بھر نہ گھبرائے آپ نے فرمایا۔ میرے ایک سوال کا جواب دے دو۔ پھر جو تمہارا دل چاہے کرو۔

قاتل: وہ سوال کیا ہے؟

امام ابو حنیفہؒ: سوال یہ ہے۔ اس شخص کے بارے میں تمہاری رائے کیا ہے جو یہ بیان کرتا ہے کہ میں نے ایک کشتی اسباب سے بھرپور دیکھی جسے دریا کی موجوں، اور ہوا کے تھپیڑوں نے گھیر رکھا ہے، مگر وہ کشتی برابر سیدھی چلتی ہے اور اس کے اوپر کوئی ملاح بھی نہیں ہے جو اس کو سیدھا رکھے۔ لہروں اور طوفان باد کے اثر سے بچائے۔ وہ کشتی خود بخود اپنا انتظام کر رہی ہے۔ اس بیان کرنے والے کی نسبت تمہارا کیا خیال ہے۔

قاتل: وہ بالکل جھوٹا ہے۔ بے عقل ہے۔ ایسا کیوں کر ہو سکتا ہے؟

امام ابو حنیفہؒ: سبحان اللہ۔ تمہاری عقل میں یہ بات تو نہیں آتی۔ مگر تم یہ تسلیم کرتے ہو کہ کائنات اتنی عظیم الشان وسعت کے اور گوناگوں تغیرات و حوادث کے باوجود یوں ہی صحیح طور پر چلی جا رہی ہے۔ نہ اس کا کوئی محافظ ہے اور نہ اسے کسی نے بنایا ہے۔ یہ بات سن کر وہ لوگ اتنے اثر پذیر ہوئے کہ تائب ہو گئے۔ قاتل بن کر آئے تھے۔ قائل خدا بن کر نکلے۔

شہتوت کے پتے

حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا۔ وجود صانع پر کیا دلیل ہے۔ انہوں نے فرمایا شہتوت کے پتے۔ ان کا مزہ اور ان کی طبیعت تمہارے نزدیک ایک ہے۔ انہوں نے کہا ہاں ایک ہے۔ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ ریشم کا کیڑا جب ان پتوں کو کھاتا ہے تو ان سے ریشم نکلتا ہے اور انہی پتوں کو شہد کی مکھی کھاتی ہے تو اس سے شہد نکلتا ہے اور بکری کھاتی ہے تو ان سے مینگنیں نکلتی ہیں۔ اور ہرن کھاتا ہے تو اس کے نافہ میں سے مشک بنتا ہے۔ پس بتلاؤ۔ وہ کون ہے جس نے ایسی ایسی چیزیں ان پتوں سے پیدا کر دیں۔ باوجود یہ کہ پتہ کی طبیعت ایک ہی ہے۔ ان

اشخاص کو حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کی یہ بات بہت پسند آئی اور وہ ان کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہو گئے ور یہ لوگ شمار میں ستر تھے۔

ایک مرتبہ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ ایک شخص یہ چاہتا ہے کہ میرے گھر لڑکا پیدا ہو لڑکا پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ لڑکی متولد ہوتی ہے اور لڑکی کا ارادہ کرتا ہے تو لڑکا پیدا ہو جاتا ہے پس ثابت ہوا کہ پیدا کرنے والا کوئی اور ہے۔

مضبوط قلعہ

حضرت احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ فرمایا۔ میں نے ایک مضبوط قلعہ دیکھا جو صاف اور چکنا بنا ہوا تھا۔ اس میں کوئی شگاف نہ تھا۔ باہر سے اس کی شکل ایسی تھی جیسے پگھلی ہوئی چاندی ہوتی ہے اور اندر سے اس کی صورت سونے (زر) کی مانند تھی۔ اس قلعہ کی دیواریں پھٹ گئیں۔ اس سے ایک جانور نکل پڑا۔ جس کی آنکھ، کان سب موجود تھے۔ یہ قلعہ بیضہ (انڈا) ہے جس کا خول چاندی کی مانند ہے۔ اس سے جو زردی نمودار ہوتی ہے وہ سونے کی مانند ہے اس سے بچہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اس کا خالق بجز خدا اور کون ہے؟

آوازوں کا اختلاف

کیا قدرت ہے۔ کیا شان ہے۔ ایک انسان کی آواز دوسرے سے نہیں ملتی۔ اگر آواز میں اختلاف نہ ہوتا تو ایک دوسرے کی جان پہچان کیوں کر ہوتی۔ کیا یہ بات مادے یا ایتھر دھبوں کو سوجھ سکتی تھی۔ کہ وہ آوازوں کو مختلف بنائیں۔ حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عباسی شہنشاہ ہارون الرشید صاحب کے سامنے آوازوں کے اختلاف اور بولیوں کے اختلاف کی بنیاد پر وجود باری ثابت فرمایا۔

ایک بدوی کی دلیل

ایک بدوی سے پوچھا گیا۔ وجود صانع کی دلیل تیرے خیال میں کیا ہے۔ بولا مینگنی اونٹ کے وجود پر دلالت کرتی ہے۔ لید سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں سے کوئی گدھا گزر گیا ہے۔ قدم کے نشان دیکھ کر کہنا پڑتا ہے کہ یہاں سے کوئی مسافر گزرا ہے۔ کیا یہ برجوں والا آسمان۔ یہ لمبے لمبے راستوں والی زمین یہ ظاہر نہیں کرتی کہ ان کا بنانے والا کوئی ایسا پروردگار ہے جس کا علم بے قیاس

ہے جس کی قدرت بے نظیر ہے۔

حرکت

ارسطو کہتا ہے۔ عالم کے تمام اجزاء میں کسی نہ کسی قسم کی حرکت ضرور پائی جاتی ہے کیونکہ تمام اجسام یا بڑھتے رہتے ہیں یا گھٹتے رہتے ہیں۔

سکوں محال ہے دنیا کے کارخانے میں

پرانے اجزاء فناء ہوتے جاتے ہیں اور ان کی بجائے نئے آتے جاتے ہیں۔ اجزاء کا بدلتے رہنا ہی ایک قسم کی حرکت ہے۔ اس لئے تمام عالم متحرک ہے۔ جو چیز متحرک ہے ضروری ہے کہ اس کے لئے کوئی محرک ہو۔ اب دو صورتیں ہیں یا یہ سلسلہ کسی حد تک ختم ہو گا۔ یعنی آخر میں ایک ایسی چیز ثابت ہو گی۔ جو بالذات یا بواسطہ تمام اشیاء کی محرک ہے۔ اور خود متحرک نہیں۔ یہی خدا ہے یا یہ سلسلہ کہیں ختم نہ ہو گا اور اس صورت میں غیر متناہی کا وجود لازم آئے گا اور یہ محال ہے۔

جوہر اور عرض

دنیا میں جو ہے یا جوہر ہے یا عرض ہے۔ غور سے دیکھا تو سب عرض ہے۔ یا ہم اسے سب مانتے ہیں کہ جوہر بھی حادث ہے۔ عرض بھی حادث ہے۔ عرض کا حادث تو بدیہی ہے۔ جیسے خوشبو یا رنگ۔ جوہر اس لئے کہ وہ عرض سے خالی نہیں اور یہ ظاہر ہے کہ جو عرض سے خالی نہیں ہو سکتی۔ وہ حادث ہے اگر وہ قدیم ہو تو لازم آئے گا کہ عرض بھی قدیم ہو اور اس کا تصور بھی محال ہو۔ عرض و جوہر لازم و ملزوم ہیں اگر لازم حادث ہے تو ملزوم بھی حادث ہے۔ ورنہ ان میں نقص زمانی ہو گا اور یہ محال ہے۔ لازمی ہے کہ ان کا کوئی خالق ہو۔

علت و معلول

مولانا رومی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کائنات میں علت و معلول کا سلسلہ صاف نظر آرہا ہے۔ ظاہر ہے کہ علت میں کوئی ایسی خصوصیت ضرور ہے کہ جو معلول میں نہیں ہے۔ ورنہ وہ علت نہیں ہو سکتی۔ عیاں ہے کہ دنیا میں ممکنات کا سلسلہ دکھائی دیتا ہے۔ یہ سلسلہ معلول ہے۔ اس کی کوئی علت ضرور چاہئے۔ ممکنات کی علت ممکنات نہیں ہو سکتی۔ بلکہ واجب الوجود چاہئے اور وہ وہی ہے جو اللہ ہے۔

ذاتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

• خداوند قدوس کے وجود کی سب سے زیادہ موثر قطعی اور حتمی دلیل ذات محمدی ﷺ ہے۔ آپ ﷺ ایسی قوم میں پیدا ہوئے جو مطلق بت پرست تھی، مطلق جاہل تھی، مطلق غیر مہذب تھی۔ سب سے گئی گزری تھی۔ مگر وہ دیکھتے ہی دیکھتے سب سے زیادہ خدا پرست ہو گئی۔ مسلمانوں کے سوا روئے زمین پر کوئی قوم نہیں کہ جو پانچ مرتبہ نماز پڑھتی ہو۔ کوئی قوم نہیں جس نے خدا کے نام پر مسلمانوں سے بڑھ کر قربانیاں دی ہوں۔ کوئی قوم ایسی نہیں کہ جو اللہ کے نام پر لڑنے والے کو غازی اور مر جانے والے کو شہید کہتی ہو۔ کوئی قوم ایسی نہیں کہ جو اللہ کے تمام انبیاء کو ہر لحاظ سے اشرف وافضل تسلیم کرتی ہو۔ کوئی قوم ایسی نہیں کہ جو اگلی دنیا اور اس کی زندگی اور اس کے عذاب و ثواب اور اس کی تفصیلات کی اتنی قائل ہو کہ جتنی مسلمان قوم ہے۔ مسلمانوں کے ہادی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔ کل دنیا کا اتفاق ہے کہ آپ نہ کسی مکتب میں گئے اور نہ آپ نے کسی دنیوی استاد سے کچھ پڑھا جس شہر میں آپ پیدا ہوئے اس میں کوئی مدرسہ ہی نہیں تھا۔ عرب میں علم کا چرچا ہی نہیں تھا۔ اس کا تصور ہی نہیں تھا۔ اس عرب میں ظاہر ہو کر آپ نے اس قوم کو خدا۔ اس کی صفات سے آگاہ کیا۔ عقبےٰ کا حال بتایا۔ انبیاء علیہم السلام کی سرگزشت سنائی۔ انہیں اللہ کے نام پر فدا ہو جانے کا سبق سکھایا۔ انہیں شمع توحید کا پروانہ بنایا۔ یہ کیوں کر ہوا؟ آپ نے ماضی کی نسبت جو کچھ کہا سب سچ ہے۔ جو حال کا انکشاف کیا۔ وہ سب سچ ہے۔ آئندہ کے حقائق ظاہر کیے۔ آپ کا ہر قول ہر عمل اس کا بیّن ثبوت ہے کہ اللہ ہے۔ تمام خوبیوں کا مالک ہے سب کا پروردگار ہے۔ آپ نے جو کچھ کیا۔ جو کہا جو بتایا جو سکھایا سب اللہ سے پوچھ کر۔ اس سے سیکھ کر بتایا۔ آپ کا علم، خداوند تعالیٰ کے علیم و خبیر ہونے کا ثبوت ہے۔ آپ کی ہستی اس کے وجود کا روشن ثبوت ہے۔ آپ عبد ہیں۔ وہ معبود ہے۔

اقبال نے خوب کہا ہے:

کون سی قوم فقط تیری طلب گار ہوئی
اور تیرے لئے زحمت کش پیکار ہوئی
کس کی شمشیر جہاں گیر جہاں دار ہوئی
کس کی تکبیر سے دنیا تیری بیدار ہوئی

سب کا فرض ہے کہ اسے مانیں۔ اس کے احکام پر عمل پیرا ہوں۔

قرآن کے احکام

پہلا پارہ

بندگی: اے لوگو! بندگی کرو اپنے پروردگار کی جس نے تم کو پیدا کیا اور ان لوگوں کو پیدا کیا جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم نیک اخلاق (متقی) بن جاؤ۔

نماز و زکوٰۃ: قائم رکھو نماز اور دیا کرو زکوٰۃ۔

نوٹ:۔ اللہ کی عظمت کے سامنے جھکنے کی بہترین علامت نماز ہے اور مخلوق پر کرم کرنے کی بہترین صورت زکوٰۃ ہے۔ اسلام عظمت باری کے اظہار اور مخلوقِ خدا پر کرم کرنے کا نام ہے۔

دوسرا پارہ

صبر: میری مدد چاہو۔ صبر سے اور نماز سے۔

پاکیزہ چیزیں: کھاؤ پاکیزہ چیزیں جو تم کو ہم نے دیں۔

فساد: زمین میں فساد برپا نہ کرو۔

مسجد حرام: نماز میں اپنا منہ مسجد حرام (کعبہ مکرمہ) کی طرف پھیرو۔

نوٹ:۔ یہ سمتِ عبادت ہے۔ اس سلسلہ میں یہ فرمایا۔ یہ اس لئے کہ کعبہ وہ مرکز ہے جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بنایا اور اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمنا کے مطابق قبلہ بنایا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ ہی کا ہے مشرق اور اللہ ہی کا ہے مغرب۔

نیکیاں: سبقت کرو نیکیوں میں۔

خوف خدا: غیروں سے مت ڈرو۔ صرف (خدا) سے ڈرو۔

یاد خدا: یاد رکھو مجھ کو، میں یاد رکھوں گا تم کو۔ میرا احسان مانو اور ناشکری مت کرو۔

شہید: جو اللہ کی راہ میں شہید ہو جائیں انہیں مردہ مت کہو۔

نوٹ:۔ کیسے مر جاتے تیرے نام پہ مر کر مسلم وہ تو مرتے تھے انہیں موت نے مرنے نہ دیا۔

شیطان: اے لوگو کھاؤ زمین کی چیزوں میں سے حلال پاکیزہ اور پیروی نہ کرو شیطان کی۔ وہ تمہارا دشمن ہے۔ وہ تمہیں بدکاری، بے حیائی اور جھوٹ پر ابھارتا ہے۔

محرمات: حرام کیا گیا ہے۔ تم پر مردہ جانور۔ خون۔ سور کا گوشت۔ اور وہ جانور جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے۔

نیکی: نیکی محض یہ نہیں کہ تم منہ کرو اپنا مشرق کی طرف یا مغرب کی طرف۔ نیکی یہ ہے کہ جو ایمان لائے اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور سب آسمانی کتابوں پر اور سب پیغمبروں پر اور دے مال اللہ کی محبت پر قریبی رشتہ داروں کو۔ یتیموں کو اور محتاجوں کو اور مسافروں اور مانگنے والوں کو اور لوگوں کو غلامی سے نجات دلانے میں اور قائم کرے نماز، دیا کرے زکوٰۃ اور پورا کرنے والے اپنے اقرار کو جب عہد کریں اور صبر کرنے والے سختی میں اور تکلیف میں اور لڑائی کے وقت میں اگر ہیں صداقت شعار اور یہی لوگ ہیں نیک کردار۔

روزہ: اے ایمان والو فرض کیا گیا ہے۔ تم پر روزہ جیسے فرض کیا گیا تھا۔ تم سے اگلوں پر تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔

رشوت: ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ۔ رشوت نہ دو۔

جہاد: لڑو اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جو لڑتے ہیں تم سے۔ کسی پر زیادتی مدت کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو ناپسند کرتا ہے۔

فتنہ: قتل سے بھی زیادہ سخت ہے۔

جہاد کا حکم: لڑو ان سے یہاں تک کہ باقی نہ رہے فساد اور حکم رہے خداوند تعالیٰ ہی کا۔ اگر وہ باز آجائیں تو کسی پر زیادتی نہیں۔

جان کی حفاظت: خرچ کرو اللہ کی راہ میں۔ اور نہ ڈالو اپنی جان کو ہلاکت میں۔

نیکی: نیکی کرو اللہ دوست رکھتا ہے۔ نیکی کرنے والوں کو۔

حج: حج کرو اور زادِ راہ لے لیا کرو۔ بے شک بہترین زادِ راہ نیکوکاری ہے۔

دعا: مسلمان قوم کی دعا یہ ہے۔ اے اللہ دے ہم کو دنیا میں خوبی اور آخرت میں خوبی اور بچا ہم کو

دوزخ کے عذاب سے۔

اسلام: اے مومنو داخل ہو جاؤ اسلام میں پورے۔

نکاح: نکاح مت کرو۔ مشرک عورتوں سے جب تک ایمان نہ لے آئیں۔

توبہ: اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں اور گندگی سے بچنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

قسم: اللہ کے نام کو قسمیں کھانے کے لئے نشانہ مت بناؤ۔

بیویوں کا حق: بیویوں کو رکھو موافق دستور کے اور اگر چھوڑنا پڑے تو چھوڑ دو ان کو بھلی طرح سے۔

احسان: مت بھلا دو احسان کرنا آپس میں۔

نمازیں: خبردار رہو۔ سب نمازوں سے۔

تیسرا پارہ

روزی: خرچ کرو۔ اس میں سے جو ہم نے تم کو روزی دی۔

دین: دین کے معاملہ میں زبردستی نہیں۔

خیرات: مت ضائع کرو۔ اپنی خیرات احسان رکھ کر اور ایذا دے کر۔

نرم جواب: جواب دینا نرم اور درگزر کرنا بہتر ہے۔ اس خیرات سے جس کے پیچھے ہو ستانا۔

کمائی: خرچ کرو۔ ستھری چیزیں اپنی کمائی میں سے۔

سمجھ: جسے قدرت کی طرف سے سمجھ ملی۔ اس کو بڑی خوبی ملی۔

سود: اے ایمان والو چھوڑ دو سود۔ اگر نہیں چھوڑتے تو تیار ہو جاؤ لڑنے کو اللہ سے اور اس کے رسول سے۔

مقروض کو مہلت: اگر مقروض ہے تنگدست تو مہلت دینی چاہئے کشائش ہونے تک اور بخش دو تو بہت بہتر ہے۔

اُدھار: جب تم آپس میں اُدھار کا معاملہ کرو۔ کسی وقت مقرر تک تو اس کو لکھ لیا کرو۔

دوست: مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست مت بناؤ۔

نبوت کی راہ: اے نبی کہدے۔ اگر تم محبت رکھتے ہو اللہ کی تو میری راہ پر چلو۔

سچ اور جھوٹ: اے اہل کتاب کیوں ملاتے ہو سچ میں جھوٹ اور چھپاتے ہو سچی بات۔

چوتھا پارہ

ڈرنا: اے ایمان والو ڈرتے رہو اللہ سے جیسا چاہئے اس سے ڈرنا۔

مسلمان: زندگی کے آخری سانس تک مسلمان بن کر زندہ رہو۔

اللہ کی رسی: مضبوط پکڑو رسی اللہ کی سب مل کر اور پھوٹ نہ ڈالو۔

جماعت: چاہئے کہ رہے تم میں ایک جماعت جو بلاتی رہے نیک کام کی طرف اور حکم کرتی رہے اچھے کاموں کا۔ اور منع کرتی رہے برائی سے۔

سود: اے ایمان والو مت کھاؤ سود۔

رحم: حکم مانو اللہ کا اور رسول کا۔ تاکہ تم پر رحم ہو۔

بخشش: دوڑو بخشش کی طرف اپنے رب کی۔

جھٹلانے والے: پھر و زمین میں اور دیکھو کیا ہوا انجام جھٹلانے والوں کا۔

ایمان کا اثر: سست نہ ہو جاؤ۔ غم نہ کھاؤ۔ تم ہی غالب رہو گے۔ اگر تم ایمان رکھتے ہو۔

مردہ و زندہ: اللہ کی راہ میں قتل ہونے والوں کو مردہ مت کہو۔ وہ زندہ ہیں۔

مقابلہ میں مضبوطی: اے ایمان والو صبر کرو اور مقابلہ میں مضبوط رہو۔

یتیم کا مال: اور دے ڈالو یتیموں کو ان کا مال اور نہ بدل لو برے مال کو اچھے مال سے۔

وبال: اپنے مال کو یتیموں کے مال کے ساتھ ملا کر نہ کھاؤ۔ یہ ہے بڑا وبال۔

یتیم لڑکی: اگر ڈرو کہ انصاف نہ کر سکو گے۔ یتیم لڑکیوں کے حق میں تو نکاح کر لو ان غیر یتیم عورتوں سے جو تم کو پسند آئیں۔

مہر: اور دے ڈالو عورتوں کو مہر ان کا خوشی سے۔

مال: اور مت پکڑا دو بے عقلوں کو اپنے وہ مال جن کو بنایا ہے۔ اللہ نے تمہارے گزران کا سبب۔

عورت سے سلوک: اپنی عورتوں کو کھلاتے اور پلاتے رہو اور کہو ان سے بات معقول۔

ہوش مند یتیم: جب یتیم بالغ اور ہوشمند ہو جائیں تو ان کا مال ان کے حوالے کر دو۔

پانچواں پارہ

تجارت: اپنی خوشی سے تجارت کرو۔

مال: ایک دوسرے کا مال ناحق طور پر نہ کھاؤ۔

قتل: ایک دوسرے کو قتل نہ کرو۔

گناہ: اگر تم بڑے گناہوں سے بچتے رہو گے تو اللہ تمہارے چھوٹے گناہ معاف کر دے گا۔

میاں بیوی: اگر میاں بیوی میں ناچاقی کا خدشہ ہو تو کھڑا کرو۔ ایک منصف مرد والوں میں سے اور ایک عورت والوں میں سے۔

اطاعت: اللہ کی اطاعت کرو۔ اور شریک نہ کرو۔ اس کا کسی کو۔

ماں باپ: ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو۔

نیکی کرو: قرابت والوں کے ساتھ نیکی کرو۔ یتیموں اور فقیروں اور ہمسایہ قریب اور ہمسایہ اجنبی اور پاس بیٹھنے والوں کے ساتھ نیکی کرو۔

مسافر: اور مسافروں کے ساتھ نیکی کرو۔

امانتیں: پہنچادو امانتیں۔ امانت والوں کو۔

فیصلہ: جب فیصلہ کرنے لگو لوگوں میں تو فیصلہ کرو۔ انصاف سے۔

حکم: اللہ کا حکم مانو۔ رسول کا حکم مانو اور جو تم میں سے حاکم ہوں ان کا حکم مانو۔

بہتر دعا: جب تم کو دعا دیوے کوئی تم بھی دعا دو اس سے بہتر۔

انصاف: قائم رہو انصاف پر۔

گواہی: گواہی دو اللہ کی طرف کی۔ اگر چہ نقصان ہو تمہارا۔ یا ماں باپ کا یا قرابت داروں کا۔

چھٹا پارہ

عہد: اے ایمان والو پورا کرو عہدوں کو۔

احرام: احرام کی حالت میں شکار نہ کرو۔

نیکی میں مدد: مدد کرو۔ ایک دوسرے کی نیکوکاری اور پرہیزگاری میں۔

گناہ اور ظلم: مدد نہ کرو گناہ اور ظلم پر۔

ستھری چیزیں: حلال ہیں تمہارے لئے ستھری چیزیں۔

وضو: جب تم نماز کو اٹھو تو وضو کرلو۔

دشمنی اور انصاف: کسی قوم کی دشمنی کے باعث انصاف کو ہرگز نہ چھوڑو۔

وسیلہ: ڈرتے رہو، اللہ سے اور ڈھونڈو اس تک وسیلہ اور جہاد کرو اس کی راہ میں۔

چوری کی سزا: چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کا ہاتھ کاٹ ڈالو۔

نوٹ: اس حکم کی مخاطب حکومت وقت ہے۔

خوبیاں: دوڑ کر کرو۔ خوبیاں۔

دین کا مذاق: ان لوگوں کو جو تمہارے دین کا مذاق اڑائیں۔ اور دین کو کھیل سمجھیں دوست مت بناؤ۔

ساتواں پارہ

لذیذ چیزیں: مت حرام ٹھہراؤ۔ وہ لذیذ چیزیں جو اللہ نے تمہارے لئے حلال کر دیں اور حد سے نہ بڑھو۔

شراب: شراب گندی چیز ہے۔ شراب خوری شیطانی فعل ہے۔

جوا: جوا گندی چیز ہے۔ شیطانی فعل ہے۔

بت: بت اور پانسے گندے ہیں۔

جان کی فکر: اے ایمان والو۔ تم پر لازم ہے فکر اپنی جان کا۔ ظالموں کے ساتھ مت بیٹھ اس سے کنارہ کر۔

برا نہ کہو: مت برا کہو ان کو جن کی کافر لوگ پرستش کرتے ہیں۔ اللہ کے سوا، پس وہ برا کہیں گے۔ اللہ کو بے ادبی سے نا سمجھی سے۔

آٹھواں پارہ

بیجا خرچ: بیجا خرچ نہ کرو۔

بے حیائی: پاس نہ جاؤ۔ بے حیائی کے کام کے۔ جو ظاہر ہو اس میں سے اور جو پوشیدہ ہو۔

مفلسی: مار نہ ڈالو اپنی اولادوں کو مفلسی سے ڈر کر۔

ماپ اور تول: پورا کرو ماپ اور تول کو۔

حق بات: جب بات کہو۔ حق کی کہو۔

مرنا اور جینا: کہہ دے اے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم۔ میرا مرنا اور میرا جینا اللہ ہی کے لئے ہے۔

بوجھ: بوجھ نہ اٹھائے گا۔ ایک شخص دوسرے کا۔

بے حیائی کی بات: حرام کیا ہے میرے پروردگار نے بے حیائی کی باتوں کو۔ جو اس میں کھلی ہوئی ہیں اور جو چھپی ہوئی ہیں۔

ناحق کی زیادتی: اللہ نے حرام کیا ہے۔ ناحق کی زیادتی کو اور گناہ کو۔

شرک: اللہ نے حرام کیا ہے شرک کو۔

نواں پارہ

درگزر کی عادت: عادت پیدا کر درگزر کی۔ حکم کر نیک کام کرنے کا اور کنارہ کر جاہلوں سے۔

تلاوت قرآن: جب قرآن پڑھا جائے تو اس کی طرف کان لگائے رہو۔ تاکہ تم پر رحم ہو۔

خدا کی یاد: یاد کرتا رہ اپنے رب کو اپنے دل سے گڑگڑاتا ہوا اور ڈرتا ہوا۔

میدان جنگ: جب لڑو۔ تم کافروں سے میدان جنگ میں تو مت پھیرو ان سے پیٹھ۔

خیانت: خیانت نہ کرو۔ اللہ سے اور رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے اور نہ خیانت کرو آپس کی امانتوں میں۔

دسواں پارہ

ثابت قدمی: اے ایمان والو جب بھڑو کسی فوج سے تو ثابت قدم رہو۔ اور اللہ کو بہت یاد کرو۔

جھگڑا: آپس میں جھگڑا نہ کرو۔ پس...... ہو جاؤ گے اور جاتی رہے گی تمہاری ہوا۔

لڑائی: تیار کرو۔ ان کی لڑائی کے واسطے جو کچھ جمع کر سکتے ہو قوت سے۔

صلح: اگر وہ جھکیں صلح کی طرف تو تم بھی جھک جاؤ۔

کفر و ایمان: اے ایمان والو مت رکھو اپنے باپوں کو اور بھائیوں کو رفیق، اگر وہ عزیز رکھیں کفر کو، ایمان سے۔

گیارہواں پارہ

سچوں کا ساتھ: اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور ساتھ رہو سچوں کے۔

بارہواں پارہ

خدا پر بھروسہ: اس کی بندگی کر اور اسی پر بھروسہ رکھ۔

صریح دشمن: شیطان انسان کا صریح دشمن ہے۔

تیرہواں پارہ

فیض: ناامید مت ہو۔اللہ کے فیض سے۔

چودہواں پارہ

ستھری بات: بات ستھری ایک ستھرے درخت جیسی ہے۔اس کی جڑ مضبوط اور ٹہنیاں ہیں آسمان پر۔

گندی بات: اور فضول گندی بات ایسی ہے جیسے درخت گندا۔اکھاڑ لیا اس کو زمین کے اوپر سے کچھ نہیں اس کو ٹھہراؤ۔

کافر و مومن: غم نہ کھا کافروں پر اور جھکا اپنے بازو ایمان والوں کے واسطے۔

خدا کا حکم: سنادے کھول کر جو تجھ کو حکم ہوا۔اور پرواہ نہ کر مشرکوں کی۔

غرور: اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا غرور کرنے والوں کو۔

اللہ کا حکم: اللہ حکم کرتا ہے انصاف کرنے کا۔احسان کا۔اور قرابت والوں کو دینے کا۔

تین برائیاں: اللہ منع کرتا ہے بے حیائی سے،نامعقول کام سے اور سرکشی سے۔

قسم توڑنا: نہ توڑو قسموں کو۔

ختم ہو جائے گا: جو تمہارے پاس ہے ختم ہو جائے گا اور جو اللہ کے پاس ہے کبھی ختم نہ ہوگا۔

خدا کا احسان: شکر کرو اللہ کے احسان کا۔

حلال و حرام: مت کہو اپنی زبانوں کے جھوٹ بنا لینے سے کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے۔

پکی باتیں: بلا اپنے رب کی راہ پر پکی باتیں سمجھا کر اور نصیحت سنا کر بھلی طرح اور بحث کر ان سے جس طرح بہتر ہو۔

بدلہ: اگر بدلہ لو تو اتنا کہ جس قدر تم کو تکلیف پہنچائی جائے۔

پندرہواں پارہ

والدین کا ادب: بھلائی کر ماں باپ کے ساتھ اگر پہنچ جائے تیرے سامنے بڑھاپے کو ایک ان میں سے یا دونوں، تو نہ کہہ ان کو ہُوں۔

نیاز مندی: جھکا دے ماں باپ کے سامنے کندھے عاجزی اور نیاز مندی کے۔

بخل: نہ رکھ اپنا ہاتھ بندھا ہوا۔ اپنی گردن کے ساتھ۔

فضول خرچی: اور نہ کھول دے اس کو بالکل کھولنا۔

بری خصلت: پاس نہ جاؤ ان کے وہ بے حیائی ہے بری راہ ہے۔

بے خبری: نہ پیچھے پڑ جس بات کی خبر نہیں تجھ کو۔

اکڑ کر چلنا: مت چل زمین پر اتراتا ہوا۔

اللہ چاہے: اور نہ کہنا کسی کام کو کہ میں یہ کروں گا کل کو، مگر یہ کہ اللہ چاہے۔

سترہواں پارہ

جھوٹی بات: بچتے رہو۔ جھوٹی بات سے۔

گوشت: اللہ کو نہیں پہنچتا ان کا گوشت۔ نہ ان کا لہو۔ لیکن اس کو پہنچتا ہے تمہارے دل کا تقویٰ۔

نوٹ:- ان کا گوشت سے مراد ہے۔ قربانی کا گوشت۔ قربانی کا جانور بھی اچھا ہونا چاہیے قربانی دینے والے کا دل بھی ستھرا ہونا چاہیے۔

دغا باز: اللہ تعالیٰ کو خوش نہیں آتا کوئی دغا باز ناشکرا۔

بھلائی: بھلائی کرو۔ تا کہ تمہارا بھلا ہو۔

محنت: محنت کرو۔ اللہ کے واسطے جیسی کہ محنت کرنی چاہیے۔ اس کے واسطے۔

اٹھارہواں پارہ

کامیابی: کامیاب ہو گئے ایمان والے جو اپنی نماز میں جھکنے والے ہیں۔

نکمی بات: نکمی بات پر دھیان نہیں کرتے۔

زکوٰۃ: جو زکوٰۃ دیا کرتے ہیں۔

شرمگاہوں کی حفاظت: جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

امانتیں: جو اپنی امانتوں سے اور اپنے اقرار سے خبردار ہیں۔

انسان سے سوال: کیا تم خیال کرتے ہو۔ہم نے تم کو بنایا کھیلنے کو اور تم ہمارے پاس پھر کر نہ آؤ گے۔

عیب: جو لوگ عیب لگائیں۔پاک دامن عورتوں کو پھر نہ لائیں چار مرد شاہد۔تو مارو ان کو اسّی دُرّے۔

بدکاری کا چرچا: جو لوگ چاہتے ہیں کہ چرچا ہو بدکاری کا،ایمان والوں میں ان کے لئے عذاب ہے درناک،دنیا اور آخرت میں۔

شیطان کے قدم: اے ایمان والو شیطان کے قدموں پر مت چلو۔

کسی کا گھر: مت جایا کرو کسی گھر میں اپنے گھروں کے سوا جب تک اجازت نہ لے لو۔

ایمان والوں کو ہدایت: کہہ دے ایمان والوں کو نیچی رکھیں ذرا اپنی آنکھیں۔

پردہ: تھامے رکھیں اپنے ستر کو۔مرد۔

آنکھیں: ایمان والیاں نیچی رکھیں اپنی آنکھیں۔

پردہ: تھامے رکھیں اپنے ستر کو۔عورتیں۔

ریا: نہ دکھلائیں اپنا سنگار۔

رانڈوں کا نکاح: نکاح کردو رانڈوں کا۔

انیسواں پارہ

بھروسہ: بھروسہ کرا وپر اس زندہ (خدا) کے۔جو کبھی نہیں مرتا۔

نرم رفتار: اللہ کے بندے وہ ہیں جو چلتے ہیں زمین پر دبے پاؤں۔

بے سمجھ لوگ: جب بات کرنے لگیں ان سے بے سمجھ لوگ تو کہیں صاحب سلامت۔

سیدھا ترازو: تولو سیدھا ترازو سے۔

کم نہ تولو: اور مت گھٹا کر دو لوگوں کو ان کی چیزیں۔

قریبی رشتہ دار: ڈرسنا دے اپنے قریب کے رشتہ داروں کو۔

بیسواں پارہ

اِترانا: اترامت۔اللہ کو نہیں بھاتے اترانے والے۔

کمانا: جو تجھ کو اللہ نے دیا ہے۔اس سے کمالے پچھلا گھر۔

اپنا حصہ: نہ بھول اپنا حصہ دنیا سے۔

بھلائی: بھلائی کر جیسے اللہ نے بھلائی کی تجھ سے۔

اللہ کا شریک نہ کر: اگر ماں باپ تجھ سے زور کریں کہ تو شریک کر میرا تو ان کا کہنا مت مان۔

اکیسواں پارہ

بری بات: قائم رکھ نماز۔بے شک نماز روکتی ہے۔بے حیائی اور بری بات سے۔

یادِ خدا: پاک اللہ کو یاد کرو۔جب شام کرو اور جب صبح کرو۔

منہ: سیدھا رکھ اپنا منہ دین پر۔ایک طرف کا ہو کر۔

حق: دے قرابت والوں کو ان کا حق اور محتاج کو اور مسافر کو۔

ٹھیک راستہ: راہ چل اس کی جو رجوع ہوا میری (خدا کی) طرف۔

بھلی بات: سکھلا بھلی بات۔منع کر برائی سے اور تحمل کر جو تجھ پر پڑے۔

گال: اپنے گال مت پھلا لوگوں کی طرف۔

درمیانی چال: چل بیچ کی چال۔

آواز: نیچی کر آواز اپنی۔

قیامت: ڈرو اس دن (قیامت) سے۔

منکر اور دغاباز: کہنا نہ مان خدا کے منکروں اور دغابازوں کا۔

لے پالک: پکارو لے پالکوں کو ان کے باپ کی طرف نسبت کر کے۔

نبی: نبی سے لگاؤ ہے۔ایمان والوں کو زیادہ اپنی جان سے۔

بہترین نمونہ: تمہارے لئے بھلائی اور ہر نیکی میں رسول پاک اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا بہترین نمونہ ہے۔

بائیسواں پارہ

درود: اے ایمان والو۔ رحمت بھیجو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور سلام بھیجو سلام کہہ کر۔

سیدھی بات: اے ایمان والو کہو بات سیدھی۔

اللہ کا وعدہ: اے لوگوں بے شک اللہ کا وعدہ حق ہے نہ بہکائے تم کو دنیا کی زندگی۔

تیئسواں پارہ

جی کی خواہش: حکومت کرو لوگوں میں انصاف سے اور نہ چل جی کی خواہش پر۔

چوبیسواں پارہ

آس توڑنا: آس مت توڑو۔ اللہ کی مہربانی سے۔

بہتر بات: چلو بہتر بات پر جو اتری طرف تمہارے رب سے۔

برابر نہیں: اندھا اور آنکھوں والا برابر نہیں۔ نیکو کار اور بدکار برابر نہیں۔

نیکی اور بدی: برابر نہیں نیکی اور نہ بدی۔

بہتر جواب: اور جواب میں وہ کہہ جو اس سے بہتر ہو۔

پچیسواں پارہ

جھوٹا گنہگار: خرابی ہے ہر جھوٹے گنہگار کے لئے۔

چھبیسواں پارہ

دین کی مدد: اگر تم مدد کرو گے اللہ کے دین کی۔ وہ مدد کرے گا تمہاری۔

اللہ اور رسول ﷺ کا حکم: اللہ کے حکم پر چلو۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر چلو اور ضائع مت کرو اپنے کیے ہوئے کام۔

بخل: جو بخل کرتا ہے۔ وہ بخل کرتا ہے اپنے آپ سے۔

آگے نہ بڑھنا: آگے نہ بڑھو اللہ سے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے۔

مطلب یہ ہے کہ ہر معاملہ میں دیکھو کہ اللہ کا حکم کیا ہے اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم کیا ہے۔

نبی کی آواز: بلند نہ کرو اپنی آوازیں نبی کی آواز سے۔
خبر: اگر آئے تمہارے پاس کوئی گنہگار خبر لے کر تو تحقیق کر لو۔
مسلمانوں کی لڑائی: اگر دو فریق مسلمانوں کے آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں ملاپ کرا دو۔
چڑھائی: اگر چڑھا چلا جائے ایک ان میں سے دوسرے پر تو تم سب لڑو اس چڑھائی والے سے۔
مسلمان بھائی ہیں: مسلمان جو ہیں، سو بھائی ہیں، ملاپ کرا دو بھائیوں میں۔
ٹھٹھا: ٹھٹھا نہ کریں۔ ایک قوم دوسروں سے۔
عورتیں: ٹھٹھا نہ کریں عورتیں دوسری عورتوں سے۔
عیب: عیب نہ لگاؤ ایک دوسرے کو۔
برے نام: نام نہ ڈالو، چڑانے کو ایک دوسرے کے۔
بدگمانی: بچتے رہو بدگمانیوں سے۔
بھید: بھید نہ ٹٹولو کسی کا۔
غیبت: برا نہ کہو پیٹھ پیچھے ایک دوسرے کو۔
عزت: عزت اللہ کے ہاں اسی کو ہے جو نیکی میں بڑھ کر ہے۔

ستائیسواں پارہ

سمجھانا: سمجھاتا رہ کہ سمجھانا کام آتا ہے۔ ایمان والوں کو۔
دھیان: دھیان نہ کر اس پر جو منہ موڑے ہماری یاد سے۔
قرآن: ہم نے آسان کر دیا ہے۔ قرآن سمجھنے کو۔ پھر ہے کوئی سوچنے کو۔
زیادتی: زیادتی نہ کرو ترازو میں۔
تول: مت گھٹاؤ تول کو۔
نیکی کا بدلہ: کیا نیکی کا بدلہ ہے نیکی۔
گڑگڑائیں: کیا وقت نہیں ایک ایمان والوں کو کہ گڑگڑائیں ان کے دل اللہ کی یاد سے۔
شیخی: نہ شیخی کیا کرو۔ اس پر جو تم کو اس نے دیا۔

اٹھائیسواں پارہ

مجلس: جب تم کو کوئی کہے کھل کر بیٹھو مجلسوں میں تو کھل جاؤ۔

دولت: نہ رہے دولت ادلتی بدلتی صرف تمہارے دولت مندوں میں۔

رسول ﷺ: جو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دے لے لو۔ جس سے منع کرے۔ رک جاؤ۔

آج کل: چاہئے کہ دیکھ لے ہر جی کیا بھیجتا ہے۔ کل کے واسطے۔

قیامت کے دن: ہرگز کام نہ آئیں گے۔ تمہارے کنبے والے اور نہ تمہاری اولاد۔ قیامت کے دن۔

قول اور عمل: کیوں کہتے وہ منہ سے۔ جو نہیں کرتے۔

اذان: جب اذان ہو نماز کی جمعہ کے دن تو دوڑو اللہ کی یاد کو۔

اللہ کی یاد: غافل نہ کردیں۔ تم کو تمہارے مال اور تمہاری اولاد۔ اللہ کی یاد سے۔

اپنا بھلا: خرچ کرو۔ اپنے بھلے کو۔

طلاقیں: جب تم عورتوں کو طلاق دو۔ طلاق دو ان کی عدت پر اور گنتے رہو عدت کو۔

دوزخ کی آگ: بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے۔

توبہ: توبہ کرو اللہ کی طرف۔ صاف دل کی توبہ۔

انتیسواں پارہ

خلق نبی: اے نبی تو پیدا ہوا ہے۔ بڑے خُلق پر۔

قرضہ: قرضہ دو اللہ کو اچھی طرح کا قرضہ دینا۔

ثواب: جو کچھ آگے بھیجو گے۔ کوئی نیکی۔ پاؤ گے اللہ کے پاس بہتر اور ثواب میں زیادہ۔

تیسواں پارہ

شرارت: جس نے کی ہو شرارت اور بہتر سمجھا ہو دنیا کا جینا۔ سو دوزخ ہی ہے اس کا ٹھکانہ۔

بہشت: اور جو کوئی ڈرا ہو۔ اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے۔ اور روکا ہو اس نے جی کو خواہش سے۔ سو بہشت ہی ہے اس کا ٹھکانہ۔

اللہ کا نام: بھلا ہوا اس کا جو سنورا اور لیا نام اس نے رب کا۔

بامراد: تحقیق مراد کو پہنچا۔ جس نے جی کو سنوار لیا۔

نامراد: اور نامراد ہوا جس نے جی کو خاک میں ملا کے چھوڑا۔

یتیم پر قہر: یتیم پر قہر نہ کر۔

مت جھڑک: مانگنے والے کو مت جھڑک۔

رب کا احسان: جو تیرے رب کا احسان ہے۔ سو بیان کر۔

پڑھ: پڑھ اپنے رب کے نام سے جو سب کا بنانے والا ہے۔

بہترین خلائق: ایماندار اور نیکو کار بہترین خلائق ہیں۔

راضی: اللہ ان سے راضی ہے وہ اللہ سے راضی ہیں۔

دین کو جھٹلانا: وہ دین کو جھٹلاتا ہے جو یتیم کو دھمکی دیتا ہے۔

محتاج: جو نہیں تاکید کرتا محتاج کے کھانے پر۔

خرابی: خرابی ہے ان نمازیوں کی جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں۔

دکھاوا: وہ جو دکھلاوا کرتے ہیں۔

قربانی: نماز پڑھ اپنے رب کے آگے اور قربانی کر۔

ہادیٔ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بتاریخ ۲۲ اپریل ۵۷۱ء مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔ ۲۲ فروری ۶۱۰ء کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی نبوت ورسالت کا اعلان فرمایا۔ ۸ جون ۶۳۲ء میں اس دنیا سے اُس دنیا میں تشریف لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۲۲ ہزار ۳۳۵ دن اور چھ گھنٹے اس جہان فانی میں قیام آرا رہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ۶۳ سالہ زندگی کا ایک ایک واقعہ سورج کی روشنی سے زیادہ درخشاں، تاباں وفروزاں ہے۔ ہر نبی ایک قوم کا نبی ہے۔ ہر رسول نے اپنی مخصوص قوم کو مخصوص برائی سے ڈرایا اور بشارت دی کہ اگر وہ اس گناہ سے تائب ہو گئی تو اسے یہ انعام ملے گا۔ ہر مصلح نے یہ دعوت دی کہ اسے مانا جائے۔ خدا کو مانا جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، نبیوں اور رسولوں میں وہ واحد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ جنہوں نے ساری کائنات کو تمام برائیوں سے روکا اور تمام نیکیوں کی جانب متوجہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر خوبی پر عمل کر کے دکھایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دعویٰ کیا کہ تمام رسول نیک ہیں۔ تمام نبی معصوم ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر ہادی ہر مصلح سے متعلق دنیا جن بدگمانیوں میں تھی۔ اسے دور کیا۔ ہر نبی پر جو الزامات لگائے گئے ان کا جواب دیا اور یہ اعلان کیا کہ جو کسی ایک نبی کی نبوت سے بھی انکار کرے گا وہ سزایاب ہوگا۔ اس کا نام کافروں کی فہرست میں درج ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو کتاب نازل ہوئی۔ وہ جوں کی توں موجود ہے وہ اسی زبان میں ہے جس میں نازل ہوئی۔ کسی نبی کی نسبت یہ ثابت نہیں کہ اس نے اپنی ساری کتاب خود پڑھی پڑھائی۔ اناجیل شریف حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خود نہیں پڑھی۔ وہ ان کے چوتھے آسمان پر تشریف لے جانے کے بعد مرتب ہوئی جس تورات کو یہودی پڑھتے ہیں اسے شروع سے لے کر آخر تک حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نہیں پڑھا۔ قرآن مجید کے سوا کوئی الہامی کتاب ایسی نہیں کہ جس کے لاتعداد حافظ دنیا کے ہر گوشے میں موجود ہوں۔ قرآن مجید حضور صلی اللہ علیہ

و آلہ وسلم نے خود پڑھا۔ پڑھایا۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے عمل کر کے دکھایا۔ اس کی توضیح کی۔ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جس ملک میں پیدا ہوئے اس نے آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی سخت مخالفت کی اور آخر وہ سب کا سب آپ کا جان نثار اور وفاشعار بن گیا۔

جس کا ہر فرد جہالت کا پیکر تھا۔ اس کا ہر متنفس نجم ہدایت بن گیا۔ جو محکوم تھے۔ وہ ایسے حاکم بن گئے کہ کسی قوم کی تاریخ ان کی نظیر نہیں پیش کر سکتی۔ انہوں نے عرب کو فتح کیا۔ کل عرب مسلمان ہو گیا۔ انہوں نے ایران پر اپنا جھنڈا گاڑا۔ ایرانی آتش پرست تھے۔ آگ کو ہمیشہ جلائے رکھتے تھے۔ انہوں نے آتش کدوں کو وضو کے چھینٹوں سے بجھایا اور سب خدا پرست ہو گئے۔ انہوں نے عراق کا رخ کیا وہ ان کے کردار سے اثر پذیر ہو کر سارا عراق حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔ شام نے ان کا کلمہ پڑھا۔ مصر، طرابلس، مراکش ان کا شیدائی ہو گیا۔ جو ممالک ان کے دیدار سے فیضیاب ہوئے۔ وہ آج تک مسلمان ہیں۔ اسلام کو زیادہ تر بہادر اور غیور اقوام نے اپنایا۔ عرب بہادر تھے۔ تلوار سے ڈرنے والے نہ تھے۔ شمع توحید کے پروانے بن گئے۔ ترک انتہا درجے کے جری تھے۔ بے باک تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کی بستیوں کو خوب آباد کیا۔ اسلام کا جھنڈا ترکستان سے لے کر یورپ تک گاڑا۔ ان کا فرقہ سلجوق انتہا درجے کا جفاکش تھا۔ مسلمان ہو کر اسلام کا علمبردار ہو گیا۔ ہندوستان میں خاندانِ غلامان نے حکومت کی۔ یہ غلام تھے۔ مسلمانوں کے مخدوم تھے۔ وہ بادشاہ تھے۔ میر تھے۔ فقیر تھے۔ علم کے شیدائی تھے۔ توحید کے فدائی تھے۔ سخی تھے۔ ولی تھے۔ مغل شجاعت و بسالت کے پتلے تھے۔ انہوں نے زندگیاں تلواروں کے سائے میں بسر کی تھیں۔ بے خوف تھے۔ کلمہ پڑھ کر اس شان کے فرمانروا بن گئے۔ کہ ہندوؤں نے ان کو دیوتا جانا۔ ہندوؤں میں سب سے زیادہ باغیرت و ذی شجاعت راجپوت تھے۔ وہی زیادہ تر مسلمان ہوئے۔ ہر پٹھان جوان ہے۔ جو بزدل ہے وہ پٹھان ہی نہیں۔ کون ہے جو قبائلی کو بزدل کہہ سکتا ہے۔ ان کا ہر بچہ عقاب ہے شیر ہے غضب کا دلیر ہے۔

کسی نبی کی تعلیم پر عمل نہیں ہو رہا۔ یورپ کی کسی عیسائی سلطنت کا دستور عیسائیت پر مبنی نہیں۔ اکثر اسلامی ممالک کا دستور اسلامی ہے۔ مسلمانوں سے بڑھ کر کوئی قوم مذہب نواز نہیں۔ صرف مسلمان ہیں جن کو بت شکن کہا جاتا ہے۔ مسلمانوں کے کئی سلسلے ایسے ہیں جن کی زندگی کا مقصد لوگوں کو ولی اور باخدا بنانا ہے۔ ان میں سے ہر ایک کا ایمان یہ ہے کہ کوئی شخص جب تک

سنت نبوی پر عمل پیرانہ ہو ولی تو کجا مسلمان تو کجا انسان بھی نہیں ہو سکتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی حیات مقدسہ میں ایک لاکھ سے زائد لوگ مسلمان ہوئے۔ ان میں سے پورے تیرہ ہزار بزرگوار سیرت نبوی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے مبلغ ہیں۔ ان حضرات کے حالاتِ حیات تاریخ میں محفوظ ہیں۔ ان کے نام ان کے کام اسی لئے ابدالآباد تک محفوظ اور مشہور رہیں گے کہ انہوں نے پیغمبر اسلام کے پیام کی اشاعتِ عام کا اہتمام کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ہر قول ہر عمل ان ہزاروں عینی مورخوں نے بیان کیا۔ ان کا بیان سنی سنائی باتوں پر مبنی نہیں۔ ان کا بیان ان کے چشم دید احوال پر مبنی ہے۔ ان نیک نہاد فاضلوں کی تعداد جنہوں نے ایک یا دو واسطوں سے آپ کی حیات پاک کے بیان کرنے میں حصہ لیا ہے۔ ۵ لاکھ ہے۔ ان پانچ لاکھ انسانوں کے حالات زندگی جن خاص کتابوں میں قلم بند کیے گئے ہیں۔ اسلامی ادب میں ان کا نام ہے۔ "اسماء الرِجال" ایک زبردست مستشرق (زا) جرمنی) فاضل ڈاکٹر (علامہ) اسپر نگر رقم طراز ہے۔

"کوئی قوم دنیا میں ایسی گزری اور نہ آج موجود ہے۔ جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال کا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو جس کی بدولت آج پانچ لاکھ شخصوں کا حال معلوم ہو سکتا ہے۔"

آئندہ اوراق میں آپ کے اسمائے پاک اور آپ کی تعلیمات کے سمندر میں سے چند قطرے اور آپ کے آفتاب علم کی چند کرنیں اور آپ کے بے شمار ارشادات میں سے کچھ اقوال درج کیے گئے ہیں۔ آپ کے پاک نام آپ کے اصولی اوصاف ہیں۔

پیارے نبی ﷺ کے پیارے نام

(۱) اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰی مَنِ اِسْمُہٗ سَیِّدِنَا مُحَمَّدْ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ، (۲) سَیِّدِنَا اَحْمَدْ" صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ، (۳) سَیِّدِنَا حَامِد" صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ، (۴) سَیِّدِنَا مَحْمُوْدْ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ، (۵) سَیِّدِنَا قَاسِم" صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ، (۶) سَیِّدِنَا عَاقِب" صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ، (۷) سَیِّدِنَا خَاتِم" صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ، (۸) سَیِّدِنَا فَاتِح" صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ، (۹) سَیِّدِنَا حَاشِر" صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ، (۱۰) سَیِّدِنَا مَاحِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ، (۱۱) سَیِّدِنَا دَاعِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ،

(۱۲) سَیِّدُنَا سِرَاجٌ" صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ، (۱۳) سَیِّدُنَا رَشِیْدٌ" صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ، (۱۴) سَیِّدُنَا مُنِیْرٌ" صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ، (۱۵) سَیِّدُنَا هَادٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ، (۱۶) سَیِّدُنَا نَذِیْرٌ" صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ، (۱۷) سَیِّدُنَا هَادٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ، (۱۸) سَیِّدُنَا مُهْدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ، (۱۹) سَیِّدُنَا رَسُوْلٌ" صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ، (۲۰) سَیِّدُنَا نَبِیٌّ" صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ، (۲۱) سَیِّدُنَا طٰهٰ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ، (۲۲) سَیِّدُنَا یٰسٓ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ، (۲۳) سَیِّدُنَا مُزَّمِّلٌ" صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ، (۲۴) سَیِّدُنَا مُدَّثِّرٌ" صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ، (۲۵) سَیِّدُنَا شَفِیْعٌ" صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ، (۲۶) سَیِّدُنَا خَلِیْلٌ" صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ، (۲۷) سَیِّدُنَا کَلِیْمٌ" صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ، (۲۸) سَیِّدُنَا حَبِیْبٌ" صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ، (۲۹) سَیِّدُنَا مُصْطَفٰے صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ، (۳۰) سَیِّدُنَا مُرْتَضٰی صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ، (۳۱) سَیِّدُنَا مُجْتَبٰے صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ، (۳۲) سَیِّدُنَا مُخْتَارٌ" صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ، (۳۳) سَیِّدُنَا نَاصِرٌ" صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ، (۳۴) سَیِّدُنَا قَائِمٌ" صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ، (۳۵) سَیِّدُنَا حَافِظٌ" صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ، (۳۶) سَیِّدُنَا شَهِیْدٌ" صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ، (۳۷) سَیِّدُنَا عَادِلٌ" صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ، (۳۸) سَیِّدُنَا حَکِیْمٌ" صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ، (۳۹) سَیِّدُنَا نُوْرٌ" صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ، (۴۰) سَیِّدُنَا حُجَّةٌ" صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ، (۴۱) سَیِّدُنَا بُرْهَانٌ" صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ، (۴۲) سَیِّدُنَا اَبْطَحِیٌّ" صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ، (۴۳) سَیِّدُنَا مُؤْمِنٌ" صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ، (۴۴) سَیِّدُنَا مُطِیْعٌ" صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ، (۴۵) سَیِّدُنَا مُذَکِّرٌ" صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ، (۴۶) سَیِّدُنَا وَاعِظٌ" صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ، (۴۷) سَیِّدُنَا اَمِیْنٌ" صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ، (۴۸) سَیِّدُنَا صَادِقٌ" صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ، (۴۹) سَیِّدُنَا مُصَدِّقٌ" صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ، (۵۰) سَیِّدُنَا نَاطِقٌ" صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ، (۵۱) سَیِّدُنَا صَاحِبٌ" صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ، (۵۲) سَیِّدُنَا مَکِّیٌّ" صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ، (۵۳) سَیِّدُنَا مَدَنِیٌّ" صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ، (۵۴) سَیِّدُنَا عَرَبِیٌّ" صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ، (۵۵) سَیِّدُنَا هَاشِمِیٌّ" صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ، (۵۶) سَیِّدُنَا تِهَامِیٌّ" صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ، (۵۷) سَیِّدُنَا حِجَازِیٌّ" صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ، (۵۸) سَیِّدُنَا قُرَیْشِیٌّ" صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ، (۵۹) سَیِّدُنَا حَامِیٌ" صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ، (۶۰)

سَیِّدِنَا عَزِیْز" صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ، (۶۱) سَیِّدِنَا حَرِیْص" صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ، (۶۲)
سَیِّدِنَا رَؤُف" صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ، (۶۳) سَیِّدِنَا رَحِیْم" صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ، (۶۴)
سَیِّدِنَا حَلِیْم" صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ، (۶۵) سَیِّدِنَا غَنِیّ" صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ، (۶۶)
سَیِّدِنَا جَوَّاد" صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ، (۶۷) سَیِّدِنَا فَتَّاح" صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ، (۶۸)
سَیِّدِنَا عَالِم" صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ، (۶۹) سَیِّدِنَا طَیِّب" صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ، (۷۰)
سَیِّدِنَا طَاہِر" صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ، (۷۱) سَیِّدِنَا مُطَهَّر" صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ، (۷۲)
سَیِّدِنَا خَطِیْب" صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ، (۷۳) سَیِّدِنَا فَصِیْح" صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ،
(۷۴) سَیِّدِنَا مُتَّقِیّ" صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ، (۷۵) سَیِّدِنَا اِمَام" صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ،
(۷۶) سَیِّدِنَا بَارّ" صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ، (۷۷) سَیِّدِنَا شَافِی" صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ،
(۷۸) سَیِّدِنَا مُتَوَسِّط" صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ، (۷۹) سَیِّدِنَا سَابِق" صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ
وَسَلَّمْ، (۸۰) سَیِّدِنَا مُقْتَصِد" صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ، (۸۱) سَیِّدِنَا مَهْدِی" صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ
وَسَلَّمْ، (۸۲) سَیِّدِنَا حَقّ" صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ، (۸۳) سَیِّدِنَا مُبِیْن" صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ
وَسَلَّمْ، (۸۴) سَیِّدِنَا اَوَّل" صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ، (۸۵) سَیِّدِنَا اٰخِر" صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ
وَسَلَّمْ، (۸۶) سَیِّدِنَا ظَاہِر" صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ، (۸۷) سَیِّدِنَا بَاطِن" صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ
وَسَلَّمْ، (۸۸) سَیِّدِنَا رَحْمَۃ" صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ، (۸۹) سَیِّدِنَا مُحَلِّل" صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ
وَسَلَّمْ، (۹۰) سَیِّدِنَا مُحَرِّم" صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ، (۹۱) سَیِّدِنَا اٰمِر" صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ
وَسَلَّمْ، (۹۲) سَیِّدِنَا نَاہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ، (۹۳) سَیِّدِنَا شَکُوْر" صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ
وَسَلَّمْ، (۹۴) سَیِّدِنَا قَرِیْب" صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ، (۹۵) سَیِّدِنَا مُنِیْب" صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ
وَسَلَّمْ، (۹۶) سَیِّدِنَا مُبَلِّغ" صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ، (۹۷) سَیِّدِنَا طٰسٓ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ
وَسَلَّمْ، (۹۸) سَیِّدِنَا حٰمٓ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ، (۹۹) سَیِّدِنَا حَسِیْب" صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ
وَسَلَّمْ، (۱۰۰) سَیِّدِنَا اَوْلٰی مِنْ عِبَادِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ
وَاَزْوَاجِہٖ اَجْمَعِیْنَ ط۔

ایک سچی کہانی نبی کریم ﷺ کی زبانی

ایک حدیث مبارک کا ترجمہ

ماں باپ کی اطاعت

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ تین آدمیوں کا ایک قافلہ پہاڑیوں سے گزر رہا تھا کہ دفعتہً بادل آیا۔ اور زور سے بارش ہونے لگی۔ اس اچانک موسلا دھار بارش سے اہل قافلہ سخت پریشان ہوئے۔ انہوں نے پہاڑ کے دامن میں ایک غار کے اندر چھپ کر پناہ لی۔ لیکن شامت اعمال سے سخت آندھی آئی۔ اور ہوا کے زور سے ایک بہت بڑی پتھر کی چٹان پہاڑ کی بلندی سے لڑھکی اور غار کے منہ پر ٹھہر گئی۔ قافلے والے سخت پریشان ہوئے انہوں نے بہت زور لگایا۔ طاقت آزمائی کی۔ لیکن چٹان اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوئی۔ ان لوگوں کا دم گھٹنے لگا۔ تاریکی نے ان کے حواس باختہ کر دیئے۔ وہ مجبور ہو کر ایک دوسرے سے کہنے لگے یارو یہ بڑی مصیبت کا سامنا ہے۔ اس مصیبت سے نجات ملنے کی کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی آؤ خدا سے اپنی زندگی کے سب سے بہتر عمل اور سب سے بڑی نیکی کا واسطہ دے کر دعا مانگیں۔ شاید رحیم کریم خدا بیکسوں کی سن لے اور اس تباہی سے نجات دے۔ تب یہ سب نہایت خضوع و خشوع سے خدا کے حضور میں لب کشا ہوئے۔ پہلا بولا، اے نگہبان خدا! میرے ماں باپ بڑے بوڑھے اور ضعیف تھے میں کھیتی باڑی کرتا اور اونٹ بکریاں چرایا کرتا تھا۔ میں نے گائیں بھی پالی تھیں کہ ان کا دودھ بھی ہم لوگوں کی زندگی کا سہارا تھا۔ میں صبح شام گائے بکریوں کا دودھ دوہتا اور اپنے ضعیف والدین کی خدمت میں لے جاتا۔ جب وہ سیراب ہو کر پی لیتے تو بچا کھچا دودھ میں اور میرے بیوی بچے پیتے۔ حسب معمول میں ایک رات دودھ لے کر حاضر ہوا لیکن میرے ماں باپ سو رہے تھے میں نے ان کو خواب سے بیدار کرنا مناسب نہ سمجھا۔ میرے بچے بھوک سے بلک رہے تھے خود میں اور میری بیوی بھوک اور پیاس سے مضطرب تھے۔ لیکن میں تمام رات ان کے سرہانے کھڑا رہا۔ تاکہ جب وہ بیدار ہوں تو ان کی خدمت میں دودھ پیش کردں۔ لیکن وہ سوئے رہے۔ یہاں تک کہ آفتاب طلوع ہو گیا۔ اے مولا

تیرے علم میں میری زندگی کے یہ واقعات ہیں۔ کیونکہ تو علیم وخبیر ہے۔ پس اے پروردگار، اگر ماں باپ کی اطاعت کوئی اچھا کام ہے اور اگر میرا یہ کام تیری رضا حاصل کرنے کیلئے تھا تو تو اس پریشانی سے ہم کو نجات دے اور تاریکیوں کی اس جھرمٹ میں آسمان کا کچھ حصہ دکھلادے۔

خدا نے اس اطاعت شعار بیٹے کی دعا قبول کر لی ہوا کے زور سے چٹان کا ایک حصہ سرک گیا۔

خدا کا خوف

دوسرا بولا، اے پروردگار! اے رحیم وکریم، تجھ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ میں اپنے چچا کی بیٹی سے کتنی گہری محبت رکھتا تھا۔ اتنی گہری محبت جتنی ایک مرد کو ایک عورت سے ہوتی ہے۔ اس نے مجھ سے سو دینار طلب کئے۔ میں نے محبت کے جوش میں انتہائی محنت ومشقت کے بعد یہ دینار اس کی خدمت میں پیش کئے۔ اب وہ میری تھی۔ اور میں اس کا، اس نے مجھے برائی سے روکنے کیلئے کہا "ظالم خدا سے ڈر، اپنی خواہش کو بے محل استعمال نہ کر۔" یہ الفاظ میرے جذبات پر سر دپانی بن کر برس پڑے۔ میں نے محسوس کیا کہ گویا مجھ کو سانپ سونگھ گیا ہے۔ میں اٹھ کھڑا ہوا اور اس بُری خواہش سے توبہ کر لی۔ اے خدا تو علام الغیوب ہے۔ تو جانتا ہے کہ یہ سب تیری خوشی کے لئے تھا۔ تیرے خوفناک عذاب سے ڈر کر تھا۔ اے میرے مددگار! اس لئے اس پاک بازی کے صلہ میں اس مصیبت سے نجات دے؟

خدا نے اس پاک باز کی دعا کو سنا اور پتھر کا ایک حصہ اور ہٹ گیا۔

مزدور کا حق

تیسرا بولا، اے مصیبت کے وقت مدد کرنے والے تو خوب جانتا ہے کہ میں نے ایک بازار میں کچھ سامان خریدا تھا۔ اس کو گھر تک پہنچانے کے لئے میں نے ایک مزدور اجرت پر لیا تھا۔ جس کی مزدوری چند سیر گیہوں ٹھہری تھی۔ میں نے مزدور کو مقررہ اجرت دی لیکن اس نے لینے سے انکار کر دیا اور چلا گیا۔ میں نے اس مزدور کے گیہوں کو اپنی زرخیز زمین میں بویا اور بڑی محنت سے یہ فصل تیار کی۔ اس سے جو فائدہ ہوا۔ میں نے اس کے نفع سے گائے، بکریاں اور مختلف سامان خریدا اور بہت مطمئن زندگی گزارنی شروع کر دی۔ ایک زمانہ کے بعد وہ مزدور آیا اور اپنی مزدوری

طلب کرنے لگا۔ میں نے اس کی تعظیم و تکریم کی اور اس سے کہا۔ اے دوست یہ سب گائے بکریاں یہ سب چراگاہیں اور سرسبز و شاداب کھیت تمہارے ہی ہیں۔ یہ سب مزدوری ہے۔ اس کو لے جاؤ۔ مزدور ہنسا اور کہنے لگا۔ آپ میرا مذاق کیوں اڑاتے ہیں۔ میری مزدوری اتنی کہاں سے آئی۔ وہ تو صرف چند سیر گیہوں تھے۔ میں نے کہا اے بھائی! یہ سب تمہارے چند سیر گیہوں کی کرشمہ سازیاں ہیں۔ یہ سب دولت و ثروت انہیں گیہوں سے پیدا کی گئی ہے۔ لہٰذا یہ تمہارا حق ہے تم اس کو لے جاؤ۔ تب اے خدا میں نے اس مزدور کو سب کچھ دے دیا۔ اے خدا اگر میری اس قربانی کا تعلق کچھ بھی ایمانداری اور حق پرستی سے ہے اور اگر یہ سب کچھ صرف تیری خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کیا گیا تھا۔ تو اس نیک کام کے طفیل ہم لوگوں کو اس مصیبت سے نجات دے۔ خدا نے اس حق پرست مسافر کی دعا کو شرف قبولیت بخشا۔ تب چٹان غار کے روزن سے بالکل ہٹ گئی۔ ہوا میں نرم رفتار پیدا ہو گئی۔ بارش رک گئی۔ تب یہ خوش قسمت انسان خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے غار سے باہر نکلے اور اپنی اطاعت شعاری، پاک بازی اور حقوق نوازی پر فخر کرتے ہوئے اپنی منزل کو روانہ ہو گئے۔

نبی کریم ﷺ کے ۴۰ ارشادات کا منظوم ترجمہ

مسلمانو اسی صورت میں تم ہو اہل ایمان سے
کہ جو الفت ہو اپنے نفس سے ہو اپنے اخواں سے
عطا و منع و حب و کیں میں جو اللہ والے ہیں
وہی ایمان میں کامل ہیں سیدھی راہ والے ہیں
تیرا قول اور فعل ایذا نہ دیتا ہو جو مسلم کو
تو اے مسلم پہنچ جاتا ہے تو اسلام کی لم کو
سرست اسلام کی ہے مانع بخل و بد اخلاقی
نواقص میں ہمیشہ سے چلی آتی ہے ناچاقی
ہوا و حرص ہے وسمہ تمہاری زندگانی کا
بڑھاپے پر اسی سے رنگ چڑھتا ہے جوانی کا

وہ انساں جو نہیں منت پذیر انساں کے احساں کا
ادا حق اس سے ہو سکتا نہیں ہے شکر یزداں کا
نہ آیا رحم جس کو بے کسوں اور ناتوانوں پر
لگائی مہر اس نے رحمت کے خزانوں پر
یہ دنیا اور جو کچھ اس میں یہ لعنت کے قابل ہے
مگر جس کو خدا یاد آئے وہ رحمت کے قابل ہے
جہاں میں جس قدر ہیں درہم و دینار کے بندے
ہیں ان کے واسطے پھیلے ہوئے پھٹکار کے پھندے
اگر آلودہ داماں کو طہارت سے گرائش ہو
تو دن تنگی کے سب کٹ جائیں روزی میں کشائش ہو
مکرر نیش عقرب کا مزا عاقل ہی چکھتا
اسی سوراخ پر انگلی مسلماں پھر نہیں رکھتا
کسی سے وعدہ کرتے ہو تو لازم ہے وفا کرنا
کہ یہ اک فرض ہے اور فرض ہے اس کا ادا کرنا
کسی محفل پہ شامل ہو تو اس نکتہ پہ عامل ہو
کہ راز اس کی امانت ہے بنے تم جس کے حامل ہو
کسی کو مشورہ دے کر وہی کچھ رازدیں سمجھے
جو اپنے آپ کو اس کے مصالح کا امیں سمجھے
یقینی نفع ہے جس میں سخاوت وہ تجارت ہے
خدا کی راہ میں دیا نہیں جاتا اکارت ہے
نہ ڈالو اے مسلمانوں گلے میں قرض کا پھندا
مہاجن کی کرے کیوں بندگی اللہ کا بندہ
گھٹانے سے نہیں گھٹتا قناعت مال ہے ایسا
ہے رونق اس سے گودڑ کی چھپا یہ لال ہے ایسا

چڑھے دن تک پڑے لیتے ہیں خراٹے جو بستر پر
نہیں رہتا کوئی حق ان کی روزی کا مقدر پر

کسی پر گر کرو احساں نہ لے بھولے سے نام اس کا
سخاوت کا یہ ہے سود، اور لینا ہے حرام اس کا

سعادت اس کی ہے ایزد متعال سے حاصل
ہوئی ہے جس کو عبرت دوسروں کے حال سے حاصل

زباں سے کان پر گر پردہ داری ہو نہیں سکتی
بڑی اس سے کوئی لغزش تمہاری ہو نہیں سکتی

اجل سے بڑھ کرے واعظ کیا کریں گے نکتہ آموزی
جو کرنی ہے تو کر لو موت ہی سے عبرت آموزی

کوئی انسان اس انساں کے درجہ کو نہیں پہنچا
کہ اس کی ذات سے لوگوں کو نفع بہتریں پہنچا

خدا رکھتا ہے اس کو دوست جو ہنس مکھ ہو خوش خُو ہو
شگفتہ جس کی فطرت ہو کشادہ جس کی ابرو ہو

محبت ہدیہ و سوغات دے کر بڑھ ہی جاتی ہے
جو سیلاب آئے ندی میں آخر چڑھ ہی جاتی ہے

ہے جس کی صورت اچھی اس سے کرنا ہے سوال اچھا
کہ حال اچھا ہے جس کا غالباً اس کا ہے قال اچھا

ملاقاتوں میں لطف آتا ہے کچھ مدت کی دوری سے
گھٹاتے کیوں ہو اس کو رات اور دن کی حضوری سے

مبارک وہ ہیں جو عیب اپنے رکھتے ہیں نگاہوں میں
نظر جن کی نہیں الجھی ہے غیروں کے گناہوں میں

اگر کرنا ہے نکتہ بے نیازی کا تجھے ازبر
تو جو کچھ دوسروں کا ہے نہ رکھ ہرگز نظر اس پر

صفوں کو تم نے الٹا پہلوانوں کو پچھاڑا بھی
مگر غصہ میں دیو نفس کا لنگر اکھاڑا بھی؟
غنی اس کو نہ سمجھو جس کے گھر میں نقرۂ و زر ہو
غنی اس شخص کو کہتے ہیں جو دل کا تو نگر ہو
مگر ہو تو یہی محتاط ہونے کی نشانی ہے
کہ اپنے اوپر انساں کو ہمیشہ بدگمانی ہو
عیاں ہو جاوے گا، اسلام کی خوبی کا راز اس سے
کہ جو کچھ بے ضرورت ہو بجا ہے احتراز اس سے
ہر اک انساں کو حق ہے علم کی دولت سے ہو فائز
کسی کو روکنا اس سے نہیں اسلام سے جائز
اگر خالی ہو جیب اور مرتبہ سائل کا پہچانو
تو میٹھی بات کو خیرات کا نعم البدل جانو
ہنسو لیکن نہ اتنا جس سے دل پژمردہ ہو جائے
طبیعت ہو منغض اور مذاق افسردہ ہو جائے
زمیں پھیلی ہوئی ہے جس طرح افلاک کے نیچے
یونہی جنت بھی ہے ماں کے قدم کی خاک کے نیچے
زباں اس کو نہ سمجھو ہے یہ اک آفت کا پرکالا
نہ رکھو گے جو قابو میں تو کر دے گی تہ و بالا
نظر کا تیر، نامحرم پہ جب تم نے چلایا ہے
اسے ابلیس نے زہر ہلاہل میں بجھایا ہے
نہیں ہے شائبہ تک اس میں اے مسلم تیری خُو کا
کہ خود تو پیٹ بھر کر کھائے ہمسایہ رہے بھوکا

ثواب جہاد

- صف جہاد میں کھڑا ہونا ساٹھ سال کی نماز سے بہتر ہے۔ (راوی ابی امامہؓ، راوہ احمد)
- میں نے کہا جنت میں کون ہو گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے فرمایا۔ نبی جنت میں ہو گا۔ شہید جنت میں ہو گا۔ (راویہ حسنا بنتؓ، معاویہؓ، ابوداؤد)
- جو اپنی جان سے راہ خدا میں جہاد کرے۔ اور راہ خدا میں خرچ کرے۔ اس کے لئے ایک درہم کے عوض میں سات لاکھ درہم ہیں۔ (راوی عبداللہ بن عمرؓ، ابن ماجہ)

مومن خدا کے گواہ ہیں!

- آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے سامنے سے ایک جنازہ گزرا، لوگوں نے مرنے والے کی تعریف کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے فرمایا، مرنے والے کے لئے (جنت واجب) ہو گئی۔ پھر دوسرا جنازہ گزرا، لوگوں نے مرنے والے کی برائی کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے فرمایا مرنے والے کیلئے (دوزخ) واجب ہو گئی۔ عرض کی گئی اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم آپ نے اس کے لئے بھی فرمایا، اس کے لئے فرمایا واجب ہو گئی۔

فرمایا مومنوں کی شہادت فیصلہ کن ہے، مومن زمین میں خدا تعالیٰ کے گواہ ہیں۔

(راوی ثابت بن انسؓ کتاب الشہادت بخاری)

زردار، ونادار

- مصعب بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ جناب سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس خیال کے تھے کہ انہیں اپنے سے (دولت میں) کمتر (یعنی ناداروں) پر برتری حاصل ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے ان کی غلط فہمی یہ فرما کر دور کی کہ تمہیں دشمنوں پر جو فتح حاصل ہوئی ہے اور تم جو مالدار ہو تو اس کا سبب تمہارے غریب بھائی ہیں۔
- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے فرمایا کہ اگر بدکار کے پاس کوئی دنیوی نعمت ہو تو اس پر رشک نہیں کرنا چاہئے۔ اسے موت کے بعد نار جہنم کی سزا ملنے والی ہے۔

امیر و مامور

- جس نے میرے امیر کی نافرمانی کی۔ اس نے میری نافرمانی کی اور جس نے میری نافرمانی کی۔ اس نے بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ (مسلم شریف)
- بلند و برتر اللہ تعالیٰ کہتا ہے۔ میں اللہ ہوں۔ نہیں کوئی معبود میرے سوا۔ میں بادشاہوں کا مالک ہوں۔ بادشاہوں کے دل میرے ہاتھ میں ہیں۔ جب بندے میری اطاعت کرتے ہیں تو میں ان کے حکمرانوں کے دلوں میں رحمت و محبت پیدا کرتا ہوں۔
- امام ڈھال ہے۔ اس کے پیچھے لڑو اور اس کے ذریعے بچو۔

اسلام

- اسلام شروع ہوا مسافرت کی حالت میں اور ہو جائے گا۔ ایسا ہی مسافر جیسے شروع ہوا تھا۔
- مبارک ہیں وہ جو عمل پیرا ہوں سلام پر خواہ وہ نظر آئیں اجنبی و مسافر۔
- آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا۔ تم ایسے زمانے میں ہو کہ تم میں سے کوئی دس احکام میں سے ایک بھی چھوڑ دے گا تو وہ ہلاک ہو جائے گا۔ پھر ایک زمانہ آئے گا کہ اگر اس زمانے کا مسلمان دس احکام میں سے ایک پر بھی عمل پیرا ہو گا تو اس کی نجات ہو جائے گی۔

علم

- اللہ تعالیٰ جس کی بھلائی چاہتا ہے اسے دین کے معاملے میں علم و فہم عنایت کرتا ہے اور علم تو سیکھنے ہی سے حاصل ہوتا ہے۔ (بخاری شریف)
- علم کی مجلس ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔ (راوی عبداللہ بن عمرؓ)
- جو کوئی ایسی راہ چلے جس سے مقصود علم ہو تو آسان کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کی راہ۔ (بخاری شریف)
- بے شک علماء انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں جس نے علم حاصل کیا۔ اس نے بہت بڑا حصہ لیا۔

اعتکاف

⦿ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان کے آخری دنوں میں برابر اعتکاف کرتے رہے۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہو گیا۔ آپ کے بعد آپ کی بیویاں اعتکاف کیا کرتی تھیں۔ (راویہ حضرت عائشہؓ)

⦿ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اعتکاف فرماتے تو گھر میں سخت ضرورت کے بغیر تشریف نہ لاتے۔ (راویہ حضرت عائشہؓ)

⦿ میں آپ کے لئے (مسجد میں) ایک خیمہ لگا دیتی۔ آپ صبح کی نماز پڑھ کر اس خیمہ میں تشریف لے جاتے۔ (راویہ حضرت عائشہؓ + بخاری شریف ابواب الاعتکاف)

آنحضرت ﷺ کی پیشگوئی

⦿ جب تمہارا فرمانروا تم میں سے نیکوکار اور تمہارے مالدار، سعادت شعار اور تمہارے کاروبار باہمی مشورے سے ہونگے، تمہارا وجود زمین کے لئے باعث زینت ہوگا اور جب تمہارے فرمانروا تم میں سے بدکار اور تمہارے مالدار بخل شعار ہونگے اور تم ہر کام اپنی عورتوں کی مرضی کے مطابق کرو گے۔ اس وقت تمہارا زمین کے اندر سما جانا زمین کی پیٹھ پر چلنے سے بہتر ہوگا۔

تین آفتیں

⦿ دین کی آفتیں تین ہیں (۱) بدکار عالم، (۲) جفاشعار حاکم، (۳) بے خبر مفتی۔

آخرت: دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔

بھلائی: کر بھلائی جیسی کی ہے خدا نے تجھ سے بھلائی۔

قوم کا سردار: قوم کا سردار قوم کی خدمت گزار ہے۔

نیکی کی رغبت: نیکی کی رغبت دلانے والا ایسا ہے جیسے نیکی کرنے والا۔

راہ: بہترین راہ درمیانی راہ ہے۔

دانائی: دانائی کی جڑ خدا کا خوف ہے۔

رحم: جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جائے گا۔

دنیا کی محبت: دنیا کی محبت تمام برائیوں کی جڑ ہے۔

انسان: انسان ایک سوراخ سے دودفعہ ڈنگ نہیں کھاتا۔

اچھا آدمی: اچھا آدمی وہ ہے جو قرضہ ادا کرنے میں اچھا ہو۔

وصیت

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان۔

⊙ میں نے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا میں اپنے سارے مال کی وصیت کر دوں۔ فرمایا نہیں۔ میں نے کہا کیا نصف مال راہ خدا میں صرف کرنے کی وصیت کر دوں۔ فرمایا نہیں۔ میں نے عرض کی کیا تیسرا حصہ، فرمایا ہاں تیسرا حصہ اور تیسرا حصہ بہت ہے۔ اگر تو اپنے وارثوں کو مالدار چھوڑ جائے تو اس سے بہتر ہے کہ تو انہیں نادار چھوڑ جائے۔

جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ بیمار تھے۔ بے اولاد تھے۔ ازاں بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں کئی ایک بیٹیاں اور کئی ایک بیٹے عطا فرمائے۔

بخاری شریف کتاب الوصایا (وصیتوں کا باب)

۳۹۳ سال کی پیشگوئی

⊙ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم سے وعدہ فرمایا کہ فرزندان توحید ہند میں جہاد (غزا) کریں گے۔ (راوی حضرت ابوہریرہؓ)

یہ حدیث امام نسائی نے اپنی صحیح میں درج فرمائی ہے۔ امام موصوف ۲۱۵ھ میں پیدا ہوئے اور ۳۰۳ھ میں فوت ہوئے۔ ہند اسلامی کتابوں میں دریائے اٹک (سندھ) کا نام ہے۔ اسی مناسبت سے مسلمانوں نے ماورائے اٹک رہنے والی قوموں کو بنام "ہندو" موسوم کیا۔ انگریزوں نے اسی مناسبت سے اسے "انڈیا" کہا۔ ہند پر سب سے پہلے سلطان غازی محمود نے حملہ کیا۔ انہوں نے یہ حملہ ۳۹۳ھ میں کیا۔

۷۰۰ سو سال کی پیشگوئی

⊙ ترکوں سے مت الجھنا۔ جب تک کہ وہ تم سے نہ الجھیں۔ اس لئے کہ سب سے پہلے ترک ہی میری امت سے ان کا ملک چھینیں گے۔ (راوی ابن مسعودؓ "کتاب طبرانی وابو نعیم")

جماعت

- جو کوئی اپنے امیر کی کسی بات کو ناپسند کرے اسے چاہئے کہ وہ حوصلہ سے کام لے۔ کیونکہ جو کوئی جماعت سے ایک بالشت بھی ہٹ گیا۔ اس کی گردن سے اسلام کا پٹہ اتر گیا۔

عنقریب اس امت میں ۷۳ فرقے ہو جائیں گے جن میں سے صرف ایک نجات پائے گا اور باقی ۷۲ فرقے دوزخ میں جائیں گے۔ پوچھا گیا۔ حضور وہ نجات حاصل کرنے والا کون سا فرقہ ہو گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ اختلافات سے بچنے والوں کی جماعت ہو گی۔ جماعت کے سر پر اللہ کا سایہ ہے۔

آل رسول ﷺ

- دیکھو۔ تم میں میرے اہل بیت کی مثال حضرت نوح کی کشتی کی طرح ہے جو اس میں سوار ہوا بچ گیا، جو اس سے دور رہا ہلاک ہو گیا۔ (راوی حضرت ابی ذرؓ۔ مسند امام احمدؒ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت فرمایا۔

- یہ دونوں میرے بیٹے ہیں اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں۔ اے اللہ میں ان سے محبت رکھتا ہوں۔ اے اللہ تو بھی انہیں اپنا محبوب بنا لے اور جو ان سے محبت رکھے انہیں بھی محبوب بنا لے۔ (ترمذی)
- حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ جوانان جنت کے سردار ہیں۔

اخوت اسلامی

- خبردار بدگمانی کو عادت نہ بنانا۔ بدگمانی سب سے بڑی جھوٹی بات ہے اور لوگوں کی عیب جوئی نہ کرنا اور نہ ایسی باتوں کو اپنے کانوں تک پہنچنے دینا۔ بڑھنے کیلئے مت جھگڑنا۔ حسد باہمی نہ کرنا۔ باہمی بغض نہ رکھنا۔ کسی کی عدم موجودگی میں اس کی برائی نہ کرنا۔ اے اللہ کے بندو آپس میں بھائی بھائی بن کر رہنا۔ جیسے اللہ نے تمہیں حکم دیا ہے۔
- مسلم: مسلم کا بھائی ہے۔ بھائی کا فرض ہے کہ بھائی پر ظلم نہ کرے اسے رسوا نہ کرے اسے

حقیر نہ جانے۔ (راوی ابو ہریرہؓ)

تجارت اچھی، مزدوری اچھی، بھیک بُری

⊙ فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اگر تم سے کوئی ایک رسی لے اور لکڑی کا گٹھا لا کر اسے بیچے اور اس سے اپنا گزر کرے اور اس سے اللہ اس کی آبرو محفوظ رکھے تو وہ اس سے بہتر ہے۔ کہ وہ لوگوں سے مانگے ہو سکتا ہے کوئی اسے دے اور کوئی نہ دے۔

(زبیر بن عوامؓ۔کتاب الساقات۔بخاری)

⊙ فرمایا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اگر تم میں سے کوئی اپنی پیٹھ پر لکڑیوں کا گٹھا اٹھائے، وہ اس سے بہتر ہے کہ وہ انسانوں کے پاس بھیک مانگنے کو جائے کوئی اسے دے اور کوئی نہ دے۔ (راوی ابو ہریرہؓ)

جہاد

⊙ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص آیا۔ بولا بتلائیں کون سا کام ہے ثواب میں جہاد کے برابر، آپ نے فرمایا کوئی عمل ثواب میں جہاد کے برابر نہیں۔

(ابو ہریرہؓ)

⊙ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی! اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کون شخص سب سے افضل ہے۔ آپ نے فرمایا۔ سب سے افضل ہے وہ مسلمان جو جہاد کرتا ہے۔ راہ خدا میں اپنی جان اور اپنے مال سے۔ (ابو سعید خدری۔کتاب الجہاد بخاری)

⊙ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ اللہ کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے جو زخمی ہو گا راہ خدا میں، قیامت کے دن اسی حال میں زخمی آئے گا کہ اس کا رنگ خون کا رنگ ہو گا اور اس کی خوشبو کستوری کی خوشبو ہو گی۔ (ابو ہریرہؓ)

آنحضرت ﷺ کی امت

⊙ بروز قیامت حضرت نوح علیہ السلام بلائے جائیں گے۔ ان سے پوچھا جائے گا کیا آپ نے دین کی تبلیغ کی؟ وہ فرمائیں گے۔ ہاں کی، اللہ تعالیٰ آپ کی قوم کو بلائے گا۔ ان سے پوچھا جائے گا کیا حضرت نوح علیہ السلام نے تم تک دین کو پہنچایا؟ وہ کہیں گے۔ نہیں، پھر

حضرت نوح علیہ السلام سے پوچھا جائے گا۔ آپ کا گواہ کون ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام فرمائیں گے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اوران کی امت میری شاہد ہے۔ یہی مراد ہے اللہ کے اس ارشاد کی کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کو بیچ کی امت بنایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ وسط سے مراد عادل ہے۔ تم سب بلائے جاؤ گے تم حضرت نوح علیہ السلام کی تبلیغ کی گواہی دو گے اور میں تمہاری گواہی دوں گا۔ (راوی حضرت ابوسعید)

پانچ چیزیں: میں تمہیں پانچ چیزوں کا حکم کرتا ہوں۔(۱) جماعت کا، (۲) جماعت کی بات سننے کا، (۳) امامت کا، (۴) ہجرت کا، (۵) جہاد کا۔

نوٹ:۔ اجتماعی زندگی ان پانچ چیزوں پر منحصر ہے۔

اسلام: ملت اسلامیہ کی بنیاد اسلام ہے۔

نماز: اسلام کا ستون نماز ہے۔

جہاد: اسلام کی بلند چوٹی جہاد ہے۔

ہتھیار: مسلمانوں اپنے آپ کو مسلح کرو۔ اپنے دشمنوں کے ہتھیاروں سے۔

نوٹ:۔ اسی سے عیاں ہوا کہ جدید ترین اسلحہ حرب بنانا اوران سے اپنے آپ کو مسلح کرنا مسلمانوں کا دینی فرض ہے۔

خیر خواہی: دین فقط اللہ کی خیر خواہی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خیر خواہی۔ مسلمان سرداروں کی خیر خواہی اور تمام مسلمانوں کی خیر خواہی کا نام ہے۔

مسلمان بھائی: قسم ہے اس کی جس کے قبضے میں میری جان ہے تم ایمان والے نہیں ہو سکتے جب تک تم مسلمان بھائیوں کے لئے وہ چیز پسند نہ کرو۔ جو خود اپنے نفس کے لئے پسند کرتے ہو۔

فضیلت والا مومن: سب لوگوں میں فضیلت والا وہ مومن ہے جو راہ خدا میں اپنے نفس اور مال سے جہاد کرتا ہے۔

ایک ہاتھ: مسلمان ایک ہاتھ کی مانند ہیں۔

ایک دیوار: مسلمان ایک دیوار کی مانند ہیں۔ دیوار کا ایک حصہ دوسرے حصہ کے لئے مضبوطی کا

سبب ہوتا ہے۔

مسلمان کا درد: مسلمان وہ ہے کہ جو دوسرے کا درد اسی طرح محسوس کرے جیسے کہ ایک عضو فوراً و طبعاً دوسرے عضو کا درد محسوس کرتا ہے۔

ظالم و مظلوم: مسلمان کی مدد کرو۔ خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ ظالم کی مدد اسے ظلم سے روکنا ہے۔

جماعتی زندگی: ہر کام میں دو ایک سے اچھے ہیں۔ تین ہم خیال دو سے اچھے ہیں۔ چار تین سے اچھے ہیں۔ جماعتی زندگی تمہارا فرض ہے۔ میری امت گمراہی پر اکٹھی نہیں ہو گی۔

مسلمان: مسلمان کی دعوت قبول کرو۔ اس کا ہدیہ رد نہ کرو۔ اس کا دل نہ دکھاؤ۔

عمل: ہر عمل کا دارومدار نیّت پر ہے۔

نیّت: مومن کی نیّت اس کے عمل سے بہتر ہے۔

بہترین عمل: خدا کے نزدیک بہترین عمل یہ ہے کہ جس سے دوستی کی جائے۔ اللہ کی رضا کے لئے کی جائے۔ جس سے دشمنی کی جائے اللہ کی رضا کے لئے کی جائے۔

بہترین انسان: وہ ہے جس کا وجود انسانوں کے لئے مفید ترین ہے۔

خدا کا کنبہ: خدا کی مخلوق خدا کا کنبہ ہے۔

محبوب: خدا کے نزدیک محبوب ترین انسان وہ ہے کہ جس کا وجود اپنے عیال کے لئے مفید ترین ہے۔

پیارا گھر: خدا کے نزدیک پیارا گھر وہ ہے جہاں یتیم کی عزت کی جاتی ہو۔

پسند: پسند کرو۔ لوگوں کے لئے جسے پسند کرتے ہو اپنے لئے۔

اخلاص: خدا کی خوشنودی کے لئے ہر عمل اخلاص سے کرو۔ جس کام میں اخلاص نہ ہو۔ وہ خدا کو پسند نہیں۔

مراد مندی: جو کام اخلاص سے کرو گے تھوڑا بھی ہو گا تو تمہاری مراد مندی کے لئے کافی ہو گا۔

محبت: جب کسی سے محبت ہو تو اس پر ظاہر کرو کہ تمہیں اس سے محبت ہے۔

بندے سے بھلائی: جب اللہ بندے سے بھلائی کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اسے لوگوں کی حاجتوں کے لحاظ سے مرجع خلائق بنا دیتا ہے۔

نوٹ:۔ مرجع خلائق وہ ہے جس کی طرف لوگ اپنی حاجتوں کے لئے رجوع کریں۔

قوم کا سردار: جب کسی قوم کا سردار تمہارے پاس آئے۔ اس کی عزت کرو۔

مہمان کی عزت: ہر مسلمان پر فرض ہے کہ مہمان کی عزت کرے۔

مصافحہ: جب مسلمان ایک دوسرے سے ملتے ہیں مصافحہ کرتے ہیں اور خدا کی حمد کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے گناہ بخش دیتا ہے۔

گالی: مسلمان کو گالی دینا بے حیائی ہے۔

قتل: مسلمان کو قتل کرنا کفر ہے۔

لاٹھی: جو مسلمان کو مارنے کیلئے لاٹھی اٹھاتا ہے اس کا تعلق مسلم قوم سے کٹ جاتا ہے۔

نوٹ:- ظالمانہ طریق پر یہ کام کرنا منافی اسلام ہے۔

روٹھنا: کسی انسان کے لئے زیبا نہیں کہ وہ بھائی سے تین دن سے زیادہ مدت تک روٹھا رہے۔

جنت: صلح کے لئے پہل کرنے والا جنت میں جائے گا۔

مومن کامل: اگر نیک کام سے تیرا دل سرور اور برے کام سے رنج محسوس کرے تو بلاشبہ تو مومن کامل ہے۔

گناہ: جو چیز تیرے دل میں کھٹک پیدا کرے وہ گناہ ہے۔

ہلاک کرنے والا: اگر تو کسی کو یہ کہتا ہوا سنے کہ لوگ ہلاک ہو گئے ہیں تو جان لے کہ یہ شخص لوگوں کو خود ہلاک کرنے والا ہے۔

ہمسایہ: جب تجھے ہمسایہ یہ کہے کہ تو اچھا ہے تو یہ تیرے اچھا ہونے کی دلیل ہے۔

مسلمان: آپ نے تین مرتبہ کہا۔ خدا کی قسم مسلمان نہیں۔ عرض کی گئی کون! فرمایا وہ مسلمان نہیں جو خود پیٹ بھر کر کھائے اور اس کا ہمسایہ بھوکا سو جائے۔

وکیل: قیامت کے دن مزدور کا وکیل خود خدا ہو گا۔

مزدوری: مزدور کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے دے دو۔

رحم: جو بڑا چھوٹوں پر رحم نہیں کرتا وہ میرا امتی نہیں۔

ادب: جو چھوٹا بڑوں کا ادب نہیں کرتا وہ میرا امتی نہیں۔

بدی اور نیکی: جب تجھ سے بدی ہو جائے تو فوراً نیکی کر۔ تاکہ بدی کا اثر محو ہو جائے۔

غصہ: اگر تم میں سے کوئی کھڑا ہو اور اسے غصہ آئے تو بیٹھ جائے۔ اگر غصہ پھر بھی فرو نہ ہو تو سو

جائے۔

زمین کی زینت: جب تمہارے سردار نیک ہوں گے اور امیر سخی ہوں گے تمہارے کام مشورے سے ہوں گے۔ تم زمین کی زینت ہو گے۔

زمین میں سماجانا: جب تمہارے سردار بُرے ہوں گے اور امیر کنجوس ہوں گے اور تم اپنے کام عورتوں کے سپرد کر دو گے تو تمہارے لئے زمین کا پیٹ سطح سے بہتر ہو گا۔

نااہل: جب سلطنت کا کام نااہل کے سپرد ہو جائے تو قیامت کا انتظار کرو۔

کمتر: اگر کسی کو مال اور بدن کے لحاظ سے اپنے سے اچھا دیکھو۔ تو اس وقت اس کی طرف بھی دیکھو کہ جو تم سے کمتر ہو۔

مُردگان: جو تم میں سے فوت ہو چکے ہیں ان کی خوبیوں کا ذکر کرو اور ان کی برائیاں کرنے سے رُک جاؤ۔

خدا کا غضب: جو سودا قسم کھا کر فروخت کرتا ہے فقیر ہے۔ مگر تکبّر کرتا ہے بوڑھا ہے مگر زناکار ہے حاکم ہے، مگر ظالم ہے۔ اس پر خدا کا غضب ہے۔

قناعت: جو کچھ تیرے پاس ہے اس پر قناعت کر جو غیروں کے پاس ہے اس کا طمع نہ کر۔ تاکہ تو لوگوں کے نزدیک محبوب ہو جائے۔

اللہ کی پناہ: فقیری سے محتاجی سے ظلم سے مظلومی سے اللہ کی پناہ طلب کر۔

فتویٰ: خواہ مفتی بھی فتویٰ دیں مگر تو اپنے دل سے فتویٰ طلب کر۔

استقامت: نیکی پر مت جا اور لوگوں کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آ۔

معافی: دنیا میں کرم اور معافی سے کام لے۔ تاکہ آخرت میں تجھے معاف کیا جائے اور تجھ پر کرم کیا جائے۔

بادشاہوں کا بادشاہ: جو انسان ہو کر اپنے آپ کو بادشاہوں کا بادشاہ تصور کرتا ہے اس پر خدا کا سخت غضب ہے اس لئے کہ خدا کے سوا بادشاہی کسی کی نہیں۔

اطاعت: خواہ تیرا حاکم کالا کلوٹا بد شکل حبشی ہی کیوں نہ ہو پھر بھی اس کی اطاعت کر۔

خدا کا عذاب: جو شخص دنیا میں لوگوں کو دُکھ دیتا ہے قیامت میں سب سے زیادہ عذاب اسی پر ہو گا۔

جابر حاکم: قیامت میں سب سے زیادہ عذاب حاکم جابر کو ہوگا۔

شکر: جو انسانوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ خدا کا ناشکر گزار ہے۔

احمق: جو احمق ہو، اس کی صحبت سے پرہیز کر۔

علم: ماں کی گود سے لے کر قبر کے کونے تک علم پڑھو۔

چین: علم کے لئے خواہ چین ہی جانا پڑے۔ جاؤ۔

گمشدہ خزانہ: حکمت مومن کا گمشدہ خزانہ ہے۔

فرض: تحصیل علم ہر مسلمان پر فرض ہے۔

قلم کی سیاہی: عالم کے قلم کی سیاہی شہید کے خون سے زیادہ قابل قدر ہے۔

عابد: شیطان کے حق میں ایک عالم (فقیہ) ہزاروں عابدوں سے زیادہ سخت ہے۔

دل کے نرم: خوبی میرے ان امتیوں سے طلب کرو کہ جو دل کے نرم ہیں۔

عبادت: خدا کی عبادت اس طرح کر کہ تو اس کو دیکھ رہا ہے اگر یہ نہیں تو یہ یقین کر کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔

خدا کی قدرت: ہر پتھر اور ہر درخت سے خدا کی قدرت ظاہر ہوتی ہے ہر مقام پر خدا کا ذکر کر۔

مظلوم: ڈر مظلوم کی دعا ہے، اس لئے کہ وہ مقبول ہے۔

دکھ دینے والی چیز: مومنوں کی راہ سے ہر دکھ دینے والی چیز کو ہٹا دے۔

حق: عورت پر سب سے زیادہ حق شوہر کا اور مرد پر سب سے زیادہ حق ماں کا ہے۔

بہترین بیوی: کفایت شعار بیوی بہترین بیوی ہے۔

آسانی: کام کر تیرا معاملہ آسان ہو جائے گا۔

غنیمت: زندگی کو موت۔ تندرستی کو بیماری۔ تونگری کو تنگ دستی۔ جوانی کو بڑھاپے۔ غیر محتاجی کو محتاجی سے پہلے غنیمت تصور کر۔

ہلاک ہونے والا: پڑھانے والا بن یا پڑھنے والا بن یا سننے والا بن یا ان سے الفت کرنے والا بن۔ پانچواں نہ بن، وہ ہلاک ہونے والا ہے۔

سلام: ایک دوسرے کو اسلام علیکم کہو۔ سلام کو پھیلاؤ۔ تا کہ آپس میں محبت بڑھے۔

بھائی بن جاؤ: سلام پھیلاؤ۔ کھانا کھلاؤ اور حسب حکم خدا بھائی بھائی بن جاؤ۔

محبت: ایمان لانے کے بعد نیک ترین عمل انسانوں سے محبت کرنا ہے۔

بہترین ایمان: مصیبت میں صبر کرنا، جو دکھ دیں ان سے در گزر کرنا بہترین ایمان ہے۔

بہترین روپیہ: وہ ہے جو اہل و عیال پر، جہاد کے جانوروں پر اور دوستوں پر صرف کیا جائے۔

بہترین صدقہ: بہترین صدقہ وہ ہے کہ تو اس وقت صدقہ کرے کہ تو سلامت ہو تو تندرست ہو تجھے اپنے معاش کی فکر ہو، تجھے محتاجی کا خوف ہو۔ سستی نہ کر یہاں تک کہ موت تیرے گریبان کو پکڑے اور تو یہ کہے کہ یہ مال فلانے کا ہے اور یہ فلانے کا ہے۔ بلکہ اس وقت تو یہ مال ہوگا ہی اُن کا۔

دینے والا ہاتھ: لینے والے ہاتھ سے دینے والا ہاتھ بہتر ہے۔ اوّل صدقہ اُن پر کہ جن کا گزارہ تجھ پر ہے۔

پیاس: پیاسوں کو پانی پلانا بہترین صدقہ ہے۔

مسلمان بھائی: مسلمان بھائی کو علم پڑھانا بہترین صدقہ ہے۔

بہترین اسلام: مومنوں کیلئے بہترین اسلام مسلمانوں کو اپنے ہاتھ اور اپنی زبان سے بچانا ہے۔

بہترین اخلاق: مومنوں کیلئے بہترین اخلاق بہترین ایمان کی علامت ہے۔

بہترین مہاجر: مہاجرین میں سے بہترین وہ ہے کہ جو ان برائیوں کو ترک کردے۔ جن کو ترک کردینے کا حکم خدا نے دیا ہے۔

بہترین جہاد: یہ ہے کہ اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے انسان اپنے نفس سے جہاد کرے۔

بہترین مومن: وہ ہے جو لین دین میں عالی حوصلہ ہو۔ قرض ادا کرنے میں عالی حوصلہ ہو۔ قرض طلب کرنے میں عالی حوصلہ ہو۔

کامیاب: جسے عقل عطا کی گئی وہ کامیاب ہو گیا۔

بدترین گناہ: اللہ سے شرک کرنا۔ انسان کو قتل کرنا۔ ماں باپ کو دکھ دینا اور جھوٹی گواہی دینا ہے۔

بے معنی گفتگو: قیامت کے دن کثرت سے بے معنی گفتگو کرنے والے کو زیادہ عذاب ہوگا۔

دعا: عافیت و صحت کے لئے زیادہ دعا کرو۔

بہشت کا خزانہ: "لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ" کثرت سے پڑھو۔ یہ بہشت کا ایک خزانہ ہے۔

پرہیزگار: سب سے زیادہ عزت دار انسان نیکوکار ہیں۔

بیویوں سے نیک سلوک: تم میں سے بہترین انسان وہ ہیں جن کا سلوک اپنی بیویوں سے بہترین ہے۔

پناہ مانگتا ہوں: اے پروردگار میں پناہ مانگتا ہوں۔ بے نفع علم۔ نامقبول عمل اور مردود دعا سے۔

ماں: جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔

زیبا: اللہ تعالیٰ زیبا (جمیل) ہے اور زیبائی کو پسند کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ: بے شک پاک ہے۔ پاک شے کو پسند کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ: پاکیزہ ہے۔ پاکیزگی کو پسند کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ: کریم ہے۔ کرم کو پسند کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ: بخشش کرنے والا ہے۔ معافی کو پسند کرتا ہے۔

اخلاق عالیہ: اللہ تعالیٰ اخلاق عالیہ کو پسند کرتا ہے اور اخلاق رذیلہ کو ناپسند کرتا ہے۔

قاضی: اللہ تعالیٰ جب کہ قاضی ظلم نہیں کرتا۔ اسے اپنی مدد سے نوازتا ہے۔

قرض: جس شخص نے اچھے کام کے لئے قرض لیا ہوتا ہے اور وہ اسے اچھے کاموں پر صرف کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرتا ہے کہ وہ اسے ادا کرے۔

اللہ کا ہاتھ: میری امت گمراہی پر اکٹھی نہیں ہوگی اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے۔ جو جماعت سے گیا وہ دوزخ میں گیا۔

نہیں دیکھتا: اللہ تعالیٰ نہیں دیکھتا تمہاری صورتوں کی طرف۔ اللہ تعالیٰ نہیں دیکھتا تمہارے نسبوں کی طرف۔

دیکھتا ہے: اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے تمہارے دلوں کی طرف یا اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے تمہارے اعمال کی طرف۔

نرمی: اللہ تعالیٰ ہر امر میں نرمی اور ملائمت کو پسند کرتا ہے۔

پسند کرتا ہے: اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے اس شخص کو جس کا ہمسایہ برا ہو ہمسایہ اسے دکھ دے اور وہ اس پر صبر کرے۔

غیور: اللہ تعالیٰ غیور انسان کو پسند کرتا ہے۔

راضی نہیں: اللہ تعالیٰ اس سے راضی نہیں کہ تم شرک کرو۔

راضی ہے: وہ اس پر راضی ہے کہ تم اللہ کی عبادت کرو اللہ کی رسی کو مل کر تھام لو۔ تفرقہ نہ کرو اور جو تمہارا حاکم ہو اس کی خیر خواہی کرو۔ اسے نیک مشورہ دو۔

اللہ ناخوش ہے: اس سے کہ تم ہر چیز کے بارے میں کثرت سے سوال کرو اور اپنے مال کو ضائع کرو۔

نیک بخت: جو شخص زمانے کے فتنوں سے بچے وہ نیک بخت ہے۔

بے حیائی: فساد، لڑائی اور بے حیائی منافی شان اسلام ہے۔

حُسنِ خُلق: مومن حُسنِ خُلق کے ذریعے اس شخص کے مقام پر پہنچ جاتا ہے جو کثرت سے عبادت کرتا ہے اور کثرت سے روزے رکھتا ہے۔

تلوار اور زبان: مومن تلوار سے جہاد کرتا ہے۔ زبان سے جہاد کرتا ہے۔

عرش خدا: اللہ کے لئے محبت کرنے والا بروز قیامت عرش خدا کے سایہ میں ہوں گے۔

نکاح: عورتوں سے ان کے دین کے لئے۔ ان کے مال کے لئے۔ ان کے حسن کے لئے نکاح کیا جاتا ہے تو دینداری کو ترجیح دے۔ تجھے راحت نصیب ہو گی۔

بڑا ہی نیک: بلاشبہ نیکوں میں سے بڑا نیک وہ ہے کہ جو اپنے والد کے فوت ہو جانے کے بعد اس کے دوستوں کو اپنا دوست تصور کرتا ہے۔

اکثریت: اگر تم امت میں اختلاف دیکھو۔ جدھر اکثریت ہو۔ ادھر ہو جاؤ۔

وعدہ: اپنے وعدوں کو پورے اور اچھے طریق پر نبھانا ایمان میں سے ہے۔

خیانت: جو شخص مسلمانوں کے مال میں خیانت کرتا ہے اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔

شر: دنیا میں لوگ جس کے شر سے بھاگ جائیں۔ قیامت میں اس کا ٹھکانہ بُرا ہو گا۔

حشر: لوگوں کا حشر ان کی نیتوں کے مطابق ہو گا۔

ہم نشین: اچھا ہم نشین عطر فروش کی مانند ہے۔ وہ تجھے خوشبودار کر دے گا برا ہم نشین بھٹی جھونکنے والی کی مانند ہے۔ یا تیرے لباس کو جلا دیگا یا اس کی بدبو تجھے دکھ دے گی۔

رحم: میں خدا کی مخلوق پر رحم کرنے کے لئے پیدا کیا گیا ہوں۔ میں انہیں خدا کی رحمت سے دور کرنے کے لئے پیدا نہیں کیا گیا ہوں۔

رحیم: اللہ تعالیٰ رحیم انسانوں پر رحم کرتا ہے۔

حکم: مجھے یہ حکم نہیں دیا گیا کہ لوگوں کے دلوں میں چھید کروں یا ان کے پیٹ پھاڑ دوں۔

یتیم: کفالت کرنے والا یتیموں کی قیامت میں میرے ساتھ ہوگا۔

سلوک: لوگوں کے ساتھ ان کے شایانِ شان سلوک کرو۔

میانہ روی: ہر چیز میں میانہ روی نیتوں کی خصلت ہے۔ (ترمذی)

اصل پہلوان: جو غصے کے وقت اپنے نفس کا مالک ہو وہ اصل پہلوان ہے۔ (بخاری-مسلم)

غصہ: ایمان کو اس طرح خراب کرتا ہے جیسے شہید کو ایلوا۔ (مشکوۃ)

پورا تجربہ: دانش مند وہ ہے جسے پورا تجربہ حاصل ہو۔ (مسلم بخاری)

سچ: اپنے اوپر سچ بولنا لازم کرلو۔ (مسلم بخاری)

سچ نیکی کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ (مسلم بخاری)

جھوٹ: اپنے اوپر جھوٹ سے بچنا لازم کرلو۔ (مسلم بخاری)

جھوٹ فسق وفجور کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ (مسلم بخاری)

نرمی ونیکی: جو شخص نرمی سے محروم کیا گیا نیکی سے محروم کیا گیا۔ (مسلم)

دوزخ کی آگ: لوگوں سے بہ لطف پیش آنے والے پر دوزخ حرام ہے۔ (ترمذی)

فروتنی: جو فروتنی کرتا ہے اللہ اسے بلند کرتا ہے۔ (مشکوۃ)

عیب جوئی: اپنے عیب معلوم کر کے لوگوں کی عیب جوئی سے باز رہو۔ (مشکوۃ)

خاموشی: نیک خوئی اور خاموشی سے بہتر کوئی کام نہیں۔ (مشکوۃ)

بدگمانی: لوگو! اپنے آپ کو بدگمانی سے دور رکھو۔ بدگمانی بہت ہی جھوٹی بات ہے۔ (مسلم بخاری)

عیب: لوگوں کے پوشیدہ عیب نہ ٹٹولو۔ (مسلم بخاری)

شے کی قیمت: دھوکا دہی کے لئے کسی شے کی قیمت بڑھا کر اسے غصب نہ کرو۔ (مسلم بخاری)

حسد: ایک دوسرے پر حسد نہ کرو۔ (مسلم بخاری)

بغض: آپس میں دشمنی نہ رکھو۔ (مسلم بخاری)

بھائی بھائی: اللہ کے بندو بھائی بھائی بنے رہو۔ (مسلم بخاری)

بیجا حمایت: قوم کی بیجا حمایت کی طرف بلانے والا ہم میں سے نہیں ہے۔ (ابوداؤد)

قوم کی بیجا حمایت کے لئے لڑنے والا ہم میں سے نہیں ہے۔ (ابوداؤد)

ملاقات: جس نے اپنے بھائی سے ایک سال تک ملاقات ترک رکھی۔ اس نے اسے قتل کر ڈالا۔

چغل خور: چغل خور جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ (بخاری)

بہتان: جو برائی کسی میں پائی جائے۔ اسے اس کی عدم موجودگی میں کہنا غیبت ہے اور جو نہ ہو اس کا کہنا بہتان ہے۔ (مسلم شریف)

حیا: حیا ایمان کی شاخ ہے۔ (مسلم شریف و بخاری)

بے حیائی: بے حیائی اکھڑ پن ہے۔ اکھڑوں کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ (ترمذی)

وصفِ غالب: ہر ایک دین کا ایک وصف غالب ہے۔ اسلام کا وصف غالب حیا ہے۔ (موطا)

رحم: جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا۔ اللہ اس پر رحم نہیں کرتا۔ (بخاری مسلم)

رحمت و شفقت: بدبخت آدمی کے علاوہ اور کسی کے دل سے رحمت و شفقت سلب نہیں کی جاتی۔ (ترمذی)

مسلمان کی مدد: جو مسلمان کی مدد کرے گا۔ خدا اس کی دنیا و عقبیٰ میں مدد کرے گا۔ (مشکوۃ)

امانت دار: جو امانت دار نہیں۔ دیندار نہیں۔ (مشکوۃ)

عہد کا پاس: جسے پاس عہد نہیں۔ اس کا دین نہیں۔ (مشکوۃ)

زانی: جب زانی زنا کرتا ہے۔ وہ مومن نہیں رہتا۔ (بخاری)

چور: جب چور چوری کرتا ہے۔ وہ مومن نہیں رہتا۔ (بخاری)

شرابی: جب شرابی شراب پیتا ہے۔ وہ مومن نہیں رہتا۔ (بخاری)

بددیانت: جب بددیانت بددیانتی کرتا ہے وہ مومن نہیں رہتا۔ (بخاری)

منافق کی تین نشانیاں: (۱) جب بات کہے۔ جھوٹ بولے، (۲) وعدہ کرے خلاف کرے، (۳) اس کے پاس امانت رکھی جائے۔ خیانت کرے۔

امانت: جب امانت ضائع ہو جائے۔ قیامت کا انتظار کرو۔ (بخاری)

نااہل: حکومت کو نااہل کے سپرد کرنا امانت کا ضائع کرنا ہے۔ (بخاری)

ایمان: جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر ایمان ہوگا۔ دوزخ میں نہیں جائے گا۔ (مسلم)

تکبر: جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر ہوگا۔ دوزخ میں جائے گا۔ (مسلم)

تکبر کی تعریف: حق کو جھٹلانا، لوگوں کو حقیر جاننا تکبر ہے۔ (مشکوۃ)

اولادِ آدم: سب اولادِ آدم ہیں۔ اور آدمی مٹی سے پیدا کیے گئے۔ (ابوداؤد)

دنیا: مسلمان کے لئے قید خانہ ہے۔ کافر کے لئے جنت ہے۔

نوٹ:- مسلمان قیود اخلاق کا پابند ہے جیسے قیدی پابند ہوتا ہے۔ ضوابطِ قید خانے کا۔ کافر پابندیوں سے بے نیاز ہوتا ہے۔ جیسے جنت میں کوئی پابندی نہیں۔

گناہوں کی اصل: دنیا کی محبت تمام گناہوں کی اصل ہے۔ (مشکوٰۃ)

قریب ہے: سخی خدا سے قریب ہے۔ جنت سے قریب ہے۔ لوگوں سے قریب ہے۔ (ترمذی)

بخیل: بخیل خدا سے دور ہے۔ جنت سے دور ہے۔ لوگوں سے دور ہے۔ (ترمذی)

مومن: مومن نہ بخیل ہوتا ہے۔ نہ بد خلق۔ (ترمذی)

مومن کو شایاں نہیں کہ اپنے نفس کو ذلیل کرے۔ (ترمذی)

قرآن: بہترین مسلمان وہ ہے کہ جو قرآن پڑھے اور پڑھائے۔ (بخاری)

قوم کی بلندی: جو قوم قرآن کو اپناتی ہے۔ بلند ہو جاتی ہے۔ جو نہیں اپناتی گر جاتی ہے۔ (بخاری)

فیصلہ نہ کرے: حاکم جب غصہ میں ہو تو فیصلہ نہ کرے۔ (مسلم بخاری)

سامنے بٹھائیں: مدعی اور مدعا علیہ دونوں کو حاکم کے سامنے بٹھایا جائے۔ (ابوداؤد)

راستے کا حق: اجنبی عورتوں سے نظر نیچی رکھنا راستے کا حق ہے۔

تکلیف دہ چیز کو راہ سے ہٹانا راستے کا حق ہے۔

سلام کا جواب دینا راستے کا حق ہے۔

اچھی بات کا حکم کرنا راستے کا حق ہے۔

بری بات سے منع کرنا راستے کا حق ہے۔ (مسلم بخاری)

شاخیں: ایمان کی ۷۹ شاخیں ہیں۔ سب سے افضل "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کہنا اور سب سے ادنیٰ تکلیف دہ چیز کا راہ سے ہٹانا۔ (مشکوٰۃ)

شہیدوں کا ثواب: امت میں فساد کے وقت میرے طریق کو مضبوطی سے تھام لینے والوں کے لئے ایک سو شہیدوں کا ثواب ہے۔ (بیہقی)

مسلمانوں سے محبت: کوئی جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ جب تک وہ ایمان نہ لائے اور کوئی جب تک مسلمانوں سے محبت نہ کرتا ہو۔ ایمان والا نہیں ہو سکتا۔

مسلمان کی مدد: کسی مسلمان کی مدد کرنا۔ مسجد نبوی میں ایک سال تک عبادت کرنے سے بہتر ہے۔

خطبات نبوی ﷺ

جبل عرفات (مکہ مکرمہ) پر کھڑے ہو کر عرب کے امی نبیؐ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ایک خطبہ پڑھا۔ فصاحت و بلاغت کے جسم میں جانّ ڈال دی۔ خلاصہ خطبہ یہ ہے۔

اے حاضرین اہل اسلام خدا جانے اگلے سال میں تم میں ہوں یا نہ ہوں۔ میری گفتگو غور سے سنو اور اس پر توجہ کرو۔ یہ مہینہ تمہارے لئے مقدس ہے۔ اس طرح ہر سال اس خدا کے گھر میں حاضر ہوا کرو۔ مسلمانوں یاد رکھو کہ کسی کا خون کرنا یا کسی کا حق چھیننا حرام ہے تم کو ایک دن خدا کے روبرو حاضر ہو کر حساب دینا ہے۔ دیکھو عورتوں کے حقوق نہ بھولنا۔ عورتیں خدا کے حکم سے تمہارے تصرف میں آئی ہیں۔ اگر ان کی حق تلفی کرو گے۔ تو خدا کے ہاں ذمہ دار ہو گے۔ غلاموں سے سختی نہ کرنا۔ جیسا کھانا خود کھانا ویسا ہی انہیں کھلانا۔ جیسا لباس خود پہننا ویسا انہیں پہنانا اگر ان سے کوئی ایسا قصور ہو جائے۔ جسے تم معاف نہیں کر سکتے تو ان پر ظلم نہ کرنا۔ وہ خدا کے بندے ہیں۔ گزارہ نہ ہو، تو جدا کر دینا۔ سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اپنے بھائی کا مال زبردستی نہ لینا۔ اگر وہ خوشی سے دے جائز ہے۔ مسلمانوں قرانِ حمید ایسی شے ہے کہ وہ ہدایت کے راستے کا روشن چراغ ہے وہ گمراہی سے تمہیں بچائے گا۔ اخلاص۔ قوت اور اتفاق سے کبھی منہ نہ موڑنا۔ یہ تین چیزیں بے بہا ہیں۔ جیسے یہ مہینہ مقدس ہے یہ شہر مقدس ہے۔ ایسے ہی مسلمانوں کا خون مقدس ہے۔ ان کا مال مقدس ہے۔ ان کی آبرو مقدس ہے۔ ایک دوسرے کا خون نہ بہاؤ۔ میں اپنے عزیزوں کا خون معاف کرتا ہوں۔ سود کو حرام جانو۔

نبوت کے موتی

سب سے سچی بات قرآن مجید ہے۔ سب سے زیادہ مضبوط رستی قابلِ وثوق شے نیکوکاری ہے۔ بہترین ملت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت ہے۔ بہترین طریق حیات حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا طریق حیات ہے۔ بہترین قصہ یہ قرآن ہے۔ بہترین عمل قرآن و طریق محمدی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا اتباع ہے۔ بدترین کام بدعت ہے۔ سب سے اچھے انجام وری کام نبیوں کی ہدایت ہے۔ بزرگ ترین موت شہیدوں کی موت ہے۔ بدترین اندھاپن وہ گمراہی ہے جو

ہدایت کے بعد ہو۔ بہترین علم وہ ہے جس سے نفع ہو بہترین ہدایت وہ ہے جس کی پیروی کی جائے۔ بدترین بے نوری، دل کی بے نوری ہے، اونچا ہاتھ (دہندہ) نیچے ہاتھ (گیرندہ) سے بہتر ہے۔ اچھی ہے دولت کی وہ کمی کہ جو انسان کو قانع کر دے۔ بری ہے دولت کی وہ کثرت جو کہ انسان کو خدا سے باغی کر دے۔ بدترین عذر وہ ہے کہ جو موت کے وقت کیا جائے اور بدترین ندامت وہ ہے کہ جو بروز قیامت ہو گی۔ بعض آدمی ایسے ہیں کہ جو نماز پڑھتے ہیں اور ان کی پیٹھ قبلہ کی طرف ہوتی ہے بعض آدمی ایسے ہیں کہ خدا کا ذکر کرتے ہیں مگر ان کے دل خدا سے دور ہوتا ہے۔ سب سے بڑی خطا زبان کا جھوٹ ہے۔ اچھی امیری دل کی امیری ہے۔ بہترین توشۂ حیات پرہیز گاری ہے حکمت (دانائی) کی جڑ خوف خدا ہے۔ بہترین شے ان میں سے جو دل میں جگہ پکڑے خدا کی ذات پر یقین ہے۔ حقائق پر شک و شبہ کفر ہے۔ مردہ پر رونا نوحہ گری ہے۔ خیانت و فریب دوزخ کے پتھر ہیں۔ جس مال سے زکوٰۃ نہ دی ہو۔ اسے پیش نظر رکھنا دوزخ کا رخ ہے۔ بُرے شعر شیطان کے آلات غنا (۱۴ اگ) میں سے ہے۔ شراب خوری و دیگر نشہ آور چیزیں گناہوں کا سر چشمہ ہیں۔ عورتیں شیطان کی رسیاں اور پھندے ہیں۔ جوانی شعبۂ دیوانگی ہے۔ بدترین ذریعہ معاش ربا (سود خواری) ہے اور بدترین خوراک یتیموں کا مال ہے۔ نیک بخت وہ ہے کہ جو دوسروں سے نصیحت حاصل کرتا ہے۔ بدبخت وہ ہے کہ جو ماں کے پیٹ سے ہی بدبخت پیدا ہوا ہے۔ تمہارا آخری ٹھکانہ قبر ہے۔ ہر کام کے انجام کو دیکھنا چاہئے۔ بدترین کہانی کذب بیانی ہے۔ ہر آنے والا نزدیک ہے۔ مومن کو گالی دینا فسق، اور مومن کو ہلاک کرنا کفر ہے۔ مومن کا گوشت کھانا (غیبت) حرام ہے۔ مسلمان کا مال اس کے خون کے مانند حرام ہے۔ جو کسی کو برائے خدا معاف کر دیتا ہے۔ خدا اسے معاف کر دیتا ہے جو اپنے غصے کو دباتا ہے۔ خدا اس کو اجر دیتا ہے جو کسی مصیبت کے وقت صبر کرتا ہے خدا اس کو عوض دیتا ہے۔ جو گناہ کرتا ہے۔ خدا اسے عذاب دیتا ہے۔ اے پروردگار مجھے بخش امیری امت کو بخش دے۔

مبارک نصیحتیں

دنیا خوش نما ہے۔ لذیذ ہے۔ تم خداوند تعالیٰ کے خلیفہ ہو۔ تم جو کام کرتے ہو سمجھ لو کہ خدا اسے دیکھ رہا ہے دنیا سے ڈرو، عورتوں سے بچو (ہر کام عورتوں کے سپرد نہ کرو) اس لئے کہ بنی اسرائیل جس فتنہ میں سب سے زیادہ مبتلا ہوئے۔ وہ عورتوں کا فتنہ تھا۔ جانو کہ بنی آدم مختلف

طبقات کی صورت میں پیدا ہوئے ہیں۔ بعض وہ ہیں کہ جو مومن پیدا ہوئے ہیں۔ مومنوں جیسی زندگی بسر کرتے ہیں اور دنیا سے بحیثیت مومن فوت ہو جاتے ہیں۔ بعض ایسے ہیں جو کافر پیدا ہوتے ہی کافروں کی زندگی بسر کرتے ہیں اور کافر مرتے ہیں بعض ایسے ہیں جو بہ حیثیت مومن دنیا میں آتا ہے اور مومن کی حالت میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ لیکن وہ کافر مرتے ہیں۔ بعضے کافر پیدا ہوتے ہیں۔ کافر زندہ رہتے ہیں لیکن مومن مرتے ہیں۔

جان لو کہ غصہ آگ ہے جو آدمی کے بالوں کو جلا ڈالتا ہے۔ اس کے باعث آدمی کی آنکھیں سرخ ہو جاتی ہیں۔ رگیں پھول جاتی ہیں جب غصہ آئے وضو کرے یا زمین پر سو جائے۔

جان لو کہ بہترین آدمی وہ ہے جو زود رنج نہ ہو اور اس کا غصہ جلد ٹھنڈا ہو جائے بدترین وہ ہے جسے غصہ جلد آئے اور دیر سے فرو ہو۔

بہترین سوداگر وہ ہے کہ جو لینے دینے میں خوش معاملہ ہو۔ بدترین سوداگر وہ ہے کہ جو لینے دینے میں بد معاملہ ہو۔

جان لو۔ بہترین جہاد یہ ہے کہ ظالم جابر کے سامنے سچی بات کہی جائے۔

انسانی ہمدردی

خداوند تعالیٰ بروز قیامت فرمائے گا۔ اے آدم کے بیٹے! میں بیمار ہوا۔ تو نے میری عیادت نہ کی۔ بندہ کہے گا۔ اے پروردگار! میں تیری عیادت کیوں کر کرتا۔ تو سارے جہان کا خدا ہے۔ خدا فرمائے گا۔ کیا تو نہیں جانتا تھا کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا اگر تو اس کی عیادت کرتا تو تیرا یہ اقدام میری رحمت کا اظہار ہوتا۔ خدا کہے گا۔ اے آدم کے بیٹے۔ میں نے تجھ سے خوراک طلب کی۔ تو نے مجھے خوراک نہ دی۔ بندہ عرض کرے گا۔ اے خدا میں تجھے کیونکر خوراک دیتا۔ جبکہ تو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ خدا فرمائے گا۔ کیا تو نہیں جانتا کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے خوراک طلب کی۔ اگر تو اسے خوراک دیتا تو اس کا اجر تو مجھ سے لیتا۔

خدا تعالیٰ فرمائے گا۔ اے آدم کے بیٹے میں نے تجھ سے پانی مانگا۔ تو نے مجھے پانی نہ دیا۔ بندہ عرض کرے گا۔ اے پروردگار میں تجھے کیونکر پانی دیتا۔ جب کہ تو کائنات کا پروردگار ہے۔ خدا فرمائے گا۔ میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی مانگا۔ اگر تو اسے پانی پلاتا آج تو اس کا عوض مجھ سے لے لیتا۔

صاحب لولاک ﷺ کی خوراک

پاؤں میں ڈھیر اشرفیوں کا لگا ہوا

اور تین دن سے پیٹ پہ پتھر بندھا ہوا

علامہ محمد بن عیسیٰ ترمذی نے شمائل النبویہ (سیرت النبی) کے نام سے ایک تالیف مرتب فرمائی ہے جو ۵۵ ابواب پر مشتمل ہے۔ پچیسویں باب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روٹی کا حال بیان فرمایا ہے۔ آج روٹی کا سوال خاص اہمیت رکھتا ہے۔ امید ہے کہ غلام اپنے آقا روحنالہ الفدا کے اقوال واحوال سے ضرور اثر پذیر ہوں گے۔

۱۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔ ما شبع آل محمد من خبز الشعیر یومین متتابعین حتی قبض رسول اللّٰہ، نہیں پیٹ بھر کر کھائی جو کی روٹی بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت (آپ نے اور آپ کے گھر والیوں) نے لگاتار دو دنوں تک یہاں تک کہ وصال ہوا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا۔

۲۔ عامر کے بیٹے سلیم کا بیان ہے کہ انہوں نے ابو امامہ باہلیؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا۔ ما کان یفضل عن اھل بیت رسول اللّٰہ خبز الشعیر۔ نہیں بچا کرتی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت سے جو کی روٹی بھی۔

۳۔ عبداللہ بن عباس کہتے ہیں۔ کان رسول اللّٰہ یبیت اللیالی المتتابعہ طاویاً ھو واھلہ۔ (گزارتے تھے کئی راتیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے گھر والے فاقے میں) لا عشاءً (نہیں پاتے تھے رات کا کھانا) وکان اکثر خبز ھم خبز الشعیر، اور اکثر ان کی روٹی جو کی روٹی ہوتی تھی۔

۴۔ پوچھا گیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کیا کبھی کھائی تھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روٹی سفید میدہ کی، انہوں نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو سفید میدہ دیکھا بھی نہیں تھا۔

سوال کیا گیا۔ کیا ہوتی تھیں تمہارے پاس چھلنیاں (ھل کانت لکم مناخل) نبی کریم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں، جواب دیا نہیں ہوتی تھیں۔ پوچھا گیا کیا کرتے تھے آپ جو کے آٹے کو۔ کہا ہم اس پر پھونک مار لیتے تھے۔ بس گر جاتا تھا۔ اس سے جو کچھ اڑ جاتا۔ پھر ہم اس کو گوندھ لیتے۔

۵۔ انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خادم) سے روایت ہے۔ نہیں کبھی کھانا کھایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چوکی پر اور نہ چھوٹی چھوٹی پیالیوں اور تشتریوں میں اور نہ پکائی گئی آپ کے لئے چپاتی اور لوگ کھانا چمڑے کے دستر خوان پر رکھ کر کھایا کرتے تھے۔

۶۔ حضرت مسروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں۔ میں حاضر ہوا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں انہوں نے میرے لئے کھانا منگوایا۔ اور فرمایا۔ میں جب کبھی پیٹ بھر کر کھانا کھاتی ہوں۔ رو دیتی ہوں اس لئے کہ میں یاد کرتی ہوں کہ اس حالت میں جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جدا ہوئے دنیا سے۔ اللہ کی قسم نہیں پیٹ بھرا آپ نے روٹی سے اور نہ گوشت سے دو دفعہ ایک دن میں۔

۷۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں۔ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اچھا سالن سرکہ کا ہے۔

۸۔ حضرت ابی موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ کھایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گوشت مرغ کا۔

۹۔ حضرت عمر ابن خطاب کہتے ہیں۔ فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھایا کرو تیل زیتون کا اور اسے بدن میں لگایا۔ کیونکہ وہ مبارک درخت ہے۔

۱۰۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، کدو، میٹھی چیز اور شہد شوق سے کھاتے تھے۔

۱۱۔ آپ ﷺ کو شانے کا گوشت بہت مرغوب تھا۔ آپ ﷺ نے کھایا گوشت بھنا ہوا اور کھلایا چھری سے کاٹ کر اسے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو۔

۱۲۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھاتے تھے گوشت کبھی کبھی اور پسند کرتے تھے شانہ بکری کا۔ کیونکہ وہ جلد پک کر گل جاتا ہے۔ (اس کی راویہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں)۔

۱۳۔ ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں۔ فرمایا آپ نے بزرگی حاصل ہے۔ حضرت عائشہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دوسری عورتوں پر جیسی بزرگی حاصل ہے ثرید (شوربے میں ملے ہوئے روٹی کے ٹکڑے) کو باقی کھانوں پر۔

۱۴- حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نکاح ہوا حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے، آپ نے ولیمہ کیا (احباب کی دعوت کی) کھجور سے اور ستو سے۔

۱۵- ام منذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتی ہیں۔ ہمارے گھر میں کھجور کے خوشے لٹکے ہوئے تھے۔ ہمارے گھر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا آپ ان کو نہ کھائیں۔ اس لئے کہ ابھی تک آپ میں بیماری کے باعث کمزوری ہے۔

۱۶- آپ نے کھایا ایک دن کھجور کا حلوہ (بروایت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا)۔

۱۷- حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے۔ آپ نے جو کی روٹی کا ٹکڑا کھجور سے کھایا۔

۱۸- حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھانا کھانے سے پیشتر بھی اللہ کا نام لیتے اور کھانا ختم کرنے کے بعد بھی اللہ کا نام لیتے اور جس پر اللہ کا نام نہ لیا جائے اسے بے برکت قرار دیتے۔

۱۹- کھانے سے پہلے "بسم اللہ" کہنا چاہیے۔ اگر بھول جائیں تو جب کھاتے ہوئے یاد آجائے بسم اللہ اولہ و آخرہ (اول ہی و آخر ہی) اللہ کے نام سے کھانے سے پہلے اور کھانے سے پیچھے۔

۲۰- کھانا کھانے کے بعد یہ دعا فرماتے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۔ (ہر قسم کی تعریف کا مستحق ہے اللہ۔ جس نے ہمیں کھلایا اور پلایا اور مسلمان بنایا۔)

۲۱- حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے چھ دوستوں کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے۔ اتفاقاً ایک بدوی (دیہاتی) آیا۔ دو لقموں میں سارا کھانا کھا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اگر یہ اللہ کا نام لیتا تو یہ کھانا سب کو کفایت کرتا۔

۲۲- انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے۔ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ

بندہ اگر ایک لقمہ کھا کر ایک گھونٹ پانی پی کر بھی خدا کا شکر ادا کرے تو خدا راضی ہوتا ہے۔

۲۲۔ انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے۔ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہے کہ بندہ اگر ایک لقمہ کھا کر ایک گھونٹ پانی پی کر بھی خدا کر شکر ادا کرے تو خدا راضی ہوتا ہے۔

۲۳۔ انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دکھایا وہ پیالہ جس میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم۔ پانی، شہد، کھجوروں کا پانی اور دودھ پیتے تھے۔ یہ پیالہ لکڑی کا تھا۔ موٹا تھا۔ جس میں لوہے کے پترے لگے ہوئے تھے۔

۲۴۔ معوذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی چھوٹی بیٹی ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کے پاس تازہ کھجوریں، ککڑیاں لائیں۔ خلیج فارس کے ایک ساحلی شہر بحرین سے آپ کے پاس بہت سے زیور آیا تھا آپ نے ہاتھ بھر کر سونے کا زیور اس بچی کو دیا۔

سادہ غذا

ان روایات سے عیاں ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو سادہ غذا مرغوب تھی۔ حمد و ثناء آپ کا شیوہ تھا۔ صبر و شکر آپ کا وتیرہ تھا۔ روٹی کے مسئلہ میں جو ہنگامہ آرائیاں اس زمانے میں ہیں۔ میں ان سے بے خبر نہیں۔ بایں ہمہ میں نے مفکر پاکستان کی تقلید میں نئے زمانے میں پرانی بات سنانے کی بہ نیت ثواب و اصلاح قوم جسارت کی ہے۔ سچ ہے۔

سنے گا اقبالؔ کون تیری یہ انجمن ہی بدل گئی ہے
نئے زمانے میں آپ ہم کو پرانی باتیں سنا رہے ہیں

بلاشبہ اچھی سے اچھی غذا کھانا جائز ہے۔ کار ثواب ہے۔ اچھی غذا کھانے سے شکر کا موقع ملتا ہے اور معمولی سی غذا پر صبر کرنے سے صبر کا اجر حاصل ہوتا ہے۔ یہ بھی درست ہے کہ شکر کا مقام صبر سے بلند ہے۔ لیکن زندگی کا نصب العین روٹی کو ہی تصور کرنا مسلمان کے شایان شان نہیں۔ سادہ غذا کھاتے ہوئے ہماری نگاہیں کسی سرمایہ دار کے دستر خوان کی بجائے نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے خوان اقدس پر جانی چاہئیں۔ شادیوں کی دعوت سادہ ہونی چاہئے۔ یاد رہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا یہ فقر اختیاری تھا۔ اضطراری نہ تھا آپ کے پاس جب زر بہ افراط تھا۔ اس وقت بھی آپ کی غذا سادہ تھی۔ آپ کی دولت عامۃ الناس کیلئے وقف تھی۔

خطاب بہ محبوب رب ﷺ

اے کہ تیرا وجود ہے نورِ تجلیاتِ رب
کون و مکاں کی رونقیں برپا ہوئیں ترے سبب
عقل کی آنکھ کو ملا نور تیرے حضور سے
علم نے تیرے سامنے طے کیے زانوئے ادب
تیرے پیام نے کیا نکتہ وروں کو مطمئن
تر ہوئے تیرے ذکر سے فلسفیوں کے خشک لب
حسن ہوا فریفتہ تیرے جمالِ پاک ﷺ پر
عشق نے کردگار سے درد کیا تیرا طلب
کہہ دیا تو نے برملا وجہ شرف ہے اتقا
حالانکہ ہے بفضلہٖ سب سے بڑا تیرا نسب
جس کو ہے تجھ سے دشمنی وہ ہے شقی جہنمی!!
شاہد ہے اس پہ آئیہ تَبَّتْ یَدَا اَبِیْ لَهَبٍ
شرق میں تیرے چہچہے غرب میں تیرے تذکرے
تجھ پہ نثار ہے عجم، تیرا غلام ہے عرب
رہبر خلق بن گئے جو تیری راہ پر چلے
نازش کائنات ہیں تیرے غلام سب کے سب
مسلم بانوا کی ہے صبح و مسا یہی دعا
پھر ہو دیار ہند میں تیرا شہا علم نصب

سرورِ کائنات ﷺ اور علم الحیات

دنیا کے آٹھ ممتاز فاضلانِ علم الحیات (بیالوجی) نے متحدہ اقوام کے ادارۂ علمی و ثقافتی (یونائیٹڈ نیشنز ایجوکیشنل سائنٹفک اینڈ کلچرل آرگنائزیشن) کی طرف سے اپنی یہ علمی تحقیق جوان کے تجربات اور مشاہدات پر مبنی شائع کی ہے۔ کہ

۱- نسلی اعتبار سے دنیا کے تمام انسان برابر ہیں۔

۲- بنی نوع انسان ایک ہی درخت کی شاخیں، کونپلیں اور پتیاں ہیں۔ ان میں تفاوت نہیں۔

۳- تمام نسلوں کی ذہنی قابلیت یکساں ہے اور اس بات کا بروئے علم الحیات کوئی ثبوت نہیں کہ انسانی جماعتیں فہم، مزاج اور دیگر ذہنی کیفیات میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

۴- اس امر کا کوئی ثبوت نہیں کہ نسلوں کے میل سے برے نتائج پیدا ہوتے ہیں۔

یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ کافی علمی چھان بین، مدت کے تجربات کے بعد بیسویں صدی میں۔ آپ غور کریں۔ کیا فرمایا تھا ایک امی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (فداامی وابی) نے آج سے چودہ سو سال پیشتر کلکم بنو ادم و ادم من تراب۔ اے انسانو! تم سب اولاد آدم ہو، آدم کا خمیر مٹی سے گوندھا گیا تھا۔ مٹی کے اجزاء میں کوئی تفاوت نہیں۔ جو خصوصیت اس مٹی میں تھی۔ جس سے آدم کا پتلا تیار کیا گیا۔ وہی خصوصیت اس کے ہر ایک جزو میں تھی۔ اصل ایک، فرع ایک، جو مزاج درخت کا وہی ٹہنی کا۔ تفاوت علم سے ہے۔ عقل سے ہے۔ سیرت سے ہے۔ نسل سے نہیں کہنا پڑتا ہے کہ امی نے جو کچھ کہا خدا سے سیکھ کر کہا۔ یہ کسی انسانی مدرسے کے فارغ التحصیل، کسی زمینی استاد کے شاگرد کا تجربہ نہیں۔ کسی انسانی کتاب کے مطالعہ کا اثر نہیں۔ کسی پڑھے لکھے سے سنی ہوئی بات کا اعادہ نہیں۔ یہ بین ثبوت ہے۔ اس حقیقت کا کہ علمناہ من لدنا۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو کچھ سکھایا ہے۔ خدا نے سکھایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک منٹ کے کروڑویں حصہ کیلئے بھی کسی زمینی استاد کے سامنے زانوئے ادب طے نہیں کئے عرفی خوب کہا گیا ہے۔

امی و نکتہ دانِ عالم ❊ بے سایہ و سایہ بانِ عالم
درود اس امی علم آفرین پر ❊ سلام اس نور رب العالمین پر
درود اس مخبر علم لدن پر ❊ سلام اس ناشر اسرار کن پر

اسوۂ حسنہ

دنیا میں سب سے زیادہ محترم و مکرم مذہبی پیشوا ہیں۔ سچا احترام یہ ہے کہ ان کی پیروی کی جائے۔ اس لئے ضروری ہوا کہ ہمیں معلوم ہو کہ انہوں نے کیا فرمایا؟ کیا کیا؟ ان کا واسطہ کن سے پڑا؟ اس کی انہوں نے کیا اصلاح فرمائی؟ نیکیوں کی انتہا نہیں خوبیاں ان گنت ہیں۔ لازمی ہے کہ ہم جو بھی خوبی اپنے میں پیدا کرنا چاہیں۔ اس کے متعلق ہم پر ظاہر ہو کہ جس کو ہم اپنا روحانی رہبر مانتے ہیں۔ اس نے کیا کیا۔ دنیا کی پوری تاریخ گواہ ہے کہ عالم طفولیت سے لیکر عالم پیری تک ہمارے سامنے کسی نبی کی پوری سوانح عمری موجود نہیں۔ ہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ذات ایسی ہے کہ ان کی زندگی کے واقعات ہمارے سامنے ہیں۔ انہیں بڑی تحقیق سے لکھا گیا ہے آپ بے نظیر تاجر، بے مثال فوجی سپہ سالار، بے عدیل رہبر، بادشاہ اور نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہیں۔ آپ صلی الہ علیہ و آلہ وسلم کا ہر کارنامہ اپنی مثال آپ ہے۔ قرآن شریف ہمیں یہ خوشخبری سناتا ہے کہ اے بنی نوع انسان تمہارے لئے ہر نیکی اور خوبی کا بہترین نمونہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ذات اقدس میں موجود ہے۔ (لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ) آپ کی حیات پاک کا ایک ایک لحہ کتاب اخلاق ہے۔ عالم طفولیت۔ آپ یتیم تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى۔ کیا نہیں ہوا یہ کہ پایا تجھ کو یتیم، پس ٹھکانہ دیا تجھ کو۔

عرب میں تعلیم کا رواج نہ تھا۔ یتیم کی تربیت اس ملک میں کون کرے۔ جو تعلیم و تربیت سے آشنا ہی نہیں۔ جس خطہ میں صرف قدر اس کی ہے کہ جو خوب قوی ہو۔ دشمنوں کو پچھاڑ سکتا ہو۔ اس کا بڑا جتھ ہو۔ وہ ایک بے کس بچہ کی عزت کیوں کر کر سکتا ہے۔ خدا نے آپ کو ٹھکانہ بہم پہنچایا۔ آپ کے دادا، اور آپ کے چچا کے دل میں آپ کی محبت پیدا کر دی۔ آپ کے ذریعے دنیا میں جتنا خوشگوار انقلاب پیدا ہوا۔ کسی اور انسان کی وجہ سے نہیں ہوا۔ یتیموں کی پرورش کا جتنا عمدہ انتظام مسلمانوں نے کیا۔ دنیا کی کوئی قوم ایسا نہ کر سکی۔ اس کا سبب یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔ کہ یتامیٰ کی کفالت کرنے والا قیامت کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

کے ساتھ ہوگا۔ جتنی عزت آپ کی ہوئی کسی کی نہیں ہوئی۔

آپ اُمّی بھی تھے۔ اُمّی نام ہے۔ منسوب ہے لفظ اُمّ کی طرف۔ اُمّ کے معنی ہیں ماں، امی میں جو "ی" ہے، اسے کہتے ہیں یائے نسبت اس کا مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جس حالت میں آغوش والدہ میں تھے۔ وہ حالت بچپن سے لے کر آخیر زندگی تک قائم رہی۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو پڑھایا۔ آپ نے کسی استاد کے سامنے زانو تلمذ طے نہیں کیا۔ عرب میں اس کا وجود ہی نہیں تھا۔ جس کے سامنے آپ نے کہا کہ میں امی ہوں۔ اگر واقعی ایسا نہ ہوتا۔ تو وہ کہتے کہ آپ کیوں کر امی ہیں۔ آپ کو فلاں شخص نے تعلیم دی ہے۔ یورپ والوں نے انتہائی کوشش کی کہ یہ ثابت کر دیں کہ آپ نے فلاں شخص سے پڑھا۔ مگر وہ یہ ثابت کر نہ کر سکے۔ قرآن شریف میں بیان ہے۔ مَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتَابٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّا رْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ۔ قرآن شریف سے پہلے نہ تو آپ کوئی کتاب پڑھتے تھے نہ لکھتے تھے۔ اس کو اپنے ہاتھ سے۔ اگر ایسا ہوتا تو شک کرتے سچائی کو جھٹلانے والے۔

عرب میں نوشت وخواند کا دستور بہت ہی کم تھا۔ وہاں نہ کوئی علم تھا نہ فن، ہاں قدرتی طور پر ان کے کلام میں فصاحت تھی۔ بلاغت تھی۔ اس لئے اگر کسی نے لکھنا پڑھنا سیکھا بھی تو اس کی انتہا یہ ہوتی تھی کہ وہ شعر وشاعری میں مشق کر لیتا تھا۔ وہاں جو مشاعرے ہوتے تھے ان میں شریک ہو کر اپنا کلام سنا کر داد حاصل کر لیتا تھا۔ اس سے زیادہ ترقی کی۔ تو اپنے ملک کے خاندانوں کے نسب یاد کر لئے۔ انتہا کی ترقی یہ تھی کہ عرب کے زمانہ گزشتہ کی لڑائیوں کے حالات یاد کر لئے۔ اس سے زیادہ اور کسی شے کا امکان نہ تھا۔ مسلمانوں نے آپ کی ایک ایک کہی ہوئی بات کو بیان کرنے اس کی چھان بین کرنے اسے ضبط تحریر میں لانے کے لئے جو جستجو کی۔ اس کی نظیر نہیں ملتی۔ اگر آپ کی کوئی تحریر ہوتی تو مسلمان اسے ضرور کہیں سے ڈھونڈھ کر حاصل کر لیتے۔ اگر آپ نے کوئی شعر لکھا ہوتا تو مسلمان اسے کلمہ پاک کی مانند حفظ کر لیتے اور وہ ہر وقت ان کی زبان پر جاری رہتا۔ مسلمان جو کرتے تھے عقیدت سے کرتے۔ لیکن سلام کے دشمن آپ کے دعویٰ کو غلط ثابت کرنے کے لئے جو کچھ ہو سکتا تھا ضرور کرتے۔ آج تک آپ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ایک تحریر بھی دستیاب نہیں ہوئی۔ جو خطوط آپ نے لکھوائے وہ موجود ہیں غیر مسلم بھی ان کی تصدیق کرتے ہیں۔ قرآن شریف فرماتا ہے۔

هُوَالَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلاً مِّنْهُمْ - یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَکِّیْهِمْ یُعَلِّمُهُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَةَ وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ (پارہ ۲۸ سورۃ جمعہ) وہی اللہ ہے کہ جس نے بھیجا اُمیوں میں سے ایک رسول، ان میں سے۔ جو اللہ کی آیتیں ان پر پڑھتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور سکھاتا ہے ان کو کتاب اور حکمت اور وہ اس سے پہلے واضح گمراہی میں تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امی ہونے کی شان دوسرے اُمیوں سے الگ تھی۔ دوسروں کا ان پڑھ (امی) ہونا اضافی حیثیت کا تھا۔ وہ علوم الٰہی سے آشنا نہیں تھے۔ آسمانی کتابوں اور فرشتوں کی انہیں کوئی خبر نہیں تھی۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا امی ہونا واقعی تھا۔ حقیقی تھا۔ نبوت سے پہلے نہ آپ نے کوئی چیز پڑھی نہ لکھی۔ عرب سب شاعر تھے۔ آپ شاعر نہیں تھے۔ آپ نے کبھی کوئی شعر نہ لکھا۔

اس کے باوجود یہ ایک حقیقت ہے کہ آپ سے پہلے جتنے انبیاء آئے ان کی قوم نے ان پر جو الزامات لگائے۔ ان کا آپ کے سوا کسی نبی نے جواب نہیں دیا اور تو اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پاک والدہ پر جو الزامات یہودیوں نے لگائے۔ ان کا شافی جواب مسیح علیہ السلام کی بجائے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیا۔ ظاہر ہے کہ یہ نبی آپ سے پہلے پیدا ہوئے۔ سوال یہ ہے کہ آپ نے ان کا حال کس سے پڑھا۔ جن کو تورات نے بدنام کیا۔ آپ نے ان کے نیک نام کو روشن کیا۔ ثابت کیا کہ وہ اللہ والے تھے۔ آپ نے ان کی نبوت منوائی اور ان کی صداقت ظاہر کی۔ سب کے سامنے قرآن پڑھا۔ صرف قرآن ہی ایک ایسی کتاب ہے کہ جو اسی طرح موجود ہے۔ جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں تھا۔ اس میں ذرہ بھر تحریف نہیں ہوئی۔ آپ کی ہدایت کے مطابق اسے حفظ کیا گیا۔ اس وقت صرف یہی ایک ایسی الہامی کتاب ہے جو کہ سینوں پر نقش ہے چھوٹے چھوٹے بچوں کو یاد ہے۔ بے شمار قاری ایسے ہیں جو یہ سکھاتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فلاں حرف کو اس طرح پڑھا۔ یہ بھی ایک واقعہ ہے۔ کہ جس ملک کے لوگ حد سے زیادہ ناپاک تھے۔ وہ غایت درجے کے پاک ہوئے۔ دنیا کی پوری تاریخ ان سے پاک باز پیش نہیں کر سکتی۔ کوئی انہیں مانے یا نہ مانے۔ لیکن اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ عرب میں کبھی بھی اور آج تک بھی ایسے لوگ پیدا نہیں ہو سکے جیسے وہ تھے کہ جن کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ کرم نے پاک باز بنایا۔ جو اشخاص جہالت کے پتلے تھے وہ حکمت کے پیکر

بن گئے۔ سارا جہاں تسلیم کرتا ہے کہ یہ انقلاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مساعی جمیلہ کے باعث ہوا۔

توحید

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے توحید کی تعلیم دی۔ ساری دنیا کا اتفاق ہے کہ خالص توحید کی تعلیم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دی۔ اس کرۂ ارض پر کون سی قوم ہے کہ جو تصویروں اور بتوں کی پوجا نہیں کرتی اور وہ کون سی قوم ہے کہ جس کی شریعت میں تصویر کشی بھی جائز نہیں۔ جب یونانی عیسائی ہوئے، وہ یونانی فلاسفروں کی تصویروں کا احترام کرتے تھے۔ انہوں نے صلیب، مریم علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصویریں بھی بنائیں۔ اس وقت کے عیسائیوں نے اس کی اجازت دیدی۔ آئندہ چل کر یہ اجازت تصاویر پرستی کی صورت میں نمودار ہوئی۔ توحید کے معاملے میں یہ احتیاط حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا کس نے کی؟ پانچ وقت کی نماز کس ملت کا شعار ہے۔ کون قوم اللہ تعالیٰ سے مخاطب ہو کر یہ کہہ سکتی ہے۔

کون سی قوم فقط تیری طلب گار ہوئی ✽ اور تیرے لئے زحمت کش پیکار ہوئی
کس کی شمشیر جہاں گیر جہاندار ہوئی ✽ کس کی تکبیر سے دنیا تیری بیدار ہوئی

عیسائیوں کے لوتھر نے توحید مسلمانوں سے سیکھی اور تثلیث کا انکار کیا۔ یورپ نے کہا۔ کہ لوتھر مسلمانوں کی تعلیم سے اثر پذیر ہوا ہے۔ اس زمانے میں کونسا گرجا ہے۔ جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصویر نہیں۔ حضرت مریم علیہ السلام کی تصویر نہیں لیکن کیا کائنات کے کسی گوشے میں کوئی مسجد ایسی ہے کہ جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا توبہ توبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصویر ہو۔ بات یہ ہے۔

چاہنے والا تیری تصویر لے کر کیا کرے
بات تیری تجھ میں ہے تصویر کی تصویر میں

سکھوں کے پیشوا بابا نانک صاحب اسلامی تعلیم توحید سے اثر پذیر ہوئے۔ براہم سماجوں کے بانی راجہ رام موہن رائے نے بت پرستی کا انکار کیا اور بزبان فارسی ایک شاندار کتاب "تحفۃ الموحدین" لکھی۔ انہوں نے ہندوؤں کی مذہبی کتابوں کا انکار کیا۔ ان پر قوم نے یہ الزام لگایا کہ وہ

مسلمان ہو گیا۔

امیر و فقیر

آپ ﷺ نے اپنی قوم میں یہ عشق پیدا کیا کہ وہ شمع توحید کے پروانے بن گئے۔ آپ نے یہ تعلیم دی کہ خدا کے نام پر جان قربان کر دینے والے مرتے نہیں۔ بلکہ زندہ جاوید اور شہید کہلاتے ہیں۔ شہید کا لفظ ہی اسلامی ایجاد ہے۔ عرب نہ وفادار محکوم تھے۔ نہ باوقار حاکم۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے انہیں فرمانروا بنا دیا۔ انہوں نے شہنشاہ ہو کر فقیرانہ زندگی بسر کی۔ بلاشبہ قوموں نے بڑے بڑے عابد پیدا کیے۔ شہنشاہ بھی پیدا کیے لیکن یہ کہ امیر بھی ہوں اور فقیر بھی ہوں۔ یہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے امتی ہی تھے انہی کی نسبت یہ کہا جا سکتا ہے۔

آں مسلماناں کہ میری کردہ اند
در شہنشاہی فقیری کردہ اند

انسانیت

آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے انسانیت کے مقام کو اجاگر کیا۔ آپ نے بتایا کہ انسان گناہ گار پیدا نہیں ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے واضح کیا کہ انسان اخلاقِ ربانی کا پیکر بن سکتا ہے۔ انسان کی یہ شان نہیں کہ وہ پتھروں، درختوں، سیاروں، انسانوں کی پرستش کرے۔ وہ فرشتوں سے زیادہ اونچا ہے وہ اس کی اولاد ہے جس کے سامنے فرطِ ادب سے فرشتے جھکے۔ فرشتے نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں، وہ حوائج سے بے نیاز ہیں۔

اس لئے اگر وہ معصوم ہیں تو ان کا یہ کمال انسانی کمالات سے بڑھ کر نہیں۔ باوجود یہ کہ انسان ضروریات سے محصور ہے وہ گناہ بھی کر سکتا ہے گناہ سے بچ بھی سکتا ہے۔ وہ گناہوں کے پھندوں سے بچ کر فرشتوں سے زیادہ پاک منش ہو سکتا ہے۔ اس کی ہمت مردانہ سے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی عنایت سے اوصافِ ربانی پیدا ہو جائیں۔

در دشت جنونِ حق جبرائیل زبونے صیدے
یزداں بہ کمند آور اے ہمت مردانہ

فرشتوں کا فخر یہ تھا کہ وہ پروردگار کی تسبیح و تقدیس کرتے ہیں۔ محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت نے انسان ہو کر روزے رکھ کر بھوک اور پیاس کی تکلیف برداشت کر کے نمازیں پڑھیں اور اس شان کی تسبیح و تقدیس کی کہ فرشتے عش عش کر اٹھے۔ مسلمانوں کو یہ روحانی ارتقاء اس لئے نصیب ہوا کہ ان کے سامنے اسوۂ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موجود تھا۔

دولت کی پرستش

دنیا کو دولت نے کافر کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دولت کو اپنا کلمہ پڑھایا۔ آپ ﷺ نے سب کچھ خدا کی راہ میں لٹا دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہا گیا کہ دولت کے خزانے آپ ﷺ کے قدموں میں ڈال دیئے جائیں گے۔ آپ توحید کی تبلیغ چھوڑ دیں۔ آپ ﷺ نے اس پیشکش کو ٹھکرا دیا۔ بادشاہ ہونے کے باوجود آپ ایک گدڑی میں فوت ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ سارے انبیاء ایسے ہی ہیں کہ وہ دولت دنیا سے کوئی سروکار نہیں رکھتے۔ ان کی تمام جائیداد راہ خدا میں وقف ہوتی ہے۔ یہی جذبہ آپ ﷺ نے قوم میں پیدا کیا۔ دنیا کا کوئی نبی علیہ السلام ایسا نہیں کہ جس نے دولت کی ہوس کو مٹانے اور ناداروں کی حقیقی اور قرار واقعی مدد کے لئے زکوٰۃ کا نظام قائم کیا ہو۔ کسی نے بھی خیرات و سخاوت پر اتنا زور نہیں دیا کہ جتنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیا۔ لوگ اس پر خوش ہوتے تھے کہ وہ ہر وقت کھاتے رہیں۔ مسلمان اس پر شکر بجالاتے ہیں کہ انہیں خدا کی راہ میں فاقہ روزہ نصیب ہوا۔ وہ زکوٰۃ دے کر اپنے مال کو پاک کرتے ہیں۔ دنیا نے دولت کی پرستش کی ایسے ایسے قوانین بنائے گئے کہ دولت چند خاندانوں کے اندر گھومتی رہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بابت کو توڑا۔ آپ ﷺ نے وراثت کا قانون فطری بنیادوں پر قائم کیا۔ عورتوں کے لئے بھی حصہ مقرر کیا۔ عورتوں کے مہر کا نظام قائم کیا۔ آپ ﷺ کے نظام وراثت کے ماتحت دولت کا دائرہ وسیع ہو جاتا ہے۔ دولت زیادہ ہاتھوں میں پہنچ جاتی ہے۔ وہ بند پانی کی طرح بدبو پیدا نہیں کرتی۔ بلکہ تقسیم ہو کر نفع بخش ہو جاتی ہے اور انسانیت کی خدمت کرتی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دولت کا صحیح استعمال بتایا۔ آپ ﷺ نے سود کو نابود کیا۔ تجارت کو اخلاقی بنیادوں پر قائم کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کی تعلیم کی رو سے سٹہ حرام ہے۔

غلہ کو اس وقت روکے رکھنا جب کہ عوام کو اس کی ضرورت ہو۔ ناجائز قرار دیا۔ ناجائز طریقوں سے دولت کو کمانے پر نفرت کا اظہار کیا۔ واضح کیا کہ شراب حرام ہے۔ مرد کے لئے ریشمی لباس حرام ہے۔ سونے کا زیور پہننا حرام ہے۔ اگر ان امور میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایات پر عمل کیا جائے تو دنیا کو سرمایہ داری اور اشتراکیت کی لعنت سے نجات حاصل ہو جائے آپ نے واضح کیا کہ انسان زراعت کر سکتا ہے۔ تجارت کر سکتا ہے۔ صنعت سے روزی کما سکتا ہے۔ یہ کہنا خلاف انسانیت ہے کہ فلاں قوم محض خدمت کے لئے پیدا ہوئی۔ اور فلاں حکومت، فلاں پڑھنے پڑھانے اور تجارت کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ ایسے ہی یہ بھی غلط ہے کہ سلطنت کو یہ حق ہے کہ سب کی ملکیت پر خود متصرف ہو جائے۔ لوگ اس کے محض غلام ہو جائیں۔ نہ وہ اپنی مرضی سے کوئی کاروبار کر سکتے ہیں۔ نہ ملازمت وہ کسی جائیداد کے وارث نہیں ہو سکتے۔ وہ کوئی جائیداد نہیں خرید سکتے۔ اپنی اولاد کے نام ہبہ نہیں کر سکتے۔ ملکیت کو اڑا دینا انسان کی فطری تمناؤں کو کچل دینا۔ ترقی اور وسعت کی تمام راہوں کو بند کر دیتا ہے۔ سلطنت افراد کے لئے ہے۔ افراد سلطنت کے لئے نہیں ہیں۔ سب کا حاکم اعلیٰ قادر مطلق ہے وہ انسان کو سب کچھ دیتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ایک دوسرے کی مالی امداد کرو اور یہ سمجھ کر کرو کہ تم اپنی مدد کر رہے ہو جس کی مدد کر رہے ہو اس پر احسان مت جتاؤ۔ اگر جتاؤ گے تو تمہارا صدقہ برباد ہو جائے گا۔ بھوکے کو یہ سمجھ کر کھلاؤ کہ خدا کا بندہ بھوکا ہے۔ تمہارا مقصد یہ ہونا چاہئے کہ اس سے خدا راضی ہو جائے گا۔

مساوات اسلامی

آنحضرت ﷺ نے مساوات کی تعلیم دی

ملت اسلامیہ پاکستان کا اساسی نصب العین مساوات اسلامی ہے۔ آج ہر معاشرہ داعی و ساعی مساوات ہے مگر یہ دعویٰ فرزندانِ توحید کو ہی زیبا ہے کہ وہ عہد حاضر کے ہر مساوات طلب نظام سے یہ کہیں۔

اے گل تو دوش جام صبوحی چشیدہ ای
ما آں شقائق ایم کہ باداغ زادہ ایم!!

اے دوست تونے کل پی ہے۔ ہم سرمست بادۂ ازلی ہیں۔ مساوات ہماری گھٹی میں داخل ہے۔ ان دنوں فضائے عالم میں یا تو روسی شمالیت (کمیونزم) کا غلغلہ بلند ہے اور یا امریکی انفرادیت (انڈی وجوال ازم) کا فلک رس غوغا ہنگامہ آراء ہے۔ ہماری کیفیت یہ ہے کہ

صدا توتی کی سنتا کون ہے نقار خانے میں

بایں ہماری تاریخ ہماری حوصلہ افزائی کرتی ہے اور اس کی پکار یہ ہے۔

اے مسلم کیوں دلگیر ہے تو ✽ کیوں غم کی بنا تصویر ہے تو
ہیں خاک اغیار اکسیر ہے تو ✽ تدبیر ہیں وہ تقدیر ہے تو
اٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے ✽ پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

انسانی مساوات

ارشاد باری ہے۔ يٰاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا (پارہ ۴ سورہ نساء) اے لوگو ڈرتے رہو اپنے پروردگار سے جس نے پیدا کیا ہے تم کو ایک جان سے اور پیدا کیا ہے اسی ایک جان سے اس کا جوڑا۔

تشریح: پہلا لفظ ہے "یا" اس کا ترجمہ ہے۔ اے، یہ ہے حرف ندا۔ دوسرے لفظ ہے اَیُّھا، یہ کسی کو ڈرانے۔ کسی کو قریب تر کرنے۔ کسی کو بلند تر کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ یہاں یہ

مقصود ہے کہ جن کو خطاب کیا جارہا ہے۔ان کے ذہن میں یہ تصور کیا جائے کہ اللہ انہیں عزیز تصور کرتا ہے ان پر اپنے قرب کی راہیں کھولنا چاہتا ہے۔اس کی کریمانہ خواہش یہ ہے کہ مخاطب اپنی حیثیت اور فطری صلاحیت کے مطابق اخلاق ربانی پیدا کریں۔اس سے مقصد یہ ہے کہ ہر انسان قرب باری حاصل کر سکتا ہے۔یہ امتیاز کسی نسل یا ملک سے نہیں ہے۔سب کا مدعا قرب یزدانی ہے۔جذبہ انصاف اخلاقِ ربانی ہے۔

(۱) یہ قیام مساوات انسانی کا پہلا اعلان اور برہان ہے۔

(۲) کسی خاص قوم کو مخاطب نہیں کیا گیا۔مذہبی دنیا میں ہندو، یہودی، پارسی عیسائی، بدھ اور مسلمان مشہور ہیں۔وید کی رو سے خدا جب بھی آیا۔اوتار بن کر محض ہند میں آیا چھوٹی قوم کا شودر۔خدا کا مخاطب تو کیا ہوگا۔خدا کا کلام سننے کا مجاز نہیں۔یہودی بنی اسرائیل ہیں۔تورات شریف کا خطاب صرف یہود سے ہے۔انجیل شریف کی پکار بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں سے ہے۔قرآن کریم کی دعوت بنی نوع انسان کو ہے۔یہ مساوات انسانی کی دوسری وجہ ہے۔

(۳) اتقوا۔کا مطلب ہے۔سیرت کو سنوارو۔اس کا طریق یہ ہے کہ انسان اللہ کو محبوب مطلق جانے جیسے انسان یہ پسند نہیں کرتا کہ اس کا کوئی پیارا اس سے روٹھ جائے ایسے ہی اس کا فرض ہے کہ ایسا کام نہ کرے کہ جس سے محبوب مطلق ناراض ہو جائے۔ایسے کام کریں جس سے اس کی رضا حاصل ہو جائے۔جو شخص اپنے ظاہری حواس اور باطنی قویٰ (قوتوں) کو ٹھیک مصرف میں لائے اور یہ کام اس نیت سے کرے کہ خدا خوش ہو جائے اور ان کے بیجا صرف کرنے سے اس یقین کے زیر اثر خوف کھائے۔کہ خدا ناخوش نہ ہو جائے۔اسے اسلام کی بولی میں (تقویٰ) کہتے ہیں۔سارے قرآن کا منشاء تقویٰ ہے۔یہ مساوات انسانی کا تیسرا سبب ہے۔

(۴) رَبَّکُمْ۔رب کا ترجمہ ہے پروردگار۔اس کا عربی لغت کی رو سے ترجمہ یہ ہے۔پیدا کرنے والا۔نشوونما پر پہنچانے والا۔کمال پر پہنچانے والا۔انشاالشی حالاً فحالاً الی حد التمام "کُم" عربی مرادف ہے اردو کے لفظ "تم" کے۔مطلب یہ ہوا کہ تمام بنی نوع انسان کا پروردگار اور کارساز ایک ہے۔یہ مساوات انسانی کی چوتھی دلیل ہے۔

(۵) خَلَقَکُمْ۔جس نے پیدا کیا ہے تم کو ظاہر کیا کہ سب کا خالق ایک ہے۔یہ مساوات انسانی کی پانچویں وجہ ہے، ڈھانچے کی رو سے بنی نوع انسان یکساں ہیں۔

(۶) نفس واحدہ کا مفہوم ہے۔ اصل ایک ہے۔ یہ مساوات انسانی کا چھٹا نشان ہے۔

(۷) مِنْهَا زَوْجَهَا۔ اسی اصل سے اس کا جوڑ پیدا کیا۔ عربی میں مونث کی ایک علامت ہے۔ خالد ہے مرد کا نام۔ خالدہ ہے عورت کا نام سمجھ بوجھ والے مرد کو کہتے ہیں عاقل۔ سمجھ والی عورت کو کہتے ہیں عاقلہ۔ یہاں دیکھئے زوج کے مقابلہ میں زوجہ نہیں لائے۔ بلکہ زوج ہی رہنے دیا گیا ہے۔ زوج ہم خیال کو کہتے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے۔ اِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ۔ جب ہم خیال انسانوں کو اکٹھا کر دیا جائے گا۔ یہ لفظ دلالت کرتا ہے۔ کہ عورت بھی نسل انسانی سے ہے۔ گویا یہ مساوات انسانی کی ساتویں علامت ہے۔ علامہ رازی رحمتہ اللہ علیہ نے ابی اسلم اصفہانی کے قول کو ترجیح دیتے ہوئے فرمایا ہے۔ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا، ارمن جنسها۔ پیدا کیا اسی سے اس کا جوڑا۔ یعنی اس کی جنس سے اس کا جوڑا۔ مرد اور عورت ہم جنس ہیں۔ سچ ہے۔

کند ہم جنس با ہم جنس پرواز
کبوتر با کبوتر باز با باز!!

اہم سبق

وحدت مساوات نوع انسانی کا یہ سبق اپنے دُور رس نتائج کے لحاظ سے بہت اہم ہے، ہر گورے، کالے نیلے پیلے، سرخ زرد کا باپ ایک ہے۔ ہر مرد اور ہر عورت کی اصل ایک ہے۔ ہر نسل کا مورث اعلیٰ ایک ہے۔ ہندو کا یہ نظریہ غلط ہے کہ برہمن پرماتما (خدا) کے منہ سے پیدا ہوا ہے۔ اور شودر پاؤں سے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی ابن آدم ہیں۔ ابن اللہ نہیں ہیں۔ گو ان کا قریب ترین والد کوئی نہیں۔ مگر ان کی والدہ ماجدہ جنابہ مریم علیہ السلام تھیں۔ آدم علیہ السلام بھی بے باپ اور بے ماں ہونے کے باوصف مربوب ہیں۔ مخلوق ہیں۔ حوا کے زوج ہیں۔ اسلام کی رُو سے اللہ تعالیٰ "رب العالمین" ہے۔ سب کائنات کا رب ہے۔ فرشتوں کا نہ والد ہے نہ والدہ، وہ بھی مربوب ہیں۔ ہر پہلا پرند، پہلا چرند، ہر پہلا وحشی جانور، ہر پہلا خاکی، آبی، صحرائی، ہوائی، فضائی جانور نر اور مادہ کی وساطت کے بغیر پیدا ہوا۔ بایں ہمہ سب مربوب ہیں۔ مخلوق ہیں۔ انسان ایک ممتاز مخلوق ہے۔ انسانیت یہی ہے کہ انسانوں کی خدمت کی جائے اور اسے دیگر مخلوقات سے افضل جانا جائے۔ ان تعلیمات اسلامی کا اثر یہ ہوا کہ مسلمان خادم الناس بن گئے اور مساوات ہماری

گھٹی اور ہمارے شعور نفس کے ہر ریشہ میں سما گئی۔ شیخ سعدی رحمتہ اللہ علیہ نے اس آیت سے جو سبق اخذ کیا۔ اس کا اظہار یوں فرمایا۔

نبی اعظم اعضائے یک دیگرند * کہ در آفرینش زیک جوہر اند
چو عضوئے بدرد او رد روزگار * دگر عضو ہار انماند قرار

یہ خیال اللہ تعالیٰ کو رب الناس ماننے سے پیدا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو رب العالمین، یقین کرنے سے یہ کہنا پڑتا ہے۔

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیر
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

معیار شرافت تقویٰ ہے

چھبیسویں پارہ، سورہ حجرات میں اللہ کریم نے بیان فرمایا۔ "یَآیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا - اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ط" اے آدمیو! ہم نے تم کو پیدا کیا ہے۔ ایک مرد اور ایک عورت سے اور ہم نے رکھی ہیں تمہاری ذاتیں اور قبیلے کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ بلاشبہ اللہ کے نزدیک عزت اسی کو ہے۔ کہ جو سب سے زیادہ اچھے کردار والا ہے۔ بلاشک اللہ سب کچھ جانتا ہے۔ خبردار ہے۔

(۱) یہاں بھی خطاب آدمیوں سے ہے۔

(۲) واضح کیا سب کا باپ ایک ہے۔ سب کی ماں ایک ہے۔

(۳) شعوب جمع ہے شعب کی۔ ایک اہل سے پھیلی ہوئی جماعتیں۔ شعب اس وادی کو بھی کہتے ہیں جس میں ایک طرف سے لوگ آئیں اور دوسری طرف سے جائیں۔ اس کا مطلب اکٹھا کرنا بھی ہے۔ اور پراگندہ کرنا بھی ہے۔ جب جمع ہو جائیں تو اسے بھی کہتے ہیں شعب اور جب پراگندہ یا متفرق ہو جائیں تو اسے بھی کہتے ہیں شعب۔ چھوٹی جماعت شعیب (یہ ہے تصغیر) اس کا ایک معنیٰ ہے سنوارنا اور ایک ہے بگاڑنا۔

(۴) قبائل جمع ہے قبیلہ کی۔ قبیلہ اردو میں عام طور پر مستعمل ہے۔

(۵) تعارف عام لفظ ہے۔ اردو میں اس کا استعمال عام ہے۔ جب دوست ملتے ہیں ان کا تعارف

کرایا جاتا ہے۔ ملاقات کے وقت مقصد صرف ایک دوسرے کو جاننا پہچاننا ہوتا ہے اس وقت کسی گھمنڈ کا اظہار مقصد نہیں ہوتا۔

اور کرم سے مراد ہے اونچے درجے کی نیکی۔ اللہ تعالیٰ کا وصف ہے۔ "اِنَّ رَبِّیْ غَنِیٌّ کَرِیْمٌ" قرآن شریف کی نسبت کہا جاتا ہے۔ "اِنَّهٗ لَقُرْآنٌ کَرِیْمٌ" ط" آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت کہا جاتا ہے۔ "رَسُوْلٌ کَرِیْمٌ" اولاد کو حکم دیا گیا ہے کہ والدین کی نسبت اچھی بات زبان سے نکالے۔ جو بڑے ادب اور بڑے اخلاق پر مبنی ہو۔ ارشاد ہے۔ "قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا کَرِیْمًا"۔

تعصب قبائلی

عہد حاضرہ میں تعصب قبائلی کا مسئلہ عالمگیر حیثیت رکھتا ہے۔ جنوبی افریقہ کی حکومت نے اسی بناء پر ہندیوں کی تذلیل کی ہے۔ امریکہ کے متعدد ہمدرد و مدبر انسان یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ان کے وطن میں حبشیوں کی کمتری ان کے وطن کی شہرت کے دامن پر ایک بدنما دھبہ ہے۔ اہل علم کہتے ہیں کہ ہندوستان میں اچھوت کا وجود مسئلہ تناسخ کی پیداوار ہے۔ اس کی بنیاد مذہب پر ہے اسلام ایک ایسا نظام حیات ہے جس کا محل اخوت انسانی کی بنیادوں پر چنا گیا ہے اور یہ کہ انسانی نجاتِ احساس اخوت پر منحصر ہے۔ دنیا آدمیت کی برادری کے قیام کی ضرورت بہ شدو مد محسوس کر رہی ہے۔ علم الحیات کے ماہرین اپنے تجربات سے فکر و نظر کی دنیا میں انقلاب پیدا کرنے کے خواہاں ہیں۔

بنی نوع انسان

چارلس ڈارون (معلم مسئلہ ارتقاء) بیان کرتا ہے۔ دنیا میں مختلف اقوام آباد ہیں ان کی جلدوں کے رنگ ان کی کھوپڑیوں کی وضع قطع۔ ان کے بالوں کی تراش خراش اور جسم کے عام تناسبات میں بلاشبہ اختلاف ہے۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ خالص طبعی اعتبار سے قوموں میں تین باتیں ملتی جلتی ہیں۔ وہ ان سے بہت زیادہ ہیں۔ کہ جتنی اختلافی حیثیت کی ہیں۔ ذہنی لحاظ سے تو بہت کچھ ملتا جلتا ہے۔

ارباب سائنس ڈارون کے اس دعویٰ کی تائید کرتے ہیں۔ دنیا کا ایک مشہور ترین عالم

انسان (نسلوں اور گوتوں کا جاننے والا) رقمطراز ہے۔

بظاہر اگر حبشی، زنگی، منگولی اور مغربی (یورپین) کے خدوخال کو دیکھا جائے تو نظر آئے گا کہ ان کے جسمی ڈھانچوں میں بنیادی اختلافات ہیں۔ لیکن گہری نگاہوں سے دیکھنے کے بعد کہا جا سکتا ہے کہ ان کے اعضاء جو فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔ ان کے پیش نظر یہ دعویٰ درست ہے کہ یہ فرق اوپرا ہے بنیادی نہیں ہے۔ اصل شے دماغ کی ساخت ہے اس کی شان جداگانہ نہیں۔ اگر اس نظریہ کو تسلیم کر لیا جائے کہ دماغ ذہنی سرگرمیوں اور جولانیوں کی مادی اساس ہے تو کہا جا سکتا ہے کہ مختلف اقوام میں اساسی اختلافات نہیں ہیں۔

نتیجہ

ان فاضلوں کی تحقیق کا نچوڑ یہ ہے کہ دانش یا مزاج کے لحاظ سے بنی نوع انسان کے مختلف گروہ اپنی جبلی (پیدائش) خوبیوں کے زاویہ نگاہ سے جدا واقع ہوئے ہیں۔ سائنس کی یہ شہادت ظاہر کرتی ہے کہ تمام گروہوں کی ذہنی صلاحیتیں یکساں ہیں۔

پوری تحقیق کے بعد ظاہر ہوتا ہے کہ مختلف قوموں کا "باپ" ایک ہے۔ جڑ سے الگ ہو کر شاخوں اور پتوں نے نئی صورت اختیار کر لی۔ یہ تمام تعصب ان صورتوں کا رہین منت ہے۔

تین انسانی نمونے

میڈم ایچ۔ پی۔ بلاوٹسکی اپنی تصنیف "مخفی عقیدہ" میں لکھتی ہے۔

وقت انسانوں کو ایک دوسرے کے قریب کر رہا ہے۔ صرف تین انسانی نمونے قائم رہ جائیں گے۔ (۱) کالے افریقی حبشی، (۲) سفید آریہ، (۳) زرد چینی جاپانی۔ ارباب تحقیق کا دعویٰ یہ ہے کہ یہ تفاوت افراد و اقوام میں دکھائی دیتا ہے۔ وہ جغرافیائی اثرات کی بناء پر ہے۔ یا اس کا موجب ماحول ہے۔ تعلیم و تربیت ہے۔ کوئی قوم ازلی و پیدائشی طور پر دوسری سے برتر یا بہتر نہیں ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ کافی خوراک بھی ایک اہم غرض ہے۔ جہاں جہاں حبشی بچوں کی ان کی ماؤں نے خوب پرورش کی ہے۔ انہیں اچھی طرح سے کھلایا پلایا ہے۔ ان کے بچوں میں دوسروں کے مقابلے میں کوئی خامی یا کوئی کمی رونما نہیں ہوئی۔ اچھی خاصی گوری یا سرخ رنگ والی عورت بھی اگر اپنی اولاد کیلئے اچھی اور کافی غذا کا انتظام نہیں کر سکی تو اس کے بچے اچھے دکھائی نہیں دیتے یہ مشاہدات

دلالت کرتے ہیں کہ یہ اثرات اختلافی تعلیمی ہیں۔ تربیتی ہیں۔ ان کا جنم سے کوئی رابطہ نہیں۔ اچھوں کی اولاد اچھی ہوتی ہے۔ پیدائشی امور پر مبنی نہیں۔ ان کا مفہوم یہ ہے کہ جو اپنی اولاد کی اچھے طریق پر تعلیم و تربیت کا اہتمام کر سکتے ہیں۔ یا اتنے صاحب حیثیت ہیں کہ وہ اپنی اولاد پر خرچ کر سکتے ہیں اور ان کی تعلیم و پرورش پر توجہ بھی ہے اور انہیں معلم و مربی میسر آ سکتے ہیں۔ لا محالہ ان کی اولاد اچھی ہو گی۔ اس کا مفہوم یہ ہرگز نہیں ہے کہ بعض بچے پیدائشی طور پر ہی نا قابل ہوتے ہیں۔ ایسے بھی ہیں جو مادر زاد اندھے تھے لیکن وہ بڑے ذہین ثابت ہو گئے اور ایسے بھی ہیں کہ جو بوقت ولادت آہو چشم تھے وہ علم سے کورے رہے۔ یہ دعویٰ بڑی پختہ بنیادوں پر کیا جا سکتا ہے کہ قوموں کے درمیان کوئی ذہنی عدم مساوات نہیں ہے جو کچھ ہے وہ ناکافی خوراک، والدین کا افلاس، گندے ماحول، ناصاف گھر اور بوسیدہ پوشاک وغیرہ کے باعث ہے۔

سیاسی تفوق

مسٹر کارٹن برگ یہ کہہ کر اپنے مقالہ علمیہ کو ختم کرتا ہے۔ اس سلسلہ میں جو تحقیق کی گئی اس سے یہی منکشف ہوا ہے کہ فہم و ذکاء کے اظہار سے قوموں کے درمیان کوئی فطری تفاوت نہیں ہے۔ جو کچھ ہے وہ معاشی، سماجی اور تعلیمی ماحول کا کرشمہ ہے جن کو اچھا ماحول نصیب ہو جاتا ہے اور وہ اس سے فائدہ گیر ہوتے ہیں، وہ بلند نظر و بلند فکر ہو جاتے ہیں۔ جو قومیں ایسا نہیں کرتیں۔ وہ زندگی کی دوڑ میں پھسڈی رہ جاتی ہیں۔ اس لئے کہ کسی قوم کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ یہ کہے کہ وہ حکومت کرنے کیلئے پیدا ہوئی ہے اور دوسرے پیدائشی طور پر محکوم پیدا ہوئے ہیں۔ جب دنیا یونان کی قیاسی منطق کی دلدادہ تھی۔ کہا جا سکتا ہے کہ فلاں قوم قدرتاً بلند یا پاک فطرت پیدا ہوئی ہے لیکن استقرائی منطق کے عام ہونے کے بعد اب یہ نہیں کہا جا سکتا کہ چھتری قوم راج کے لئے اور شودر خدمت کے لئے اور رویش کاروبار کے لئے پیدا ہوا ہے۔ آج یہ دعویٰ کرنا مضحکہ خیز ہے۔ آپ جس جاتی یا ذات کی نسبت کہیں گے کہ وہ بہت برگزیدہ ہے۔ آپ کو ثابت کرنا ہو گا کہ دنیا کے جس گوشہ میں بھی اس ذات کا کوئی فرد موجود ہے۔ وہ واقعی نیک ہے۔ اونچے خیال کا ہے۔ پاک باطنی میں پاک منش ہے جن اقوام نے اس غلط نظریہ کی آڑ میں دوسروں کو غلام بنایا۔ اس زمانے میں ان کے اس زعم باطل کو کوئی سننے کیلئے تیار نہیں۔ ہٹلر نے جرمن قوم کو اونچا ثابت کیا۔

اس نے دلائل کے بجائے جنگی قوت کا استعمال کیا۔ جب تک اس کی فوجی طاقت رہی۔ وہ زندہ رہا جب وہ ختم ہو گی وہ بھی ختم ہو گیا۔ اگر اس کے دلائل ٹھوس ہوتے تو جرمنی کے علاوہ کسی اور خطہ کے اہل علم بھی اس کی تائید پر آمادہ ہو جاتے۔

تعصب کی جڑ

پروفیسر آرنلڈ روز بہ عنوان "تعصب کی جڑ" اپنی کتاب "مسئلہ قوم موجودہ سائنس کی روشنی میں" واضح کرتا ہے کہ اس جھوٹے گھمنڈ کی بناء پر کمزوروں کو لوٹا گیا اور اس لوٹ کو جائز تصور کیا گیا۔ اس سے محکوم اقوام کو زیادہ عرصہ تک غلام رکھنے کیلئے افتراق و انشقاق کا شکار ہو گیا۔ علم حیات نے اس پندار باطل کے پرخچے اڑا دیئے ہیں۔ مذہبی تعصب کی جگہ تجارتی تعصب کو اقتدار کی مسند پر بٹھایا گیا۔ سفید اقوام کالے رنگ کی قوموں کے وسائل پر قابض ہو گئیں اور یہ دعویٰ کیا کہ اس رنگ کی بناء پر وہ اعلیٰ ہیں۔ گوروں نے نو آبادیات قائم کیں علم نے، سائنس نے اس ادعا کو حرف غلط کی مانند مٹا دیا ہے۔ ستم ہے کہ بعض مغربی اقوام کے نظریہ ہائے مذہبی نے ان کو اس ستم آرائی کی اجازت دی۔

انسانی جذبات کی بیداری

اس زمانہ میں سفید فام اقوام کے انسانی جذبات بھی بیدار ہو گئے ہیں اور وہ اپنے دعویٰ سے دست بردار ہو رہے ہیں۔ امریکہ محسوس کر رہا ہے کہ حبشیوں کے ساتھ بھی مساوات کا سلوک ہونا چاہیے ان کو بھی یہی حقوق حاصل ہونے چاہئیں کہ جو گورے چٹے، سرخ امریکنوں کو حاصل ہیں ان کے لئے بھی تعلیمی سہولتیں ہونی چاہئیں۔ جہاں جہاں حبشی لائق ہو گئے ہیں۔ گوروں نے ان کا احترام کیا ہے اور تسلیم کیا ہے کہ وہ اپنی قابلیت کی بناء پر اقتدار کے مستحق ہیں۔ یہ تمام اقتسابات تھیوسافیکل فری ٹریکٹس نمبر ۲۴ مورخہ ۲۵ جون ۱۹۵۲ء مطبوعہ بہ اہتمام یونائیٹڈ لاج اوف تھیوسافسٹس ۵۱۔ مہاتما گاندھی روڈ بمبئی سے لئے گئے ہیں۔

ارشادات نبوی ﷺ

بیسویں صدی میں سائنس جس نتیجہ پر پہنچی ہے۔ اسلام نے چھٹی صدی عیسوی میں اس کا اعلان بے مثال واضح الفاظ میں کیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حجۃ الوداع (آخری حج) کے موقعہ پر ایک لاکھ کئی ہزار صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مقدس اجتماع میں اعلان فرمایا "آج سے میں اس نسبی فخر کو مٹاتا ہوں اور آئندہ کسی مسلمان کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اس جاہلیت کے دعویٰ کو دوبارہ زندہ کرے۔" آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنے اس اہم خطبہ میں آیۂ فرقانیہ کی تفسیر فرماتے ہوئے نہایت صاف اور پُر شوکت الفاظ میں بیان فرمایا۔

فلیس لعربی علی عجمی فضل۔ اور نہ کسی عجمی کو کسی قسم کی برتری عربی پر ہے۔

ولا لا سود علی ابیض فضل۔ اور نہ کسی کالے کو کسی گورے پر کسی قسم کی برتری حاصل ہے۔

ولا لا بیض علیٰ اسود فضل۔ اور نہ کسی گورے کو کسی کالے پر کسی قسم کی برتری حاصل ہے۔

الا بتقویٰ۔ برتری کا معیار صرف اعمال کی خوبی ہے۔ (معجم طبرانی کبیر)

اس حدیث پاک میں چار موقع پر لفظ فضل استعمال کیا گیا ہے۔ عربی میں اگر رجل کا لفظ استعمال کریں تو اس کا ترجمہ ہے مرد اور رجل ہے نکرہ۔ اس کا مفہوم ہے کوئی فرد۔ اگر رجل کی بجائے الرجل کہیں تو مراد ہے خاص مرد۔ اور یہ ہے کہ معرفہ۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے انگریزی میں لفظ مین (Man) سے مراد ہے۔ آدمی اور دی مین (The man) سے مراد ہے خاص آدمی۔ جو کام انگریزی میں The (دی) سے لیا جاتا ہے۔ عربی میں ال سے لیا جاتا ہے۔ اس تشریح سے واضح ہو سکتا ہے جو کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ارشاد کا ماحصل ہے کہ جغرافیہ اور رنگ کے لحاظ سے کسی قوم کو دوسری قوم پر کسی قسم کی کوئی برتری نہیں ہے۔ برتری کا معیار صرف کردار کی برتری ہے۔ اگر دنیا حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اس تعلیم کو اپنا لے تو کائنات کو وہ امن و راحت نصیب ہو جائے جس کی جستجو ہے۔ جس کے لئے وہ بے چین ہے۔

وحدت

آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے یہ تعلیم دی کہ تمام انسان اولادِ آدم ہیں۔ ایک خدا کی مخلوق ہیں۔ سب کی اصل ایک ہے۔ سب کا رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ایک ہے۔ قرآن ایک ہے۔ کعبہ ایک ہے۔ مقصد حیات ایک ہے۔ ہر قوم میں نبی آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنی امت کو وحدت اسلامیہ کی دعوت دی۔ اور ان پر واضح کیا کہ ان کا عقیدہ ایک ہے۔ رنگ، ذات،

قوم، ملک کا اختلاف کوئی شے نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ کوئی قوم دوسری کا مذاق نہ اڑائے۔ کوئی شخص دوسرے کو حقیر نہ جانے۔ حسن خلق ہی انسان کا امتیازی وصف ہے۔ آپ ﷺ کے نزدیک انسانوں میں تفرقہ پیدا کرنے والا شیطان ہے اور وہ بنی آدم کا دشمن ہے۔ آپ ﷺ کی ہدایت یہ ہے کہ سب انسان ایک خدا کی عبادت کریں۔ مختلف بتوں کی پوجا کرنے سے انسانیت میں پھوٹ پیدا ہوتی ہے۔ محبت فنا ہوتی ہے ایک کہتا ہے۔ میرا بت زیادہ بابرکت ہے۔ دوسرا کہتا ہے میرا دیوتا سب سے اچھا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اب کسی خاص قوم کا پروردگار نہیں۔ وہ ساری کائنات کا رب ہے جس کا وہ رب ہے اس کے لئے آپ ﷺ رحمت ہیں۔ قرآن اس کے لئے نصیحت نامہ ہے جیسے آپ رحمتہ العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ ایسے ہی آپ ﷺ کے امتی کا فرض ہے۔ کہ وہ اپنی ہمت کے مطابق جہاں کہیں ہو سب کے لئے رحمت بن جائے۔ اس کا وجود کسی کے لئے زحمت کا موجب نہ ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ جنہوں نے آپ کے زمانے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم کو قبول کیا۔ وہ ایک دوسرے کے جان نثار، غمگسار، یار غار، وفاشعار بن گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امتیوں کی زمانہ میں اصلاح اسی سے ہو گی۔ کہ وہ ان کا رنگ اختیار کریں۔ جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم اور فیض نظر کے آخر نے انسانیت کا ہمدرد بنایا۔

فطرت

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم یہ ہے کہ انسان کی فطرت بری نہیں۔ وہ پیدائشی نیک ہے۔ گنہگار نہیں۔ جیسے جو جانور پیدا ہوتا ہے اس کا کان کٹا ہوا نہیں ہوتا۔ اس کی ناک چھدی ہوئی نہیں ہوتی۔ لیکن لوگ اس کا کان کاٹ دیتے ہیں۔ اس کی ناک چھید ڈالتے ہیں ایسے ہی انسانوں کو بری راہ پر لوگ لگاتے ہیں۔ ہر بچہ فطرتاً خداشناس پیدا ہوتا ہے۔ اس کا ضمیر اسے برائی سے روکتا ہے۔ انسان کو کبھی مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ ناامیدی کفر ہے۔ عرب کی حالت کون کہہ سکتا تھا کہ وہ نیک نہیں ہیں بلکہ نیکوں کے امام ہو سکتے ہیں۔ ان کی پستی اسی امر کا ثبوت تھی کہ انسان پرلے درجے کا سیاہ کار ہے۔ لیکن حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوشش کے بعد ظاہر ہو گیا کہ عرب سونا تھے۔ کندن تھے۔ اسلام کی بھٹی نے ان کے میل کو صاف کر دیا اور وہ آفتاب و

ماہتاب سے زیادہ چمک اٹھے۔ وہی عرب جن میں سے ہر ایک گیا گزرا تھا اس کی نسبت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میرے صحابی ستارے ہیں۔ تم ان میں سے کسی ایک کی راہ پر بھی گامزن ہو گئے۔ منزل مقصود پر پہنچ جاؤ گے۔

انسانی اخلاق کے لئے موت سے بدتر ہے یہ تعلیم کہ انسان نیک ہو ہی نہیں سکتا اور نوید حیات ہے یہ تعلیم کہ انسان نیک ہے۔ اس کی اصل فطرت اچھی ہے۔ بدی ایک بیرونی اثر ہے اور وہ نو اسل ہو سکتا ہے۔

دین اسلام

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ انسان کا کوئی خالق نہیں۔ وہ مادی ذرات کے اتفاقیہ اتصال کا کرشمہ ہے وہ جب یہ کہتے ہیں کہ انسانوں کو ملکی یا قومی یا جماعتی قوانین کی پابندی کرنی چاہئے تو وہ اپنے نظریئے کو خود جھٹلاتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اسلام یہ ہے کہ انسان خدا کے حکموں پر چلے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا امتی مسلم کہلاتا ہے۔ مسلم کے معنی ہیں۔ قانون الٰہی کو تعلیم کرنے والا اس پر عمل کرنے والا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے نبیوں کو اس لئے بھیجا کہ لوگ خدا کے بندے بن جائیں۔ اگر ایسا ہونا ممکن نہ ہوتا تو خدا کسی رسول کو نہ بھیجتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیام کائنات کے لئے سلامتی کا پیام ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امتی جب ایک دوسرے کو ملتے ہیں تو اسلام علیکم کہتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی سلامتی ہو تم پر۔ مسلمان خدا کی عبادت نماز کو ان الفاظ پر ختم کرتے ہیں۔ اسلام علیکم ورحمتہ اللہ۔ مطلب یہ ہے کہ مسلمان کا فرض ہے کہ وہ سب کے لئے سلامتی اور رحمت کا پیکر بن جائے۔

آپ ﷺ کی تعلیم یہ ہے کہ خدائی دین اسلام ہے اور دین کا مفہوم سب کی بھلائی ہے۔

دین اور سیاست

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح کیا کہ دین اسلام کی بقاء کیلئے لازمی ہے کہ مسلمانوں کو سیاسی اقتدار ہو۔ سیاست عربی زبان کا ایک لفظ ہے جس کا مطلب ہے اپنے ریوڑ کو بھیڑیوں وغیرہ جانوروں سے بچانا۔ اچھی سے اچھی شے سیاسی کمزوریوں کے باعث برباد ہو جاتی ہے۔ سونا اچھی چیز ہے لیکن اگر کمزور ہاتھ میں ہو تو اس کے لئے موت کا سبب بن جاتا ہے۔ ڈاکو اس سے یہ

متاع گراں چھین لیتے ہیں۔عرب کے قریش۔ مدینہ کے یہود۔ ایران کے آتش پرست سلطنت شام وروم ومصر کی عیسائی سلطنت چاہتی تھی کہ اسلام کو مٹا دے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسی قوم تیار کی کہ جنہوں نے ان تمام کا ڈٹ کا مقابلہ کیا اور اسلام کو ان کے حملوں سے بچایا اور انہیں مغلوب کیا۔ مرعوب کیا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ اسلام محفوظ رہا۔ غیروں کے غلبہ کے باعث یہودیوں کی مذہبی کتابیں محفوظ نہ رہیں۔اسلام کی حفاظت میں سیاسی غلبہ نے شایانِ شان کام کیا۔ جب مسلمان کمزور ہو گئے ان کا سیاسی وقار ختم ہوا۔ ترکوں نے مسلمانوں کو گاجروں اور مولیوں کی مانند کاٹ کر رکھ دیا جب یہی ترک مسلمان ہو گئے اور ان کو سیاسی عروج نصیب ہوا۔ اسلام کے خزاں رسیدہ باغ مین بہار کے ازسرنو آثار پیدا ہو گئے۔ اسلامی اخلاق یہ ہے کہ مسلمان سیاسی تفوق کے تصور سے بے نیاز نہ ہوں۔

محبت

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سمجھایا۔ کہ جب تک کسی شے کی محبت کسی انسان کے دل میں نہ سما جائے۔ وہ اس کے لئے حصول کے درپے نہیں ہو سکتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان خدا کو محبوب تصور کرے۔ ہر وقت یہ کوشش کرے کہ خدا تعالیٰ ناخوش نہ ہو جائے۔ اس کے لئے آپ نے یہ طریق بتایا کہ جس طرح انہوں نے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ رضائے خدا کے لئے وقف کر دیا ہے۔ ایسے ہی وہ بھی کریں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کریں اور یہ اطاعت جبھی ہو سکتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی جان اپنے مال۔ اپنے اہل وعیال سے زیادہ محبوب تصور کریں۔ دنیا کی کوئی قوم اتنی خدا دوست نہیں کہ جتنے مسلمان ہیں۔ دنیا کی کسی ملت کو اپنے پیشوا سے وہ محبت نہیں کہ جو مسلمانوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح کیا کہ خدا کی محبت جبھی حاصل ہو سکتی ہے کہ انسان خدا کی مخلوق سے محبت پیدا کرے۔ عقلی محبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سیکھے۔ مسلمان پر عیاں تھا کہ گناہ سے خدا ناخوش ہوتا ہے۔ انسانوں کو دکھ دینے سے خدا ناخوش ہوتا ہے۔ اس لئے مسلمانوں نے اپنی زندگیاں انسانوں کی محبت کے لئے وقف کر دیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ خدا کے محبوب بن گئے۔ اخلاق کی بلندی یہی ہے کہ انسانوں کو نفع پہنچانے کے لئے مسلمان کے دل ہو

دماغ میں ایک اضطراب وجنون پیدا ہو جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہ دلائل ثابت کیا کہ انسان کا فرض ہے کہ جو اس پر احسان کرے اسے محبوب جانے۔ اس سے بڑھ کر احسان تصور میں نہیں آسکتا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو نیستی سے ہستی کی نعمت بخشی۔ انسان کو عدم سے وجود میں لانے والا بجز خدا اور کون ہے۔ اس لیئے مسلمانوں کی تاریخ ظاہر کرتی ہے کہ مسلمانوں نے اپنی ہر شے خدا کے لیئے قربان کردی اور اس سے ان کی انسانیت کی انتہائی تکمیل ہوئی۔

حریت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح کیا کہ خداوند تعالیٰ کا ایک کرم یہ بھی ہے کہ اس نے انسان کو آزاد پیدا کیا ہے۔ انسان کو مجبوراً مسلمان بنانا منافی اسلام حرکت ہے۔ قادر مطلق ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو یہ اختیار دیا ہے کہ وہ اگر چاہیں تو دین اسلام اختیار کر سکتے ہیں اور اگر چاہیں تو کفر کر سکتے ہی۔ اگر اسے جبر منظور ہوتا تو کوئی بھی کافر نہ ہوتا۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ کیا اور بتادیا کہ یہ چیز طیّب ہے اور یہ خبیث ہے۔ یہ مضر ہے یہ نافع ہے۔ یہ کار ثواب ہے یہ موجب عذاب ہے۔

نظریہ جبر وہ بیڑی ہے کہ جو انسانوں کے پاؤں میں پڑی ہوئی تھی۔ اس نے انسانی دل ودماغ کو جکڑ رکھا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جہاں اور بیڑیاں کاٹیں۔ اس زنجیر کو بھی پارہ پارہ کیا۔ اسلام نے اس پر بہت زور دیا ہے کہ انسان اپنی رائے میں صراحت سے کام لے۔ وہ قول کا سچا ہو۔ اس کے اعمال کی بنیاد نیک" نیتی اور خلوص پر ہو۔ وہ مرض سے ڈر کر، موت سے ڈر کر، ظلم سے ڈر کر جھوٹ نہ بولے۔ منافقت کو لعنت اس لیئے قرار دیا گیا ہے کہ اس کا مرتکب اپنے نفس پر جبر کرتا ہے۔ ستم کرتا ہے۔ مسلمان منافق نہیں ہوتا وہ تیغ برہنہ ہوتا ہے۔ مسلمانوں کی روایات شاہد ہیں کہ انہوں نے آزادیٔ ضمیر کے لیئے جانیں قربان کردیں۔ انہوں نے جابروں کا مقابلہ کیا۔ وہ شہید ہو گئے۔ لیکن انہوں نے ظالموں کے سامنے کلمہ حق کہنے سے دریغ نہ کیا۔

اخلاقی جرأت مسلمان کا طغرائے امتیاز ہے۔ مسلمانوں نے یہ سبق بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سیکھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچائی کے لیئے ہر قربانی گوارا کی۔ اور ایمان کے لیئے ہر قسم کی طمع کو پائے حقارت سے ٹھکرایا۔ مسلمانوں کے نزدیک سب سے بڑی دولت اخلاق

ہے وہ ایمان فروشی اور ضمیر کشی کو حرام جانتے ہیں۔

دین و دنیا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ دین و دنیا میں تضاد نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا جو محض دنیا دار ہے وہ انسان نہیں۔ جو محض دین دار ہے۔ وہ انسان نہیں۔ انسان وہ ہے کہ جو دنیا دار بھی ہے اور دین دار بھی۔ بڑے بڑے مذہبی پیشواؤں نے یہ کہا کہ انسان کی نجات اسی میں ہے کہ وہ دنیا کو چھوڑ دے۔ وہ بیوی بچوں سے کوئی تعلق نہ رکھے۔ وہ شادی نہ کرے۔ وہ صحراؤں، پہاڑوں کی چوٹیوں، غاروں، حجروں اور وادیوں میں زندگی بسر کرے۔ اور ساری حیات خلوت میں گزار دے۔ جلوت سے اجتناب کرے بعضوں نے کہا بہتر یہی ہے کہ وہ کشکول گدائی ہاتھ میں لے کر بھیک مانگے۔ زراعت، صنعت اور تجارت سے کوئی واسطہ نہ رکھے اگر وہ دولت مند ہو گیا تو جہنمی ہو جائے گا اسے سمجھ لینا چاہئے کہ اونٹ کا سوئی کے ناکے سے گزر جانا ممکن ہے۔ لیکن امیر کا خدا کی بادشاہی (جنت) میں داخل ہونا ممکن نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان الزامات کا سختی سے رد کیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ صرف زبان سے بلکہ عمل سے بھی ان حقائق کا فطری و عقلی ہونا ثابت کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نکاح کئے اور فرمایا کہ جو نکاح سے گریزاں ہیں۔ اس کا کوئی واسطہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح کیا کہ ہر خلوت جلوت کے لئے ہے۔ آپ ﷺ نے نبوت کے بعد بہت کم وقت خلوت میں لیکن اکثر جلوت میں گزارا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دکھایا کہ کمال یہ ہے کہ گھر میں بیوی ہو اور پھر نماز تہجد میں کبھی بھی ناغہ نہ ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر رات نماز تہجد بھی پڑھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھیک مانگنے کو گناہ ٹھہرایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دولت کو خیر، فضل اور نعمت ثابت کیا۔ دولت والا زکوٰۃ کے ذریعے بنی نوع انسان کی جو خدمت کر سکتا ہے۔ وہ نادار نہیں کر سکتا۔ تجارت کے ذریعے انسانوں کو جتنے فوائد پہنچائے جا سکتے ہیں۔ اس کو شمار میں نہیں لایا جا سکتا۔ تجارت کو حرام جاننا خدا کی مخلوق کو گوناگوں برکتوں سے محروم کر دینا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنت کے قفل کو دنیا کی کنجی سے کھولا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم نے فرمایا کہ بنی نوع انسان کی بہتری اسی میں ہے کہ وہ نیکوکاری اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے سے تعاون کریں۔

اگر تدین تمدن کو بہتر نہیں بناتا تو وہ تدین بےکار ہے۔ انسان مل جل کر زندگی بسر کرنے کے لئے پیدا ہوا ہے۔ علیحدہ علیحدہ رہنے کے لئے نہیں پیدا ہوا۔ اسے خوراک اور پوشاک کے لئے جوتر دد کرنا پڑتا ہے۔ حیوانات کو نہیں کرنا پڑتا۔ اس حصہ میں ہی چرند، پرند اور درند اس سے زیادہ فارغ البال واقع ہوئے ہیں۔ اس لئے ان ضروریات کی فراہمی کے لئے ایک دوسرے کی مدد سے کام کرنا عین انسانیت ہے۔ رہبانیت خلاف فطرت ہے۔ اسلام کے ملک میں اس کی حیثیت کھوٹے سکے کی ہے۔

اجتماعی زندگی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجتماعی زندگی پر خاص زور دیا۔ یہ طلاق، یہ وراثت، یہ مال وملکیت، یہ ذرائع معاش، یہ کسب حلال کے لئے جستجو، یہ رشتہ داریاں، یہ ملکی تعلقات، یہ سیاسی نظام، یہ معاشی دستور سب اجتماعی زندگی کے لئے ہیں۔ اسلام کے تمام تر افعال اجتماعی زندگی کے لئے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ عبادت میں بھی اجتماعی شان چاہئے۔ باجماعت نماز کا ثواب نماز بے جماعت سے ستر گنا زیادہ ہے۔ امام کے انتخاب کے شرائط تجویز کئے اور فرمایا۔ ہر کام کے لئے جماعت بناؤ۔ جماعت کی بات سنو۔ جماعت کے فیصلوں کو آویزہ گوش بناؤ۔ اگر اختلاف ہو تو اکثریت کا ساتھ دو۔ قرآن کی اکثر دعاؤں میں اجتماعی شان ہے۔ مسلمان دعا مانگتا ہے۔ اے اللہ ہم گمراہ نہ ہوں۔ اے اللہ ہمیں سیدھا راستہ دکھا۔ اے اللہ ہمیں متقیوں کا امام بنا۔ یہاں تک کہ یہ بھی بتایا گیا کہ مومن یہ دعا مانگتا ہے۔ اے اللہ ہم سب کو اولاد دے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو نماز جنازہ سکھائی اس میں ایک مردہ کیلئے بلکہ تمام زندوں، مردوں، حاضرین، غائبین، مرد عورت چھوٹے بڑے سب کے لئے دعا کی جاتی ہے۔ اخلاق اسی کا اونچا ہے کہ جو اجتماعی زندگی میں مفید تر ہے۔ اجتماعی زندگی سے بیزار ملت و انسانیت کا غدار ہے۔ ناشکر گزار ہے۔ عدل، احسان، رحم وکرم وغیرہ اوصاف حسنہ سب کا زیادہ تر تعلق اجتماعی زندگی سے ہے۔ حج اجتماعی زندگی کا شاہکار ہے۔ روزے مقصود یہ بھی ہے کہ انسان پر یہ واضح ہو

جائے کہ فاقہ کے باعث دوسرے انسانوں پر کیا گزرتی ہے۔ زکوٰۃ اجتماعی بھلائی کا ایک موثر ذریعہ ہے۔ رشوت، چوری وغیرہ اس کے گھناؤنے جرم ہیں۔ کہ ان سے اجتماعی نظام میں خلل پیدا ہوتا ہے۔ زانی اس لئے بھی رحم کے قابل ہے کہ وہ حیات اجتماعی کا دشمن ہے۔ انسانیت کا قاتل ہے۔ سود بھی اسی لئے حرام ہے کہ اس سے عوام کی قوت خرید کم ہو جاتی ہے اور اس سے اجتماعی کاروبار پر برا اثر پڑتا ہے۔ یہ حکومت کا نظام، یہ انتخابات، یہ عدالتیں، یہ پولیس کس لئے ہے۔ اس لئے کہ اجتماعی زندگی محفوظ رہے۔ دنیا سے بھاگ جانے والوں۔ جنگلوں میں رہنے والوں کو اجتماعی زندگی سے کیا سروکار! ان کے لئے نظام سلطنت وغیرہ سب بے کار اشیاء ہیں۔ اس کی حفاظت کے لئے لازمی ہے کہ مسلمان جذبہ اسلامی سے سرشار ہوں اور بدمعاشی عیاشی سے یکسر بیزار ہوں۔ مختصر یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم دینی و دنیوی زندگی اور اجتماعی زندگی شخصی زندگی سب کے لئے بابرکت ہے۔ محمد انسانیت ہے۔ محرک روحانیت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انسانیت کے محسن اعظم ہیں۔ مسلمان کا ایمان یہ ہے۔

محمد مصطفیٰ ﷺ امی نبی تلمیذ رحماں ہے ‏ ‏ محمد مصطفیٰ ﷺ صدر الصدور بزم انساں ہے

محمد مصطفیٰ ﷺ کے نام پر قربان ہو جانا ‏ ‏ شریعت کا خلاصہ مغز قرآن جان ایمان ہے

مسلم

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ کا نام نامی عبداللہ، کنیت ابوبکر، لقب صدیق اور عتیق ہے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد کا اسم گرامی ابوقحافہ ہے جو ۸۳ سال کی عمر میں داخل اسلام ہوئے۔ آپ کی والدہ ام الخیر بھی مسلمہ تھیں۔ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شجرۂ نسب ساتویں پشت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جا ملتا ہے۔ آپ نے ۳۷ سال کی عمر میں دین فطرت قبول کیا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلام کی بے نظیر خدمات انجام دیں اور ہر مرحلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ دیا۔ قرآن مجید میں ہے۔ ''اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْ وَھَا جَرُوْا - وَجَاھَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ اَعْظَمُ دَرَجَۃً مِّنَ اللّٰہِ وَاُولٰئِکَ ھُمُ الْفَائِزُوْنَ ط'' (جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کیا۔ اللہ کے نزدیک ان کا درجہ سب سے زیادہ بڑا ہے اور یہی لوگ پورے کامیاب ہیں) (۱) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہی میں سے ہیں جو سب سے پہلے ایمان لائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ سب سے پہلے جس پاک انسان نے دعوت اسلام پیش کی اور جس کی تبلیغ سے عرب کے نادر مقتدر مسلمان ہوئے۔ وہ سیدنا حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دس صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قطعی جنتی قرار دیا۔ انہیں ''عشرہ مبشرہ'' (وہ دس جنہیں جنت کی بشارت دی گئی) کہتے ہیں۔ ان میں سے پانچ وہ ہیں جن کے ایمان کا باعث سیدنا صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہوئے۔ (۲) سب سے پہلے جس کا مال اسلام پر صرف ہوا۔ وہ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ اپنے عاشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدنا حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جابر و فاسق کافر (امیہ بن خلف) کی غلامی سے رہا کرایا اور اس اہم کار خیر پر روپیہ صرف کیا۔ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کائنات میں اول انسان ہیں جنہوں نے اس ''غلام'' کو جسے آزاد کرایا اپنا سردار (سید) کہا۔ آپ نے کافی رقم ان غریبوں کی مدد میں صرف کی جو اسلام لا کر سنگدل آقاؤں کی سختی کا نشانہ بن رہے تھے۔ (۳) تبلیغ توحید کے سلسلہ پر جب کفار

مکہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حملہ آور ہوئے تو سب سے پیشتر جس غیور مسلمان نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کفار کو ہٹایا۔ وہ محسن ملت حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ ظالموں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھوڑ دیا اور وہ سیدنا صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہد کی مکھیوں کی مانند چمٹ گئے اور بے تحاشا مارنا شروع کر دیا۔ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ آیہ مبارکہ تلاوت فرمائی۔ ''اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ''۔ کیا تم لوگ صرف اتنی بات پر ایک شخص کے قتل کے در پے ہو کہ وہ خدا ہی کو اپنا پروردگار بتاتا ہے۔ حالانکہ وہ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی جانب سے روشن دلائل لے کر آیا ہ۔ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب گھر آئے تو ان کی یہ حالت تھی کہ سر کے بالوں پر جدھر ہاتھ پھیرتے بالوں کی لٹیں ہاتھ میں چلی آتیں لیکن اس پر بھی بار بار یہی کہتے۔ ''تَبَارَكْتَ يَا ذَالْجَلَالِ وَالْاِكْرَام'' (خداوندا تو بزرگ و برتر ہے اور بابرکت ہے) (۴) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرصہ دراز تک سختیوں کو برداشت کی اور دامن حضوری صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ چھوڑا۔ مگر آکار کار وہ بھی مجبور ہو گئے اور گھر بار چھوڑ کر براہ یمن ملک حبش کی راہ لی۔ قریش کے ایک سردار ابن الدغنہ راستہ میں مل گئے۔ انہوں نے آپ کو روکا اور قریش سے کہا کہ تم ایسے شخص کو یہاں سے نکال رہے ہو کہ جو محتاجوں کا حامی مصیبت زدوں کا غم خوار اور راہ حق کی مصیبتوں میں ہم درد ہے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی رفیقہ حیات جنابہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے یہ فرمایا کہ مجھ پر وحی نازل ہوئی ہے تو جناب خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت وہی الفاظ کہے کہ جو ابن الدغنہ نے حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت کہے۔ اس بات میں بھی اولیت کا شرف حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حاصل ہوا۔ (۵) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے گھر کے باہر میدان میں ایک مسجد بنائی۔ اس میں نماز و تلاوت کی۔ یہ اسلام میں پہلی مسجد تھی۔ (۶) جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ میں ہجرت کی تو اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ آفتاب رسالت اور شمس خلافت غار ثور میں تشریف لے گئے۔ قرآن کا بیان ہے۔ ''اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا'' غار

میں تھے۔ کہ کافران کی تلاش میں غار تک آ پہنچے۔ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ گزارش کی۔ ''اُدر کنا یا رسول اللہ'' اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کافروں نے ہم کو آلیا۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ غمگین نہ ہو۔ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اوّل رفیق ہیں جنہیں خدا تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صحابی کہا۔ اور حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ پہلے صحابی ہیں جن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے یہ بشارت سنائی گئی کہ جیسے اللہ رسول کے ساتھ ہے۔ آنحضرت ﷺ صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھی ساتھ ہے۔ (۷) مدینہ منورہ پہنچ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد نبوی کی تعمیر کے لئے دس اشرفیوں میں زمین خریدی۔ یہ اشرفیاں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مال سے دی گئیں۔

(۸) مکہ مکرمہ سے ۳۰۰ اور مدینہ سے ۱۳ میل کے فاصلے پر اسلام اور کفر کی پہلی جنگ چشمہ بدر کے قریب ہوئی۔ اس غزوۂ بدر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رو رو کر یہ دعا کی ''اے اللہ تیرا جو وعدہ مجھ سے تھا۔ وہ پورا فرما دے۔ اے اللہ اگر تو اہل اسلام کے اس گروہ کو ہلاک کر دے گا تو پھر سطح زمین پر تیری عبادت نہیں ہوگی۔'' اس وقت آپ ﷺ ایک جھونپڑی میں مقیم تھے۔ اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی۔ اے اللہ کے نبی! آپ ﷺ پر میرے باپ اور میری ماں فدا ہو۔ بارگاہ الٰہی میں آپ ﷺ کی مناجات کامیاب ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کا جو آپ ﷺ سے وعدہ تھا۔ وہ عنقریب پورا فرمائے گا وہی ہوا۔ جس کی دعا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کی اور جس کی بابت رفیق نبی نے عرض کی۔ (۹) کفر اور اسلام کی دوسری جنگ بمقام احد ہوئی۔ اس میں حضرت سخت مجروح ہوئے۔ کافروں نے یہ افواہ اڑا دی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہید ہو گئے ہیں۔ سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہچانا۔

(۱۰) آغاز معرکۂ اُحد میں صف کفار میں سے عبدالرحمٰن میدان میں نکلے۔ وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے تھے۔ عبدالرحمٰن نے اپنے مقابلہ کے لئے حریف طلب کیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود ان کے مقابلہ پر آمادہ ہوئے۔ تلوار میان

سے نکالی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے میدان میں جانے کی اجازت مانگی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ "شم سفک و امتعنابک" تلوار میان میں کرو۔ اور ہم کو اپنی ذات سے نفع حاصل کر لینے دو۔ عبدالرحمٰن آخر کار مسلمان ہو گئے۔ اور حضرت عبدالرحمٰن بن گئے۔ انہوں نے اپنے والد محترم سے کہا۔ قبلہ جنگ بدر میں آپ میری زد پر آئے۔ لیکن میں نے آپ پر وار نہ کیا۔ آپ نے فرمایا۔ جان پدر اگر تو میری زد پر آجاتا تو میں تجھے نہ چھوڑتا۔

(۱۱) خندق کی جنگ میں ایک دستہ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ماتحت خندق کے ایک حصہ کی حفاظت پر مامور تھا۔ اس موقع پر بعد کو مسجد بنا دی گئی جو مسجد صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام سے مشہور ہوئی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے صحابی ہیں جن کے نام پر مسجد تعمیر ہوئی۔

(۱۲) حدیبیہ کے مقام پر کفار قریش اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان ایک عارضی صلح ہوئی اس شرائط بظاہر مسلمانوں کے خلاف تھے۔ اس وقت غازیوں میں سراسمگی پھیل گئی۔ اس موقع پر سب کو مطمئن کرنے کا فریضہ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سرانجام دیا۔

(۱۳) ۹ ہجری میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عیسائیوں کے تاجدار ہرقل کے مقابلے میں فوجی تیاریوں کا اہتمام فرمایا اور چندہ طلب کیا۔ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ واحد بزرگ ہیں۔ جنہوں نے اپنا سارا مال اسلام کے لئے پیش کر دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بال بچوں کے لئے کیا رکھا؟ صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی۔ "اَبْقَیْتُ لَهُمُ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ" اُن کے واسطے اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رکھ لیا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے اس واقعہ کو نظم کیا۔ اس نظم کا آخری شعر یہ ہے۔

پروانے کو چراغ عنا دل کو پھول بس
صدیق کے لئے ہے خدا اور رسول ﷺ بس

(۱۳) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج کے فرض ہونے پر قافلہ حج مکہ مکرمہ کو روانہ فرمایا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ امیر حج مقرر ہوئے۔ اسلام میں پہلے امیر حج حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

(۱۴) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ جنت کے کئی دروازے ہیں۔ نمازی، نماز کے دروازے سے۔ روزہ دار، روزے کے دروازے سے۔ زکوٰۃ دینے والے، زکوٰۃ کے

دروازے سے۔مجاہد، باب جہاد سے بلائے جائیں گے۔حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی۔کوئی ایسا بھی ہے کہ جس کو سب دروازوں سے بیک وقت بلایا جائے گا۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح فرمایا کہ صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان میں سے ایک ہے جن کو سب دروازوں سے پکارا جائے گا۔

(۱۵) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واقعہ معراج کی تصدیق سب سے زیادہ موثر طریق پر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کی۔اور آپ کو صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خطاب ملا۔

(۱۶) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال پر عام اضطراب برپا ہوا۔حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسی موثر تقریر فرمائی کہ صحابہ کا ایمان تازہ ہو گیا۔اور ان کے دلوں میں نصرت اسلام کا تازہ ولولہ موجزن ہو گیا۔

(۱۷) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے دوسرے روز حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ تسلیم کیے گئے اور تمام مہاجرین رضی اللہ تعالیٰ عنہم وانصار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان شخصوں کو پامال کیا جنہوں نے نبوت کے جھوٹے دعوے کیے۔سچے نبی کی اپنے قول اور عمل، جان اور دل سے سب سے زیادہ تصدیق اور جھوٹے نبی کی سب سے زیادہ تکذیب حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کی۔

(۱۸) صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں سے یہ شرف بھی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نصیب ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کئی نمازیں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اقتداء میں ادا فرمائیں۔

(۱۹) آپ نے زکوۃ کے لیے منظم اہتمام فرمایا۔

(۲۰) عرب کے جو قبیلے اسلام سے مرتد ہو گئے تھے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی سرکوبی کی۔

(۲۱) طوفان ارتداد کے فرو ہو جانے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوراً اپنی توجہ ان دو زبردست دشمنوں کی طرف مائل کی۔جو مسلمانوں کو گھیرے ہوئے اسلام کی تباہی کی فکر میں تھے۔ان میں سے روم کا بادشاہ ہرقل اور دوسرا ایران کا تاجدار کسریٰ تھا۔حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے رعب و وقار کو خاک میں ملا دیا۔

(۲۲) ۲۲ جمادی الاخریٰ ۱۳ ہجری میں سہ شنبہ کی رات کو ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نے دو سال تین مہینے خلافت کر کے ۶۳ سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے مطابق حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعد از نبی اسلام کے سب سے بڑے محسن ہیں۔

ارشادات صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۱) ایک روز حرم کعبہ میں مشرکوں کا مجمع تھا اور وہ یہ کہہ رہے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بن عبداللہ نے ہمارے معبودوں کی سخت مذمت اور توہین کی ہے۔ ناگاہ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طواف کعبہ کے واسطے داخلِ حرم ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ کر مشرکوں کی آتش غضب بھڑکی اور ایک شخص نے بڑھ کر کہا۔ اے شخص تو ہی ہمارے معبودوں کی توہین کرتا ہے۔ ارشاد فرمایا۔ بے شک۔ یہ سن کر تمام لوگ آپ ﷺ پر حملہ آور ہوئے۔ وہ آپ ﷺ کو مارتے تھے اور کہتے تھے کیا تو سب خداؤں کو ایک کر دے گا۔ آپ ﷺ بے ہوش ہو گئے۔ کسی نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا اپنے رفیق کی خبر لو۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوڑے ہوئے آئے اور کافروں کی بھیڑ میں گھس گئے کسی کو مارتے اور کسی کو ہٹاتے اور زبان سے یہ فرماتے۔ ”تم پر افسوس ہے کہ تم ایک عظیم الشان شخص کو اس لئے مارے ڈالتے ہو کہ اس کا کہنا یہ ہے کہ میرا رب اللہ ہے اور حال یہ ہے کہ وہ خدا کی جانب سے روشن دلائل تمہارے پاس لایا ہے۔

(۲) سب سے بڑی سمجھ یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ اے پروردگار تمام چیزوں کو پیدا تو نے کیا ہے اور ان کی واقعی حقیقت تو ہی جانتا ہے۔

(۳) مجھے تین چیزیں پسند ہیں۔ ایک یہ کہ میری لڑکی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں ہو، دوسرے یہ کہ میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں ہے، تیسرے یہ کہ میں ہر آن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کرتا رہوں۔

(۴) جب کافر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر جھپٹ پڑے۔ اتنا مارا کہ سر پھٹ گیا اور خون بہنے لگا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مار کھا رہے تھے اور زبان سے کہہ رہے تھے۔ ”اے عزت وجلال والے تیری ذات بہت بابرکت ہے۔“

(۵) آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ سے حبشہ جانا چاہتے تھے کہ قریش کے ایک سردار ابن دغنہ نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو روکا اور کہا کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میری پناہ میں رہیں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھر میں قرآن مجید کی تلاوت کر رہے تھے کہ کافروں نے ابن دغنہ سے کہا۔ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہو۔ قرآن نہ پڑھے۔ اس سے ہمیشہ یہ اندیشہ ہے کہ اس سے قرآن سن کر ہمارے عزیز بتوں سے بیزار اور توحید کے پرستار ہو جائیں گے ابن دغنہ نے حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ آپ اعلانیہ قرآن شریف نہ پڑھیں۔ اس پر حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔

"تمہاری پناہ تم کو مبارک، میں اللہ کی پناہ سے خوش ہوں۔"

(۶) غزوۂ بدر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رو رو کر خدا سے دعا کر رہے تھے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی اے اللہ کے نبی آپ ﷺ پر میرے باپ اور میری ماں قربان ہوں۔ بارگاہ الٰہی میں آپ ﷺ کی مناجات کامیاب ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو وعدہ تھا۔ اللہ تعالیٰ اسے عنقریب پورا فرمائے گا۔

(۷) آپ کے بیٹے عبدالرحمٰن پہلے کافر تھے، پھر مسلمان ہو گئے۔ انہوں نے کہا کہ اے والد محترم جنگ بدر میں آپ میری زد پر آ گئے تھے۔ لیکن میں نے بچا دیا۔ یہ سن کر حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا۔ "اگر تو میری زد پر آ جاتا تو میں کبھی نہ چھوڑتا"

(۸) فتح مکہ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ۹۳ سالہ والد ابوقحافہ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لائے کہ آپ ان کو تلقین اسلام فرمائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھ کر فرمایا۔ "تم نے شیخ (بڑے میاں) کو مکان پر رہنے دیا ہوتا میں خود ان کے پاس چلتا۔ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی!

"یارسول اللہ ﷺ انہی کو آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہیے تھا۔"

(۹) غزوۂ تبوک کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ سے چندہ طلب فرمایا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نصف مال خدا کی راہ میں دیدیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جو کچھ تھا۔ سب لا کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا۔ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بچوں کے لئے کیا

رکھا۔عرض کی!

"ان کے واسطے اللہ اور اس کا رسول رکھ لیا ہے۔"

(۱۰) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے زمانہ علالت میں ایک روز مسجد نبوی میں تشریف لائے اور منبر پر بیٹھ کر فرمایا۔ "اللہ نے اپنے بندوں میں سے ایک بندے کو اختیار دیا کہ وہ دنیا اور قرب الٰہی میں سے جسے چاہے پسند کرے۔اس نے اللہ کے قرب کو پسند کر لیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فراست ایمانی سے سمجھ گئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے وصال کا تذکرہ کر رہے ہیں۔رونے لگے اور کہا!

"ہم اپنا سب کچھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان کر دیں گے۔"

(۱۱) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال پر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حجرۂ مبارک پر پہنچے۔چہرۂ انور سے بردِ یمانی ہٹا کر پیشانی پر بوسہ دیا اور رو کر کہا۔

"آپ ﷺ پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔آپ ﷺ کی حیات اور آپ ﷺ کی وفات دونوں پاک ہیں۔جو موت آپ ﷺ کے حق میں اللہ نے لکھ دی تھی۔اس کا ذائقہ آپ ﷺ نے چکھ لیا اب آپ ﷺ کبھی وفات نہ پائیں گے۔"

(۱۲) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال پر حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ تقریر ارشاد فرمائی:۔

"اے لوگو! جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پوجتا تھا وہ سمجھ لے کہ حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہو گیا اور جو اللہ کو معبود مانتا ہے وہ جان لے کہ اللہ زندہ ہے، کبھی نہیں مرے گا۔"

(۱۳) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اوّلین خطبہ خلافت میں ارشاد فرمایا:

۱۔ اے لوگوں! مجھ کو امیر بننے کی حرص نہ کبھی دن میں تھی۔نہ رات میں۔

۲۔ اور نہ میرا میلان اس کی جانب تھا۔

۳۔ اور نہ میں نے چھپ کر یا ظاہر اس کے لیے اللہ سے دعا کی۔

۴۔ لیکن مجھ کو یہ خوف محسوس ہوا کہ کوئی فتنہ نہ کھڑا ہو جائے۔

۵- اور میرے لئے خلافت میں کسی قسم کی کوئی راحت نہیں ہے۔

۶- لیکن مجھ کو ایک ایسے امر عظیم کی تکلیف دی گئی ہے جس کے برداشت کرنے کی مجھ میں طاقت نہیں۔

۷- اور نہ وہ امر عظیم اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر قابو میں آ سکتا ہے۔

۸- یہ ایک حقیقت ہے کہ میں تمہارا امیر بنا دیا گیا ہوں۔

۹- میں تم سے بہتر نہیں ہوں۔

۱۰- اگر میں سیدھے راستہ پر چلوں تو میری مدد کر دو۔

۱۱- اگر میں بے راہ ہو جاؤں تو مجھے کو سیدھا کر دو۔

۱۲- صدق امانت ہے۔ اور جھوٹ خیانت ہے۔

۱۳- جو تم میں سے کمزور ہے۔ وہ میرے نزدیک قوی ہے۔ انشاء اللہ میں اس کا حق دلواؤں گا۔

۱۴- اور جو تم میں سب سے زیادہ قوی ہے۔ وہ میری نظر میں کمزور ہے۔ میں انشاء اللہ اس سے حق لے کر چھوڑوں گا۔

۱۵- جو قوم راہ حق میں جہاد چھوڑ دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو ذلیل کر دیتا ہے۔

۱۶- جس قوم میں بے حیائی کا رواج ہو جاتا ہے۔ اس پر عام طور پر عذاب الٰہی نازل ہو جاتا ہے۔

۱۷- میں جب تک اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کروں تم میری اطاعت کرو۔

۱۸- جب میں اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی کروں تو تم کو میری اطاعت نہیں کرنی چاہیے۔

۱۹- اب نماز کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔ اللہ تم پر رحم کرے۔

انتخاب خلیفہ کے سلسلے میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ خطبہ ارشاد فرمایا:-

واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی مخلوق کے پاس

رسول بنا کر اور ان کی امت کے واسطے راہنما بنا کر بھیجا۔ اس غرض کے لئے کہ بندے اللہ کی عبادت کریں اور اس کی توحید کا اقرار کریں۔ حالت یہ تھی کہ لوگ علیحدہ علیحدہ معبودوں کو اس خیال خام سے پوجتے تھے کہ وہ اللہ کے ساتھ ان کے شفیع بن کر نفع پہنچائیں گے۔ ان معبودوں کی حقیقت یہ تھی کہ وہ لکڑی اور پتھر سے تراش کئے گئے تھے جیسے کہ قرآن میں ارشاد ہے۔ وہ یہ کہ اللہ کے سوا دوسروں کی عبادت کرتے ہیں۔ حالانکہ معبود نہ ان کو نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان۔ اور وہ یہ کہتے کہ ہم ان کی عبادت اس لئے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں بارگاہ الٰہی سے زیادہ قریب کر دیں گے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عربوں کو اپنے باپ دادا کا دین چھوڑنا گراں گزرا۔

اس وقت اللہ نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قوم میں سے اوّلین مہاجرین کو یہ خصوصیت بخشی کہ انہوں نے آپ ﷺ کی تصدیق کی۔ وہ آپ ﷺ پر ایمان لائے۔ اسلام کی خدمت پر کمربستہ ہوئے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ انہوں نے سخت مصیبتیں جھیلیں۔ اس وقت تمام آدمی ان کو جھٹلاتے تھے اور دشمنِ جان ہو رہے تھے۔ وہ اس کے باوجود اپنی قلت اور دشمنی کی سختی سے نہ گھبرائے۔ لہٰذا یہ لوگ وہ ہیں جنہوں نے سب سے اول روئے زمین پر اللہ کی عبادت کی۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائے۔ اسی کے ساتھ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رفیق اور کنبہ والے ہیں۔ اور خلافت کے سب سے زیادہ حقدار ہیں۔ سوائے ظالم کے اس معاملے میں اس سے کوئی نزاع نہیں کر سکتا۔

اے گروہ انصار تمہاری دینی فضیلت اور اسلامی شرف سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔ تم کو اللہ نے اپنے دین اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد کے واسطے انتخاب کیا۔ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمہاری پناہ میں ہجرت کے بعد بھیجا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اکثر ازواج رضی اللہ تعالیٰ عنھن واصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنھم تم میں سے ہیں۔ لہٰذا مہاجرین اولین کے بعد تمہارا مرتبہ سب سے زیادہ ہے۔ پس ہم امیر ہیں۔ تم وزیر ہو۔ ہم تمہارے مشورہ کے بغیر کام نہیں کریں گے۔ آپ اپنے مشورہ پر ہٹ نہ کریں۔

حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جواب

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے وصال سے پیشتر ایک لشکر کی روانگی کا حکم دیا۔ اور

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس لشکر کا سردار مقرر فرمایا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ اس وقت مسلمانوں پر مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے۔ اس لشکر کی روانگی کو ملتوی کر دیا جائے۔

حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ جواب دیا۔

"قسم ہے اس کی جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ اگر مجھ کو یہ بھی گمان ہو تا کہ درندے مجھ کو اٹھا لے جائیں گے تو بھی بہ تعمیل حکم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لشکر ضرور بھیجتا۔ اگر بستیوں میں سوائے میرے ایک شخص بھی باقی نہ رہتا تو بھی روانگی کا حکم یقیناً دیتا۔"

غازی

اس لشکر کو حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روانہ کیا۔ حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھوڑے پر سوار تھے اور حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پاپیادہ اس کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سوار ہو جائیں یا مجھ کو پیدل چلنے کی اجازت دے دیں۔ جواب دیا۔ نہ میں سوار ہوں گا نہ تم کو پیدل چلنے کی اجازت ملے گی۔ اگر میں ایک ساعت راہ خدا میں اپنے قدم خاک کروں تو میری کیا شان جاتی ہے۔ غازی راہ خدا میں جو قدم اٹھاتا ہے اس کے بدلے میں اس کے سات سو درجے بلند کیے جاتے ہیں۔ سات سو گناہ معاف کیے جاتے ہیں سات سو نیکیاں نامۂ اعمال میں لکھی جاتی ہیں۔

دس حکم

آپ نے لشکر کو دس حکم ارشاد فرمائے۔

اے لوگو! کھڑے ہو جاؤ۔ میں تم کو دس حکم دیتا ہوں۔ ان کو میری جانب سے اچھی طرح یاد رکھنا۔

(۱) خیانت نہ کرنا، (۲) دھوکا نہ دینا، (۳) سردار کی نافرمانی نہ کرنا، (۴) کسی شخص کے اعضاء مت کاٹنا، (۵) کسی بچے، بوڑھے یا عورت کو قتل مت کرنا، (۶) کھجور یا کسی اور میوہ دار درخت

کونہ کاشانہ جلانا، (۷) بکری، گائے یا اونٹ کو غذا کی ضرورت کے سوا نہ مارنا، (۸) تم کو ایسے لوگ ملیں گے کہ جو عبادت گاہوں میں گوشہ گیر بیٹھے ہوں گے۔ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دینا، (۹) تم کو ایسے آدمی ملیں گے جو تمہارے پاس قسم قسم کے کھانے برتنوں میں رکھ کر لائیں گے جب تم ان کھانوں کو یکے بعد دیگرے کھاؤ تو خدا کا نام لیتے جانا، (۱۰) اور تم کو ایک ایسی قوم بھی ملے گی جن کے سر کے بال بیچ میں مندے ہوں گے اور پٹھے چھوٹے ہوں گے۔ ان کو تازیانہ کی سزا دینا خدا کا نام لے کر روانہ ہو جاؤ۔ خدا تم کو دشمن کے حربوں اور طاعون کے حملے سے محفوظ رکھے۔

زکوٰۃ

عربوں کی ایک جماعت نے عرض کی۔ ہم سے نماز پڑھوا لو۔ مگر زکوٰۃ معاف کر دو۔ ان کا پیام سن کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مشورہ کیا۔ سب نے یہ کہا کہ نرمی مناسب وقت ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ رائے دی۔ اے خلیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم آپ ان لوگوں کے ساتھ تالیفِ قلوب اور نرمی کا برتاؤ کیجئے۔ اس پر حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ یہ کیا ہو گیا تم جاہلیت کے زمانے میں تو بڑے سرکش تھے۔ مسلمان ہو کر ذلیل و خوار بن گئے۔ وحی کا سلسلہ قطع ہو گیا ہے۔ دین کمال کو پہنچ چکا ہے۔ کیا میری زندگی میں اس کی کاٹ چھانٹ کی جائے گی۔ واللہ اگر فرض زکوٰۃ میں سے رسی کا ایک ٹکڑا دینے سے بھی لوگ انکار کریں گے تو میں ان سے جہاد کروں گا۔

گناہوں سے خبردار رہو

یرموک کی جنگ کے موقعہ پر آپ نے فوج کو یہ نصیحت تحریر فرمائی۔

"سب جمع ہو کر ایک لشکر بن جاؤ اور مشرکوں کی صفیں مسلمانوں کی فوج سے الٹ دو۔ اس کا یقین رکھو کہ تم اللہ کے مددگار ہو اور اللہ اپنے مددگار کو فتح دیتا ہے اور جو اس کا منکر ہو۔ اسے رسوا کر دیتا ہے۔ تم سا گروہ قلت کی وجہ سے مغلوب نہیں ہو سکتا۔ حقیقت حال یہ ہے کہ ہزاروں کی جمعیت اگر گناہ کی راہ اختیار کرے تو بے دست و پا ہو جاتی ہے۔ لہٰذا واجب ہے کہ گناہ سے خبردار رہو اور مقام یرموک میں اپنے اپنے نشان کے نیچے جمع ہو جاؤ ہر امیر لشکر اپنے آدمیوں کے ساتھ نماز ادا کرے۔

طبیب دیکھ چکا

شدت مرض میں بعض آدمیوں نے کہا۔ طبیب طلب کر لیا جائے۔ جواب دیا طبیب دیکھ چکا۔ پوچھا کیا کہا۔ فرمایا۔ اس کا قول ہے۔

"میں جو ارادہ کر لیتا ہوں کر ڈالتا ہوں۔"

نرمی اور سختی

آپ نے بعد مشورہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا جانشین مقرر کرنے کی تجویز کی۔ بعض نے کہا حضور رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے سخت مزاج ہیں۔ فرمایا۔ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سختی اس وجہ سے تھی کہ وہ میری نرمی سے واقف تھے۔ میرا تجربہ ہے کہ جب میں غصہ ہوتا تو وہ غصہ فرو کرنے کی کوشش کرتے نرمی دیکھتے تو سختی کا مشورہ دیتے۔

عہد نامہ

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جانشین مقرر فرمایا اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو طلب کر کے یہ عہد نامہ لکھوایا۔

"یہ عہد نامہ ابو بکر بن ابی قحافہ کی آخری زندگی کا ہے جبکہ وہ دنیا سے سفر کر رہا ہے اور عالم آخرت کے داخلہ کی پہلی ساعت ہے۔ جہاں کافر، مومن، بدعقیدہ، عقیدت مند اور جھوٹا صداقت شعار ہو جاتا ہے۔ میں نے عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا ولی عہد کیا۔ لہٰذا ان کا حکم مانو۔ خوب سمجھ لو کہ اس بات میں خدا، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اس کے دین کی خود اپنی اور تمہاری خیر خواہی کا حق ادا کرنے کی پوری کوشش کی ہے۔ اگر وہ عدل کریں گے جیسا کہ میرا بھی خیال ہے اور علم ہے اگر وہ بدل گئے تو ہر شخص اپنے عمل کا پھل پائے گا۔ نیت میری بخیر ہے غیب کا علم نہیں۔"

جو لوگ ظلم کریں گے وہ جلد دیکھ لیں گے کہ وہ کس پہلو پر پلٹا کھائیں گے اور تم پر سلام ہو اللہ کی رحمت ہو، برکتیں ہوں۔

ایک شخص معترض ہوا۔ فرمایا۔

"کیا تم مجھ کو خدا کے لئے ڈراتے ہو، میں جس وقت اللہ کے سامنے جاؤں گا تو کہوں گا کہ

میں تیری امت سے بہتر بندہ کو اپنا جانشین مقرر کر آیا ہوں۔"

آخری دعا

اے اللہ میں نے یہ انتخاب صرف مسلمانوں کی بہتری کے ارادے سے کیا ہے اور اس اندیشہ سے کہ ان میں فتنہ نہ ہو۔ میں نے وہ عمل کیا ہے جس کو تُو بہتر جانتا ہے میں نے خوب غور و فکر کے بعد رائے قائم کی ہے۔ بہترین اور قوی ترین شخص کو ذی عہد کیا ہے۔ جو سب سے زیادہ مسلمانوں کی راست روی کا خواہش مند ہے۔ میرے لئے کوچ کا حکم آچکا ہے اور میں ان کو تیرے سپرد کرتا ہوں۔ وہ تیرے بندے ہیں۔ اور ان کی باگ تیرے ہاتھ میں ہے۔ اے اللہ ان کے حاکموں کو صلاحیت دے اور ذی عہد کو خلفائے راشدین کے زُمرہ سے کر اور اس کی رعیت کو خلافت بخش۔

فضل و کمال

آپ اسلامی تعلیمات کا پیکر اور محاسن رسالت کے پر تاثیر عکس تھے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قرآن اور حدیث کے بڑے عالم تھے۔ تقریر میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کمال حاصل تھا۔ چنانچہ نماز جمعہ سے پہلے خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ اس کی تازگی اور اثر سے حاضرین پر ہمیشہ ایک خاص کیفیت طاری رہتی تھی۔ مسائل کے باریک نکتے نہایت آسانی سے لوگوں کو سمجھادیا کرتے تھے۔

قرآن جمع کرنے کا خیال

قرآن و حدیث جمع کرنے کا خیال سب سے پہلے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کو آیا۔ چنانچہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کے عہد میں نہایت تحقیق اور پوری کدوکاوش کے ساتھ قرآن لکھا گیا۔ بڑی تحقیق کے بعد پانچ سو حدیثیں جمع کیں۔ آپ کی زندگی قرآن و حدیث کی عملی تفسیر تھی۔ اس وجہ سے آپ کو خاص کامیابی حاصل ہوئی۔

علم تعبیر رویا

خواب کی تعبیر بیان کرنے میں بھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خاص ملکہ حاصل تھا۔ چنانچہ جو تعبیر وہ بیان کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ اسے پورا کر دیتا تھا۔

حلیہ مبارک

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رنگ زردی مائل سپید اور جسم دبلا پتلا تھا۔ پیشانی بلند آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی اور رخساروں پر گوشت بہت کم تھا۔ چہرے پر اکثر پسینہ آتا رہتا تھا۔ بالوں کو مہندی سے رنگتے تھے۔

اخلاق و عادات

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے پرہیزگار اور سخی تھے۔ اسلام اور مسلمانوں کی خدمت اور بہتری کے لئے اپنی جائیداد کی آخری چیز تک بخوشی قربان کر دی تھی۔ اپنی یہ حالت تھی کہ عبا میں بٹنوں کی جگہ ببول کے کانٹے ٹانک کر گزارہ کر لیتے تھے۔ آپ کی شان میں ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے ہر شخص کے احسان کا بدلہ دنیا میں ادا کر دیا ہے لیکن ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے احسانات مجھ پر باقی رہ گئے۔ ان کا بدلہ قیامت کو اللہ تعالیٰ دے گا۔

ایفائے عہد

وعدہ کو پورا کرنے والے اور حلیم الطبع تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے انہیں ایسا عشق تھا کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر رہنے کے لئے دنیا کے کاروبار کی کبھی پرواہ نہ کرتے تھے اور ہر ایک نیک کام میں دلی شوق سے سبقت حاصل کرنا چاہتے تھے۔

تقویٰ

تقویٰ، زہد، عقل اور متانت میں متفقہ شہرت حاصل تھی۔ اکثر راتوں کو کمزوروں کی خدمت کرتے۔ یا یادالٰہی میں رات بھر روتے رہتے۔

خدمت خلق

خلافت سے پہلے اور خلافت کے بعد ہمیشہ آپ کا یہ دستور رہا کہ آپ مدینہ کے ہمسایوں کی بکریاں تک چرالایا کرتے تھے۔ دودھ، دوہ دیا کرتے تھے جب خلیفہ ہو گئے تو ان لوگوں نے کہا کہ کیا اب آپ ہمارے کام نہ کیا کریں گے تو آپ نے جواب دیا کہ ضرور کیا کروں گا۔ چنانچہ خلیفہ ہو جانے کے بعد بھی لوگوں سے دریافت کیا کرتے تھے کہ بکریاں چرانی ہیں یا دودھ دوہنا ہے؟ محلہ بھر

کا سودا سلف خود ہی لادیا کرتے تھے۔ روزی کا یہ حال تھا کہ خلافت کے پہلے چھ سال تک کپڑوں کی گٹھڑیاں کندھوں پر اٹھا کر گلیوں اور بازاروں میں بیچا کرتے تھے لیکن جب خلافت کے کاموں سے مصروفیت کے باعث یہ کام بھی چھوڑ دینا پڑا تو مسلمانوں کی رائے سے بہت قلیل وظیفہ بیت المال سے لینا شروع کیا۔

امانت

ایک موقعہ پر آپ کی بیوی نے شیرینی کی فرمائش کی۔ فرمایا۔ بیت المال اس غرض کے لئے نہیں۔ ان کی بیوی صاحبہ نے روزانہ خرچ سے کچھ بچا کر چند روز بعد کچھ شیرینی منگالی۔ جناب صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دریافت کرنے پر جب انہیں معلوم ہوا کہ اس قدر رقم کی بچت ہو سکتی ہے تو بیت المال سے اپنا وظیفہ کم کرالیا۔ انہیں فضائل کی وجہ سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام لوگوں بلکہ انبیاء کے بعد کل بنی نوع انسان سے افضل اور برتر تسلیم کیے گئے۔ فتنہ ارتداد کو جس اولوالعزمی اور دانش مندی کے ساتھ تھوڑی مدت میں انہوں نے رفع کر دیا وہ ان کی اس عظمت کا زندہ ثبوت ہے جو ان کو دوسرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر حاصل تھی۔

مبارک اقوال

فرمایا، مجھ کو دنیا میں تین چیزیں محبوب ہیں۔

(۱) رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف دیکھتے رہنا، (۲) رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف اپنا مال صرف کرتے رہنا، (۳) رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عقد میں میری بیٹی کا ہونا۔

آپ نے ایک بار خطبہ میں فرمایا۔ لوگو! خدا سے شرم کرو۔ خدا کی قسم جب میں قضاء حاجت کو جاتا ہوں تو اللہ تعالیٰ سے شرم کی وجہ سے سر ڈھانک لیتا ہوں۔ ابن عساکر کی روایت ہے کہ جب آپ کسی کی تعزیت کو جاتے تو فرماتے صبر کرنے سے مصیبت دور ہو جاتی ہے اور جزع فزع سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ موت اپنے پہلے حال کی نسبت تو سخت ہے۔ مگر بعد کے لحاظ سے نہایت آسان۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کو یاد کر لیا کرو۔ تمہاری مصیبت کم ہو جائے

کی اور خدا تعالیٰ تمہارا اجر زیادہ کرے گا۔ فرمایا کرتے لوگو آؤ میرے ساتھ عبادت میں مصروف ہو۔ تاکہ صبح ہو جائے۔ ایک مرتبہ آپ کے غلام نے لاعلمی میں ایک مشتبہ چیز آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کھلادی۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے معلوم کیا تو فوراً منہ میں انگلی ڈال کرتے کر دی اور فرمایا۔ مشتبہ چیز کھانا دوزخ کی آگ ہے۔ فرماتے کہ دنیا سے اہل خیر اور نیک لوگ مرتے جائیں گے۔ یہاں تک کہ جو رہ جائیں گے وہ کھجور یا جو کے پس خوردہ کی مانند ہوں گے۔ خدا ان کی پرواہ نہ کرے گا۔

ایک بار آپ ایک باغ میں تشریف لے گئے۔ ایک پرندہ دیکھ کر فرمایا۔ کاش ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تجھ جیسا ہوتا کہ چرتا ہے، آرام کرتا ہے، مگر تجھ سے کوئی سوال جواب خدا کے ہاں نہ ہوگا۔

امام احمد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجاہد نے فرمایا۔ جب آپ نماز کو کھڑے ہوتے تو ستون کی طرح بے حس و حرکت ہو جاتے۔ فرمایا کرتے کاش! ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ درخت ہوتا جس کو جانور کھا جاتے یا لوگ کاٹ ڈالتے۔

علم و عمل: علم بغیر عمل کے بے کار ہے۔ عمل بغیر علم کے بے کار ہے۔

علماء و امراء: بُرے ہیں وہ علماء جو امراء کے دروازے پر جائیں۔ اچھے ہیں وہ امراء جو علماء کے پاس جائیں۔

بعد از نبی ﷺ بزرگ توئی قصہ مختصر

اے عابد و مجاہد و سلطانِ بحر و بر
صدیقؓ و ہم رکابِ نبی ﷺ در سفر حضر
اے میر و اے فقیر و وزیرِ شہِ امم ﷺ
اے اولین خضر راہِ سید البشر
نزد کلام پاک و بروئے خبر اثر
بعد از نبی ﷺ بزرگ توئی قصہ مختصر

مسلم

ارشادات رفیق ﷺ درباب صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۔ میں نے سب کے احسانات کا بدلہ اتار دیا لیکن میں صدیق کا بدلہ نہیں اتار سکا۔

۲۔ ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے میری رسالت کا اس وقت اقرار کیا جب کہ دوسروں نے انکار کیا۔

۳۔ مجھ کو کسی کے مال نے اتنا فائدہ نہیں پہنچایا جتنا ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مال نے فائدہ پہنچایا ہے۔

۴۔ ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تم جس طرح دنیا میں میرے رفیق غار رہے۔ آخرت میں حوض کوثر پہ میرے مصاحب ہوگے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ کا اسم مقدس عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور لقب فاروق ہے۔ آپ کا سلسلہ نسب آٹھ واسطوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسب سے جاملتا ہے۔

(۱) آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دعوئے نبوت کے چھٹے سال میں مسرف باسلام ہوئے۔ تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں یہ عزت آپ کو حاصل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا سے سلک توحید کے گوہر بے بہا بنے۔ آپ نے دعا فرمائی۔ اللّٰھُمَّ اعزالاسلام باحب ھذین الرجلین بعمر بن الخطاب ، او بابی جھل بن ھشام۔

خداوند! ان دونوں شخصوں خطاب کے بیٹے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ہشام کے بیٹے ابوجہل میں سے جو تجھے محبوب ہو اس کے مسلمان ہونے کی وجہ سے اسلام کو غلبہ عنایت فرما۔ اللہ تعالیٰ نے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں قبول فرمائی۔ اسلام کی تاریخ ظاہر کرتی ہے کہ جہاں ابوجہل آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتہائی دشمن تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ شمع نبوت کے پروانے تھے۔ آپ کو بارگاہ رسالت سے فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خطاب ملا۔ پرلے درجے کا کافر وہ ہے جس کا کفر ابوجہل کے کفر کا آئینہ ہو اور ممتاز ترین مسلمان وہ ہے جس کا ایمان حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایمان سے ملتا جلتا ہو۔

(۲) ان کا وجدان ترجمان قرآن تھا۔ بہ فیض آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فراست ایمانی کی قدر و وقعت ذات باری کی جناب میں یہاں تک تھی کہ اکیس مرتبہ ان کی رائے۔ ان کی تجویز اور ان کی قرارداد کی تائید میں قرآن مجید کی آیات نازل ہوئی۔ بطور مثال چند امور یہ ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے یہ تھی کہ خانہ کعبہ کے طواف سے فارغ ہونے کے بعد دو رکعت تحیۃ الطواف مقام ابراہیم کے پیچھے پڑھنی چاہیے۔ نہ تمام میں اور نہ تمام عرفات میں۔ اس پر یہ آیۂ مبارکہ نازل ہوئی۔

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِیْمَ مُصَلّٰی۔ آپ کی تجویز یہ تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن (اپنی ازواج پاک) کو پردے میں رہنے کا حکم فرمائیں تو بہتر ہو۔ اس پر خداوند تعالیٰ نے آیہ حجاب (پردے کی آیت) نازل فرمائی۔ قرن فی بیوتکن۔ "اے ازواج نبی اپنے گھروں میں باذن بیٹھی رہو" آپ کی قرارداد یہ تھی کہ ان کفار کو جو غزوہ بدر میں قید ہوئے ہیں ان کی انتہائی اسلام دشمنی اور فساد ارزانی کے باعث قتل کر دیا جائے۔ قرآن مجید نے اس کی تائید فرمائی جنگ بدر میں جاتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مشورہ کیا کہ حملہ آوروں سے مدینہ میں رہ کر لڑنا چاہئے یا مدینہ سے باہر نکل کر۔ قرآن مجید کی تصریح یہ ہے کہ یہ رائے صایب تھی۔ تحریم خمر (شراب کے حرام قرار دیئے جانے) کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جناب الٰہی میں اس طرح دعا کی۔ "اللّٰھم بین لنا فی الخمر بیانا شافنا"۔ اے پروردگار شراب کے باب میں ہمارے لئے صاف صاف بیان فرمادے۔ اس پر یہ حکم نازل ہوا۔

اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْس "مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطَانِ فَاجْتَنِبُوْہُ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ شراب اور جوا اور بت اور پانسے، ان میں کا ہر ایک کام تو بس ناپاک شیطانی کام ہے۔ تم اس سے بچے رہو۔ تا کہ فلاح پاؤ۔

(۳) آپ نے اپنے اسلام کو بڑی دلیری کے ساتھ ظاہر کیا۔ اب تک جو شخص اسلام لاتا تھا۔ مخالفوں کے ڈر سے اسے چھپاتا تھا۔ حضرت عبداللہ مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ واللہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فاروق کا اسلام ہمارے حق میں فتح۔ ان کی ہجرت ہمارے لئے نصرت اور ان کی خلافت ہمارے لئے رحمت تھی۔

(۴) مدینہ منورہ میں بھی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوری جرأت سے اسلام کا اظہار کیا اور کفار قریش کو اپنی آبدار تیغ کے جوہر دکھائے۔

(۵) یہ ایک حقیقت ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مخلصانہ و مجاہدانہ کوششوں سے ملت اسلامیہ کو جو فروغ اور عروج حاصل ہوا۔ اس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی۔ اس باب میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقام بے مثال ہے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تمام کمالات تعلیم نبوی ﷺ کی وجہ سے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے اپنے اس مخلص تلمیذ اور ارادت کیش کے حق میں فرمایا۔

وکان بعدی نبی "لکان عمر بن الخطاب"۔ اگر میرے بعد کسی نے نبی بنائے جانے کا امکان ہوتا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے مستحق تھے کہ ان کو نبی بنایا جائے۔

(۶) آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جرأت ایمانی نے اس اختلاف کو دور کیا کہ جو انتخاب خلیفہ کے وقت رونما ہوا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔ یا عمر البسط یدك لا یا یعلك۔ اے عمر ہاتھ پھیلا میں تیری بیعت کروں لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا (فقال له عمر) انت افضل منی۔ آپ مجھ سے افضل ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوراً بیعت کرلی۔

(۷) آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تحریک سے قرآن مجید کی جمع و تالیف کا کام شروع کیا تھا۔ ایک جنگ میں سات ۷۰۰ سو حافظ قرآن شہید ہو گئے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مشورہ دیا کہ آپ قرآن کو ایک مصحف میں جمع کرنے کا اہتمام کریں۔ ایران۔ شام اور مصر کی فتوحات آپ کے زمانے میں ہوئیں۔ ان ممالک میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اقدامی اعمال سے اثر پذیر ہو کر تہذیب اسلامی کو اپنا شعار بنالیا اور یہ ممالک اسلامی اقالیم بن گئے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلام کے اشد ترین دشمنوں اور وقت کے جابروں، قیصر روم اور ایران کے کسریٰ کی تمام قوت کو پارہ پارہ کر دیا۔ ایران کے آتش کدے بجھ گئے۔ توحید کی صدائیں اس شان سے بلند ہوئیں کہ آسمان کے قدسی خوش ہو گئے۔ کفر کے چراغ گل ہوئے۔ اور اسلام کا نور پوری آب و تاب سے درخشاں و فروزاں و تاباں ہو گیا۔

(۸) آپ کے عدل کے سامنے نوشیروان کا عدل ماند پڑ گیا۔

(۹) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح کیا کہ شیطان حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سائے سے بھاگتا ہے۔

(۱۰) آپ کی فتوحات اس حقیقت کا روشن ثبوت ہے کہ سب سے بڑی بڑی قوت ایمانی قوت اور اخلاقی طاقت ہے۔

(۱۱) آپ کا خاص وصف یہ بھی ہے کہ آپ نے واقعی "امیر" ہونے کے باوجود ایک بے نظیر "فقر" کی زندگی بسر کی۔ آپ نے مسلم و غیر مسلم کے حقوق، مال و جان و آبرو کا ایسا اہتمام کیا کہ جس سے اغیار و اجانب کو بھی یہ اعتراف کرنا پڑا کہ انسانیت کے حق میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم کے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم پیکر رحمت تھے۔ اور وہ بلاریب رحمتہ العالمین کے مظہر تھے۔

حضرت مسیح علیہ السلام کا ارشاد ہے۔ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ شجر نبوی کے ایک پھل تھے۔ آپ کو فاروق اعظم، فاتح اعظم، مدبر اعظم، شریعت و اسلام کا خادم اعظم، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیض نظر نے بنایا۔ سچ ہے۔

درخشانی نے تری قطرے کو دریا کر دیا
دل کو روشن کر دیا، آنکھوں کو بینا کر دیا
خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے رہبر بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کر دیا

ارشادات فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

راز: آپ اپنے اختیار میں رہنا چاہو تو اپنا راز چھپائے رکھو۔

ڈرتے رہو: جس کی طرف سے تمہارے دل میں نفرت ہو اور بغض ہو اس سے ڈرتے رہو۔

عقلمند: جو شخص اپنے افعال کی توضیح و توشیح اچھی طرح کر سکتا ہو وہ سب سے زیادہ عقلمند ہے۔

قوت عمل: آج کے کام کو کل پر ہرگز نہ چھوڑو۔ قوتِ عمل اسی کا نام ہے۔

دولت: دولت سر اونچا کئے بغیر نہیں رہتی۔

پیچھے: پیچھے ہٹی ہوئی چیز پھر آگے نہیں بڑھتی۔

واقف نہیں: جو برائی سے بالکل واقف نہیں، وہ برائی میں مبتلا ہوگا۔

اندازہ: مجھے سائل کی عقل کا اندازہ معلوم ہو جاتا ہے۔

فکر: دوسروں کی فکر میں اپنے آپ کو نہ بھول جایا کرو۔

دنیا: تھوڑی سی دنیا اختیار کرو۔ تو آزادانہ بسر کر سکو گے۔

توبہ کرنا: گناہ ترک کر دینا آسان ہے مگر توبہ کرنا مشکل کام ہے۔

داروغہ: بددیانت اور خائن پر میں نے اپنے دو داروغہ آب و گل متعین کر رکھے ہیں۔

صبر و شکر: اگر صبر و شکر دو سواریاں ہوتیں تو میں اس کی کچھ پرواہ نہ کرتا کہ دونوں میں سے کس

پر سوار ہوں۔

بھلا کرے: خدا اس شخص کا بھلا کرے جو میرے عیب مجھ پر ظاہر کردے۔

امانت: امانت اس کا نام ہے کہ ظاہر و باطن میں باہم مخالفت نہ ہو۔

زر: زر سے بچنے کا نام ہی پرہیز گاری ہے۔

اللہ سے ڈر: جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اسے بچاتا ہے۔

علم: اے لوگو علم حاصل کرنا فرض ہے علم ایک چادر ہے جو خدا طالب علم کو اُڑھاتا ہے۔

موت: جو عالم حلال و حرام کی خبر رکھتا ہو، اس کی موت ان ہزار عابدوں کی موت سے زیادہ اندوہناک ہے۔ جو قائم اللیل اور صائم النہار ہوں۔

منافق: میں مسلمانوں کے حق میں کسی بات کو اتنا خوفناک نہیں سمجھتا کہ ایک منافق کو جس کا علم اس کی زبان پر ہو اور دل جاہل ہو۔

ناموری: ناموری اور مشیخت اور ریا و سرکشی کے لئے علم حاصل کرنا فضول ہے۔ جب حاصل کرنے پر مستعد ہو جاؤ تو پھر اس کی طلب میں شرمانا بے وقوفی ہے۔

سرداری: عقل کے بغیر سرداری اور بادشاہی نہیں ہو سکتی۔

علم نجوم: علم نجوم کو بحر و بر میں راہ تلاش کرنے کیلئے سیکھو۔ اور کسی غرض سے نہ سیکھنا۔

تعریف: کسی کی تعریف کرنا اسے ذبح کر ڈالنا ہے۔

ہیبت: زیادہ ہنسنے والے کی ہیبت کم ہو جاتی ہے اور تمسخر کرنے والے کو لوگ خفیف سمجھنے لگتے ہیں۔

مردہ دل: زیادہ گو میں غصہ بھی زیادہ ہی ہوتا ہے اور غصیل آدمی کم لحاظ ہوتا ہے اور کم لحاظ پرہیز گار نہیں ہو سکتا اور جو پرہیز گار نہیں وہ مردہ دل ہے۔

گمراہی: کوئی گمراہی اس سے بڑھ کر نہیں ہو سکتی کہ آدمی دوسروں پر وہ تہمت دھرے جس کا مرتکب خود بھی ہوتا ہے اور جو عیب اپنے میں ہو ان کی بابت اوروں کو مطعون کرتا پھرے اور فضول باتوں میں وقت ضائع کرے۔

مخلصی: جو شخص حرص و طمع ہوا اور ہوس اور غضب سے بچا۔ اس نے مخلصی پائی۔

امام: امام کے علم سے زیادہ کوئی علم اللہ کو پیارا اور خلق کو نفع بخش نہیں اور امام کی جہالت سے زیادہ

بُری اور مضر کوئی شے نہیں۔

سلام: مسلمانوں کی تواضع یہ ہے کہ پہلے دوسرے کو سلام کرے مجلس میں کمتر جگہ بیٹھے اور خوشامد کو بُرا سمجھے۔

فقر و غنا: طمع فقر ہے اور بے غرضی غنا ہے۔

رحمت: اس شخص پر خدا رحمت کرے جو اپنے بھائی کو اس کے عیبوں سے مطلع کر دے۔

فاجر: فاجر کی صحبت میں نہ بیٹھو۔ نہ اپنا راز اس پر ظاہر کرو۔

مشورہ: نیک آدمیوں سے مشورہ لے لیا کرو۔

حساب: اپنے نفسوں سے حساب لیا کرو۔ پیشتر اس سے کہ تم سے حساب لیا جائے۔

توبہ: توبتہ النصوح کے معنی یہ ہیں کہ برے کام سے ایسی توبہ کی جائے کہ آدمی پھر اس کی طرف رُخ نہ کرے۔

حاکم: سعید وہ حاکم ہے جس کی رعیت سعید ہو۔

تجربہ کار: مضبوط ارادہ والا اور تجربہ کار آدمی اللہ کے حکم کو لوگوں میں قائم کر سکتا ہے۔ یہ ایسا ہونا چاہئے جسے لوگ فاسق و بدکار نہ جانتے ہوں جو حق پر عمل کرنے میں کسی بڑے آدمی سے یا کسی کی ملامت سے نہ ڈرتا ہو۔

نیک بیوی: ایمان باللہ کے بعد سب سے اچھی چیز نیک خلق محبت کرنے والی مصاحب اولاد اور نیک بیوی ہے۔ کفر کے بعد سب سے بُری چیز بد خلق اور زبان دراز عورت ہے۔

اچھا پہلو: اپنے بھائی مسلمان کی بات کو جب تک تمہیں اس میں کوئی اچھا پہلو نظر آوے شرارت نہ سمجھو۔

تین چیزیں: تین چیزیں تیری دوستی کو تیرے بھائی کے دل میں پختہ کر سکتی ہیں۔ جب وہ تیرے سامنے آئے۔ سلام کرنے میں سبقت کر۔ اس کو پسندیدہ نام سے بلایا کر۔ جب وہ تیرے پاس آئے اپنی مجلس میں اس کے لئے جگہ فراخ کر دیا کر۔

کنبہ کے ساتھ: میں پسند کرتا ہوں کہ آدمی اپنے کنبے والوں کے ساتھ بچوں کی طرح رہے اور کاروبار مَردوں کی طرح کرے۔

تین قسم کے آدمی: آدمی تین قسم کے ہوتے ہیں۔ اول کامل، جو صاحب الرائے ہوتے ہیں

مگر لوگوں سے مشورے بھی لیتے ہیں اور ان کی راؤں کو تول کر اور ان پر غور کر کے عمل کرتے ہیں، دوم کاہل جو خود رائے ہوتے ہیں اور دوسروں سے مشورہ نہیں لیتے ہیں، سوم لاشے جو نہ خود عقلمند ہوتے ہیں نہ دوسرے سے رائے لیتے ہیں۔

منافق: خشوع دل سے ہوا کرتا ہے جو آدمی لوگوں کے دکھانے کے لئے اپنا خشوع ظاہر کرے وہ منافق ہے۔

عقل: کسی کے نماز روزے کی طرف نہ دیکھا کرو۔ تمہیں اس کی عقل اور سچ کی طرف نظر رکھنی چاہیے۔

عزت: آدمی کی عزت اس کا دین ہے اور اس کا حسب اس کا خلق ہے چاہے وہ فارسی ہو یا قبطی یا ہندی ہجرت برے آدمی کے ملنے سے ہجرت کر جانے میں آرام ہے۔

جاہل اور دوزخی: جو شخص اپنے منہ سے کہے کہ میں عالم ہوں اسے جاہل سمجھو۔ جو خود اپنے کو بہشتی بتائے وہ دوزخی ہے۔

زادراہ: گیت، سوار کا زادراہ ہے۔

کامل آدمی: سات سال میں لڑکے کے دانت نکلتے ہیں۔ چودہ برس کا ہو کر بالغ ہو جاتا ہے۔ اکیس برس کی عمر میں قد پورا ہوتا ہے۔ اٹھائیس سال میں پوری عقل آتی ہے اور ۴۰ برس کا ہو کر کامل آدمی بنتا ہے۔

بچتے رہنا: حرص کی پیروی سے بچتے رہنا کیونکہ پھر پے در پے خواہشیں آنی شروع ہوں گی اور تمہیں اپنا پیچھا چھوڑانا مشکل ہوگا۔

لکھ لیا کرو: زاہدوں کی باتیں لکھ لیا کرو۔ اللہ ان پر فرشتے مقرر کر دیتا ہے جو ان کے منہ پر ہاتھ دھرے رہتے ہیں اور کوئی خلاف بات اس سے نکلنے نہیں دیتے۔

قرآن کی تفسیر: قرآن کی تفسیر کم کیا کرو۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی تھوڑی روایت کیا کرو۔ ان دونوں باتوں میں، میں بھی تمہارا شریک ہوں۔

احمق کی دوستی: احمق نفع کے ارادہ سے بھی نقصان دے بیٹھتا ہے۔ اس کی دوستی سے بچتے رہنا۔

واپس نہیں آتیں: چار چیزیں واپس نہیں آتیں۔ منہ سے نکلی ہوئی بات، امر واقع شدہ، کمان سے گزرا ہوا تیر، گئی ہوئی عمر۔

تکیہ کلام: اللہ اکبر آپ کا تکیہ کلام تھا۔

دوست: جو شخص تمہارے عیب تم پر ظاہر کرتا ہے اسے سب سے بڑا دوست سمجھو۔

قیامت: اللہ سے ڈرنے والوں میں غصہ کہاں۔ جس چیز کو اس کا دل چاہے گا اسے نہ کرے گا۔ اگر قیامت نہ ہوتی تو لوگ اس کے خلاف کرتے جو تم دیکھ رہے ہو۔

آسان: اپنے نفس کو تولا کرو قبل اس کے کہ وہ تولا جائے۔ یہ آسان ہے تمہارے کل کے حساب سے۔

خوف: اگر مجھے خوفِ حساب نہ ہوتا تو میں روز دنبے بھنوا بھنوا کر کھایا کرتا۔

خدا سے ڈر: اے ابن خطاب! خدا سے ڈرتا رہ۔ ورنہ عذاب الٰہی میں گرفتار ہوگا۔

موت اچھی تھی: اگر دنیا میں تین باتیں نہ ہوتیں تو زندگی سے موت اچھی تھی۔ اول جہاد کے لئے سفر کرنا، دوسرے اللہ کے واسطے سجدہ میں پیشانی رکھنا، تیسرے ان لوگوں کی ہم نشینی جو عمدہ کلام سن کر اس پر عمل کرتے ہیں۔

نماز: جو شخص نماز کو ضائع کرے وہ دیگر حقوق و فرائض الٰہی کو زیادہ ضائع کرے گا۔

دنیائے فانی: ایک روز چند آدمیوں کے ہمراہ جناب فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ چلے جاتے تھے ایک ایسی جگہ گزر ہوا۔ جہاں بہت سی نجاست پڑی ہوئی تھی۔ لوگوں کو بدبو سے بڑی پریشانی ہوئی۔ آپ وہاں کھڑے ہوگئے اور فرمایا کہ دیکھو یہ تمہاری دنیا ہے۔ جس کی تم حرص کرتے ہو۔ مجھے خوب تحقیق ہوگیا ہے کہ دنیا کی طرف توجہ کرنا آخرت کو نقصان پہنچاتا ہے اور آخرت کی طرف توجہ کرنا دنیا کے لئے مضر ہے۔ جب یہ حال ہے تو دنیائے فانی کو نقصان پہنچاؤ اور اسے چھوڑ دو۔

راحت: دنیا کی طرف سے بے رغبتی اختیار کرلینا دل و جسم کی راحت کا سامان ہے۔

پرواہ نہیں: میں اس کی ذرہ بھر بھی پرواہ نہیں کرتا کہ میری فقیری میں گزرے یا امیری میں۔ کیونکہ معلوم نہیں کہ کس میں بہتری ہے۔

درجہ بڑھتا ہے: ہر ایک بلا میں اللہ کی چار نعمتیں ہوتی ہیں۔ اوّل دین میں درجہ بڑھتا ہے، دوسرے اس سے بڑی کوئی مصیبت سر سے ٹل جاتی ہے، تیسرے خدا کی مرضی پر راضی ہونے کا موقع ملتا ہے، چوتھے اس پر ثواب کی امید ہوتی ہے۔

عالموں کی صحبت: عالموں کی صحبت میں بیٹھا کرو۔ ان کی صحبت دل میں اثر کرتی ہے اور بڑے

بڑے گناہوں کی معافی کا سامان ہو جاتا ہے۔

دوست: خالص دوست نعمت غیر مترقبہ ہے۔ اگر تمہاری خوش قسمتی سے تمہیں نصیب ہو جائے تو اسے غنیمت سمجھو۔

عاجز: صرف فاسق و فاجر یا عاجز ہی نکاح سے باز رہ سکتا ہے۔

غلط رائے: اکثر عورتوں کی رائے غلط ہوتی ہے۔ اس لئے ان کے خلاف کام کیا کرو کہ ان کے خلاف میں برکت ہے۔

اہل ایمان: اچھے اخلاق والے کو اہل ایمان میں کامل سمجھو۔ وہ اپنے گھر والوں پر بہت مہربان ہوتا ہے۔

طلب رزق: طلب رزق میں کبھی کاہلی نہ کرنا کیونکہ آسمان سے سونا چاندی نہیں برس سکتا۔

تمنا: میری تمنا ہے کہ میری موت ایسے وقت میں آوے جب کہ میں اپنے اہل و عیال کے لئے روزی کی طلب میں ہوں۔

بری صحبت سے بچو: کبھی کبھی الگ ایک کونے میں بھی بیٹھا کرو۔ کہ عزلت بری صحبت سے بہتر ہے۔

متوسط: ہر بات میں متوسط درجہ اختیار کرو۔

بھلائی: لوگو! بھلائی کا حکم کرو اور برائی سے منع کرو۔ ورنہ تم پر بد حاکم مسلط کئے جائیں گے۔ جو بھلائی کا حکم نہیں دیتے اور برائی سے منع نہیں کرتے۔ وہ بہت بُرے لوگ ہیں ایسے لوگوں کے زمانے میں نیکوں کی دعائیں بھی قبول نہیں ہوتی ہیں۔ تم استغفار بھی کرو گے تو مغفرت نہ ہو گی۔ مدد چاہو گے تو مدد بھی نہیں کی جائے گی تمہارا بادشاہ ظالم ہو گا جو نہ نیکوں کی تعظیم کرے گا نہ غریبوں اور بیکسوں پر مہربان ہو گا۔

سمندر: جہاد سمندر ہے اور سب اچھے کام اس کے مقابلہ میں قطرہ ہیں۔

نیک کام: بھلائی کا حکم کرنے میں اور برائی سے منع کرنے کے آگے جہاد اور تمام نیک کام بھی مثل قطرہ کے ہیں۔

عذاب: خواص کو عوام کے گناہوں کے باعث عذاب نہیں ہوتا مگر اس وقت جبکہ ان کے سامنے گناہ کیے جائیں اور وہ منع نہ کریں اس وقت کہ منع کرنے کی قدرت رکھتے ہوں۔

مغفرت: حج کرنے والا بخشا جاتا ہے جس کے لئے یکم ذالحجہ سے بیس ربیع الاول تک طلب مغفرت

کی جائے گی وہ بھی بخش دیا جائے گا۔

مسنون: دعا کے بعد ہاتھوں کا منہ پر پھیرنا مسنون ہے۔

ثواب: ایک شخص حدیث بیان کرے اور لوگ اس پر عمل کریں تو بیان کرنے والے کو ان سب کے برابر ثواب ہوتا ہے۔

منافق عالم: عالم منافق بڑی خوفناک چیز ہے۔ وہ زبان سے تو عالموں کی سی باتیں کرتا ہے مگر دل اس کا غافل ہوتا ہے اور عمل سے محروم رہتا ہے۔

ہدایت: عقل سے بہتر کوئی چیز نہیں۔ وہ ہدایت پر رکھتی ہے اور ہلاکت سے بچاتی ہے۔ اس کے بغیر دین وایمان بھی کامل نہیں ہوتا۔

تعظیم: استادوں کی تعظیم کرو۔ تو تمہارے شاگرد بھی تمہاری تعظیم کریں گے۔

شیدائی: علم کے شیدائی بنو۔ بردباری اور وقار حاصل کرو۔

محروم: بعض آدمی اسلام کے لئے بڈھے ہو جاتے ہیں۔ ایک نماز بھی اچھی طرح نہیں پڑھتے اور خضوع وخشوع اور توجہ الی اللہ سے محروم رہتے ہیں۔

قرآن: قرآن خدا کی رضامندی اور ثواب آخرت کے لئے پڑھا کرو۔ دنیا حاصل کرنے اور لوگوں کے دکھانے کو پڑھنا اچھی بات نہیں۔

خوشنودی: اپنے اعمال سے خدا کی خوشنودی چاہا کرو۔

سخت بلا: کثرت عیال وقلت مال سخت بلا ہیں۔

شناخت: پہلے وحی سے ہر ایک کا حال معلوم ہو جاتا تھا اب وہ سلسلہ منقطع ہے۔ دلوں کا حال خدا ہی جانے، مگر افعال ظاہری اور اقوال سے بھی لوگوں کی شناخت ہو سکتی ہے۔

بھروسہ: ظاہری باتوں پر بھروسہ مت رکھو۔

غور وفکر: ہر بات میں غور وفکر سے کام لیا کرو۔

دھوکے: حضرات کسی کی شہرت کے غل وشور کے دھوکے میں نہ آجایا کرو۔

سچائی: آدمی کے نماز روزہ کا کبھی اعتبار نہیں کرنا۔ بلکہ اس کی سچائی اور عقل کو دیکھا کرو۔

نماز جماعت: میں نماز باجماعت کو تمام رات کی عبادت پر ترجیح دیتا ہوں۔

نماز: کھانے سے فارغ ہو کر نماز پڑھا کرو۔

اخلاق فاضلہ

فتوحاتِ صدیقی و فتوحاتِ فاروقی کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ اس عہد کے مسلمان محبتِ الٰہی سے سرشار تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیض نظر سے بہرہ ور تھے۔ ان کا اخلاق بے نظیر تھا۔ وہ اوصاف ربانی کے مظہر تھے۔ وہ انسانیت کے لئے رحمت تھے۔ وہ اللہ کے نام پر مر مٹنے کو زندگی تصور کرتے تھے۔ دنیا جانتی ہے کہ اس نے "شہید" کا لفظ مسلمان قوم سے سیکھا۔ ایرانیوں کو حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا جس طرح تم کو شراب محبوب ہے۔ ایسے میں ہمیں راہ خدا میں شہادت محبوب ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس لشکر کا سالار بنایا جو ایران پر حملہ کرنے کو روانہ ہوا۔ آپ نے فرمایا آپ واجب التعظیم ہیں۔ اس لئے کہ آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ماموں ہیں مگر یاد رکھئے سب کے اعمال دربار خداوندی میں پیش ہونے والے ہیں۔ وہ نہ کسی کا باپ ہے، نہ بیٹا ہے، نہ ماموں نہ بھانجا۔ عیسائیوں نے اپنے مقدس شہر بیت المقدس کی کنجیاں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے کر دیں جب آپ وہاں پہنچے تو اونٹ پر آپ کا خادم سوار تھا اور اونٹ کی مہار آپ کے ہاتھ میں تھی۔ سچ ہے۔

وہ پلٹ دیتے تھے دنیا کا مرقع پل میں
جن کے ہاتھوں میں رہا کرتی تھی اونٹوں کی مہار
یہ اسی کا تھا کرشمہ کہ عرب کا بدوی
کھولنے لگ گئے جبرائیل امیں کے اسرار

مسلمانوں نے دنیا میں سچی جمہوریت کی بنیاد رکھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں آزادی رائے کی بڑی قدر کی گئی۔ آپ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ مردوں کو چاہئے کہ مہر کم مقرر کریں۔ اور یہ کہ اس کے لئے ایک حد مقرر کر دی جائے۔ ایک بڑھیا نے اعتراض کیا آپ حد مقرر نہیں کر سکتے جس کی حد اللہ نے اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مقرر نہیں کی۔ آپ کو کیا اختیار ہے ایسا کریں۔ آپ نے اس کی بڑی قدر کی اور خوش ہوئے کہ عورتیں بھی اسلام کی روح سے آگاہ ہیں۔ شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

غلاموں سے ہو جاتے تھے بند آقا
خلیفوں سے لڑتی تھی ایک ایک بڑھیا

آپ نے مال غنیمت کے پارچات تقسیم فرمائے۔ دوسرے دن جب تبلیغ اسلام کے لئے تشریف فرما ہوئے۔ حضرت سلمان نے کہا۔ آپ کا قد لمبا ہے آپ کے کرتے کیلئے دو چادریں درکار ہوتی ہیں کل آپ نے ایک ایک چادر بانٹی۔ آپ کا کرتا دو چادروں سے تیار ہوا۔ آپ نے دو کیوں لیں؟ آپ نے اپنے لخت جگر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا۔ انہوں نے یہ واضح کیا کہ میں نے اپنی چادر اپنے والد کو دی۔ اس سے ان کا کرتا تیار ہوا۔ اس سے صحابہ میں اطمینان کی لہر پیدا ہو گئی اور آپ کے احترام میں اضافہ ہو گیا۔

آپ کا ارشاد ہے کہ انسان کا بہترین دوست وہ ہے کہ جو اسے اس کے نقائص سے آگاہ کرے۔ جو آپ کو آپ کی خامیوں سے آگاہ کرتا تو آپ اسے انعام دیتے تھے۔ آپ فرماتے تھے کہ سب سے بڑا وعظ موت کا وعظ ہے۔ آپ کے اخلاق نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق کا عکس تھے۔ آپ اتنے دیانتدار تھے کہ دیانت کو آپ کی ذات پر فخر تھا۔ آپ بیت المال کے اونٹوں کو تیل اپنے ہاتھوں سے ملتے تھے۔ اگر کوئی اونٹ گم ہو جاتا تو اس کی تلاش کے لئے خود نکلتے تھے۔ آدھی آدھی رات کو اٹھ کر یہ دیکھتے کہ کوئی مسافر تکلیف میں تو نہیں۔ ایک مسافر کو دیکھا کہ اس کی بیوی دردِزہ میں مبتلا ہے اور کوئی دایہ اس کی زوجہ کے پاس نہیں ہے۔ آپ نے اس کا حال معلوم کیا۔ اس کے لئے خوراک کا سامان بیت المال سے اپنی پیٹھ پر اٹھا کر لائے اور اپنی گھر والی کو ساتھ لائے کہ اس مسافر کی بیوی کی مدد کرے۔ جب اس کے ہاں بچہ پیدا ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رفیقۂ حیات نے کہا۔ امیر المومنین کو مبارکباد ہو کہ ان کے بھائی کو اللہ تعالیٰ نے لڑکا عنایت کیا ہے۔

آپ نے بوڑھوں اور اپاہجوں کے لئے بیت المال سے وظائف مقرر کئے اور اس خصوص میں مسلم اور غیر مسلم میں کوئی فرق نہ کیا۔

آپ کے عہد میں ہر بچہ کا جونہی وہ پیدا ہوتا تھا۔ سرکاری وظیفہ مقرر ہو جاتا تھا آپ کھانا اس وقت کھاتے تھے جب کہ آپ کو یقین ہو چکتا تھا کہ مدینہ کی ساری آبادی کھانا کھا چکی ہے۔ رعایا کے لئے خوراک، پوشاک، تعلیم کا اہتمام کرنے میں آپ نے انتہائی جدوجہد سے

کام لیا۔ آپ یہ نہیں چاہتے تھے کہ آپ کی رعایا میں سے کوئی بھی محتاج ہو۔ آپ نے بوڑھے اور نادار یہودیوں پر اپنا کرم کیا کہ وہ آپ کے گرویدہ ہو گئے۔ آپ یہ نہیں چاہتے تھے کہ کسی غیر مسلم کا دل دکھے۔ آپ عیسائیوں کے گرجے میں گئے۔ انہوں نے کہا۔ آپ اس کے اندر نماز پڑھ سکتے ہیں۔ آپ نے ان سے یہ کہہ کر انکار کیا کہ ایسا نہ ہو کہ مسلمان یہ سمجھ کر کہ ان کے خلیفہ نے یہاں نماز پڑھی ہے۔ اس پر تصرف جما لیں۔ آپ کا رعب خداداد تھا۔ ایران کا ایک وفد ایک شہزادے کی قیادت میں مدینہ منورہ میں آیا۔ اور آپ کے حالات کا بچشم خود جائزہ لینا چاہتا تھا۔ اس نے ایک بڑھیا سے پوچھا کہ تمہارے بادشاہ کا محل کہاں ہے؟ بڑھیا نے کہا ہمارے یہاں محل نہیں ہوتے۔ وہ دیکھ سامنے مسجد ہے۔ وہ جو اینٹوں کے سہارے لیٹا پڑا ہے۔ وہ ہمارا امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے۔ وہ آپ کو اور یہ دیکھ کر حیران ہو گیا کہ آپ اس بے فکری سے مسجد کے فرش پر آرام فرما ہیں اور آپ کی حفاظت کے لئے کوئی محافظ بھی نہیں ہے۔ آپ نے آنکھ کھولی۔ شہزادے نے پوچھا۔ آپ کون ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ "میں خطاب کا بیٹا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہوں" وہ آپ کی زبان مبارک سے یہ سن کر ہی کانپ اٹھا۔ مولانا روم فرماتے ہیں۔

ہیبت حق است ایں از خلق نیست
ہیبت ایں مرد صاحب دلق نیست

آپ کی ہیبت کا سبب یہ تھا کہ آپ کے دل میں خدا کا نور جلوہ گر تھا۔ گو آپ کے بدن پر گودڑی تھی لیکن آپ باخدا انسان تھے۔ اس لئے آپ کے رعب کی یہ شان تھی کہ آپ کے نام سے شہنشاہوں کے بدن پر رعشہ طاری ہو جاتا تھا۔ آپ کی خوراک انتہا درجے کی سادہ تھی۔ پوشاک انتہا درجے کی سادہ تھی۔ جب قحط پڑا تو آپ نے گوشت اور روغن بھی چھوڑ دیا اور قحط کو دور کرنے کے لئے ایسا موثر انتظام کیا کہ مصیبت کے دن بہت جلد دور ہو گئے اور لوگ آگے سے زیادہ خوشحال اور فارغ البال ہو گئے۔ آپ کو شہد کی ضرورت محسوس ہوئی۔ آپ نے مجلس شوریٰ میں اپنی درخواست پیش کی۔ اس کی منظوری پر شہد لیا۔ عید آئی۔ آپ کے بچوں کے لئے لباس نہیں تھا۔ آپ نے اس کے لئے بیت المال کے داروغہ سے درخواست کی۔ جب اس نے کہا کہ آپ کو امید ہے کہ مال غنیمت کے حصول تک آپ زندہ

رہیں گے تو آپ نے درخواست واپس لے گی۔

آپ نے یہ اہتمام کیا کہ کوئی بدوی بھی تعلیم سے بے بہرہ نہ رہے۔ چنانچہ اس کا اثر یہ ہوا کہ بدوی قرآن مجید کے مفسر ہو گئے۔ آپ کو ہر وقت یہی خیال رہتا تھا کہ آپ کا کوئی قول کوئی فعل نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے خلاف نہ ہو۔ آپ پیکر اسلام تھے۔ آپ کے اخلاقِ فاضلہ ملت کے لئے فخر ہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ کا اسم گرامی عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ کنیت ابو عبد اللہ، لقب ذی النورین۔ آپ کی والدہ ماجدہ، آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی پھوپھی کی صاحبزادی تھیں۔ آپ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعلیم سے اسلام قبول کیا۔ آپ کے چچا حکم بن عاص نے اس جرم پر کہ آپ مسلمان ہو گئے ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رسی سے باندھ کر ایک کوٹھری میں بند کر دیا اور کہا کہ جب تک تم اسلام کو ترک کرنے اپنے باپ دادا کے مذہب کو از سر نو قبول نہیں کرو گے۔ تمہیں اس قید سے نہیں نکالا جائے گا۔ آپ نے پوری صفائی سے کہہ دیا کہ آپ اسلام چھوڑنے پر تیار نہیں۔ آپ نے بے حد تکلیف برداشت کی۔ لیکن توحید سے منہ نہ موڑا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنی دختر رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کر دیا۔ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رحلت پر آپ کا نکاح حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی دوسری لخت جگر ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہوا۔ چونکہ آپ کا نکاح حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی دو بیٹیوں سے ہوا۔ اس لئے آپ کا لقب ذی النورین ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام میں پہلے مہاجر ہیں۔ آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اجازت سے حبش کی طرف ہجرت کی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نور دیدہ جنابہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہ تھیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اوصاف خصوص میں دو چیزوں کا خاص غلبہ تھا ایک یہ کہ آپ بڑے ہی باحیا مسلمان تھے۔ دوسرے یہ کہ بڑے کریم النفس تھے۔ آپ کے پاس دولت بڑی مقدار میں تھی۔ اس کے ساتھ ہی آپ کا دل بھی بڑا وسیع تھا اور انسانیت کی محبت میں ڈوبا ہوا تھا۔ آپ اسلام سے پیشتر بھی بڑے نیکوکار تھے۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مالی خدمات

(۱) عیسائیوں اور مسلمانوں میں پہلی جنگ اس زمانے میں ہوئی جبکہ عرب قحط سالی میں مبتلا تھا۔ اصحاب پر مالی لحاظ سے بڑی سختی کا زمانہ تھا۔ بڑی تنگ دستی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

نے فرمایا۔ کوئی ہے کہ جو لشکر توحید کی مالی مدد کرے۔ اس کے لئے قطعی جنتی ہونے کی بشارت ہے آپ نے یہ الفاظ تین مرتبہ ارشاد فرمائے۔ تینوں مرتبہ اس ایثار کے لئے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے آپ کو پیش کیا۔ آپ نے جیش عسرت (مالی تنگی کے زمانے کی جنگ) کے لئے بہت سارو پیہ خرچ کیا۔ نو سو پچاس اونٹ کجاووں اور پلانوں سمیت اور بہت سے گھوڑے خرید کر غازیوں کی امداد کی۔ اونٹ اور گھوڑے خرید کر مجاہدین کی نظر کئے۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

مَا عَلَیٰ عُثْمَانِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ مَا بَعْدَ ھٰذِہٖ۔ اس کے بعد عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو کچھ بھی کریں اس سے ان کو کچھ نقصان نہیں پہنچ سکتا۔

(۲) اس موقع پر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک ہزار نقد بھی دیئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان دیناروں کو اچھالتے جاتے اور فرماتے جاتے تھے۔ مَا ضَرَّ عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ الْیَوْمِ۔ آج کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو کچھ بھی کریں اس سے ان کو کوئی ضرر نہیں پہنچ سکتا۔

(۳) مدینہ منورہ میں یہود کا ایک کنواں تھا۔ جس کا نام تھا۔ بیر رومہ۔ یہود مسلمانوں کو اس کا پانی استعمال کرنے سے روکتے تھے جس سے انہیں سخت تکلیف ہوتی تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات بابرکات کے زمانہ مبارک میں اسے اپنے ذاتی روپیہ سے خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا۔ اس کے کھودنے اور خریدنے پر حضرت عثمان غنی نے زر کثیر خرچ کیا۔

(۴) مدینہ منورہ میں اسلام کا سب سے بڑا مرکز مسجد نبوی تھی۔ مسلمانوں میں سے کوئی بے نمازی نہیں ہو سکتا تھا۔ جوں جوں اسلام کی اشاعت ہوتی گئی۔ نمازیوں میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نمازیوں کی روز افزوں کثرت سے گنجائش نہ رہی۔ اس کے پڑوس میں چند انصار رہتے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آس پاس کے یہ مکانات ۲۵ ہزار سے خرید کر مسجد کی توسیع کر دی۔

(۵) حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ میوہ جات کے ممتاز ترین تاجر تھے۔ دیانت آپ کا شعار تھا۔ آپ بڑے عالی حوصلہ تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں قحط پڑا۔ حضرت عثمان

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہزار ہا اونٹ غلہ اور میوہ لے کر آئے۔ مکہ اور مدینہ کا درمیانی فاصلہ تین سو میل کا فاصلہ ہے۔ اس تمام راہ پر اونٹوں کی قطاریں کھڑی تھیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ تمام جنس گراں مایہ راہ خدا میں خرچ کر دی۔ مدینہ منورہ کے تمام باشندوں کو ایک مہینے کا راشن مفت دے دیا۔ کیا پاکیزہ لوگ تھے۔ ایک بھی مسلمان نے اپنی ضرورت سے زیادہ طلب نہ کیا۔ اس سے ظاہر ہو سکتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سخاوت و مروت اور فرزندانِ توحید کی دیانت کا عالم کیا تھا۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت

بحری بیڑا: حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دفن ہونے کے تین روز بعد حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ذی النورین کی خلافت پر بیعت ہوئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ حالات زمانہ پر ان کی نظر بڑی گہری تھی۔ عیسائی سلطنت کے کارپردازوں نے جب یہ دیکھا کہ وہ برّی لڑائیوں میں مسلمانوں سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے تو انہوں نے اپنے بحری بیڑے کو وسیع تر کرنے کا ارادہ کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس سے آگاہ ہوئے آپ نے ان کے مقابلے میں بحری بیڑا تیار کرنے کا اہتمام کیا۔ چنانچہ یہ بیڑا تیار ہو گیا۔ ۲۷ ہجری کو آپ نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فوج کا سپہ سالار مقرر کر کے بحر روم کا جزیرہ قبرص کی طرف روانہ کیا۔ بخاری شریف میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنی حیات مقدسہ میں یہ دیکھا تھا کہ آپ کی امت جہازوں پر سوار ہو کر جہاد کر رہی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خواب بھی عین وحی تھی۔

قبرص پر حملہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے خواب کی تعبیر تھی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑی مستعدی سے بحری راستہ طے کر کے قبرص پر توحید کا پرچم نصب کیا۔ اسی سال حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عبد اللہ بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مصر کا گورنر مقرر کیا۔ حضرت عبد اللہ نے شمالی افریقہ کو اول سے آخر تک فتح کیا۔ اس فتح میں لشکر کے ہر ایک آدمی کو تین تین ہزار دینار ملے۔ پھر اسی سال فرزندان توحید نے ہسپانیہ (یورپ) کو مسخر کیا۔ اقبال رحمتہ اللہ علیہ نے انہی اسلامی کارناموں کے پیش نظر یہ لکھا ہے۔

تھے ہم ایک ترے معرکہ آراؤں میں
خشکیوں میں کبھی لڑتے کبھی دریاؤں میں
دی اذانیں کبھی یورپ کے کلیساؤں میں
کبھی افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں
شان آنکھوں میں نہ جچتی تھی جہانداروں کی
کلمہ پڑھتے تھے ہم چھاؤں میں تلواروں کی

۲۶ ہجری میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مکہ مکرمہ میں مسجد الحرام کے گرداگرد کے مکانات خرید کر مسجد میں شامل کر دیئے۔ جس سے اس کا صحن بہت فراخ ہو گیا۔

۲۹ ہجری میں آپ نے مسجد مدینہ کی توسیع کی۔ مسجد کو منقوش پتھروں سے بنایا اور پتھر کے عمدہ ستون کھڑے کر کے ان پر ساج کی لکڑی کی چھت ڈال دی۔

۳۰ ہجری میں خراسان کے بہت سے شہر فتح ہوئے۔ عشر اور خراج کا اس قدر مال آیا کہ اس کے رکھنے کا خاص اہتمام کرنا پڑا۔ خزانے اور دفتر قائم کئے گئے۔ لوگوں کے وظائف مقرر کئے گئے۔ تمام مسلمان خوش حال ہو گئے۔ فارغ البال ہو گئے۔ دولت سے مالا مال ہو گئے۔

الغرض ۳۵ ہجری میں ذی الحجہ کی گیارہویں جمعہ کے دن حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید کر دیئے گئے۔ آپ نے ۱۲ سال خلافت کی۔

اخلاقِ حسنہ

(۱) حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں مسلمانوں کے پاس بے شمار دولت آئی۔ کتنا بڑا کمال ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ تمام دولت رعایا کے سود و بہبود اور اسلامی کاموں پر صرف کر دی اور اس میں سے ایک درہم بھی خود نہ لیا۔

(۲) آپ کے عہد میں ایک یہودی نے جس کا نام تھا عبداللہ ابن سبا نے فتنہ برپا کیا۔ یہ شخص یمن کے شہر صفا کا باشندہ تھا۔ مسلمان ہو گیا اس نے مصر، کوفہ و بصرہ وغیرہ میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اس کے مقرر کردہ حاکموں کے خلاف ذلیل پروپیگنڈا کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ باغیوں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان کو گھیر لیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اگر چاہتے تو ان کو کچل سکتے تھے مگر آپ یہ نہیں چاہتے تھے کہ خوں ریزی ہو آپ کے نزدیک مسلمان کے خون کی بڑی قدر تھی۔ باغیوں نے آپ کو مجبور کیا کہ آپ خلافت سے دست بردار ہو جائیں لیکن آپ نے ان کے اس مطالبہ کو کو ٹھکرادیا اور واضح کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما چکے ہیں کہ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ خلافت کی قمیص اتار دے۔ مگر وہ ایسا نہیں کرے گا وفاداران خلافت نے عرض کی۔ حضور مسجد پر باغیوں کا تسلط ہے ہم ان کی اقتداء میں نماز پڑھیں۔ یا علیحدہ طور پر پڑھیں آپ نے اپنے مکان کی چھت پر کھڑے کر ہو فرمایا۔

"نماز نیک کام ہے۔ جب وہ نماز کی دعوت دیں تو نماز ان کے ساتھ مل کر پڑھو۔ جب وہ تمہیں میرے قتل کی دعوت دیں۔ تو ان سے الگ ہو جاؤ۔" اللہ اللہ حضور کی تعلیم نے کیا معجزانہ اثرات پیدا کیے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اموی تھے۔ کہا جاتا ہے کہ اموی بدلہ نہیں چھوڑتے۔ آپ ۸۰ سال کے بوڑھے ہیں مگر ہمت کا عالم یہ ہے کہ باغیوں کے مطالبہ کو ٹھکرا دیتے ہیں۔ آپ یہ جانتے ہیں کہ یہ باغی پرلے درجے کے مفسد ہیں۔ فتنہ باز ہیں۔ آپ کی شہادت کے درپے ہیں۔ بایں ہمہ فرمایا۔ اگر وہ نماز کی دعوت دیں تو ان کے ساتھ پڑھو کسی بات کا منہ سے نکالنا آسان ہے مگر کر کے دکھانا سخت مشکل ہے کس قدر آزمائش کا وقت ہے۔ مگر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اخلاق کا توازن کتنا عدل نما ہے۔ نہ بے جا غصہ ہے۔ نہ بے ہمتی ہے۔ نہ کمزوری ہے۔ ہر کام ٹھیک اسلامی اندازے کے مطابق سرانجام دیا جا رہا ہے۔ یہ ہے وہ اخلاق حسنہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ سے سیکھا۔

بیانِ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

فرمانبردار: (۱) کامیاب ہے وہ جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمانبردار ہے۔

نافرمان: (۲) ناکام ہے۔ جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نافرمان ہے۔

ثمر: (۳) مال کا ثمر ہے سخاوت۔ علم کا ثمر ہے عمل۔ اخلاص کا پھل ہے خدا کی رضا۔

زخم: (۴) تلوار کا زخم جسم پر ہوتا ہے اور دل آزار گفتگو کا روح پر۔

حق: (۵) حق تعالیٰ کے پرستار تعداد میں کم ہوتے ہیں مگر ان کا وقار واقتدار بہت زیادہ ہوتا ہے۔

ذلت: (۶) مسلمان کی ذلت دولت کی قلت سے۔ بلکہ اسلام سے غفلت میں ہے۔

زبان: (۷) زبان کی اصلاح کر۔ دل کی اصلاح خود بخود ہو جائے گی۔

ناشکری: (۸) نعمت کا بے محل صرف کرنا۔ کفران نعمت ہے۔

مت بھول: (۹) اے لباس فاخرہ کے چاہنے والے کفن کو مت بھول۔ اے اچھے مکان کے چاہنے والے گوشہ لحد کو مت بھول۔ اے عمدہ غذا کے حریص۔ اسے مت بھول کہ تیری لاش کیڑوں کی غذا بنے گی۔

صدقہ: (۱۰) فقیر کا ایک درہم راہ خدا میں صرف کرنا۔ امیر کا ایک لاکھ درہم صرف کرنے کے برابر ہے۔

ایمان: (۱۱) اعلیٰ ایمان یہ ہے کہ ہر وقت یہ تصور کیا جائے کہ خدا میرے ساتھ ہے۔

علانیہ دینا: (۱۲) صدقہ کو علانیہ اس نیت سے دینا کہ دوسروں کو رغبت پیدا ہو گی۔ صدقہ کو خفیہ طور پر دینے سے بہتر ہے۔

اللہ اور انسان: (۱۳) اے انسان تجھے اللہ نے اپنے لئے پیدا کیا ہے۔ غیر خدا کا نہ بن۔

موت: (۱۴) میں موت سے نہیں ڈرتا۔ میں اسے ایک سہل چیز تصور کرتا ہوں۔

خوں ریزی: (۱۵) میں یہ نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے مسلمانوں میں خوں ریزی ہو۔

غلطی: (۱۶) اگر تم میری غلطی بتاؤ۔ تو میں اس غلطی کی اصلاح کیلئے آمادہ ہوں۔

مدینہ: (۱۷) جب حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ گزارش کی کہ فسادیوں کی شرارت زوروں پر ہے۔ آپ مدینہ منورہ چھوڑ دیں اور میرے ساتھ دمشق چلیں اگر یہ منظور نہیں تو آپ اجازت دیں کہ میں آپ کی حفاظت کے لئے فوج بھیج دوں۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں اس شہر کو چھوڑ دوں۔ جہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا روضہ مبارکہ ہے۔ میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ میری حفاظت کے لئے فوج کا بار گراں قومی بیت المال پر پڑے۔

زکوٰۃ: (۱۸) مال میں زکوٰۃ وہ حق ہے جس کے لئے اہل نصاب کو مجبور کیا جا سکتا ہے لیکن کسی کو اس پر مجبور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ سارا مال خدا کی راہ میں صرف کر دے۔

مغلوب الحال: (۱۹) اگر تو مغلوک الحال ہو جائے تو بھی مغلوب الحال نہ ہو جا۔

مجرم: (۲۰) بعض اوقات مجرم کو معاف کردینا۔ اسے زیادہ مجرم بنادیتا ہے۔

بے کار: (۲۱) بے کار ہے۔ وہ علم، جس پر عمل نہ کیا جائے۔

(۲۲) بے کار ہے۔ وہ اسلحہ جسے استعمال میں نہ لایا جائے۔

(۲۳) بے کار ہے۔ وہ مال جسے نیک کاموں میں صرف نہ کیا جائے۔

(۲۴) بے کار ہے۔ وہ اچھی رائے جس سے فائدہ نہ اٹھایا جائے۔

(۲۵) بے کار ہے۔ وہ لمبی عمر جو اچھے کاموں میں بسر نہ ہو۔

محافظ: (۲۶) عاملوں (حاکموں گورنروں) کی پہلی خصلت یہ ہونی چاہئے کہ وہ چرواہوں کی مانند محافظ اور نگہبان ہوں۔ محض ٹیکس وصول کرنے والے افسر نہ ہوں۔

امام: (۲۷) اس امت کے امام (ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) محافظ تھے۔ محصل نہیں تھے۔

نگرانی: (۲۸) اگر تم نگرانی سے دور اور حکومت کرنے کے قریب ہو جاؤ گے تو حیاء، امانت اور وفاداری کا خاتمہ ہو جائے گا۔

منصفانہ روش: (۲۹) یاد رکھو سب سے زیادہ منصفانہ روش یہ ہے کہ مسلمانوں کے معاملات اور ان کے فرائض پر گہری نگاہ ڈالو۔

حقوق: (۳۰) مسلمانوں کے حقوق پورے کرو اور ان پر جو کچھ واجب ہے اسے طلب کرو۔

ذمہ داری: (۳۱) ذمہ داریوں کو تصویر کے دو رخوں میں بانٹ دو۔

وفا: (۳۲) دشمنوں پر غلبہ حاصل کرو۔ لیکن وفا کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑو۔

امانت: (۳۳) بڑی بات امانت ہے تم اپنے اندر امانت کے جوہر پیدا کرو۔

(۳۴) خلاف امانت کارروائی میں پہل نہ کرو کہ بعد والوں کی کارروائیوں میں شریک گنے جاؤ گے۔

یتیم اور ذمی: (۳۵) یتیموں اور ذمیوں پر زیادتی نہ کرو۔ اگر یہ مظلوم ہوں گے تو اللہ تعالیٰ خود مقابل ہوگا۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان سرحدوں کے محافظوں اور سپہ سالاروں کے نام

نظم میں تبدیلی: (۳۶) آپ لوگ مسلمانوں کے حامی اور ان کی طرف سے مدافعت کرنے والے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کے لئے جو نظم مرتب کیا۔ وہ ہم پر مخفی نہیں۔ اس کی ترتیب ہماری ایک جماعت کی موجودگی میں ہوئی ہے۔

(۳۷) ہرگز ہرگز مجھ تک یہ اطلاع نہ آنے پائے کہ تم نے اس نظم میں کوئی تبدیلی کردی ہے۔

(۳۸) یاد رکھو خدا تم کو بدل دے گا اور تمہاری جگہ کسی اور کو دے دے گا۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پیام عوام کے نام

سنت کی اطاعت: (۳۹) تم سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کی بدولت آج اس درجے پر پہنچے ہو۔

(۴۰) خبردار کہیں دنیا تم کو تمہارے اصلی کام سے غافل نہ کردے۔

بدعات: (۴۱) بدعات کی طرف نہ جھکو۔

شکار نہ بنو: (۴۲) عیاشی اور حرص وہوا کا شکار نہ ہو۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خطبہ

جب حکومت میرے سپرد ہوئی۔ عرب میں سب سے زیادہ بکریاں اور سب سے زیادہ اونٹ میرے پاس تھے۔ لیکن آج میرے پاس نہ کوئی بکری ہے نہ اونٹ۔ سوائے دو اونٹوں کے جو حج کے لئے ہیں۔ کیا یہ سچ ہے؟ حاضرین پکارے سچ ہے۔ آپ نے طرابلس پر حملہ کرنے کے لئے ابن ابی سرح کو مامور کیا۔ وعدہ کیا کہ فتح کی صورت میں اسے مال غنیمت کا کچھ حصہ دیا جائے گا۔ وہ فاتح طرابلس ثابت ہوا۔ آپ نے حسب وعدہ اسے دیا اس پر اعتراض ہوا اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آپ نے فرمایا۔

کہتے ہیں۔ میں نے ابن ابی سرح کو غنیمت کا مال دیدیا۔ میں نے اسے مال غنیمت کے پانچویں حصے کا پانچواں دیا ہے اور وہ ایک لاکھ ہے۔ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ایسا کرتے رہے ہیں۔ لیکن جب لوگوں نے اس رائے کا اظہار کیا کہ وہ

اسے پسند نہیں کرتے تو میں نے یہ مال اس سے واپس لے لیا۔ اعتراض کیا گیا کہ میں اپنے رشتہ داروں سے خاص سلوک کرتا ہوں اور انہیں مال دیتا ہوں۔ سو جہاں تک میری ان سے محبت کا سوال ہے اگر وہ ہے تو وہ مجھے اس پر مائل نہیں کرتی کہ میں دوسروں پر ظلم کروں۔ جو چیزیں ان پر واجب ہیں۔ میں ان پر واجب کرتا ہوں۔ بلاشبہ میں انہیں فیاضی سے دیتا ہوں لیکن جو کچھ دیتا ہوں اپنے ذاتی مال سے دیتا ہوں میں یہ جائز نہیں سمجھتا کہ مسلمانوں کے مال میں سے انہیں دوں۔ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں بھی اپنے کمائے ہوئے مال سے انہیں بڑی بڑی رقمیں دیتا رہا ہوں۔ حالانکہ مجھے اس وقت اس مال کی اپنے لئے زیادہ ضرورت بھی تھی۔ اب جبکہ میں اپنے خاندان کی عمر کو پہنچ گیا ہوں اور میری عمر پوری ہو چکی ہے اور جو کچھ میرے پاس تھا میں اپنے اہل کے سپرد کر چکا ہوں تو یہ خوامخواہ کے اعتراض کرنے والے میرے متعلق یہ باتیں کرتے ہیں۔ خدا شاہد ہے کہ میں نے کسی شہر پر زیادہ بار نہیں ڈالا۔ میں نے جس شہر سے جو لیا ہے اسی پر خرچ کیا ہے میرے پاس صرف پانچواں حصہ آتا ہے اور اس سے بھی میں نے اپنے لئے کچھ حلال نہیں سمجھا اور میں اسے بھی مستحق مسلمانوں پر خرچ کرتا ہوں اور میں اس مال میں سے ایک پیسہ بھی اپنی ذات پر صرف نہیں کرتا۔ میں اس سے کچھ نہیں لیتا۔ یہاں تک کہ میں جو کچھ کھاتا ہوں۔ اپنے مال سے کھاتا ہوں۔ آپ کے اس خطبہ کے ایک ایک لفظ کی حاضرین نے تصدیق کی۔

تاریخ شاہد ہے کہ آپ کروڑ پتی تھے۔ آپ نے سب کچھ راہ خدا میں صرف کر دیا۔ آپ نے بیت المال سے ایک دن کا وظیفہ بھی نہ لیا اور یہ ایک ایسی روشن شاہکار مثال ہے کہ اس پر ملت اسلامیہ تاقیامت فخر کرتی رہے گی۔

روشن کارنامے

آپ نے قرآن مجید کی سرکاری نقل کرا کر تمام ممالک اسلامیہ کو بھیجی۔ تاکہ اس کے مطابق قرآن مجید ضبطِ تحریر میں لائے جائیں۔ اس لحاظ سے آپ لوگوں کو قرآن پر جمع کرنے والا (جامع الناس علی القرآن) کہا جاتا ہے۔ یہ غلط ہے کہ قرآن آپ نے جمع کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ نے مسلمانوں کو ایک قرآن پر جمع کیا۔ آپ پرلے درجے کے حیادار تھے۔ آپ بے نظیر

فیاض تھے۔ آپ نے بے شمار روپیہ کمایا لیکن روپیہ کے بجائے آپ کے دل میں خدا کی محبت تھی۔ خدا کی مخلوق کی محبت تھی۔

آپ نے خدا کی راہ میں سب کچھ نثار کر دیا۔ آپ اپنے غنا کے باعث عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشہور ہوئے۔ آپ نے بحری بیڑا بنایا۔ آپ کے زمانے میں افریقہ پر اسلام کا تسلط ہوا اور مسلمان اندلس (ہسپانیہ) میں پہنچے۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملک کے حالات سے پوری طرح خبر رکھتے تھے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فراست مومنانہ فراست تھی۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خطبہ جمعہ میں تھے۔ ایک ایسا شخص مسجد میں آ گیا جس پر غسل جنابت واجب تھا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوراً فرمایا کہ مسجد میں اس حالت میں کہ غسل جنابت واجب ہو بغیر غسل آنا ٹھیک نہیں۔ وہ شخص خود سمجھ گیا۔ لوٹ گیا اور پاک صاف ہو کر آیا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روحانی امام، جلیل القدر خلیفہ، بے نظیر تاجر، بے مثال امیر کبیر ہونے کے باوجود خادموں پر بڑے مہربان تھے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں مہمان آیا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے کہا کہ اگر اسے تہجد کی نماز پڑھنی ہو تو پڑھ لے۔ اس نے آمادگی ظاہر کی۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے لئے پانی خود گرم کیا۔ لوٹے سے خود وضو کرایا۔ اس نے عرض کی۔ حضور رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کیا کرتے ہیں۔ آپ امیر المومنین ہیں۔ فرمایا ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ "اکرام الضیف واجب" مہمان کا احترام واجب ہے۔ حقیقت ہے کہ میں میزبان ہوں۔ آپ مہمان ہیں۔ اس نے کہا خادم کو جگا لیا ہوتا۔ فرمایا۔ وہ سویا ہوا ہے۔ اس کا فرض نہیں ہے کہ اس وقت جاگے۔ ضرورت ہے کہ مسلمان حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مانند باحیا، غنی، سخی، کامیاب تاجر، پاک منش، عوام نواز اور معاون اسلام بننے کی کوشش کریں۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے مختلف نعمتوں سے نوازا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پیرانہ سالی کے باوجود خدمت اسلام سے منہ نہ موڑا۔ اور منصب خلافت کو نہ چھوڑا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زندگی کے آخری سانس تک اسلام کا کام کیا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی دولت مسلمانوں پر نچھاور کر دی۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زندگی کے آخری سانس تک اسلام کا کام کیا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی دولت مسلمانوں پر نچھاور کر دی۔ آپ رضی اللہ

تعالیٰ عنہ نے غیر اسلامی طاقتوں کا ہر تدبیر سے مقابلہ کیا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بحری بیڑا تعمیر کر کے بہت بڑا کارنامہ سر انجام دیا اور واضح کیا کہ مسلمانوں کا فرض ہے کہ جہاد کے لئے ایسا سامان جنگ تیار کریں کہ جو غیروں کے مقابلے میں ان کی برتری کا موجب ہو سکتا ہو۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خدا کی ذات پر کامل توکل کرنے کا مفہوم یہی خیال کرتے تھے۔ کہ ملت اپنے بقاء و تحفظ کے لئے ہر ممکن روحانی و جسمانی تدبیر اختیار کرے۔

سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۔ آپ کا اسم مقدس علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ کنیت ابو الحسن یا ابو تراب اور لقب حیدر ہے۔
آپ رشتے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے چچازاد بھائی اور داماد ہیں۔

۲۔ آپ کی ساری حیات مقدسہ اسلام کی بے لوث اور بے ریا خدمت میں بسر ہوئی۔

۳۔ جس وقت آپ نے اسلام قبول فرمایا۔ آپ کی عمر ۹ یا دس سال کی تھی۔ آپ کی کفالت نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمائی۔ آپ اس خصوصیت میں ممتاز ہیں کہ طفولیت کے زمانے سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی حیات دنیوی کے آخری لمحہ تک آپ کی خدمت میں حاضر رہے اور شمع اسلام کے پروانے بنے رہے۔

۴۔ سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دن مسجد کی ایک دیوار کے سائے میں فرش زمین پر لیٹے ہوئے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مسجد میں تشریف لائے تو ان کی پیٹھ کو گرد آلود دیکھ کر فرمایا۔

اِجْلِسْ اَبَا تُرَاب۔ اے ابو تراب اٹھ بیٹھو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیٹھ سے مٹی پونچھتے جاتے اور بار بار فرماتے جاتے تھے۔ اجلس ابا تراب۔ اجلس ابا تراب۔

۵۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کمال اتحاد، اتصال، اخلاص اور یگانگی ظاہر کرنے کے لئے ارشاد فرمایا کہ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجھ سے ہے اور میں علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے "یعنی میرا ان کا خون، گوشت پوست ایک ہے۔

۶۔ آپ نے یہ بھی کہا کہ اے پروردگار جس کا میں رفیق ہوں اس کا رفیق علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہے خداوندا جو علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دوست رکھے تو اس کو دوست رکھ اور جو اس سے دشمنی کرے تو اس سے دشمنی کر جو اس کی مدد کرے تو اس کی مدد کر۔ جو اس کو چھوڑ دے تو اس کو چھوڑ دے اور جہاں کہیں وہ ہو حق اس کے ساتھ رہے۔

۷- نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو آخری جنگ کی۔ چونکہ اس کا محاذ مقام تبوک تھا اس لئے اس جنگ کا نام ہے غزوۂ تبوک۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب اس کے لئے تشریف لے گئے تو آپ نے سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عورتوں اور بچوں کی حفاظت کے لئے مدینہ منورہ میں چھوڑا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ منورہ سے باہر نکل کر روتے ہوئے عرض کیا۔ یارسولؐ اللہ کیا آپ مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑنا پسند کرتے ہیں۔ حالانکہ میں آپ کی معیت اور ہم رکابی کو دوست رکھتا ہوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اے علی کیا تم اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ تم سے میری نسبت ایسے ہو جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت ہارون علیہ السلام کی نسبت تھے۔ "انت منی بمنزلۃ ہارون من موسیٰ" فرق صرف اتنا ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام نبی تھے۔ تم نبی نہیں ہو سکتے۔ اس لئے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

۸- جب سید المہاجرین رحمۃ العالمین مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ میں تشریف فرما ہوئے تو آپ نے مہاجرین اور انصار میں بھائی چارہ کرادیا یعنی ایک مہاجر کو ایک انصاری کے اور ایک انصاری کو ایک مہاجر کے ساتھ لگادیا۔ جب سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ دیکھا کہ آپ نے ان کا کسی سے بھائی چارہ نہیں کرایا تو عرض کیا۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ نے تمام اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا بھائی چارہ کرادیا لیکن مجھے یونہی تنہا چھوڑ دیا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اے علی تم میرے بھائی ہو۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ (یا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ انت اخی فی الدنیا و انت اخی فی الآخرۃ)

۹- جنگ خیبر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اسلام کا علم مرحمت فرماتے ہوئے آپ کو "کرار غیر فرار" اور دشمنوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے والے کبھی بھی نہ بھاگنے والا) کا خطاب مرحمت فرمایا۔

۱۰- نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک موقع پر اسلامی لشکر بھیجا۔ اس لشکر میں سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے لشکر کو واپس آنے میں دیر ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر فرمایا۔ اے پروردگار جب تک تو مجھے علی

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نہ دکھادے۔ مجھے موت مت دیجو۔

اس سے عیاں ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت علی سے غایت درجے کی الفت تھی۔

سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمات اسلامی

۱۱۔ آپ کا نمایاں ترین کمال یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی محبت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت سے سرشار اور بھرپور تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو دعوت اسلام دیں اور اسلام سے انکار کرنے کے نتائج سے ڈرائیں۔ (انذر عشیر تک الاقربین) آپ نے سب کے لئے ضیافت کا اہتمام کیا اور فرمایا۔ اے بنو عبدالمطلب میں تمہارے پاس ایک ایسی چیز لایا ہوں جس میں دینوی فلاح و بہبود کا سامان ہے۔ تم میں کون ایسا شخص ہے کہ جو اس کام میں میری مدد پر کھڑا ہو جائے کسی نے جنبش نہ کی۔ تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو ابھی نو عمر ہی تھے...... کھڑے ہو گئے اور عرض کی۔ گو میں سب سے کم عمر ہوں۔ مگر آپ کی خدمت کے لئے ہر وقت تیار ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ بے شک یہ میرا بھائی ہے۔ معاون ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو کہا۔ اسے زندگی کے آخری سانس تک نبھایا۔

۱۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب ہجرت کے لئے غار ثور میں تشریف لے گئے تو آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بستر پر چادر اوڑھ کر سو گئے۔

سو گئے حضرت کے بستر پر شب ہجرت علیؓ
کفر کی طاقت سے ڈرتا ہے کبھی شیر خدا

۱۳۔ جنگ احد میں جب لڑائی کا رنگ بگڑ گیا تو حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور جناب علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے سپر بن گئے۔ اس موقع پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تن اطہر پر تیر اور تلوار کے سولہ زخم کاری لگے۔ زخم پر زخم کھائے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت سے منہ نہ موڑا اور حضور

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم شریف پر ذرہ بھر آنچ نہ آنے دی۔

۱۴۔ آپ نے خیبر فتح فرمایا۔ اور ایک از بس مضبوط قلعہ کے بہت ہی مضبوط دروازے کو ایک ہاتھ سے اکھاڑ کر پھینک دیا۔ اقبال رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

تیری راکھ میں ہے اگر شرر تو خیال فقر و غنا نہ کر
کہ تھا ایک نان شعیر پر ہی مدار قوت حیدریؓ

مین نے عرض کیا ہے۔

وہ ایک ہاتھ سے خیبر اکھاڑ لیتے تھے
تھی جن کی چند کھجوروں پہ رات دن گزران

۱۵۔ آپ شہادت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد خلافت پر متمکن ہوئے اور آپ نے چار سال نو ماہ تک اس فریضہ کو بکمال خوش اسلوبی سرانجام دیا۔ آپ کو خانہ جنگیوں سے دوچار ہونا پڑا۔ آپ نے ان سے متعلق بھی جو آپ سے لڑے۔ یہی فرمایا کہ ان سے آپ کا کوئی دینی اختلاف نہیں ہے۔ ان کا اسلام وہی ہے جو میرا ہے اور اسی پروردگار کو مانتے ہیں جس کو میں مانتا ہوں۔ بات یہ ہے کہ انہوں نے میرے خلاف بغاوت کی ہے وہ چاہتے ہیں کہ جن مفسدوں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کیا ہے انہیں فوری سزا دی جائے میں چاہتا ہوں کہ یہ کام اس وقت کیا جائے جبکہ امر خلافت اچھی طرح پاؤں جما لے۔ آپ نے دونوں طرف کے مقتولوں پر نماز جنازہ پڑھی۔ آپ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مصالحت کر لی جو مسلمان اس مصالحت کے خلاف تھے وہ خارجی کہلائے۔ ان خوارج نے بھی سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لڑائیاں کیں۔ آپ نے ان کو شکست دی۔ آپ نے انہیں دلائل سے سمجھانے کی کوشش کی وہ گو لاجواب ہو گئے لیکن وہ اپنی ضد سے باز نہ آئے۔ ان کی ہٹ دھرمی نے ان کی دنیا بگاڑ دی اور ان کی عاقبت خراب کر دی۔

۱۶۔ ایک خارجی نے جس کا نام تھا عبدالرحمٰن بن ملجم۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کیا اور آپ ۴۰ ہجری میں رمضان المبارک کی سترہ تاریخ کو عالم بالا کی جانب سدھار گئے۔

اخلاقِ حسنہ

آپ کے علم اور خلق پر اسلام اور دنیائے انسانیت کو ناز ہے۔ آپ نے جو کچھ سیکھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سیکھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو قاضی بنانا چاہا۔ آپ نے عرض کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں قضا نہیں جانتا۔ آپ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سینہ پر ہاتھ رکھ کر آپ کے سینہ و قلب کی ہدایت کے لئے دعا فرمائی۔ حضرت علی قاضی بن گئے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حلفیہ بیان کرتے ہیں کہ اس دعا کا اثر یہ ہوا کہ کبھی بھی قضا کے سلسلے میں آپ کو مشکل محسوس نہیں ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ "اقضانا علی" ہم میں سے سب سے اچھے قاضی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ یہ واقعہ بخاری شریف میں مذکور ہے۔ ایک دفعہ آپ نے ایسا فاضلانہ خطبہ دیا کہ سننے والے عش عش کر اٹھے۔ ایک نے عرض کی کہ آپ اپنی شان کے متعلق بھی کچھ بیان کریں۔ آپ نے فرمایا۔ میری شان یہ ہے کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلاموں میں سے ایک غلام ہوں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ باوجودیکہ آپ سے نبرد آزما ہوئے۔ لیکن وہ بھی آپ کے علم کا کھلے بندوں اعتراف کرتے تھے۔ آپ مشکل سے مشکل علمی مسئلہ کو چند ساعتوں میں حل فرما دیتے تھے۔

ایک شخص نے آپ سے اختیار و جبر ایسے لانیحل مسئلے کی بابت دریافت کیا۔ اس کا منشا یہ تھا کہ بندہ اپنے اعمال میں بالکل مجبور ہے یا بالکل صاحب اختیار ہے۔ آپ نے بتایا کہ اسے اختیار بھی ہے اور وہ مجبور بھی ہے اس نے گزارش کی یہ کیونکر۔ آپ نے فرمایا۔ دونوں ٹانگوں کے بل سیدھا کھڑا ہو جا۔ وہ ہو گیا۔ آپ نے فرمایا۔ ایک ٹانگ اٹھا لے وہ لڑکھڑایا مگر گرا نہیں۔ آپ نے فرمایا دونوں اٹھا لے۔ عرض کی حضور میں ایسا کرنے سے گر پڑوں گا۔ فرمایا مسئلہ سمجھ میں آگیا ہے یا نہیں؟ اس نے عرض کی حضور مسئلہ سمجھ میں آگیا ہے۔ اس پر واضح ہو گیا کہ انسان کس حد تک مجبور ہے اور کس حد تک بااختیار ہے۔ آپ قرآن مجید کے ممتاز ترین مفسر ہیں۔ آپ نے بے نظیر فقیہہ ہیں بڑے بڑے یورپین حیران ہیں کہ عرب کے صحرا میں ایسا لاجواب ادیب و فاضل کیسے پیدا ہو گیا۔ آپ تاجدارِ ولایت ہیں۔ ناز خلافت ہیں۔ فخر انسانیت ہیں۔

ارشادات علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

غلام: (۱) میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلاموں میں سے ایک غلام ہوں۔

علم: (۲) خدا نے جو ہمیں دیا۔ ہم اس پر راضی ہیں۔

(۳) اس نے ہمیں علم دیا۔ جاہلوں کو مال دیا۔

(۴) بلاشبہ مال جلد فنا ہو جائے گا۔ علم کبھی فنا نہیں ہوگا۔ باقی رہے گا۔

تکبر: (۵) کئی ایسے عالم تھے کہ تکبر نے ان کے علم کو برباد کر دیا۔

تواضع: (۶) کئی ایسے جاہل تھے کہ جن کی تواضع نے ان کی جہالت کو چھپا لیا۔

بزرگی: (۷) عظمت و بزرگی جد (خاندان) سے نہیں بلکہ جد و جہد سے ہے۔

ہمت: (۸) درجے ہمت کی ترازو میں تول کر بانٹے جاتے ہیں۔

(۹) جس نے بلندی ڈھونڈی اس نے اس کے لئے راتیں جاگ کر گزاریں۔

اسلام عمل ہے: (۱۰) اسلام ہی تسلیم ہے، (۱۱) تسلیم ہی یقین ہے، (۱۲) یقین ہی تصدیق ہے تصدیق ہی اقرار ہے، اقرار ہی ادا ہے، (۱۵) اور اس کا نام ہی عمل ہے، (۱۶) اسلام سراپا عمل ہے۔

علامہ اقبال نے اس ارشاد کا کیا اچھا ترجمہ کیا ہے۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی

یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

دانشمند: (۱۷) دانشمند وہ ہے جو علم حاصل کرے تو اس پر عمل بھی کرے۔

اخلاص: (۱۸) جب عمل کرے۔ اخلاص سے کام لے۔

دنیا: (۱۹) دنیا متاع حاضر ہے۔ جس میں نیک بھی کھاتے ہیں برے بھی۔

آخرت: (۲۰) آخرت دار حق ہے۔ اس میں قادر مطلق کی حکومت ہے۔ وہاں جو ملے گا، مستحق کو ملے گا۔

تونگری: (۲۱) سب سے زیادہ شاندار تونگری امیدوں سے بے نیازی ہے۔

(۲۲) عقل سے بڑھ کر تونگری نہیں۔

محتاجی: (۲۳)صعوبت سے بڑھ کر محتاجی نہیں۔

ادب: (۲۴)ادب سے بڑھ کر کوئی جائیداد نہیں۔

مشورہ: (۲۵) مشورہ سے بڑھ کر کوئی مددگار نہیں۔

نیکی کی امید: (۲۶)جو تجھ سے نیکی کی امید رکھے۔اس کے گمان کو سچا ثابت کردے۔

حافظ: (۲۷)جس کا اپنا نفس ہے واعظ۔اللہ تعالیٰ ہے اس کا حافظ۔

معاملہ: (۲۸)جس نے اپنا معاملہ خدا سے سنوار لیا۔اللہ تعالیٰ اس کے ان معاملات کو سنوار دے گا جن کا تعلق انسانوں سے ہے۔

دنیا و آخرت: (۲۹)جس نے اپنی آخرت سنواری۔اللہ تعالیٰ اس کی دنیا سنوار دے گا۔

گناہ: (۳۰)اے فرزند آدم اگر تو یہ دیکھے کہ تو گناہ کر رہا ہے اور خدا تجھ پر پے در پے کرم کر رہا ہے تو تو ڈر جا۔

قناعت: (۳۱)ہم نے تونگری ثروت میں ڈھونڈی۔لیکن وہ ہمیں قناعت میں ملی۔

شیخ سعدی نے آپ کے ارشاد کا ان الفاظ میں ترجمہ کیا۔

اے قناعت تونگرم گرداں
کہ در اے تو ہیچ نعمت نیست

راحت: (۳۲)ہم نے راحت مال کی کثرت میں ڈھونڈی۔وہ ہمیں مال کی قلت میں ملی۔

چار چیزیں: (۳۳)دین اور دنیا کا قیام چار چیزوں سے ہے۔

(۱)مالدار بخل نہ کریں،(۲)علماء اپنے علم پر عمل کریں،(۳)نہ جاننے والے جن امور کو نہیں جانتے ان کے نہ جاننے پر گھمنڈ نہ کریں،(۴) فقیر اپنی آخرت کو دنیا کے عوض فروخت نہ کریں۔

خدا کی پہچان: (۳۴)اپنے ارادوں میں ناکام ہو کر میں نے خدا کو پہچانا۔

حواس اور خدا: (۳۵)مدح و ثناء کا مستحق بس وہی خدا ہے جس کو حواس دریافت نہیں کر سکتے۔وہ مکان میں محدود نہیں ہو سکتا آنکھیں اس کو دیکھ نہیں سکتی پردے اس کو چھپا نہیں سکتے۔

خدا کی مخلوق: (۳۶)تیری مخلوق تیری عیال ہے۔

حلم و وقار: (۳۷)علم کے واسطے حلم و وقار سیکھو۔ظلم و تعدی سے احتیاط کرو۔ورنہ تمہارا علم

تمہاری جہالت کے دور کرنے پر قادر نہیں ہوگا۔

بچوں کے دل: (۳۸) بچوں کے دل خالی زمین کی مانند ہیں۔ جو تخم بویا جائیگا۔ وہی اُگے گا۔

تجارت: (۳۹) لوگو تجارت کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں برکت عطا کرے۔

اترانا: (۴۰) اپنی کسی بات پر اترانا ذلیل حماقت ہے۔

حساب: (۴۱) اپنا حساب خود کرو۔ قبل اس کے بعد مرگ تمہارا حساب کیا جائے۔

علاج: (۴۲) صاحبان عقل و ایماں اس وقت علاج کرتے ہیں جب مرض پیدا ہو کر صحت پر غالب آجائے۔

کھانا: (۴۳) جب تک اشتہا نہ ہو ہر گز کھانا نہ کھاؤ۔ ہنوز اشتہا باقی ہو۔ کہ کھانے سے ہاتھ کھینچ لو۔ جو کھاؤ خوب چبا کر کھاؤ۔

معافی: (۴۴) معافی نہایت اچھا بدلہ ہے۔

خوف: (۴۵) جب پروردگار کا خوف تجھ پر طاری ہو تو اس کی پناہ میں آجا اور جب مخلوق کا خوف لاحق ہو۔ تو اس (مخلوق) سے دور بھاگ۔

زاہد: (۴۶) جب زاہد لوگوں سے بھاگ جائے۔ تو اسے ڈھونڈھ۔ جب زاہد لوگوں کی تلاش میں ہو تو اس سے کنارہ کش ہو جا۔

احمق: (۴۷) سب سے زیادہ احمق وہ ہے کہ جو دوسروں کی برائیوں کو برا تصور کرے۔ لیکن خود ان برائیوں میں مبتلا رہے۔

احمقوں کا سرمایہ: (۴۸) بے معنی امیدوں پر بھروسہ کرنا۔ احمقوں کا سرمایہ ہے۔

لاعلمی: (۴۹) اپنی لاعلمی کے اظہار کو برا نہ جان۔

نصف علم: (۵۰) اگر کسی سوال کا جواب معلوم نہ ہو۔ تو یہ کہنا میں نہیں جانتا نصف علم ہے۔

اتفاق و اختلاف: (۵۱) ہر ایک بات میں ہاں میں ہاں ملانا منافقوں کی خصلت اور ہر امر میں اختلاف کرنا باعث عداوت ہے۔

خاموشی: (۵۲) خاموشی عالم کے لئے موجب زینت ہے اور جاہل کی پردہ پوش ہے۔

بروں کی رفاقت: (۵۳) بروں کی صحبت سے بچے۔ راکھ کو کلہ کو بھی راکھ کر دیتی ہے۔

شریف و کریم: (۵۴) انعام میں دیر کرنا اور بدلہ میں جلدی کرنا۔ شریف و کریم انسان کی عادت

نہیں۔

مصیبت: (۵۵) مصیبت میں گھبرا جانا بڑی مصیبت ہے۔

حرص: (۵۶) حرص سے آدمی کے رزق میں اضافہ نہیں ہوتا۔ مگر قدر و منزلت میں کمی ہو جاتی ہے۔

عاقل: (۵۷) عاقل وہ ہے کہ جو دوسروں سے عبرت پذیر ہو۔ نہ یہ کہ دوسرے اس سے عبرت گیر ہوں۔ عاقل ہمیشہ تجربات کرتا ہے۔

خزانہ: (۵۸) علم وہ خزانہ ہے جو خرچ کرنے سے بڑھتا ہے۔

حفاظت: (۵۹) دولت کی حفاظت تمہیں کرنی پڑتی ہے اور علم تمہاری حفاظت کرتا ہے۔

جرم: (۶۰) جرم کا اقرار مجرم کا بہت اچھا سفارشی ہے۔

بدبختی: (۶۱) ہمسایہ کی بدخواہی اور نیکیوں سے برائی پرلے درجے کی بدبختی ہے۔

مال: (۶۲) جس شخص کو علم مستغنی نہیں کر سکتا اسے مال کبھی مستغنی نہیں کر سکتا۔

عقل کا نقصان: (۶۳) جو شخص اپنے ہر کام کو اچھا خیال کرتا ہے اس کی عقل ناقص ہو جاتی ہے۔

زبان: (۶۴) جس شخص پر اس کی زبان سوار ہو وہ اسے ہلاک کر دیتی ہے۔

اصلاح: (۶۵) جو اپنا مصلح نہیں۔ وہ دوسروں کا مصلح نہیں ہو سکتا۔

اظہار حق: (۶۶) جیسے جہالت کا اظہار کرنا خوبی کی بات نہیں۔ ایسے ہی حق کا اظہار نہ کرنا خوبی کی بات نہیں۔

جماعت: (۶۷) جماعت کو لازم پکڑو، (۶۸) اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے۔
(۶۹) تفرقہ سے بچو، (۷۰) جماعت سے الگ ہونے سے آدمی اس طرح شیطان کا شکار ہو جاتا ہے جیسے ریوڑ سے الگ بکری بھیڑیے کا شکار ہو جاتی ہے۔
(۷۱) اللہ کا غضب ہے۔ تارکِ جماعت پر۔

ایمان: (۷۲) ایمان کی نشانی یہ ہے کہ اگر سچ بولنے سے نقصان ہوتا ہو اور جھوٹ سے فائدہ ہوتا ہو پھر بھی سچ بولے۔

دوزبانیں: (۷۳) بدترین انسان وہ ہے کہ جس کے دو منہ اور دو زبانیں ہوں۔

اسلام: (۷۴)اسلام کی فتح لشکر کی کمی اور بیشی پر منحصر نہیں۔ یہ اللہ کا دین ہے۔ جسے اللہ نے تمام دینوں پر غالب کیا ہے۔

حاکم وقت: (۷۵)حاکم وقت کی مثال ایسی ہے جیسے موتیوں کی لڑی میں دھاگا کہ جس سے تمام نظام قائم رہتا ہے۔

عرب کی طاقت: (۷۶)عرب تعداد کے اعتبار سے کم ہیں مگر اجتماع کے لحاظ سے بڑے طاقتور ہیں۔

امام عادل: (۷۷)امام عادل وہ ہے جو سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عمل کرے اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عمل کی دعوت دے۔

ظالم امام: (۷۸)ظالم امام وہ ہے جو خود بھی گمراہ ہو اور دوسروں کو بھی گمراہ کرے۔

محبت اور بغض: (۷۹)میرے معاملہ میں دو قسم کے لوگ ہلاک ہوں گے مجھ سے ایسی محبت رکھنے والے جو ناحق ہو اور مجھ سے حد سے زیادہ بغض رکھنے والے۔

تفرقہ: (۸۰)جو ملت کو تفرقہ کی طرف بلائے وہ واجب القتل ہے۔

مشورہ: (۸۱)مشورے کا حق مہاجرین کو ہے۔ انصار کو ہے جس کی امامت پر دو راضی ہو جائیں۔ خدا بھی راضی ہو جاتا ہے۔

خلافت و امامت: (۸۲)نہ میرے دل میں خلافت کی تمنا ہے نہ امامت کی آرزو۔

اختلاف: (۸۳)میرے بھائیوں نے میرے خلاف بغاوت کی۔ میرا اور ان کا دین ایک ہے۔ قرآن ایک ہے۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ہے۔ خدا ایک ہے۔

نفسانی خواہش: (۸۴)خواہشیں مہلک بیماریاں اور بلائیں ہیں اور ان کا بہترین علاج یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو ان سے روکے رہے۔

حسد: (۸۵)یہ ایک لاعلاج بیماری ہے جو حاسد یا محسود کی موت کے بغیر دور نہیں ہوتی۔

گناہ: (۸۶)گناہ بھی بیماریاں ہیں اور ان کا علاج استغفار ہے اور ان سے شفا یہ ہے کہ انسان پھر دوبارہ گناہ نہ کرے۔

صبر: (۸۷)صبر ایمان کا بہت اچھا لباس اور انسان کی نہایت عمدہ خصلت ہے۔

شک: (۸۸)یہ یقین کو بگاڑتا اور دین کو برباد کر دیتا ہے۔

دانا: (۸۹) دانا وہ ہے جو اپنی نفسانی خواہشوں اور حرص وہوا کا قلع وقمع کر کے اپنے عمدہ صفات کو زندہ کرے اور ذلیل خصال کو مار ڈالے۔

طول امل: (۹۰) لمبی امید سیراب کی مانند ہے کہ دور سے دیکھنے والے کو دھوکے میں ڈالنا اور جو اس کی امید رکھ کر اس کے پاس آئے وہ اپنی امید کے خلاف پاتا ہے۔

زیادہ سزا: (۹۱) ظالم بادشاہ اور بدکار عالم کو قیامت کے دن سب سے زیادہ سزا ملے گی۔

برا آدمی: (۹۲) برا آدمی کسی کے ساتھ نیک گمان نہیں رکھتا۔ کیونکہ وہ ہر ایک کو اپنے جیسا خیال کرتا ہے۔

سچا دوست: (۹۳) سچا دوست وہ ہے جو غائبانہ طور پر تیری خیر خواہی کرے اور اپنے آپ سے تجھے اچھا سمجھے۔

صالحین: (۹۴) صالحین کی زحمت ان کے لئے رحمت ہے۔

زیرک: (۹۵) زیرک کو زیادہ زحمت ہوتی ہے۔

جاہل کا زہد: (۹۶) جاہل کا زہد گمراہ کنندہ ہے۔

مصائب: (۹۷) دنیا کا کونہ کونہ مصائب سے بھرا ہوا ہے۔

تواضع: (۹۸) ضعیف اور کمزور مومنوں کی ملاقات انکساری اور تواضع کی دلیل ہے۔

ظاہر و باطن: (۹۹) ظاہر کی آراستگی سے باطن کی درستگی بہتر ہے۔

بدگمانی: (۱۰۰) بدگمانی دور اندیشی کی دلیل ہے۔

حقیقی خوشی: (۱۰۱) دنیا سے خوش ہونا دھوکہ ہے۔ دنیا میں حقیقی خوشی۔

بدخلقی: (۱۰۲) بدخلقی وہ وحشت ہے جس سے چھٹکارا محال ہے۔

سیرت: (۱۰۳) آدمی کی سیرت اس کے باطن کا پتہ دیتی ہے۔

سلامتی: (۱۰۴) زبان کی حفاظت میں ہی انسان کی سلامتی ہے۔

فقہاء: (۱۰۵) فقہاءِ ملت سردار قوم ہیں۔

جانکنی: (۱۰۶) بدخلقی زندوں کے لئے جان کنی ہے۔

خدا سے شکایت: (۱۰۷) ضعیفوں کا ہتھیار خدا سے شکایت ہے۔

بدترین انسان: (۱۰۸) بدترین انسان وہ ہے جس سے لوگ ڈرتے ہوں۔

عذاب: (۱۰۹) دولت مند کی حرص عذاب ہے۔

معرفت: (۱۱۰) قلیل معرفت عمل کثیر سے بہتر ہے۔

موت کا پیام: (۱۱۱) بڑھاپا موت کا پیغام ہے۔

قرآن کی تلاوت: (۱۱۲) تلاوت القرآن دل کے مرض کی شفاء ہے۔

محتاج: (۱۱۳) بخیل دولتمند، سخی فقیر سے زیادہ محتاج ہے۔

دوستی: (۱۱۴) دوست کو تکلیف نہ دینا ہی شرط دوستی ہے۔

نظر: (۱۱۵) دوست کی دید نظر کو تیز کر دیتی ہے۔

غلط اقدامات: (۱۱۶) نتائج پر خوب غور کرو۔ تم غلط اقدامات سے محفوظ ہو جاؤ گے۔

مشورہ: (۱۱۷) ہر شخص کا مشورہ اس کے تجربے کے مطابق ہوتا ہے۔

فراست: (۱۱۸) بلا تمیز ہر ایک پر بھروسہ کرنا فراست کی کمزوری ہے۔

دانا دشمن: (۱۱۹) نادان دوست سے دانا دشمن بہتر ہے۔

خداشناسی: (۱۲۰) خود شناسی خداشناسی ہے۔

اپنی قدر: (۱۲۱) جو شخص اپنی صحیح قدر پہنچانتا ہے وہ کبھی تباہ نہیں ہوتا۔

صحیح قدر: (۱۲۲) ہر آدمی کی صحیح قدر کا معیار وہ نیکی ہے جسے وہ کرتا ہے۔

مستحق: (۱۲۳) جو اس شے کی جستجو کرتا ہے جس کا وہ مستحق نہیں وہ اس سے بھی محروم ہو جاتا ہے جس کا وہ مستحق ہے۔

قلعہ: (۱۲۴) خدا پر بھروسہ مومن کا قلعہ ہے۔

توبہ: (۱۲۵) توبہ دل کو پاک صاف کر دیتی ہے اور گناہوں کو دھو ڈالتی ہے۔

فریبی: (۱۲۶) فریبی کی زبان میٹھی مگر دل کڑوا ہوتا ہے۔

عاقل و جاہل: (۱۲۷) عاقل جاہل کو جانتا ہے اس لئے کہ وہ جاہل رہ چکا ہے جاہل عاقل کو نہیں پہچانتا۔ کیونکہ وہ کبھی بھی عاقل نہیں تھا۔

مذہب: (۱۲۸) مذہب ایک شجر ہے اس کا بیج اعتقاد ہے اس کی شاخ خوف خدا ہے۔ اس کا پھول حیا ہے اور پھل کریم النفسی ہے۔

آدمی: (۱۲۹) آدمی اپنے آپ کو جس مرتبہ میں رکھے اسی میں رہتا ہے اگر ریاضت اور طاعت

سے اپنے نفس کو پاک کرے تو پاک ہو جاتا ہے اور اگر گناہوں کی آرائش میں میلا کرے تو میلا ہو جاتا ہے۔ اگر اپنے آپ کو باعزت رکھے تو باعزت رہتا ہے اور اگر ذلیل رکھے تو ذلیل رہتا ہے۔

عافیت کی قدر: (۱۳۰) اگر انسان کو ہمیشہ آرام حاصل رہے تو اس کی قدر معلوم نہیں ہوتی جو لوگ مصیبت میں مبتلا ہوتے ہیں عافیت کی قدر وہی جانتے ہیں۔

سخی: (۱۳۱) سخی لوگوں کا محبوب اور محمود ہے۔ گو تعریف کرنے والے کو اس کے مال و دولت سے حصہ نہ ملے مگر ہر کوئی اس کی تعریف کرتا ہے اور بخیل کی حالت اس کے برخلاف ہے۔

ظالم: (۱۳۲) لوگوں کا دشمن اور مذموم ہے۔ گو مذمت کرنے والوں کو اس کے ظلم سے تکلیف نہ پہنچے مگر ہر کوئی شخص اس کی برائی بیان کرتا ہے اور عادل کی حالت اس کے برعکس ہے۔

دنیا: (۱۳۳) دنیا نوبت بنوبت پہنچتی ہے۔ پس اس کو اچھے طریق سے طلب کرو کہ تمہاری نوبت میں تمہارے پاس پہنچ جائے۔

حماقت: (۱۳۴) بہت بڑی حماقت ہے کہ آدمی فضول باتوں پر فریفتہ اور جاہلوں کا مصاحب ہو اور بلاسوچے سمجھے ہر ایک کی بات میں دخیل ہو۔

ایک سائنس دان کا ایمان

اعتقاد کے سات بُرہان

ہم ابھی سائنس کے ابتدائی دور میں ہیں۔ جوں جوں اس کی روشنی میں اضافہ ہوتا جارہا ہے توں توں خالق کائنات کی صنعت اور نمایاں ہوتی چلی جارہی ہے۔ ڈارون کے بعد ان نوے سال میں ہم نے زبردست انکشافات کیے اور "علمی انکساری" اور علم پر مبنی یقین کے جذبہ کے تحت خدا کی ہستی کا احساس اور گہرا ہوتا چلا گیا۔ جہاں تک میرا تعلق ہے میں اپنے ایمان کے متعلق سات دلائل پیش کرتا ہوں۔

برہان اول

کائنات کا خاکہ: "اٹل اصول ریاضی کی رو سے ہم ثابت کر سکتے ہیں کہ ہماری کائنات کا خاکہ ایک حکیمانہ ترتیب سے مرتب کیا گیا اور عالم وجود میں لایا گیا۔"

فرض کیا۔ آپ دس سکوں پر ایک سے لے کر دس نمبر لکھ کر جیب میں ڈال کر ان کو اچھی طرح خلط ملط کر لیتے ہیں۔ اب آپ ان کو نمبروار نکالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہر غلط نمبر کو پھر جیب میں ڈال کر ملا جلا لیتے ہیں۔ علم ریاضی کی رو سے ہم جانتے ہیں کہ آپ کا نمبرا سکہ نکالنے کا امکان ۱۰/ا ہے اور نمبر 1 اور نمبر ۲ کو یکے بعد دیگرے نکالنے کا امکان ۱۰۰/ا ہے اور نمبر ا-۲-۳ کا یکے بعد دیگرے نکالنے کا امکان ۱۵۰/ا ہے اور اسی طرح آپ کا ان تمام کو ایک سے دس تک یکے بعد دیگرے نکالنے کا امکان ایک ناقابل یقین تعداد ۱۰۰۰۰۰۰۰۰۰/ا- دس کھرب تک پہنچ جائے گا۔

اس دلیل کو سامنے رکھتے ہوئے ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے تبدیل نہ ہونے والے حالات اس زمین پر کی زندگی کے لئے اشد ضروری ہیں۔ اور ان حالات میں کبھی بھی مناسب رشتہ اتفاقیہ طور پر پیدا نہیں ہو سکتا۔ زمین اپنے محور کے ارد گرد ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے گھومتی ہے۔ اگر یہ صرف ایک سو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے گھومتی تو ہمارے شب و روز پہلے سے دس گنا لمبے ہو

جاتے اور اس طویل دن میں دہکتا ہوا سورج ہی ہماری نباتات کو جھلس دیتا اور پھر اس لمبی رات میں باقی ماندہ نباتات منجمد ہو جاتی۔

سورج جس پر ہماری زندگی کا دارومدار ہے۔ اس کا سطحی درجہ حرارت ۱۲۰۰۰ فارن ہیٹ ہے۔ اور ہماری زمین بالکل اتنی ہی دور ہے جس سے یہ ابدی آگ ہمیں عین ضروری حرارت مہیا کر سکے۔ اگر سورج اپنی موجودہ گرمی سے ہمیں صرف آدھی گرمی بہم پہنچاتا تو ہم جاندار منجمد ہو جاتے یا اگر وہ ڈیڑھ گنا ہوتا تو ہم بھن کے رہ جاتے۔

کرہ زمین کا ۲۳ درجہ (یعنی زاویہ) کا جھکاؤ ہمارے لئے موسم پیدا کرتا ہے۔ اگر اس کا جھکاؤ ایسا نہ ہوتا تو سمندر کے آبی بخارات شمال جنوب کی طرف پھیل جاتے اور ہمارے لئے برف کے تودوں سے اٹے ہوئے براعظموں کی صورت میں نمودار ہوتے۔ فرض کریں اگر ہماری زمین سے چاند کا فاصلہ۔ موجودہ فاصلہ کی بجائے صرف پچاس ہزار میل ہوتا تو ہمارے سمندر کی لہریں اتنی بلند ہوتیں۔ کہ دن میں دو دفعہ تمام براعظم پانی میں ڈوب جاتے حتی کہ ہمارے پہاڑ بھی پانی میں بہہ جاتے۔ اگر زمین کی سطحی جلد صرف دس فٹ اور موٹی ہوتی تو آکسیجن جس پر زندگی کا دارومدار ہے۔ بالکل مفقود ہو جاتی۔ اگر سارے سمندر صرف چند فٹ اور گہرے ہوتے تو کاربن ڈاکسائیڈ اور آکسیجن پانی میں جذب ہو جاتی اور کوئی نباتات پیدا نہ ہو سکتی یا پھر اگر ہمارا دائرہ فضا ذرا زیادہ لطیف ہوتا تو بہت سارے ٹوٹے ہوئے سیارے جو اب لاکھوں کی تعداد میں ہر روز ہوا میں جل جاتے ہیں وہ زمین کے تمام حصوں پر برستے اور وہاں آگ ہی آگ پھیلا دیتے۔

مندرجہ بالا اور لاتعداد امثال کی رو سے کروڑوں میں صرف ایک بھی امکان اس چیز کا پیدا نہیں ہوتا کہ زندگی ہمارے اس خطہ زمین پر ایک اتفاقیہ حادثہ ہے۔

برہان دوم

زندگی: "زندگی کا اپنے مقصد کے حصول کے لئے ویسے ہی سانچے میں ڈھل جانے کی صلاحیت رکھنا ایک مکمل اور حاوی حکمت کے وجود پہ دلالت کرتا ہے۔"

زندگی بذات خود کیا ہے؟ کوئی انسان نہیں سمجھ سکا۔ یہ نہ تو وزن ہی رکھتی ہے اور نہ کوئی حجم وغیرہ۔ مگر وہ ایک قوت کی حامل ضرور ہے ایک اگتا ہوا پودا ایک چٹان کو توڑ سکتا ہے۔ زندگی نے

پانی۔ زمین اور ہوا پر غلبہ حاصل کر لیا اور عناصر پر حاوی ہو کر انہیں مجبور کیا کہ وہ مختلف اشکال میں ڈھل کر مختلف جوڑا اختیار کر لیں۔ زندگی ایک بت تراش کی طرح تمام زندہ چیزوں کو مختلف اشکال دیتی ہے۔ ایک مصور کی طرح ہر درخت کے پتہ کو کسی صورت میں اور ہر پھول کو مختلف رنگوں میں رنگ دیتی ہے۔ زندگی ایک مغنیہ ہے۔ جس نے ہر پردے کو محبت کے پر کیف نغمے گانا اور کیڑے مکوڑوں کو لاکھوں کی تعداد میں ہم آواز ہو کر اپنی اس موسیقی سے ایک دوسرے کو بلانا سکھایا ہے۔ زندگی ایک ماہر کیمسٹ (کیمیاداں) کی طرح پھل اور سبزیوں کو ذائقہ اور پھولوں کو خوشبو بخشتی ہے جو پانی اور کاربن کو چینی اور لکڑی کی صورت دیتی ہے اور اس طرح سے آکسیجن مہیا کرتی ہے۔ تاکہ جاندار زندگی کے سانس لے سکیں۔ پوروٹوپلیزم PROTOPLASM کی ابتداء ذرہ کا ایک بمشکل دکھائی دینے والا قطرہ لیں۔ جس میں سے نگاہ آرپار ہو سکے۔ اور جو پھلوں، میووں کے عرق کی چاشنی (JELLY) کی مانند ہو کر جو ہلنے کی صلاحیت رکھتا ہو اور سورج کی شعاعوں سے طاقت حاصل کرتا ہو۔ صرف یہی دھندلا دھندلا ننھا سا ذرہ اپنے اندر زندگی کا مادہ رکھتا ہے۔ اور ہر جاندار چیز کو زندگی بخشنے کی قوت رکھتا ہے۔ خواہ وہ بڑی ہو یا چھوٹی۔ اس کی قوت ہماری نباتات، حیوانات اور لوگوں سے کہیں زیادہ ہے۔ کیونکہ تمام زندگی اسی سے پیدا ہوتی ہے۔ نیچر نے زندگی کو تخلیق نہیں کیا۔ جھلسی ہوئی چٹانیں اور غیر نمکین سمندر ہماری زندگی کی ضروریات کو پورا نہیں کر سکتے تھے اسے پھر کس نے پیدا کیا؟ میرا ایمان اس پر ہے جو خالق حیات ہے۔

بُرہانِ سوم (فطری فراست)

"حیوانی سمجھ ایک خالق مطلق کی ہستی کے متعلق بڑی وضاحت سے دلالت کرتی ہے۔ جس نے ایک کمزور اور معذور سے جاندار میں ایک فطرتی اکساہٹ سے پیدا کر دی۔"

سامن مچھلی متعدد سال سمندر میں بسر کرنے کے بعد اپنے میٹھے پانی کے دریا میں واپس آتی ہے۔ وہ دریا کی صرف اس طرف سفر کرتی ہے جس طرف دریا کا وہ معاون داخل ہوتا ہے جس میں وہ پیدا ہوئی تھی۔ اس کو کیا چیز اس طرح ٹھیک منزل کی طرف لاتی ہے؟ اگر آپ اسے کسی دوسرے معاون میں ڈال دیں تو وہ فوراً جان جائے گی کہ وہ اپنے راستہ سے بھٹک گئی ہے اور وہ اپنے راستہ کی تلاش میں جدوجہد کرتی ہوئی دریا کی بہاؤ کے ساتھ بہتی ہوئی چلی جائے گی اور پھر دریا کے

بہاؤ کے خلاف چلتی ہوئی اپنی آخری اور صحیح منزل سے دوچار ہو جائے گی۔

اس سے بھی زیادہ ایل مچھلی (سانپ کی مانند مچھلی کی ایک قسم) کے اسرار کو سمجھنا مشکل ہے۔ یہ عجیب و غریب جانور سن بلوغت کو پہنچ کر تالابوں۔ دریاؤں اور دوسری تمام جگہوں سے ہجرت کرتا ہے۔ یورپ والے ایل سمندر کو عبور کرتے لاکھوں میل نکل جاتے ہیں اور تمام کا رخ صرف انہی تاریک سمندر کی گہرائیوں کی طرف ہوتا ہے جو "برموڈا" کے جزیرہ کے پاس ہیں۔ وہاں وہ بچے پیدا کرتے ہیں اور مر جاتے ہیں۔ اب ننھی ننھی ایل مچھلیاں جن کے پاس کچھ جاننے کے لئے کوئی وسائل نہیں ہوتے۔ سوائے اس کے کہ وہ پانی کی اتھاہ گہرائیوں میں ہیں۔ وہ اپنے گھروں کی طرف رجعت کرتی ہیں۔ اور اپنا راستہ نہ صرف اس ساحل سمندر کی طرف معلوم کر لیتی ہیں۔ جہاں سے ان کی پہلی نسلیں آئی تھیں۔ بلکہ وہ اسی دریا جھیل اور تالاب تک کو ڈھونڈ نکالتی ہیں۔ حتیٰ کہ تمام پانی میں مچھلیاں ہی مچھلیاں بس جاتی ہیں۔ کبھی کوئی امریکن ایل یورپ میں اور نہ کبھی کوئی یورپین ایل امریکہ کے پانیوں میں پائی گئی ہے۔ قدرت یورپین ایل کی بلوغت کی میعاد میں (بہ نسبت امریکن ایل کے) ایک یا ایک سے زیادہ سال تک تاخیر کر دیتی ہے۔ تاکہ وہ اپنا سفر پورا کر سکے۔ کیونکہ اس کا سفر امریکن ایل سے بہت زیادہ لمبا ہوتا ہے۔ اب بتایئے یہ راہنمائی اور فطرتی اکساہٹ کہاں سے پیدا ہوتی ہے؟۔

ایک جنگلی بھڑ ایک ٹڈے پر غلبہ حاصل کرنے کے بعد زمین میں ایک گڑھا کھودتی ہے اور ٹڈے کے عین اس جگہ ڈنگ چبھوتی ہے کہ وہ مرتا تو نہیں مگر بے ہوش ہو جاتا ہے اور پھر ایک محفوظ شدہ خوراک کی طرح زندہ رہتا ہے۔ تب بھڑ بڑی احتیاط سے اس کے جسم کے ایسی مناسب جگہ پر انڈے دیتی ہے کہ جب اس کے بچے ان انڈوں سے نکلیں تو ٹڈے کو کتر کتر کر اپنی خوراک حاصل کرتے رہیں۔ مگر اسے مار نہ دیں۔ کیونکہ مردہ چیز کھانا مہلک ثابت ہوتا ہے۔ تب ماں اڑ جاتی ہے اور کہیں مر جاتی ہے۔ اور کبھی اپنے بچوں کو نہیں دیکھتی۔ یقیناً بھڑ نے یہ سب کچھ ٹھیک طور پر پہلی دفعہ اور ہر دفعہ کیا ہو گا۔ نہیں تو اب ہمیں ایک بھی بھڑ نظر نہ آتی۔ ان پراسرار طریقوں کے متعلق یہ کہنا کہ یہ "حاصل کردہ" ہیں۔ غلط ہے بلکہ یہ "عطا شدہ" ہیں۔

بُرہانِ چہارم (وجدانِ انسان)

"انسان حیوانی فطرت کے علاوہ کچھ اور بھی رکھتا ہے۔وہ ہے عقلی صلاحیت۔"

کبھی کسی جانور کی صلاحیت کے نشان اس طرح نہیں ملے کہ وہ ایک سے دس تک منہ سے گن سکتا ہو یا دس کے ہندسہ سے کماحقہ واقف ہو۔ اگر فطرت ایک ہی ساز کی ایک ہی سُر ہے ایک خوب صورت مگر محدود سُر تو انسانی دماغ آرکسٹرا کے تمام سازوں کی تمام سُروں سے پُر ہے۔ اس چوتھی دلیل کی وضاحت کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ عقل انسانی کی بدولت ہی ہم یہ دیکھ سکتے ہیں کہ ہم جو کچھ بھی ہیں وہ اسی لئے ہیں کیونکہ اس لامحدود حکمت میں سے ہم میں ایک شعلہ فروزاں کیا گیا ہے۔

برہانِ پنجم

واقعاتِ عالم میں زندگی کے جن تمام لوازمات ضروری کا انکشاف اب ہم پہ ہو رہا ہے۔ وہ ڈارون نہ جان سکا تھا...... مثلاً جینز ابتدائی ننھے منے بال سے باریک ترین جرثومے کے عجائبات (GENES)۔

یہ جینز اس ناقابل بیان حد تک چھوٹے ہوتے ہیں کہ اگر تمام دنیا کے تمام لوگوں کے تمام جینز کو ایک جگہ اکٹھا کیا جائے تو ان کا حجم فقط ایک انگشتانہ یا اس سے بھی کم جگہ میں سما سکتا ہے۔ یہ حد درجہ کے چھوٹے اور خوردبین سے بھی مشکل سے نظر آنے والے جینز اور ان کے ساتھی کروموسومز (CHROMOSOMES) ہر ذرہ میں ہوتے ہیں۔ وہ تمام انسان، حیوان اور نباتات کی ذاتی خصوصیات جو زندگی کے قائم رکھنے کا قطعی ذریعہ ہیں۔ گویا ایک انگشتانہ جتنی معمولی سی جگہ میں دو ارب انسانوں کی ذاتی خصوصیات سمٹ سکتی ہیں۔ کچھ بھی ہو یہ حقیقت جھٹلائی نہیں جاسکتی اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جینز کے اس چھوٹی سی جگہ میں کس طرح لاتعداد نسلوں کی نسلی خصوصیات اور ان کی نفسیات کو سمیٹ لیتے ہیں؟

اس جگہ سے ارتقاء حقیقتاً شروع ہوتا ہے۔ یعنی اس ایک ذرے سے جو جینز کو اپنے اندر لئے ہوتا ہے۔ اور اسے لئے پھرتا ہے کس طرح صرف چند کروڑ ایٹم ایک معمولی سے جینز کی صورت میں زمین کی تمام زندگی پر مکمل حکمرانی کرتے ہیں اور ہمیں ایک گہری حکمت کا ثبوت بہم پہنچاتے

ہیں جو صرف ایک تخلیقی طاقت سے ہی نکل سکتی ہے اور کوئی نظریہ ہمارا یہ مسئلہ حل نہیں کر سکتا۔

برہانِ ششم (نامحدود عقل)

"نیچر کا اپنے مادہ کو بے جا صرف نہ کرنا ہمیں اس پر یقین کرنے کے لئے مجبور کرتا ہے کہ صرف ایک لامحدود عقل نے بنظر غائر اور اس کے تمام وسائل پر مکمل قابو رکھتے ہوئے اسے تیار کیا۔"

بہت سال گزرے آسٹریلیا میں کیکٹس (CACTUS) نامی ایک پودا جس کو تھوہر بھی کہتے ہیں۔ اور جو باڑ کا کام دیتا ہے بویا گیا اور آسٹریلیا میں اس پودا کے لئے تباہ کن ثابت ہونے والے کیڑوں کے نہ ہونے کی وجہ سے کیکٹس بہت افراط سے پھیل گیا اور جب اس کے خطرناک پھیلاؤ کی روک تھام کے لئے مناسب کارروائی کی گئی تو اس وقت یہ خوفناک پھیلاؤ انگلستان جتنے بڑے حدود اربعہ میں پھیل چکا تھا۔ اس نے لاکھوں باشندوں کو شہری اور دیہاتوں سے بھاگ نکلنے پر مجبور کر دیا اور کھیتوں کو بالکل تباہ کر دیا۔ کیڑے مکوڑوں کے ماہرین نے دنیا کا کونہ کونہ چھان مارا اور آخر کار انہوں نے ایک ایسے کیڑے کا سراغ ڈھونڈ نکالا جو صرف کیکٹس پر ہی زندہ رہتا تھا۔ اور یہ بچہ بھی بڑی سرعت اور افراط سے پیدا کرتا تھا اور اس کیڑے کا دشمن (یعنی اس کو کھانے والا) کوئی اور کیڑا آسٹریلیا میں نہ تھا۔ اس کیڑے نے جلد ہی اس کیکٹس پہ قابو پالیا اور یہ قریباً نیست و نابود ہو گیا۔ اور اس کے ساتھ یہ کیڑے بھی صرف معمولی سی تعداد میں باقی رہ گئے جو اس پہ متصرف رہے۔

یہ روک تھام اور توازن تمام دنیا میں قائم ہے...... سرعت سے بڑھنے والے کیڑے آخر دنیا پر کیوں نہیں چھا جاتے؟ اس لئے کہ ان کے پھیپھڑے انسانی پھیپھڑوں کی طرح کے نہیں ہوتے۔ وہ نلکیوں کی طرح چھیدوں میں سے سانس لیتے ہیں اور جب وہ پھولتے ہیں تو ان کی نلکیاں مقابلتاً ان کے جسم کے زیادہ نہیں بڑھتیں۔ اس لئے کبھی بھی کوئی کیڑا بڑے جسم کا دکھائی نہیں دیتا اور جسم کے بڑھنے پر یہ روک تھام ہمیشہ ان کو تعداد میں بڑھنے سے روکے رکھتی ہے۔ اگر ان کے جسم کے پھلنے پھولنے پر یہ روک تھام نہ ہوتی تو بنی نوع انسان خطۂ زمین پر دکھائی نہ دیتے۔ بھلا ایک بھڑ کو شیر جتنی جسامت کا تصور تو کریں۔

برہانِ ہفتم

"یہ امر کہ انسان خداتعالیٰ کی ہستی کا تصور ہی کر سکتا ہے۔ ہستی خداتعالیٰ کی موجودگی کا زبردست ثبوت ہے۔"

خدا پر یقین انسان کی روحانی قوت سے پیدا ہوتا ہے جس سے باقی ماندہ جانور بے بہرہ ہیں۔ ہم اس قوت کو تصور اور تخیل کا نام بھی دے سکتے ہیں۔ اس کی مدد سے انسان اور صرف انسان ہی غائبانہ چیزوں کی موجودگی کو محسوس کر سکتا ہے اور مشاہدہ جس کا انکشاف یہ طاقت کرتی ہے لامحدود ہے۔ حقیقتاً انسان کا یہ گہرا تصور اور تخیل ایک روحانی حقیقت میں ڈھل جاتا ہے اور اس دنیاوی اور سماوی حاکم کے جو کہ ایک مخصوص مقصد سے مزین ہے۔ مشاہدہ میں وہ ایک سچائی سے روشناس ہوتا ہے۔ وہ سچائی جو بتاتی ہے کہ جنت ہے اور ہر جگہ ہے خدا ہر جگہ اور ہر چیز میں ہے اور یہ الٰہی قربت دلوں کے قریب تر ہوتی ہے۔

یہ چیز علمی اور روحانی نظریہ کی رو سے عیاں ہو جاتی ہے جیسا کہ بائبل میں ہے کہ:

"کائنات خدا کی شان کا مظاہرہ ہے اور ستاروں سے لدا ہوا آسمان اس کی مصوری کی ثناء خواں۔"

اُخلاقِ سلف

درس و ارشاد: (۱) سلف صالحین رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ کتاب اور سنت کی ایسی ملازمت کرتے جیسے جسم سایہ دار کے ساتھ لازم ہوتا ہے۔ ان میں سے کوئی بھی درس و ارشاد کی کسی مسند پر نہ بیٹھتا۔ جب تک کہ وہ قرآن و حدیث کا اعلیٰ درجے کا عالم نہ ہوتا۔

قول و فعل: (۲) وہ ہر قول اور ہر فعل کو کتاب و سنت اور عرف کی ترازو سے تولتے پھر منہ سے بولتے۔ اور عمل کی گرہ کھولتے۔

(۳) وہ پوری تدبیر سے کام لیتے مگر تدبیر کرنے کے بعد انجام خدا کے سپرد کر دیتے۔ ان کا مسلک یہ تھا۔

گفت پیغمبر ﷺ بہ آواز بلند
بر توکل زانوئے اشتر بہ بند (رومی رحمتہ اللہ علیہ)

بدوی نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا۔ میں اپنے اونٹ کا گھٹنا مضبوطی سے باندھ دوں یا خدا پر بھروسہ کروں کہ وہ اس کی حفاظت کرے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ "اعقل و توکل" اونٹ کا گھٹنا خوب باندھ۔ بھروسہ خدا پر کر۔ مولانا نے حدیث کو منظوم کر دیا۔ ترجمہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اونچی آواز سے فرمایا۔ اللہ کی ذات پر تکیہ رکھتے ہوئے اونٹ کا گھٹنا باندھ دے۔

خلوص: (۴) وہ کامل خلوص سے کام لیتے۔ ریا (ظاہر داری) سے بہت بچتے

اقوال واحوال: وہب بن منبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ جو آخرت کے عمل سے دنیا طلب کرے۔ اللہ تعالیٰ اس کے دل کو اندھا کر دیتا ہے اور اس کا نام دوزخیوں کی فہرست میں لکھ دیتا ہے۔

حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا جو عالم اپنے علم پر عمل کرے وہ یقیناً خدا کا ولی ہے۔

حضرت سفیان ثوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے۔ مجھے میری والدہ نے کہا، اے بیٹا جب تک تو علم پر عمل کرنے کی نیت نہ کرے۔ پڑھنا شروع نہ کر تیرے لئے وہ آخرت میں وبال ہو گا۔

ذوالنون مصری رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا گیا۔ انسان مخلص کب ہوتا ہے۔ فرمایا جب اپنا ہر کام رضائے الٰہی کے لئے وقف کر دے۔

یحییٰ بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے۔ کہ جب آدمی کی عادت دودھ پینے والے بچے کی مانند ہو جائے تعریف اور مذمت (برائی) کی پرواہ نہ کرے۔ وہ مخلص ہو جاتا ہے۔

ابو عبداللہ انطاکی رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے۔ اخلاص وہ پانی ہے جو دل کے لئے زندگی کا سبب ہے مگر ریا دل کی موت ہے۔

نعیم بن حماد رحمتہ اللہ علیہ کی تصریح ہے۔ کہ پیٹھ پر کوڑوں کی ضربات برداشت کرنا سہل ہے مگر نیتِ صالحہ مشکل ہے۔

حضرت حسن بصری نے کیا خوب کہا ہے۔ لوگ اعمال کے بدلے جنت یا دوزخ میں داخل ہوں گے مگر نیت کے باعث اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ۔ توضیح فرماتے ہیں کہ جو علم یا عمل لوگوں کے سامنے ظاہر ہو

جاتا ہے وہ آخرت میں کم فائدہ دیتا ہے۔

حضرت ابا سہل صعلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے وصال کے بعد کسی نے خواب میں دیکھا۔ عرض کی علم کی سناؤ۔ کیسا رہا۔ بولے تمام علمی نکتے ذروں کی مانند ہوا میں اڑ گئے صرف وہ مسائل کام آئے جو ہم سے عوام نے پوچھے۔

حضرت جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ تمام اشارات اڑ گئے۔ عبادات کام نہ آئیں وہ مختصر رکعتیں فائدے دے گئیں جن کو ہم پچھلی رات پڑھا کرتے تھے۔

امراء کی ملاقات: (۵) بزرگ بلا ضرورت شرعی و مصلحت عوامی امراء کی ملاقات سے سخت پرہیز کرتے ہیں۔

اقوال و احوال۔ حاکم بصری نے حضرت مالک بن دینار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا۔ تجھے معلوم ہے کہ کس بات نے تجھے ہمارے سامنے کلمہ حق کہنے کی جرأت دلائی اور کیوں ہم تیرا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اس کا باعث تیرا ہم سے بے طمع ہونا اور دنیا سے بے پروا ہونا ہے۔

منافقت سے پورا پرہیز: (۶) بزرگوں کا ظاہر و باطن یکساں تھا۔ انہیں منافقت سے پورا پرہیز تھا۔

اقوال و احوال: حضرت ابو العباس خضر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضرت عمر ابن عبدالعزیز مدینہ شریف میں ملے اور طالب نصیحت ہوئے۔ حضرت ابو العباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ گویا ہوئے۔

اے عمر اس سے بچنا کہ تو ظاہر میں خدا کا دوست ہو اور باطن میں دشمن ہو۔

ابو عبدالرحمٰن زاہد رحمتہ اللہ علیہ اپنی مناجات میں فرمایا کرتے۔ ہائے افسوس! میں نے لوگوں سے امانت کا برتاؤ کیا۔ اور پروردگار سے خیانت کا۔ کاش میرا طریق عمل برعکس ہوتا۔

مالک بن دینار رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے۔ اس سے بچو کہ تم دن کو نیک اور رات کو شیطان ہو جاؤ۔

زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کلام یہ ہے۔ اپنی نیکیوں کے لئے پوشیدہ جگہ بناؤ جیسے برائیوں کے لئے بناتے ہو۔

ظلم پر صبر۔ (۷) بزرگوں کا شیوہ یہ تھا کہ وہ حاکموں کے ظلم پر صبر کرتے اور یقین کرتے کہ جو سزا انہیں ملی ہے وہ ان کے شامت اعمال کے باعث ہے۔

اقوال واحوال۔ حضرت ابوذر رحمتہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا کہ ان کے حاکموں کا عطیہ ان کے دین کی قیمت ہو گا۔

حضرت مالک بن دینار رحمتہ اللہ علیہ کا ارشاد ہے۔ جب حاکم لاغر ہونے کے بعد فربہ ہو جائے تو جان لو کہ وہ رعیت کی اور رب العزت کی خیانت کرتا ہے۔

دوستی اور دشمنی: (۸) بزرگوں کا دتیرہ تھا کہ صرف اللہ کے لئے کسی سے دوستی کرتے یا دشمنی۔

اقوال واحوال۔ حضرت یحییٰ بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ خدا کا دوست (ولی) زمین میں خوشبو ہے۔ جب ارادت کیش سونگھتے ہیں اور ان کی خوشبو دلوں تک پہنچتی ہے تو وہ اللہ کے مشتاق ہو جاتے ہیں۔

حضرت محمد بن حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ جو کسی کافر سے اس کی کسی خوبی کے باعث محبت کرتا ہے تو اللہ اس کو اجر دیتا ہے اور اگر مسلمان سے اس کی برائی کی وجہ سے دشمنی رکھتا ہے تو اللہ اسے اجر دیتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے۔ جب تیرا کوئی دوست ہو تو اس کی محبت اس سے نہ پوچھ بلکہ اپنے دل کو دیکھ۔ کیونکہ جو تیرے دل میں ہو گا۔ ویسا ہی اس کے دل میں ہو گا۔

موت: (۹) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ لوگوں پر عنقریب ایسا وقت آئے گا کہ اس میں موت علماء کے نزدیک زر خالص سے زیادہ گراں قدر ہو گی۔ یہاں تک کہ آدمی اپنے بھائی کی قبر کے پاس آئے گا اور کہے گا کاش یہ جگہ میری ہوتی۔

اقوال واحوال۔ حضرت یحییٰ بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ جو شخص پروردگار کا عبادت و اطاعت گزار ہوتا ہے وہ موت کا کبھی خواستگار نہیں ہوتا۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں دنیا کی صفائی جاتی رہی اور کدورت رہ گئی۔ آج مسلمان کے لئے موت ایک تحفہ ہے۔

عطاء سلمٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ زندگی کا خواہش مند وہ ہو۔ جو زندگی میں برابر ترقی کر رہا ہو۔

حضرت ابو عتبہ فرسانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اللہ تعالیٰ کی

ملاقات کو شہد سے شریں تر تصور کرتے تھے۔ لقمان حکیم نے اپنے بڑے لڑکے سے کہا۔ میں نے تندرستی سے زیادہ میٹھی شے کوئی چیز نہیں دیکھی۔ اور کوئی چیز لوگوں کے محتاج ہونے سے زیادہ کڑوی نہیں پائی۔

خوف: (۱۰) سلف ابتداء میں اپنے گناہوں سے اور زندگی کے آخری ایام میں اللہ تعالیٰ کے جلال سے ڈرتے تھے۔

اقوال و احوال۔ حضرت مالک بن دینار رحمتہ اللہ علیہ نے بصرہ سے پیدل حج کیا۔ کسی نے آپ کو سوار ہونے کو کہا۔ فرمایا۔ کیا بھاگا ہوا نافرمان غلام آقا کی خدمت میں سوار ہو کر حاضر ہو سکتا ہے؟ واللہ اگر میں انگاروں پر چل کر آتا۔ تو بھی کم تھا۔ اے دوست اگر گناہ دیرینہ ہو جائے تو زیادہ استغفار کر۔ گناہ یقینی ہے۔ مغفرت اتنی یقینی نہیں۔

حضرت ربیع رحمتہ اللہ علیہ عیدالضحیٰ میں جب قربانی کرتے تو یہ کہتے۔ اے اللہ تیری عزت تیرے جلال کی قسم اگر مجھے معلوم ہو کہ تیری خوشنودی اپنے کو ذبح کرنے میں ہے تو میں خود قربان ہو جاؤں۔

حضرت حاتم اصم رحمتہ اللہ علیہ اپنے زمانے کے لوگوں سے کہا کرتے تھے۔ ہم نے وہ اسلاف دیکھے ہیں کہ جو چھوٹی چھوٹی لغزشوں کو اتنا بڑا اور بڑا جانتے تھے کہ تم بڑے اور بڑے (کبائر) گناہوں کو اتنا نہیں جانتے۔

حضرت ابو سلیمان درانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اللہ والے دنیا میں صرف عبادت کے لئے رہنا پسند کرتے ہیں۔

حضرت سفیان بن عیینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے یہ پوچھا۔ فرشتے انسان کے اس خیال اور ارادے کو سپرد قلم کرتے ہیں کہ جو ابھی عمل میں نہیں لایا جاتا۔ فرمایا عمل نگار فرشتے (کراماً کاتبین) غیب نہیں جانتے۔ لیکن جب انسان نیکی کی نیت کرتا ہے تو اس کے منہ سے کستوری کی خوشبو آتی ہے۔ تو وہ جان لیتے ہیں کہ اس نے نیکی کا قصد کیا ہے اور اگر برائی کا قصد کرتا ہے تو اس سے بدبو آتی ہے اس سے وہ جان لیتے ہیں کہ اس نے برائی کا قصد کیا ہے۔

حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتلین اگر اللہ کے کرم سے جنت میں داخل ہو بھی گئے تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم کی خدمت میں کیوں کر حاضر ہوں گے۔ بخدا اگر سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل میں خدانخواستہ میرا بھی تعلق ہوتا اور مجھے جنت یا دوزخ میں جانے کا اختیار دیا جاتا تو میں دوزخ کو پسند کرتا۔ اس خوف سے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم مجھے بہ نگاہ غضب نہ دیکھیں۔

امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی قرابتی کو گناہ کرتے دیکھتے تو فرماتے۔ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی مخالفت کر کے بے خوف نہ ہو جائیں کیونکہ آپ نے اپنی لخت جگر سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ اپنے آپ کو دوزخ سے بچا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے قرآن مجید کا ایک رکوع پڑھا گیا۔ جس میں قیامت کا ذکر تھا۔ آپ پر غشی طاری ہو گئی اور دیر تک تڑپتے رہے۔

حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قرآن مجید پڑھتے۔ تو ان پر اتنی رقت طاری ہوتی کہ ان کی ریش مبارک آنسوؤں سے تر ہو جاتی۔ کوئی امام کوئی ولی ایسا نہیں گزرا کہ جس پر قرآن مجید کی تلاوت کے وقت رقت نہ طاری ہو جاتی ہو۔ جب عمر بن عبدالعزیز خلیفہ وقت بیمار ہوئے تو ان کے معائنہ کے لئے طبیب بلایا گیا۔ معالج نے دیکھا تو کہا کہ خوف الٰہی کے مارے ان کا جگر پھٹ گیا ہے۔ ان کا علاج کیوں کر ممکن ہے۔

جب ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کا وقت مرگ آیا تو رونے لگے۔ پوچھا گیا یہ گریہ کیوں؟ جواب دیا اللہ تعالیٰ کے قاصد کا انتظار ہے دیکھیں کہ وہ جنت کی خوشخبری سناتا ہے یا دوزخ کا پیام لاتا ہے۔

عبرت: (۱۱) اکابر ملت دنیا کو عبرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے نہ کہ محبت کی نظر سے۔

اقوال و احوال۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جو دنیا کی حالت پر غور کرتا ہے۔ اس کے اعمال میں خرابی رونما نہیں ہوتی۔ حضرت داؤد فرماتے ہیں۔ اے اللہ ہم تیرے سورج کی گرمی برداشت نہیں کر سکتے۔ دوزخ کی آتش کیوں کر برداشت کریں گے۔

حرمت مسلم: (۱۲) سلف صالحین مسلمانوں کی حرمت کا پاس رکھتے اور ان کی نیکیوں پر خوش ہوتے۔

اقوال واحوال۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کوئی مسلمان کسی مسلمان کو حقیر نہ جانے۔ کیونکہ ادنیٰ مسلمان بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑی شان والا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس کا ارشاد ہے۔ سب سے بڑھ کر نیکی دوست کی عزت کرنا ہے۔ حضرت عبداللہ کعبے کی طرف دیکھتے تو فرماتے۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے تجھے عزت بخشی ہے۔ شرف بخشا ہے۔ مگر مومن کی عزت اللہ تعالیٰ کے نزدیک تجھ سے بڑھ کر ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے۔ مومن اللہ تعالیٰ کی نظر میں بعض فرشتوں سے مکرم ہے۔

حکومت: (۱۳) بزرگ حکومت کے خواہاں نہیں ہوتے تھے۔ جب انہیں لوگ مجبور کرتے تو کہتے ہم اس کے اہل نہیں ہیں۔ آپ ہی اس کے لائق ہیں۔

حضرت سفیان ثوری فرماتے ہیں۔ حکومت اور عورت کی محبت کو ترک کرنا صبر سے بھی کڑوا ہے۔ ایک اور بزرگ کا ارشاد ہے جو مناسب وقت سے پہلے حکومت کو طلب کرتا ہے۔ اس سے حکومت بھاگ جاتی ہے اور اس کا بہت سا علم ضائع ہو جاتا ہے۔

جہان کا غم: (۱۴) شیخ سعدی رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے۔ فقیر غم نانے دارد و بادشاہ غم جہانے (فقیر کو نان کی فکر۔ بادشاہ کو جہان کی فکر۔ ہے)۔

دردسر۔ کہا گیا ہے۔ "دردسر بسیار دارد و تاج برسر داشتن۔"

بڑے چھوٹے کی خیر خواہی: (۱۵) بزرگان ملت کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ وہ ایک دوسرے اور چھوٹے بڑے کی خیر خواہی کرتے تھے۔ بڑا چھوٹے کی نصیحت پر ناراض ہونے کے بجائے شکر گزار ہوتا تھا۔

حضرت انس بن مالک رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو جوان کا بوڑھے کو اور بوڑھے کا جوان کو نصیحت کرنا نہایت مرغوب ہے۔ اور اس کے ذریعے توبہ کرنے والا خدا کا حبیب (دوست) بن سکتا ہے۔ کعب الاحبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس امر کا اظہار کرتے ہیں۔ عابد جوان اللہ کو بوڑھے عابد سے محبوب تر ہے۔ بکر بن عبداللہ مزنی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب تم عمر میں کسی کو اپنے سے بڑے کو دیکھو تو اس کی تعظیم کرو اور یقین کرو کہ وہ تم سے پہلے اسلام لایا۔ اگر اپنے سے چھوٹے کو دیکھو تو اس کا احترام کرو کہ تم اس سے پہلے گناہ کے مرتکب ہوئے اگر تو اپنے پڑوسی کے کتے کو پتھر مارے تو سمجھ لے کہ تو نے اپنے ہمسایہ کو تکلیف دی۔

محمد بن واسع رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ انسان مقام احسان (انتہائی نیکی) تک نہیں پہنچ سکتا۔ جب تک وہ اپنے دوست سے احسان نہ کرے۔ خواہ اس سے اس کا تعلق ایک گھنٹہ کا ہے۔

یحییٰ بن سعید رحمتہ اللہ علیہ کا ارشاد ہے۔ وہ قوم نہایت بُری ہے کہ اس میں اگر مسلمان مالدار ہوں تو ان کی بے جا تعریف کریں اور اگر تنگدست ہوں تو انہیں ذلیل جانیں۔

حاتم اصم رحمتہ اللہ علیہ ہدایت فرماتے ہیں۔ دوستوں کے اچھے اخلاق کی قدر کر۔ ان کے عیوب پر پردہ ڈال اور ان کی تکالیف کو برداشت کر۔

ایک فاضل کا قول ہے۔ بوڑھوں کی نسبت بچوں میں زیادہ صلاحیت ہوتی ہے شاخوں کو نرم کیا جائے تو سیدھی ہو سکتی ہیں لیکن خشک لکڑی ہرگز نرم نہیں ہو سکتی۔ ان کے پنڈے کورے ہوتے ہیں۔ ان پر دنیا کی میل کچیل کا داغ نہیں ہوتا۔ یہ کام بڑوں کا ہے کہ ان کو نیک نمونے دکھلا کر نیک اٹھائیں۔ یا ان کی طرف سے غفلت کر کے لاڈ پیار چاؤ چونچلوں میں ان کے دین و دنیا کو برباد کر دیں۔

نیکی اور بدی

نوٹ: (۱) واضح کیا گیا ہے کہ ہمارے بزرگ نیکی کی ہدایت کرتے تھے اور بدی سے روکتے۔ اسلامی زاویہ نگاہ سے جن چیزوں کے کرنے اور جن کو اپنانے کا خدا نے حکم دیا ہے۔ وہ اچھے ہیں اور جن کو نہ کرنے اور ٹھکرانے کا ارشاد فرمایا ہے۔ وہ برے ہیں۔ ایک بات یاد رہے کہ (۱) اسلام کا رب العالمین ساری کائنات کا پیدا کرنے والا۔ ہر شے کو اس کے کمال پر پہنچانے والا اور اس کے لئے اسباب بہم پہنچانے والا ہے۔ ہم یہ خیال کرتے ہیں کہ اس کی مخلوق ہم ہی ہیں۔ یہ غلط ہے جو چیز نباتات کے لئے نافع ہے۔ کیا ضروری ہے کہ حیوانات کے لئے بھی مفید ہو۔ سورج کی روشنی اکثروں کو بھلی معلوم ہوتی ہے۔ مگر چگادڑ اسے پسند نہیں کرتا۔ کیا وہ عالمین میں سے نہیں؟ کیا اس کا رب کوئی اور ہے؟ مرغی پانی میں گر جائے۔ دریا کی لہروں کا شکار ہو جائے تو زندہ نہیں رہ سکتی، مگر مرغابی اور سمندری جانوروں کی زندگی ہی پانی سے ہے۔ محاورہ ہے کہ میں فلاں دوست کے بغیر یوں تڑپ رہا ہوں۔ جیسے ماہی آب کے بغیر مضطرب ہوتی ہے۔ پرند کا جال میں پھنس جانا اس کے لئے دکھ کا موجب ہے۔ مگر شکاری اس سے خوش ہوتا ہے۔ (۲) ظاہر ہوتا ہے کہ اگر یہ دیکھا جائے کہ کائنات کا خالق رب ہے تو صاف عیاں ہو جائے گا کہ نظم کائنات حکیمانہ ہے جو شخص خدا کو نہیں مانتا۔ اسے کیا ضرورت کہ وہ مانے یا جانے کہ ہر شے کی پیدائش میں حکمت ہے اس کے نزدیک تو دنیا نام ہے ان بکھرے ہوئے ننھے ننھے بے جان بے شعور ذروں کا جو یوں ہی اتفاق سے اکٹھے ہو گئے ہیں۔ کائنات کے عام لحاظ سے تین حصے ہیں۔ وہ مخلوق جو زمین پر یا اس کے نیچے ہے یا اس سے اوپر ہے۔ یا آسمان اور زمین کے بیچ میں ہے۔ اوپر کی دنیا میں جو فرشتے ہیں۔ ان کے لئے نیکی ہی نیکی ہے۔ ان کے قویٰ ہی ایسے نہیں کہ وہ کسی بدی کے مرتکب ہوں۔ انہیں بدی کا اختیار نہیں۔ شیطان وہ مخلوق ہے کہ جسے کسی وقت بدی کے ساتھ نیکی کا اختیار تھا۔ مگر اب تو وہ بد ہی ہے۔ نباتات کا تعلق نیکی بدی سے نہیں۔ یہی حال معدنیات کا ہے۔ چرند، پرند، کیڑے، مکوڑوں مختصر یہ کہ حیوانات کا واسطہ نیکی اور بدی سے نہیں۔ یہ سب کچھ انسان کے لئے ہے۔ (۳) سوال یہ ہے کہ کیا انسان کے لئے بھی یہی

بہتر تھا کہ اسے پتھروں، درختوں، ستاروں کی مانند بے اختیار پیدا کیا جاتا؟ کیا یہ اچھی بات تھی کہ وہ محض مشین ہوتا۔ دوسری صورت یہ تھی کہ اسے ارادہ تو دیا جاتا۔ مگر اسے ایسا بنایا جاتا کہ وہ ہمیشہ نیکی ہی کرتا بدی نہ کرتا۔ کیا اس صورت میں یہ کہنا ٹھیک بھی ہوتا کہ انسان با اختیار ہستی ہے؟ اگر وہ بدی پر قادر ہی نہ ہوتا۔ تو نیک کیونکر کہلاتا؟ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص بڑا سخی ہے۔ وہ اپنی پاک کمائی محتاجوں میں تقسیم کرتا ہے۔ اگر کوئی حاجت مند نہ ہوتا تو ہم کریم النفس کسے کہتے؟ اگر خطا کا وجود نہ ہوتا۔ تو کیوں کر کہا جاتا کہ فلاں شخص اس لئے اچھا ہے کہ وہ خطاپوش واقع ہوا ہے۔ اس کی عادت معاف کر دینے کی ہے۔ حلم اپنے وجود کے لئے غیظ و غضب کا رہین منت ہے۔ بے انصافی نہیں تو عدل بھی نہیں؟ اگر بدکاری عنقاء ہو جائے تو کوئی شخص نیکوکار کیسے کہلائے؟ ماں کی مامتا اسی وقت جوش میں آتی ہے جب سامنے اس کا نوردیدہ بیکسی، بے چارگی اور بے بسی کی تصویر بنا پڑا ہو۔ بدی کے بغیر محض نیکی کی جستجو اور آرزو ایسی ہی بے معنی ہے جیسے کوئی اس کا خواہشمند ہو کہ زمین میں بلند پہاڑ ہوں ٹیلے ہوں صرف اونچائیاں ہوں۔ اور وادیاں نہ ہوں۔ کیا یہ خواہش قرین قیاس ہے؟ بلندی کا تصور جب ہی پیدا ہو سکتا ہے کہ مقابلے میں پستی موجود ہو۔ ذوق کے اس دعویٰ کا انکار کیونکر ممکن ہے۔

اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

علم و عمل

(۴) یہ دنیا عارضی ہے مگر نہایت ہی اہم ہستی ہے۔ اس کا وجود واقعی ہے۔ اس کی ہستی وہمی یا خیالی نہیں ہے۔ ابدی زندگی اگر درخت ہے تو اس کا بیج بھی جہان ہے۔ ابد کے سمندر کا چشمہ اسی سے پھوٹے گا۔ اصلی جنت وہی ہے کہ جو انسانی اعمال سے تیار ہو گا۔ اس کے باغ نماز سے۔ روزے سے زکوٰۃ سے، حج سے، انسانوں کی خدمت سے، انصاف، رحم و کرم، خداترسی سے تیار ہوں گے۔ دوزخ کا ایندھن کفر ہے۔ فسق ہے، گناہ ہے، یہ تیار ہو گا انسانی اعمال سے۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

(۵) بلاشبہ یہ صحیح ہے کہ بدی کا وجود اللہ تعالیٰ کے علم سے ہے۔ مگر یہ درست نہیں کہ

اس کی مرضی سے ہے۔ کون ہے جو یہ نہیں جانتا اور مانتا کہ کسی چیز کو جاننا اور ہے اور چاہنا امر دیگر ہے ہر کسی پر ظاہر ہے کہ جو شخص پہاڑ کی چوٹی سے چھلانگ لگائے گا۔ ہلاک ہو جائے گا۔ ایک شخص اپنے آپ کو ہلاک کرنے کے لئے لاہور کی شاہی مسجد کے مینار سے کود پڑتا ہے۔ وہ ہلاک ہو جاتا ہے۔ اسے خود کشی کا مرتکب تصور کیا جاتا ہے۔ کیا قصور صرف اس کا ہے۔ یا ان سب کا ہے جو یہ جانتے ہیں کہ جو ایسا کرے گا مر جائے گا۔ طبیب کہتا ہے کہ فلاں مریض مر جائے گا؟ مگر کیا وہ یہ چاہتا ہے کہ وہ مر جائے۔ عدالت جانتی ہے کہ جو قانون کی خلاف ورزی کرے گا۔ سزایاب ہو گا مگر کیا عدالت یا حکومت یہ چاہتی ہے کہ لوگ قانون کو توڑیں اور سزایاب ہوں۔ جب یہ نہیں تو یہ کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ اللہ کا منشا یہ ہے کہ لوگ کفر کریں وہ جانتا ہے کہ لوگ کفر کریں گے۔ مگر کافروں پر اس کا غضب ہے وہ نیکوکاروں پر خوش ہے۔ بدوں سے ناراض ہے۔ یہ عام حقائق ہیں جنہیں نظر انداز کر دینا ایک سیدھی سادی بات میں خواہ مخواہ الجھاؤ پیدا کرنا ہے۔

(۶) اصل بات ہے کہ قدرتاً ہر شے کا ایک مزاج ہے ایک افتاد طبیعت ہے۔ ایک خاصیت ہے جو اس سے جدا نہیں ہوتی۔ اس کے باعث اس کا وجود ہے۔ ہوا اڑاتی ہے آگ جلاتی ہے، پانی کی لہر بہاتی ہے، برف ٹھنڈک پہنچاتی ہے، بھٹی گرماتی ہے، دھوپ ستاتی ہے، آفتاب کی روشنی دل کو راحت پہنچاتی ہے، کامیابی ہنساتی ہے، ناکامی رلاتی ہے۔ یہ سب کچھ جس ضابطہ کے ماتحت ہو رہا ہے اسے اسلام کی بولی میں مشیت الٰہی کہتے ہیں۔ اس ضابطہ کی ایک شق یہ ہے کہ انسان کو مجبور نہیں پیدا کیا گیا ہے۔ اسے شعور دیا گیا ہے۔ اسے اختیار سونپا گیا ہے وہ اپنی مرضی سے چاہے تو کفر کی کشتی میں سوار ہو سکتا ہے اور اگر چاہے تو اسلام کے بیڑے میں بیٹھ سکتا ہے جو جس حد تک خود مختار ہے اسی حد تک ذمہ دار ہے۔ دیوانہ بے اختیار ہے غیر ذمہ دار ہے۔ بچہ ذمہ دار نہیں۔ اسی لئے کہ بے اختیار ہے جو مجلس میں ہر آن ہاتھ ہلاتا ہے اس سے پوچھا جائے گا ایسا کیوں کرتا ہے؟ باز نہیں آئے گا۔ تو اس سے باز پرس کی جائے گی، اسے ڈانٹا جائے گا مگر جس کے ہاتھ کو رعشہ ہو گا، اس کا علاج کرایا جائے گا اس سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ اس کا ہاتھ ہلتا کیوں ہے۔

(۷) اسی ذمہ داری اور اسی سے عہدہ برا ہونے کا نام دین ہے۔ اسی کو مذہب کہتے ہیں۔ نظام اخلاق اس سے وابستہ ہے۔ برائی سے روکنا، نیکی پر مائل کرنا "دین" ہے۔ ہم جسے روکتے ہیں۔ ٹوکتے ہیں اور نیکی پر آمادہ کرتے ہیں ہم ایسا کیوں کرتے ہیں۔ اس لئے کہ ہمیں اس سے ہمدردی

ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا دین کیا ہے؟ جواب میں فرمایا۔ دین خیر خواہی ہے۔ عرض کی گئی۔ کس کی خیر خواہی۔ فرمایا۔ خدا کی، قرآن کی، رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسلمانوں کی، عام انسانوں کی۔ (مسلم شریف) دین کے اسرار عجیب و غریب ہیں۔ اس کے فوائد کثیر ہیں۔ اس سے جانیں پاک ہو جاتی ہیں۔ دل کدورتوں سے صاف ہو جاتا ہے۔ دماغ منور ہو جاتا ہے۔ اخلاق کی بنیاد استوار ہو جاتی ہے۔ سیدھا راستہ کھل جاتا ہے۔ نظر آ جاتا ہے۔ اسکے بغیر انسان دکھ دینے والا جانور۔ پھاڑنے والا درندہ بن جاتا ہے۔ بدیوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ گنہگار ہو جاتا ہے۔ بد کردار ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل دی۔ اختیار دیا۔ دین یہ ہے کہ اللہ کو مانے۔ اسے تمام صفات کا مالک جانے اور اس کی عبادت کرے، شرک نہ کرے، اسی کے احکام کے سامنے سر نیاز خم کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق اس کا فرض یہ ہے کہ اس کی اطاعت کرے۔ قرآن سے متعلق اس کا منصب یہ ہے کہ اسے پڑھے اس پر عمل کرے۔ مسلمانوں کا بھلا چاہے اور انسانوں کی خدمت کرے۔ ان کی ہمدردی کے جذبے سے سرشار ہو جائے اور سمجھ لے۔

عبادت بہ از خدمت خلق نیست
بہ تسبیح وسجادہ و دلق نیست

نیکی کی تلقین اور برائی کی روک

(۱) سچ یہ ہے کہ پل صراط کی راہ بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے۔ اور اس کے نیچے آتش جہنم کے شعلے بھڑک رہے ہیں۔ لیکن اس کا سامنا صرف قیامت ہی کے دن پر کیوں اٹھار کھا جائے۔ دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ آج دنیا کے سفر میں بھی پل صراط ہر شخص کے سامنے ہے۔

یہ پل صراط در حقیقت (اخلاق) کی دشوار گزار راہ ہے۔ جذبات و امیال انسانی کے اعتدال کا لائحہ عمل ہی اصلی پل صراط ہے۔ بال سے زیادہ باریک تلوار کی دھار سے تیز اور اس کے نیچے ہلاکت و بربادی کا قعر، آدم کی اولاد میں سے کوئی نہیں جس کو اس پر ایک بار نہ گزرنا ہو۔ وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا، كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا (۷۱:۱۹) (تم میں سے کوئی نہیں جو اس پر سے نہ گزرے،

یہ ایک وعدہ اور فیصلہ ہے۔ جس کو خدا نے اپنے اوپر لازم کرلیا ہے)۔
اخلاق کے سینکڑوں مشکل مسائل میں سے ایک مشکل تر مگر اصولی مسئلہ حب و بغض، تولا و تبرا، تحسین و تذلیل اور عفو و انتقام کا بھی ہے۔ ایک طرف اخلاق ہم کو تلقین کرتا ہے کہ دل کو محبت کے لئے مخصوص کردو۔ کہ اس گھر کے لئے یہی فانوس موزوں ہے۔ انیس سو برس پیشتر کا ایک اسرائیلی واعظ کہتا ہے کہ دشمنوں سے بھی پیار کرو، کیونکہ اگر صرف چاہنے والوں کو چاہا تو تمہارے لئے کیا اجر؟۔
اخلاق کے اولین اور سامنے کے سبق یہی ہیں کہ پیار کرو۔ خاکسار بنو۔ کسی سے بغض نہ رکھو، سب کی عزت کرو، انسان کی انسانیت کا بغیر تفریق ادب کرو اور جس کو سامنے دیکھو سر جھکا دو سوسائٹی نے بھی صدیوں سے ان تعلیموں کو اعتقاداً قبول کرلیا ہے اور اصلاحی اخلاق، مروت، پاس و لحاظ، شرم و حیا، شرافت و انسانیت تمام الفاظ انہیں معنوں میں بولے جاتے ہیں۔
(۲) لیکن اس کے مقابلے میں اسی اخلاق کا ایک دوسرا پارٹ ہے۔ جہاں آ کر اس کی یہ غریب و مسکین صورت ایک سخت اور جابرانہ خشونت سے مبدل ہو جاتی ہے۔ اور دنیا میں اگر اس کی صدا پہلی تعلیم دیتی ہے تو خود اس کا عمل دوسری شکل میں سامنے آتا ہے۔ وہ چور کو قید کرتا ہے قاتل کو پھانسی پر چڑھاتا ہے، نیکی کی جتنی تعریف کرتا ہے، اتنا ہی بدی کو بُرا بھی کہتا ہے۔ زید کو کہتا ہے کہ وہ نیک ہے، اس لئے اچھا ہے، عمر کو کہتا ہے کہ تم بداعمال ہو، اس لئے برے ہو۔ ظالم سے اس کے ظلم کا اور مجرم سے اس کے جرم کا مطالبہ کرتا ہے۔ پہلی حالت میں جس قدر عاجز تھا اتنا ہی اس حالت میں مغرور و متکبر ہو جاتا ہے پہلے اگر عاجزوں کے جھکے ہوئے سروں کو اٹھا کر اپنے سینے پر جگہ دیتا تھا تو اب سرکشوں کے سروں کو ٹھوکروں سے پامال کرتا ہے۔ اور پھر ساتھ ہی حالت یہ ہے کہ اس کی پہلی تعلیم سے اگر صرف معبدوں اور خانقاہوں میں رونق پیدا ہوتی تھی تو اس عمل سے پوری دنیا میں انتظام اور قانون قائم ہوتا ہے۔
(۳) ایسی حالت میں اصول کے لئے ایک سخت تصادم اور کشمکش پیدا ہو جاتی ہے اور فیصلہ ہکا بکا رہ جاتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ ان متضاد حالات میں راہ تطبیق کیا ہے؟ عفو و درگزر کے اصول سے کام لیجئے۔ تو دنیا میں نیکی بدی کی تمیز اٹھ جاتی ہے۔ انتقام و پاداش کی راہ اختیار کیجئے۔ تو دنیا سے رحم و محبت نابود ہو جاتی ہے سب کو اچھا کہئے۔ تو صرف اچھوں کے لئے آپ کے پاس کیا ہے۔ برائی

کیجئے تو اس کے حدود اور فیصلہ کن اصول کیا ہیں؟

آج ملک میں جو طبقہ شخصی حکومت کے جراثیم سے مریض ہو رہا ہے وہ گو خود جان بلب ہے مگر اس کی نظر اپنے مرض پر نہیں۔ بلکہ دوسروں کی شکایتوں پر ہے۔ غلامی کے حلقوں کے لئے سب کے کان چھیدے ہوئے ہیں۔ پاؤں برسوں سے بوجھل بیڑیوں کے عادی ہو گئے ہیں۔

ان حلقوں اور بیڑیوں کُے لئے ضروری نہیں کہ وہ تخت و تاج ہی کے طرف سے بخشے گئے ہوں بلکہ ہر چاندی کا ڈھیر، ہر قیمتی کپڑا، ہر قیمتی موٹر، ہوٹل کی اعلیٰ ترین منزل کا مقیم اور ہر وہ مدعی جس کے گلے میں طاقت اور جیب میں سکے ہوں۔ ایک قانون اور موروثی حق رکھتا ہے کہ جس کو چاہے اپنے حلقہ غلامی کے انتساب کا فخر دیدے۔ رسول عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وقت تین سو ساٹھ بت تھے۔ جن سے بیت خلیل علیہ السلام کی دیواریں چھپ گئی تھیں۔ لیکن آج اس کی امت میں ہر چمکیلی ہستی لات و منات کی قائم مقام ہے اور ہر حاکم اور ہر رئیس، ہر حکام زرس اور سب سے آخر، مگر سب سے پہلے، ہر خوش لباس لیڈر ایک بت کا حکم رکھتا ہے۔ پوری ملت موحدان کی پوجا اور پرستش میں مشغول ہے۔ اور بعینہ اس پرستش کا وہی جواب رکھتی ہے جو قریش مکہ کے پاس تھا کہ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَيَضُرُّهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآءُنَا۔

اس انسانی پرستش ہی کا یہ نتیجہ ہے کہ بالعموم طبیعتیں مدح و تحسین کی عادی ہو گئی ہیں۔ نکتہ چینی اور نقد و اعتراض کی متحمل نہیں ہو سکتیں۔ ہر شخص مخاطب سے اگر کوئی امید رکھتا ہے تو وہ یہی ہوتی ہے کہ مدح و منقبت کا ترانہ سنائے۔ اور بادۂ تحسین و آفرین کی پے در پے بخشش سے ساقی کا ہاتھ کبھی نہ تھکے شرک و بت پرستی کے اس عام سکون میں اگر کوئی صدائے توحید خلل انداز ہوتی ہے تو ہر طرف سے اپنے قدیمی پیشتر کی طرح۔ لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ (۲۹:۲۶) (اگر میرے سوا کسی دوسری ذات کو تو نے اپنا معبود بنایا تو میں تجھ کو قید کر دوں گا) کا غل مچ جاتا ہے اور صرف یہ معبودان باطل ہی نہیں بلکہ ان کے پرستار بھی چاروں طرف سے ٹوٹ پڑتے ہیں۔ یہ ایک قدیمی سنت ہے اور دنیا میں جب کبھی سچائی آئی ہے تو اس کو ہمیشہ ہی ایسے لوگوں سے مقابل ہونا پڑا ہے۔ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ (۶۸:۲۱)

ایسے موقعوں پر عموماً اخلاقی مواعظ سے کام لیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ بڑے آدمیوں پر حملہ کرنا انسانیت اور تہذیب کے خلاف ہے۔ گالیاں دینا کوئی اچھی بات نہیں۔ اختلاف رائے ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا ہے۔ یہ کوئی ایسی بات نہیں کہ مخالف آرار کھنے والوں کی تذلیل و تحقیر کی جائے، پھر آپ ایسا کرنے کے لئے مجبور ہیں تو ذرا لہجہ نرم کیجئے اور شکایت بھی کیجئے تو شکر کے لہجہ میں کیجیے، نرمی اور محبت سے کام نکلے تو سختی دکھلانا شان شرافت نہیں۔

آج کل بھی کہ ہوشیاری و بیداری نکی نہیں تو خمار و سرشاری کی ایک کروٹ تو مسلمانوں نے ضرور بدلی ہے۔ نکتہ چینیوں کی زبانوں کو ایسے ہی ظاہر فریب اور اخلاق نما جملوں سے بند کیا جا رہا ہے۔ پس پس ہم چاہتے ہیں کہ سب سے پہلے اصولاً اس مسئلے پر غور کریں۔ کہ فی الحقیقت اس بارے میں کوئی فیصلہ ہمارے پاس ہے یا نہیں؟ کسی کو برا کہنا یقیناً اچھی بات نہیں، دل محبت کے لئے ہے نہ کہ عداوت کیلئے، لیکن کیا ایسی صورتیں ہیں جن میں یہ برائی بھی سب سے بڑی نیکی اور بھلائی ہو سکتی ہے؟

(۴) سب سے پہلے اخلاق کے عام اصول کے لحاظ سے دیکھیے، جب بھی فیصلہ صاف صاف ہے۔ دنیا میں جس دن اخلاق نے کہا کہ نیکی کو نیک اور نیک عمل کو اچھا کہو۔ کیونکہ بغیر اس کے دنیا میں نیکی زندہ نہیں رہ سکتی۔ اس وقت اس نے ضمناً یہ بھی کہہ دیا کہ نیکی کی خاطر بدی کو برا اور عمل کو قابل نفرین سمجھو۔ کیونکہ نیکی کو اس کا حق تحسین مل نہیں سکتا۔ جب تک بدی کو اس کی سرزنش اور نفرین نہ مل جائے۔

(۵) زیادہ غور کیجیے تو یہ ایک قدرتی اور عام معمول یہ بات ہے۔ گو اس کا آپ کو حس نہ ہو، دنیا میں اخلاقی محاسن فی الحقیقت ایسے اغراض ہیں جو بغیر کسی اضافی تعلق کے کوئی وجود مستقل نہیں رکھ سکتے، یہی سبب ہے کہ ان کا فیصلہ قطعی ہمیشہ سے مشکل رہا ہے اور اب بھی مشکل ہے۔ پس ان محاسن و فضائل کا اگر کوئی معبود ہے تو صرف ان کے اضداد کے تقابل ہی کا نتیجہ ہے۔ جب رذائل انسانی کو نمایاں نہ کیجیے گا۔ فضائل انسانی وجود پذیر نہ ہوں گے۔ اس کے لئے روشنی اور تاریکی کی مثال شاید فہم مقصد میں معین ہو کہ روشنی کا وجود صرف تاریکی کے وجود ہی کا نتیجہ ہے۔

(۶) رہا اخلاقی تلقینات اور اعمال کا اختلاف تو یہ اخلاق کے ہر مسئلے میں درپیش ہے۔ مگر در حقیقت دونوں صورتوں میں کوئی تضاد نہیں۔ اخلاق دنیا میں کسی شے کو فی نفسہٖ اچھا یا برا کہنے کا

فیصلہ نہیں کر سکا۔ اس کی ہر تعلیم نسبت و اضافت سے وابستہ ہے اور اس کی تبدیلی کے ساتھ بدلتی رہتی ہے۔ کوئی شے اس کے آگے اچھی نہ بری۔ ایک ہی چیز کا بعض حالتوں میں نام نیکی ہوتا ہے اور بعض حالتوں میں بدی۔ یہی حال اس مسئلہ کا بھی ہے۔ عفو و درگزر۔ آشتی و محبت۔ نرمی و عاجزی انسان کے لئے سب سے بڑی نیکی ہیں۔ لیکن کن کے سامنے؟ عاجزوں اور درماندوں کے سامنے۔ نہ کہ ظالموں اور مجرموں کے آگے، ایک مسکین و فلاکت زدہ پر رحم کیجئے۔ تو سب سے بڑی نیکی، اور ایک ظالم پر کیجئے۔ تو سب سے بڑی بدی ہے۔ گرے ہوؤں کو اٹھایئے، تاکہ وہ چل سکیں۔ لیکن اگر سرکشوں کو ٹھوکر نہ لگایئے گا تو وہ گرے ہوئے کو اور گرا دیں گے۔ قانون کو دیکھئے تو وہ جرم کو روکنے کے لئے خود جرم کرتا ہے خونریزی اس کے سامنے سب سے بڑی معصیت ہے۔ لیکن خونریزی کو روکنے کے لئے وہ قاتلوں کے خون بہانے ہی میں امن دیکھتا ہے۔ قاتل کا قتل بدی تھا۔ لیکن عدالت کا فتوائے قتل نیکی ہو گیا۔

(۷) ہم نے بغیر کسی ترتیب کے چند جملے پھیلا دیئے۔ کیونکہ یہ اخلاق کے ایسے عام اعمال ہیں، جن کو یاد دلا دینا کافی ہے۔ پس جو لوگ کہتے ہیں کہ ہر انسان اخلاقاً نرمی و آشتی اور محبت و عفو کا مستحق ہے اور کسی کا برائی کیساتھ ذکر یا اخلاق کے نام سے ایسی سخت بداخلاقی کی تعلیم دینا چاہتے ہیں جس پر اگر ایک لمحہ کے لئے بھی عمل کیا جائے تو دنیا شیطان کا تخت گاہ بن جائے۔ نیکی اور اعمال صالحہ کا نظام درہم برہم ہو جائے۔ قانون، اخلاق، مذہب حسن و قبح کی تمیز اور نور و ظلمت کی تفریق کوئی بھی خدا کو خوش کرنے والی چیز دنیا میں باقی نہ ہے۔

(۸) یاد رکھو کہ ہر محبت کے لئے ایک بغض لازمی ہے اور کوئی عاجزی نہیں کر سکتا۔ جب تک کہ متکبر و مغرور بھی نہ ہو۔ نیکی کو اگر پسند کرو گے تو اس کی خاطر بدی کو برا کہنا ہی پڑے گا اور خدا کو خوش رکھنا چاہتے ہو تو شیطان کی دشمنی کی پرواہ مت کرو۔

علمائے سلف کا استغنا

جس طرح ایک بیج سے ایک درخت پیدا ہوتا ہے پھر اس درخت سے سینکڑوں شاخیں اور ان شاخوں سے سینکڑوں پھول پھل پیدا ہوتے ہیں۔ بعینہ اسی طرح محاسن اخلاق کا حال بھی ہے کہ انسان میں پہلے ایک اخلاقی فضیلت پیدا ہوتی ہے پھر اس سے سینکڑوں اخلاقی خوبیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

اسی اخلاقی نظریہ کے مطابق ہم علمائے سلف کی اخلاقی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ علمائے قدیم میں استغناء و قناعت کی جو اخلاقی فضیلت اسلامی تعلیمات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ اور صحابہ کرام کی اخلاقی و معاشرتی زندگی کے اتباع و تقلید نے پیدا کر دی تھی۔ اس نے ان کو سراپا اخلاق بنا دیا تھا۔ لیکن جزئیات اخلاق کا زیادہ تر تعلق ان کے استغناء و قناعت سے تھا۔ اس بناء پر ہم ان کی دوسری اخلاقی خوبیوں کو چھوڑ کر صرف ان کے استغناء و بے نیازی کے موثر واقعات پیش کرتے ہیں۔ تاکہ علمائے قدیم کا یہ اخلاقی وصف دور جدید کے علماء میں بھی پیدا ہو اور علمائے قدیم کا اخلاقی وقار دوبارہ قائم ہو جائے۔

(۱) امام طاؤس بن کیسان رحمتہ اللہ علیہ (المتوفی ۱۰۶ھ) کے پاس امیر یمن نے پانچ سو اشرفیاں بھیجیں لیکن انہوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

(۲) امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ (المتوفی ۱۵۰ھ) بادشاہ کے عطیہ کو قبول نہیں کرتے تھے بلکہ ان کا ذریعہ معاش صرف تجارت تھا۔

(۳) حضرت سالم بن عبداللہ (المتوفی ۱۰۶ھ) نہایت زہد پیشہ تھے۔ پشمینہ پوش رہتے تھے اور اپنے ہاتھ سے کام کرتے تھے۔ لیکن استغنا کا یہ حال تھا کہ ایک بار سلمان بن عبدالملک نے ان کو خانہ کعبہ میں دیکھا تو کہا کہ مجھ سے اپنی ضرورتیں طلب فرمائیے۔ بولے میں خدا کے گھر میں خدا کے سوا کسی اور سے سوال نہیں کرتا۔

(۴) داؤد بن نصیر ابو سلیمان انطاکی رحمتہ اللہ علیہ (المتوفی ۱۶۵ھ) سخت زہد پیشہ بزرگ

تھے۔ ان کے پاس صرف تین سو درہم تھے۔ جن پر انہوں نے بیس سال تک گزار اوقات کی۔ لیکن بایں ہمہ استغنا کا یہ حال تھا کہ ایک بار خلیفہ ہارون رشید کوفہ میں آیا اور وہاں کے فقراء کی ایک فہرست مرتب کی اور ہر ایک کو دو دو ہزار درہم دلوائے۔ انہیں میں داؤد طائی کا بھی نام تھا اس نے اس کا نام لے کر پکارا تو معلوم ہوا کہ ان کو اس کی اطلاع نہیں ہوئی۔ حکم دیا کہ اس رقم کو ان کے پاس بھیج دو۔ ابن سماک اور حماد ابی خلیفہ اس رقم کو لے کر روانہ ہوئے تو ابن سماک نے راستہ میں حماد بن ابی خلیفہ سے کہا کہ اس کو ان کے سامنے بکھیر دو۔ کیونکہ آنکھ سے دیکھنے کا اثر دل پر پڑتا ہے۔ ایک نادار آدمی کے لئے دو ہزار درہم کا حکم ہوتا ہے۔ کیا وہ واپس کر دے گا؟ ان لوگوں نے پہنچ کر درہم ان کے آگے بکھیر دیئے تو انہوں نے کہا۔ یہ چالیس تو بچوں کے ساتھ چلی جاتی ہیں اور یہ کہہ کر ان کے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

(۵) ایک بار محمد بن محطبہ کوفہ میں آیا اور کہا کہ مجھے اپنی اولاد کی تعلیم کے لئے ایک ایسے معلم کی ضرورت ہے جو قرآن، حدیث، فقہ، نحو اور شعر کا ماہر ہو۔ لوگوں نے کہا کہ ان تمام علوم کے جامع صرف داؤد طائی ہیں۔ اس نے دس ہزار درہم کا توڑا ان کی خدمت میں بھیج دیا کہ اپنی ضروریات میں صرف فرمایئے۔ لیکن انہوں نے اس کو واپس کر دیا۔ پھر اس نے اپنے دو غلاموں کے ہاتھ دو توڑے بھجوائے اور کہا کہ اگر انہوں نے ان کو قبول کر لیا تو تم دونوں آزاد کر دیئے جاؤ گے۔ لیکن انہوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ غلاموں نے کہا کہ اگر آپ قبول کر لیں گے تو ہم آزاد ہو جائیں گے۔ لیکن انہوں نے کہا کہ ان کے واپس کرنے سے دوزخ کی قید و بند سے میری آزادی ہو جائے گی۔

(۶) ایک بار قاضی ابو عبداللہ محاملی نے مدینہ میں عید کی نماز پڑھی اور مسجد سے نکل کر داؤد ظاہری (المتوفی ۲۷۰ھ) کے پاس مبارک باد دینے کے لئے آئے۔ عید کا دن تھا۔ لیکن ان کو دیکھا کہ چوکر بھگو کر کھا رہے تھے۔ وہاں سے نکل کر ایک فیاض شخص کے پاس آئے اور کہا کہ آپ جیسے فیاض شخص کے پڑوس میں داؤد جیسا عالم رہتا ہے اور آپ اس سے بے اعتنائی کرتے ہیں۔ اس نے کہا کہ داؤد میں رکھائی بہت پائی جاتی ہے میں نے ان کے پاس کل شام کو ایک ہزار درہم بھیجے۔ لیکن انہوں نے واپس کر دیئے اور میرے غلام سے کہا کہ ان سے کہہ دو کہ تم نے مجھ کو کس آنکھ سے دیکھا ہے۔ اور میری کس ضرورت اور احتیاج کا حال تم کو معلوم ہوا کہ تم نے میرے پاس یہ

درہم بھیجے۔اب قاضی ابو عبداللہ محاملی نے کہا۔لایئے درہم مجھ کو دیجئے۔میں ان کے پاس لے کر جاؤں گا۔اب اس نے ایک ہزار درہم اور دیئے اور وہ دو ہزار درہم لے کر ان کے پاس آئے۔لیکن انہوں نے کہا یہ بدلہ اس شخص کو دیا جارہا ہے جس نے اپنے اندرونی حالات کا تم کو امین بنایا۔میں نے عالم سمجھ کر تم کو اپنے پاس آنے دیا۔اب واپس جاؤ مجھ کو ان درہموں کی ضرورت نہیں۔قاضی صاحب کا بیان ہے کہ میں واپس چلا تو دنیا میری آنکھوں میں نہایت حقیر معلوم ہوتی تھی۔میں نے اس فیاض شخص کو اس کی اطلاع دی تو اس نے کہا میں ان درہموں کو خدا کی راہ میں نکال چکا ہوں اب ان کو اپنے خزانے میں داخل نہیں کروں گا اب آپ ان کو مستحق لوگوں میں تقسیم کر دیجئے۔

(۷) عبداللہ بن الحسین بن دلال رحمتہ اللہ علیہ (المتوفی ۳۴۰ھ) نہایت فقر و فاقہ کی زندگی بسر کرتے تھے آخر عمر میں ان پر فالج گرا تو ان کے تلامذہ نے سیف الدولہ بن حمدان کی خدمت میں ان کی مالی مدد کے لئے لکھا۔انہیں معلوم ہوا تو رو پڑے اور دعا کی کہ خداوندا میرا ذریعہ معاش وہی بنا جس کا تو نے مجھے خوگر بنا رکھا ہے۔یہ دعا مقبول ہوئی اور قبل اس کے کہ سیف الدولہ کا عطیہ جس کی تعداد دس ہزار درہم تھی ان کے پاس پہنچے۔انتقال کر گئے۔

(۸) ایک بار خطیب بغدادی رحمتہ اللہ علیہ جامع صور میں تھے کہ اسی حالت میں ان کے پاس ایک علوی بزرگ آئے۔جن کی آستینوں میں اشرفیوں تھیں اور کہا کہ اس کو اپنی ضرورت میں صرف فرمایئے۔انہوں نے ترش روئی سے فرمایا کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں۔علوی نے کہا کہ شاید آپ اس کو کم سمجھتے ہیں یہ کہہ ان کے سجادے پر آستین جھاڑ دی اور کہا کہ یہ تین سو اشرفیاں ہیں۔خطیب نے سجادہ اٹھایا اور چلتے ہوئے اس واقعہ کے راوی کا بیان ہے کہ مجھ کو ان کے اٹھ جانے کی یہ عزت اور علوی کی وہ عفت جب وہ اشرفیوں کو اکٹھا کر رہے تھے نہیں بھولتی۔

(۹) حافظ ابو موسیٰ مدینی (المتوفی ۵۸۱ھ) نہایت زہد پیشہ تھے۔تھوڑی سی معاش پر قناعت کرتے تھے کسی کا عطیہ قبول نہیں کرتے تھے۔بہت سے لوگوں نے ان کے لئے مالی وصیتیں کیں۔لیکن انہوں نے اس مال کو واپس کر دیا ان سے کہا جاتا تھا کہ اس مال کو لے کر جس شخص کو مناسب سمجھے دے دیجئے لیکن وہ اس کو بھی منظور نہیں کرتے تھے۔

(۱۰) ابو سعد بغدادی (المتوفی ۵۴۰ھ) ایک زہد پیشہ محدث تھے۔ایک بار انہوں نے ایک شخص سے دس اشرفیاں قرض لیں۔اس کے بعد وہ شخص سلطان مسعود بن محمد کی خدمت میں آیا

اور اس سے واقعہ کو بیان کیا۔ اس نے اس کے ہاتھ پانچ سو اشرفیاں بھجوائیں، وہ نہایت مسرت کے ساتھ ان اشرفیوں کو ان کے پاس لایا لیکن انہوں نے اس کو لینے سے انکار کر دیا۔

(۱۱) امام محمد بن جریر طبری رحمتہ اللہ علیہ (۳۱۰ھ) اسلام میں بہت بڑے محدث اور مصنف تھے ایک بار خلیفہ مکتفی نے ان سے ایک کتاب لکھوائی اور اس کا صلہ دینا چاہا انہوں نے صلہ لینے سے انکار کر دیا۔ لوگوں نے کہا کہ ضرورت کے لئے کچھ تو چاہئے۔ بولے، میں امیر المومنین سے درخواست کروں گا کہ جمعہ کے دن سوال کرنے کی ممانعت کر دے۔ چنانچہ اس نے اس کی ممانعت کر دی۔ اور اس کے اثر سے ایک محدود پیمانے پر گداگری کا انسداد ہوا۔

اسی طرح ایک وزیر نے ان سے فقہ کی ایک کتاب لکھوائی اور اس کے صلے میں ان کے پاس ہزار اشرفیاں بھجوائیں۔ لیکن انہوں نے ان کو واپس کر دیا۔

(۱۲) اس قسم کی مثالیں اگر چہ اسلام کی ابتداء میں زیادہ ملتی ہیں تاہم بہت سے علماء نے آخیر دور میں بھی ان اخلاقی خصوصیت کو قائم رکھا۔ ترکی دور سلطنت میں مولیٰ علاؤ الدین الایدینی (المتوفی ۹۳۰ھ) ایک زہد پیشہ عالم تھے جو ہمیشہ درس و تدریس اور ریاضت و عبادت میں مشغول رہتے تھے۔ ان کے درس میں ہر شخص شریک ہو سکتا تھا اور بعض اوقات ایک ایک دن میں بیس بیس سبق پڑھاتے تھے لیکن ہدیہ کے سوا نہ کسی سے اجرت لیتے تھے نہ وظیفہ قبول کرتے تھے ان کے استاد مولیٰ قاضی زادہ نے ان کو دربار سلطانی میں اس غرض سے بھیجنا چاہا تھا کہ ان کو کوئی عہدہ مل جائے۔ لیکن وہ اس پر راضی نہ ہوئے اور کہا کہ میں نے خدا سے عہد کر لیا ہے کہ کوئی عہدہ قبول نہیں کروں گا۔

(۱۳) شیخ عرس الدین احمد رحمتہ اللہ علیہ (المتوفی ۷۱۵ھ) نے عمر بھر کسی بادشاہ کا وظیفہ قبول نہیں کیا۔ ان کا ذریعہ معاش ان کی طبابت کی آمدنی اور شاگردوں کے ہدیئے تھے۔ ہمیشہ موٹا سا کپڑا پہنتے تھے اور معمولی معاش و قناعت کرتے تھے۔

(۱۴) ایک فاضل بزرگ کو دس روپیہ ماہوار تنخواہ ملتی تھی جس میں سے وہ دو روپیہ ماہوار اپنی والدہ ماجدہ کی خدمت میں پیش کر دیتے تھے ان کی والدہ کا انتقال ہو گیا تو انہوں نے اپنے دفتر کو لکھا کہ ان کی تنخواہ میں سے دو روپے کم کر دیئے جائیں۔ اس لئے کہ وہ یہ روپے اپنی ماں کی خدمت میں پیش کر دیتے تھے۔ جب والدہ نہیں رہی تو اس رقم کی بھی ضرورت نہیں رہی کہ جو ان پر خرچ

اسلام کا اخلاقی نظام

اسلام سے پہلے دو متضاد نظام اخلاق دنیا میں قائم تھے۔ اور ان دونوں کو ان لوگوں نے قائم کیا تھا جو اپنے دینی اور دنیوی اقتدار سے دنیا کو ان کا پابند بنا سکتے تھے۔ ایک نظام اخلاق تو روم اور ایران کے شہنشاہوں، رئیسوں، امیروں اور دولت مندوں کا تھا جو ہر قسم کی دنیوی شان و شوکت دنیوی جاہ و جلال اور دنیوی آرائش و نمائش کے اظہار کا ذریعہ تھا۔ اور آج یہی نظام اخلاق یورپ اور امریکہ کے اعلیٰ طبقہ میں پہنچ کر اور بھی زیادہ شاندار لطیف اور رنگین ہو گیا ہے۔ اور تمام دنیا اس کی پابند ہو رہی ہے۔

دوسرا نظام اخلاق یہودیوں، عیسائیوں اور ہندوؤں کے مذہبی پیشواؤں کا تھا۔ جس میں انتہا درجہ کی بوسیدگی انتہا درجہ کی۔ شکستگی انتہا درجہ کی ترش روئی پائی جاتی تھی۔ اور اس میں تکلف کے بجائے سراسر تکلیف ہی تکلیف تھی۔ لیکن اس تکلیف کے باوجود ان لوگوں کا دینی اقتدار اس کو دنیا میں اس قدر مقبول بنا رہا تھا کہ جو لوگ اپنے مزاج و طبیعت کے لحاظ سے اس طریق زندگی کے مخالف تھے وہ بھی ان لوگوں کا احترام کرتے تھے اور آج بھی پوپوں، سنیاسیوں اور درویشوں کے سامنے بڑے سے بڑے گردن فراز لوگوں کے سر نیاز جھک جاتے ہیں۔

اسلام آیا تو یہ دونوں نظام اخلاق انتہائی عروج کی حالت میں قائم تھے اور ان میں ہر قسم کی دینی اور دنیوی کشش پائی جاتی تھی۔ لیکن اسلام نے شدت کے ساتھ ان دونوں کی مخالفت کی اور اس کے مقابل میں ایک نہایت معتدل نظام اخلاق قائم کیا۔ جس میں فطری میلان کے سوا کسی قسم کی رنگینی بوقلمونی اور تراش و خراش نہ تھی۔ باپ ماں کے فرمانبردار بنو۔ بچوں سے محبت رکھو۔ عورتوں کے ساتھ عمدہ سلوک کرو۔ زمین پر اکڑ کر مت چلو۔ نرم لہجے میں بولو۔ اگر کوئی سلام کرے تو اس کے سلام کا جواب اس سے بہتر طریقہ پر دو یہ اور اسی قسم کی سینکڑوں اخلاقی باتیں اسلامی نظام اخلاق کا جزو ہیں۔ اور یہ ایسی باتیں جو بچوں کو ریڈروں میں پڑھائی جاتی ہیں۔ اس لئے اس قسم کی سادہ اخلاقی باتوں کو سن کر بجا طور پر یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ آخر دنیا کے سب سے بڑے

اور سب سے آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا یہ کون سا عظیم الشان اخلاقی کارنامہ ہے۔ اور اس میں کون سی جدت اور ندرت پائی جاتی ہے۔

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ دنیا کی حقیقی چیزیں جن سے دنیا اور اہل دنیا کا وجود قائم ہے۔ وہی ہیں جو سادہ اور معتدل اور فطری ہیں۔ لیکن کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ غیر فطری چیزوں کی مصنوعی لیکن ضرر رساں لذتیں دنیا کو ان فطری چیزوں سے غافل کر دیتی ہیں۔ اور ایسی حالت میں ایک پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا اصل کارنامہ صرف یہ ہوتا ہے کہ دنیا کے چہرے سے ان غیر فطری اور مصنوعی چیزوں کا نقاب اتار کر پھینک دے۔ تاکہ فطرت کا اصلی چہرہ روشن ہو جائے۔ دودھ اور پانی نہایت سادہ فطری چیزیں ہیں مگر انہی دونوں سے انسانی زندگی کی نشوونما حاصل ہوتی ہے۔ لیکن ایک شرابی شراب کو ان دونوں پر ترجیح دیتا ہے اور شراب کی مصنوعی لطافتوں کے سامنے ان دونوں قدرتی چیزوں کی کوئی قدر و قیمت نہیں ٹھہراتا۔ ایسی حالت میں اگر کوئی شخص اس کو دودھ اور پانی کے فوائد اور شراب کے نقصانات سمجھاتا ہے تو اس کے یہ معنے نہیں ہیں کہ وہ سائنس کے کسی جدید اور دقیق مسئلہ کی ایجاد کرتا ہے بلکہ اس کا اصلی کارنامہ صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ اس شخص کی آنکھوں کے سامنے سے نشہ کا مصنوعی پردہ ہٹا دینا چاہتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے زمانے میں اخلاقی حیثیت سے دنیا کی حالت بھی شرابیوں کی سی ہو رہی تھی۔ ایک طرف تو فرمانروایان روم و ایران اپنے شاہانہ ساز و سامان کے نشے میں چور اور دوسری طرف یہودیوں، عیسائیوں اور ہندوؤں کے مذہبی پیشوا اپنی گدڑی میں مگن تھے کہ اسی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنی سادہ اور معتدل اخلاقی تعلیم سے ان دونوں فریق کی آنکھوں کے سامنے سے غفلت کے یہ پردے دور کر دیئے اور فطرت کا جو خوبصورت چہرہ حریر کی چمکدار قباؤں اور کمبل کی گدڑیوں کے اندر چھپ گیا تھا اس کو اپنے اصلی حسن و جمال میں دنیا کے سامنے پیش کر دیا۔

خوراک

دوسری بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے جو معتدل فطری نظام اخلاق قائم کیا وہ اگرچہ بظاہر نہایت بے رنگ اور سادہ معلوم ہوتا ہے لیکن اگر اس زمانے کی حالت کو پیش

نظر رکھا جائے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معبوث ہوئے تو صاف معلوم ہوگا کہ آپ ﷺ کی اخلاقی تعلیمات اس زمانے کے حالات کے بالکل مخالف تھیں۔ اور مخالف حالات پر قابو پانا اور زمانے کی روش کے مخالف چلنا بڑے بڑے اولوالعزم ہی لوگوں کا کام ہو سکتا ہے اس زمانے میں اہل عرب بالخصوص صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نہایت غربت و افلاس کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے۔ ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ میں ساتواں مسلمان ہوں۔ اس وقت یہ حالت تھی کہ ہم لوگ درخت کے پتے کھا کھا کر گزر اوقات کرتے تھے۔ جس کا نتیجہ یہ تھا کہ ہمارے جبڑے پھٹ پھٹ گئے تھے۔ تمام اہل مدینہ کی غذا کھجور اور جو تھی۔ جو کا آٹا بھی چھنا ہوا نہیں ہوتا تھا۔ کیونکہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے گھروں میں چھلنی نہیں ہوتی تھی۔ آٹا پیس کر منہ سے پھونک کر بھوسی اڑا دیتے تھے اور جو کچھ بچ جاتا تھا اس کو کھا لیتے تھے۔

پوشاک

کپڑے کی یہ حالت تھی کہ بہت سے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پاس صرف ایک چادر ہوتی تھی جس کو گلے میں باندھ کر ٹخنوں تک لٹکا دیتے تھے کہ تہ بند اور کرتہ دونوں کا کام دے۔ ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ ایک کپڑے میں نماز جائز ہے یا نہیں؟ تو ارشاد ہوا۔ کیا تم میں ہر شخص کے پاس دو کپڑے ہیں۔

شادی بیاہ میں دلہنوں کو معمولی جوڑا بھی میسر نہیں ہوتا تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے۔ کہ میرے پاس گاڑھے کی ایک کرتی تھی۔ شادی بیاہ میں جب کوئی دلہن سنواری جاتی تھی تو وہ مجھ سے اسے مستعار منگوا لیتی تھی۔ رومال نہایت معمولی درجہ کی چیز ہے لیکن صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو وہ بھی میسر نہ تھا۔

گھر

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے گھر نہایت مختصر پست اور کم حیثیت ہوتے تھے۔ ان میں پاخانے تک نہیں ہوتے تھے اور راتوں کو گھروں میں چراغ تک نہیں جلائے جاتے تھے۔ یہ حالت بالکل راہبانہ اور جوگیانہ زندگی کے مطابق تھی اور ایسی حالت میں اگر آپ راہبانہ اور جوگیانہ زندگی کی تعلیم دیتے تو اس ماحول کے بالکل مطابق ہوتی اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نہایت

آسانی کے ساتھ اس کو قبول کر لیتے۔

اہل عرب اور رہبانیت

زمانہ جاہلیت میں بھی مذہبی حیثیت کے اہل عرب کا میلان رہبانیت ہی کی طرف تھا۔ مثلاً مذہبی اعمال میں اہل عرب کا سب سے محبوب ترین عمل حج تھا۔ اور اس کو وہ طرح طرح کی ریاضتوں کے ساتھ ادا کرتے تھے۔ مثلاً اہل یمن جب سفر حج کے لئے روانہ ہوتے تو کسی قسم کا زاد راہ ساتھ نہیں لیتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم لوگ متوکل باللہ ہیں۔ خدا کے گھر کا حج کرتے ہیں تو کیا وہ ہم کو کھانا نہ کھلائے گا؟ لیکن مدینہ تک پہنچ کر بھیک مانگنے لگتے تھے۔ ایک رسم یہ تھی کہ جب یہ حج کرتے تھے تو گھروں کے اندر دروازے کے راستے سے نہیں داخل ہوتے تھے بلکہ گھر کی پشت سے پھاند کر آتے تھے کیونکہ وہ چاہتے تھے کہ زمانہ حج میں ان کے اور آسمان کے درمیان کوئی درمیانی چیز حائل نہ ہونے پائے۔ اس لئے کہ اگر وہ دروازوں سے گھر میں آتے تو ان کے اور آسمان کے درمیان چھت حائل ہو جاتی۔ ایک طریقہ یہ تھا کہ ایام حج میں قریش کے سوا عرب کے اور تمام مرد و عورت ننگے ہو کر طواف کرتے تھے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ قریش کے لوگ چونکہ خانہ کعبہ کے مجاور تھے۔ اس لئے انہوں نے تمام اہل عرب پر اپنا تفوق قائم کرنے کے لئے یہ طریقہ ایجاد کر لیا تھا۔ دوسری بات یہ تھی کہ اہل عرب کپڑے پہن کر مذہبی مراسم کا ادا کرنا مذہبی زہد و تقشف کے مخالف سمجھتے تھے۔ زمانہ جاہلیت کی ان سختیوں کا اثر عہد اسلام میں بھی قائم رہا۔ چنانچہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بوڑھے شخص کو دیکھا کہ اپنے دونوں بیٹوں کا سہارا لے کر چل رہا ہے۔ وجہ دریافت فرمائی تو معلوم ہوا کہ اس نے خانہ کعبہ تک پاپیادہ چلنے کی منت مانی ہے۔ ایک صحابیہ رضی اللہ تعالی عنہا نے بھی اسی قسم کا ارادہ کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا۔ پیدل بھی چلو اور سوار بھی ہو لیا کرو اور ایک طریقہ یہ تھا کہ اونٹوں کی طرح ناک میں نکیل ڈال لیتے تھے۔ دوسرا شخص اس کو پکڑ کر کھینچ لیتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی طرح ایک شخص کو طواف کرتے دیکھا۔

حج کا زمانہ عرب میں خصوصیت کے ساتھ تجارتی گرم بازاری کا زمانہ ہوتا ہے لیکن اسلام لانے کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم زمانہ حج میں تجارت کو ایک گناہ کا کام سمجھتے تھے اور کہتے

تھے کہ یہ تو صرف ذکر و عبادت کا زمانہ ہے۔ ان کے علاوہ اس زمانہ میں اور کسی دنیوی کام میں مشغول نہیں ہونا چاہئے۔

بعض لوگ روزے کے متعلق بھی طرح طرح کی سختیوں کا التزام کرتے تھے۔ مثلاً روزہ رکھتے تھے تو دھوپ میں کھڑے رہتے تھے اور کسی سے بات چیت نہیں کرتے تھے اور ان تمام حالات نے رہبانیت کی تعلیم کے لئے فضا کو بالکل صاف کر دیا تھا۔ اسلام آیا تو اس نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں اور بھی شدت کے ساتھ ذوقِ عمل پیدا کیا اور اس حالت میں قدرتی طور پر بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم رہبانیت کی طرف مائل ہوئے۔ چنانچہ چند صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بیبیوں کی خدمت میں آکر آپ کی عبادت کا حال دریافت کیا۔ لیکن جب آپ کی معتدل عبادت گزاری کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے اپنے معیار کے مطابق اس کو کم سمجھا اور اس کی یہ تاویل کی کہ ہم میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں بہت بڑا فرق ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ کے اگلے پچھلے گناہ سب معاف ہو چکے ہیں اس لئے آپ ﷺ کو بہت زیادہ عبادت کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ ان میں ایک صاحب نے کہا کہ میں رات بھر نماز پڑھتا رہوں گا۔ ایک بزرگ نے فرمایا کہ میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا۔ ایک صحابی بولے کہ میں کبھی نکاح ہی نہ کروں گا۔ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک رہبانیت پسند صحابی تھے۔ انہوں نے اپنے اوپر عورت، خوشبو اور ہر لذیذ چیز کو حرام کرنا چاہا۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے بے کار ہونے کی اجازت حاصل کرنی چاہی۔ اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کہتے ہیں کہ اگر آپ ان کی یہ درخواست منظور فرما لیتے تو ہم سب کے سب بدھی ہو جاتے۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھے جو سخت سے سخت ریاضت اور سخت سے سخت عبادت میں مصروف رہتے تھے۔ چنانچہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے دیکھا کہ مسجد کے دونوں ستونوں کے درمیان ایک رسی بندھی ہوئی ہے دریافت فرمایا کہ یہ رسی کیسی ہے؟ معلوم ہوا کہ ایک صحابیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جن کا نام زینب ہے۔ یہ رسی باندھ رکھی ہے جب نماز پڑھتے پڑھتے تھک جاتی ہیں تو اس سے لٹک جاتی ہیں۔ تاکہ نیند نہ آنے پائے۔

ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے جو ہمیشہ دن کو روزہ رکھتے تھے اور رات کو نماز پڑھتے تھے۔

اسلام میں جہاد بھی ایک عبادت ہے۔ اس لئے اس کا شوق بھی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دلوں میں رہبانیت کا میلان پیدا کرتا تھا۔ چنانچہ حضرت سعد بن ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور مدینہ آیا کہ وہاں کی جائیداد کو بیچ کر ہتھیار خریدوں اور جہاد کروں ان کو چند صحابہ اور ملے جنہوں نے کہا کہ ہم میں سے اور چھ شخصوں نے بھی یہی ارادہ کیا تھا۔

ان سب سے بڑھ کر یہ کہ خود صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں اصحاب صفہ ہیں ایک گروہ ایسا موجود تھا جو بالکل راہبانہ زندگی بسر کرتا تھا۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اپنے آپ کو بالکل خدمت اسلام کے لئے وقف کر دیا تھا اور ہر قسم کے دنیوی کاروبار یعنی زراعت تجارت اور ملازمت وغیرہ کو چھوڑ کر اپنی زندگی صرف عبادت گزاری کے لئے نذر کر دی تھی۔ یہ لوگ راتوں کو عموماً عبادت کرتے تھے اور قرآن مجید پڑھا کرتے تھے۔ ان میں ایک ٹولی جنگل سے دن کو لکڑیاں چن لاتی تھی اور اس کو بیچ کر اپنے بھائیوں کیلئے کھانا مہیا کرتی تھی۔ ان لوگوں کے بال بچے نہ تھے اور جب شادی کر لیتے تھے تو اس حلقہ سے نکل جاتے تھے۔ ان میں سے کسی کے پاس چادر اور تہبند دونوں چیزیں ایک ساتھ کبھی مہیا نہ ہو سکیں۔ چادر کو گلے سے اس طرح باندھ لیتے کہ رانوں تک لٹک آتی تھی۔ اکثر انصار کھجور کی پھلی ہوئی شاخیں توڑ کر لاتے اور مسجد کی چھت میں لگا دیتے تھے۔ کھجوریں جو پکنے کے بعد ٹپک ٹپک کر گرتی تھیں۔ یہ لوگ ان کو اٹھا کر کھا لیتے تھے۔ کبھی دو دو دن کھانے کو نہیں ملتا تھا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جب کہیں سے کوئی صدقہ کا کھانا آتا تھا تو مسلم ان کے پاس بھیج دیتے تھے۔ اور جب دعوت کا کھانا آتا تھا تو ان کو بلا لیتے تھے اور ان کے ساتھ بیٹھ کر کھاتے تھے اکثر ایسا ہوتا تھا کہ راتوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو مہاجرین اور انصار پر تقسیم کر دیتے تھے۔ یعنی اپنے مقدور کے موافق ہر شخص ایک ایک دو دو آدمی کو اپنے ساتھ لے جاتا تھا اور ان کو کھانا کھلاتا تھا۔ چنانچہ بعض فیاض اور دولت مند صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کبھی کبھی اسی اسی آدمیوں کو ساتھ لے جا کر کھانا کھلاتے تھے۔ ان کی تعداد گھٹتی بڑھتی رہتی تھی۔ کل مجموعی تعداد ۴۰۰ تک پہنچی تھی۔

ان تمام واقعات کے پیش نظر رکھنے کے بعد ملانیہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کی ابتدائی تاریخ بالکل رہبانی تعلیم کی دعوت دے رہی تھی۔ لیکن باایں ہمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

رہبانیت کی مخالفت کی اور عام اعلان فرمایا۔

خدا نے رہبانیت کے بدلے ہم کو آسان اور سید ھا مذہب عطا فرمایا۔

اور جو لوگ نکاح کو مذہبی زہد و تقشف کے خلاف سمجھتے تھے ان کو ہدایت فرمائی۔

یعنی نکاح کرو کیونکہ میں اور امتیوں کے مقابل میں تمہاری بڑھتی ہوئی نسل تعداد پر فخر کروں گا اور عیسائیوں کی طرح جوگی پنانہ اختیار کرو۔

صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ رہبانیت کے خلاف متعدد دلائل قائم کئے۔

چنانچہ حضرت عثمان بن مظعون رحمتہ اللہ علیہ کے متعلق جو عورت، خوشبو اور تمام لذیز چیزوں کو اپنے اوپر حرام کر لینا چاہتے تھے یہ آیت نازل ہوئی۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ۔

ترجمہ: مسلمانوں خدا نے جو پاکیزہ چیزیں تمہارے لئے حلال کر دی ہیں۔ ان کو اپنے اوپر حرام نہ کرو اور حد سے بھی نہ بڑھو۔ کیونکہ خدا حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

اس آیت سے یہ ثابت ہوا کہ اسلام نے رہبانیت کی مخالفت اس بناء پر کی کہ وہ توسط اور اعتدال کی مخالف تھی۔ کیونکہ انسانی زندگی کا مقصد صرف عیش و عشرت نہیں ہے لیکن اس معاملہ میں اس قدر حد سے بھی نہ بڑھ جانا چاہئے کہ خوشگوار اور لذیذ چیز کو اپنے اوپر حرام کر لیا جائے یہاں تک کہ شراب کی طرح برف کا شربت بھی ناجائز ہو اور اجنبی عورتوں کی طرح اپنی عورت بھی اپنے اوپر حرام کر لی جائے۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ رہبانیت کی بنیاد در حقیقت نفس کشی پر قائم تھی۔ یعنی بہت سے لوگوں کا خیال تھا کہ انسان خدا کے لئے جس قدر دکھ اٹھاتا ہے اسی قدر خدا اس سے خوش ہوتا ہے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس خیال کو غلط قرار دیا۔ چنانچہ ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک سال آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر واپس چلے گئے۔ دوسرے سال پھر حاضر ہوئے تو صورت اس قدر بدل گئی تھی کہ آپ نے ان کو نہیں پہچانا اور انہوں نے خود اپنا تعارف کرایا تو آپ نے فرمایا کہ تمہارا رنگ روپ کیوں بدل گیا۔ تمہاری صورت تو اچھی خاصی تھی۔ بولے۔ جب

سے آپ سے جدا ہوا رات کے سوا دن کو کبھی نہیں کھایا۔ یعنی برابر روزے رکھے۔ فرمایا تم نے اپنی جان کو کیوں دکھ دیا؟ پورے رمضان کا روزہ رکھو اور ہر مہینے میں صرف ایک دن کا۔

(۳) رہبانیت کا ایک لازمی نتیجہ یہ بھی ہوتا ہے کہ انسان عبادت کی معمولی مقدار پہ قناعت نہیں کرتا۔ بلکہ اس قدر عبادت کرتا ہے جو انسانی طاقت سے باہر ہوتی ہے۔ چنانچہ جن صحابیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مسجد کے دونوں ستون کے درمیان ایک رسی باندھ رکھی تھی۔ جب نماز پڑھتے پڑھتے تھک جاتی تھیں تو اس سے لٹک جاتی تھی۔ تاکہ نیند نہ آنے پائے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس رسی کو کھلوا دیا اور فرمایا کہ

جب آدمی چست و چاق رہے۔ اس وقت تک نماز پڑھے اور جب تھک جائے تو بیٹھ جائے۔

اس غیر معمولی عبادت کے بے نتیجہ ہونے کی ایک وجہ اور بتائی اور فرمایا کہ

تم لوگ صرف اتنی ہی عبادت کیا کرو جتنی کہ تم کو طاقت ہے کیونکہ خدا ثواب دینے سے اس وقت تک نہیں تھکتا جب تک تم لوگ خود نہ تھک جاؤ۔

ایک حدیث میں ہے کہ جب کسی کو نماز پڑھتے پڑھتے نیند آنے لگے تو اس کو سو رہنا چاہئے کیونکہ ممکن ہے کہ استغفار کی حالت میں توبہ واستغفار کی بجائے وہ اپنے آپ کو گالیاں دینے لگے۔

اصل یہ ہے کہ دل پر اثر کسی کام کی کثرت کا نہیں ہوتا۔ بلکہ مداومت کا ہوتا ہے یعنی جو کام ہمیشہ کیا جاتا ہے گو اس کی مقدار کم ہو وہی نتیجہ خیز ہوتا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ

خدا کو وہی عبادت سب سے زیادہ پسند ہے جو ہمیشہ کی جائے گو وہ کم ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ عبادت گزار کون ہوگا؟ لیکن جب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سوال کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کون سی عبادت سب سے زیادہ پسند تھی۔ تو بولیں کہ وہ جو ہمیشہ کی جائے۔ اسی اصول کی بناء پر اسلام نے کثرت عبادت اور کثرت ریاضت کو ناجائز قرار دیا اور اسی چیز پر رہبانیت کی بنیاد قائم تھی۔

(۴) رہبانیت کی بنیاد ایک اور چیز پر بھی قائم ہے۔ یعنی گوشہ نشینی اور مخلوق الٰہی سے علیحدگی پر اس لئے اصلی سوال یہ ہے کہ سوسائٹی سے الگ ہو کر گوشہ نشینی کی زندگی بہتر ہے۔ یا سوسائٹی میں شامل ہو کر رہنا افضل ہے؟ اسلام نے دوسری صورت کو ترجیح دیا ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ جو

مسلمان لوگوں میں مل جل کر رہتا ہے اور ان کی دی ہوئی تکلیفوں پر صبر کرتا ہے وہ اس مسلمان سے بہتر ہے جو لوگوں میں نہ تو مل جل کر رہتا ہے نہ ان کی دی ہوئی تکلیفوں پر صبر کرتا ہے۔

حکمائے اسلام نے فلسفہ اخلاق پر جو کتابیں لکھی ہیں ان میں بھی یہی ثابت کیا ہے کہ انسان فضائل اخلاق کا ظہور صرف سوسائٹی میں رہنے سے ہوتا ہے سوسائٹی سے الگ رہ کر کوئی شخص محاسن اخلاق کا اظہار نہیں کر سکتا۔ چنانچہ ابن مسکویہ کتاب الطہارہ میں لکھتا ہے کہ

"حکما کا قول ہے کہ انسان مدنی الطبع ہے۔ یعنی وہ ایک ایسے شہر کا محتاج ہے جس میں بہت سے لوگ رہتے ہوں تاکہ اس کی انسانی سعادت مکمل ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان لوگوں کی دوستی، معاشرت اور ان کی سچی محبت کرنے پر مجبور ہے۔ کیونکہ یہ لوگ اس کی ذات اور اس کی انسانیت کو مکمل کرتے ہیں اور وہ بھی ان کے لئے ایسے ہی کرتا ہے۔ پس جب یہ فطری ضرورت ٹھہری تو ایک عقلمند آدمی کیوں کر تنہائی اور گوشہ نشینی کو اختیار کر سکتا ہے۔ اور ایسی حالت میں جو لوگ سوسائٹی سے الگ ہو کر پہاڑوں کے غاروں میں رہتے ہیں یا میدانوں میں عبادت خانے بنا لیتے ہیں یا شہروں میں پھرا کرتے ہیں۔ ان کو کوئی اخلاقی فضیلت بلکہ سرے سے انسانیت ہی نہیں حاصل ہوتی۔ کیونکہ جو شخص سوسائٹی سے الگ رہتا ہے اس سے بہادری، سخاوت اور عدالت کوئی چیز ظاہر نہیں ہو سکتی۔ بلکہ اس کے فطری قویٰ اور ملکات بالکل بے کار ہوتے ہیں اور ان کے دماغ خیر و شر کسی کی طرف نہیں ہوتا۔ ایسی حالت یہ لوگ بمنزلہ جمادات اور مردوں کے ہیں کہ وہ لوگ اپنی نسبت خود خیال ہیں اور دوسرے لوگوں کا بھی ان کی نسبت یہی خیال ہوتا کہ وہ پاکباز اور عادل ہیں لیکن در حقیقت وہ پاکباز اور عادل نہیں ہوتے۔ یہی حال تمام اخلاقی فضائل کا ہے۔ یعنی جب اس قسم کے لوگوں سے برائیاں نہیں سرزد ہوتیں تو لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ لوگ صاحب اخلاق ہیں حالانکہ اخلاقی فضائل پہلی چیز نہیں۔ بلکہ وہ افعال و اعمال ہیں جن کا ظہور تمام معاملات اور تمام اجتماعی کاموں میں مشہور آدمیوں کے سامنے ان کے گھروں میں ہوتا ہے۔"

اسی فلسفیانہ اصول کی بناء پر اسلام نے اجتماعی زندگی کو فضائل اخلاق کے اظہار کا ذریعہ قرار دیا اور راہبانہ زندگی کی تمام خصوصیات کے مخالف اخلاقی تعلیم دی۔ مثلاً راہبانہ زندگی کا نتیجہ یہ تھا کہ اعزہ و اقارب بلکہ ماں باپ تک کی محبت دلوں سے جاتی رہتی تھی۔ زندہ دلی اور خوش طبعی کا نام و نشان تک باقی نہ رہا تھا۔ اس کے مخالف اسلام نے اعزہ و اقارب بالخصوص ماں باپ کے تعلقات کو

نہایت اہم اور ضروری قرار دیا۔ چنانچہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ میری بہترین خدمت کا مستحق سب سے زیادہ کون ہے۔ فرمایا۔ تمہاری ماں۔ اس نے کہا پھر کون فرمایا تمہارا باپ۔ عیسائی راہب عورتوں سے سخت نفرت رکھتے تھے لیکن اسلام نے عورتوں کو زندگی کا نہایت ضروری جزو ٹھہرایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔

دنیا ایک پونجی ہے اور دنیا کی سب سے بہتر پونجی نیک عورت ہے۔

اور خانگی ضروریات اور معاشرتی تعلقات کے علاوہ عورت کو شگفتگی خاطر اور خوش طبعی کا ایک ذریعہ قرار دیا۔ چنانچہ ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شادی شدہ عورت سے نکاح کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ

تم نے کنواری عورت سے شادی کیوں نہیں کی جو تم سے ہنسی مذاق کرتی اور تم اس سے ہنسی مذاق کرتے وہ تمہارے ساتھ کھیلتی اور تم اس کے ساتھ کھیلتے۔

اولاد کی پرورش اور محبت کو بہت بڑی اخلاقی فضیلت قرار دیا اور جو عورتیں اولاد سے زیادہ محبت رکھتی تھیں۔ خاص طور پر ان کی تحسین وستائش کی۔ چنانچہ فرمایا:۔

عرب کی عورتوں میں سب سے بہتر قریش کی عورتیں ہیں جو بچپن میں بچوں سے بہت زیادہ محبت رکھتی ہیں۔

ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اپنے بچے کو لے کر حاضر ہوئے اور اس کو چمٹانے لگے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم کو اس سے محبت ہے؟ بولے ہاں! فرمایا۔ اس سے زیادہ تم سے ارحم الرحمین کو محبت ہے۔ بعض صحابہ ایسے تھے جو اپنے تمام مال ودولت کو خدا کی راہ میں دے دینا چاہتے تھے لیکن چونکہ اس سے اولاد کے حق کو صدمہ پہنچتا تھا۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اس نیت سے باز رکھا۔ چنانچہ ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے مرض الموت میں آپ ﷺ سے درخواست کی کہ میں صاحب مال ہوں اور میری وارث صرف ایک لڑکی ہے۔ کیا میں اپنے مال کا دو ثلث خیرات کر سکتا ہوں؟ فرمایا نہیں انہوں نے کہا۔ تو آدھا۔ فرمایا نہیں صرف ایک تہائی، اور یہ بھی بہت ہے۔ اگر تم اپنے ورثہ کو دولت مند چھوڑ جاؤ تو یہ اس سے بہتر ہے کہ ان کو محتاج اور بھیک منگا بنا کر چھوڑ جاؤ تم خالصۃً بوجہ اللہ جو کچھ بھی صرف کرو گے۔ یہاں تک کہ اپنی بیوی کے منہ میں اگر لقمہ بھی ڈالو گے تو تم کو اس کا

ثواب ملے گا۔

زندہ دلی اور خوش طبعی کی یہ کیفیت تھی کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول تھا کہ نماز فجر کے بعد طلوع آفتاب تک مصلے پر بیٹھے رہتے تھے اور اس حالت میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ زمانہ جاہلیت کے واقعات بیان کرتے تھے۔ اشعار پڑھتے تھے اور ہنستے تھے اور آپ ان تذکروں کو سن کر مسکراتے تھے۔

عید کے دن چھوٹے چھوٹے لڑکے اور چھوٹی چھوٹی لڑکیاں آپ کے پاس جمع ہو کر باجے بجاتی تھیں اور مسرت کے ترانے گاتی تھیں۔ حدیث کی کتابوں میں ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ مردہ دل اور خشک مزاج نہ تھے بلکہ اپنی صحبتوں میں اشعار پڑھتے تھے اور جاہلیت کے واقعات کا تذکرہ کر کے ہنستے رہتے تھے۔

(۲) راہبانہ زندگی کا دوسرا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان کھانے پہننے اور رہنے سہنے کے تمام پرلطف اور راحت رساں طریقوں کو چھوڑ کر نہایت ادنیٰ درجہ وحشیانہ زندگی بسر کرنے لگتا ہے۔ چنانچہ ایک راہب نے پورے تیس سال جو کی روٹی اور گدلے پانی پر بسر کیے اور ایک راہب سال بھر میں صرف ایک بار ایسٹر کے دن حجامت بنواتا تھا۔ نہ کبھی کپڑا بدلتا تھا نہ اس کو دھوتا تھا یہاں تک کہ وہ خود ہی ٹکڑے ٹکڑے ہو کر جسم سے اتر جاتا تھا ایک اور راہب عمر بھر ایک تنگ و تاریک غار میں رہا۔ ایک اور بزرگ جنگل کی خاردار جھاڑیوں میں رہتے تھے اور سونے کے لئے کبھی نہیں لیٹتے تھے۔ ایک راہب نے پچاس سال تک اپنے چہرہ یا پاؤں پر پانی کی چھینٹ تک پڑنے نہ دی۔ لیکن اسلام چونکہ اصولاً اس زندگی کا مخالف تھا اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر موقع پر اس کی مخالفت کی۔ چنانچہ ایک بار بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس قسم کی راہبانہ زندگی بسر کرنے کا تہیہ کیا اور ان میں ایک صاحب نے کہا کہ میں بچھونے پر نہیں سوؤں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر ہوئی تو ایک عام تقریر کی جس میں فرمایا کہ لوگ ایسا کیوں کہتے ہیں؟ میں تو نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں۔ روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں اور نکاح بھی کرتا ہوں تو جو شخص میرے طریقہ سے انحراف کرے گا وہ مجھ سے الگ ہے۔ ایک صحابی کہتے ہیں کہ جب ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے اور پانی برستا تھا تو ہمارے جسم سے بھیڑ اور بکری کی بو آتی تھی۔ یعنی چونکہ صحابہ غربت و افلاس کی وجہ سے بھیڑ بکری کے

اون کا کپڑا پہنتے تھے اس لئے جب اون پر بارش کے چھینٹے پڑتے تھے تو ان سے بھیڑ بکری کی بو آتی تھی یہ ایک قدرتی رہبانیت تھی جس آسانی کے ساتھ قائم رکھا جا سکتا تھا لیکن اسلام چونکہ اصولاً راہبانہ زندگی کا مخالف تھا۔ اس لئے اس نے اس ناگوار حالت میں تغیر پیدا کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر جمعہ کو غسل کرنا اور خوشبو لگانا واجب یا کم از کم سنت قرار دیا لیکن یہ غسل کیوں ضروری قرار دیا گیا اس کی وجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم خود صحابہ کی زبان سے سننا چاہئے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سخت تنگدست تھے۔ کمل کے کپڑے پہنتے تھے اپنی پیٹھ پر بوجھ لادتے تھے اور ان کی مسجد نہایت تنگ اور اس کی چھت نہایت پست تھی یعنی اوپر چھت کی جگہ صرف ایک چھپر تھا۔ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز جمعہ کے لئے مسجد میں آئے۔ دن نہایت گرم تھا لوگوں کو کمل کے کپڑے میں پسینہ آیا تو ان کے بدن سے اس قدر بو پھیلی کہ سب کو تکلیف ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بو کا احساس ہوا تو فرمایا کہ لوگو جب یہ دن آئے تو غسل کر لیا کرو اور جہاں تک ممکن ہو عمدہ تیل اور عمدہ خوشبو لگاؤ۔ صرف جمعہ ہی کی تخصیص نہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صفائی اور ستھرائی کو عموماً بہت زیادہ پسند کرتے تھے اور لوگوں کو مہذب صورت میں رہنے کی ترغیب دیا کرتے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس کے بال بکھرے ہوئے ہیں۔ نہ تو اس نے تیل لگایا ہے نہ کنگھی کی ہے۔ فرمایا کیا اس کو بالوں کے سلجھانے اور ہموار کرنے کا سامان میسر نہیں۔ ایک اور شخص کو دیکھا کہ نہایت گندہ اور میلے کچیلے کپڑے پہنے ہوئے ہے فرمایا۔ کیا اس کو پانی نہیں ملتا جس سے وہ اپنے کپڑے دھو لے۔ ایک اور صحابی کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں نہایت معمولی درجہ کے کپڑے پہن کر حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا تمہارے پاس مال ہے۔ انہوں نے کہا ہاں! فرمایا کس قسم کا مال ہے۔ بولے خدا نے مجھے اونٹ، بکریاں، گھوڑے، غلام سب کچھ دیا ہے۔ ارشاد ہوا کہ جب خدا نے تم کو مال دیا ہے تو خدا کے احسان کے نشانات تمہارے جسم سے ظاہر ہونے چاہئیں۔ یعنی تم کو اپنی حیثیت کے موافق کپڑے پہننے چاہئیں۔

جسمانی طہارت وپاکیزگی بلکہ جسمانی زیب وزینت کی چند معمولی چیزیں ایسی ہیں جو متمدن اور وحشیانہ زندگی کے درمیان حد فاصل ہو سکتی ہیں اور ان کی پابندی میں بہت سا وقت اور بہت سا

روپیہ بھی صرف نہیں ہوتا۔ لیکن راہب اور سنیاسی لوگ چونکہ ہر ممکن طریقہ سے زیب و زینت کی چیزوں سے احتراز کرتے ہیں۔ اس لئے ان کی پابندی کو مذہبی زہد و تقشف کے خلاف سمجھتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی شکل و صورت وحشیانہ ہو جاتی ہے اور صفائی و پاکیزگی ان کو چھو بھی نہیں سکتی لیکن اسلام چونکہ دنیا کو وحشیانہ حالت سے نکالنے اور تہذیب و شائستگی کے پھیلانے کے لئے آیا تھا۔ اس لئے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان چیزوں کو خصال الفطرۃ کا لقب دیا اور فرمایا کہ دس باتیں فطرت میں محسوب ہیں۔ یعنی مونچھ ترشوانا، ڈاڑھی بڑھانا، مسواک کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، ناخن ترشوانا، انگلیوں کی بیچ کی جگہ کو دھونا، بغل اور زیر ناف کے بال منڈوانا، منہ میں پانی ڈال کر کلی کرنا اور استنجا کرنا۔ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دینِ فطرت کے بانی اول یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سب سے پہلے ان باتوں پر عمل کر کے خدا سے دریافت کیا کہ یہ کیا ہے ؟ جواب ملا کہ وقار۔ فرمایا تو خداوندا میرے وقار کو اور بڑھا۔ ان تعلیمات کو پیش نظر رکھ کر اگر وحشیوں، سنیاسیوں، سادھوؤں اور راہبوں کی جسمانی حالت پر نظر ڈالی جائے تو صاف معلوم ہو گا کہ ان لوگوں نے دنیا میں رہبانیت اور سنیاس کے نام سے کس قدر غلاظت، نجاست، گندگی بلکہ وحشت پھیلا رکھی تھی، لیکن اسلام نے رہبانیت کا خاتمہ کر کے انسانیت کے چہرے کو کس قدر نازک، لطیف اور روشن کر دیا لیکن ان تعلیمات کے ساتھ اسلام نے انتہا درجہ کی نمائش اور آرائش کی بھی ممانعت کی ہے۔ (معارف)

اخلاق کی ضرورت

(جو نظامِ زندگی محض مادیت یا دہریت پر مبنی ہو اسے نیکی یا اچھے اخلاق سے کوئی واسطہ نہیں لیکن جس نظامِ حیات کی بنیاد خدا پرستی اور خدا شناسی پر ہو اس سے نیکی کو جدا کرنا ایسا ہی ہے جیسے روح کو بدن سے یا خوشبو کو پھول سے یا سورج کو گرمی اور روشنی سے یا ناخن کو گوشت سے۔) اس کتاب میں زندگی کا جو دستور پیش کیا گیا ہے۔ اس دستور کا محل اسلام کے عقیدۂ توحید و نبوت پر چنا گیا ہے۔

اسلام دینِ فطرت ہے اور نیک فطرت جن اخلاقی خوبیوں کی ضرورت کو محسوس کرتی ہے۔

ان کا تذکرہ اس طرح کیا گیا ہے کہ ہر مذہب کا آدمی اسے پڑھ کر روحانی سرور حاصل کر سکتا اور اپنے چلن کو سنوار سکتا ہے۔ چوری چکاری، دھوکہ دہی، فریب کاری، جھوٹ، بہتان، افترا، لوٹ کھسوٹ، رشوت، خیانت، یتیموں کا مال ہضم کر جانا، غریبوں پر ظلم کرنا، مزدور کو مزدوری نہ دینا، لوگوں کو جلانا، ستانا، تڑپانا، تکلیف پہنچانا، حق دار کا حق غصب کر لینا، کم تولنا، وعدہ توڑنا، دل دکھانا یہ سب عیب ہیں۔ عبادت، سخاوت، عدالت، مروت، محبت، دیانت، صداقت وغیرہ نیکیاں ہیں۔ برائیاں سب کیلئے بُری ہیں اور نیکیاں سب کے لئے اچھی ہیں۔ کڑوی چیز کا کڑوا ذائقہ ہوتا ہے اور میٹھی کا میٹھا، چکھنے والا خواہ ہندو ہو یا مسلمان۔

پاک دل

عزیزو۔ یاد رکھو۔ نیک وہ ہے جس کا دل پاک ہے۔ برا وہ ہے جس کا دل ناپاک ہے۔ اس کو آپ یوں خیال کریں کہ آپ اگر بازار سے سیب خریدنے چاہیں تو قدرتاً آپ کرم خوردہ اور داغ دار سیب کو آپ پسند نہیں کریں گے۔ آپ کرم خوردہ سیب کو اس لئے پسند نہیں کرتے کہ اس کو روگ لگ گیا ہے۔ یہی حال ان لوگوں کا ہوتا ہے کہ جن کے دل کو گناہ کا کیڑا خراب کر دیتا ہے اس سیب میں کیڑا کیوں کر پہنچا۔ ہوا یہ کہ گزشتہ موسم بہار میں جب غنچے چٹک رہے تھے، پھول مہک رہے تھے، ننھے ننھے سیب ٹہنیوں پر لٹک رہے تھے۔ ایک مکھی اس سیب پر آن بیٹھی اس نے اس کو غلیظ کر دیا، یہ کیا تھا۔ ایک گندہ کیڑا تھا، جوں جوں گرمی کا موسم آتا گیا۔ دوں دوں سیب بڑھتا گیا۔ وہ کیڑا بھی پنپتا گیا۔ سیب اپنی جوانی کو پہنچ گیا۔ وہ جرثومہ بھی نشوونما پا گیا، وہ تڑپنے لگا، کلبلانے لگا، باہر آنے لگا، اسے راہ نہ ملی، وہ اندر ہی رہا، وہ بھوکا کیونکر رہتا۔ اس نے اندر ہی اندر کھا کر سیب کو کھوکھلا کر دیا۔ اس نے لال سرخ حسین سیب کی صورت بگاڑ دی اور اسے داغیلا کر دیا۔ یہ کیڑا کیا ہے؟ یہ بدی کا تخم ہے۔ یہ گناہ کا جرثومہ ہے۔ یہ تمام انسان کے دل میں آہستہ آہستہ جگہ کر لیتا ہے۔ یہ وہ مچھر ہے جس کی پرورش بری تعلیم کے جوہڑ یا بری صحبت کے تالاب میں ہوتی ہے جو لوگ ماں باپ کی نافرمانی کرتے ہیں۔ بڑوں کا ادب نہیں کرتے۔ خدا سے نہیں ڈرتے۔ ڈانواڈول پھرتے ہیں۔ سمجھ لو کہ ان کے دل میلے کچیلے ہیں۔ اگر کبھی تمہارا میلان کسی برے کام کی طرف ہو تو سمجھ لو کہ دل میں کوئی کیڑا گھس گیا ہے اسے نکالنے کی کوشش کرو تم انسان ہو۔ سیب کی مانند بے بس

نہیں ہو۔ خدا کی جناب میں گڑگڑا، گڑگڑا کر دعا کرو۔ اے پروردگار تو ہمیں سیدھی راہ پر لا۔ ہمارے دل کو گمراہی سے بچا اور اپنی سرکار سے ہم کو رحمت کا خلعت عطا فرما۔

بچوں کی تربیت

(جو قوم یہ چاہتی ہے کہ وہ نیک نام ہو۔ شاد کام ہو۔ فائزالمرام ہو۔ اسے بچوں کی تربیت کرنی چاہئے۔) نیک منش بچے پھول ہیں۔ اور برے بچے محض گھاس پات ہیں۔ پھول کیوں دیدہ زیب ہیں؟ کس لئے دل فریب ہیں؟ ان کا رنگ خوب ہے ان کی خوشبو دماغ کو معطر کرتی ہے آپ نے ان کو باغ سے توڑا۔ یہ سچ ہے کہ ان کی نسبت استادِ ذوق نے کہا ہے۔

اگر یہ جانتے چن چن کے ہم کو توڑیں گے
تو گل کبھی نہ تمنائے رنگ و بو کرتے

بلاشبہ وہ ایک ایسے باغ میں تھے۔ کہ جس کے اردگرد احاطہ تھا اور ایک مالی اس کی حفاظت پر مامور تھا۔ اس کا مالک بھی اس کی دیکھ بھال کرتا تھا۔ مالی کو تنخواہ اس لئے ملتی تھی کہ وہ ان کا خاص خیال رکھے۔ اردگرد کے جھاڑ جھنکاڑ کو دور کرتا رہے۔ کیاریوں کو گھاس پات سے صاف کردے۔ وہ دیکھے کہ ان کے لئے نالیوں میں پانی ہے یا نہیں؟ آب رسانی اس کا فرض ہے۔ اگر بارش نہ ہوئی یا کم ہوئی تو بھی مالی کی رکھوالی کے باعث پات پات اور ڈالی ڈالی کی تروتازگی جوں کی توں رہی۔ بنا سپتی اور خودرو گھاس پات کیوں آپ کی نظروں کو اپنی جانب کھینچتے۔ آپ کس لئے ان کو اپنے دامن میں نہیں سمیٹتے۔ بات یہ ہے انہیں آنے جانے والے انسانوں نے جانوروں نے روندا۔ ان کا کوئی پرسان حال نہ تھا۔ وہ بری طرح پامال ہوئے۔ انہیں پانی بروقت نہ ملا۔ وہ ٹھٹر کر رہ گئے۔ وہ پنپ نہ سکے۔ ان میں سے خوش بخت تھے وہ جن کو لوگ اکھیڑ کر لے گئے اور انہوں نے ان کو محفوظ اور محتاط جگہ میں، کیاریوں اور گملوں میں لگایا۔ سجایا۔ انہیں کھاد دی گئی۔ ان کے لئے پانی کا اہتمام کیا گیا جبھی تو ان کی صورت ستھری ان کی مورت من موہنی اور نکھری ہوتی ہے۔ ان کی برتری۔ بہتری۔ ان کا حسن، ان کا جمال۔ کس کی دیکھ بھال کا کمال ہے۔ ان کا ہر پھول وہ تو نونہال ہے۔ جس کی والدین نے خوب تربیت کی۔ جو بچے کھلنڈرے رہے اور بے قابو ہو جاتے ہیں۔ بازاروں میں۔ باغوں میں مارے مارے پڑے پھرنے۔ آوارہ گرتے۔ سرراہ کبڈی اور گلی ڈنڈا اور خدا جانے کیسے کیسے لغو اور واہیات

کھیل کھیلتے اور خاک اڑاتے پھرتے ہیں۔ سینماؤں اور تماشوں کے لئے دیوانے بنے ہوئے ہوتے ہیں۔ وہ جنگل کے خود بخود اگنے والے پھول اور کانٹے ہوتے ہیں۔ جن کی تربیت کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتا۔ خود رو جھڑبیری کے بیر کیا ان بیروں کے بھاؤ فروخت ہو سکتے ہیں جو کہ منڈیوں میں باغات سے لائے جاتے ہیں؟ کھٹی نارنگیاں سرخ رنگ کے مالٹوں کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔ یہ شیریں پھل۔ یہ ہونٹوں سے باتیں کرنے والے گنے، یہ خوش ذائقہ رس بھرے آم، یہ سب بڑی محنت کا کرشمہ ہیں۔

ایسے ہی بااخلاق نوجوان قوم کا قابل فخر سرمایہ ہیں۔ مگر ان کو بااخلاق بنانا آسان نہیں اس کے لئے کافی توجہ کی ضرورت ہے۔

بے غم درست و سعی کامل
کس رانشود مراد حاصل (مسلم)

محنت کا پھل

یہ بادام، یہ اخروٹ، یہ پستے، یہ چلغوزے کیا خوب ہیں۔ ان کی قدر اس گری کے باعث ہے جو ان میں ہے۔ کیا گری، گری پڑی ملتی ہے۔ یا چھلکوں میں ہوتی ہے؟ ہوتا تو یہ ہے کہ چھلکے کو توڑنا پڑتا ہے جب کہیں گری میسر آتی ہے۔ قدرت نے اسے سخت خول میں کیوں رکھا؟ اس لئے رکھا تاکہ یہ حقیقت ظاہر ہو۔ "جو چاہے میوہ، وہ کرے سیوا" یہ گندم یہ چاول کیا یونہی مل جاتے ہیں۔ کیا ان کے لئے پوہ کی سردی اور جیٹھ ہاڑ کی گرمی برداشت کرنی پڑتی ہے۔ بلاشبہ چاندی، سونا، تانبہ، لوہا زمین کے خزانے ہیں۔ آج پٹرول کے لئے سلطنتوں میں جنگ برپا ہے۔ کیا قدرت نے انہیں زمین پر یوں بکھیر کر رکھ دیا ہے۔ جیسے دستر خوان پر کھانے چنے جاتے ہیں۔ انہیں نکالنا پڑتا ہے۔ دل و دماغ میں جو خزانے ہیں ان کا مقابلہ کوئی کان نہیں کر سکتی۔ جو مٹھاس میٹھے بول میں ہے۔ وہ کسی ثمر میں نہیں۔ انسانی ضمیر وہ نور ہے کہ سورج اور چاند کی کرنیں اس کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔ ان خزانوں کو بروئے کار لانے کے لئے قیامت کی محنت درکار ہے۔ بلند اخلاق ہیں وہ نفوس عالیہ جنہوں نے دل و دماغ اور ضمیر کے خزانوں سے خدا کی مخلوق کو مالا مال کیا۔

کوشش کیے جاؤ

دکان بند کر کے رہا بیٹھ جو   تو دی اس نے بالکل ہی لٹیا ڈبو
نہ بھاگو کبھی چھوڑ کے کام کو   توقع تو ہے خیر، جو ہو سو ہو
کیے جاؤ کوشش مرے دوستو

جو پتھر پہ پانی پڑے متصل   تو گھس جائے پتھر کی بے شبہ سل
رہو گے اگر تم یوں ہی مستقل   تو اک دن نتیجہ بھی جائے گا مل
کیے جاؤ کوشش مرے دوستو

اگر طاق میں تم نے رکھ دی کتاب   تو کیا دو گے کل امتحاں میں جواب
نہ پڑھنے سے بہتر ہے پڑھنا جناب   کہ ہو جاؤ گے ایک دن کامیاب
کیے جاؤ کوشش مرے دوستو

نہ تم ہچکچاؤ نہ ہرگز ڈرو   جہاں تک بنے کام پورا کرو
مشقت اٹھاؤ مصیبت بھرو   طلب میں جیو جستجو میں مرو
کیے جاؤ کوشش مرے دوستو

جو تم شیر دل ہو تو مارو شکار   کہ خالی نہ جائے گا مردوں کا وار
مشقت میں باقی نہ رکھنا لوھار   جو ہمت کرو گے تو بیڑا ہے پار
کیے جاؤ کوشش مرے دوستو

جو بازی میں سبقت نہ لے جاؤ تم   خبردار ہرگز نہ گھبراؤ ...... تم
نہ تھکو نہ جھجکو نہ پچھتاؤ تم   ذرا صبر کو کام فرماؤ تم
کیے جاؤ کوشش مرے دوستو

مقابل میں تم ٹھونک کر آؤ ہاں   پچھڑنے سے ڈرتے نہیں پہلواں
کرو پاس تم صبر کا امتحاں   نہ جائے گی محنت کبھی رایگاں
کیے جاؤ کوشش مرے دوستو

تردد کو آنے نہ دو اپنے پاس   ہے بیہودہ خوف اور بے جا ہراس

رکھو دل کو مضبوط قائم حواس کبھی کامیابی کی چھوڑو نہ آس

کیے جاؤ کوشش مرے دوستو

کرو شوق و ہمت کا جھنڈا بلند کداؤ اولوالعزمیوں کا سمند

اگر صبر سے تم سہو گے گزند تو کہلاؤ گے ایک دن فتح مند

کیے جاؤ کوشش مرے دوستو

اشعار حکمت آثار

ہندو نے صنم میں جلوہ پایا تیرا آتش پہ مغاں نے راگ گایا تیرا

دہری نے کیا دہر سے تعبیر تجھے حالی انکار کسی سے بن نہ آیا تیرا

دوہا کبیر کبیر تو کیا کہے؟ کھوجو آپ سریر

پانچ اندری بس میں کرو آپ ہی داس کبیر (بھگت کبیر)

دوہا تلسی جگ میں آن کے سب سے ملنے دھائے

ناجانوں کس بھیس میں نارائن مل جائے (تلسی داس)

دولت وہ ہے جو عقل و محنت سے ملے لذت وہ ہے کہ جوش صحت سے ملے

ایمان کا ہو نور دل میں راحت یہ ہے عزت وہ ہے جو اپنی ملّت سے ملے

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو

ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کرّو بیاں

ہو علم اگر نصیب، تعلیم بھی کر دولت جو ملے تو اس کو تقسیم بھی کر

اللہ عطا کرے جو عظمت تجھ کو جو اہل ہیں اس کے، ان کی تعظیم بھی کر

خاطر مضبوط دو دل توانا رکھو امید اچھی خیال اچھا رکھو

ہو جائیں گی، مشکلیں تمہاری آساں اکبر اللہ پہ بھروسہ...... رکھو

کیا تم سے کہیں جہاں کو کیسا پایا غفلت میں ہی ہر آدمی کو ڈوبا پایا

آنکھیں تو بے شمار دیکھیں لیکن کم تھیں بخدا جن کو بینا پایا

اگر جیب میں زر نہیں تو راحت بھی نہیں — بازو میں سکت نہیں تو عزت بھی نہیں
اگر علم نہیں زور، زر ہے بے کار — اکبر مذہب جو نہیں تو آدمیت بھی نہیں

ہم کو نئی روشنی کے حلقے جکڑ رہے ہیں — باتیں تو بن رہی ہیں، اور گھر بگڑ رہے ہیں
ذاتی ترقیاں ہیں، اور قوم کا تنزل — گرہیں یہ کھل رہی ہیں یا پیچ پڑ رہے ہیں

رکتا نہیں انقلاب چارا کیا ہے — رباعی حیراں ہیں ملک، بشر بچارا کیا ہے
تسکین کے لئے مگر ہے کافی یہ خیال — جو کچھ ہے خدا کا ہے ہمارا کیا ہے

شادی نہیں رہتی سدا غم نہیں رہتا
• دنیا کا کبھی ایک سا عالم نہیں رہتا
کچھ غم نہیں، دکھ ہو کر بلا آئے بلا پر ......
راضی ہوں خداوند دو عالم کی رضا پر

راحت کا جہاں میں نام نہیں — ایذا کے سوا آرام نہیں
جس روز سے دل نے یہ سمجھا — اس روز سے کوئی غم نہ ہوا

غفلت کی ہنسی سے آہ بھرنا اچھا — افعال مضر سے کچھ نہ کرنا اچھا
اکبر نے سنا ہے اہل غیرت سے یہی — جینا ذلت سے ہو تو مرنا اچھا

نزدیک تھا دل چیر کے پہلو نکل آئے
اچھا تو کہا منہ سے پر آنسو نکل آئے ......

حج کو جائیں سر کے بل لیکن یہ آتا ہے حجاب
اس خدائے پاک کو منہ اپنا دکھلائیں گے کیا

کچھ خار مغیلاں گل تر ہو نہیں سکتا — رباعی قلعی سے کچھ آئینہ قمر ہو نہیں سکتا
ہر قطرۂ ناچیز گہر ہو نہیں سکتا — مس پر جو ملمع ہو تو زر ہو نہیں سکتا

الجھن سی یکایک ہوتی ہے، دم رکتا دل بھر آتا ہے
جب کوئی تسلی دیتا ہے کچھ اور بھی جی گھبراتا ہے

گوہر مقصود خود ملتا ہے، ہمت چاہیے ......
مضطرب رہتا ہے ہر موتی ابھرنے کیلئے

ے نکالیو نہ قدم آشیاں سے اے بلبل
لگائے بیٹھے ہیں پھندے جہاں تہاں صیاد

ے انساں کرے وہ بات کہ اجر و جزا ملے
بندہ چلے وہ راہ کہ جس سے خدا ملے

ے من ایسے نرمل بھیو جیسے گنگا نیر
پیچھے پیچھے ہر پھرے کہت کبیر کبیر

ے نہنگ دار دباؤ شیر نر مارا تو کیا مارا
بڑے موذی کو مارا نفس امارہ کو گر مارا

قطرہ ہائے حقیر پانی کے رباعی مل کے بنتے ہیں بحر بے پایاں
ریت کے ذرہ ہائے بے مقدار خوب صورت زمیں کے ہیں ساماں

دنیائے دنی کی یہ ہوس جانے دو رباعی گلچیں ہوا گر تو خار و خس جانے دو
مالک کے بغیر گھر کی رونق نہیں کچھ اللہ کو اپنے دل میں بس جانے دو

کم مایہ سُبک پیش جہاں ہوتا ہے رباعی میزاں سے بدیہی یہ عیاں ہوتا ہے
خوردوں سے تواضع ہے بزرگی کی دلیل جھکتا ہے وہ پلہ جو گراں ہوتا ہے

ے کہتے ہیں راہ حق میں شرف کی کمی نہیں
اس راہ میں جو خاک نہ ہو، آدمی نہیں

ے جس آنکھ کے پردے میں جھلکتے رہیں آنسو
دراصل وہ سرچشمہ انوارِ خدا ہے

رباعی گھر اپنا اجاڑ کر بسایا تجھ کو
ڈھانپا جو کفن سے منہ دکھایا تجھ کو
اے قبر کہاں کہاں نہ کی تیری تلاش
جب خاک مل گئے تو پایا تجھ کو ۔ (دبیر)

رباعی رحمت کا تری امیدوار آیا ہوں
منہ ڈھانپے کفن سے شرمسار آیا ہوں

چلنے نہ دیا بارگنہ نے پیدل
اس واسطے کاندھوں پہ سوار آیا ہوں (دبیر)

جو سچ پوچھو مبارک موت ہے شب زندہ داروں کی
جنازہ پیچھے پیچھے آگے آگے شمع عرفاں ہے

ممکن نہیں عبد سے عبادت تیری رباعی لطف و کرم و عطا ہے عادت تیری
قطرہ ہیں گو کہ میرے عصیاں دریا دریا مگر ہے رحمت تیری

اے خالق ذوالفضل و کرم رحمت کر رباعی اے دافع ہر رنج و الم رحمت کر
سبقت ہے سدا غضب پہ رحمت کو تیری اپنی تجھے رحمت کی قسم رحمت کر

کھانے کا مزہ فقط زبانی نکلا،، رباعی باقی سامان عیش فانی نکلا
چاہا تھا کہ ہاتھ دھوئیں دنیا سے دبیر اتنا بھی نہ اس کنوئیں میں پانی نکلا

دوہا سرما دوں تو کرکرا، اور کاجل دیو نہ جائے
ان نینن میں پی بسے، پھر دوجا کون سمائے

ے جو کچھ کہ جہان میں ہے، سب انسان کے لئے ہے
آراستہ یہ گھر اسی مہماں کے لئے ہے

ے نیکی سدا کیا کر اس کی بدی کے بدلے
قتل عدو کے قابل شمشیر ہے تو یہ ہے

ے اس طرح جی، کہ بعد مرنے کے گاہے گاہے تو کوئی یاد کرے

جس نار کی جسے شرم ہے وہ ہے بزرگ دیں رباعی دنیا کی جس کو شرم ہے مرد شریف ہے
جس کو کسی کی شرم نہیں اس کو کیا کہوں فطرت میں وہ رذیل ہے دل کا کثیف ہے

نرمی سے بولو (نظم)

(۱) کرو کلام بہ نرمی کہ بزم گفتاری
ہزار سخت کلامی سے کارگر ہے سوا
کرو کلام بہ نرمی کہ تیز و تند کلام
نہ کار خیر کی نیت پہ ڈالدے پردا

(۲) کرو کلام بہ نرمی، جو عقل کم سن ہے
تو ہے یقیں کہ دھانوس تم سے ہو جائے
پڑھاؤ اس کو شفیقانہ نرم لہجے میں
کسی کو کیا ہے خبر، کب یہ لعل کھو جائے

(۳) کرو کلام بہ نرمی، ہمیشہ بوڑھوں سے
دل شکستہ کو کیوں اور پائمال کرو
جہاں سے ان کو بامن اماں گزرنے دو
پہنچ چکے یہ لب گور ہیں، خیال کرو

(۴) کرو کلام بہ نرمی، سدا غریبوں سے
کبھی نہ ان سے ہو تم بر سر کلام دُرشت
کمی ہے کیا غم و حسرت کی آہ! ان کیلئے
کہ تم بھی ان پر رکھو خنجر کلام درشت

(۵) کرو کلام بہ نرمی! یہ ہے ذرا سی بات
عمل جو اس پہ تمہارا بطرز احسن ہو
تو ایک روز وہ آئے گا جبکہ دیکھو گے
گل مراد سے تم بھر کے بیٹھے دامن ہو

نظم

۱- مہربانی کے چھوٹے چھوٹے لفظ
بخش دیتے ہیں دل کو کیا راحت
مسکراہٹ ذرا سی دیکھو تو
کیسی ہوتی ہے مایۂ راحت

۲- مہربانی کے چھوٹے چھوٹے کام
جن پہ آتی نہیں ہے کچھ لاگت
جس جگہ ان کا دم ہے نا موجود
زندگی بے مزا ہے، بے راحت

۳- مہربانی کے چھوٹے چھوٹے کام
در حقیقت ہیں گوہر شہوار
ہیں یہ انمول بے بہا ہیں یہ
نظر آتے ہیں گرچہ بے مقدار

ـــ تمہیں کہتا ہے مردہ کون تم زندوں کے زندہ ہو
تمہاری نیکیاں باقی تمہاری خوبیاں باقی

نظم

جو بوئیں گے تخم محبت کو ہم بہت جلد لائے گا یہ برگ و بار
جو نااتفاقی کا بوئیں گے بیج شجر ہو کے ہم کو کرے گا وہ خوار
جو تخم صداقت کو بویا تو خوب گریں گے فراہم زر بیشمار
اگر جھوٹ کا بیج بویا تو پھر پھنسے گی مصیبت میں یہ جانِ زار
بہرحال جو کچھ کہ بوئیں گے ہم
ہمیں اس کا پھل دے گا پروردگار

نہیں ہم کو معلوم کیا بوئیں گے کہ ہے حال آئندہ روزنہاں
محبت محبت کا بدلہ ہے اور تنفر تنفر کا بدلہ ہے یاں
بدی اور نیکی کے بیجوں کو ہم یہ ہمیں پھینک دیتے ہیں چاہا جہاں
مگر خرمن آخرت ہے ضرور برا یا بھلا پھل ملے گا وہاں
بہرحال جو کچھ بھی بوئیں گے ہم
ہمیں اس کا پھل دے گا پروردگار

طفلی گزری شفیق جوانی گزری رباعی گزری راحت ہوئی ختم شادمانی گزری
آ گیا موسم خزاں سر پہ افضل سب سے زندگانی گزری
طفلی نہ رہی کہ بھی وہ جانے والی رباعی کیا رہتی، جوانی تھی مٹانے والی
پیری کو رشید بس غنیمت سمجھو اب فضل نہیں ہے کوئی آنے والی

نظم

سرائے دنیا ہے خوف کی جا ہر ایک کا کوچ دم بدم ہے
رہا سکندر یہاں نہ دارا نہ ہی فریدوں نہ اور جم ہے
مسافرانہ ٹکے ہو، اٹھو! مقام فردوس ہے ازم ہے

سفر ہے دشوار، خواب کب تک — بہت بڑی منزل عدم ہے
نسیم جاگو کمر کو باندھو! — اٹھاؤ بستر کہ رات کم ہے

سرور عیش و نشاط و عشرت — یہ چند انفاس کے ہیں جھگڑے
غرور و تمکین و کبر و نخوت!! — یہ چند انفاس کے ہیں جھگڑے
نسیم جاگو کمر کو باندھو — اٹھاؤ بستر کہ رات کم ہے

قیام عمر دو روزہ جانی! — کبھی نہیں ایک قاعدے پر
تعلق عیش میں زندگانی ہو — کبھی نہیں ایک قاعدے پر
جو چار دن ہے دفور راحت! — تو بعد اس کے غم و الم ہے

نسیم جاگو کمر کو باندھو ! ! !
اٹھاؤ بستر کہ رات کم ہے — (پنڈت دیا شنکر نسیم)

ــــ لڑکپن کھیل میں کھویا، جوانی نیند بھر سویا
بڑھاپا دیکھ کر رویا ارے ناداں! پردیسی

مکاں سے ہے نہ کچھ ہم کو لا مکاں سے غرض
جہاں حضور ﷺ ملیں ہم کو وہاں سے غرض
تمہارے جلوے کے مشتاق ہیں، جہاں ہو نصیب
زمیں سے کام نہ کچھ ہم کو آسماں سے غرض
تمہاری ذات سے مطلب ہے، دین و دنیا میں
نہ کچھ یہاں سے غرض ہے نہ کچھ وہاں سے غرض
ہر ایک فصل میں مانند سرو ایک ہے رنگ
بہار سے ہے نہ مطلب نہ کچھ خزاں سے غرض
حرم سے کام نہ مطلب ہے دیر سے ہم کو
سر نیاز کو ہے تیرے آستاں سے غرض (امیر)

جو برے بھلے کی اٹکل نہ مرا شعار ہوتا
نہ جزائے خیر پاتا نہ گناہگار ہوتا

اے نرایسی پریت کر جیسی برچھ کرے
دھوپ سہے سر اپنے اوروں چھاؤں کرے

اس جبر پہ تو ذوق بشر کا یہ حال ہے
کیا جانے کیا کرے جو خدا اختیار دے

رباعی
مغرور، ذلیل و خوار ہر چشم میں ہے
اعزاز فروتنی کا پر چشم میں ہے
سب پر روشن ہے خاکساری کا سرف
سرمہ جو ہوا سنگ تو گھر چشم میں ہے

جو اس کی امانت تھی وہ سب دے کر چلے ہیں
کچھ لے کے نہ آئے تھے نہ کچھ لے کے چلے ہیں

نظم
صاحب جاہ و حشمت و اقبال
دیکھو زاں جملہ اک سکندر تھا
تھی یہ سب کائنات زیر نگیں
ساتھ مورد ملخ سا لشکر تھا
لعل و یاقوت و ہم زرد گوہر
چاہئے جس قدر میسر تھا
آخر کار جب جہاں سے چلا
ہاتھ خالی کفن سے باہر تھا

مقصد زندگی

۱- کیوں دردناک لفظوں میں کرتے ہو یہ کلام
انسان کی زندگی کا ہے خواب و خیال نام
جس خفتہ بخت سے نہ ہو تفریق اصل و نقل
سمجھو تم اس کی روح مُردہ ہے، لا کلام

۲- ہے زندگی قدیم گنوا نہ اس کو مفت
مرنے کو یہ نہ سمجھو کہ ہے اس کا اختتام
تو خاک سے بنا ہے ملے گا تو خاک میں
تھا جسم کے لیے نہ کہ یہ روح کو پیام

۳- منشاء ہماری زیست کا یہ ہی فقط نہیں
رنج و خوشی کے ہو رہیں اور کچھ کریں نہ کام
ہر روز بلکہ شغلوں میں ایسے لگے رہیں
جس سے ترقیات زیادہ ملیں مدام

۴- کرنا بہت ہے کام، مگر وقت ہے قلیل
دل میں ہمارے گو نہیں خوف و خطر کا نام
تاہم ڈہل کی طرح دھڑکتی ہے دم بدم
اور موت کی خبر ہمیں دیتے ہیں صبح و شام

۵- دنیا کو سمجھو جنگ کا میدان دوستو
اور اس کے عیش جانو ہیں آرام کا مقام
تنبیہ چاہو تم نہ بہائم کے طور پر
مردوں کے مثل شوق سے ہو خود شریک لام

۶- آئندہ وقت پر نہ بھروسا کرو کبھی
گزرے ہوئے زمانے پہ بھیجا کرو سلام
لے کر خدا کا نام کرو حوصلہ بلند
موجودہ وقت کام میں لاؤ بصد نظام

۷- بتلا رہے ہیں ہم کو بزرگوں کے واقعات
ہم بھی بنیں زمانے میں یکتاؤ شاد کام
اور کام وہ کریں، کہ جو مرنے کے بعد بھی
قائم رہیں جہاں کا جب تک رہے قیام

۸- بس ہوئے مستعد رہیں مصروف کار ہم
نقصان فائدے کا مقدر سے رکھیں کام
جب تک کہ اس کو پورا نہ کرلیں نہ چھوڑیں ہم
محنت اٹھائیں صبر کریں عجز ہم مدام

گلشن میں پھروں کہ سیر صحرا دیکھوں رباعی یا معدن کوہ دوشت دور یا دیکھوں
ہر جا تری قدرت کے ہیں لاکھوں جلوے حیران ہوں کہ دو آنکھوں سے کیا کیا دیکھوں
(میر انیس)

ہے یقین اس کا کہ اک دن بے گماں کچھ بھی نہیں
یہ زمیں کچھ بھی نہیں یہ آسماں کچھ بھی نہیں
کیا یہ انساں ایک مشت استخواں کچھ بھی نہیں
بلبلا پانی کا ہے عمر رواں کچھ بھی نہیں
سب ہیں فانی کیا زمیں کیا آسماں کچھ بھی نہیں
اک خدا کو ہے بقا، دونوں جہاں کچھ بھی نہیں
زندگی تک ایک عالم جن کا تھا زیر نگیں
بعد مردن ان کا اب نام و نشاں کچھ بھی نہیں
رنگ کیا فصل خزاں لائے گی رکھ اس کا خیال
پھول کی دو دن بہار، اے باغباں کچھ بھی نہیں
آہ سے مظلوم کی ڈر، ظالم نخوت پرست
سامنے جس کے زمین و آسمان کچھ بھی نہیں
کیسی نادانی ہے کار خیر میں، کرتا ہے ڈھیل
موت کے تو سامنے پیر و جواں کچھ بھی نہیں
(سید غلام مصطفیٰ ذہین)

دل سے طاقت، بدن سے کس جاتا ہے رباعی آتا نہیں پھر کر، جو برس جاتا ہے
جب سالگرہ ہوئی، تو عقدہ یہ کھلا یاں اور گرہ سے ایک برس جاتا رہا
(میر انیس)

ب

کھلونا سمجھ کر بگاڑو نہ ہم کو
کہ ہم بھی اسی کے بنائے ہوئے ہیں

آدم کو عجب خدا نے رُتبا بخشا رباعی ادنٰی کے لئے مقام اعلٰی بخشا
عقل و ہنر تمیز و جان و ایماں اس ایک کفِ خاک کو کیا کیا بخشا

اندیشہ باطل سحر و شام کیا رباعی عقبٰی کا نہ کچھ ہائے سر انجام کیا
ناکام چلے جہاں سے افسوس انیسؔ کس کام کو یاں آئے تھے؟ کیا کام کیا

بڑی عاقلہ ہے، بڑی دوربیں ہے کہ فکر اپنی روزی کا ترے تئیں ہے
اسی دھن میں پہنچی کہیں سے کہیں ہے کبھی اپنے دھندے سے غافل نہیں ہے
اری چھوٹی چیونٹی تجھے آفریں ہے

نہیں کام سے شام تک تجھ کو فرصت ذرا سی تو جان اور اس پر یہ محنت
بہت جھیلتی ہے مشقت، مصیبت نہیں ہارتی پر کبھی اپنی ہمت
اری چھوٹی چیونٹی تجھے آفریں ہے

کبھی کام تو نے ادھورا نہ چھوڑا کبھی تو نے تکلیف سے منہ نہ موڑا
بہت کام، تو نے کیا تھوڑا تھوڑا ذخیرہ یہ جاڑے کی خاطر ہے جوڑا
اری چھوٹی چیونٹی تجھے آفریں ہے

جو گرمی کی رت میں نہ کرتی کمائی تو جاڑے کے موسم میں مرتی بن آئی
تجھے ہوشیاری یہ کس نے سکھائی سمجھتی ہے، اپنی بھلائی برائی
اری چھوٹی چیونٹی تجھے آفریں ہے

نہ کھو وقت سستی میں مہلت ہے تھوڑی وہی کام کہ جس سے مالک ہو راضی
کہ جس نے تجھے زندگانی عطا کی یہ عمدہ سبق ہم کو دیتی ہے چیونٹی
اری چھوٹی چیونٹی تجھے آفریں ہے

(مولوی محمد اسماعیل)

دنیا میں کسی پر نہ تعدی کرنا رباعی دل دکھے کبھی بات نہ ایسی کرنا
اک روز خدا کو منہ دکھنا ہے ضرور بندے! کبھی بن پڑے تو نیکی کرنا

جینے سے طبیعت اب ہٹی جاتی ہے رباعی غفلت ہی میں اوقات کٹی جاتی ہے
یہ بے خبری ہزار افسوس انیس بڑھتے ہیں گنہ عمر کٹی جاتی ہے

اتنا نہ غرور کر، کہ مرنا ہے تجھے رباعی آرام ابھی قبر میں کرنا ہے تجھے
رکھ خاک پہ سوچ سوچ کے پاؤں انیس ایک روز صراط سے گزرنا ہے تجھے

جب دیکھیں گی احوال قیامت آنکھیں رباعی کھینچیں گی بڑی بڑی ندامت آنکھیں
چلتی ہے زباں دہن میں کچھ عذر تو کر رو لے کہ ابھی تک ہیں سلامت آنکھیں

خوبیاں لاکھ کسی میں ہوں تو باور نہ کریں
لوگ کرتے ہیں بری بات کا چرچا اکثر

کس قدر جلدی گزرتے ہیں جہاں میں ماہ و سال
کاش ہم کو بھول کر آئے کبھی اس کا خیال
حال جتنے ہیں وہ ہو جائیں گے ماضی ایک دن
جتنے مستقبل ہیں ہو جائیں گے وہ ایک روز حال
ہر منٹ اور ہر سیکنڈ ایک آدمی ہے فی المثل
اس کا ہو چکنا، گزر جانا ہے اس کا انتقال

ہائے وہ دورِ موافق کہ مسلمان کبھی!!!
حشمت و سلطنت و یسر و غنا رکھتے تھے
فتح اک خادمہ تھی ان کی اور اقبال غلام
مختصر یہ ہے کہ پلے یہ خدا رکھتے تھے!
وہ بھی انسان تھے ہماری ہی طرح کے انساں
یہی صورت تھی اور ایسے ہی قویٰ رکھتے تھے

ہاتھ پاؤں ان کے بھی دو دو ہی ہوا کرتے تھے
وہ بھی دو آنکھیں، دو گوشِ شنوا رکھتے تھے
وہ بھی عالمِ اسباب میں محکومِ قضا
نہ کوئی قاعدہ قانون نیا رکھتے تھے
مشکلیں ان کو بھی پیش آتی تھیں وقتاً فوقتاً
وہ بھی احساسِ تکالیف و عِنا رکھتے تھے
پھر وہ کیا نقص ہے جو ہم میں ہے اور ان میں نہ تھا
کون سا وصف وہ اپنے میں سوا رکھتے تھے
غیر ازیں ہم کو دکھائی نہ دیا فرق کہ وہ
دل جدا دل کے خیالات جدا رکھتے تھے
دل نہ تھے آئینہ تھے صاف مجلّٰی شفاف
نورِ ایمان کی صیقل کی ضیا رکھتے تھے
دین و دنیا کو برتتے تھے مگر عدل کے ساتھ
دونوں پلوں کو ترازو کے تُلا رکھتے تھے
متوکل تھے مگر کوشش و تدبیر کے ساتھ
اونٹ کو تھان پہ کھونٹی سے بندھا رکھتے تھے
طالبِ عزت دنیا تھے فقط دیں کے لئے
ورنہ دنیا کو وہ نظروں سے گرا رکھتے تھے
کارِ دنیا میں تھے مشغول بظاہر ہمہ تن
دل مگر یادِ الٰہی میں لگا رکھتے تھے
وعدہ کرتے تھے تو بات ان کی تھی پتھر کی لکیر
قول کے مرد تھے اور پاسِ وفا رکھتے تھے
امن دیتے تھے تو ہو جاتے تھے آپ اس کی سپر
نہ کہ کہہ دیتے تھے، اور دل میں دغا رکھتے تھے

ان کے اس شان کے ایثار، کہ دیکھے نہ سنے
گرچہ دنیا میں بہت جود و سخا رکھتے تھے
آپ سو رہتے تھے مہمان کی خاطر بھوکے
بلکہ بچوں کو بھی فاقے سے سلا رکھتے تھے
سربکف رہتے تھے اسلام کی خاطر ہمہ وقت
الغرض قوم پر اپنے کو فدا رکھتے تھے
بے تکلف تھے سپاہی منش آزاد مزاج
دین دار نہ ہر ایک آن و ادا رکھتے تھے

عام ہیں اس کے تو الطاف شہیدی سب پر
تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسی قابل ہوتا
یہ اقامت ہمیں پیغام سفر دیتی ہے
زندگی موت کے آنے کی خبر دیتی ہے
ناقص کا صفا کیش سے مطلب نہ بر آئے
جو کور ہو، عینک سے اسے کیا نظر آئے
جی عبادت سے چرانا اور جنت کی طلب
کام چور اس کام پر کس منہ سے اجرت کی طلب

ادھر آؤ تم کو مسلمان بنائیں — تمہیں دین و مذہب کی غایت بتائیں
یہ غایت ہے یک سوکن حق و باطل — میان صحیح و غلط حد فاصل
یہ غایت ہے پہچان خالی بھرے کی — یہ غایت کسوٹی ہے کھوٹے کھرے کی
خدا نے جو یہ کارخانہ بنایا — اور آدم کو اس سر زمیں پر بسایا
اسے ساری مخلوق پر برتری دی — اور افواج عالم کی کُل افسری دی
قوی تریں مخلوق کی کتنی قسمیں — مگر اس کی سی عقل و دانش ہے کس میں

بہ ظاہر یہ کمزور ہے ناتواں ہے
دلے اس کا منقاد سارا جہاں ہے
ازل میں جو علمی شرافت ملی ہے
اسی پر سے اس کو خلافت ملی ہے

ایک ہم ہیں کہ لیا اپنی بھی صورت کو بگاڑ
ایک وہ ہیں جنہیں تصویر بنا آتی ہے

فطرت خاموش

اکبر اس فطرت خاموش کو بے حس نہ سمجھ
ہاں یہ چشم نگراں ہے اسے نرگس نہ سمجھ
راحت زیست کے ساماں سے دھوکے میں نہ آ
امتحان گاہ کو تو عیش کی مجلس نہ سمجھ
صبر کے ساتھ مصیبت میں جو ہو حسنِ عمل
بہر انجام یہ امرت ہے اسے بس نہ سمجھ
جاہ و منصب میں نظر عاقبت کار پہ رکھ
خاتمہ جس کا ہو افسوس اسے آفس نہ سمجھ
دل کا دنیا کی! امیدوں سے بہلنا ہے برا
زندگی تلخ کریں گی، انہیں وس نہ سمجھ

نہیں رہے

اب جوش اضطراب کے ساماں نہیں رہے
ساحل کو یہ گلہ کہ وہ طوفاں نہیں رہے
خونِ جگر سے کھیلنے والے کہاں گئے؟
قطرے لہو کے زینت داماں نہیں رہے
جن کے جنوں پہ ناز تھا فصل بہار کو
وہ عاشقانِ چاکِ گریباں نہیں رہے
پھولوں میں نازکی ہے نہ کانٹوں میں سختیاں
صحرا نہیں رہے، وہ گلستاں نہیں رہے
جن کے حضور سطوت کسریٰ تھی سجدہ ریز
وہ بوریا نشین وہ سلماں نہیں رہے
تیغوں کے زخم دب گئے اچھایوں ہی سہی
سجدوں کے داغ بھی تو نمایاں نہیں رہے
دھندلے سے کچھ نقوش ہیں سرمایۂ ضمیر
ایمان کے چراغ فروزاں نہیں رہے
جن کی نشید نغمۂ بیدار بن گئی!
وہ کاروانِ دل کے حدی خواں نہیں رہے
تھی جن کی فکر حاصل پرواز جبرئیلؑ
وہ حاملانِ مفتی قرآں نہیں رہے

جن کے لئے تھی انتم الاعلون کی نوید
اللہ کیا ہوا، وہ مسلماں نہیں رہے

(طاہر القادری)

غرور نہ کر

مطیع کبر نہ ہو بھول کر غرور نہ کر
یہ شانِ کفر ہے اے بے خبر غرور نہ کر

اِسیٰ غرور نے کتنوں کو کر دیا گمراہ
کہوں گا میں تو یہی خاص کر غرور نہ کر

اگر ستارۂ اقبال اوج پر ہے ترا
زبان شکر سے کر اپنی تر، غرور نہ کر

کسی کا حال بھی اک حال پر نہیں رہتا
یہ چند روز کا ہے کرّوفر غرور نہ کر

سنا تو ہو گا جو قارون پہ حادثہ گزرا
خدا کی راہ میں کر صرف زر، غرور نہ کر

جگہ ملی سر منبر جو تجھ کو اے واعظ
تو ہو یہ اوج مبارک مگر غرور نہ کر

زمانہ آج اگر تجھ سے کچھ موافق ہے!
تو پھر ہے کل کی تجھے کیا خبر غرور نہ کر

گھڑی گھڑی میں بدلتا ہے رنگ دنیا کا
ہمیشہ تازہ حوادث سے ڈر غرور نہ کر

جو آنکھ ہو تو کمال و زوال بدر کا دیکھ
ملا ہے حسن تو غزہ نہ کر، غرور نہ کر

یہ اس کی دین کرم اور اس کی بخشش ہے
ملا ہے تجھ کو اگر مال و زر، غرور نہ کر

یہ شکر کر کہ ملا تجھ کو کوششوں کا صلہ
کسی کمال پر اپنے مگر غرور نہ کر

اسی غرور سے شیطان ہو گیا مردود
اگر جھکے نہ تواضع میں سر، غرور نہ کر

حفیظ یوں تو بہت اور بھی نصائح ہیں
مری ایک پند ہے یہ، مختصر غرور نہ کر

جگر گوشۂ نبی ﷺ کی جفاکشی

افلاس سے تھا سیّدہ پاکؓ کا یہ حال
گھر میں کوئی کنیز نہ کوئی غلام تھا

گھس گھس گئی تھیں ہاتھ کی دونوں ہتھیلیاں
چکّی کے پیسنے کا جو دن رات کام تھا

سینہ پہ مشک بھر کے جو لاتی تھیں بار بار
گو نور سے بھرا تھا مگر نیل فام تھا

اٹ جاتا تھا لباس مبارک غبار سے
جھاڑو کا مشغلہ بھی جو ہر صبح و شام تھا

آخر گئیں جناب رسول ﷺ خدا کے پاس
یہ بھی کچھ اتفاق کہ واں اذن عام تھا

محرم نہ تھے جو لوگ تو کچھ کر سکیں نہ عرض
واپس گئیں کہ پاس حیا کا مقام تھا

جب پھر گئیں دوبارہ تو پوچھا حضور نے
”کل کس لیے تم آئیں تھیں کیا خاص کام تھا

غیرت یہ تھی کہ آپؓ بھی نہ کچھ منہ سے کہہ سکیں
حیدرؓ نے ان کے منہ سے کہا جو پیام تھا
ارشاد یہ ہوا کہ غریبان بے وطن!
جن کا کہ صفۂ نبوی ﷺ میں قیام تھا
میں ان کے بندوبست سے فارغ نہیں ہنوز
ہر چند اس میں خاص مجھے اہتمام تھا
جو جو مصیبتیں کہ اب ان پر گزرتی ہیں!
میں اس کا ذمہ دار ہوں میرا یہ کام تھا
کچھ تم سے بھی زیادہ مقدم تھا ان کا حق!
جن کو کہ بھوک پیاس سے سونا حرام تھا
خاموش ہو کے سیدۂ پاکؓ رہ گئیں!
جرأت نہ کر سکیں کہ ادب کا مقام تھا
یوں کی ہے اہل بیت مطہر نے زندگی
یہ ماجرائے دختر خیر الانام ﷺ تھا

(شبلی نعمانی)

فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کسر نفسی

عہد فاروقؓ میں جب فتح ہوا شام کا ملک
حائل رایت نصرت ہوئی جانباز سپاہ
اہل تثلیث کا قبلہ تھا جو بیت المقدس
شرک کو آ کے وہاں بھی نہ ملی جائے پناہ
جھک پڑے ہیبت اسلام سے سجدے کو صلیب
ہوا توحید کا خود خانۂ قدوس گواہ
جلوۂ حق سے ہوئی ظلمت باطل کافور
چہرۂ ظلم ہوا عدل کی دہشت سے سیاہ
رعب سے دب کے ہوئے صلح کے خواہاں آخر
شیر کے حملوں کی جب تاب نہ لائے روباہ
دی خبر حضرت فاروقؓ کو اصحاب نے یہ
لائیں تشریف یہاں آپ بصد عظمت جاہ
اس طرح بے سروساماں وہ چلے جانب شام
کہ کہاں جاتے ہیں؟ یہ بھی نہ تھے اکثر آگاہ
چلتے چلتے جو قریب آ گیا بیت المقدس
اونٹ منزل کا تھکا ماندہ نہ چل سکتا تھا راہ
جسم اطہر میں، ادھر ایک قبا پارینہ
اور اُدھر دُھوم تھی، آتا ہے مسلمانوں کا شاہ
لوگ پوشاک نئی لائے بدلنے کے لئے
نہ جچی نظروں میں وہ پیر کچھ ایسی تھی نگاہ

اب تو وہ ذوق خود آرائی و خود بینی ہے
لذت نفس کے پیچھے ہیں مسلمان تباہ
کھو گئے جتنے تھے اخلاق حمیدہ ہم میں
اب کہاں صدق؟ کہاں عدل؟ کہاں خوف اللہ
کون تھے آئے تھے کس کام کو؟ کیا اس کی خبر؟
کیا تھے کیا ہو گئے اس کو بھی نہ جانے آہ

خو کہاں کی؟ کہ نہیں بو بھی شفق وہ باقی
اور اس پر ابھی ہیں ہم "اِنَّاللّٰہ" (سید مرتضیٰ حسن شفق)

ایثار اہل بیت

سخت بیمار تھے سبطین رسول الثقلین — تین دن فاطمہؓ نے روزے کی مانی منت
دیر کب تھی ہوا شب ہی سے افاقہ آغاز — صبح تک ہو گئی دونوں کو مرض سے صحت
حضرت مرتضیٰؓ بھی رہے صائم اُس دن — خادمہ نے بھی وہی روزے کی کر لی نیت
لیکن افطار کا گھر میں کوئی سامان نہ تھا — خیر، سامان کس طرح ہوا بادقت
ایک مسکین نے ناگاہ صدا دی در پر — دن کے روزے سے ہوئی فاقہ شب کی نوبت
دوسرے دن بھی یتیم ایک پکارا آ کر — دیدیا پھر اُسے اللہ یہ جوش شفقت
تیسرے دن جو اسیر ایک ہوا فریادی — پھر سخاوت تھی وہی اور وہی تھی ہمت
ہو گیا وحی یَتِیْماً وَّاَسِیْرًا کا نزول — لائے جبریل امیں خلد سے خوانِ نعمت
ایسے ایثار کی مشکل ہے ملے کوئی مثال — اہلبیت نبوی ہی میں شفق تھی یہ صفت

(شفق عماد پوری)

اسلام

اسلام راہ راست ہے، بھٹکے ہوؤں کیواسطے — بھوکوں کی خاطر ہے غذا کپڑا ہے ننگوں کیلئے
پونجی ہے یہ نادار کو، قوت، نحیف وزار کو — مردہ کو ہے یہ زندگی صحت ہے یہ بیمار کو
اندھے کو بینائی ہے یہ، لنگڑے اپاج کو عصا — امید ہے بے آس کی ساتھی ہے یہ بے کار کا
اس کا گدا ہے، بادشاہ اس کا غلام آزاد ہے — جس دل میں ہے، یہ جلوہ گر وہ دل ہمیشہ شاد ہے

ہے وہ دریکتا جسے کوئی چرا سکتا نہیں
ہے وہ خوشی، کوئی جسے ہرگز مٹا سکتا نہیں

(سید محمد مستحسن زیدی)

قرآن حکیم

نظام کائنات میں ترا ہی اہتمام ہے — ہمارے دل میں جاگزیں ترا ہی احترام ہے

بنائے شرک و کفر کا تجھی سے انہدام ہے

ترا نزول باعث ہدایت جہاں ہوا تجھی سے فرق خیر و شر زمانے پر عیاں ہوا

تجھے وضو کئے بغیر کھولنا حرام ہے

اٹھا سکے نہ مل کے بھی تجھے زمیں و آسماں یہ تاب لا سکے، فقط نبی آخر الزماں ﷺ

جبھی تو ان کی ذات پہ درود ہے سلام ہے

ہمیں نہ تھی خبر کہ ہے عبودیت کی شان کیا تجھی نے یہ تمیز دی نماز میں بتا دیا

رکوع ہے سجود ہے، قعود ہے قیام ہے

عدو کی کوششیں تجھے مٹا سکیں یہ غم نہیں کہ تیرے لفظ لفظ کا ہمارا سینہ ہے امیں

ازل سے تا ابد تجھے ثبات ہے دوام ہے

ہزار قول فلسفی کو مسترد کرے کوئی!!! ہزار فعل منطقی میں رد و کد کرے کوئی

جو چاہے تجھ کو رد کرے تو یہ خیال خام ہے

تیری نوا، رچی ہوئی ہے، بزم کائنات میں تیری ضیاء ہے جلوہ گر فضائے ممکنات

زمانہ جس کی اقتدا کرے تو ہی وہ امام ہے

کرے جو تیری پیروی جہاں میں ہو وہ سرخرو کرے جو تجھ سے سرکشی ذلیل ہو وہ کو بکو

کہ تو خدائے لم یزل کا آخری کلام ہے

(شامی)

اے رحمۃ للعالمین ﷺ

اے سب جمیلوں سے جمیل، اے سب حسینوں سے حسین اے رحمۃ للعالمین ﷺ

اے وہ کہ تیری مثل فطرت کے تصور میں نہیں اے رحمۃ للعالمین ﷺ

آدم کو تو پہلے ہی دن، ابلیس سرکش کے سوا سجدہ فرشتوں نے کیا

انسانیت نے تیرے قدموں پر جھکائی ہے جبیں اے رحمۃ للعالمین ﷺ

پہلوں کو تجھ پر فخر ہے، پچھلوں کو تجھ پر ناز ہے تو مایۂ اعزاز ہے

اے اعتبار اولیں، اے افتخار آخریں اے رحمۃ للعالمین ﷺ

ہے اس سے ظاہر کس قدر تیری صداقت کا اثر — تیری امانت کا اثر
دشمن بھی دل سے مانتے تھے تجھ کو صادق اور امیں — اے رحمۃ للعالمین ﷺ

تجھ کو حکیم لم یزل نے ازرہِ لطف و عطا — وہ خرمن حکمت دیا
منکر ہیں نادانستہ یا دانستہ جس کے خوشہ چیں — اے رحمۃ للعالمین ﷺ

اہل جہاں محتاج ہیں تیرے ہی فیض عام کے — ممنون ہیں اسلام کے
ہے کون ایسا جو ترے دامن کے سائے میں نہیں — اے رحمۃ للعالمین ﷺ

تیرے تکلم سے دل انساں کو پیغامِ سکوں — افزائش جذب دروں
تیرے تبسم سے غم دوراں کی تلخی انگبیں — اے رحمۃ للعالمین ﷺ

ہائے گوئے ناز اکثر بہ شان بے نیازی لے گئے — مردان غازی لے گئے
شاہوں سے بازی لے گئے تیرے غلام ادنیٰ تریں — اے رحمۃ للعالمین ﷺ

ہر امتحاں کے وقت رکھ لیتا ہے اس کی آبرو — تیرے شہیدوں کا لہو
امت ہے تیری سرخرو، اے سبز گنبد کے مکیں — اے رحمۃ للعالمین ﷺ

انسانیت پھر اپنے ہتھیاروں سے خود بسمل ہوئی — پھر زندگی مشکل ہوئی
قوموں میں پھر ابھرے ہیں جذبات عناد و بغض و کیں — اے رحمۃ للعالمین ﷺ

یہ انقلاب دم بہ دم اور محو خواب اہل حرم — غافل عرب، غافل عجم
باطل کے ہنگاموں کا شور اور اہل حق خلوت گزیں — اے رحمۃ للعالمین ﷺ

ایسے مسلماں بھی ہیں جو گرویدۂ افرنگ ہیں — غیروں سے ہم آہنگ ہیں
اسلام کی تقدیر کا آتا نہیں ان کو یقیں — اے رحمۃ للعالمین ﷺ

اچھا سمجھ کر اس میں ہو جاتے ہیں مسلم مشتغل — اتنے ہوئے ہیں سادہ دل
جس چیز کو ان کے لئے اچھا کہیں اعدائے دیں — اے رحمۃ للعالمین ﷺ

ایسے ہی نادانوں کا رخ ہے مغربیت کی طرف — یا مزدکیت کی طرف
جو تیرے دیں کے حسن عالمگیر سے واقف نہیں — اے رحمۃ للعالمین ﷺ

تیری نگاہ زندگی پرور سے ہو کر بہرہ ور — بیگانگی ہو اس قدر
اشک ندامت سے ہے تر اہل نظر کی آستیں — اے رحمۃ للعالمین ﷺ

بارے تری امت میں پھر آثار بیداری کے ہیں — انداز ہشیاری کے ہیں
جنبش سی ہے ایک ساحلِ بربر سے تا اقصائے چیں — اے رحمتہ للعالمین ﷺ
اک بار پھر امت تری آئے قدیمی شان پر — کر کے عمل قرآن پر
غالب ہو کُل ادیان پر ایک بار پھر دینِ مُبیں — اے رحمتہ للعالمین ﷺ
تیرے غلاموں کو یہ پاکستان کی نعمت ملی — برکت سے تیرے کی
گہوارۂ اسلام بھی بن جائے اب یہ سر زمیں — اے رحمتہ للعالمین ﷺ
نسبت تجھی سے ہے ہمیں حالت بُری ہے یا بھلی — بس ہے سہارا آخری
عقبیٰ میں بھی دنیا میں بھی تیری شفاعت کا یقیں — اے رحمتہ للعالمین ﷺ
ملت کی خدمت کے لئے بارے اسدؔ کو بھی ملے — لطف نگاہ خاص سے
چشم جہاں سے و دل بیدار و حرف دل نشیں — اے رحمتہ للعالمین ﷺ

اسد ملتانی

کار خیر

مصروف کار نیک رہو تم تمام دن — تا پاؤ شب کو لذت فردوس خواب میں
پیری میں رہنا چاہو اگر نوجوان تم — دامان کار خیر نہ چھوڑو شباب میں
وہ فعل تم کرو کہ جو مانگو دعا کبھی — الفاظ یاس خیر نہ آئیں جواب میں

محروم

ماں باپ کا ادب

اک دن نبی نے حلقہ اصحاب میں یہ لفظ — دہرائے تین بار کہ "ناک اس کی کٹ گئی"
اصحابؓ نے کہا کہ یہ کم بخت کون ہے — توقیر جس کی حضرتِ باری میں گھٹ گئی
ارشاد یوں ہوا کہ وہ فرزند ناخلف — گھر جس کے جنت آئی اور آکر پلٹ گئی

ماں باپ کا جسے نہ بڑھاپے میں ہو خیال
اس نا سعید بیٹے کی قسمت اُلٹ گئی

ظفر علی خان

ادب

ادب ہی سے انسان انسان ہے نہ سیکھے ادب جو وہ حیوان ہے
جہاں میں نہ ہو پیارا کیوں کر ادب کہ ہے آدمیت کا زیور ادب
نہ ہو جس کو اچھے برُے کی تمیز نہ وہ گھر میں پیارا نہ باہر عزیز
بٹھاتے نہیں بے ادب کو قریب
یہ سچ بات ہے بے ادب بے نصیب

آزادی

ملے خشک روٹی جو آزاد رہ کر تو وہ خوف و ذلّت کے حلوے سے بہتر
جو ٹوٹی ہوئی جھونپڑی بے ضرر ہو بھلی اس محل سے جہاں کچھ خطر ہو

چغلی

چغلی ہے بُرا کام بچو اس سے ہمیشہ جو لوگ ہیں بے شرم انہیں کا ہے یہ پیشہ
یہ عادت ہے بری اس سے نہیں ہاتھ کچھ آتا اکثر تو چغل خور ہی ذلت ہے اٹھاتا

عدلِ جہانگیری

قصرِ شاہی میں کہ ممکن نہیں غیروں کا گزر
ایک دن نورجہاں بام پہ تھی جلوہ فگن
کوئی شامت زدہ رہگیر اُدھر آ نکلا!
گرچہ تھی قصر میں ہر چار طرف قدغن
غیرتِ حسن سے بیگم نے طپنچہ مارا
خاک پر ڈھیر تھا ایک کشتہ بے گور و کفن

ساتھ ہی شاہ جہانگیر کو پہنچی جو خبر
غیظ سے آ گئی ابروئے عدالت پہ شکن
حکم بھیجا کہ "کنیزانِ شبستان شہی
جا کے پوچھ آئیں کہ سچ یا کہ غلط ہے یہ سخن"
نخوتِ حسن سے بیگم نے بصد ناز کہا
میری جانب سے کرو عرض بہ آئینِ حَسن
ہاں مجھے واقعہ قتل سے انکار نہیں
مجھ سے ناموس حیا نے یہ کہا تھا کہ "بزن"
اس کی گستاخ نگاہی نے کیا اس کو ہلاک
کشورِ حُسن میں جاری ہے یہی شرعِ کہن

مفتیٔ دیں سے جہانگیر نے فتویٰ پوچھا
کہ شریعت میں کسی کو نہیں کچھ جائے سخن

مفتیِ دین نے بے خوف و خطر صاف کہا
شرع کہتی ہے کہ قاتل کی اڑا دو، گردن!
لوگ دربار میں اس حکم سے تھرا اٹھے
پر جہانگیر کے ابرو پہ نہ بل تھا نہ شکن
ترکنوں کو یہ دیا حکم کہ "اندر جا کر
پہلے بیگم کو کریں بستۂ زنجیر و رسَن
پھر اسی طرح اسے کھینچ کے باہر لائیں
اور جلاد کو دیں حکم کہ ہاں تیغ، بزن"

یہ وہی نورجہاں ہے کہ حقیقت میں یہی
تھی جہانگیر کے پردے میں شہنشاہِ زمن
اس کی پیشانیِ نازک پہ جو پڑتی تھی گرہ
جا کے بن جاتی تھی اوراقِ حکومت پہ شکن
اب نہ وہ نورجہاں ہے نہ وہ اندازِ غرور
نہ وہ غمزے ہیں نہ وہ عربدۂ صبر و شکن
اب وہی پاؤں ہر ایک کام پہ تھرائے ہیں
جن کی رفتار سے پامال تھے مرغانِ چمن!
ایک مجرم ہے کہ جس کا کوئی حامی نہ شفیع
ایک بیکس ہے کہ جس کا نہ کوئی گھر نہ وطن!
خدمتِ شاہ میں بیگم نے یہ بھیجا پیغام
"خون بہا بھی تو شریعت میں ہے ایک امرِ حسن"
مفتیِ شرع سے پھر شاہ نے فتوی پوچھا!
بولے "جائز ہے رضا مند ہوں گو بچہ و زن"!

وارثوں کو جو دیئے لاکھ درہم بیگم نے
سب نے دربار میں کی عرض کہ اے شاہ زمن
ہم کو مقتول کا لینا نہیں منظور قصاص
قتل کا حکم جو رک جائے تو ہے مستحسن!

ہو چکا جب کہ شہنشاہ کو پورا یہ یقیں!
کہ نہیں اس میں کوئی شائبہ حیلہ و فن!
اٹھ کے دربار سے آہستہ چلا سوئے حرم
تھی جہاں، نورجہاں معتکفِ بیتِ حزن
دفعتاً پاؤں پہ بیگم کے گرا اور کہا
"تو اگر کشتہ شدی آہ چہ می کردم من"

افکارِ اقبالؒ

(۱) اس گلستان میں نہیں حد سے گزرنا اچھا
ناز بھی کر تو بہ اندازۂ رعنائی کر

(۲) ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

(۳) سبق پڑھ پھر صداقت کا عدالت کا شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

(۴) بتان رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ تورانی رہے باقی، نہ ایرانی نہ افغانی

(۵) مٹایا قیصر و کسریٰ کے استبداد کو جس نے
وہ کیا تھا؟ زور حیدرؓ، فقر بوذرؓ، صدق سلمانیؓ

(۶) کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زور بازو کا
نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

(۷) حقیقت ایک ہے ہر شے کی خاکی ہو کہ نوری ہو
لہو خورشید کا ٹپکے، اگر ذرہ کا دل چیریں

(۸) یقین محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم
جہاد زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

(۹) یقیں افراد کا سرمایۂ تعمیر ملت ہے
یہی قوت ہے جو صورت گر تقدیر ملت ہے

(۱۰) ہوس نے کر دیا ہے ٹکڑے ٹکڑے نوع انساں کو
اخوت کا بیاں ہو جا محبت کی زباں ہو جا

(۱۱) مصاف زندگی میں سیرت فولاد پیدا کر
شبستان محبت میں حریر و پرنیاں ہو جا

(۱۲) نظر کو خیرہ کرتی یہ چمک تہذیب حاضر کی
یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے

(۱۳) وہ حکمت ناز تھا جس پر خرد مندان مغرب کو
ہوس کے پنجہ خونیں میں تیغ کار زاری ہے

(۱۴) تدبر کی فسوں کاری سے محکم ہو نہیں سکتا
جہاں میں جس تمدن کی بنا سرمایہ داری ہے

(۱۵) عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

(۱۶) برتر از اندیشۂ سود و زیاں ہے، زندگی
ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی

(۱۷) تو اسے پیمانۂ امروز و فردا سے نہ ناپ
جاوداں پیہم دواں ہر دم جواں ہے زندگی

(۱۸) خواب سے بیدار ہوتا ہے ذرا محکوم اگر
پھر سلا دیتی ہے اس کو حکمراں کی ساحری

(۱۹) سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی، باقی بتانِ آذری

(۲۰) ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لیکر تابخاکِ کاشغر

(۲۱) جو کرے گا امتیاز رنگ و بو مٹ جائے گا
ترکِ خرگاہی ہو یا اعرابی والا گہر

(۲۲) نسل اگر مسلم کی مذہب پر مقدم ہو گئی
اڑ گیا دنیا سے تو مانند خاکِ رہگذر

(۲۳) تری خاک میں ہے اگر شرر تو خیال فقر و غنانہ کر
کہ جہاں میں نانِ شعیر پر ہے مدار قوت حیدریؓ

(۲۴) تمنا آبرو کی ہو اگر گلزار ہستی میں!
تو کانٹوں میں الجھ کر زندگی کرنے کی خو کر لے

(۲۵) ملت کے ساتھ رابطہ استوار رکھ
پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

(۲۶) اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی ﷺ

(۲۷) ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری

(۲۸) دامن دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں
اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملت بھی گئی

(۲۹) قوم مذہب سے ہے مذہب جو نہیں تم بھی نہیں
جذب باہم جو نہیں محفل انجم بھی نہیں

(۳۰) منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبی ﷺ، وطن بھی، ایمان بھی ایک

(۳۱) حرم پاک بھی اللہ کا قرآن بھی ایک
کیا بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک

(۳۲) فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں !

(۳۳) کی محمد ﷺ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

(۳۴) دہر میں عیش دوام آئین کی پابندی سے ہے
موج کو آزادیاں سامان شیون ہو گئیں

(۳۵) فرد قائم رابطہ ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں

(۳۶) آ گیا عین لڑائی میں اگر وقت نماز !!
قبلہ رو ہو کے زمین بوس ہوئی قوم حجاز !!
ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز
بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

(۳۷) سنے گا اقبال کون تیری یہ انجمن ہی بدل گئی ہے
نئے زمانے میں آپ ہم کو پرانی باتیں سنا رہے ہیں

(۳۸) مرنے والے مرتے ہیں لیکن فنا ہوتے نہیں
یہ حقیقت میں کبھی ہم سے جدا ہوتے نہیں

(۳۹) مرنے والوں کی جبیں روشن ہے اس ظلمات میں
جس طرح تارے چمک ہوں دیں اندھیری رات میں

(۴۰) دیارِ مغرب کے رہنے والو خدا کی بستی دکاں نہیں ہے
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو، وہ اب زرِ کم عیار ہو گا
تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خود کشی کریگی
جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپیدار ہو گا

(۴۱) خدا کے عاشق تو ہیں ہزاروں بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اس کا بندہ بنوں گا، جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہو گا

(۴۲) کوئی نہیں غم گسار انساں
کیا تلخ ہے روزگار انساں

(۴۳) جنہیں میں ڈھونڈتا تھا آسمانوں میں زمینوں میں
وہ نکلے میرے ظلمت خانۂ دل کے مکینوں میں

(۴۴) تمنا درد دل کی ہو تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

(۴۵) کوئی اب تک نہ یہ سمجھا کہ انساں
کہاں جاتا ہے آتا ہے کہاں سے

(۴۶) زباں سے گر کیا توحید کا دعویٰ تو کب حاصل
بنایا ہے بت پندار کو اپنا خدا تو نے

صدیق اکبرؓ

اک دن رسول پاکؐ نے اصحابؓ سے کہا
دیں مال راہ حق میں جو ہوں تم میں مالدار

ارشاد سن کے، فرط طرب سے عمرؓ اٹھے
اس روز ان کے پاس تھے درہم کئی ہزار

دل میں یہ کہہ رہے تھے کہ صدیقؓ سے ضرور
بڑھ کر رہے گا آج قدم میرا راہوار

لائے غرض کے مال رسول امینؐ کے پاس
ایثار کی ہے دستِ نگر ابتدائے کار

پوچھا حضور سرور عالمؐ نے اے عمرؓ
اے وہ کہ جوش حق سے ترے دل کو ہے قرار

رکھا ہے کچھ عیاں کی خاطر بھی تو نے کیا؟ مسلم ہے اپنے خویش و اقارب کا حق گزار

کی عرض نصف مال ہے فرزندوں کا حق

باقی جو ہے وہ ملت بیضا پہ ہے نثار

اتنے میں وہ رفیق نبوت بھی آگیا! جس سے بنائے عشق و محبت ہے استوار

لے آیا اپنے ساتھ وہ مرد وفا سرشت ہر چیز، جس سے چشم جہاں بھی ہو اعتبار

ملک یمین و درہم و رحت و جنس اسپ قرسم و شتر و قاطر و حمار

بولے حضورؐ چاہئے فکرِ عیال بھی کہنے لگا وہ عشق و محبت کا رازدار

"اے تجھ سے دیدۂ مہ و انجم فروغ گیر اے تیری ذات باعث تکوین روزگار

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس

صدیقؓ کے لئے ہے خدا کا رسولؐ بس"

مدعا زندگانی را بقا از مدعاست

کار دانش را درا از مدعاست

زندگی کو بقاء مقصد سے حاصل ہوتی ہے۔ زندگی کا قافلہ مقصد کی پکار سے رواں دواں رہتا ہے۔

زندگی در جستجو پوشیدہ است اصل او در آرزو پوشیدہ است

زندگی کسی مقصد کی تلاش کے باعث قائم ہے۔ اس کی اصل بنیاد کسی مقصد کے حاصل کرنے کی خواہش ہے۔

آرزو را در دل خود زندہ دار تانگرو د مشت خاک تو مزار

اگر تو زندہ رہنا چاہتا ہے۔ تو اپنی آرزو کو زندہ رکھ، تاکہ تو خاک کا ڈھیر نہ بن جائے۔

علم از سامان حفظ زندگی است

علم از اسباب تقویم خودی است

علم زندگی کی حفاظت کا سامان ہے۔ علم انسان کی ہستی ایک مضبوط سبب ہے۔

عشق راز از تیغ و خنجر باک نیست

اصل عشق از آب و خاک و باد نیست

عشق نہ تلوار سے ڈرتا ہے نہ خنجر سے۔ عشق کا خمیر پانی، مٹی اور ہوا سے نہیں بنایا گیا۔

از نگاہ عشق خارا مشق مشود
عشق حق آخر سراپا حق شود

عشق کی نظر سے پتھر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے۔ خدا کا عشق انسان کو بہر صورت خداوند بنا دیتا ہے۔

ہست معشوقے نہاں اندر دلت
چشم اگر داری بیا بنمائمت

جس سے عشق چاہیے۔ وہ محبوب تیرے دل میں چھپا بیٹھا ہے۔ اگر تیرے پاس دیکھنے والی آنکھ ہے تو ادھر آ۔ میں تجھے وہ محبوب دکھاؤں۔

عاشقان روز خوباں خوب تر
خوشتر و زیبا تر و محبوب تر

اس کے چاہنے والے محبوبوں سے بھی زیادہ اچھے ہیں۔ بہت ہیں حسین ہیں۔ پیارے ہیں۔

دل زعشق او تو انائے شود
خاک ہم دوش ثریا ے شود

دل اس کے عشق سے مضبوط ہو جاتے ہیں۔ اور مٹی عرش جتنی بلند ہو جاتی ہے۔

در دل مسلم مقام مصطفیٰ است
آبروئے ماز نام مصطفیٰ است

مسلم کے دل میں نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا مقام ہے۔ ہماری عزت نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے نام سے ہے۔

بوریا ممنون خواب راحتش
تاج کسریٰ زیر پائے امتش

ان کا بچھونا بوریا تھا۔ ان کے طفیل امت کو یہ شان نصیب ہوئی کہ شاہ ایران کا تاج ان کے پاؤں کے نیچے تھا۔

ماند شبہا او محروم نوم
تا بہ تخت خسروی خوابیدہ قوم

وہ کئی راتیں اس غرض سے جاگتے رہے۔ تاکہ ان کی امت کو بادشاہوں کے تخت پر آرام کرنا نصیب ہو۔

وقت ہیجا تیغ او آہن گداز
دیدۂ او اشکبار اندر نماز

لڑائی کے وقت ان کی تلوار سے لوہا نرم ہو جاتا تھا۔ اور نماز میں ان کی آنکھیں آنسو بہاتی تھیں۔

احتیاج اے فراہم کردہ از شیراں خراج
کشتہ روباہ مزاج از احتیاج

اے مسلمان تو نے شیر دل بادشاہوں سے خراج جمع کیا۔ تو محتاجگی کے باعث لومڑ کی مانند ہو گیا ہے۔

خستگی ہائے نواز ناداری است اصل درد تو ہمیں بیماری است

تیری تمام کمزوریوں کا سبب تیری ناداری ہے۔ تیری بیماری کا سبب یہی ہے۔

ادب فکر صالح در ادب مے بایدت

اے مسلمان تو ایسا ادیب بن جا کہ تیرے ادب تیری تحریرات سے قوم میں اچھے اور زندگی بخشنے والے خیالات پیدا ہو جائیں۔ شاید کہ تیرے ادب سے اس دور کی جھلک نظر آئے کہ جس نے عرب کا ستارہ بلند کیا۔

قوت زندگی کشت است و حاصل قوت است
شرح رمز حق و باطل قوت است

زندگی ایک کھیت ہے۔ اور اس کی پیداوار قوت ہے۔ جھوٹ اور سچ کے بھیدوں کی شرح کرنے والی چیز قوت ہے۔

مدعی گرما یہ دار قوت است دعویٰ او بے نیاز از حجت است

اگر کسی دعویٰ کرنے والے کو قوت حاصل ہے۔ تو اس کے ہوتے ہوئے کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔

اے ہوشمند چشم و گوش و لب کشا اے ہوشمند
گر نہ بینی راہ حق بر من بخشند

اپنی آنکھ کھول، کان کھول، اگر تجھے سچائی دکھائی نہ دے تو میرا مذاق نہ اڑا۔

گر فنا خواہی زخود آزاد شو گر بقا خواہی بخود آباد شو

اگر تو مرنا چاہتا ہے تو اپنے آپ سے بے پرواہ ہو جا۔ اور اگر تجھے اپنی زندگی مطلوب ہے تو اپنے آپ کو آباد کر برباد نہ کر۔

چیست مردن از خودی غافل شدن — توچہ پنداری فراق جان و تن

موت یہ نہیں کہ تیری روح تیرے جسم سے الگ ہو جائے۔ موت یہ ہے کہ تو اپنے آپ سے غافل ہو جائے۔

دانش حاضر سوز عشق از دانش حاضر مجو
کیف حق از جام ایں کافر مجو

عشق کا سوز موجودہ زمانے کی تہذیب اور عقل میں نہیں ہے۔ اس کافر کے پیالہ میں حق کا نشہ نہیں ہے۔

دانش حاضر حجاب اکبر است — بت پرست و بت فروش و بت گراست

آج کل کے زمانے کی تہذیب و عقل انسانیت کو چھپانے کیلئے بہت بڑا پردہ ہے۔ یہ ظالم بت پرست ہے۔ بت فروش ہے۔ اور بت گھڑنے والی ہے۔

ربط جماعت فرد را ربط جماعت رحمت است
جوہر اورا کمال از ملت است

فرد کے لئے جماعت سے تعلق قائم کرنا رحمت ہے۔ اس کے جوہر کا کمال اس پر موقوف ہے کہ وہ ملت سے وابستہ ہو جائے۔

فرد مے گرد زملت احترام — ملت از افراد مے یابد نظام

فرد کو ملت سے عزت حاصل ہوتی ہے۔ اور ملت کو افراد سے وحدت نظام میسر آتی ہے۔

توحید اسود از توحید احمر مے شود
خویش فاروقؓ و ابو ذرؓ مے شود

کالے رنگ کا انسان توحید کے اثر سے سرخ رنگ والا ہو جاتا ہے اور حضرت فاروق اعظمؓ (جناب عمرؓ) اور حضرت ابوذر غفاریؓ کا عزیز ہو جاتا ہے۔

نبی ﷺ معنی حرفم کنی تحقیق اگر
بنگری با دیدۂ صدیقؓ اگر

اگر تو میرے الفاظ کا مفہوم سمجھ جائے اور تو حضرت ابو بکرؓ کی آنکھ سے حقیقت کو دیکھے۔

قوت قلب و جگر گردد نبی ﷺ — از خدا محبوب تر گردد نبی ﷺ

تو تجھ پر عیاں ہو جائے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دل اور جگر کے لئے قوت بن جاتا ہے۔ اور خدا سے زیادہ پیارا ہو جاتا ہے۔

رسالت از رسالت ہم نوا گشتیم ما
ہم نفس ہم مدعا گشتیم ما

رسالت نے ہم کو یک زبان کر دیا ہے۔ یک جان کر دیا ہے۔ اس نے ہمیں ایک مقصد کا دلدادہ بنا دیا ہے۔

دین و عزت از نبی آموختیم
در رہِ حق مشعلے افروختیم

ہم نے دین و عزت نبی کریم سے سیکھی ہے۔ اور ہم نے سچائی کی راہ میں مشعلیں روشن کی ہیں۔

مسلم مسلم راستی بے نیاز از غیر شو
حملہ عالم را سراپا خیر شو

اگر تو مسلمان ہے۔ تو خدا کے سوا ہر ایک سے بے پرواہ ہو جا۔ اور سارے جہان کے لئے خیر و برکت ہو جا۔

علم غیر علم غیر آموختی اندوختی
روئے خویش از غازد اش افروختی

اے مسلمان تو نے دوسروں کا علم سیکھ لیا۔ اسے دماغ میں جمع کر لیا۔ اور تو نے اس سے سرخی لیکر اپنے چہرے کو سرخ کر لیا۔

ارجمندی از شعارش مے بری
من ندانم توتوئی یا دیگری

تو اس کی روش پر چلنے میں اپنی خوش قسمتی خیال کرتا ہے میں نہیں جانتا کہ تو واقعی تو ہے یا کوئی اور ہے۔

بر زبانت گفتگو ہا مستعار
در دل تو آرزو ہا مستعار

تیری زبان پر جو باتیں ہیں وہ دوسروں کی ہیں۔ تیرے دل میں جو خواہشات ہیں وہ غیروں کی ہیں۔

از پیام مصطفیٰ آگاہ شو !! فارغ از ارباب دون اللہ شو

اے مسلمان تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیام سے باخبر ہو جا۔ اور غیر اسلامی تعلیم سے اپنا رخ پھیر لے۔

انوارِ رومی رحمتہ اللہ علیہ

(۱) سیم وزر: بند بگسل باش آزاد اے پسر
چند باشی بندِ سیم و بندِ زر

اے بیٹا زنجیر کو پارہ پارہ کر دے۔ تو کب تک چاندی کی قید اور سونے کی قید میں پھنسا رہے گا۔

(۲) حرص: گر بریزی بحر را در کوزۂ
چند گنجد قسمت یک روزۂ

اگر تو اپنے برتن میں سارے سمندر کو انڈیل لے۔ پھر بھی حقیقت یہ ہے کہ دن بھر میں جتنا پی سکتا ہے۔ اس سے زیادہ تو نہیں پی سکتا۔ ظاہر ہوا کہ بے جا حرص فضول ہے۔

(۳) حریص: کاسۂ چشم حریصاں پر نشد
تا صدف قانع نہ شد پرور نشد

لالچیوں کی آنکھ کا پیالہ کبھی بھرپور نہیں ہوا۔ اس کے خلاف جو قناعت کرتے ہیں وہ کامیاب ہو جاتے ہیں۔ جیسے سیپ جب تک سمندر میں منہ کھولے رہتی ہے۔ نامراد نظر آتی ہے جب بارش کی بونداس پر پڑتی ہے۔ تو وہ موتی سے بھرپور ہو کر سمندر کی تہ میں چلی جاتی ہے۔

(۴) عشق: ہر کرا جامہ زعشقے چاک شد
او زحرص و عیب کلی پاک شد

جس کا کپڑا عشق الٰہی کے باعث پھٹ جاتا ہے۔ وہ حرص اور کمینگی کے عیب سے بالکل پاک ہو جاتا ہے۔

(۵) شادباش: اے عشقِ خوش سو دائے ما
اے طبیب جملہ علت ہائے ما

اے عشق خدا تجھے خوش رکھے۔ تجھے آفرین ہو۔ تو اچھا سودا ہے۔ تو میری تمام بیماریوں کا

طبیب ہے۔

(۶) اے دوائے نخوت و ناموس ما

اے تو افلاطون و جالینوسِ ما

تو میرے تکبر کا علاج ہے۔ میرے دل کے روگ کا علاج ہے۔ تو میرا افلاطون ہے تو میرا جالینوس ہے۔

(یہ یونان کے مشہور طبیب تھے)

(۷) اَدب: از خدا خواہیم توفیق ادب

بے ادب محروم ماند از لطف رب

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہم کو ادب کی نعمت عطا کرے۔ بے ادب اللہ کی مہربانی سے محروم رہتا ہے۔

(۸) آرزو: آرزو مے خواہ لیک اندازہ خواہ

برنتابد کوہ رایک برگ کاہ

آرزو کر۔ لیکن اپنی قوت وحیثیت کے مطابق کر۔ گھاس کا تنکا پہاڑ کو نہیں اٹھا سکتا۔

(۹) قیاس: کار پاکاں را قیاس از خود مگیر

گرچہ باشد در نوشتن شیر شیر

یہ نہیں خیال کرنا چاہئے کہ جیسے ہم برائیوں والے ہیں۔ ایسے ہی اللہ کے پاک بندے بھی ہیں۔ بلاشبہ یہ صحیح ہے کہ ان کی صورت ہمارے جیسی ہے۔ مگر یہ بھی تو دیکھو۔ کہ جس طرح شیر لکھا جاتا ہے۔ اسی طرح شیر لکھا جاتا ہے۔ مگر کہاں شیر اور کہاں دودھ۔ اسی مضمون کو ایک اردو شاعر نے یوں ادا کیا ہے۔

اک شین میں دو شین کی تاثیر عجب ہے

شبیرؓ کجا شمر کجا قدرت رب ہے

لفظ شبیر بھی ش سے شروع ہوتا ہے۔ اور شمر بھی۔ لیکن حضرت امام حسینؓ (شبیر) اور شمر میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

(۱۰) جملہ عالم ایں سبب گمراہ شد
کم کسے زا بدال حق آگاہ شد

اسی غلط فہمی کی بناء پر کفر کی پوری دنیا گمراہ ہو گئی۔ اصل حقیقت کو اللہ والے ہی سمجھتے ہیں۔

(۱۱) ہمسری با انبیاء بردا شتند
اولیا را ہمچو خود پندا شتند

حق کو نہ پہچاننے والوں نے یہ دعویٰ کیا ہے جیسے وہ ہیں۔ ایسے ہی اللہ کے ولیؒ ہیں۔ اور نبی ہیں۔

(۱۲) گفت اینک ما بشر ایشاں بشر
ما و ایشاں بستہ خوابیم و خور

انہوں نے کہا ہم بھی انسان اور نبی و ولی بھی انسان۔ ہم بھی نیند اور کھانے پینے کے محتاج اور وہ بھی محتاج۔

(۱۳) آدمیت: آدمیت لحم و شحم و پوست نیست
آدمیت جز رضائے دوست نیست

آدمیت گوشت۔ چمڑے اور چربی کا نام نہیں۔ آدمیت تو اللہ کی رضا حاصل کرنے کا نام ہے۔

(۱۴) صورت: گر بصورت آدمی انساں بدے
احمد ﷺ و بوجہل ہم یکساں بدے

اگر آدمی محض شکل کا ڈھانچے کا نام ہوتا۔ تو ظاہر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی عربی تھے۔ مکی تھے۔ اور بوجہل بھی مکی تھا۔ مگر ایک ذرہ ناچیز کو آفتاب سے کیا نسبت۔

(۱۵) نقش بر دیوار مثل آدم است
بنگر از آدم چہ چیز اور اکم است

(۱۶) جاں کم است آں صورت باتاب را
رو بجو آں گوہر نایاب را

تصویر اور صاحب تصویر میں کیا فرق ہے؟

یہی کہ تصویر میں جان نہیں۔ تصویر انسان نہیں۔ انسان وہ ہے۔ جس میں جان ہے۔
معلوم ہوا کہ آدمی روح کی وجہ سے ممتاز ہے۔

(۱۷) بیت چوں بسے ابلیس آدم روئے ہست
پس بہر دستے نباید داد دست

اس دنیا میں بہت سے ایسے لوگ ہیں کہ جو شکل میں آدم صورت ہیں۔ لیکن ان کی سیرت شیطان جیسی ہوتی ہے۔ اس لئے ہر ایک کو پیر نہیں سمجھنا چاہئے۔ اور اس سے بیعت کے لئے ہاتھ نہیں بڑھانا چاہئے۔

(۱۸) زانکہ صیاد آورد بانگ صفیر
تا فریبد مرغ را آں مرغ گیر

پرند کا شکار کرنے کے لئے شکاری پرند کی بولی بولتا ہے۔ اس کا مدعا پرند پر یہ ظاہر کرنا ہوتا ہے کہ پرند بول رہا ہے۔

(۱۹) بشنود آں مرغ بانگ جنس خویش
از ہوا آید بیابد دام نیش

وہ پرند اپنے ہم جنس کی آواز سنتا ہے۔ ہوا سے اڑ کر آتا ہے۔ اور جال کا شکار ہو جاتا ہے۔

(۲۰) حرف درویشاں بدزد د مرد دوں
تا بخواند بر سلیمی زاں فسوں

کمینہ انسان درویشوں کے الفاظ کی چوری کرتا ہے۔ تاکہ سلیم الطبع انسانوں پر اپنا جادو چلائے۔

(۲۱) کار مرداں روشنی و گرمی است
کار دوناں حیلہ و بے شرمی است

مردوں کا کام روشنی پھیلانا اور سرگرمی دکھانا ہے۔ اور کمینوں کا شیوہ فریب، بے شرمی ہے۔

(۲۲) خانما نہا از حسد گردد خراب
باز شاہی از حسد گرد د غراب

حسد سے خاندان تباہ ہو جاتے ہیں۔ حسد سے "باز" کوّے بن جاتے ہیں۔

(۲۳) ہر کسے کو از حسد بینی کند
خویش را بے گوش و بے بینی کند

جو شخص حسد کے پیش نظر گڑھا کھودتا ہے۔ وہ اپنے کان اور اپنی ناک کو پہلے ضائع کرتا ہے۔

(۲۴) صحبت: صحبتے صالح ترا صالح کند
صحبتے طالح ترا طالح کند

نیک کی صحبت انسان کو نیک اور بد کی صحبت انسان کو بد بنا دیتی ہے۔

(۲۵) طریق: ہر کہ او بنہا و ناخوش سنتے
سوئے او نفرین رو دہر ساعتے

جس نے کوئی برا طریق نکالا اس پر ہر گھڑی نفرت کی جاتی ہے۔

(۲۶) نیکواں رفتند و سنت ہا بماند
واز لیماں ظلم و لعنت ہا بماند

اچھے مر گئے لیکن ان کے اچھے طریق باقی رہ گئے۔ برے رخصت ہوئے۔ ظلم اور لعنتیں چھوڑ گئے۔

(۲۷) عجز وزاری: اے خنک چشمے کہ او گریان اوست
اے ہمایوں دل کہ او بریان اوست

ٹھنڈی رہے وہ آنکھ کہ جو جناب باری میں عجز وزاری کرتی ہے۔ مبارک ہے وہ دل کہ جو عشق خدا میں جلا ہوا ہے۔

(۲۸) در پس ہر گریہ آخر خندہ است
مرد آخر بیں مبارک بندہ است

ہر رونے کے بعد ہنسنا ہے۔ مبارک ہے وہ جس کی نظر انجام پر ہے۔

(۲۹) ہر کجا آب رواں سبزہ بود
ہر کجا اشک رواں رحمت شود

جہاں آب رواں ہے وہاں ہرے بھرے کھیت ہیں جہاں خدا کی راہ میں اشکباری ہے وہاں

رحمت ہے۔

(۳۰) رحم خواہی رحم کن بر اشکبار
رحم خواہی بر ضعیفاں رحمت آر

رحمت چاہتا ہے۔ تو خدا کی یاد میں رونے والوں پر رحم کر۔ رحم چاہتا ہے تو کمزوروں پر رحم کر۔

(۳۱) توکل: گفت پیغمبر ﷺ بہ آواز بلند
بر توکل زانوئے اشتر بلند

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پکار کر فرمادیا۔ کہ اونٹ کی حفاظت کے لئے اس کے گھٹنا مضبوط باندھ دو۔ اور بھروسہ خدا کی ذات پر کرو۔

(۳۲) رمز الکاسب حبیب اللہ شنو
از توکل در سبب کاہل شو

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اپنی روزی کے لئے محنت کرنے والا خدا کا دوست ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد پر غور کر اور توکل کرتے ہوئے تدبیر اختیار کرنے میں کمی، اور کوتاہی نہ کر۔

(۳۳) حسد: چوں کنی باجے حسد مکر و حسد
زاں حسد دل راسیاہی مے رسد

جب تو حسد نہ کرنے والوں سے حسد کرتا ہے تو اس حسد سے تیرا دل کالا ہو جاتا ہے۔

(۳۴) یک رنگی نیست یک رنگی کز و خیز و ملال
بل مثالِ ماہی و آب زُلال

یک رنگی سے کوئی رنج اور دکھ پیدا نہیں ہوتا۔ یک رنگی کی مثال مچھلی اور ستھرے پانی کی ہے۔

(۳۵) گرچہ در خشکی ہزاراں رنگ ہاست
ماہیاں را با یبوست جنگ ہاست

اگرچہ خشکی میں ہزاروں رنگ ہیں۔ لیکن مچھلیوں کو خشکی سے ہمیشہ جنگ ہے۔

(۳۶) یک زمانہ صحبتے با اولیا

اللہ والوں کی صحبت — بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

جو زمانہ اللہ والوں سے ملنے جلنے میں گزرتا ہے۔وہ سو سال کی بے ریا فرمانبرداری شریعت سے بھی بہتر ہوتا ہے۔

(۳۷) گر تو سنگِ خارۂ مرمر شوی

چو بصاحب دل رسی گوہر شوی

اگر تو پتھر ہے یا سنگ مرمر ہے۔اگر تو کسی دِل والے کی خدمت میں حاضر ہو جائیگا اس کی نظر کا فیض تجھے موتی بنادے گا۔

(۳۸) مہرپاکاں درمیانِ جاں نشاں

دل مدہ آن بمہر دل خوشاں؟

اللہ والوں کی محبت اپنے دل میں جما اور بٹھا۔اور خوش دلوں کے سوا کسی سے دل نہ لگا۔

(۳۹) کوئے نو میدی مرد امید ہاست

سوئے تاریکی مرد خورشید ہاست

ناامیدی کے کوچے میں مت جا۔دنیا میں امیدیں بھی ہیں۔اندھیرے کی طرف مت جا چمکنے والے سورج بھی ہیں۔ان کی طرف جا۔

(۴۰) بُری سنت: ہر کہ او بنہا و ناخوش سنتے

سوئے او نفریں رود ہر ساعتے

جو شخص کسی بری سنت (روش) کی بنیاد ڈالتا ہے۔اس کی طرف ہر آن نفرت روانہ ہوتی ہے۔

(۴۱) گریہ زاری: اے خنک چشمے کہ ماد گریان اوست

اے ہمایوں دل کہ ماد بریان اوست

ٹھنڈی ہے وہ آنکھ کہ جو بخشش خدا میں روتی ہے۔مبارک ہے وہ دل کہ جو اس کی محبت میں جلا ہوا ہے۔

(۴۲) از پے ہر گریہ آخر خندہ است

مرد آخر بیں مبارک بندہ است

ہر رونے والا آخر ہنستا ہے۔ مبارک ہے وہ انسان کہ جس کی نظر انجام پر ہے۔

(۴۳) ہر کجا آبِ رواں سبزہ بود
ہر کجا اشکِ رواں رحمت شود

جہاں کہیں جاری پانی ہے۔ وہاں سبزہ ہے۔ جہاں بخشش الٰہی میں آنسو بہ رہے ہیں وہاں رحمت ہے۔

(۴۴) رحم خواہی رحم کن بر اشکبار
رحم خواہی بر ضعیفاں رحمت آر

اگر تو اللہ کے رحم کا طالب ہے تو رونے والوں پر رحم کر۔ اگر تو رحم چاہتا ہے تو کمزوروں کے لئے رحمت کا سبب بن جا۔

(۴۵) کمانے والا: رمز الکاسب حبیب اللہ شنو
از توکل در سبب کاہل مشو

حضور کے اس ارشاد کی حکمت کو سمجھ کہ کمانے والا خدا کا دوست ہے توکل یہ نہیں کہ تو کامیابی کے ذریعے اختیار کرنے میں سست ہو جائے۔

(۴۶) دنیا کیا ہے: چیست دنیا از خدا غافل بدن
نے معاش و نقرہ و فرزند و زن

خدا سے غافل ہو جانے کا نام دنیا ہے۔ روزی کمانا دنیا نہیں۔ گھر کا سنوارنا دنیا نہیں چاندی دنیا نہیں۔ بیٹا دنیا نہیں۔ عورت دنیا نہیں۔

(۴۷) تا نگرید ابر کے خندد چمن
بے محنت کچھ نہیں ملتا تا نگرید طفل کے جوشد لبن

اگر بادل نہ روئے تو چمن کے ہونٹ پر ہنسی نہیں کھیل سکتی۔ اگر بچہ نہ روئے تو ماں کا دودھ جوش میں نہیں آتا۔

(۴۸) تعریف: مدح تعریف است و تخریق حجاب
فارغ است از مدح و تعریف آفتاب

مدح تعریف ہے۔ پردوں کو پھاڑنے والی ہے۔ آفتاب کو مدح و تعریف کی حاجت نہیں۔

(۴۹) ضرب المثل: "آفتاب آمد دلیل آفتاب"

سورج کے وجود کی دلیل خود سورج ہے۔

(۵۰) مادحِ خورشید مداحِ خود است

کہ دو چشم روشن و نامر مداست

جو سورج کی تعریف کرتا ہے وہ اپنی تعریف کرتا ہے اس سے عیاں ہوتا ہے کہ اس کی دونوں آنکھیں روشن ہیں۔ ان میں کوئی آشوب نہیں ہے۔

(۵۱) عقل کی بات: انّ شیئًا کلّهٗ لا یدرك

اعلموا ان کله لا تترك

کسی شے کی پوری حقیقت معلوم نہیں ہو سکتی۔ کچھ تو کچھ معلوم ہو سکتی ہے۔ جس قدر ممکن ہے۔ اسی قدر کافی ہے۔

(۵۲) گرچہ نتواں خورد طوفان سحاب

کے تواں کردن بترک خورد آب

اگر بادل کا تمام پانی نہیں پی سکتے۔ تو اس سے یہ لازم تو نہیں آتا کہ مقدور بھر پانی پینے سے بھی گریز کیا جائے۔

(۵۳) آب دریا را اگر نتواں کشید

هم بقدر تشنگی باید چشید

دریا کا پانی سارا نہیں کھینچا جا سکتا۔ لیکن اتنا تو حاصل کیا جا سکتا ہے کہ جس سے پیاس دور ہو جائے۔ بس اتنا ہی چکھنا یا لینا دانائی کی بات ہے۔

(۵۴) بادشاہ شاہ یکے جان است و لشکر پُر ازو

و رعایا: روح چوں آب است و ایں اجسام جو

بادشاہ روح ہے اور لشکر کے جسم میں اس کی روح کام کرتی ہے روح پانی ہے۔ اور لشکریوں یا رعایا کے جسم ندیاں ہیں۔ ندیاں پانی سے رواں ہیں۔

(۵۵) آب روح شاہ اگر شیریں بود

جملہ جوہا پُر ز آب خوش شود

اگر بادشاہ کی روح کا پانی میٹھا ہے۔ تو تمام ندیاں ستھرے پانی سے بھرپور ہیں۔

(۵۶) طفل یک روزہ ہمے دانہ طریق
که بگریم تا رسد دایہ شفیق

ایک دن کا ننھا منا بچہ بھی یہ تدبیر جانتا ہے کہ وہ روئے تا کہ مہربان دایہ اس کے پاس پہنچ جائے۔

(۵۷) تو نے دانی کہ دایہ دائگاں
کے دہد بے گریہ شیرت رائگاں

تجھے معلوم نہیں کہ سب دایوں کی دایہ قدرت ہے۔ قدرت بھی جب تک بچہ نہ روئے۔ دودھ نہیں دیتی۔ وہ دودھ ضائع نہیں کرسکتی۔ تو روئے گا تو تجھے دودھ دے گی۔

(۵۸)اعمال واعتقاد: ایں نماز و روزہ و حج و جہاد
ہم گواہی دا دن است از اعتقاد

یہ نماز یہ روزہ یہ حج یہ جہاد اس امر کے گواہ ہیں کہ تیرا اعتقاد درست ہے۔ باطن ٹھیک ہے۔

(۵۹) ایں زکوٰۃ و ہدیہ و ترک حسد
ہم گواہی دا دن است از سر خود

یہ زکوٰۃ، یہ ہدیہ، یہ حسد کا ترک کر دینا۔ اس امر کی گواہی ہے کہ تیرا دل اچھا ہے تیرا سینہ بے کینہ ہے۔

(۶۰) خوان و مہمانی پئے اظہار راست
در دل ما بہر مہمان قدر ہست؟

مہمان کی اچھی مہمانی کرنا۔ اس کے لئے کھانے کا اہتمام کرنا۔ اس امر کا اظہار ہے کہ ہمارے دل میں مہمان کی قدر ہے۔ اس سے پیار ہے۔

(۶۱) رمغان و پیشکش
شد گواہ آنکہ ہستم باتو خوش

جسے بدلہ دیتے ہیں۔ تحفہ دیتے ہیں۔ انعام دیتے ہیں۔ اس پر یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ہم اس

سے خوش ہیں۔

(۶۲) روزہ گوید کرد تقوی از حلال
با حرامش و انگہ بنود اتصال

روزہ کہتا ہے کہ روزہ دار نے کھانے پینے کو جو اس پر جائز تھا۔ ایک وقت تک۔ اللہ کے حکم کی خاطر اس کی رضا کے لئے اپنے لئے حرام کر لیا ہے۔ جب ایسا ہے تو وہ حرام کی جانب کیوں کر توجہ کر سکتا ہے۔

(۶۳) وز ز کاتش گفت کو از مال خویش
مید ہدپس چوں بدزد و اہل کیش

زکوٰۃ کہتی ہے کہ جو شخص اپنے مال سے دیتا ہے۔ وہ دوسرے کا مال چرانے سے پرہیز کرے گا۔

(۶۴) روحانی خوراک: اغتذی باالنور مثل البصر
وافق الاملاک یا خیر البشر

اے انسان تو خدا کی بہترین مخلوق ہے۔ اپنی خوراک اپنی آنکھوں کی مانند نور کو بنا۔ اور فرشتوں جیسا بن جا۔ ان کی غذا نور ہے۔

(۶۵) چوں ملک تسبیح حق را کن غذا
تار ہی ہمچو ملائک از اذیٰ

فرشتوں کی طرح اپنی غذا اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرنا بنا لے۔ تاکہ تو فرشتوں کی مانند دکھ سے بچ جائے۔

(۶۶) جبرائیل از سوئے جیفہ کم رسند
او بقوت کے زکرگس کم زند

جبرائیل تو کسی مردار کی طرف دیکھتا بھی نہیں۔ لیکن گدھ کو ہر آن مردار کی تلاش رہتی ہے۔ کیا جبرائیل کی قوت پرواز گدھ کی قوت پرواز سے کم ہے؟

(۶۷) جندا خوانے نہادہ در جہاں
لیک از چشم خسیساں بس نہاں

خدا کی قسم دنیا میں نہایت ہی اچھا دستر خوان بچھا ہوا ہے۔ مگر وہ کمینہ لوگوں کی نگاہوں سے بہت پوشیدہ ہے۔

(۶۸) گر جہاں باغ پر از نعمت شود
قسم مارو مور ہم خاکے شود

اگر ساری دنیا کی نعمتوں سے بھرپور ایک باغ بن جائے۔ پھر بھی سانپ اور چیونٹی کا حصہ تو مٹی ہی ہے۔

(۶۹) قسم شان خاک است گردی گر بہار
میر کوئی خاک چوں نوشی چو مار

اگر بہار بھی ہو تو سانپ تو مٹی ہی کھائے گا۔ اے انسان تو سردار جہان ہے تو سانپ کی مانند مٹی کو کیوں خوراک بنائے ہوئے ہے۔

(۷۰) درمیان چوب گوید کرم چوب
مر کرا باشد چنیں حلوائے خوب

لکڑی کے اندر لکڑی کا کیڑا یہ کہتا ہے کہ اس سے زیادہ مزیدار حلوہ کس کو مل سکتا ہے۔

(۷۱) درمیان خاک گوید کرم خورد
ایں چنیں حلوا بعالم کس نخورد

مٹی کے اندر جو ننھا سا کیڑا ہے وہ کہتا ہے کہ جس قسم کا حلوہ وہ کھاتا ہے۔ سارے جہاں میں کسی کو میسر نہیں ہوا۔

(۷۲) کرم سرگیں درمیان آن حدث
درمیاں نقلے نداند جز خبث

غلاظت کا کیڑا غلاظت میں ہی رہتا ہے۔ وہ گندی خوراک کے علاوہ کسی اور خوراک سے آگاہ ہی نہیں۔

(۷۳) جز نجاست ہیچ تشنا سو کلاغ
شد نجاست مرورا چشم و چراغ

پہاڑی کوا نجاست کے علاوہ کسی چیز کو پہچانتا ہی نہیں۔

(۷۴) صوفی: ہست صوفی آں کہ شد صفوت طلب

نہ لباس صوف و خیاطی و دب

صوفی وہ ہے کہ جو عمل کی پاکیزگی کا طالب ہے۔ صوفی وہ نہیں کہ جو صوف کے لباس۔ بخیہ کاری اور نقش و نگار کا طلب کار ہے۔

(۷۵) تبلیغ: لیک دعوت وا روست از کرد گار

با قبول و ناقبول اور اچہ کار

اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ تبلیغ کرو۔ حکم پر عمل چاہیے۔ اس سے تعلق نہیں رکھنا چاہیے۔ کہ کوئی سنتا ہے۔ یا دعوت قبول کرتا ہے یا نہیں۔ مبلغ کا کام صرف تبلیغ ہے۔

(۷۶) نوح نہ صد سال دعوت مے نمود

و مبدم انکار قومش مے فزوں

حضرت نوح پورے ۹سو سال تبلیغ کرتے رہے۔ وہ تبلیغ کرتے رہے۔ قوم کا دن پر دن انکار بڑھتا رہا۔

(۷۷) صد خورندہ گنجد اندر گرد خواں

خواہشمند حکومت دو ریاست جو نگنجد در جہاں

ایک دستر خوان پر سو آدمی بیٹھ کر کھانا کھا سکتے ہیں۔ لیکن دو ریاست کی تلاش میں سرگرداں والے ایک جہاں میں نہیں سما سکتے۔

(۷۸) او نخوا ہد کایں بود بر پشت خاک

تا پسر بکشد پدر راز اشتراک

وہ نہیں چاہتا کہ اس کا حریف زمین کی سطح پر کسی جگہ نظر آئے۔ یہاں تک کہ اگر اس کا بیٹا بھی حکومت میں شریک ہونا چاہے تو اسے بھی ہلاک کر دیتا ہے۔

(۷۹) آں شنیدستی کہ الملک عقیم

ترکِ خویش کرد ملکت جوز بیم

تو نے سنا ہو گا کہ بادشاہت بانجھ ہوتی ہے۔ مملکت کا چاہنے والا اس ڈر سے کہ اس کے رشتہ دار اس کے اقتدار میں شریک نہ ہو جائیں۔ ان سے بھی بیگانگی کا برتاؤ کرتا ہے۔

(۸۰) کہ عقیم است دور افرزند نیست
ہم چو آتش باکسش پیوند نیست
اس لئے کہ وہ بانجھ ہے اور اس کا کوئی بیٹا نہیں ہے۔ آگ کی مانند اس کا کسی سے جوڑ نہیں ہے۔

(۸۱) ہر چہ باید او بسوزد بردرد
چوں نیابد ہیچ خود رامے خورد
آگ جسے پاتی ہے اسے جلاتی ہے۔ پھاڑ ڈالتی ہے۔ جب اسے کوئی شکار نہیں ملتا۔ تو اپنے آپ ہی کو کھا جاتی ہے۔

(۸۲) ہیچ کش وارہ تو از دندان او
رحم کم جواز دل سندان او
عاجز بن کر اس کے دانتوں سے رہائی حاصل کر لے۔ اس کا دل پتھر کا ہے جس کا دل پتھر کا ہو اس سے رحم کی امید نہیں کی جا سکتی۔

(۸۳) ہست الوہیت ردائے ذوالجلال
ہر کہ در پوشو برد گردد و بال
اللہ ہو تا اللہ کو ہی زیبا ہے۔ اس کی شان الوہیت اس کے جلال کی چادر ہے جو اس کی چادر پہننے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ چادر اس کے لئے وبال جان بن جاتی ہے۔

(۸۴) تاج از آن اوست و آنِ ما کمر
وائے او کز حد خود وارد گزر
تاج اسی کے شایاں ہیں۔ ہماری خوبی اس میں ہے۔ کہ اس کے حکم کی تعمیل پر کمر بستہ رہیں۔ افسوس ہے اس پر کہ جو اپنی حد سے گزر جاتا ہے۔

(۸۵) ناز و نیاز: اے بسا ناز آنکہ گردد آں گناہ
افگند مر بندہ از چشم شاہ
بہت سے ناز گناہ بن جاتے ہیں۔ اور غلام کو آقا کی نظر سے گرا دیتے ہیں۔

(۸۶) اے بسا ناز آوری زو بر و بال

آخر آں مر آں بر آں کس شد و بال

بہت سے ناز کرنے والوں نے پر پرزے نکالے۔ آخر کار وہ نازان کی جان کا وبال بن گیا۔

(۸۷) دیں نیاز اور چہ کہ لاغر مے کند

صدر راچو بدر انورے کند

نیاز کی شان یہ ہے کہ اگرچہ وہ جسمی طور پر کمزور کر دیتا ہے۔ مگر سینہ کو نور کا چاند بنا دیتا ہے۔

(۸۸) مردہ شوتا مخرج الحی الصمد

زندہ زیں مردہ بیروں آورد

مردہ ہو جا۔ تاکہ بے نیاز ہستی مردوں کو زندہ کرنے والی ہستی تجھے زندگی عطا کر دے اور تو مردہ سے زندۂ جاوید ہو جائے۔

(۸۹) چوں رزندہ مردہ بیروں مے کشد

ہر مردہ گشت رو دار واشد

جب مردوں کو زندہ کرتے ہیں۔ تو جو مردہ ہو جاتا ہے۔ سمجھ لو کہ دانش مند ہے۔

(۹۰) چوں زمردہ زندہ بیروں مے کشد

نفس زندہ سوئے مرگے مے تند

جب زندہ کرنے والا مردہ سے زندہ کرتا ہے تو جو نفس زندہ ہیں وہ اس کی طرف دوڑتے ہیں۔ تاکہ ان کو واقعی زندگی مل جائے۔

اسلام میں رہبانیت نہیں

(۹۱) چوں عدو نبود جہاد آمد محال

شہوت از نبود نباشد انتسال

اسلام میں جہاد کا حکم ہے۔ جہاد دشمنوں سے کیا جاتا ہے۔ اگر دشمن نہ ہو تو جہاد محال ہے۔ جو زندگی آبادیوں میں بسر کرے گا۔ اس کے ہی دشمن ہوں گے۔ اسلام نے نکاح کا حکم دیا ہے۔ اس

کے بغیر نسل نہیں بڑھ سکتی۔ اور اگر نکاح کے جذبے کو ہی مٹا دیا تو نکاح کا حکم بے فائدہ ہے۔

(۹۲) صبر بر و چوں نباشد میل تو
خصم چوں ہود چہ حاجت میل تو

اگر خواہش نہیں تو صبر کا سوال ہی نہیں اگر دشمن نہیں تو فوج کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

(۹۳) ہیں مکن خود را خصی رہبان مشو
زانکہ عفت ہست شہوت را گرد

اپنے آپ کو مارا نہ کر۔ راہب نہ بن۔ پاک نفس تو شہوت کے ہاں رہن۔

(۹۴) انفقوا گفت است بس کبئے بکن
زانکہ بنود خرچے بے دخل کہن

جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ خرچ کرو۔ تو کیا اس سے ظاہر نہیں ہوتا کہ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم کمائیں۔ اگر کمائی نہ ہو۔ کچھ پاس نہ ہو تو خرچ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

(۹۵) گرچہ آورد انفقوا را مطلق او!!!
تونجواں کہ اکسبوا، ثم انفقوا

اگرچہ اللہ تعالیٰ نے یہی فرمایا کہ خرچ کرو تو اس سے اس کا ارشاد یہ ہے کہ کسب کرو کماؤ اور پھر خرچ کرو۔

(۹۶) ہم چنیں چوں شاہ فرمودا صبر دا
رغبتے باید کزو یابی تو او

ایسے ہی جب اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ صبر کرو۔ تو رغبت کرو۔ تاکہ تمہیں صبر کرنے کا موقع ملے۔

(۹۷) عشق باری غیر معشوق از تماشائے بود
عشق بنود ہرزہ سو دائے بود

اگر اللہ تعالیٰ یعنی معشوق حقیقی کے سوا کسی اور کی طرف نگاہ کی جائے۔ تو اس کا نام عشق نہیں یہ تو آوارہ گردی ہے۔

(۹۸) عشق آن شعلہ است کہ چوں بر فروخت

ہر کہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

عشق وہ آگ ہے کہ جب بھڑکتی ہے تو یاد خدا کے سوا باقی سب کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے۔

(۹۹) تیغ لا در قتل غیر حق براند

وانگہ آخر کہ بعد ارچہ نار

اللہ کے سوا غالب نہیں ہے کوئی معبود مگر اللہ کی تلوار سے غیر حق کو کاٹ کر رکھ دیتا ہے۔

یاد رکھ کہ جب یہ کہا کہ کوئی معبود نہیں۔ بجز خدا، تو خدا کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔

(۱۰۰)سچا رونا: گریۂ با صدق برجاں بارند

تاکہ چرخ و عرش را گریاں کند

سچے رونے سے جانوں پر اثر پڑتا ہے۔ اور اس سے آسمان اور عرش رو پڑتے ہیں۔

(۱۰۱) گریۂ بے صدق بے شورش بود

دیو برآں بر گریہ اش خنداں شود

بغیر سچائی کے رونا دکھاوے کا رونا بے مزہ ہوتا ہے۔ اس سے ہنگامے نہیں پیدا ہوتے۔ اور ایسے رونے کا شیطان بھی مذاق اڑا دیتے ہیں۔

(۱۰۲)خواہشات: میل تاہم چوسگان خفتہ اند

اندر ایشاں خیر و شر بہ نہفتہ اند

خواہشات سوئے ہوئے کتوں کی مانند ہیں۔ ان میں نیکیاں اور بدیاں سوئی پڑی ہیں۔

(۱۰۳) تاکہ مردندے در آید درمیاں

نفخ صور حرص کو بد برسگاں

جب ان سوئے ہوؤں پر حرص کا صور (ناقوس) پھونکا جاتا ہے۔ اور ان کے سامنے کوئی مردار آجاتا ہے تو یہ کتے چونک پڑتے ہیں۔

(۱۰۴) چون درآں کوچہ خرے مردار رشد

صد سگ خفتہ بداں بیدار شد

جب اس گلی میں کوئی گدھا مر گیا تو دیکھ لینا کہ سوئے ہوئے کتے بیدار ہو جائیں گے۔

(۱۰۵) حرص ہائے رفتہ اندر کتم غیب
تا ختن آورد سر بر زاز حبیب

غیب کے پردے میں جو لالچ کے کتے ہوتے ہیں۔ وہ فوراً اپنا سر نکال کر دوڑ پڑتے ہیں۔

(۱۰۶) موبموئے ہر سگے دنداں شدہ
وز برائے حیلہ دُم جنباں شدہ

اس وقت ہر کتے کا ہر بال دانت بن جاتا ہے۔ اور وہ ہر تدبیر سے گوشت کھا جانے کے لئے دم ہلاتا ہے۔

انسان لقمہ ہے اور لقمہ خوار ہے

(۱۰۷) زانکہ توہم لقمہ ہم لقمہ خوار
آ کل و ما کول اے جاں ہوش دار

اے انسان عقل کر، تو کھانے والا بھی ہے۔ اور دوسروں کا کھاجا بھی ہے۔ تو لقمہ بھی ہے اور لقمہ خوار بھی ہے۔

(۱۰۸) مرغ کے اندر شکار کرم بود
گربہ فرصت یافت اورا ور ربود

تیری مثال یہ ہے کہ ایک پرندہ کیڑے کے شکار میں مصروف تھا۔ اس پر بلی کی نظر پڑ گئی بلی اسے لے اڑی۔

(۱۰۹) آ کل و ما کول بود اے بے خبر
در شکارِ خود ز صیادِ دگر

نہ کیڑے (جو پرندے کی خوراک تھا) کو یہ خبر تھی۔ کہ بلی بھی ہے۔ اور نہ پرند کو۔ جو کیڑے کو کھانا چاہتا تھا۔ یہ پتہ تھا کہ بلی اس کی تاک میں ہے۔

(۱۱۰) دزد گرچہ در شکار کالہ است
شحنہ با خصمانش در دنبالہ است

چور اگر مال لوٹنے کی فکر میں ہے۔ اس کا شکار مال ہے۔ مگر کوتوال اپنے سپاہیوں کو لئے

ہوئے جو چور کے دشمن ہیں۔ چور کا تعاقب کر رہا ہے۔

(۱۱۱) عقل او مشغول رفت و قفلِ در
غافل است ار شحنہ و آہِ سحر

اس چور کی عقل سامان چرانے اور دروازے کے قفل کو توڑنے کی فکر میں لگی ہے مگر وہ اس سے غافل ہے کہ کوتوال اس کو تاڑ رہا ہے۔ اور مظلوم کی آہ سحر اس چور کو برباد کر سکتی ہے۔

(۱۱۲) گر حشیش آب رواں رائے خورد
عقدۂ حیوانش در پے برد

اگر خشک گھاس تر و تازہ پانی کو پی رہی ہے۔ تو اسے یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ وہ اس لئے ہے کہ معدۂ حیواں اسے اپنی غذا بنائے۔

ابلیس کی نامرادی

(۱۱۳) ہم چو ابلیس از خدائے پاک فرد
تا قیامت عمر تن درخواست کرد

یہ ابلیس کی نامرادی تھی۔ کہ اس نے اللہ سے یہ درخواست کی کہ اسے قیامت تک لمبی عمر مل جائے۔

(۱۱۴) گفت انظرنی لیوم الجزا
کاشکے گفتے کہ تُبْ یا ربّنا

اس شیطان نے یہ کہا کہ اے اللہ مجھے قیامت تک مہلت دے۔ کاش کہ وہ ظالم یہ کہتا۔ اے پروردگار مجھے معاف کر دے۔

انبیاء اور منکران انبیاء علیہم السلام

(۱۱۵) انبیا در کار دنیا جبری اند
کافراں درکار عقبیٰ جبری اند

انبیاء علیہم السلام بوجہ متوکل ہونے کے دنیاوی کاموں میں مجبور ہیں۔ اسی طرح کافر آخرت کے کاموں میں مجبور ہیں۔

(۱۱۶) انبیا را کار عقبیٰ اختیار
کافراں را کار دنیا اختیار

نبیوں کو آخرت (دین) کا کام پسند ہے۔ کافروں کو دنیا کا کام پسند ہے۔

(۱۱۷) زانکہ ہر مرغے بسوئے جنس خویش
میرود او درپس و جاں پیش پیش

کیونکہ ہر ایک پرندہ اپنی جنس کی طرف جاتا ہے۔ وہ پیچھے اور جان آگے آگے چلتی ہے۔

(۱۱۸) کافراں چوں جنس سجین آمدند
سجن دنیا را خوش آئیں آمدند

کافر وہیں جن کو دوزخ کی قید پسند ہے۔ وہ دنیا کی قید کے واسطے موزوں ہیں۔

(۱۱۹) انبیاء چوں جنس علیین بدند
سوئے علییں بجان و دل شدند

انبیاء چونکہ جنت والوں کی جنس تھے۔ دل و جان کے ساتھ جنت کے بلند ترین مقام کی طرف گئے۔

(۱۲۰) اے خدا بنما تو جاں را آں مقام
کاندر روبے حرف میرو ید کلام

اے خدا تو جان کو وہ مقام دکھا کہ جس کے اندر بغیر حرف کے کلام ہوتا ہے۔

(۱۲۱) چوں خدا اندر نیاید در عیاں
نائب حق اندر ایں پیغمبراں

چونکہ خدا مشاہدے میں نہیں آتا ہے (لہذا) یہ پیغمبر خدا کے نائب ہیں۔

(۱۲۲) اتحاد یار با یاراں خوش است
پائے معنی گیر صورت سرکش است

دوست کا دوستوں کے ساتھ اتحاد اچھا ہے۔ باطن کو طلب کرو (کیونکہ) صورت سرکش ہے۔

با معنی اور بے معنی

(۱۲۳) آنچہ با معنی ست خود پیدا شود

وانچہ با معنی ست خود رسوا شود

جو با معنی ہے۔ وہ خود ظاہر ہے۔ اور جو بے معنی ہے۔ وہ خود خوار ہے۔

(۱۲۴) رو بمعنی کوش اے صورت پرست

زانکہ معنی بر تن صورت پرست

اے صورت پرست جا اور معنی کے لئے کوشش کر۔ کیونکہ معنی صورت کے تن پر ہیں۔

تو اگر چاہے، تو عبادت اور ریاضت کے ذریعے بام عرش تک پرواز کر سکتا ہے۔

(۱۲۵) ہم نشین اہل معنی باش تا

ہم عطا یابی وہم باشی فتا

اہل باطن کا ہم نشین ہو۔ تاکہ تم پر اللہ کی بخشش ہو اور جوان مرد بھی بنو۔

(۱۲۶) جان بے معنی دریں تن بے خلاف

ہست ہمچوں تیغ چوبیں در غلاف

بیشک بے معنی جان اس تن کو۔ غلاف میں لکڑی کی تلوار کی طرح۔

(۱۲۷) غلاف اندر بود با قیمت ست

چو بروں شد سوختن را آلت ست

جب تک غلاف میں ہے قیمتی ہے۔ جب باہر نکلی تو جلانے کا ایندھن ہے۔

(۱۲۸) تیغ چوبیں را مبر در کار زار

بنگر اول تا نہ گردد کار، زار

لکڑی کی تلوار کو لڑائی میں نہ لے جا۔ پہلے اسے دیکھ لے تاکہ کام خراب نہ ہو جائے۔

بری سنت، اچھی سنت

(۱۲۹) ہر کہ او بنہا د ناخوش سنتے

سوئے او نفریں رو دہر ساعتے

جس کسی نے براطریقہ ایجاد کیا۔ اس کی طرف ہر گھڑی نفرت کی جاتی ہے۔

(۱۴۰) نیکواں رفتند سنت ہا بماند
و زلیماں ظلم و لعنت ہا بماند

نیک لوگ چلے گئے مگر ان کے طریقے باقی ہیں۔ اور بدکاروں کے ظلم اور لعنتیں باقی ہیں۔

(۱۴۱) تا قیامت ہر کہ جنس آ بداں
در وجود آید شود رویش بداں

جو کچھ قیامت تک بدوں کی جنس سے وجود میں آئے گا۔ ان کا رخ ان کی طرف ہی ہوگا۔

نفس کا بت

(۱۴۲) مادر بتہا بتِ نفس شما ست
زانکہ آں بت مار وایں بت اژد ہاست

سب بتوں کی ماں تمہارے نفس کا بت ہے۔ کیونکہ وہ بت سانپ ہیں۔ اور یہ بت اژدھا ہے۔

(۱۴۳) آہن و سنگست نفس و بتِ شرار
آں شرار از آب میگیرد فرار

لوہا اور پتھر نفس ہے اور بت شرار ہے۔ اور وہ شرار پانی سے بھاگتے ہیں۔

(۱۴۴) بت شکستن سہل باشد نیک سہل
سہل دیدن نفس را جہل است جہل

بت کا توڑنا تو نہایت ہی آسان ہے۔ لیکن نفس (کی اصلاح) کو آسان سمجھنا بہت ہی جہالت ہے۔

کوشش اور جبر

(۱۴۵) سعی شکر نعمت قدرت بود
جبر تو انکار آں نعمت بود

کوشش کرنا قدرت کی نعمت کا شکریہ ہے۔ تیرا اپنے آپ کو مجبور ظاہر کرنا اس کی نعمت کا

انکار ہے۔

(۱۳۶) شکر نعمت نعمت افزوں کند
کفر۔ نعمت از گفت بیروں کند

نعمت کا شکر۔ نعمت کو بڑھاتا ہے۔اور نعمت کاانکار نعمت کو تیرے ہاتھ سے باہر کردیتا ہے۔

(۱۳۷) جبر تو خفتن بود۔ دررہ مخسپ تانہ بینی اندر و درگہ مخسپ

تیرا جبر سوتا ہے۔ تو رستے میں نہ سو۔جب تک درگاہ کو مشاہدہ نہ کر لے تو مت سو۔

(۱۳۸) ہاں مخسپ اے جبریٔ بے اعتبار جز بزیر آں درخت میوہ دار

ہاں اے جبری! بے اعتبار انسان۔سوائے زیر درخت میوہ دار کے اور کہیں نہ سو۔

(۱۳۹) تاکہ شاخ افشاں کند ہر لحظہ باد برسر خفتہ بریزد نقل و زار؟

تاکہ تجھ پر شاخ کو ہوا ہر وقت ہلاتی رہے اور سوئے ہوئے سر پر پھل اور میوے گرائے۔

(۱۴۰) جبر خفتن درمیاں رہزناں مرغ بے ہنگام کے یا بداماں

جبر ایسا ہے جیسے کوئی شخص ڈاکوؤں کے درمیان سوتا ہے۔اور مرغ بے ہنگام بھی چونکہ ایذار ساں ہے۔اس لئے وہ بھی امان میں نہیں رہ سکتا۔

(۱۴۱) گر توکل مے کنی درکار کن کسب کن پس تکیہ بر جبار کن

اگر توکل کرو تو کام ہیں کرو۔پہلے کسب کرو۔اور پھر خدا پر بھروسہ کرو۔

(۱۴۲) کسب کن جہد نمائے وسعی کن تا بدانی سر علم من لدن

کسب کر محنت دکھا اور کوشش کر۔تاکہ رب العالمین کے اسرار کا علم جان لے۔

نیکی کی دعوت

(۱۴۳) لیک دعوت وارداست از کردگار با قبول و ناقبول او راچہ کار

اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہے کہ نیکی کی دعوت دیتے رہو۔کوئی مانے یا نہ مانے اس کی پرواہ مت کرو۔

(۱۴۴) نوحؑ نہصد سال دعوت مے نمود و مبدم انکار قومش مے فزود

حضرت نوحؑ نو سو سال اسلام کی دعوت دیتے رہے۔ان کی قوم دن بدن انکار ہی کرتی

رہی۔

(۱۴۵) زانکہ از بانگ و علالِ سگاں — باہیچ و اگر دو زراہے کارواں؟

کتوں کے بھونکنے سے کارواں اپنا راستہ نہیں چھوڑتے۔ وہ چلتے رہتے ہیں۔

(۱۴۶) مہ فشانہ نور سگ عو عو کند — ہر کسے بر خلقت خود مے تند

کتا بھونکتا ہے۔ چاند نور بکھیرتا ہے۔ ہر کوئی اپنی فطرت کے مطابق کام کرتا ہے۔

دنیا

(۱۴۷) مے نماید نور و نار و نار و نور — ورنہ دنیا کے شود دار الغرور

دنیا اس لئے دھوکے کا گھر ہے۔ کہ نار کو نار اور نار کو نور ظاہر کرتی ہے۔

مال اور صورت

(۱۴۸) گفت خواجہ مال رانبود ثبات — زور آید شب رود اندر جہات

خواجہ نے کہا مال کو بھی ثبات نہیں۔ صبح آتا ہے رات کو کہیں اور جگہ چلا جاتا ہے۔

(۱۴۹) حسن صورت ہم ندار و اعتبار — کہ شود رخ زرد از زخمِ مار

حسن صورت کا بھی اعتبار نہیں۔ سانپ کے ایک زخم سے چہرہ زرد ہو جاتا ہے

(۱۵۰) سہل باشد نیز مہتر زاد گی — گو شود غرّہ بمال از سادگی

سردار زادہ ہونا بھی سہل ہے۔ خواہ سردار زادہ مال پر اپنی جہالت سے مغرور ہی کیوں نہ ہو۔

(۱۵۱) اے بسا مہتر پدر کز شور و شر — شد ز فعلِ زشتِ خود ننگ پدر

بہت سے سردار زادے ایسے ہیں کہ جو اپنی بداعمالی کے باعث اپنے باپ کیلئے عار و ننگ کا باعث بن گئے۔

فروتنی

(۱۵۲) جانور فربہ شود از خورد و نوش — آدمی فربہ شود ازراہ گوش

جانور کھانے اور پینے سے موٹا ہوتا ہے۔ آدمی کانوں کے ذریعے (خوشی کی بات سے) موٹا ہوتا ہے۔

(۱۵۳) چوں ببیند خلق را سرمستِ خویش — از تکبر مے رود از دست خویش

جب دیکھتا ہے کہ دنیا اس پر مست ہے تو غرور کے باعث اپنے آپ سے باہر ہو جاتا ہے۔

(۱۵۴) اشتہار خلق بند محکم است بند خلق از بند آہن کے کم است

شہرت بڑی سخت زنجیر ہے۔ دنیاوی شہرت کی قید لوہے کی زنجیر سے کم سخت نہیں ہے۔

(۱۵۵) خویش را رنجور ساز و زار زار تا بیروں کنند از اشتہار

فروتنی اختیار کر اپنے آپ کو عاجز ظاہر کر۔ تاکہ لوگ تیرا ڈھنڈورا پیٹیں۔

دنیا کی نعمتیں

(۱۵۶) ہم چنیں جملہ نعیمِ ایں جہاں بس خوش است از دورش آں را امتحاں

ایسے ہی اس جہان کی تمام نعمتیں دور ہی سے بھلی معلوم ہوتی ہیں۔

(۱۵۷) مے نماید در نظر از دور آب چوں روی نزدیک آں باشد سراب

دور سے پانی نظر آتا ہے جب نزدیک پہنچے گا۔ تو محض سراب دکھائی دے گا۔

(۱۵۸) گندہ پیر است او و از بس چاپلوس خویش را جلوہ دہد چوں نو عروس

یہ دنیا بڑی بوڑھی ہے۔ گندی ہے۔ بڑی خوشامدی ہے۔ وہ اپنے آپ کو نئی دلہن کی صورت میں ظاہر کرتی ہے۔

ہمراہ

(۱۵۹) ہمرہے را جو کز و یابی مدد ہمدل و ہمدرد جویاں صمد

ایسے ہمراہ کو ڈھونڈھ کہ جس سے تجھے مدد ملے۔ جو ہمدل ہو۔ ہمدرد ہو۔ خدا پرست ہو۔

(۱۶۰) ہمرہے نے کو بود خصم خرد فرصتے جوید کہ جامہ تو برد

ایسے ہمراہی سے بچ جو عقل کا دشمن ہو۔ اور اس تلاش میں ہو کہ تیرے کپڑے اٹھا کر لے جائے۔

(۱۶۱) یار بد مار است بگریز از او تا نریزد بر تو زہر آں زشت خو

برا دوست سانپ کی مانند ہے۔ اس سے بھاگ۔ تاکہ وہ بری خو والا تجھ پر اپنا زہر نہ گرائے

عدل و ظلم

(۱۶۲) عدل چہ بود آب دہ اشجار لا ظلم چہ بود آب دادن خار را

درختوں کو سینچنا (پانی دینا) انصاف ہے۔ کانٹوں کو پانی دینا ظلم ہے۔

(۱۶۳) خیر مطلق نیست ایں جا ہیچ چیز — شر مطلق نیست زیں ہا ہیچ نیز

اس جگہ کوئی چیز محض بھلی نہیں۔ یہاں ہر چیز محض بری نہیں۔

(۱۶۴) نفع و ضر ہر یکے از موضع الست — علم ازیں او واجب است و نافع الست

مقام اور وقت کے لحاظ سے چیزوں کا نفع ہے۔ نقصان ہے۔ اسی حقیقت کا علم جاننا ضروری ہے۔ اور مفید ہے۔

مشورہ

(۱۶۵) مشورت ادراک و ہوشیاری دہد — عقلہا مر عقل را یاری دہد

مشورے سے سمجھ اور ہوشیاری ہوتی ہے۔ کئی عقلیں ایک عقل کو مدد دیتی ہیں۔

(۱۶۶) گفت پیغمبر بکن اے رائے زن — مشورت کا لمستشار رموتمن

پیغمبر نے فرمایا ہے کہ اے صاحب رائے مشورہ کر۔ اور مشورہ دینے والا امانتدار ہونا چاہیے۔

زندگی اور موت

(۱۶۷) زندگانی آشتی ضد ہاشت — مرگ آں کاندر میاں شاں جنگ خاست

اضداد کی صلح کا نام حیات ہے۔ اور ان کے درمیان جنگ کا ہونا موت ہے۔

(۱۶۸) صلح اضداد ست عمر ایں جہان — جنگ اضداد ست عمر جاوداں

اس جہان کی عمر عناصر کی صلح ہے۔ اور عناصر کا اختلاف ہمیشہ کی زندگی ہے۔

(۱۶۹) زندگانی آشتی دشمناں — مرگ وار فتن باصل خویش داں

زندگی دشمنوں کی صلح سے ہے۔ اور اپنے اصل کی طرف رجوع کرنے کو موت جانو۔

دوسروں کے ظلم

(۱۷۰) اے بسا ظلمیکہ بینی درکساں — خوئے تو باشد در ایشان اے فلاں

اے شخص بسا اوقات تو لوگوں میں ظلم دیکھتا ہے۔ حالانکہ تیری ہی عادتیں ان میں ہوتی ہیں۔

(۱۷۱) اندر ایشاں تافتہ ہستی تو — از نفاق و ظلم و بد مستی تو

ان کے اندر تیرے ہی نفاق اور ظلم اور بد مستی کی ہستی چمک رہی ہے۔

(۱۷۲) آں توئی واں زخم برخود میزنی — بر خود آں دم تار لعنت مے تنی

وہ تو ہی ہے جو خود اپنے زخم لگاتا ہے۔ اور لعنت کا تار اپنے اوپر تنتا ہے۔

(۱۷۳) در خود ایں بد رانمے بینی عیاں — ورنہ دشمن بودۂ خود را بجاں

اس بدی کو تم اپنے میں ظاہر نہیں دیکھتے ہو۔ ورنہ تم اپنی ہی جان کے دشمن ہو جاتے۔

افکار عطّار

شیخ حضرت فرید الدین عطار کے اشعار مواعظت آثار

خاموشی

(۱) اے برادر گر تو ہستیِ حق طلب — جز بفرمان خدا مکشائے لب

اے بھائی اگر تو سچائی کا طالب ہے تو جب تک خدا حکم نہ دے زبان مت کھول۔

(۲) ہر کرا گفتار بسیارش بود — دل و رون سینہ بیمارش بود

جو موقع بے موقع زیادہ بولتا ہے۔ اس کا دل بیمار ہوتا ہے۔

(۳) خاموشی از کذب و غیبت و اجیست — ابلہ است آنکو بگفتن راغبست

جھوٹ اور چغلی سے بچنا ضروری ہے۔ جھوٹ اور چغلی کے لئے جو زبان کھولتا ہے۔ وہ بے وقوف ہے۔

عمل خالص

(۱) ہر کہ باشد اہلِ ایماں اے عزیز — پاک دارد چار چیز از چار چیز

اے پیارے بھائی جو ایمان والا ہوتا ہے۔ وہ چار چیزوں کو چار چیزوں سے پاک رکھتا ہے۔

(۲) از حد اول تو دل را پاک دار — خویشتن را بعد ازاں مومن شمار

پہلی بات یہ ہے۔ اپنے دل کو حسد سے پاک رکھ۔ اس کے بعد اپنے آپ کو مومن خیال کر۔

(۳) پاکدار از کذب و از غیبت زباں — تاکہ ایمانت نیفتد در زیاں

اپنی زبان کو چغلی اور جھوٹ سے پاک رکھ۔ تاکہ تیرے ایمان کا نقصان نہ ہو۔

(۴) پاک گرداری عمل را از ریا — شمع ایمان ترا باشد ضیا

اپنے عمل کو نمائش سے پاک رکھ۔ تاکہ تیرے ایمان کا چراغ روشن ہو جائے۔

(۵) چوں شکم را پاک داری از حرام — مرد ایماں دار باشی والسلام

جب اپنے پیٹ کو تو حرام چیزوں سے بچائے گا۔ تو بلاشبہ ایمان دار ہو جائے گا۔ سلامت ہو گا۔

حُسن خُلق

(۱) چار چیز آمد بزرگی را دلیل — ہر کہ ایں دارد بعد مرد خلیل

چار چیزیں بزرگی کی علامت ہیں۔ جس میں یہ چار چیزیں ہیں۔ وہ نیک کردار ہے۔

(۲) علم را اعزاز کردن بیحساب — خلق را دادن جواب با صواب

پہلی چیز ہے کہ علم کی بے حد قدر کی جائے۔ خدا کی مخلوق کو سوال کا مناسب جواب دینا چاہیے۔

(۳) ہر کہ دارد دانش و عقل و تمیز — اہل حلم و علم را دارد عزیز

جس میں عقل ہے۔ سمجھ ہے۔ تمیز ہے۔ وہ نیک لوگوں۔ علم والوں کو محبوب خیال کرتا ہے۔

(۴) اے برادر گر خرد داری تمام — نرم و شیریں گوئے با مردم کلام

اے بھائی اگر تجھ میں عقل ہے۔ تو لوگوں کے ساتھ نرم گفتگو کر۔

(۵) ہر کہ باشد تلخ گوئی و ترش رُو — دوستاں از وے بگرد تندرد

جو سخت بات کرتا ہے۔ اور ترش رو ہوتا ہے۔ اس سے دوست بھاگ جاتے ہیں۔

(۶) ہر کہ از دشمن نباشد پُر حذر — عاقبت بیند از و رنج و ضرر

جو دشمن سے نہیں ڈرتا۔ احتیاط نہیں کرتا۔ اسے آخر کار نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔

لذات نفسانی

(۱) در پے لذات نفسانی مباش — دو ستدار عالم فانی مباش

نفسانی لذتوں کے لئے دوڑ دھوپ مت کر۔ فنا ہو جانے والے جہان سے محبت نہ رکھ۔

(۲) از تنت چوں جاں رواں خواہد شدن   خاک اندر استخواں خواہد شدن

جب جان تیرے بدن سے نکل جائے گی۔ تیری ہڈیوں کو مٹی میں پھینک دیں گے۔

(۳) مر ترا از دادن جاں چارہ نیست   دشمنت جز نفسک امارہ نیست

مرنے سے کیوں کر بچ سکتا ہے۔ برائی پر مائل کرنے کیلئے نفس سے زیادہ تیرا دشمن کوئی اور نہیں ہے۔

(۴) نفس و شیطاں مے برند از رہ ترا   تا نیفتد از ندا ندرچہ ترا

نفس اور شیطان تجھے سیدھے راستے سے اٹھا کر کنویں میں پھینک دیتے ہیں۔ اس لئے ان سے بچ۔

(۵) نفس را سر کوب و دائم خوار دار   تاتوانی دورش از مردار وار؟

نفس کا سر توڑ اور اس کو ہمیشہ ذلیل کر۔ جہاں تک ہو سکے مردار سے دور رہنے کی سعی کر۔

(۶) نفس بدراہر کہ سیرش میکند   در گناہ کردن دلیرش مے کند

جو نفس بد کو خوش کرنے کے درپے رہتا ہے۔ وہ اسے گناہ کرنے پر زیادہ دلیر کر دیتا ہے۔

(۷) مرد تا تہد بفرق نفس پائے   راہ کجا یابد بدرگاہ خدائے

جب تک کوئی شخص نفس کو پاک نہیں کرے گا۔ وہ درگاہ خدا تک کیوں کر پہنچ سکے گا۔

خود ستائی

(۱) خود ستائی پیشہ شیطاں بوذ   ہر کہ خود راکم زند مرداں مرد

اپنی تعریف آپ کرنا شیطانی فعل ہے۔ جو اپنے آپ کو بڑا نہ جانے وہ مرد ہے۔

(۲) گفت شیطاں من ز آدم بہترم   تا قیامت گشت ملعون لا جرم

شیطان نے کہا کہ میں آدم سے بہتر ہوں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قیامت تک مردود ہو گیا۔

(۳) راندہ شد ابلیس از متکبری   گشت مقبل آدم از مستغفری

شیطان نے تکبر کیا۔ نامراد ہو گیا۔ آدم نے استغفار کیا۔ مقبول ہو گیا۔

(۴) دانہ پست افتد زبروستش کنند   خوشہ چوں سر بر کشد پستش کنند

دانہ پست ہو جاتا ہے۔ اسے اونچا کرتے ہیں۔ خوشہ جب اپنا سر اونچا کرتا ہے۔ اسے پست کر دیتے ہیں۔

خلق اور خُلق

(۱) ہر کہ خلق از خُلق او خوشنود نیست　　ہیچ قدرش بردر معبود نیست

جس کے خلق سے خلق خوش نہیں ہے۔ خالق کے دروازہ پر اس کی کوئی عزت نہیں ہے۔

(۲) ہر کہ اورا پیشہ بد خوئی بود　　کار او پیوستہ بد روئی بود

جس کی عادت بری ہے۔ سمجھ لو اس کی قسمت بری ہے۔

(۳) خوئے بد در تن بلائے جاں بود　　مردم بد خونہ از انساں بود

بری خو جسم کا روگ ہے۔ بد خو شخص انسان کہلانے کا مستحق نہیں۔

(۴) از عذاب و قہر حق ایمن مباش　　در پے آزار ہر مومن مباش

خدا کے عذاب سے قہر سے بے خوف نہ ہو۔ کسی مومن کو دکھ نہ دے۔

(۵) گر تواضع پیش گیری اے جوان　　دوست دارندت ہمہ خلق جہان

اے جوان اگر تو تواضع اختیار کرے گا۔ تجھے سدا جہاں پسند کرے گا۔

گفتار

(۱) ہر کہ بے اندیشہ گفتارش بود　　پس ندا متہائے بسیارش بود

جس کی گفتگو بے سوچے سمجھے ہوتی ہے۔ اسے بعد میں شرمندگی برداشت کرنی پڑتی ہے۔

(۲) تا نگفتی مے توانی گفتنش　　چوں بگفتی کے تواں بنہفتنش

تو اگر بات نہیں کی تو کر سکتا ہے۔ جب بات کر دی تو پھر چھپ نہیں سکتی۔

(۳) گر ہمے خواہی کہ باشی در اماں　　رو نکوئی کن تو با خلق جہاں

اگر اماں چاہتا ہے تو خلق خدا کے ساتھ اچھے طریق سے مل۔

قدردان

(۱) قدرِ مردم راشناس اے محترم　　تا شناسد دیگرے قدرِ تو ہم

اے محترم! انسانوں کی قدر کر۔ تاکہ دوسرے بھی تیری قدر کریں۔

(۲) ہر کرا قدرے نبا شد در جہاں — زندہ مشمارش کہ ہست از مردگاں

جس کی دنیا میں قدر نہیں۔ وہ انسان زندہ نہیں مردہ ہے۔

(۳) بہترین چیز ہا خلقِ نکوست — خلق خلق نیک را دارند دوست

بہترین نعمت نیک خصلت ہے۔ اس پر ہر دلعزیزی حاصل ہوتی ہے۔

خدمت

(۱) تاتوانی اے پسر خدمت گریں — تا شود اسپ مرادت زیر زیں

اے بیٹا جہاں تک ہو سکے مخلوق خدا کی خدمت کر۔ تاکہ نیک بختی کا گھوڑا تیری راہ میں کام آئے۔

(۲) بندۂ چوں خدمت مرداں کند — خدمت او گنبد گرداں کند

جب انسان اللہ والوں کی خدمت کرتا ہے۔ گھومنے والا آسمان اس کی خدمت کرتا ہے۔

(۳) بہر خدمت ہر کہ بر بندد میاں — باشد از آفاتِ دنیا در اماں

جو خدمت پر کمر باندھتا ہے۔ وہ دنیا کے صدموں سے محفوظ رہتا ہے۔

(۴) خادماں راہست در جنت مآب — روز محشر بحساب و بے عقاب

خادموں کے لئے جنت اور ان کے لئے بڑے بڑے انعامات ہیں۔

سخاوت

(۱) در رخ مردِ سخی نورِ صفاست — زانکہ در جنت قرین مصطفیٰؐ است

اے بھائی سخاوت میں کوشش کر۔ تاکہ تجھے سکونِ دل حاصل ہو۔

(۲) حق تعالیٰ بر درِ جنت نوشت — اینکہ جائے اسخیا باشد بہشت

سخی انسان کو خدا کا نور میسر ہوتا ہے۔ وہ جنت میں حضور ﷺ کی مجلس میں ہوگا۔

(۳) اسخیارا با جہنم کار نیست — جانِ ممسک جز وردن نار نیست

اللہ تعالیٰ نے جنت کے دروازے پر لکھ دیا ہے کہ سخی کا مقام بہشت ہے۔

شیطان کے پھندے

مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ واضح فرماتے ہیں کہ قدرت نے بے شمار چیزیں پیدا کی ہیں جن میں بڑی نعمتیں ہیں۔ برکتیں ہیں۔ مگر شیطان اور اس کی راہ پر چلنے والے ان کے ذریعے لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ گویا یوں سمجھنا چاہئے۔ کہ شیطان نے قدرت سے یہ چیزیں اسی لئے طلب کیں کہ وہ ان کے ذریعے بندگان خدا کو غلط راستے پر ڈالے اسے وہ بطور مکالمہ کے تحریر کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں۔

(۱) گفت ابلیسِ لعین دا دارِ را — دام رفتے خواہم ایں آشکار را

نامراد شیطان نے کہا۔ اے اللہ میری ضرورت تو یہ ہے۔ کہ مجھے ایسے مضبوط جال مل جائیں۔ جن میں انسان پھنس جائے۔

(۲) زر و سیم و گلہ اسپش نمود — کہ بدیں تانی خلائق را ربود ؟

جب اس نے سونا چاندی اور گھوڑے دیکھے۔ تو خیال کیا۔ ان کے ذریعے دنیا کو حقیقت کی راہ سے ہٹایا جاسکتا ہے۔

(۳) پس جواہر ہاز معدن ہائے خوش — کرد آں پس ماندہ را حق پیش کش

شیطان نے کانیں دیکھیں۔ موتی دیکھے۔ اس نے یہ تصور کیا۔ کہ قدرت کی پیش کردہ ان نعمتوں سے وہ بڑا فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

(۴) چرب و شیریں و شراباتِ ثمیں — دادش و بس جامہ و ابریشمیں

اس نے مزے کے کھانے اور شراب و کباب دیکھے۔ عمدہ عمدہ کپڑے دیکھے۔ اس نے خیال کیا۔ یہ پھندے اس کے لئے بڑے کار آمد ہیں۔

(۵) خمر و چنگ آورد پیش او نہاد — نیم خندہ زد بداں شد نیم شاد

جب اس کے چشم تصور نے یہ دیکھا۔ کہ اس کے سامنے شراب۔ گانے بجانے کے آلات پیش کئے گئے ہیں۔ تو وہ مسکرایا۔ اور اسے اچھی خاصی خوشی ہوئی۔

(۶) چونکہ خوبی زناں با او نمود — کہ ز عقل و صبر مرداں مے ربود

اس نے خوبصورت عورتیں دیکھیں۔ اس نے خیال کیا۔ یہ وہ ہیں۔ کہ جو مردوں کو بے

عقل، ا۔ بے صبر کرسکتی ہیں۔

حقیقی ساتھی

(۷) در زمانہ مرتراسہ ہم آہند آں یکے دانی و آں او عذر مند ؟

زمانے میں تیرے ساتھی تین ہیں۔ایک وفادار ہے۔اور دوسرے تجھے چھوڑ جانے والے ہیں اور اس چھوڑنے میں وہ معذور ہیں۔

(۸) آں یکے یاراں و دیگر رخت و مال واں سوم وانی است از حس انفعال؟

ایک ساتھی تیرے دوست ہیں۔دوسرا ساتھی تیرا مال واسباب ہے۔تیسرا ساتھی تیرے اعمال ہیں۔

(۹) چوں ترا روز اجل آید بہ پیش یار گوید از زبان حالِ خویش

جب تیری موت کا وقت آئے گا۔دوست زبان حال سے کہے گا۔

(۱۰) تا بدیں جا پیش ہمرہ نیستم برسر گورت زمانے بیتم؟

میں تیری گور تک جاؤں گا۔تیری قبر پر تھوڑا عرصہ ٹھہرونگا۔اس سے زیادہ میری تیری رفاقت اور نہیں ہو سکتی۔

اس باب میں ایک اور شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

مٹھیوں میں خاک بھر کر دوست آئے وقت دفن
زندگی بھر کی محبت کا صلہ دینے لگے

(۱۱) فعل تو در خیست داں کن ملتجد کا ندر آید با تو ذر قعر لحد ؟

تیرا وہ ساتھی جو قبر میں تیرے ساتھ جائے گا۔وہ تیرا عمل ہے۔

(۱۲) پس پیمبر گفت بہر ایں طریق با وفا تراز عمل بنود رفیق

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔کہ عمل سے بہتر وفادار اور کوئی رفیق نہیں۔

(۱۳) گر بود نیکو ابدیارت بود در بود بد در لحد مارت بود

اگر عمل نیک ہے تو قیامت تک تیرے ساتھ نیک برتاؤ کرے گا۔اور اگر بد ہے تو وہ قبر میں بھی سانپ بن کر تجھے ڈستا رہے گا۔

تلاش خدا

تو خدا کی تلاش میں ہے۔ لیکن یہ نہیں جانتا کہ اللہ تیرے ساتھ ہے۔ بات یہ ہے۔ تجھ پر یہ راز ظاہر نہیں۔ مولانا رومی فرماتے ہیں۔ اس شخص کی مثال یہ ہے۔ اس سے یوں خطاب کیا جا سکتا ہے۔

(۱۴) یک سبد ناں ترا بر فرق سر — تو ہمے خواہی لب ناں در بدر

روٹیوں کا ٹوکرا تیرے سر پر ہے۔ اور تو روٹی کی تلاش میں دروازوں کی خاک چھان رہا ہے۔

(۱۵) در سر خود پیچ دہل خیرہ سرے — رد در دل زن چرا بر ہر درے

اپنے آپ کو دیکھ۔ اور آوارہ نظری چھوڑ دے۔ اپنے دروازہ پر دستک دے۔ دوسروں کے دروازے پر کیوں جاتا ہے۔

(۱۶) تا بزا نوئے میان آب جو — غافل از خود زیں و آں تو آب جو

تیرا حال یہ ہے کہ تو گھٹنوں تک ندی کے پانی میں ڈوبا ہوا ہے۔ اور پانی کی تلاش میں ہے۔ کاش کہ تجھ پر تیرا اپنا حال نمایاں ہو جاتا۔

عدل و ظلم

(۱۷) عدل چہ بود آب دہ اشجار را — ظلم چہ بود آب دادن خار را

عدل کیا ہے۔ درختوں کو پانی دینا۔ ظلم کیا ہے کانٹوں کو سینچنا۔

توکل اور کوشش

(۱۸) گر زلیخا بست در راہر طرف — یافت یوسف ہر ز جنبش منصرف

اگرچہ زلیخا نے یوسف کے لئے ہر طرف سے دروازے بند کر دیئے۔ لیکن جب حضرت یوسف علیہ السلام نے اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے کوشش کی تو اس کو اپنا معاون پا لیا۔ جوہر دروازے کا رخ بدل سکتا ہے۔

(۱۹) چون توکل کرد یوسف بر جہد — باز شد قفل درواہ شد پدید ؟

جب یوسف علیہ السلام نے خدا پر توکل کر کے کوشش کی۔ تو دروازہ کھل گیا۔ اور راستہ

پیدا ہو گیا۔

عشق خداوندی

(۲۰) تو بیک خواری گر یزانی ز عشق　　تو بجز نامے چہ مے دانی ز عشق

خدا کی محبت کا دعویٰ کرتا ہے۔ اگر ایک تکلیف پیش آ جاتی ہے۔ تو عشق سے بھاگ جاتا ہے۔ تو نام کے سوا عشق کے متعلق اور کیا جانتا ہے۔

(۲۱) عشق را صد ناز و اشکبار ہست　　عشق با صد ناز مے آید بدست

عشق کے سو ناز ہیں۔ غرور ہیں۔ ان کو برداشت کئے بغیر عشق ہاتھ میں نہیں آتا۔

(۲۲) عشق چوں دانی ست دانی مے خرد　　در حریف بے وفا مے ننگرد ؟

عشق وفا رشعار ہے۔ وہ وفا کا خریدار ہے۔ وہ بے وفا سے سخت بے زار ہے۔

کلام و خاموشی

(۲۳) چوں در آمد در زباں شد خرچ مغز　　خرچ کم کن تا بماند مغز نغز

جب مغز زبان میں آ جاتا ہے تو مغز خرچ ہو جاتا ہے۔ اسے کم خرچ کر تاکہ وہ محفوظ رہے۔

(۲۴) مرد کم گوئندہ را فکر پست رفت ؟　　قشر گفتن چوں فزوں شد مغز رفت

کم گو انسان کی قوت فکریہ بڑی مضبوط ہوتی ہے۔ جب انسان یاوہ گوئی سے کام لیتا ہے تو اس کا مغز جاتا رہتا ہے۔

شرع

(۲۵) گر نکردے شرع افسو نے لطیف　　بر دریدے ہر کسے جسم حریف

اگر شرع کا لطیف جادو بیچ میں نہ ہوتا۔ تو ہر شخص اپنے دشمن کا جسم چیر کر رکھ دیتا۔

(۲۶) شرع بہر دفع شر رائے زند　　دیوار در شیشہ حجت کند

شرع فساد اور شرارت کو مٹانے کے لئے فتویٰ دیتی ہے۔ حکم صادر کرتی ہے۔ اور دیو کو دلیل کے شیشہ میں بند کر دیتی ہے۔

(۲۷) از گواہ و از یمین و از نکول　　تا بشیشہ در رود دیو فضول

شرع گواہوں کے ذریعے قسموں کے ذریعے۔ سزاؤں کے ذریعے نابکار دیو کو شیشے میں اتارتی ہے۔

ارشاداتِ غزالی رضی اللہ عنہ

(۱) تکبر: اپنے تئیں بڑا جاننا برا ہے حقیقت میں یہ خدائے پاک کے ساتھ جنگ ہے۔ کیونکہ اصل میں بڑائی اسی کو سزاوار ہے۔

(۲) تحصیل علم کا مقصد: جو شخص علم حاصل کرنے کا خواہاں ہو۔ وہ پہلے یہ طے کرے۔ کہ آیا تحصیل علم سے اس کا مقصد کیا ہے۔ اگر صرف فخر و مباہات اور نمائش کیلئے پڑھتا ہے۔ تو یاد رہے کہ وہ اپنا دشمن ہے۔ اور اگر علم سے جہالت کا دور کرنا اور دوسروں کو فائدہ پہنچانا اور خدائے برتر کی رضا جوئی مقصود ہے اور ظاہر نمائش منظور نہیں تو سبحان اللہ۔

(۳) عادات انسانی: انسان کی عادات تین قسم کی ہیں۔ (۱) خلق اللہ کو فائدہ پہنچانا ان کی مدد کرنا۔ اور ان کے آرام و آسائش کا سامان مہیا کرنا۔ یہ ادنیٰ ترین درجہ ہے۔ (۲) نہ کسی کو ضرر پہنچانا اور نہ فائدہ۔ (۳) حق و ناحق دوسروں کو ستانا اور تکلیف پہنچانا۔

(۴) نظر کی حفاظت: فسق و فجور سے بچنا تاوقتیکہ نظر کی حفاظت نہ کی جائے۔ دشوار ہے۔

(۵) تمسخر: تمسخر اکثر قطع دوستی۔ دلشکنی اور دشمنی کا باعث ہوتا ہے۔ اسی سے دل میں حسد ہوتا ہے۔

(۶) عبادت: جو عابد محض جنت کے لطف اٹھانے کو عبادت کرتا ہے۔ وہ صاحبِ مرض اور جو شخص دوزخ کے اور جنت کی امید پر عبادت کرتا ہے۔ وہ اصل میں شکم پرست اور زن پرست ہے۔

(۷) توکل: بعض لوگ توکل کے معنے یہ لیتے ہیں کہ حصولِ معاش کی کوشش اور تدبیر نہ کریں مگر یہ خیال جاہلوں کا ہے۔ کیونکہ یہ شریعت میں حرام ہے۔

(۸) احمق اور عاقل: عاقل وہ ہے جو اپنے آپ کو ملامت کرے۔ اور خدائے جل و علیٰ کی عبادت اور اطاعت میں مشغول رہے۔ احمق وہ ہے کہ نفس پرست ہو اور خدائے برتر سے غافل۔

(۹) دل کی صفائی: برے کاموں سے بچنے کے لئے دل کی صفائی ضروری ہے۔ اور دل کی صفائی کے لئے تقویٰ لازمی ہے۔ اگر دل پاک ہے تو جسم پاک ہے اگر دل صاف نہیں تو تمام جسم میں فساد ہوگا۔

(۱۰) خباثت قلب: تین چیزیں خباثت قلب کو ظاہر کرتی ہیں۔ (۱) حسد، (۲) ریا، (۳) عجب۔

عقلمند کو ان سے بچنا چاہئے۔ جو شخص ان سے محفوظ رہے گا۔ وہ دوسری مصیبتوں سے محفوظ رہے گا۔ انسان جن لوگوں سے پورے طور پر واقف نہ ہو۔ اسے ان کی باتوں میں دخل نہ دینا چاہئے۔ اور ان کی باتیں بلا غور کئے بلا سوچے سمجھے تسلیم نہیں کرنی چاہئے۔ وہ اگر کوئی ناملائم بات بھی کہیں تو اس سے درگزر کرنا مناسب ہے۔ اور ان سے ربط ضبط زیادہ نہ رکھنا چاہئے۔

(۱۱) مہلک بیماریاں: اپنے آپ کو عظمت اور دوسروں کو حقارت کی نظر سے دیکھنے کا نام عجب ہے۔ نیک نصیحت کے ماننے کی طرف طبیعت کا مائل نہ ہونا۔ اور اپنی باتوں کی تردید سے رنجیدہ ہونا کبر ہے عجب و کبر و فخر نہایت مہلک بیماریاں ہیں۔

(۱۲) حاسد کی مثال: حاسد کی مثل اس شخص کی ہے جو اپنے دشمن کو مارنے کے لئے پتھر پھینکے۔ اور پتھر دشمن کو لگنے کی بجائے اس کی اپنی آنکھ پر آ لگے۔ اور وہ پھوٹ جاوے۔ اس سے اس شخص کو اور غصہ آوے۔ اور وہ پھر زور سے پتھر مارے اور وہ اسی طرح اس کی دوسری آنکھ پھوڑے۔ پھر اور پتھر مارے۔ اور وہ اس کا سر توڑ ڈالے۔ اسی طرح دشمن کی طرف پتھر پھینک پھینک کر آپ مجروح ہو۔ اور دشمن صحیح وسالم رہے اور مخالف دیکھ دیکھ کر ہنسیں۔

(۱۳) دشمن دوست: وہ دوست جو صرف تمہاری اچھی حالت کا دوست ہو اور آڑے وقت کام نہ آئے۔ اس سے بچنا چاہئے۔ کیونکہ وہ سب سے بڑا دشمن ہے۔

(۱۴) ذکر الٰہی: صبح کو سو کر سویرے اٹھنا چاہئے۔ اور سب سے پیشتر جو خیال دل میں آئے۔ یا زبان سے نکلے وہ خدائے پاک کا ذکر ہونا چاہئے۔

(۱۵) جہالت: اپنے آپ کو سب سے بہتر سمجھ لینا جہالت ہے بلکہ ہر شخص کو اپنے سے بہتر سمجھنا چاہئے۔

(۱۶) علم دین: علم دین وہ ہے جو خدا تعالیٰ کا خوف زیادہ کرے۔ ذاتی برائیوں سے واقف کرے، خدا کی عبادت کا دل میں شوق پیدا کرے۔ دنیا کی طرف سے ہٹائے دین کی طرف لگائے اور برے افعال سے مجتنب رکھے۔

(۱۷) دوستوں کی قسمیں: لوگوں کی اچھائیوں کو ظاہر کرنا چاہئے اور برائیوں سے چشم پوشی لازمی ہے دوست تین طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک دینی دوست جس میں سوائے دینداری کے اور کچھ نہیں [illegible] برگزیدہ ہوتے ہیں۔ تیسرا

دوست مونس جن میں شر اور فساد کچھ نہیں ہوتا۔

(۱۸) سعادت مند: سعادت مند وہ شخص ہے کہ جو لوگوں کی نصیحت مانے۔ جو کچھ خدا نے حکم دیا ہے۔ اس کی تعمیل کرنے اور جن کاموں کو خدائے برتر نے منع فرمایا ہے۔ اس سے باز رہنے کا نام سعادت مندی ہے۔

(۱۹) وقت کی حفاظت: وقت کی حفاظت کا سب سے بہتر طریق یہ ہے کہ ہر وقت کیلئے ایک خاص کام مقرر ہووے۔ اور اس کے خلاف نہ ہووے اس طرح التزام کرنے سے وقت کی برکت معلوم ہوتی ہے۔ نیک آدمی وہ ہے جو خدا کے نزدیک بھی نیک ہو۔

(۲۰) عالم کی خصوصیات: عالم کو بردبار حلیم الطبع اور صاحب وقار ہونا چاہئے۔ تمسخر اور مزاح سے بچنا چاہئے۔ جو بات نہ معلوم ہو اس کے اظہار میں شرم نہ چاہئے اور باعمل ہونا چاہئے۔ کیونکہ بلا عمل کے دوسروں پر کوئی خاطر خواہ اثر نہیں پڑ سکتا۔

دانشور یونان حکیم ارسطاطالیس کی تصریحات

(۱) عقل: عقل وہ جوہر ہے۔ جو انسان کو فضیلت مآب بناتا ہے۔ سلسلہ نسب کسی کے لئے باعث فخر نہیں ہو سکتا۔ نسبی فضیلت پر فخر کرنیوالا احمق ہے۔

ع کہ درین راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

(۲) حسن اخلاق: حسن اعتبار سے انسان ضرب المثل ہو جاتا ہے اور حسن اخلاق سے زندگی راحت و آرام سے بسر ہوتی ہے۔

(۳) قضا و قدر: دنیا میں ہر چیز کا زائل اور منتقل ہونا ممکن ہے مگر طبیعت کا اور دنیا میں ہر چیز سے بہانہ چل سکتا ہے۔ مگر قضا و قدر سے نہیں چل سکتا۔

(۴) حاکم: اگر بادشاہ کو خلق خدا کی آسائش اور راحت منظور ہے تو ایسے حکام مقرر کئے جائیں جو بالطبع نیک اور منصف مزاج ہوں۔ ملک و دولت کو حکام بد طینت کی ذات سے زیادہ کوئی چیز ضرر نہیں پہنچا سکتی۔

(۵) قناعت و دولت: صرف دولت مندی آدمی کو مستغنی نہیں بناتی۔ مگر قناعت ہی باعث استغنا ہے۔

(۶) علم و جہل: جو شخص تحصیل علم کی مشکلات کا متحمل نہیں ہو سکتا اسے جہل کی سختیاں برداشت کرنی پڑتی ہیں۔

(۷) پرانی دوستی: جو نئی چیز ہوتی ہے وہ اچھی ہوتی ہے۔ مگر دوستی جتنی پرانی ہوتی ہے اتنی ہی عمدہ اور مضبوط ہوتی ہے۔ زہد تقویٰ یقین سے، یقین صبر سے، اور صبر فکر سے مستحکم ہوتا ہے۔

(۸) غنا و بقا: وہ غنا حاصل کرنا چاہئے جو فنا نہ ہو۔ اسی زندگی کی جستجو چاہئے جس کو تغیر نہ ہو۔ وہ ملک طلب کرنا چاہئے جو بے زوال ہو۔

(۹) متقدمین: متقدمین کے حالات اور واقعات سے سبق حاصل کرنا چاہئے اور پرانی باتیں یاد رکھنی چاہئیں۔

(۱۰) جواب: جواب دینے میں جلدی نہ کرنا چاہئے تاکہ آخر میں خفت اور شرمندگی نہ ہو۔

(۱۱) خاموشی: خاموشی انسان کا وقار بڑھاتی ہے۔ اور صاحب اعتبار بناتی ہے۔

(۱۲) علم و حکمت: علم و حکمت دونوں چیزیں اللہ جل شانہ کا عطیہ ہیں۔ حکمت زندگی کی روح اور خدائے پاک کی عطا فرمائی ہوئی عقل کا مادہ ہے۔

(۱۳) نیک اوصاف: سخاوت کرنے سے بزرگی حاصل ہوتی ہے۔ عدالت سے دشمن زیر ہوتا ہے۔ عفت طہارت اعمال کا موثر ذریعہ ہے۔

(۱۴) تجربہ کار: جو شخص تجربہ کار ہے اسے طبیعت پر بہر حال فضیلت ہے۔ تجربہ کی کوئی حد نہیں۔ حاکم اور رعیت کا تعلق اس طرح ہے کہ جس طرح روح اور جسم کا بلا روح کے جسم بے کار ہے۔

(۱۵) اپنی اصلاح: ہر شخص پہلے اپنی اصلاح کرے۔ تاکہ اس کی پیروی دوسرے لوگ کریں۔

(۱۶) رشک: رشک سے انسان کو بچنا چاہئے۔ مگر جس رشک سے اصلاح کی امید ہو اسے بالضرور اختیار کرنا چاہئے۔

(۱۷) اقبال و زوال: صاحب اقبال اوپر چڑھتا ہے۔ اس لئے اس کی حرکت تیز نہیں ہوتی۔ برخلاف اس کے صاحبِ زوال چونکہ مائل بہ پستی ہوتا ہے۔ اس لئے اس کی رفتار تیز ہوتی ہے۔ جیسے پتھر جو اُوپر سے نیچے کی طرف آرہا ہو۔

(۱۸) ذلت و عزت: بخیل چاہے دولت مند ہو۔ مگر اسے ذلت حاصل ہوگی۔ سخی چاہے روپیہ

پیسہ نہ رکھتا ہو۔ مگر لوگ اس کی عزت ہی کریں گے۔

(۱۹) عادتیں: سعدیؒ

بخیل ارچہ باشد تونگر بمال

بخواری چو مفلس خورد گو شمال

تمہاری بری عادتیں تمہاری سب سے بڑی دشمن۔ اور نیک عادتیں سب سے بڑی دوست ہیں۔

(۲۰) قناعت: اگر انسان دولت مند ہونا چاہتا ہے تو اسے قانع بننا چاہئے۔ کیونکہ اگر قناعت نہ ہو گی۔ تو اسے تمام دنیا کی دولت چاہے وہ کتنی ہی ہو آسودہ نہیں کر سکتی۔

(۲۱) انعام: انعام لینے سے انکار کرنا۔ انکار کرنے والے کی بدنصیبی کا باعث ہے۔

ع ہر چہ از دوست میر سد نیکو ست

(۲۲) غور و فکر کی عادت: جس شخص کی عادت ہر ایک امر میں غور و فکر سے کام لینے کی ہے۔ وہ اعلیٰ درجہ کا بصیر اور وسیع النظر ہوتا ہے۔

(۲۳) عالم کا امتحان: عالم کا امتحان مقدار علم سے نہیں۔ بلکہ عمل سے ہوتا ہے۔

(۲۴) ذلیل: ذلیل آدمی خوف سے مطیع ہو جاتے ہیں، مگر عمدہ اخلاق والے لوگ خوش اخلاقی سے ہی قابو میں آسکتے ہیں۔

(۲۵) شہرت: فرمانرواؤں کی شہرت تین باتوں سے بڑھتی ہے۔ اول رفاہ آمیز قوانین نافذ کرنے سے دوم۔ ملکوں کے فتح کرنے سے۔ سوم۔ ویران ملکوں کے آباد کرنے سے۔

(۲۶) گمشدہ پر افسوس: جو چیز جاتی رہے۔ اس پر افسوس نہ کرنا چاہئے۔ یہ عادت بچوں اور کم عقلوں کی ہے۔

(۲۷) ظلم و عیب: یہ بھی سخاوت و کرم میں داخل ہے کہ لوگوں پر ظلم نہ کیا جاوے۔ اور ان کے عیبوں کے معلوم کرنے کی خواہش نہ کی جائے۔

(۲۸) اعلیٰ زندگی: اعلیٰ زندگی کی نشانیاں چار ہیں۔ اول۔ نیک گفتار ہونا۔ دوم۔ نیک کردار ہونا۔ سوم۔ نیک نیت ہونا۔ چہارم۔ نیک صحبت ہونا۔

حکیم سقراط کی باتیں

(۱) نیکی اور پاکیزگی: صرف نیکی اور پاکیزگی ہی سے خوشی نصیب ہو سکتی ہے۔ جس پر نفسانی خواہشوں کا غلبہ ہوتا ہے۔ وہ رسوا ہوتا ہے۔

(۲) احتیاط: جس چیز سے تم اچھی طرح واقف نہیں اسے مت کہو۔ جس چیز کی ضرورت نہیں۔ اس کی جستجو مت کرو۔ اور جو راستہ معلوم نہیں۔ اس پر سفر مت کرو۔

(۳) موسم بہار: ہر زمانہ میں موسم بہار موجود رہتا ہے۔ یعنی انسان ہر وقت علم و ہنر حاصل کر سکتا ہے۔

(۴) موت اور زندگی: سقراط سے سوال کیا گیا کہ موت سے بھی سخت تر کوئی چیز ہے۔ اس نے جواب دیا کہ زندگی۔ کیونکہ ہر قسم کے رنج اور آزاد اور مصیبتیں زندگی ہی میں سہنی پڑتی ہیں اور موت ان سے رہائی دلاتی ہے۔

(۵) نفس: نیک اور بد نفس کی شناخت اس طرح ہو سکتی ہے کہ نیک نفس سچ بات کو جلد مان لیتا ہے اور بد نفس بری اور خراب چیزوں کی خواہش اور حرص میں مبتلا رہتا ہے۔

(۶) فلسفہ: فلسفہ عین تہذیب ہے۔

(۷) کیا ضروری ہے: بچپن میں شرم و حیا۔ نوجوانی میں اعتدال اور پیری میں کفایت شعاری اور عاقبت اندیشی ضروری ہے۔

(۸) محنت کا پھل: سیاہ چیز بو کر سفید چیز کاٹ لو یعنی محنت اور سختیاں جھیل کر اس کا پھل جو میٹھا ہوتا ہے۔ چکھو۔

(۹) علم کا فائدہ: ایک شخص نے سقراط سے سوال کیا۔ کہ علم سے تجھ کو کیا نفع ہوا۔ اس نے جواب دیا کہ اس سے زیادہ اور کیا نفع ہو تا کہ میں دریا کے کنارے پر سلامت ہوں۔ اور جہلا اس میں ڈوب رہے ہیں۔

(۱۰) قابل رحم: تین آدمی قابل رحم ہیں۔ اول وہ نیک دل جو کسی بد کے تابع ہو۔ دوم وہ صاحب عقل جس کا آقا جاہل ہو۔ سوم وہ سخی جو کسی کنجوس کا دست نگر ہو۔

(۱۱) نیک بات: نیک بات کے تسلیم کرنے میں صرف اس خیال سے کہ اس کا کہنے والا ایک حقیر

آدمی ہے۔ شرم نہ کرنی چاہئے۔

(۱۲) غمگین: ایک شخص نے سقراط سے سوال کیا۔ کہ اس کا کیا سبب ہے۔ کہ میں نے تجھے کبھی رنجیدہ اور غمگین نہیں دیکھا۔ اس نے جواب دیا۔ کہ میں اپنے پاس کوئی چیز نہیں رکھتا جس کے تلف ہونے کا مجھے غم ہو۔

(۱۳) کامل انسان: کامل انسان وہ شخص ہے جس سے اس کے مخالف بھی بے خوف ہوں۔ اور وہ شخص کامل انسان نہیں ہے جس سے اس کے دوست بھی خائف ہوں۔

(۱۴) نصیحتیں: افلاطون جو سقراط کا شاگرد تھا۔ سفر کو جا رہا تھا۔ اس وجہ سے وہ سقراط کے پاس آیا اور اس سے کہا کہ مجھے کچھ نصیحت فرمائیے۔ تاکہ اثنائے سفر میں میں اس پر کاربند رہوں۔ سقراط نے کہا کہ راستہ میں اگر کوئی اجنبی ملے تو اس سے خائف رہنا۔ اور اگر شناسا مل جائے تو اس سے بدگمان نہ ہونا۔ برے آدمی سے ہمیشہ بچتے رہنا۔ اپنے قیام سے شب کو باہر نہ جانا۔ ان رستوں پر جن پر لوگ بہت کم چلتے ہیں۔ باوجود قلیل مسافت کے مت چلنا۔ بلکہ شارع عام پر چلنا۔ خواہ راستہ لمبا ہی کیوں نہ ہو۔

ع راہ راست برد گرچہ دُور است

(۱۵) نیکی: جب انسان کسی کے ساتھ اور کسی طرح کی نیکی نہ کر سکے۔ تو کسی احسن طریق سے اس کی برائیوں سے ہی اسے مطلع کر دے۔ ایسا کرنا بھی نیکی میں شامل ہے۔

(۱۶) جاہل: ایک محفل میں سقراط بیٹھا ہوا تھا۔ وہاں ایک جاہل شخص آکر صدر مقام پر بیٹھ گیا۔ کسی نے سقراط سے دریافت کیا کہ کیا تجھے اس بے وقوف کی یہ ناشائستہ حرکت بری معلوم نہیں ہوئی۔ سقراط نے جواب دیا کہ برا ماننے کی کیا وجہ ہے۔ کیونکہ اس مکان کی دیواریں...... سب سے زیادہ بلند ہیں۔ لیکن ان کی بلندی کا کوئی خیال بھی نہیں کرتا۔ میں ان جہلا کو ان دیواروں اور خاک پتھر سے زیادہ نہیں سمجھتا۔

(۱۷) ڈر: جو خدا سے نہیں ڈرتا وہ سب سے ڈرتا ہے۔ اور جو شخص خدا سے ڈرتا ہے۔ وہ کسی سے نہیں ڈرتا۔

(۱۸) عقل اور لوہا: لوہا صرف لڑائی کے وقت سونے سے زیادہ بیش قیمت سمجھا جاتا ہے مگر عقل ہر جگہ اور ہر وقت سونے سے زیادہ قیمتی ہے۔

(۱۹) موت: موت حقیقت میں انسان کی نئی زندگی کا دروازہ ہے۔

(۲۰) علم سے محروم: جو علم سے محروم ہے وہ مثل تنِ بیجان کے ہے۔

(۲۱) مُردہ: جو شخص اچھے اور برے میں تمیز نہ کر سکے۔ اس کا شمار مُردوں میں ہے۔

(۲۲) دانا: عزت اور ذلت بے سود ہے۔ اگر دانائی اور راستبازی نہ ہو۔ دانائی اور راستبازی بہترین دولت و عزت ہے۔

(۲۳) نیک: دو شخص نیک ہیں۔ ایک۔ حق کہنے والا، ۲۔ حق سننے والا۔

(۲۴) دین اور مال: عالم دین کا طبیب ہے۔ اور مال دین کا مرض ہے۔ جب خود طبیب مرض میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اس سے دوسروں کا علاج نہیں ہو سکتا۔

حکیم افلاطون کے اقوال

(۱) زندگی: زندگی جب تک نیک کاموں کا ذریعہ نہ ہو۔ وہ شائستہ نہیں کہی جا سکتی۔

(۲) فلسفہ: فلسفہ اخلاق کی درستی اور شائستگی کا علم ہے۔

(۳) قول و عمل: انسان صرف باتوں کا حکیم نہ ہو۔ بلکہ قول اور عمل دونوں کا حکیم ہو کہ قولی حکمت دنیا میں اور عملی حکمت آخرت میں کام آوے۔

(۴) حکمت: یاد رکھ کہ خدا تعالیٰ کے سارے عطیوں میں سے حکمت سب سے بڑھ کر ہے۔ اور حکیم وہ شخص ہے جس کے قول اور فعل دونوں ایک ہوں۔

(۵) مسرت بخش زندگی: اگر انسان اس عالم میں مسرت بخش زندگی بسر کرنا چاہتا ہے۔ تو اسے راستباز ہونا ضروری ہے۔ اس صفت کے حاصل کرنے کے بعد اس کی مصیبتوں اور تکلیفوں کا خاتمہ ہو جائیگا۔ مگر اس سے پہلے نہ ہوگا۔

(۶) مستحق کی امداد: عاجز اور بیکس کی مدد کرنی چاہئے۔ جو لوگ امداد کے مستحق ہوں۔ ان کی امداد کرنے میں ان کے سوال کا منتظر نہ رہنا چاہئے۔

(۷) حکیم: وہ شخص حکیم نہیں جو دنیاوی لذتوں سے خوش ہو اور مصیبتوں سے مضطرب ہو۔

(۸) طلب: خدا سے ایسی چیزیں مت چاہو جس کا نفع دیرپا نہ ہو۔ بلکہ باقیات الصالحات کے خواہاں ہو۔

(۹) دو برائیاں: ہر روز اپنا منہ آئینے میں دیکھا کرو۔ اگر بری صورت ہے تو برا کام نہ کرو۔ تاکہ دو برائیاں نہ جمع ہوں۔ اور اگر اچھی صورت ہے تو اس کو برا کام کر کے خراب نہ کرو۔

(۱۰) عقل اور کم عقل: افلاطون سے پوچھا گیا کہ تو نے عقل کس سے سیکھی۔ اس نے جواب دیا کہ کم عقلوں سے کیونکہ جو فعل ان کا مجھے ناپسندیدہ معلوم ہوا۔ میں نے ترک کر دیا۔

(۱۱) غصہ: غصہ کی مقدار بات چیت میں اتنی ہونی چاہیے۔ جیسے کھانے میں نمک۔ کہ جب تک اندازہ پر رہتا ہے۔ تو ہاضم ہوتا ہے ورنہ فاسد۔

(۱۲) اہل علم کا امتحان: اہل علم کا امتحان اس کی کثرت علم سے نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ دیکھنا چاہیے کہ وہ فتنہ انگیز باتوں سے کیسے بچتا ہے۔

(۱۳) عقلمند: انسان جس قدر عقلمند ہو اسی قدر اپنے آپ کو نادان سمجھے۔ اور جو چیز نہ جانتا ہو۔ اس کے حاصل کرنے میں شرم نہ کرے۔

(۱۴) مشورہ: بہت سے نقصانات انسان کو اس وجہ سے پہنچتے ہیں کہ وہ لوگوں سے مشورہ نہیں لیتا۔

(۱۵) بے عمل: وہ شخص جو دوسروں کو اس بات کے لئے کہے جو خود وہ نہیں کرتا۔ بمنزلہ ایک اندھے کے ہے جس کے ہاتھ میں روشنی بتانے کیلئے چراغ ہو۔

(۱۶) کنارہ کشی: جو شخص لوگوں سے کنارہ کشی کرتا ہو تو اس سے مل۔ اور جو شخص لوگوں سے ملنے کا عادی ہو۔ تو اس سے کنارہ کشی کر۔

(۱۸) طلب علم: طلب علم میں شرم مناسب نہیں۔ کیونکہ جہالت شرم سے بدتر ہے۔

(۱۸) فخر: انسان کا فخر اس میں ہے۔ کہ فخر نہ کرے۔ اور باوجود بڑا ہونے کے اپنے آپ کو کمتر سمجھے۔

اخلاقیات

افلاطون وارسطو کے تصورات

یہودیت وعیسائیت کے نظریات

نفسیات کا تیسرا شعبہ اخلاقیات ہے۔ اخلاقیات میں بری بھلی عادات و خصائلِ انسانی کی علیحدہ علیحدہ فہرستیں مرتب کی جاتی ہیں۔ حیات انسانی کا کارخانہ بہت سی قوتوں کی ہم آہنگی سے چل رہا ہے، امیال و عواطف، خواہشات و میلانات، مختلف احتیاجات وغیرہ یہ سب اسی کارخانے کے کل پرزے ہیں۔

انسان ایسی مصروف کار ہستی ہے کہ وہ منتہائے حیات تک کچھ نہ کچھ کرتی اور کسی نہ کسی کام میں مصروف رہا کرتی ہے۔ ایک حد تک وہ ذی اختیار بھی ہے۔ ترتیب وانتظام میں اس کا عزم وارادہ اور افعال کا پروگرام اسی کی خواہش ومیلان کا تابع ہے۔ اپنے ہم جنسوں کے ساتھ سلسلہ معاشرت میں رہ کر منفعت و مضرت میں سے جس نہج کو چاہے اختیار کر سکتا ہے۔ اس میں ایک ایسی بسیط قوت ہے۔ جس کے اختیار کی باگ اسی کے عزم وارادہ کے ہاتھ میں رہتی ہے۔ یہ اپنے اختیار سے کام لے کر اگر چاہے تو جفاکش، مستعد، محنتی بھی بن سکتا ہے۔ اور کاہلی کی پوٹ بھی، اہم اور پرپیچ معاملات کی گتھیاں سلجھانے کی بھی اس میں استعداد ہے۔ اور سطحی ورسمی باتوں میں الجھ کر رہ جانے کی بھی۔

عزم انسانی کی غایت

عزم انسانی کی کوئی نہ کوئی غایت ہونا لازمی اور ضروری ہے کیونکہ تنہا ارادہ کا وجود بغیر کسی غایت و مقصد کے ہو ہی نہیں سکتا، انسان جب نصب العین کی طرف ارادہ کی باگ پھیرتا ہے۔ جس مقصود وغایت تک افعال کی مدد سے پہنچنے کی کوشش کرتا ہے۔ اخلاقیات اسی مقصد وغایت کی نوعیت کو جانچتی اور اس کی ٹوہ میں رہتی ہے۔ اخلاقیات ہی سے انسان یہ سبق حاصل کرتا ہے کہ

کس قسم کی رفتار سے شاہراہ حیات طے کرنا چاہئے اور زندگی کا مقصود کس چیز کو قرار دیا جائے۔ اخلاقیات کو نوعیتِ عمل کی تعیین اور تشکیلِ حیات کی تخصیصی تعلیم و تربیت کا ایک مہتم بالشان کالج کہیں تو نامناسب نہیں۔

علم الاخلاق

فکرِ انسانی یہ وہ اعجوبہ زا قوت ہے کہ جس سے وہ خود اپنی حقیقت و ماہیت معلوم کرتے اور اس میں منہمک ہونے کے لائق بن جاتا ہے۔ اور اسی قوت کی بدولت انسان اپنی ہستی کی غرض و غایت کے معلوم کرنے کی قابلیت پیدا کر لیتا ہے۔ اسی سے درست نادرست افعال میں امتیاز کرتا ہے اور اپنے افعال و کردار کی رہبری کے لئے اصول و قوانین معین کرتا ہے۔ ان قوانین و قواعد کے معلوم کرنے کے واسطے اسے غیر معمولی دقت نظری سے کام لینا پڑتا ہے اور کافی غور و خوض کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اسی قسم کے سوچ بچار کے مجموعہ کو علم الاخلاق کہتے ہیں۔

انسانی افعال کے ماخذ اور محرکاتِ ارادی۔ افعال اور ان کے ماخذ، اخلاقی احکام اور وجدانیات قوانین و مقاصد کی تحقیق وغیرہ ان میں سے ہر ایک کا جانچنا۔ پرتالنا۔ بحث کرنا علم الاخلاق سے متعلق ہے۔ وہ کون سے محرکات ہیں جن سے بعض اوقات اس وقت و حالت کے مدنظر انسان میں ایک خاص طرز پر کام کرنے کی رغبت پیدا ہوتی ہے۔ خیر و شر کا علم انسان کو کون سی راہ اختیار کرنے کی ہدایت کرتا ہے۔ اور اس معلومات کی سوغات انسان کے پاس کہاں سے آتی ہے؟ علم اخلاق ہی اس قسم کے استفسارات و سوالات کے جواب دیتا ہے۔

ضمیر

ایک مہذب انسان بجائے خود محسوس کرتا ہے کہ اسی میں ایک صدائے مستتر۔ ایک صورت پنہاں ایک ندائے مخفی کا ایسا مستقل وجود ہے جو صواب و خطا مفید و غیر مفید، اخلاقی اور غیر اخلاقی افعال میں حدود کھینچتی اور نوعیت عمل پر نظر ڈال کر ایک معین طریقۂ عمل اختیار کرنے کا مشورہ دیتی ہے۔ اس قسم کی صوت ہادی ضمیر کے نام سے موسوم ہے (۱)۔ یہ اطلاع باطن خارجی اقتدار کی قیود سے یکسر بے نیاز ہے۔ حاسۂ اخلاق اس وقت سے انسان کا رفیق حیات ہے۔ جب فلسفیانہ دقیقہ رسی نے اخلاقی مسائل کو ہاتھ تک نہیں لگایا تھا۔ مگر اس وقت بھی حاسۂ اخلاق ہی کے

---

(۱) شریعت اس طرح کی صوت ضمیر "لطف خفی" سے تعبیر کرتی ہے۔

معین کیئے ہوئے طرقِ اعمال پر انسان عمل پیرا ہونے کے لئے مجبور تھا۔ احساساتِ وجدان، اور تصورات مذہبی اس کے ماخذ تھے۔ یا ایسے فیصلے جن پر عملی اغراض کے واسطے کسی جماعتِ انسانی نے چند ضابطے اور قاعدے ترتیب دیئے تھے۔ اس طرح کے قواعد کی نوعیت سر تا سر رواجی ہی رواجی تھی۔ جن کی اغراضِ عملی پر بنیاد تھی۔ اور قانون خارجی کے تابع تھی۔ کثرت استعمال نے ان قواعد کو مستند بنایا اور آگے بڑھ کر یہ ضروری اور لازمی ہوگئے۔ انہیں سے رسم و رواج اور عادت کی کونپلیں پھوٹیں اور ارتقاء کی روئیدگی کا قدم آگے بڑھا۔ یہاں تک کہ انہیں کی پابندی خوش اخلاقی بن گئی اور خلاف ورزی بداخلاقی۔

فلسفہ اخلاق کا کام کیا ہے۔ رسم و رواج اور عادات کو یکجا کر کے ترتیب دینا۔ رواج اور ضوابط کی تفتیش و تحقیق کے بعد ان کو پسند یا ناپسند کرنا۔ اخلاقیات، اخلاقی سرمایہ کو فراہم کر کے اس سے ایسے قاعدے اخذ کرتی ہے۔ کہ جو افعالِ انسانی کو افراط و تفریط سے بچا سکیں۔ اور یہی اخلاقیات انسان کو اس امر کی تعلیم دیتی ہے۔ کہ اسے اثنائے حیات میں کس طرح عمل پیرا ہونا چاہیئے۔

دوسروں کی خواہشات

تجربہ عام کی یادداشت دیکھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ نہ صرف انسان کو اپنی مرضی کے مطابق عمل اختیار کرنا چاہیئے بلکہ اس کے خلاف بسا اوقات اسے اس قسم کے افعال سے جو اس کے لئے انبساط آور ہیں۔ احتراز کی ضرورت بھی پیش آتی ہے۔ اور دوسروں کی خواہش کی متابعت کرنی پڑتی ہے۔ اس بنا پر انسان مجبور ہے۔ کہ انسان اپنے عزم و ارادہ کا نقشہ ماحول اور اقتضائے حالات کے موافق مرتب کرے، خیر و شر، نیک و بد یہ الفاظ جس طرح پہلے اختلاف کا مرکز تھے۔ اسی طرح اب بھی بہ دستور سابق اسی حد پر قائم ہیں۔ وقت و مقام۔ صورت اور حالات ایک ہی فعل کو کچھ سے کچھ بنا دیتے ہیں۔ ایک صورت میں وہی ایک فعل اچھا اور دوسری صورت میں وہی اچھا برا خیال کیا جاتا ہے۔ کسی وقت وہ مقام سے ایک فعل محمود اور اس کی تبدیلی سے پھر وہ محمود نہیں رہتا۔ بلکہ بالعکس مذموم شمار کیا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ خیر و شر کے تصورات کی تجدید کی ضرورت اخلاقیات کو پیش آتی رہتی ہے۔ اور اس قسم کے تصورات کا تغیر زمانی کے ساتھ تغیر پذیر ہونا اور ترقی پانا یا ان کے عدم تغیر وغیرہ کی نسبت کافی تحقیق و ثبوت اسے مہیا کرنا پڑتا ہے۔

اخلاقیات انسان میں حیات اخلاقی کا نمایاں شعور ظاہر کرتی اور وہ تصوراتِ اخلاقی جن کی مروجہ رسم و رواج نے تشکیل دی ہے۔ انکی صحت و سقم کے جانچنے اور پرتالنے کے لئے معیار معین کرتی ہے۔ منتہائے اصول اخلاق کی تفہیم یا قواعد اخلاق کے ترک و اختیار کرنے کا صحیح مشورہ اور انسانی میلانات و افعال کی تنقید، اعمال انسانی کی نوعیت کا اظہار اور حیات انسانی پر کردار کی نوعیت اثر، عزم انسانی کی رہبری، وجود اشیاء کی دلیل اخلاق کی سراغرسی اور اس قسم کے اشیاء کی قدر و منزلت کی تعیین جن کا انحصار انسان کے ارادہ پر ہے۔ تشکیل حیات انسانی کی نوعیت اور انضباط افعال انسانی، یہ جملہ فرائض اخلاقیات ہی انجام دیتی ہے۔ اخلاقیات ہی کی تعلیم سے انسان مقصد حیات کا تعین کر سکتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اس مقصد کے حاصل کرنے کیلئے کتاب حیات کے اجزاء کو کس طرح ترتیب دینا چاہیئے اور افعال کے سلسلہ کو کس طرح مسلسل بنایا جائے تاکہ حصول مقصد میں کوئی رکاوٹ باقی نہ رہے۔

افعال انسانی کی تعظیم

افلاطون اور خاصکر ارسطو نے حقائق اخلاق پر غور و خوص کی ابتداء کی، اس کے یہ معنی نہیں کہ ان دونوں میں سے کوئی اخلاقیات کا موجد ہے نہیں اس سے بہت پیشتر ذہنِ انسانی افعال کی تنقید، خیر و شر اور اخلاقی غیر اخلاقی، افعال میں امتیاز کرنے کا خوگر ہو چکا تھا۔ واقعات د مواد کو یکجا کر کے ان کے اسباب و محرکات کی نوعیت کو عقل بشری نے معلوم کرنے کی کوشش کی۔ مثلاً قتل و خونریزی، رہزنی، غارتگری، یہ افعال کیوں اچھے نہیں۔ دروغ گوئی کس لئے مذموم ہے۔ صداقت و راستی کس بناپر اچھی ہے۔

ذیل کے خیال سے فلسفہ اخلاق کا یونان میں آغاز ہوا۔ ایک خیر برتر جلوہ گر ہے۔ جس کے تجسس میں انسان سراسیمہ پڑا پھرتا ہے۔ اس خیر برتر کی حیثیت ذریعۂ و آلہ کی سی نہیں۔ یعنی یہ کسی اور شے کے حاصل کرنے کا ذریعہ نہیں۔ بلکہ اس خیر برتر کی حیثیت ایک مہتم بالشان مقصد کی ہے۔ یہ ایسا مقصدِ وحید ہے، جسے عمل کے ذریعہ سے انسان پا سکتا ہے۔ اس کے حاصل کرنے کے لئے افعال انسانی کی تنظیم کی ضرورت ہے۔ یہ خیر۔ مسرت کے نام سے نامزد کی جاتی ہے۔ جسے کردار انسانی بطور ایک اعلیٰ مقصد کے جس کے تمام اغراض و مقاصد تابع ہیں حاصل کرنے کی

خواہش مند ہے۔ اعلیٰ سے اعلیٰ اور بڑی سے بڑی انفرادی مسرت انتہائی خیر ہے۔ اسے ماننے کے بعد یونانی فلسفہ اخلاق نے یہ اہم استفسار پیدا کیا کہ اعلیٰ سے اعلیٰ انتہائی مسرت کون سی ہے۔ کیا ہے؟ اور اس کے حصول کے امکانی ذریعے کیا کیا ہیں۔ اس کے جوابات مختلف طور پر دیے گئے۔

علم صداقت

سقراط کہتا ہے کہ بڑی سے بڑی مسرت "علم صداقت" میں مضمر ہے۔ علم وہ نیکی ہے جو بہ امعان نظر مطالعہ سے کسب کی جاتی ہے۔ سقراط اس امر کی تعلیم دیتا ہے کہ کوئی شخص جب تک اس کو علم نہ ہو جائز عمل و ناجائز طریقہ کا استعمال عمداً نہیں کر سکتا۔ اگر ایسا شخص کسی فعلِ ناروا کا مرتکب ہوا ہے، تو اس کا سبب محض عدم علم ہے۔ کیونکہ وہ اس سے بالکل ناواقف ہے۔ کہ صاف اور سیدھا راستہ کون سا ہے۔ ذی ہوش و ذی عقل شخص ہی نیک کردار اور مسرت حاصل کر سکتا ہے۔ کیونکہ وہ مقصد علم سے بخوبی آشنا ہے۔ اور حقیقتہً یہ علم ہی اعمال انسانی کا مقصدِ اعلیٰ اور فضیلت و نیکی کے ہم معنی ہے۔ مگر فضیلت و عدل، علم و فکر کی شرکت کے بغیر محض تربیت و عادت کی بنا پر حاصل ہوں۔ تو یہ طریقہ اس بنا پر چنداں محمود نہیں قرار پا سکتا کہ عمل کی سلسلہ جنبانی علم کے بغیر گھٹاٹوپ تاریکی میں کسی چیز کے ٹٹولنے کے مساوی ہے۔ اس میں کلام نہیں کہ کبھی اتفاق سے یہ طرز ٹھیک اور سیدھے راستہ پر بھی لگا دیتا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اس طریقہ سے تسکینِ باطن اور طمانیتِ خاطر نصیب نہیں ہوتی۔ یہاں پہنچ کر تصور خیر کی صحیح تعریف معلوم کرنے کی ضرورت ہے۔

خیر کیا ہے؟

افلاطون اور اس کے ہمنوا کہتے ہیں کہ خیر وہ ہے۔ جو سرمایہ مسرت عطا کرتا ہے اور عدل وہ ہے جس کی تحصیل کی انسان میں قوت مخفی و پنہاں ہے۔ افلاطون کے نزدیک عدل اور خیر رائے سے آزاد اور تصور الہیت کے مماثل ہیں۔ افلاطون نے اپنے نظامِ اخلاقیات کی بنیاد مابعد الطبیعیات پر رکھی۔ اسی کی یہ تعلیم ہے کہ فن کردار انفرادی اور اجتماعی حیاتِ انسانی میں اس قسم کی ترتیب و موافقت پیدا کرنے کی سعی پر مشتمل ہے جو اس عالم کے صفاتِ اساسی میں داخل ہیں۔ اور اس خیر برتر سے تشابہ پیدا کرنا جس سے روحِ انسانی اپنی حیاتِ ارضی سے پہلے دولت نظارہ حاصل کر چکی

تھی۔اس کے حصول کے لئے فضائل چہار گانہ کا اکتساب ضروری اور لازمی ہے، یعنی:

حکمت (۱)، عفت (۲)، شجاعت (۳)، عدالت (۴)۔

مملکت کی تنظیم و تشکیل سے عدل پایۂ تکمیل پر پہنچتا ہے۔ان فضائل چہار گانہ میں مقدم الذکر یعنی حکمت اور موخر الذکر یعنی عدالت، انہیں دو فضیلتوں کی بہت زیادہ اہمیت ظاہر کی گئی ہے۔اور کہا گیا ہے کہ سب سے بڑھ کر حکمت اور عدل کے مطابق انسان کو عمل پیرا ہونے کی سخت ضرورت ہے۔

انسانی زندگی کی غایت

آگسٹے کامٹ کا بیان ہے کہ ارسطا طالیس حقیقت پسند مفکرین کا سر خیل اپنی اخلاقیاتی تحقیق میں ابتداء افلاطون کے اس سوال سے کرتا ہے۔کہ انسانی زندگی کا اعلیٰ اور انتہائی مقصد و غایت کیا ہے۔کون سی انتہائے خیر کے حاصل کرنے کی انسان کو خواہش ہے۔اس کی تعلیم کا خلاصہ یہ ہے کہ تمام اعضا والی ہستیوں میں صرف ایک انسان ہی ایسی ممتاز و نمایاں ہستی ہے۔کہ جو احساس و خواہش کے علاوہ عقل بھی رکھتی ہے۔تنزل اس کا حیوانیت سے ہمدوش ہے اور اس کی عقل و فہم خدائے برتر سے تشابہ رکھتی ہے۔حیوانی اور عقلی قوتوں کی قربت و اتصال سے انسان اخلاقی ہستی بن جاتا ہے۔اس لئے کہ حیوانی و عقلی عنصروں کے اتحاد و ہم آہنگی ہی اخلاق کے نام سے موسوم ہے۔محض تخیل کی بستیاں بسانے والے پر اخلاق کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا۔بلکہ حقیقی طور پر اس کا مصداق وہ شخص ہے جو فکر کے ساتھ تدریجاً سراپا عمل ہو، اور خواہشات و ترغیبات سے متاثر ہوتا ہو۔اس لئے صراط مستقیم کے اختیار کرنے کیلئے اسے قوت تمیزی، عقل، اور عزم آزاد کو خیر عمل میں لانے کی ضرورت پیش آتی ہے۔اخلاقی فضائل عزم و عقل انسانی کی موافقت و اتحاد سے وجود میں آتے ہیں۔اور انہیں مسرت۔انتہائے خیر، یا مقصد حیات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اخلاقی فضائل

سقراط فضیلت کی نسبت کہتا ہے۔کہ یہ عادت و ترتیت کا ما حصل نہیں بلکہ نتیجہ عقل ہے جس کی بناء حکمتِ عملی اور اخلاقی بصیرت پر قائم ہوتی ہے۔مگر ارسطو کی نظر میں مشق و مزاولت، عادت و تربیت کی ایک خاص اہمیت ہے۔اور ان کا ہونا ضروری ہے۔ارسطو کے نزدیک اخلاقی

فضائل مخصوص و معین عادات کے نتائج ہیں جو عقل و حکمت کی رہبری کی بدولت رونما ہوتے ہیں۔ سقراط کا خواہش کے مقابلہ میں عقل کو مرجح اور غالب قرار دینا، زینو کی تعلیم کا مرکز ہے۔ سقراط کے اسی خیال سے زینو نے متاثر ہو کر یہ خیال پیدا کیا کہ نیکی میں شان احتیاج نہیں۔ وہ ہر شے سے بے نیاز ہے۔ ایک دانشمند فقیروں کے سے پھٹے پرانے کپڑوں میں مست رہتا ہے، ترک مطلب سے بے نیازانہ طور پر نہایت سادہ اور آزاد زندگی بسر کرنے کا خوگر ہوتا ہے۔ اس لئے کہ وہ جانتا ہے کہ فطرت کی تبدیلی اس کے بس کی بات نہیں۔ اس قسم کا یقین اسے فطرت کی متابعت کی دعوت دیتا ہے اور وہ بطیب خاطر فطرت کے سامنے سر تسلیم جھکا کر اسی کا متبع بن جاتا ہے۔ بخلاف ایک سفیہ اور نادان کے کہ وہ اپنی جہالت اور نادانی سے بے سوچے سمجھے بات بات پر فطرت سے لڑتا جھگڑتا اور آخر میں ہار جھک مار کر اور اپنے میں تاب مقاومت نہ دیکھ کر مجبوراً فطرت کے روبرو اپنے ہتھیار ڈال دیتا ہے۔

تقدیر۔ مسرت

رواقیین کسی چیز سے اثر نہیں لیتے۔ وہ اس بات کے قائل ہیں۔ کہ احکام فطرت کے مطابق قیام اشیار ہا کرتا ہے۔ اور اسی کو تقدیر کہتے ہیں۔ ابیقوریین کا ماحصل تعلیم یہ ہے کہ حیات انسانی کی انتہائی غایت اور مقصد جو بھی ہے۔ وہ صرف مسرت ہی مسرت ہے۔ اس اکتساب مسرت میں عقل معین و مددگار ہوتی ہے۔ اور یونانی فلاسفہ کے مثل اخلاق کو مسرت کے مماثل ماننے میں یہ بھی انہیں کے ہم خیال ہیں اور نیز فن کردار کی نسبت یہ تسلیم کرتے میں بھی ان کے ہمنوا ہیں۔ کہ اطمینان اور سکون کی نوعیت تحصیل کی تعلیم فن کردار سے حاصل ہوتی ہے۔ صحیح طریقہ پر کسی شخص کی غرض و غایت اور دلچسپی معلوم کرنا اس طبقہ کے نزدیک معیار اخلاق بس یہی ہے لذت، کی خواہش پر اور خلاف فطرت عمل اختیار کرنے پر قربانی اور ایثار منحصر نہیں۔ بلکہ حقیقتہً ایثار اور قربانی یہ دونوں کے دونوں فکر و غور کے ماحصل اور اسی کے نتائج ہیں۔ ذی فکر ہستی ہونے کے لحاظ سے مستقبل میں حاصل ہونے والی لذتوں سے بہرہ ور ہونے کے لئے انسان موجودہ لذات سے دست کش ہو سکتا ہے۔ قیام پذیر، عسیر الفنا، طمانیت و سکون اور لذائذ ذہنی جن سے کارگاہ حیات کے آلام و مصائب انقلاب کے دہشت ناک منظر انسان کی نظر میں ذرا بھی نہیں جچتے۔ انہیں ذہنی

لذتوں کی ڈھارس سے معرکہ حیات میں ثابت قدم رہ کر کڑی سے کڑی مصیبت کا مردانہ وار مقابلہ کیا کرتا ہے۔ ظاہر ہے ان دیرپا ذہنی لذتوں کے سامنے سریع الفنا لذتیں بالکل بے حقیقت اور سراسر فریب نظر سے زائد نہیں۔

لذّت

خواہش لذّت کے لئے یہ نہایت ضروری ہے۔ کہ اسے عقل کی نگرانی اور اسی کی زیر دستی میں رکھا جائے۔ اس بناء پر کہ بعض اوقات بعض لذتوں کا سلسلہ الم آفرین فضا کی جانب لے جاتا ہے۔ عقل کی نگرانی میں اس قسم کی بیراہ روی کا احتمال باقی نہیں رہتا۔ جسم کی صحت، نفس کا سکون، اور اس سے مسرت وانبساط کا پایہ کمال پر پہنچنا یہ سب باتیں اسی طریقے کے برکات اور اسی کے نتائج ہیں۔ مذہب انسان کے لئے منازل حیات کا اس طرح قطع کرنا کہ اصول حیات دانش آموزی اور عزت وعدل کی فضیلت سے یکسر خالی ہوں۔ قطعاً ناممکن ہے۔ اسی طرح محض عزت وعدل کی زندگی بسر کرنا۔ جس میں لذّت کا شائبہ تک نہ ہو یہ بھی غیر ممکن اور محال، گریزپا اور زوال پذیر اذیت وتکلیف برداشت کرنا دوامی لذائذ سے متمتع ہونے کا انسان کو مستحق بنا دیتا ہے۔ ایسی سکون آفرین اور اطمینان بخش کیفیت جو زندگی کی دشواریوں، اذیتوں اور تلخیوں سے انسان کو بچاتی ہے۔ ابیقوریین لذت سے یہی مراد لیتے ہیں۔ اس قسم کے احساسات حاشا ان کے مطمح نظر نہیں جو گزرنے میں دھوپ چھاؤں سے زیادہ گریزپا ہیں۔

مسیحیت

فلسفہ کی دقیقہ آفرینیاں جب روح انسانی کیلئے سرمایہ طمانیت فراہم کرنے سے عاجز آجاتی ہیں تو مذہب تسلی اور تسکین کا اندوختہ لئے ہوئے سامنے آتا ہے۔ اور فلسفہ کو ہٹا کر اس کی جگہ اپنا کاروبار پھیلا دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ادوار پیشین میں قدیم یونانی فلاسفہ کی جگہ عیسائی اولیا کی مسندیں بھی نظر آتی ہیں۔ مسیحیت نے کوچہ فکر میں جس قسم کی کایاپلٹ کی۔ نوع انسانی کے کارناموں میں وہ ایک خاص اہمیت رکھتی ہے۔ اس انقلاب فکر کے سامنے یونانی نظریوں کی کچھ پیری نہ چل سکی۔ اخلاقیات کا چشمہ ملحدانہ خس وخاشاک سے پاک وصاف کر دیا گیا۔ اس کو نطشے نے تجدید قدرت سے تعبیر کیا ہے۔

یہودیت

عیسائیت کو نظر غائر سے دیکھنے پر ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے جو تعلیم دی وہ ایک حد تک یہودیوں کی تعلیم کا نشر و احیاء تھا۔ اس سے یہ ہوا کہ مغربی فضاء قدیم زمانہ کے نظریاتِ اخلاق سے گونج اٹھی، یہودیوں کی اخلاقیات کی عمارت دینیات کے ستونوں پر قائم تھی، اور اس کی بنیاد مذہبی رنگ کے اصول پر یہودیت نے آئین و قانون، تنظیم الٰہی کا خلاصہ، ماحصل، نتیجہ، یا اوامر ایزدی کی تعمیل مفہوم اخلاق کو قرار دیا تھا۔ اور اسی بناء پر یہ خیال پھیل گیا کہ کردارِ انسانی کی رہبری کے لئے ربانی وضع کردہ آئین و قواعد کی پیروی لازم و واجب ہے۔ از روئے اخلاق جس شے پر خیر کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ اس سے خدائے عز و جل خوش ہوتا ہے یا آئینِ خداوندی اور قانونِ اخلاقی یہ دونوں ایسے توام تصورات ہیں کہ جن میں باہم جدائی نہیں ہو سکتی خلاّقِ مطلق کی محض نسبتِ آفرینش ہی کسی شے کی اچھائی کا سبب نہیں، بلکہ خود اس شے کا اچھا ہونا ہی اس کی پیدائش و افرینش کا سبب قوی ہے۔ چونکہ وہ شے خود اچھی تھی۔ اس لئے وہ پیدا کی گئی۔ اس لئے کہ ایک عنصر قوی، ایک مرکز زبردست، ایک ہمہ گیر مقصد، ایک عالمگیر مدعا جو بھی ہے۔ وہ صرف اخلاق ہی ہے۔ جرمن فلسفی ہرمن لوٹزے کا قول ہے کہ عملِ اجتماعی اور ردِ عمل اس سے اقتدار اخلاقی کے شعور میں نمایاں بالیدگی ظاہر ہوتی ہے۔ یہودیت اسی اقتدار کو ایزدی عزم و ارادہ کی صورت میں دیکھنا پسند کرتی ہے۔ یعنی یہودیوں کے مسلک میں یہی اقتدارِ ربانی ارادہ کی ماہیت میں دیکھائی دیتا ہے۔ اس اقتدار کی متابعت اختیار کرنے کے لئے ربانی الاصل سلطنت کے زیر سایہ بسر کرنیوالی قوم اور افراد قوم کا میلان باطنی اور عمل خارجی ان سب کی ضرورت ہے۔ اس کے اصول اساسی جن کے واسطے عدل و نیکوکاری اختیار کرنا لازمی ہے۔ وہ تین ہیں۔ محبت الٰہی، محبت مخلوق باری، اطاعت اوامر ایزدی۔ حیات انسانی کی غایت اصلی اور مقصد انتہائی کیا ہے، ذات انسان کا درجہ کمال پر فائز ہونا اور اس اکتساب تکمیل کا سامان کیا ہے۔ فطری قوتوں کا استعمال صحیح، جس کا مال مسرت سے ہم آغوشی ہے۔ یونانی اخلاقیات کی تعلیم کا ماحصل اور خلاصہ یہی ہے جو نظر سے گزرا۔ لیکن مسیحی اخلاقیات نے خواہشات فطری و جسم کو پست و فروتر قرار دیکر ان دونوں پر روح کی فرمانروائی قائم کی۔ اور اس تعلیم کا نتیجہ یہ نکلا کہ خواہشاتِ فطری و جسم کو پست و فروتر قرار دیکر ان دونوں پر روح کی فرمانروائی قائم

کی۔ اور اس تعلیم کا نتیجہ یہ نکلا کہ خواہشاتِ فطری اور جسم پر روح کو غالب رکھنے کی دھن میں حیاتِ فطری اور اس کے اغراض و مقاصد سے طبیعتیں بیزار ہونے لگیں۔ عزلت گزینی اور خواہشوں کے ترک کرنے کی نسبت میلان ورجحان نے قدم بڑھایا، تجرد، رہبانیت، مرتاضیت کے اعتکاف کی طرف لوگ جھک پڑے۔ اور یہاں سے لے کر وہاں تک حیاتِ غیر فطری سبھوں کا نصب العین بن کر رہ گئی۔ اکتساب روحانیت کے جوش و خروش سے عبادت گاہوں کے خلوت کدے ہر وقت معمور رہنے لگے اور اس ہر وقت کی ریاضت نے آگے بڑھ کر ایک یہ نئی اپج پیدا کی کہ طبعاً انسان معصیت میں گرفتار ہے۔ اس کی ذاتی جدوجہد انتہائی خیر کی بلندی تک اسے نہیں پہنچا سکتی۔ آلودۂ معاصی انسان کے منہ پر اس کی بالطبع معصیت کی وجہ سے ابواب نجات بالکل مسدود ہیں۔ لیکن عطیہ نجات محض رحمت باری ہی اُسے مرحمت کر سکتی ہے۔ یا کبھی اتفاق سے اسی عطائے جزیل کو کلیسا کا اقتدار روحانیت بھی عنایت کرتا ہے۔ اسی قسم کے خیال نے عیسائیت کی تعلیم اصلی اور اس کے نظریات کو پایۂ اعتبار سے گرا لیا۔ اور لطف یہ کہ گھر والے ہی اس کی تفحیک و تشہیر کے باعث ہوئے۔ موجودہ عیسائیت اور یہودیت فکر و عمل میں حسنِ اخلاقی کے نشوونما سے غافل اور رسوم ظاہری کی بندشوں میں پھنسی ہوئی ہے۔

(معارف)

رباعیات سرمد مترجم

۱
از کار جہاں عقدہ کشو دم ہمہ را
در محنت واندوہ ربو دم ہمہ را
حق دانی و انصاف نہ دیدم ز کسے
دیدم ہمہ راو آزمو دم ہمہ را

دنیا کا ہر ایک عقدہ میں نے کھولا!
مشکل میں کسی نے ساتھ میرا نہ دیا
حق دانی و انصاف کو پایا نہ کہیں
اچھی طرح سب کو آزمایا۔ دیکھا

۲
در بادیۂ تجربہ یا رب ہمہ جا
افتاد و سرو کار بہ زشت و زیبا
غیر از تو کسے نہ گشت فریاد رسم
دیدم ہمہ راو آز مودم ہمہ را

میدان میں تجربہ کے اے خدا
ہر اچھے بُرے سے کام اپنا اٹکا
کب تیرے سوا سنی کسی نے فریاد
ہر ایک کو میں نے خوب دیکھا بھالا

۳
یا رب زکرم بخش تقصیر مرا
مقبول بکن نالۂ شبگیر مرا
ما پُرزِ گناہ ماجرائیست عجیب
لطفِ تو کند چارۂ تدبیر مرا

یا رب تو کرم سے بخش ہر جرم مرا
ہر نالۂ شبگیر کی تاثیر دکھا
ہوں پُر زخطا اور تعجب یہ ہے
کام آتا ہے ہر دم کرم و لطف ترا

۴
بے سرو قدے کہ رونما بدیار است
بے سیمبرے کہ زر ربایدیار است
آں یار گزیں کہ ہر چہ خواہی بدہد
یارے کہ بکار تو بیا یدیار است

جلوہ جو تجھے دکھائے ہے دوست
زر جو ترے واسطے لٹائے ہے دوست
جو مانگے بے عذر حوالہ کر دے!!
جو کام ترے وقت پر آئے ہے دوست

۵
یاراں چہ قدر راہِ دو رنگی دارند
مصحف بہ بغل دین فرنگی دارند
پیوستہ بہم چومہرہ ہائے شطرنج
در دل ہمہ فکر خانہ جنگی دارند

ہے یاروں میں کس قدر دو رنگی
قرآں! بغل میں دل فرنگی
شطرنج کے مہرے ہیں یہ گویا
رکھتے ہیں خیال خانہ جنگی

۶
ہر کس کہ بلطف و کرمت دیدہ کشود
لطف و غضب غیر نداند موجود

مردود تو ہیچ جانہ گرد و مقبول　　مقبول تو ہیچ گہ نہ گردد مردود
ہے جس کی نظر تیرے کرم پر معبود　　لطف و کرم غیر کی کیا ہستی وبود
مردود تیرا کہیں نہ ہو گا مقبول　　مقبول تیرا کہیں نہ ہو گا مردود

۷ یک لحظہ اگر دل حزینت بدہند　　آسودگی روئے زمینت بدہند
گر مہر خداست نقش برخاتم دل　　عالم ہمہ در زیر نگینت بدہند
ایک لحظہ جو دل تیرا حزیں ہو جائے　　آسودگی روئے زمیں ہو جائے
ہو دل کے نگیں پر نقش گہر مہر خدا　　دم بھر میں جہاں زیر نگیں ہو جائے

۸ ایں بے خرداں کہ از خدا بیخبر اند　　از بہر زر و سیم بہم کینہ ور اند
بر دوستی اہل جہاں تکیہ ممکن　　از بہر دو روز دشمن یکسد گر اند
یہ بے وقوف ہیں جو خدا سے بیخبر ہیں　　ہیں سیم زر کے واسطے آپس میں کینہ ور
کیا دوستی پہ اہل زمانہ کی اعتماد　　دو روز زندگی پہ ہیں دشمن بہم دگر

۹ ہر گاہ بہ بینی زکسے عیب و ہنرا　　عیب و ہنر خویش در آور بنظر
ایں است ہنر بہتر ازیں نیست دگر　　خود رابنگر بعیب مردم منگر
دیکھے جو کبھی کسی کا تو عیب و ہنر　　کر اپنے ذرا عیب و ہنر پر تو نظر
بہتر ہے یہی اس سے نہیں کچھ بہتر　　دیکھ اپنی طرف نہ دیکھ عیب دیگر

۱۰ یا رب چہ کنم گذشت جرم زشمار　　کشتی دل خستہ زگرداب برار
در بحر خجالت و ندامت غرقم　　فضل تو کند چارہ بگیر و بکنار
کیا کروں یارب گناہوں کا نہیں میرے شمار　　کشتی دل کو مرے کر اس بھنور سے جلد پار
غرق دریائے خجالت ہوں بہت نادم ہوں میں　　اب ترا ہی فضل ہے معین و چارہ کار

۱۱ ایدل ز ہوائے ہوس از بہر دو روز　　خود راو مرا از آتش جانسوز مسوز
ہنگام جوانی شد و پیری آمد　　ایں آتش افسردہ بدامن مفروز
دو دن کیلئے حرص و ہوا سے باز آ　　اس آگ سے خود نہ جل مجھے بھی نہ جلا
اے دل وہ جوانی گئی پیری آئی　　دامن میں نہ آتش فسردہ بھڑکا

۱۲ اعتبار وعدہ ہائے مردم و دنیا غلط　　ہاں غلط آوے غلط، امشت غلط، فردا غلط

نسخہ بینائی دیوان عمر ما مپرس
خط غلط، معنی غلط، انشا غلط، املا غلط
قول و فعل و اعتبار مردم دنیا غلط
وعدۂ امروز جھوٹا، امشب و فردا غلط
مجھ سے تو کیا پوچھتا ہے، حالت دیوان عمر
خط غلط، معنی غلط، انشا غلط، املا غلط

۱۳
یا رب تو عطا کن ز قناعت گنجم
عمریست کہ از حرص و ہوا ور رنجم
دیں رانتواں کرد بہ دنیا سودا
ہر لحظہ بخود سود و زیاں می سنجم
دے مجھ کو خزانۂ قناعت یا رب
مدت سے غم حرص و ہوا ہے بیڈھب
دنیا سے نہ دیں کا کروں گا سودا
میں جانتا ہوں سود زیاں اس کا سب

۱۴
اے دوست دریں دہر نکوکاری کن
بیش از نفسے نیست کم آزادی کن
خوشنودی اہل دل غنیمت بشمار
ہر جا کہ بود چشمہ دلے یاری کن
اے دوست جہاں میں نکوکاری کر
مہمان ہے دم بھر کا نہ غداری کر
خوشنودی اہل دل غنیمت ہے یہاں
ہو جائے جہاں نصیب دلداری کر

۱۵
درد ہر اگر ہمسر افلاکِ شوی
پسی بگزیں کہ عاقبت خاک شوی
آسودگی جہاں نیر زد بجوے
دامن بفشاں زحرص تا پاک شوی
دنیا میں اگر ہمسر افلاک ہے تو
گردن کو جھکا کر آخرش خاک ہے تو
آسودگی جہاں نہ پائے گا کبھی
تو دامن حرص جھاڑ پھر پاک ہے تو

۱۶
از مردم دنیا بود اندیشہ بسے
ایں گرگ و پلنگ اندریں بیشہ بسے
بنائے دل از سنگدلاں در خطرست
اندیشہ بود ہمیشہ زیں شیشہ بسے
ہے مردم دنیا سے بہت خوف و خطر
اس بیشہ میں ہیں بھیڑیے چیتے اکثر
خطرہ میں یہ ان سنگدلوں سے دلِ زار
اس شیشہ کا رہتا ہے نہایت مجھے ڈر

۱۷
خواہی کہ رسی بکام تلخی نہ چشی
آسودہ شوی بار ندامت نہ کشی
با صبر بساز با قناعت خوکن
از دست ہوا و حرص در کشمکشی
تو عافیت جو چاہے کرنا نہ تلخ کلامی
آسودہ ہو اٹھانا شرمندگی نہ کوئی
رہ صبر سے قناعت کو اپنی خو بنا لے
حرص و ہوا سے باز آ یہ کشمکش ہے کیسی

نصائح سعدی

نافرمانی بری ہے

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند | تا تو نانے بکف اری و بغفلت نخورے
ہمہ از بہر تو سر گشتہ و فرماں بردار | شرط انصاف نباشد کہ تو فرماں نبرے

بادل، ہوا، چاند، سورج اور آسمان کام کر رہے ہیں۔ تاکہ تیرے ہاتھ میں روٹی آئے۔ اور تو اسے غفلت سے نہ کھائے۔ سب تیرے لئے مصروف عمل ہیں۔ اللہ کا حکم بجالا رہے ہیں۔ یہ انصاف نہیں کہ یہ سب فرماں بردار ہوں۔ اور تو نافرمان ہو۔

صحبت کا اثر

گلِ خوشبوئے در حمام روزی | رسید از دستِ محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری | کہ از بوی دلاویز تو مستم
بگفتا من گلِ ناچیز بودم | ولیکن مدتے باگل نشستم
جمالِ ہمنشیں در من اثر کرد | وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

ایک روز پیارے کے ہاتھ سے مجھ خوشبودار مٹی ملی۔ میں نے کہا کیا تو کستوری ہے یا عبیر ہے؟ کہ تیری بھینی بھینی دل کو مست کر دینے والی خوشبو نے مجھے بے خود کر دیا ہے۔ اس نے جواب دیا۔ میں ناچیز مٹی تھی۔ کچھ مدت تک پھول کے ساتھ رہی۔ اس کے فیض صحبت نے مجھے پھول جیسا خوشبودار بنا دیا۔ وگرنہ میں وہی مٹی ہوں۔ کہ کبھی تھی۔

نیکی

چار طبع مخالف و سرکش! | چند روزی بوند باہم خوش
گر یکی زیں چہار شد غالب | جان شیریں برا بیداز قالب
لاجرم مرد عارف کامل | ننہد بر حیات و دنیا دل
نیک و بدچوں ہمی بباید مرد | خنک ان کس کہ گوی نیکی برد

چار چیزیں (آگ، پانی، مٹی، ہوا) جو ایک دوسرے کے فطرتی طور پر خلاف ہیں۔ سرکش ہیں ان کا کچھ روز کے لئے ملاپ ہو گیا ہے۔ اگر ان چار میں سے ایک کو غلبہ حاصل ہو جاتا ہے تو جان بدن سے جدا ہو جاتی ہے۔ اس لئے اپنے آپ کو پہچاننے والا انسان دنیا پر لٹو نہیں ہوتا۔ وہ جانتا ہے کہ نیک کو بھی مرنا ہے۔ برے کو بھی مرنا ہے۔ مبارک ہے وہ کہ جو نیکی کرے اور کہا جائے کہ ایک نیک انسان رخصت ہو گیا۔

بولنا اور چپ رہنا

اگرچہ پیش خرد مند خامشی اوبست   بوقت مصلحت ان بہ کہ در سخن کوشی
دو چیز طیرۂ عقلست دم فروبستن   بوقت گفتن و گفتن بوقت خاموشی

دانا کے سامنے خاموش رہنا ادب کا اظہار ہے۔ مگر جب گفتگو موزوں ہو اس وقت بولنا ہی چاہئے دو چیزوں سے عقل رخصت ہو جاتی ہے جب خاموشی موزوں ہو۔ بولنا اور جب بولنا مناسب ہو، چپ رہنا۔

بادشاہ۔ درویش

نیم نانی گر خورد مردِ خدای !   بذل درویشاں کند نیمی دگر
ہفت اقلیمی بگیرد پادشاہ   ہمچناں در بند اقلیمی دگر

دس درویش ایک گدڑی میں سو سکتے ہیں۔ لیکن دو بادشاہ ایک ملک میں نہیں سما سکتے۔
اگر اللہ والے کے پاس ایک روٹی کھانے کو ہوتی ہے۔ تو وہ آدھی درویش کو دیدیتا ہے۔
بادشاہ اگر سات ولایتوں کا مالک ہوتا ہے۔ اسے یہی فکر رہتی ہے کہ ایک اور ملک بھی اس کے تصرف میں آجائے۔

اثر صحبت

پسر نوح بابداں بنشست   خاندانِ نبوتش گم شد
سگِ اصحاب کہف روزی چند   پی نیکاں گرفت مردم شد

نوح علیہ السلام کا بیٹا بدوں کے پاس بیٹھا۔ طوفان میں غرق ہو گیا۔ وہ نبی علیہ السلام نہ ہو سکا۔ اصحاف کہف کا کتا ان کی خدمت میں رہنے کے باعث عزت والا ہو گیا۔

بدی

زمیں شورہ سنبل بر نیا رد در و تخم عمل ضائع گرداں
نکوئی با بداں کردن چنا نست کہ بد کردن بجائے نیک مرداں

بدوں کے ساتھ نیکی کرنا۔ نیکوں کے ساتھ بدی کرنے کے برابر ہے۔

بروں کی آرزو

شور بختاں بآرزو خواہند مقبلاں راز وال نعمت و جاہ
گرنہ بیند بروز شپرہ چشم چشمہ آفتاب راچہ گناہ
راست خواہی ہزار چشم چناں کور بہتر کہ آفتاب سیاہ

بدبخت یہ چاہتے ہیں کہ جو کامیاب ہیں۔ وہ بھی ناکام ہو جائیں...... اگر چمگادڑ صبح کے وقت دیکھنے سے قاصر ہے تو اس میں سورج کا کیا قصور ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ چمگادڑ والی آنکھ والے اگر ہزاروں کی تعداد میں فنا ہو جائیں۔ تو بہتر ہے بہ نسبت اس کے آفتاب کالا ہو جائے۔

جھوٹا خیال

ہر آنکہ تخم بدی کشت و چشم نیکی داشت دماغ بیہدہ پخت و خیال باطل بست

جس نے بدی کا بیج بویا۔ اور یہ امید کی کہ اس کا پھل نیکی ہو گا۔ اس نے محض وقت ضائع کیا۔ اور جھوٹا خیال قائم کیا۔

فضول خرچ کا انجام

ابلہی کو روز روشن شمع کافوری نہد زود بینی کش بشب روغن نباشد در چراغ

جو نادان صبح کے وقت کافوری شمع جلاتا ہے۔ اس کا انجام یہ ہوتا ہے۔ کہ رات کو اس کے چراغ میں تیل نہیں ہوتا۔

سیدھا راستہ

استی موجب رضای خداست کس ندیدم کہ گم شدا زرہ راست

سچائی اللہ کی رضا حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ کوئی سیدھے راستے پر چلنے سے گمراہ ہو گیا ہو۔

پاک

بکنِ فراغ روی در عمل اگر خواہی — کہ روز رفع تو باشد مجال دشمن تنگ
تو پاک باش برادر مدار از کس باک — زنند جامۂ ناپاک گا زراں بر سنگ

جس کا حساب پاک ہے۔ اسے محاسبہ کا کیا ڈر ہے۔
اے بھائی تو پاک ہو جا۔ کسی سے خوف نہ کھا۔ دھوبی ناپاک کپڑے کو ہی پتھر پر مارتے ہیں۔

دوست

دوست مشمار آنکہ در نعمت زند! — لاف یاری و برادر خواندگی
دوست آں دانم کہ گیر دوست دوست — در پریشاں خالی و در ماندگی

دوست جیل میں کام آتے ہیں۔ دستر خوان پر تو دشمن بھی دوست نظر آتے ہیں۔ جو تیری خوش خالی کے وقت تیری رفاقت کا دم بھرتا ہے۔ اسے دوست مت خیال کر۔ دوست وہ ہوتا ہے جو بدحالی میں مدد کرتا ہے۔

درویش صفت

ولقت بچہ کار آیدو تسبیح و مرقع — خود راز عملہای نکو ہیدی بری دار
حاجت بکلاہ برکی دا شتت نیست — درویش صفت باش و کلاہ تتری دار

گدڑی، تسبیح اور مصلے کا کیا فائدہ۔ اگر تیرے اندر درویشوں والی نیکی نہیں ہے۔ برے کاموں سے بچ۔ اور جو لباس چاہے پہن لے۔

سیاہ دل

باسیہ دل چہ سود گفتنِ وعظ — نزد و میخ آہنی در سنگ

جس کا دل کالا ہو چکا ہے۔ اسے نصیحت کرنے سے کیا فائدہ۔ لوہے کی میخ پتھر میں گھس نہیں سکتی۔

نصیحت

مرد باید کہ گیرد اندر گوش — در نوشت است پند بر دیوار

نصیحت اگر دیوار پر بھی لکھی ہوئی ہو۔ آدمی کو اسے پڑھ کر اس پر بھی عمل کرنا چاہیے۔

عالم وعابد

صاحبدلے بمدرسہ آمدز خانقاہ بشکست عہد صحبتِ اہل طریق را
گفتم میاں عالم و عابد چہ فرق بود تا کردی اختیار ازاں ایں فریق را
گفت او کلیم خویش بدر میبرو زموج ویں جہد میکند کہ بگیرد غرق را

ایک صاحب دل خانقاہ سے مدرسہ میں آیا۔ اس نے اہل طریق کے بجائے اہل علم کی مجلس پسند کی اس سے پوچھا گیا۔ کہ عالم وعابد میں کیا فرق ہے۔ کہ تو عابد کی مجلس سے اٹھ کر مکتب میں عالم کے پاس آگیا۔ اس نے جواب دیا۔ عابد یہ کرتا ہے کہ اپنی گدڑی کو دریا کی لہر سے بچاتا ہے۔ لیکن عالم ڈوبتے ہوئے کو بچانے کی کوشش کرتا ہے۔

عمل

ہر کہ نان از عمل خویش خورد منت حاتم طائی نبرد

جو روٹی اپنی محنت سے کھاتا ہے۔ وہ حاتم طائی کا رہین منت نہیں ہوتا (دوسرے کا دست نگر نہیں ہوتا)۔

بے طمع

ہر کہ برخود در سوال کشاد تا بمیر و نیاز مند بود

جس نے سوال کرنا اپنا پیشہ بنالیا۔ وہ قیامت تک محتاج رہے گا۔ طمع سے بچ اور بادشاہی کر۔ بے طمع کی گردن عزت سے بلند ہوتی ہے۔

درویش وسلطان

گر صد عیب دارد مرد درویش رفیقا نش یکی از صد ندانند
و گر یک ناپسند اید زسلطان زاقلیمے بہ اقلیمے رسانند

اگر درویش میں سو عیب ہوتے ہیں تو اس کے دوستوں میں سے ایک بھی اس سے آگاہ نہیں ہوتا۔ اگر بادشاہ کی ایک خصلت بھی ناپسندیدہ ہو تو اسے جہاں بھر میں نشر کیا جاتا ہے۔

جورِ استاد

پادشاہی پسر بمکتب داد لوح سیمینش در کنار نہاد

بر سر لوح او نوشتہ بزر جور استاد بہ ز مہر پدر

بادشاہ نے اپنے بیٹے کو مکتب میں بھیجا۔ اسے چاندی کی ایک تختی دی۔ اس تختی پر سنہری حرفوں میں لکھا کہ باپ کی مہربانی سے استاد کی سختی زیادہ اچھی ہوتی ہے۔

پند

پسری را پدر وصیت کرد کای جوانمرد یادگیر ایں پند

ہر کہ با اہل خود وفا نہ کند نشود دوست روی دانشمند

بیٹے کو باپ نے یہ نصیحت کی۔ کہ اے جواں مرد میری یہ نصیحت سن۔ جو شخص اپنے رشتہ داروں سے وفا نہیں کرتا۔ اس سے دوستی کی توقع مت رکھ۔

فرزندان ناہموار

زنان بار وارای مرد ہوشیار اگر وقت ولادت مار زائند

ازاں بہتر بنزدیک خرد مند کہ فرزندان ناہموار زائند

اگر جننے والی مائیں اے نادان شخص جننے کے وقت سانپ جنیں۔ تو اس سے بہتر ہے کہ وہ نالائق فرزند جنیں۔

خلاصہ پند نامہ

یاد داری کہ وقت زادنِ تو ہمہ خنداں بدند تو گریاں

آنچناں زی کہ بعد مُردن تو ہمہ گریاں شوند تو خنداں

تیری پیدائش کے وقت یہ ہوا کہ تو رو رہا تھا۔ اور سب ہنس رہے تھے۔ زندگی اس طرح بسر کر۔ کہ جب تو فوت ہو سب روئیں اور تو ہنسے۔

عام نصیحتیں

۱۔ مال عمر کی آسائش کے لئے ہوا کرتا ہے نہ کہ عمر مال جمع کرنے کے لئے۔

۲۔ بخشش کر کے احسان جتانا بخشش کی عزت کو برباد کرنا ہے۔ بخشو اور احسان نہ جتاؤ۔ تاکہ اس کا نفع تمہارے لئے امانت رہے۔

۳۔ دو آدمی بیہودہ تکلیف اور کوشش کرنے والے ہوتے ہیں ایک تو وہ جو جمع کرے۔ اور اس سے

خود آرام نہ پائے۔ اور دوسرا وہ جو علم پڑھے اور عمل نہ کرے۔

۴- علم دین کے استحکام کے لئے حاصل کیا جاتا ہے۔ نہ کہ روپیہ جمع کرنے کو۔ جو شخص علم پڑھ کے نیکی اختیار نہ کرے۔ وہ ایسا ہے کہ جیسا اندھا مشعلچی۔

۵- ملک کی خوبصورتی داناؤں سے ہوتی ہے اور دین کا کمال پرہیزگاروں سے۔

۶- مال تجارت کے سوا، علم بحث و مباحثہ کے بغیر، اور ملک دبدبہ کے سوا مستحکم نہیں ہوتا۔

۷- ہر ایک بھید دوستوں کو نہ بتانا چاہیے۔ ممکن ہے کہ دوست ایک وقت دشمن ہو جائے۔ اور ایسے ہی ہر ایک تکلیف بھی دشمن کو نہ دینی چاہیے ممکن ہے کہ ایک وقت وہی دوست ہو جائے۔

۸- اگر ناطاقت دشمن چاپلوسی سے پیش آئے۔ تو بھول مت جاؤ۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ اچھی طرح تمہارے مقابلے کے لئے تیار ہو جائے۔

۹- ادنیٰ دشمن کو بے حقیقت سمجھنا ایسا ہے جیسے تھوڑی آگ کو سلگتا چھوڑ دینا۔

۱۰- دو دشمنوں کے درمیان ایسی بات کرو۔ کہ اگر کسی وقت دونوں آپس میں دوست ہو جائیں تو تم کو شرم نہ اٹھانی پڑے۔ یعنی لگائی بجھائی سے بچتے رہو۔

۱۱- جو شخص دشمنوں کی صلح پر اعتبار کرتا ہے۔ وہ گویا دوستوں کو تکلیف دینی چاہتا ہے۔

۱۲- حد سے زیادہ غصہ ظاہر کرنے سے لوگ تمہاری صورت سے بیزار ہو جائیں گے۔ اور حد سے زیادہ مہربانی کرنے سے تمہارا رعب جاتا رہے گا۔ پس نہ اتنی سختی کرو کہ لوگ تم سے سیر ہو جائیں اور نہ اتنی محبت کہ تم پر دلیر ہو سکیں۔ میانہ روی بڑی عمدہ چیز ہے۔

۱۳- کانچ اس واسطے بے حقیقت ہے کہ وہ عام طور پر ستعامل جاتا ہے اور جواہرات چونکہ کم میسر ہوتے ہیں۔ اس لئے زیادہ قیمت دار ہیں۔

۱۴- کام تو صبر و استقلال سے ہی بنا کرتے ہیں۔ جلدی کرنے والا اپنی جلدی کے سبب ٹھوکریں کھاتا ہے۔ تیز دوڑنے والا گھوڑا بہت جلد تھک جاتا ہے۔ مگر آہستہ چلنے والا اونٹ اور گدھا دن رات چلتا ہی رہتا ہے۔

۱۵- نادان کے لئے خاموشی بڑی اچھی چیز ہے۔ لیکن جو شخص اس بات کو سمجھ جائے۔ اس کو نادان نہیں کہا جا سکتا۔

۱۶- لوگوں کے اندرونی عیب ظاہر [illegible] وہ تو رسوا ہونگے ہی مگر تم بھی بے اعتبار ہو جاؤ

گے۔

۱۷- ہر رات شب برات ہوتی تو شب برات کو کون پوچھتا۔

۱۸- خوبصورتی خوب سیرتی کی دلیل نہیں ہو سکتی۔

۱۹- اگر پیٹ کا دھندا نہ ہوتا تو کوئی جانور دام میں نہ پھنستا۔ بلکہ شکاری ہی دام نہ رکھتا۔

۲۰- پیٹو آدمی آرام سے سو نہیں سکتے کبھی تو فاقہ سے انہیں نیند نہیں آتی اور کبھی گرانی شکم انہیں سونے نہیں دیتی۔

۲۱- جاہل عبادت گزار بیچارہ پیادہ کی طرح، اور سستی کرنے والا عالم ایسا ہے جیسے سویا ہوا سوار، یعنی اگر چاہے تو جھٹ پٹ منزل مقصود طے کرے۔ مگر وہ سو رہا ہے۔ پس جاہل عبادت گزار اگرچہ پیادہ کی طرح سفر کرتا ہے۔ راستہ میں اسے رکاوٹیں اور وقتیں بھی بہت پیش آتی ہیں۔ مگر آخر جاتا تو ہے۔ پہنچ بھی جائے تو کیا عجب!

۲۲- وہ گنہگار جو اپنے گناہوں سے شرمندہ ہو کر خدا کی جناب میں طلب مغفرت کے لئے ہاتھ اٹھائے۔ اس عابد سے اچھا ہے جو اپنی عبادت کے غرور میں مست ہو۔

۲۳- امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ آپ اس درجہ علم و حکمت پر کیسے پہنچے۔ تو آپ نے فرمایا کہ میں نے ہر ایک چھوٹے بڑے سوال کے پوچھنے میں شرم نہیں کی۔

۲۴- نمازی اگر شراب خانے میں جائے تو لوگ سن کر اعتبار نہیں کرتے۔ اور شراب خوار مسجد میں آئے تو سمجھتے ہیں کہ خدا کو پھسلانے آیا ہے۔ پس بروں کی صحبت سے اجتناب کرو۔ اگرچہ تم خود چور نہیں۔ مگر چوروں کے ساتھ بیٹھو گے تو ایک دن تمہاری بھی خانہ تلاشی ہو جائیگی۔

۲۵- داناؤں نے کہا ہے کہ جاہلوں کی صحبت سے کنارہ کرو۔ کیونکہ اگر تم اس وقت بھی جاہل ہو تو اور جاہل ہو جاؤ گے اور اگر عقل مند ہو تو ضرور عقل میں فتور آجائے گا۔

۲۶- داناؤں کا قول ہے کہ جو اپنی بات کو آپ تولتا ہے۔ اس کو رنج اٹھانا نہیں پڑتا۔

۲۷- جھوٹ کی مثال ایک زخم کی طرح ہے۔ یعنی اگرچہ زخم دوا سے اچھے ہو جاتے ہیں مگر ان کا نشان نہیں جاتا۔

۲۸- مخلوقات میں سے شریف تو ظاہری طور پر آدمی ہے۔ اور سب سے ذلیل کتا گنا جاتا ہے لیکن غور کرو تو حق شناس برے آدمی سے اچھا ہے۔ کیونکہ جس کتے کو تم ٹکڑا ڈالو پھر مارنے پر بھی وہ

تمہیں کاٹتا نہیں۔ لیکن نااہل آدمی سے ساری عمر کھلانے پلانے کے بعد بھی ذرا سی بات پر بگاڑ ہو جاتا ہے۔

۲۹- لائق آدمی اپنے سے پہلوں کی مثالوں سے نصیحت اختیار کر لیتے ہیں۔ تاکہ ان کے بعد کے لوگ ان میں عیب جوئی نہ کریں۔ لیکن چور اس وقت تک چوری سے اپنے ہاتھ نہیں روکتے جب تک کہ ان کے ہاتھ نہ کٹ جائیں۔

۳۰- مال جس طرح کان کے کھودنے اور کھرچنے پر نکلتا ہے۔ اسی طرح بخیل کے پاس سے بھی تب نکلتا ہے جب اس کی جان نکل رہی ہو۔

۳۱- جو شخص زیردستوں پر رحم نہیں کرتا وہ ایک دن زیردستوں کے ہاتھ میں گرفتار ہو گا۔

۳۲- ایک عام آدمی ایسے عالم سے اچھا ہے جو پرہیزگار نہ ہو کیونکہ وہ تو اپنے اندھے پن کے باعث ٹھوکریں کھاتا ہے۔ اور یہ آنکھیں رکھ کر کنوئیں میں گر رہا ہے۔

۳۳- دو شخص مرتے ہوئے حسرت لے جاتے ہیں۔ ایک تو وہ جس نے مال ہوتے ہوئے نہ کھایا اور دوسرا وہ جس نے علم پڑھ کر کچھ عمل نہ کیا۔

۳۴- دو آدمی ایک چھوٹے دستر خوان پر کھانا کھا سکتے ہیں۔ مگر ایک بڑے مردار پر دو کتے متفق نہیں ہو سکتے۔

۳۵- حریص آدمی دنیا جہان پا کر بھی بھوکا ہی رہتا ہے اور قانع آدمی ایک روٹی سے سیر ہو جاتا ہے۔

۳۶- قناعت سے درویشی کرنی بہ نسبت بضاعت سے دولتمندی کرنے کے بہتر ہے۔

۳۷- مردم آزار سے زیادہ کوئی بدبخت نہیں کیونکہ مصیبت کے دن اس کا کوئی بھی یار نہیں ہو سکتا۔

۳۸- جس شخص کو مدتوں کے بعد دوست بنایا جائے ایک دم اس سے بگاڑ نادانائی نہیں ہے۔

۳۹- عقل نفسِ امارہ کے ہاتھ اس طرح گرفتار ہے جیسے کوئی عاجز آدمی زاہد فریب عورت کے ہاتھ گرفتار ہو۔

۴۰- جو شخص اپنے قوت بازو سے خود بھی کھائے۔ اور بذل و بخشش بھی کرے وہ اس عابد سے بہتر ہے کہ ادھر ادھر سے اکٹھا کر کے رکھتا ہے۔

۴۱- موتی اگر کیچڑ میں پڑا ہو تو بھی موتی ہے۔ اور گرد و غبار آسمان پر بھی پہنچ جائے تو بھی گرد و غبار ہی ہے۔

۴۲- آمد و خرچ کی مثال پن چکی پر ٹھیک صادق آتی ہے۔ آمد تو پانی ہے اور خرچ ہے چکی، جب تک پانی بہتا رہتا ہے۔ چکی بھی چلتی رہتی ہے اور جب پانی بند ہو جاتا ہے۔ تو چکی بھی بند ہو جاتی ہے۔ پس انسان کو ہمیشہ آمد کے مطابق خرچ کرنا چاہئے۔ جو لوگ یک لخت روپیہ اڑا دیتے ہیں۔ وہ بعد پچھتایا اور رویا کرتے ہیں۔ اسراف کے بعد تو بے نوائی لازم و ملزوم چیز ہے دیکھتے نہیں کہ درخت جو فیاضی سے بہار میں اپنے سب برگ و بار نکال ڈالتے ہیں۔ تو سردیوں میں پھر وہی ننگے منگے ٹھٹھرا بھی کرتے ہیں۔

۴۳- دنیا کا دوزخ یہ ہے کہ گھر کی بیوی بد مزاج ہو۔ خالی پاؤں پھرنا۔ کاٹنے والا جوتا پہننے اور سفر کی مصیبت گھر کی لڑائی سے بہتر ہے۔

۴۴- اپنے نقصان کا مشہور کرنا بھی دوسرا نقصان ہے۔ جس پر حاسد اور دشمن دل میں خوش ہو کر بہ ظاہر افسوس کیا کرتے ہیں۔

۴۵- شیر سے پنجہ لڑانا اور تلوار کی دھار سے کھیلنا دانوں کا کام نہیں۔

۴۶- جو شخص تمہارے ساتھ محبت سے پیش آئے۔ تم بھی محبت سے اس کے ساتھ پیش آؤ۔ مگر جو عداوت کرے تو تم بھی اس کی آنکھوں میں مٹی جھونک دو۔ دشمن اور اکھڑ آدمی سے نرم باتیں نہ کرو۔ کیونکہ جس لوہے کو زنگ لگ جائے۔ وہ بھٹی کے بغیر صاف نہیں ہوا کرتا۔

۴۷- زیر دستوں اور اپنے ماتحتوں پر سختی کرتے ہوئے اتنا سوچ لینا چاہئے کہ ہم بھی ایک بڑے سے بڑے احکم الحاکمین کے زیر فرمان ہیں۔ پس ایسا نہ ہو کہ وہاں یہاں کی سختی کے لئے دھرے جائیں۔

(۱) ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔

(۲) نو نقد نہ تیرہ ادھار۔

(۳) نادان کی دوستی جی کا زیاں۔

(۴) بے لاگ بے باک۔

(۵) پاک رہو بے باک رہو۔

(۶) قناعت بڑی دولت ہے۔

(۷) نامرد دوست سے جوانمرد دشمن بہتر ہے۔

(۸) مرد مرے نام کو نامرد مرے نان کو۔

(۹) ہمت کے آگے سب کچھ آسان ہے۔

(۱۰) نہیں محتاج زیور کا جسے خوبی خدا نے دی
کہ دیکھو خوشنما لگتا ہے جیسے چاند بن گہنے

(۱۱) بھوک میں چنے کشمش کا مزہ دیتے ہیں

(۱۲) خوش گفتار بڑا ہتھیار۔

(۱۳) اے سکندر نہ ڈھونڈ آبحیات
چشمہ خضر خوش بیانی ہے۔

(۱۴) ناداری سو عیبوں کا ایک عیب ہے۔

(۱۵) جھوٹ کے پاؤں نہیں۔

(۱۶) انت بھلا سو ہو بھلا۔

(۱۷) صرف بشرے کو دیکھ کر چلن پر فتوے لگانا عین نادانی ہے۔

(۱۸) بے عزتی کے جینے سے مرنا بھلا ہے

(۱۹) بھلے مانس کے پہچاننے کو معاملہ کسوٹی ہے

(۲۰) باتوں بوڑھا، کرتب خوار۔
جیسے باغ بنا گلزار۔

(۲۱) جو دل میں ہو وہ بشرے سے نظر آجاتا ہے۔

(۲۲) آتش خشم سے جل جاتے ہیں۔ اکثر تر وخشک یہ وہ ہے آگ،

(۲۳) عقلمند کو اشارا، احمق کو پھٹکارا۔

(۲۴) عاقل کو ایک اشارہ کافی ہے۔

(۲۵) بھلے گھوڑے کو ایک چابک، بھلے آدمی کو ایک بات۔

(۲۶) کاغذ کی ناؤ اور کاٹھ کی ہنڈیا بار بار نہیں چڑھتی۔

(۲۷) کاغذ کی ناؤ آج نہ ڈوبی کل ڈوبے گی۔

(۲۸) ایک چپ اور ہزار سکھ۔

(۲۹) جیسا کہے گا ویسا سنے گا۔

(۳۰) جیسا دو گے ویسا پاؤ گے۔

(۳۱) جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔

(۳۲) جیسی کرنی ویسی بھرنی۔

(۳۳) ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہے ویسی سنے۔

(۳۴) ریس بھلی ہوس بری۔

(۳۵) ات کا بھلا نہ برسا، ات کی بھلی نہ دھوپ

(۳۶) ات کا بھلا نہ بولنا اور ات کی بھلی نہ

چیپ

(۳۷) منہ سے نکلی بات پرائی

(۳۸) بات کہی اور پرائی ہوئی۔

(۳۹) بری صحبتوں سے تنہائی بہتر ہے۔

(۴۰) آدھا کھانے سے بھوکا پڑا رہنا اچھا ہے۔

(۴۱) صبر کی داد خدا کے ہاتھ

(۴۲) صبر کی داد خدا دیتا ہے۔

(۴۳) مانگے کے کپڑے کبھی ٹھیک نہیں آتے

(۴۴) کنواں اور کھائی دیکھ کر چلو۔

(۴۵) ایک توے کی روٹی کیا چھوٹی کیا موٹی۔

(۴۶) بے روئے بچے کو دودھ بھی نہیں ملتا

(۴۷) ایک خطا دوم خطا سوم خطا مادر بخطا۔

(۴۸) تواضع سے توقیر بڑھتی ہے۔

(۴۹) زبان ہی سر کٹوائے زبان ہی ہاتھی چڑھائے۔

(۵۰) تدبیر کے پر جلتے ہیں تقدیر کے آگے۔

(۵۱) آپ کاج مہا کاج۔

(۵۲) خدا کی رحمت کے امیدوار رہو۔

(۵۳) جس ہانڈی میں کھاؤ۔ اسی میں مت چھید کرو۔

(۵۴) صبح خیزی بڑی مفید۔

(۵۵) حسد بری بلا ہے۔

(۵۶) اپنی عزت اپنے ہاتھ میں ہے۔

(۵۷) ہر ایک درد کے لئے دوا موجود ہے۔

(۵۸) کھائے کھلائے اور خدا سے پائے۔

(۵۹) آپ بھلے تو جگ بھلا۔

(۶۰) طامع کا پلیٹ خالی۔

(۶۱) ساری نہیں تو آدمی ہی سہی۔

(۶۲) فیرنی فالودہ ایک بھاؤ نہیں ہوتا۔

(۶۳) خاکساری کا بھی رتبہ کیمیا سے کم نہیں

(۶۴) جس کو یہ دولت ملی، اکسیر کی حاجت نہیں۔

(۶۵) جو بندہ نوازی کرے جان اس پہ فدا ہے

بے فیض اگر یوسف ثانی ہے تو کیا ہے۔

(۶۶) علم غریبوں کی دولت امیروں کی زینت ہے۔

(۶۷) جماعت سے کرامت ہے۔

(۶۸) گڑ کہے منہ میٹھا نہیں ہوتا۔

(۶۹) چاک کو تقدیر کے ممکن نہیں کرنا رفو۔

سوزنِ تدبیر گو ساری عمر سیتی رہے۔

(۷۰) سانچ کو آنچ کہاں۔

(۷۱) سانچ کو آنچ نہیں۔

(۷۲) برتن میں جو ہوگا وہی نکلے گا۔

(۷۳) تو مجھ کو میں تجھ کو۔

(۷۴) نیکی کا بدلہ نیکی۔

(۷۵) نیکی کر اور دریا میں ڈال۔

(۷۶) علاج سے پرہیز بہتر ہے۔

(۷۷) کوئی دم فرصت جلے ملجائے سمجھے مغتنم رہ گیا بس، جسے رکھا کام کل پر آج کا

(۷۸) کھری مزدوری چوکھا کام۔

(۷۹) مشعلچی آپ ہی اندھا۔

(۸۰) جوگی جگت جانے نہیں کپڑے رنگے تو کیا ہوا۔

(۸۱) کملی پہننے سے زاہد نہیں ہوتا۔

(۸۲) کتے کتے بھونکا کرتے ہیں، راجہ راجہ سنا کرتے ہیں۔

(۸۳) بدنامی سے گمنامی بھلی۔

(۸۴) موت کے آگے دوا نہیں چلتی۔

(۸۵) موت سات تالوں میں نہیں چھوڑتی

(۸۶) پہلے بات کو تولو پھر منہ سے بولو

(۸۷) غنیمت ہے صحت علالت سے پہلے فراغت مشاغل کی کثرت سے پہلے

(۸۸) بلی تنگ آکر کتے پر جھپٹ پڑتی ہے

(۸۹) ایک سے دو بھلے۔

(۹۰) نیکی اور پوچھ پوچھ۔

(۹۱) سب توڑیں میرا رب نہ توڑے۔

(۹۲) دنیا والے روٹھیں تو روٹھیں۔ مگر میرا خدا نہ روٹھے۔

(۹۳) کہ ہے رنج کے بعد راحت ضرور۔

(۹۴) آدمی وہ ہے کہ جس نے کچھ ہنر پیدا کیا

اخلاقی ضرب الامثال

اخلاقی کہانیاں

بادشاہ فقیر کے دربار میں

(۱) سلطان محمود غزنوی کا شمار سب سے عالی ہمت اور بہادر فاتح بادشاہوں میں کیا جاتا ہے۔ اس کی وفات کے وقت اس کی حکومت پنجاب سے لے کر ایران تک ہزاروں میل پھیلی ہوئی تھی۔ اس کے زمانہ میں ایک بزرگ ابوالحسن نام کے گزرے ہیں۔ آپ جرجان کے رہنے والے ایک بوریہ نشین فقیر تھے، اتفاق سے آپ کے حالات کا علم محمود غزنوی کو ہوا اور اس کو آپ سے ملاقات کا شوق پیدا ہوا۔ لیکن چونکہ وہ ایک عظیم حصہ ارض کا حکمران اور شہنشاہانہ رعب وادب کا مالک تھا۔ اس نے یہ چاہا کہ کسی ترکیب سے وہ خود میرے پاس آئیں۔ لیکن اس کی یہ خواہش بر نہ آ سکی۔ آخر کار اس کی سمجھ میں ایک ترکیب آئی۔ وہ کسی باغی کو سزا دینے کے بہانے لشکر لے کر غزنی سے روانہ ہو گیا۔ جب محمود جرجان کے قریب پہنچا تو اس نے ایک قاصد کو حضرت ابوالحسن رحمتہ اللہ علیہ کی خانقاہ کی طرف یہ ہدایت دے کر بھیجا کہ تم اپنی طرف سے درویش صاحب سے کہنا کہ بادشاہ غزنی سے چل کر آپ کی زیارت کے لئے آیا ہے اور وہ ایک قریبی مقام پر ٹھہرا ہوا ہے۔ اگر آپ زیادہ نہیں تو شاہی خیمہ ہی تک تشریف لے جانے کی تکلیف گوارہ فرمالیں، اور اگر وہ اس پر بھی خیمہ تک آنے کے لئے تیار نہ ہوں تو ان کو قرآن کریم کی یہ آیت پڑھ کر سنا دینا۔ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ۔ قاصد نے محمود کا یہ پیغام نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ درویش صاحب کو پہنچا دیا۔ حضرت نے جواب میں یہ فرمایا۔ "مجھ کو اس امر میں معذور سمجھا جائے" قاصد نے آیت مذکورہ پڑھ کر اس کی تفسیر کرنی چاہی لیکن آپ نے فرمایا کہ جاؤ اور محمود سے کہہ دو۔ کہ اطاعت اللہ میں ایسا گھرا ہوا ہوں کہ اطاعت الرسول تک نہ پہنچنے کے لئے نہایت شرمندہ ہوں پھر اولی الامر کی اطاعت کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ قاصد نے محمود سے آ کر اسی طرح کہہ دیا۔ محمود یہ سنتے ہی آبدیدہ ہو کر ملاقات کے لئے بیتاب ہو گیا اور کہا کہ واقعی یہ عام درویشوں کی مانند نہیں ہیں۔

مزید آزمائش

(۲) تاہم مزید آزمائش واحتیاط کے لئے اپنے لباس سے اپنے وزیر کو ملبوس کیا۔ اور وزیر کا لباس خود زیب تن کیا۔ اور دس نوجوان لڑکیوں کو مردانہ لباس پہنا کر ہمراہ لیا۔ اور اس شاہی محلات اور عظیم الشان ایوانوں میں رہنے والے شہنشاہ نے ایک فقیر کی جھونپڑی میں حاضر ہو کر ادب کے ساتھ سلام کیا۔ حضرت نے بیٹھے ہی بیٹھے بغیر کسی تعظیم کے جواب میں وعلیکم السلام فرمایا۔ محمود نے (جو کہ وزیر کے لباس میں تھا) درویش صاحب سے کہا۔ کہ آپ نے بادشاہ کی تعظیم نہیں کی۔ درویش صاحب نے فرمایا کہ یہ تو ایک جال ہے۔ محمود نے مسکرا کر کہا۔ کاش آپ جیسے پرند اس جال میں پھنس سکتے۔ درویش صاحب نے محمود کا ہاتھ پکڑ کر اپنی مسند کے قریب بٹھالیا۔ اور باقی ساتھیوں میں سے کسی طرف توجہ نہ کی۔ پھر محمود نے گفتگو شروع کی۔

محمود: حضرت کچھ ارشاد فرمایئے۔

درویش: پہلے نامحرموں کو باہر نکال دو۔

بادشاہ کے حکم سے تمام کنیزیں جو کہ مردانہ لباس میں تھیں باہر ہو گئیں۔

محمود: حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ کے احوال واقوال میں سے کچھ ارشاد فرمایئے۔

درویش: اگر بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کے ارشادات میں سے کچھ سننے کی تاب ہو تو سنو! وہ ارشاد فرماتے ہیں کہ "جس نے مجھ کو دیکھ لیا۔ وہ اپنی بدبختی سے محفوظ ہو گیا۔"

محمود: آنحضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ابو جہل، ابولہب اور ان جیسے کتنے ہی بدبخت کافروں نے دیکھا۔ لیکن وہ بدبخت کے بدبخت ہی رہے۔ کیا بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کا درجہ آنحضرت ﷺ سے بھی بلند ہے۔ کہ ان کو دیکھتے ہی بدبختی کا اثر زائل ہو جاتا ہے۔

درویش: بس اس ہی لئے کہتے تھے کہ حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کے اقوال سناؤ۔ ان کے اور دیگر صوفیائے کاملین اور اولیاء کرام کے ارشادات سننے کی وہی لوگ تاب لا سکتے ہیں جو اس رنگ میں رنگے ہوں۔ یاد رکھ کہ آنحضرت ﷺ کو بجز صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے کسی نے حقیقی معنوں میں نہیں دیکھا ہے۔ اگر ابولہب، ابوجہل اور دیگر منکرین جن کے بارے میں قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ تَرٰاھُمْ یَنْظُرُوْنَ اِلَیْكَ وَھُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ۔ (۱) صحابہ کرام کی نظر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھتے۔ یقیناً بدبخت نہ رہتے۔

---

(۱) آپ کی طرف نگاہ ڈالتے ہیں۔ مگر آپ کو دیکھتے نہیں ہیں۔

محمود: (مطمئن ہو کر) حضرت مجھ کو کوئی نصیحت فرمائیے۔

درویش: چار باتوں کا خیال رکھو۔ ممنوعات سے پرہیز، نماز باجماعت، سخاوت، مخلوق خدا پر شفقت اور مہربانی۔

محمود: حضرت کچھ دعا بھی فرمائیے۔

درویش: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتْ۔(۱)

محمود: حضرت کچھ میرے لئے۔

درویش: محمود عاقبت محمود باد۔

اشرفیوں کا توڑا

اس کے بعد محمود نے اشرفیوں کا ایک توڑا پیش کرنا چاہا۔ اس کے جواب میں حضرت نے ایک جو کی روٹی محمود کے سامنے رکھتے ہوئے کہا کہ کھاؤ۔ محمود نے ایک لقمہ توڑ کر چبایا۔ لیکن حلق سے نیچے نہیں اتر سکا۔ حضرت نے فرمایا کہ نوالہ شاید حلق میں اٹکتا ہے۔ محمود نے جواب دیا ایسا ہی ہے۔ درویش صاحب نے فرمایا کہ کیا چاہتے ہو، کہ یہ اشرفیوں کا توڑا بھی میرے حلق میں اٹک جائے۔ اس کو اٹھالو۔

محمود: حضرت کچھ تو قبول فرمائیں۔

درویش: اصرار نہ کرو۔ میرے لئے یہ حرام ہے۔

محمود: اگر میرا یہ نذرانہ قبول نہیں تو مجھ کو کچھ تبرک عنایت فرمائیں۔

درویش صاحب نے اپنا ایک کرتہ محمود کو بخش دیا۔

جب محمود رخصت ہونے لگا تو درویش صاحب محمود کی تعظیم کو اٹھے۔ محمود نے عرض کیا حضرت جب میں حاضر ہوا تھا۔ تو میری طرف مطلق توجہ نہیں فرمائی گئی تھی۔ لیکن رخصت کے وقت یہ تعظیم و تکریم کیسی؟

آپ نے فرمایا کہ محمود جب تم آئے تھے تو تمہاری رگ رگ میں شاہانہ جاہ و جلال سمایا ہوا تھا اور فقیر کی آزمائش بھی مد نظر تھی۔ لہٰذا فقیر کو تمہارے جاہ و جلال تمہاری بادشاہت اور تمہاری عزت کی کوئی پرواہ نہیں تھی۔ لیکن اس وقت تم عاجزی اور فقیری لے جا رہے ہو۔ لہٰذا مجھ کو تمہارے فقیر و عجز کی تعظیم کرنی پڑی۔

(۱) اے اللہ مومن مردوں کو بخش دے، مومن عورتوں کو بخش دے۔

حسن اخلاق کے پاکیزہ نمونے

ایمان دار تاجر کی شان

حضرت سری سقطی رحمتہ اللہ علیہ خشک میوے کی تجارت کرتے تھے۔ دل میں ارادہ کرلیا تھا کہ پانچ روپے سینکڑہ سے زیادہ نفع نہیں لوں گا۔ ایک مرتبہ آپ کے گودام میں کچھ بادام رکھے تھے ان کی قیمت کل ساٹھ روپیہ ہوتی تھی۔ لیکن بازار میں وہ نوے روپے کے ہوتے تھے، دلال نے ہر چند کہا کہ بیچ دیجئے کافی منافع آرہا ہے۔ کہنے لگے، میں پانچ روپیہ سینکڑہ سے زیادہ نفع نہیں لوں گا۔ دلال نے کہا میں بازار کے بھاؤ سے کم پر نہیں بیچوں گا۔ کیونکہ میری حیثیت کم ہوتی ہے۔ چنانچہ نہ آپ بیچنے پر راضی ہوئے اور نہ دلال بکوانے پر راضی ہوا۔

حضرت محمد ابن منکدر تابعی رحمتہ اللہ علیہ کپڑے کی تجارت کرتے تھے۔ ایک دن ان کی غیر حاضری میں ملازم نے پانچ دینار کا تھان دس میں فروخت کردیا۔ آپ کو معلوم ہوا تو خریدار کو تلاش کرکے فرمایا۔ غلطی سے ملازم نے پانچ کا تھان دس میں دے دیا ہے۔ یہ پانچ دینار واپس لے لو۔ خریدار کو یقین نہیں آتا تھا۔ اس نے کہا میں نے خوشی سے لیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ مگر میں تو اس بات میں خوش نہیں ہوں۔ آخر خریدار نے پانچ دینار واپس لے لئے، اور پھر ایک شخص سے پوچھا یہ کون ہیں۔ بتایا یہ محمد ابن منکدر تابعی رحمتہ اللہ علیہ ہیں۔ خریدار نے کہا کہ واللہ یہ وہ شخص ہے کہ اگر اس کا نام لے کر بارش مانگیں تو فوراً برسنے لگے۔

حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے پوچھا آپ کی مالداری کا سبب کیا ہے؟ فرمایا کہ کم نفع پر مال فروخت کردیتا ہوں۔ چنانچہ میں نے ایک دن میں ہزار اونٹ اصلی قیمت پر فروخت کر دیئے اور صرف اتنا نفع کمایا کہ ان کی ہزار رسیاں مجھے بچ رہیں۔

دھوکہ بازی کی مذمت

ایک مرتبہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم بازار تشریف لے گئے اور گیہوں کے ایک ڈھیر میں آپ نے ہاتھ ڈال دیا۔ اندر کے گیہوں گیلے تھے۔ اور اوپر خشک تھے، آپ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا۔ یعنی جو دھوکہ بازی کرے گا۔ وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

اکل حلال کے بغیر عبادت بیکار ہے

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے غلام نے دودھ کا شربت پلایا۔ پینے کے بعد معلوم ہوا کہ اس کے حلال ہونے میں شبہ ہے۔ آپ نے فوراً قے کر دی۔ اور شربت کو نکالنے میں اتنا مبالغہ کیا کہ آپ کی جان پر بن گئی۔ پھر خدا سے فریاد کی اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں۔ اس شربت سے جو میری رگوں میں رہ گیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر تم اتنی نمازیں پڑھو کہ تمہاری پیٹھ ٹیڑھی ہو جائے، اور اتنے روزے رکھو کہ تم سوکھ کر بال کی طرح ہو جاؤ۔ اگر حرام کھانے سے پرہیز نہیں کرو گے۔ تو تمہاری نماز اور روزہ کچھ مفید نہیں ہو گا۔

حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ جو شخص مال حرام سے صدقہ دیتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ناپاک کپڑے کو پیشاب سے دھوتا ہے۔

سچی دوستی کی مثال

کسی بادشاہ کے سامنے صوفیوں کی شکایت کی گئی۔ بادشاہ نے سب کو بلوا کر قتل کا حکم دے دیا۔ صوفیوں میں حضرت ابوالحسن نوری رحمتہ اللہ علیہ بھی موجود تھے۔ آگے بڑھے اور کہنے لگے۔ یہ سب میرے دوست ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ اپنے دوستوں پر سے خود کو قربان کر دوں۔ تاکہ دوستی کا حق ادا کر سکوں۔ بادشاہ بہت متاثر ہوا، اور کہا یہ لوگ بہت پاک طینت ہیں۔ میں سب کو رہا کرتا ہوں۔

حضرت فتح موصلی رحمتہ اللہ علیہ اپنے دوست کے یہاں گئے، دوست موجود نہیں تھا۔ لونڈی سے کہا اپنے مالک کا صندوقچہ اٹھا لاؤ۔ وہ لائی تو آپ نے اس میں سے اپنی ضرورت کے لائق رقم لے لی۔ دوست کو جب معلوم ہوا۔ تو اس نے لونڈی کو یہ کہتے ہوئے آزاد کر دیا کہ آج مجھے اپنے دوست کے خلوص سے بہت خوشی ہوئی۔

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ جنگل میں گئے۔ اور دو مسواکیں آپ ﷺ نے درخت سے توڑیں ایک سیدھی تھی اور دوسری

ٹیڑھی۔ آپ ﷺ نے ٹیڑھی مسواک اپنے لئے رکھی اور سیدھی اپنے ساتھی کو عنایت فرمائی۔ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا، یارسول اللہ، یہ آپ ﷺ رکھیئے اچھی ہے۔ فرمایا قیامت کے دن سوال کیا جائے گا کہ تم نے حق صحبت ادا کیا یا نہیں، میں چاہتا ہوں کہ حق صحبت کو پورا پورا ادا کروں۔

حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جب دو آدمی آپس میں محبت اور دوستی رکھتے ہیں۔ تو ان میں خدا کا زیادہ دوست وہی ہوتا ہے۔ جو محبت میں فوقیت رکھتا ہے۔

بزرگوں نے فرمایا۔ وہ آدمی دوستی کے لائق نہیں ہے کہ تم اس سے کہو، چلو، اور وہ پوچھے، کہاں؟

مضبوط دوستی

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جب تم کسی سے محبت رکھتے ہو تو اس کو اپنے دوست پر ظاہر کردو۔ تاکہ ادھر سے بھی محبت کا جواب محبت ہی سے دیا جائے۔

اِذَا اَحَبَّ اَحَدُكُمْ اَخَاهُ فَلْيُخبِرْه ۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ دوستی تین باتوں سے مضبوط ہوتی ہے۔ ایک یہ کہ تم اپنے دوست کو اچھے نام سے پکارو۔ دوسرے تم خود پہلے سلام کرو۔ تیسرے اس کی غیر موجودگی میں اس کی تعریف کرو۔

حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زمین پر دو بیلوں کو بیٹھے دیکھا۔ پھر ان میں سے ایک اٹھا تو دوسرا بھی کھڑا ہو گیا آپ یہ دیکھ کر روئے اور فرمایا، برادران دینی میں بھی ایسی ہی متابعت ہونی چاہیے۔

امیر کی اطاعت

ابو علی رباطی رحمتہ اللہ علیہ اپنے دوست عبداللہ رازی کے ساتھ سفر میں جانے لگے تو فرمایا ہم دونوں میں سے ایک کو امیر ہونا چاہیے۔ عبداللہ نے کہا آپ امیر ہو جائیں۔ حضرت رباطی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ مگر پھر تم کو میری اطاعت کرنا ہوگی۔ کہنے لگے ضرور کروں گا۔ راستہ میں ایک رات بارش ہونے لگی۔ رباطی رحمتہ اللہ علیہ رات بھر اپنے دوست پر کمبل

تانے کھڑے رہے۔ عبداللہ نے ہر چند کہا ایسا مت کیجئے، کہنے لگے۔ میں سردار ہوں۔ اور تم فرمانبردار ہو۔ لہٰذا تم کو میری اطاعت کرنا پڑے گی۔ عبداللہ کہنے لگے، کاش میں آپ کو سردار نہ بناتا تو اچھا ہوتا۔

حسب حیثیت برتاؤ

ایک مرتبہ دوران سفر میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سامنے دستر خوان بچھایا گیا۔ اور کھانا رکھا گیا، اتنے میں ایک سائل نے سوال کیا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا اس کو ایک روٹی دے دو۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک سوار آ پہنچا۔ آپ نے فرمایا۔ اندر بلاؤ۔ اور کھانا کھلاؤ۔ ایک صاحب نے عرض کیا، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امیر کی طرف زیادہ توجہ کی۔ اور غریب کو ایک روٹی دے کر واپس کر دیا۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو مرتبہ عطا کیا ہے۔ لہٰذا ہمیں چاہئے کہ مرتبہ کے لحاظ سے ان کے ساتھ برتاؤ کریں۔

رضاعی ماں کی خدمت

ایک مرتبہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک بوڑھی عورت آئی۔ آپ ﷺ نے اپنی چادر بچھا کر اسے محبت اور تعظیم سے بٹھایا۔ اور فرمایا۔ مانگو کیا مانگتی ہو۔ اور پھر اپنا وہ حصہ جو مال غنیمت میں سے ملا تھا۔ بوڑھی کو عنایت کر دیا۔ مسلمانوں کو اس طرز عمل سے تعجب ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا، انہوں نے مجھے دودھ پلایا ہے۔ ان کا نام حلیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک لاکھ درہم کو حضرت حلیمہ سے وہ مال خرید لیا۔

احساس دوستی

ایک مرتبہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک بوڑھی عورت آئی۔ آپ ﷺ نے اس کی تعظیم کی۔ لوگوں کو بڑا تعجب ہوا۔ اور وجہ دریافت کی۔ آپ نے ارشاد فرمایا یہ بوڑھی میری بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حیات میں بھی آیا کرتی تھیں۔ میں چاہتا ہوں کہ دوستی کو نباہتا رہوں۔ کیونکہ یہ ایمان میں داخل ہے۔

عیب پوشی بہترین خصلت ہے

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص کو چوری کے الزام

میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پیش کیا گیا۔ تاکہ آپ ﷺ اس کے ہاتھ کو کاٹنے کا حکم صادر فرمائیں۔ حضور ﷺ کا چہرہ یہ حالت دیکھ کر متغیر ہو گیا۔ مسلمانوں نے عرض کیا۔ یارسول اللہ ﷺ! کیا آپ ﷺ کو اس کام میں کچھ کراہت آرہی ہے۔ فرمایا کیوں نہ آئے۔ میں اپنے بھائیوں کی دشمنی میں شیطان کا مددگار نہیں ہونا چاہتا۔ اگر تم چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف کر دے اور بخش دے تو تم کو چاہئے کہ لوگوں کے گناہوں کو چھپاؤ۔ کیونکہ جب تم سلطان کے پاس جاؤ گے تو پھر حد قائم کرنا ضروری ہوگی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دلچسپ واقعہ

امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک رات گشت کو نکلے، ایک مکان سے سرود کے بجنے کی آواز آرہی تھی، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مکان کی چھت پر چڑھ کر اندر دیکھا۔ ایک آدمی ایک عورت کے ساتھ شراب پی رہا ہے۔ آپ نے فرمایا: او دشمن خدا! کیا تو سمجھا تھا کہ خدائے تعالیٰ تیرے گناہ کو چھپالے گا؟

گھر میں سے اس آدمی نے کہا، یا امیر المومنین! جلدی نہ کیجئے۔ اگر میں نے ایک گناہ کیا ہے تو آپ نے تین گناہ کئے ہیں۔ پہلا یہ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَلَا تَجَسَّسُوْا، اور تم جستجو مت کرو، اور آپ نے جستجو کی۔ دوسرے فرماتا ہے، وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا، اور گھروں میں دروازہ سے داخل ہو۔ آپ چھت پر سے آئے، تیسرے فرماتا ہے، لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا، اور بے اجازت مت داخل ہو اور سلام کرو۔ آپ نے نہ اجازت لی اور نہ سلام کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ اچھا میں معاف کر دوں تو تم گناہ سے توبہ کر لو گے مسلمان نے عرض کیا، ضرور کر لوں گا۔ آپ نے معاف کر دیا۔ اور واپس آگئے۔ اس نے آئندہ کے لئے توبہ کر لی۔

سیدنا حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

جب دنیا سے خدا پرستی، نیک نفسی، سلام روی اور صلاحیت اٹھ جاتی ہے۔ فتنہ و فساد کی آندھیاں چلنے لگی ہیں۔ اور ضلالت و معصیت کے طوفان آتے ہیں تو کوئی انقلاب خیز اور مصلح ہستی عالم وجود میں ظہور پذیر ہوتی ہے۔

عبدالملک بن مروان کی حکومت تھی۔ مروانی پورے عروج پر تھے اور خدا پرستی، نیک نفسی اور اتباع شریعت کے جذبات آہستہ آہستہ سرد ہوتے جا رہے تھے۔ اس اہم موقع پر خدائے عزوجل نے ۱۷ ربیع الاول ۸۳ھ کو بروز دوشنبہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دنیا میں پیدا کیا۔

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئمہ اثنا عشرہ میں چھٹے امام اور حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ کے بڑے صاحبزادہ ہیں۔ آپ کا نام نامی جعفر کنیت سامی ابو عبداللہ وابو اسماعیل اور لقب پاک صادق ہے۔ آپ کی والدہ ماجدہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی پوتی تھیں۔

حضرت امام رضی اللہ عنہ بڑے حسین و جمیل اور نہایت ہی شکیل تھے، قد مبارک موزوں اور رنگ گندم گوں تھا آپ بڑے عابد و زاہد منکسر المزاج، عالی دماغ، نیک سیرت اور ظاہر و باطن سے آراستہ و پیراستہ تھے، آپ کی تعلیم و تربیت چونکہ اہلبیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے گھرانے میں ہوئی اور آپ کے سر پر آپ کے والد مکرم حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ کا سایہ رہا جنہوں نے آپ کی تربیت دل و جان سے کی، اور آپ اپنے وقت کے سب سے بڑے عابد و زاہد صوفی حق شناس، جید عالم، حافظ حدیث اور بے نظیر فقیہ محدث ہوئے، امام اعظم امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کو آپ سے شرف تلمذ حاصل ہے۔

ایک مرتبہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ بیش قیمت لباس پہنے ہوئے تھے۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ یہ لباس اہلبیت نبوت کے شایان شان نہیں ہے۔ آپ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی آستین میں داخل کر دیا۔ اوپر قیمتی لباس تھا اور نیچے ٹاٹ کا کرتہ تھا۔ جو بہت سخت اور کھردرا تھا۔ حضرت امام نے فرمایا ایک دنیا والوں کے لئے اور دوسرا خدا کے لئے

ایک دن حضرت امام جعفر رضی اللہ عنہ نے اپنے غلاموں سے فرمایا، آؤ ہم سب اس بات کا عہد کریں۔ کہ قیامت کے دن ہم لوگوں میں سے جو شخص نجات پائے۔ وہ دوسرے کی شفاعت کرے، غلاموں نے عرض کیا۔ "ابن رسول اللہ ﷺ! آپ کو ہماری شفاعت کی کیا حاجت ہے، آپ کے جد امجد تمام خلائق کے شفیع ہیں۔" تو حضرت امام رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ مجھے اپنے افعال سے شرم آتی ہے۔ قیامت کے دن اپنے جدِ بزرگوار کو کیا منہ دکھاؤں گا۔

تصوف اور زہد تقویٰ میں درجہ کمال حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ آپ اپنے وقت کے بہت بڑے محدث بھی تھے۔ آپ اپنے والد ماجد حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ، حضرت نافع رضی اللہ عنہ اور امام زہری رحمتہ اللہ علیہ سے حدیث کی روایت کی ہے اور اسلام کے عظیم المرتبت محدیث فقہا اور آئمہ حضرت یحییٰ بن سعید حضرت یحییٰ القطان، حضرت شعبہ، حضرت سفیان ابن عینیہ، حضرت ابن جریج، حضرت ابو ایوب سجتانی، حضرت امام سفیان ثوری، حضرت امام مالک، حضرت امام موسیٰ کاظم اور حضرت امام اعظم حضرت امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہم نے آپ سے حدیث کا درس لیا ہے اور بہت سی احادیث روایت کی ہیں۔ ابو حاتم کا بیان ہے کہ حضرت امام جعفر صادق رحمتہ اللہ علیہ ایسے ثقہ اور متقی ہیں، کہ روایت حدیث کے معاملہ میں ان کے متعلق کوئی نقد و جرح نہیں ہو سکتی اور اسی ثقاہت و تقویٰ اور صدق گفتاری و راست کرداری کی وجہ سے دنیا نے "صادق" کا لقب دیا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق نے کبھی امارات و ریاست اور حکومت کی خواہش نہیں کی۔ اور ہنگامہ اقتدار سے دور رہ کر عبادت الٰہی میں یکسوئی کے ساتھ مشغول رہے۔ حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ نے ایک بار آپ سے دریافت کیا۔ آپ نے بالکل ہی گوشہ نشینی اختیار کر لی ہے جس کی وجہ سے کچھ آرزو مند لوگ، آپ کے علوم و فیوض اور روحانی برکتوں سے محروم ہو گئے ہیں۔ حضرت امام رحمتہ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا۔ وقت کا تقاضا یہی ہے۔ خلوص و محبت دلوں سے نکل چکا ہے۔ اور لوگ منافق بن گئے ہیں۔ ان حالات میں یہی مناسب ہے کہ سکون و عافیت کے گوشہ میں بیٹھ کر عبادت الٰہی اور خدمت خلق کی جائے۔ اور پھر آپ نے یہ دو شعر پڑھے۔

ذھب الوفاء ذھاب انس الذاھب والناس بین فحائل و محارب

یغشون بینھم المودۃ والوفاء وقلوبھم محشوۃ بعقارب

وفا و محبت لوگوں کے دلوں سے نکل گئی ہے۔ اور اب لوگ انس و محبت کو بھول کر اپنی خواہش اور آرزوؤں کی دنیا میں باہم گر جنگ کر رہے ہیں۔ اور پھر ایک دوسرے سے ملنے میں تو ان کی زبانیں وفا اور محبت کے راگ سناتی ہیں۔ لیکن ان کے دل نفرت اور دشمنی کے بچھوؤں سے بھرے ہوئے ہیں۔

مشائخ اولیاء اللہ میں حضرت داؤد طائی رحمتہ اللہ علیہ کشف و کرامات اور ریاضت شاقہ کے اعتبار سے بے حد مشہور ہیں۔ ایک بار حضرت داؤد طائی حضرت امام جعفر صادق کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کیا "آپ مجھے کچھ نصیحت کیجئے۔ حضرت امام نے ارشاد فرمایا۔

آپ خود عابد و زاہد ہیں۔ میری نصیحت کی آپ کو کیا ضرورت ہے "تو حضرت داؤد طائی نے عرض کیا۔ کہ آپ تمام مخلوق کے واجب التعظیم بزرگ ہیں۔ اور مخلوق کی ہدایت کی خاطر آپ کو نصیحت کرنی چاہئے۔ ابن رسول اللہ ﷺ! آپ ہی اگر اس سے گریز فرمائیں گے تو پھر ہدایت و تبلیغ کا یہ کام کون کرے گا۔ تو حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا۔

میں کسی کو کیا نصیحت کروں۔ میں تو روز قیامت کے تصور سے لرزاں ہوں۔ کہ اس دن میرے جدامجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جب مجھ سے سوال کریں گے کہ میرے بیٹے ہو کر تم نے میری اتباع و پیروی کا حق کیوں ادا نہ کیا؟ تو بتلاؤ اس دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو کیا جواب دوں گا۔

حضرت داؤد طائی کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اور فرمایا:

اللہ اللہ! ایسا عابد و زاہد متقی اور خدا ترس امام محترم جس کی طینت و طبیعت مزاج نبوت سے ہو۔ جس کے جدامجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہوں...... "دادی محترمہ سیدۃ النساء فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہوں تو پھر داؤد بیچارہ کس شمار میں ہے۔ اے میرے نفس! دیکھ، دیکھ لے! تو اپنی عبادت و ریاضت پر کیا ناز کرتا ہے۔ جب کہ اتنی عبادت و ریاضت پر ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا یہ حال ہے؟ اور پھر حضرت داؤد طائی سر بسر یاد الٰہی میں محو ہو گئے۔

ایک شخص مدینہ میں آیا اور مسجد نبوی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں داخل ہو کر سو گیا۔ بیدار ہوا۔ تو اسے معلوم ہوا کہ ایک ہزار درہم کی تھیلی کسی نے اٹھالی ہے۔ ادھر ادھر نظر دوڑائی۔ تو کوئی نظر نہ آیا۔ اس وقت صرف حضرت امام جعفر صادق مسجد کے ایک گوشہ میں نماز پڑھ رہے تھے وہ

شخص آپ سے واقف نہ تھا۔ اس نے گمان کیا کہ میری تھیلی اسی شخص نے اٹھائی ہے۔ آپ کے پیچھے پڑ گیا۔ اور جو جی میں آیا کہتا رہا۔ آپ سنتے رہے۔ بالآخر فرمایا۔ اس تھیلی میں کیا تھا؟ اس نے کہا ایک ہزار اشرفیاں تھیں "آپ نے فرمایا۔ اچھا میرے ساتھ آؤ" آپ اپنے دولت خانہ پر اس کو لے گئے۔ اور ایک ہزار اشرفیاں اس کے حوالے کر دیں۔ وہ شخص یہ اشرفیاں لے کر مسجد نبوی میں آیا۔ تو اسے وہ تھیلی بھی مل گئی۔ جو ادھر ادھر ہو گئی تھی۔ وہ شخص سخت نادم ہوا۔ اور حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر معذرت کرنے لگا۔ اور وہ اشرفیاں واپس کرنی چاہئیں۔ تو حضرت امام نے فرمایا۔ ہم جو کچھ تمہیں دے چکے ہیں۔ اسے واپس لینا ہماری وضعداری کے خلاف ہے۔

ایک شخص نے آپ کے غلام کو قتل کر دیا تھا۔ آپ نے دعا فرمائی۔ اے خدا! تو اپنے کتوں میں سے ایک کتا اس پر مسلط کر دے۔ دعا فوراً مستجاب ہوئی۔ اور اس قاتل کو شیر نے پھاڑ ڈالا۔

خلیفہ منصور عباسی نے اپنے وزیر سے کہا کہ "امام صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلاؤ میں ان کو قتل کراؤں گا" وزیر نے کہا، وہ تو گوشہ نشین عابد و زاہد ہیں۔ ان پر ایسا ظلم نہ کیا جائے۔

منصور اس بات سے ناراض ہو گیا۔ اور وزیر کو مجبوراً خلیفہ کے حکم کی تعمیل کرنی پڑی۔ بادشاہ نے غلاموں کو ہدایت کر دی۔ کہ جب امام جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائیں اور میں اپنے سر سے تاج اتاروں۔ تو اسی وقت ان کو قتل کر دینا۔ چنانچہ جس وقت آپ تشریف لائے۔ تو خلیفہ بے اختیار ہو کر تعظیم کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔ اور گرمجوشی سے آپ کا استقبال کیا۔ اور بصد ادب التماس کی۔ کہ اگر میرے لائق کوئی خدمت ہو۔ تو فرمائیے۔ آپ نے فرمایا بس میری خدمت یہی ہے کہ اب آئندہ مجھے آپ تکلیف نہ دیں۔ تاکہ میں سکون کے ساتھ عبادت الٰہی میں مصروف رہوں" خلیفہ نے آپ کو بصد اعزاز رخصت کیا۔ خلیفہ خوف سے لرز رہا تھا۔ فوراً ہی بے ہوش ہو گیا۔ اور پھر تین دن تک بے ہوش رہا۔ جب ہوش آیا۔ تو وزیر نے دریافت کیا۔ کیا بات ہے؟ خلیفہ نے کہا کہ جب امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ صاحب تشریف لائے تو میں نے دیکھا کہ ایک بہت بڑا اژدھا...... آپ کے آگے آگے چل رہا ہے اور جیسے مجھ سے کہہ رہا ہے کہ اگر تو نے امام صاحب کو ایذا رسانی کا ذرا سا بھی ارادہ کیا تو تجھے نگل جاؤں گا۔ وہ منظر اتنا دہشت ناک تھا کہ مجھ پر لرزہ طاری ہو گیا۔ اس وقت تو میں نے ضبط کیا۔ لیکن پھر میں اس کی ہیبت سے بے ہوش ہو گیا۔

حضرت لیث بن سعد سمرقندی بیان کرتے ہیں کہ میں ۱۱۳ھ میں حج کے لئے گیا تھا ایک دن نماز عصر سے فارغ ہو کر جبل ابو قبیس پر گیا۔ وہاں ایک آدمی کو دیکھا جس کا قد نہایت موزوں رنگ گندم گوں، چہرہ نہایت نرم، خوبصورت تاباں، ہونٹ نازک، آنکھیں بڑی اور سیاہ اور سینہ کشادہ تھا۔ وہ شخص دعا مانگ رہا تھا۔ اور یا رب یا رب پکار رہا تھا۔ قسم ہے اس ذات کی۔ جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ ابھی اس شخص کی دعا ختم نہ ہونے پائی تھی۔ کہ میں نے اس کے قریب انگور کی بھری ہوئی پٹاری دیکھی۔ حالانکہ ان دنوں میں کہیں انگور کا نشان تک نہ تھا۔ اور اس کے قریب دو چادریں بھی رکھی ہوئی تھیں۔ میں نے ایسی چادریں بھی کہیں نہیں دیکھی تھیں دعا سے فارغ ہو کر اس نے انگور کھائے مجھے بھی اپنے قریب کھڑا دیکھ کر بلایا اور انگوروں میں شریک کیا۔ انگور ایسے لذیذ تھے کہ اس سے پہلے میں نے کبھی نہیں کھائے تھے۔ پھر اس شخص نے مجھے چادر دی۔ میں نے کہا۔ مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ اور خود ایک چادر کا تہبند باندھا اور دوسری کو اوڑھ کر ایک طرف چلا گیا۔ میں نے وہاں ایک شخص سے پوچھا۔ یہ کون تھے؟ اس نے کہا یہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دستور تھا کہ محلہ بن ساعدہ میں رات کو روٹیوں کا ایک تھیلہ لیکر جاتے تھے اور وہاں سوئے ہوئے فقراُ کے سرہانے دو دو روٹیاں رکھ آتے۔ اور کبھی کبھی گوشت اور نقدی بھی رکھ آتے تھے۔ ان کو خبر بھی نہ ہوتی تھی کہ کون دے گیا ہے؟ آپ کا لباس کبھی سادہ اور کبھی شاندار ہوتا تھا۔ اکثر پیوند لگے کپڑے پہنتے تھے۔ محنت اور جفاکشی آپ کی عادت کریمانہ تھی۔ مزدور کی اجرت دینے میں عجلت کرتے تھے۔

منصور نے محمد ابن سلیمان کے ذریعہ زہر آلود انگور آپ کو کھلا دیئے تھے جس کے اثر سے آپ ۱۵ رجب ۱۴۸ھ کو رحلت فرما گئے۔ جنت البقیع آپ کا مدفن ہے۔

دمِ تقریر تھی مسلم کی صداقت بیباک

ایک دن حضرت خواجہ حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ جامع ابو عاصم میں وعظ فرما رہے تھے کہ اتنے میں حجاج بن یوسف بھی اس وعظ میں شامل ہوا۔ اور ایک امتیازی شان کے ساتھ ایک قالین پر بیٹھ گیا۔ حضرت خواجہ حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ......

اس مجلس میں ایسے آدمی بھی ہیں جو خود کو مرتبہ انسانیت سے بالاتر سمجھتے ہیں۔ اور عام مسلمانوں کو ایک حقیر جانور سے بھی زیادہ ذلیل سمجھتے ہیں۔ ان کے سامنے غریبوں کا بیٹھنا بُرا، ان سے بات کرنا گناہ اور ان کے کسی فعل پر اعتراض کرنا گویا قتل ہونا ہے۔ مگر اے فنا ہونے والوں کیوں اپنی فانی قوتوں پر اتنا غرور کرتے ہو۔

حاضرین مجلس کو یقین تھا کہ اس بے باکانہ تقریر پر حجاج حضرت کے قتل کا حکم دے دے گا مگر حجاج نہایت خاموشی سے آپ کی تقریر سنتا رہا اور خاموش اٹھ کر چلا گیا۔ ایک ہفتہ کے بعد حجاج نے حضرتؒ کو ایک خط تحریر کیا۔ اس میں ملاقات کی خواہش ظاہر کی۔ آپ نے اس خط کو لینے سے انکار کیا اور فرمایا کہ جس چیز کو ایک ظالم کے ہاتھ لگے ہیں۔ میں اسے چھونا پسند نہیں کرتا، اور اس خط کی پشت پر لکھوایا۔ خدا کے مغرور بندے حجاج تجھ کو معلوم ہو کہ غریب تیرے ظلم سے تنگ آ گئے ہیں۔ میں تجھ سے ملاقات پسند نہیں کرتا۔

سخاوت

حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کی سخاوت کا یہ عالم تھا کہ آپ کے در سے کوئی سائل محروم نہ جاتا تھا۔ آپ نہایت رحم دل تھے۔ لیکن قانون شریعت میں آپ نے کبھی عدل وانصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ اور مغرور لوگوں کے مقابلہ میں کبھی عاجزی سے پیش نہ آئے۔ آپ کی امتیازی شان تھی کہ دھوکے باز عالموں سے سخت نفرت کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ سے عرض کیا۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ امیر لوگوں کی طرف کیوں نہیں توجہ دیتے۔

آپ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا وہ خداوند عالم کی بادشاہت سے بے نیاز ہیں۔ اور اپنے مال و دولت کو اپنا معبود سمجھتے ہیں۔ اس لئے ان کا دل نیک ہدایت قبول کرنے سے قاصر ہے۔

آپ کی تقریر کا ایک ایک لفظ جذب واثر میں ڈوبا ہوتا تھا۔ آپ کے جملے اس قدر روح پرور اور بے باک ہوتے تھے کہ سامعین کے دلوں پر تیر و نشتر کا کام کرتے تھے۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ کی تقریر میں ہزاروں کا مجمع ہوتا تھا۔ جب آپ مسجد میں وعظ فرماتے تو مسجد کے باہر بھی راستہ بند ہو جاتا تھا۔ لوگ آپ کی تقریر سن کر آنسو بہاتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ کے وعظ سے متاثر ہو کر چھ سو یہودی اور چار سو عیسائی حلقہ اسلام میں داخل ہو گئے۔

نصیحت

حضرت خواجہ فضیل بن ایاز رحمتہ اللہ علیہ ایک باعظمت اور زبردست عالم تھے۔ آپ نہایت خلیق، شریں زبان، بردبار اور نرم دل تھے۔ ہر غریب و امیر سے نہایت متانت و سنجیدگی سے بات کرتے اور کسی کو حقیر نگاہوں سے نہ دیکھتے تھے۔ آپ کے ہر انداز سے ذوق معرفت اور عشق الٰہی ظاہر ہوتا تھا۔ زیادہ تر راتوں کو عبادت کرتے اور خوف الٰہی سے روتے رہتے تھے۔ حضور سرور کائنات ﷺ سے بے پناہ عشق تھا۔ اپنی زندگی میں ہر گام پر اسوۂ حسنہ کی پیروی کرتے تھے۔ آپ کا معمول تھا کہ ہمیشہ غریبوں ناداروں اور محتاجوں کی خدمت کرتے اور بیماروں کی عیادت کے لئے تشریف لے جاتے۔

ایک مرتبہ ایک غریب طالبعلم نے حضرت رحمتہ اللہ علیہ سے امیر سمرقند کی شکایت کی۔ اور کہا کہ وہ بہت سنگدل اور مغرور ہے۔ حضرت خواجہ رحمتہ اللہ علیہ امیر کے مکان پر تشریف لے گئے۔ اور نہایت بے باکی سے فرمایا کہ "مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم اپنی ہستی کو مرتبہ انسانیت سے بالاتر سمجھتے ہو۔ اور تمہارے سامنے غریبوں کی بات کرنا بھی گناہ ہے۔ اگر یہ سچ ہے تو میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ عنقریب تمہاری شمع حیات گل ہو جائے گی۔ اور اگر تم اچھے اعمال کرو گے تو آغوش رحمت میں تمہیں جگہ ملے گی۔ ورنہ یاد رکھو تمہارا ٹھکانہ جہنم میں ہو گا۔

یہ الفاظ سن کر امیر سمرقند کانپنے لگا۔ اور تائب ہو کر حضرت خواجہ رحمتہ اللہ علیہ کے قدموں میں گر کر رو رو کر اپنے گناہوں کی تلافی کرنے لگا۔

حضرت فتح موصلی رحمتہ اللہ علیہ کے خوف خدا کا یہ عالم تھا کہ روتے روتے ان کی آنکھوں سے خون کے آنسو جاری ہو جاتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ عالم تنہائی میں دونوں ہاتھ منہ پر رکھے ہوئے رو رہے تھے۔ کہ اتفاق سے ان کا شاگرد وہاں آ گیا۔ اس نے دیکھا کہ آپ کی انگلیوں کے درمیان سے خون آلود آنسو نکل رہے ہیں۔ اس نے گھبرا کر کہا کہ آپ کو خدا کی قسم ہے کہ مجھے بتائیے کہ آپ کب سے خون کے آنسو بہا رہے ہیں۔

آپ نے فرمایا۔ تم نے مجھے خدا کی قسم دی ہے۔ اگر تم مجھے خدا کی قسم نہ دیتے تو میں ہرگز نہ

بتاتا...... خیر میں تمہیں بتاتا ہوں کہ مجھے پچاس سال کا عرصہ ہو گیا۔ اسی طرح خوف خدا سے خون کے آنسو بہا رہا ہوں۔

حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ کی جوانی کے زمانے ہی میں کمر خم ہو گئی تھی۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ کے ایک شاگرد ایک دن اس کے متعلق معلوم کرنے لگے۔ تو آپ نے فرمایا کہ میرے استاد محترم کا آخری وقت تھا اور میں ان کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ استاد محترم نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ اے سفیان! میں نے تمام عمر لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی ہدایت کی ہے۔ اور برے کاموں سے منع کیا ہے۔ مگر اب میں اس خدمت سے الگ کیا جا رہا ہوں۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے اور میں کہاں جا رہا ہوں۔

میں نے جیسے ہی ان کی یہ گفتگو سنی۔ مجھ پر اللہ تعالیٰ کا اس درجہ خوف طاری ہوا کہ اس کے فوری اثر سے میری کمر ٹوٹ گئی۔ اور میری کمر کی ہڈیوں کے ٹوٹنے کی آواز حاضرین مجلس نے سنی۔

سیدھی لکڑی

ایک مرتبہ ایک بادشاہ نے اپنے وزیر کو حکم دیا کہ ہمارے سامنے تین ہاتھ اور ایک ایسی سیدھی لکڑی پیش کرو جس میں ذرہ برابر بھی خم نہ ہو۔ عرصہ دراز کی جستجو کے بعد ایک ایسی قدرتی شاخ ہاتھ آ گئی۔ وزیر وہ شاخ لے کر بادشاہ کے سامنے حاضر ہوا۔ بادشاہ اس شاخ کو دیکھتے ہی تخت سے اتر آیا۔ اور اسے دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ دربار میں ایک عارف بھی موجود تھے۔ وہ اس نظارے کو دیکھ کر رونے لگے، وجہ پوچھی تو فرمانے لگے کہ ایک سیدھی لکڑی کی یہ عزت کہ ایک بادشاہ اس کے استقبال کے لئے تخت سے اتر آیا۔ اگر مجھ میں بھی ایسی ہی راستی ہوتی تو مجھ پر بھی نور خداوندی کا نزول ہوتا۔

اسلامی زندگی

مسلمانوں میں جہاں اسلام کے متعلق یہ بہت بڑی غلط فہمی رائج رہی ہے کہ دین الگ ہے۔ اور سیاست الگ، وہاں ایک غلط تصور بھی موجود رہا ہے۔ کہ علماء کا اصل مقام منبر و محراب کی جلوہ

---

(۱) شریعت اس طرح کی صوت خبیر "لطف غنی" سے تعبیر کرتی ہے ۱۲

گری اور مسند درس و تدریس کی زینت آرائی ہے۔ ان کو زندگی کے دوسرے گوشوں سے زیادہ واسطہ نہیں ہونا چاہئے۔ خصوصاً میدان جہاد کی تگ و تاز تو آخری شے ہے۔ جس کے لئے کوئی عالم دین وقت نکال سکتا ہے۔ لیکن جن اکابرِ ملت کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی صحیح بصیرت عطا فرمائی تھی۔ وہ اس تفریق کے کبھی قائل نہ ہوئے۔ اور انہوں نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اس خصوصیت کو قائم رکھا۔ کہ زمانہ ان کو دن میں گھوڑے کی پیٹھ پر اور رات کو مصلے پر مصروف نماز پاتا تھا۔

دوسری صدی ہجری کا زمانہ ہے۔ روم کے علاقے میں مسلمانوں اور رومیوں کے مابین ایک خونریز جنگ کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ دونوں طرف سے صف بندی ہو چکی ہے اور جوانمرد دادِ شجاعت دینے کے لئے اپنے بازو تول رہے ہیں۔ رومی اپنے وطن کے لئے سر بکف ہیں۔ اور مسلمان اللہ کے دین کی عظمت اور کلمتہ اللہ کی بلندی کے لئے جذبہ جہاد سے معمور۔ اتنے میں کفار کی صفوں میں سے ایک شخص تنہا اکڑتا اور اینٹھتا ہوا نکلا۔ اور دونوں صفوں کے درمیان پہنچ کر اس نے مسلمانوں کو للکارا۔

یہ سن کر مسلمانوں کی صفوں میں سے ایک شخص چادر سے منہ چھپائے نکلا اور دونوں آپس میں نبرد آزما ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے مقابلے کے بعد مسلمان کا نیزہ کافر رومی کے سینے میں پیوست تھا۔ اور وہ خاک و خون میں پڑا ہوا تڑپ رہا تھا۔

یہ منظر دیکھ کر ایک اور رومی بہادر جوش کھا کر نکلا۔ اور اس نے آتے ہی مسلمان پر حملہ کر دیا مگر مسلمان نے پینترہ بدل کر جو نیزہ مارا تو اس کے سینے کو توڑ کر اس کی انی اس کی پشت سے باہر نکل گئی۔ اور وہ مرغ بسمل کی طرح زمین پر گر کر لوٹنے لگا۔

دو رومیوں کی یہ بے بسی کی موت رومیوں کے لشکر کے جلیل القدر بہادروں کے سمندر شجاعت کے لئے تازیانہ ہوئی اور ان میں سے یکے بعد دیگرے تین اور شجاع نکلے اور اس مرد غازی سے جنگ آزما ہوئے لیکن اس جہاں مرد نے ہر آنے والے کو نیزے کے ایک ہی وار سے ٹھنڈا کر دیا۔ اور اب کسی رومی کو ہمت نہ پڑتی تھی کہ اس کے مقابلے کو نکلے تھوڑی دیر اس نے انتظار کیا۔ پھر وہ اسی طرح چادر سے منہ لپیٹ کر میدان سے ہٹ گیا۔

لوگ اس حیرت انگیز مرد مجاہد کو دیکھنے کے لئے جمع ہوئے۔ وہ آستین سے منہ چھپائے بیٹھا تھا۔ عبداللہ بن سلیمان جو اس واقعہ کے چشم دید گواہ ہیں۔ کہتے ہیں، میں نے آستین ہٹائی تو دیکھا کہ

امام عبداللہ بن مبارک ہیں جو اپنے وقت کے چوٹی کے عالم محدیث اور فقیہ تھے مسند علم نے ان کو میدانِ جہاد کا حق ادا کرنے سے روکا نہیں تھا۔

کلمہ حق

خلیفہ ہارون الرشید عین وزبر میں وارد ہیں۔ اور یہیں امام عبداللہ بن مبارک بھی مقیم ہیں۔ اور امام کی حق گوئی و بے باکی کا عام شہرہ ہے۔ اور وہ سلاطین وامراء کو برملا ٹوکنے میں ذرہ برابر احتیاط نہیں کرتے۔ وہ میدان جہاد ہی کے شہسوار نہیں۔ سلطان جابر کے سامنے کلمہ حق کہنے کے مجاہد بھی ہیں۔ اور یہ جہاد افضل الجہاد ہے۔ ہارون الرشید کو بھی اس کا علم ہے۔ مگر وہ ان سے ملاقات مشتاق ہے۔ اس نے حضرت امام کے ایک دوست سے کہا عبداللہ بن مبارک کو بلواؤ۔ مگر امام موصوف درباروں کی حاضری کو پسند نہ کرتے تھے اور اس لئے ہارون کی آمد کی خبر سن کر روپوش تھے۔ دوست خاموش رہا۔ اس نے سوچا ایسا نہ ہو۔ امام ہارون کو کوئی تلخ بات کہہ دیں اور وہ ان کے قتل کا حکم دیدے۔ اور میں ان کی موت کا باعث بنوں مگر جب خلیفہ نے اصرار کیا تو اس نے کہا۔

"امیر المومنین عبداللہ بن مبارک ایک درشت مزاج اور غیر مہذب آدمی ہیں۔ آپ ان سے مل کر کیا کریں گے۔"

ہارون خاموش ہو گیا...... مگر تین دن کے بعد امام صاحب باہر نکل آئے۔ کسی نے پوچھا آپ چھپتے بھی ہیں۔ اور اب باہر بھی نکل آئے۔ امام عبداللہ بن مبارک نے جواب دیا۔

"پہلے میں نے اپنی جان کو مرنے کے لئے کہا۔ وہ نہ مانی۔ اس لئے روپوش ہو گیا تھا مگر اب وہ موت کے لئے آمادہ ہے۔ اس لئے باہر نکل آیا ہوں۔"

خلیفہ مہتدی

خلیفہ مہتدی نے ملکی نظم و نسق سنبھالنے کے بعد ملک کو ان تمام تکلفات سے آزاد کر دیا جو ان کے پیش رو خلفاء نے قائم کر رکھے تھے۔ مہتدی کا خیال تھا کہ بے کار سرمایہ ضائع کرنے کی بجائے تعمیری کاموں میں صرف کرنا چاہئے۔ تاکہ عوام کو خوشحال زندگی نصیب ہو سکے۔ اور حکومت کے جو اعمال راحت طلبی کے شوق میں روز بروز کاہل ہوتے جا رہے ہیں۔ وہ تکلفات سے نکل کر سادہ زندگی کے خوگر بن سکیں۔ اس غرض کے لئے مہتدی نے اپنے محل سے اصلاحات کا

سلسلہ شروع کیا۔ شاہی دستر خوان پر دس ہزار دس درہم یومیہ صرف ہوا کرتے تھے۔ جنہیں مہتدی نے کم کر کے سو درہم کر دیا۔ اور اپنی زندگی کو سادہ اور پاکبازی کے ایسے سانچے میں ڈھالنا شروع کر دیا۔ جس کا عمال پر اثر ہونا ایک فطری بات تھی۔

قبتہ المظالم کے نام سے مہتدی نے ایک ایسی عمارت تعمیر کرائی جس میں حکام کے خلاف مقدمات سنے جاتے۔ اور ہر شخص کو آزادی حاصل تھی۔ کہ وہ حکام کے خلاف اپنے ضمیر کی آواز کو بلا کم و کاست بیان کر سکے۔ مہتدی اس آواز کو بغور سنتا تھا۔ اور مظلوموں کی فریاد پر اپنی تمام توجہ مبذول کر دیتا تھا۔

اس طرز عمل کا نتیجہ یہ ہوا کہ مظلوموں کی آواز ہر جگہ سنی جانے لگی۔ ہر حاکم فیصلہ کرتے وقت عدل و انصاف کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتا تھا۔ اور اسے اس امر کا اندیشہ رہتا تھا کہ اگر میں نے عدل و انصاف کے تقاضوں سے سر مو بھی انحراف کرنے کی کوشش کی تو مہتدی کے عتاب سے نہیں بچ سکوں گا۔

مہتدی کی سادگی نے ان امراء کو تکلفات سے آزاد کر دیا جن کی زندگی از سر تا پا تکلفات میں ڈوبی ہوئی تھی۔ ایک دن شاہم بن قاسم کسی ضرورت کے تحت مہتدی سے ملنے کے لئے گئے۔ مختلف موضوعات پر گفتگو کرتے ہوئے دیر ہو گئی۔ تو شاہم نے سلسلہ کلام بند کرتے ہوئے اجازت چاہی۔ لیکن مہتدی نے انہیں روکتے ہوئے کہا۔ اب مغرب کا وقت ہو گیا ہے۔ کیا آپ مجھے اپنے ساتھ نماز پڑھنے کی سعادت سے محروم رکھیں گے۔

رحمت ورافت

تقریباً ایک صدی گزری سبکتگین ایک غریب شکاری کی حیثیت سے گھوڑے پر سوار جنگل کی سمت جا رہا تھا۔ اس وقت وہ بادشاہ نہیں تھا۔ بلکہ اپنے قبیلہ کا معمولی سردار تھا۔ اور درجہ غریب تھا۔ کہ اس گھوڑے کے سوا جس پر وہ اس وقت سوار تھا۔ اس کی کوئی جائیداد نہ تھی۔ اس کے وقت کا زیادہ حصہ شکار ہی میں گزرتا۔

ایک روز اس کو ایک ہرنی اور اس کا چھوٹا سا بچہ نظر آیا۔ اس نے گھوڑا دوڑایا۔ اور ذرا سی دیر میں ہرنی کے بچہ کو زندہ گرفتار کر کے گھوڑے پر لٹکا لیا اور شہر کی طرف واپس لوٹا ذرا ہی فاصلہ طے

کیا تھا۔ کہ مڑ کر جو دیکھتا ہے۔ ہرنی پیچھے پیچھے چلی آرہی ہے۔ اس کی آنکھیں انداز التجا میں گھوڑے کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔ اور اپنے بچہ کی مامتا میں جان کے خوف سے لاپرواہ کشاں کشاں چلی آ رہی تھی۔ بہادر شکاری نے آج تک نہ جانے کتنے جانوروں کو موت کا شکار بنایا ہوگا...... لیکن کبھی اس طرح کا جذبہ اس کے سینہ میں پیدا نہ ہوا تھا۔ جیسا اس وقت ہرنی کی حالت دیکھ کر ہوا۔ اس نے بچے کے پاؤں کھول کر چھوڑ دیا۔ ہرنی نے اپنے بچہ کو آزاد دیکھ کر سینہ سے لگایا۔ اور خوش خوش اسے ساتھ لئے جنگل کی طرف چلدی۔

سبکتگین اپنے گھر چلا آیا۔ اسی رات اس نے خواب دیکھا کہ سرور کونین رحمتہ اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے ہیں۔ اور ارشاد فرماتے ہیں کہ اے سبکتگین! آج تم نے غریب ہرنی پر جو رحم کیا ہے۔ اس سے تمہارا خدا تم سے بہت خوش ہوا۔ اور تمہارا یہ نیک عمل اسے اتنا پسند آیا کہ تمہارے لئے بادشاہت تجویز فرمادی ہے۔ تم کچھ دنوں میں بادشاہ بن جاؤ گے۔ اس وقت تم پر لازم ہے کہ اپنی رعایا کی بہترین نگہداشت کرنا اور اسی طرح رحم و کرم سے کام لینا۔ ہمدردی ور حم دنیا اور آخرت دونوں کے لئے عمدہ صفت ہے۔

صادق و مصدق کی بشارت نے کچھ ہی دنوں میں عملی جامہ پہنا۔ شاہ افغانستان کی لڑکی سے سبکتگین کی شادی ہوئی۔ اور اسے تخت شاہی میسر آیا۔ یہ تخت تمام زندگی اس کے قبضہ میں رہا۔ اور اس کے ایک بیٹا ہوا۔ تو اس کا نام اس نے سرور کونین ﷺ کے نام پر "محمود" رکھا۔

صاف گوئی

قبیلہ کنانہ کی بہادر خاتون دارمیہ ان جانباز عورتوں میں سے تھی جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی جنگ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ دیا تھا۔ فتح کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ایک بار حج کرنے مکہ معظمہ آئے۔ اور انہوں نے دارمیہ کے بارے میں لوگوں سے پوچھا۔ بتایا گیا کہ آج کل وہ یہیں آئی ہوئی ہے۔ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے آدمی بھیج کر اسے بلایا۔ وہ آئی تو انہوں نے پوچھا۔

تمہیں خبر ہے۔ کہ میں نے تمہیں کیوں بلایا؟

اس نے کہا "مجھے کیا معلوم، غیب کا حال سوائے خدا کے اور کوئی نہیں جانتا۔"

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا، میں تم سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ تم نے علی رضی اللہ عنہ

کا ساتھ کس لئے دیا۔

دارمیہ بولی "اگر ممکن ہو تو آپ مجھے اس سوال سے معاف رکھیں۔"

معاویہ نے کہا "ہرگز نہیں۔ میں ضرور تم سے اس سوال کا جواب لوں گا۔"

دارمیہ نے کہا "تو سنیئے! میں نے حضرت علی کا ساتھ اس لئے دیا کہ وہ اپنے ماتحتوں کے ساتھ نہایت مہربانی، رحم اور انصاف کے ساتھ پیش آتے تھے۔ وہ کسی کی حق تلفی نہیں کرتے تھے۔ وہ غربا اور مساکین کے ساتھ نہایت محبت اور ہمدردی کا برتاؤ کرتے تھے۔ اور دینداروں کی عزت کرتے تھے۔ رہی یہ بات کہ میں آپ سے کیوں عداوت رکھتی تھی، تو سنیئے کہ آپ ایک ایسے شخص سے آمادہ بہ جنگ ہوئے۔ جو آپ سے اچھا تھا۔ اور آپ نے وہ حق مانگا جس کے حقدار نہ تھے۔ آپ نے خونریزی کی بنیاد ڈالی اور فتنہ و شر کی آگ بھڑکائی۔ آپ نے اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی کی اور خدا کے حکم سے منہ پھیر لیا۔ یہ کیونکر ممکن تھا کہ جو لوگ حق و انصاف کو پسند کرتے تھے۔ وہ آپ کی حکومت سے خوش رہیں۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ نہ دیں۔

دارمیہ کی یہ بے لاگ باتیں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے صبر و ضبط کے ساتھ سنیں۔ پھر پوچھا۔

اے نیک بخت! تو نے علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا بھی ہے۔

دارمیہ نے کہا۔ کیوں نہیں دیکھا۔

معاویہ نے پوچھا۔ "تم نے انہیں کیسا پایا۔"

دارمیہ نے بے خوفی سے کہا۔ انہیں آپ کی طرح حکومت و اقتدار کے نشہ نے دیوانہ نہیں بنا دیا تھا۔ وہ حاکم ہو کر اپنے فرائض سے غافل نہیں ہوئے۔ انہوں نے ہر حال میں خدا کو یاد رکھا۔ اور عدل و انصاف کی راہ سے ذرا نہیں ہٹے۔"

معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا۔ "تو نے کبھی علی رضی اللہ عنہ کی تقریر بھی سنی ہے؟"

دارمیہ بولی "بے شک سنی ہے۔ ان کا کلام دلوں کی سیاہی اس طرح دور کرتا تھا جیسے روغن زیتون برتنوں کا زنگ دور کرتا ہے۔"

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا "بے شک تو ٹھیک کہتی ہے...... بیان کر اگر تیری کوئی حاجت ہو تو میں پوری کروں۔"

دارمیہ بولی۔ کیا واقعی آپ میری حاجت پوری کریں گے؟

ہاں ضرور کروں گا۔"

دارمیہ نے کہا۔ تو مجھے سرخ رنگ کی سو اونٹنیاں چاہئیں اور ان کے ساتھ ہانکنے اور چرانے والے بھی ہوں۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے۔ اگر میں تمہاری یہ مانگ پوری کر دوں۔ تو کیا تمہارے دل میں علی رضی اللہ عنہ کے برابر میری جگہ ہو جائے گی۔"

دارمیہ نے برجستہ جواب دیا "یہ ناممکن ہے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے برابر آپ سے ہرگز محبت نہیں کر سکتی۔ نہ ان جیسی عزت آپ کی میرے دل میں ہو سکتی ہے۔"

امیر معاویہ کو یہ صاف صاف جواب گراں گزرا لیکن انہوں نے تحمل کیا اور چند شعر پڑھے جن کا مطلب یہ تھا:

اگر میں آج تیرے ساتھ بردباری اور تحمل سے پیش نہ آؤں تو میرے بعد کون ہو گا۔ جس سے تحمل و بردباری کی توقع ہو سکتی ہے۔ یہ عطیہ تجھے مبارک ہو اور اس شخص کو یاد رکھو جس نے دشمنوں سے جنگ کے بدلہ میں صلح اور نرمی کا برتاؤ کیا۔

یہ اشعار پڑھ کر امیر معاویہ نے فرمایا۔ اگر ایسا ہی واقعہ تمہیں علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیش آتا تو سچ کہنا کیا وہ بھی ایسا ہی فیاضی کا برتاؤ کرتے اور سخت و تلخ باتوں کے جواب میں اسی طرح نرمی اور درگزر سے پیش آتے۔

دارمیہ نے کہا۔ جہاں تک فیاضی کا تعلق ہے میں یقین رکھتی ہوں کہ وہ بیت المال میں سے جس میں تمام مسلمانوں کا مشترکہ حق ہے۔ اونٹنی تو کیا بلی کا بچہ بھی دینا گوارہ نہ کرتے ہاں نرمی کی بات یہ ہے۔ کہ خدا جانتا ہے وہ آپ سے زیادہ انصاف پسند کرنے والے اور حق کی باتیں سن کر سر تسلیم خم کرنے والے تھے۔

حضرت امیر معاویہ ان صاف صاف باتوں کو سن کر سناٹے میں آ گئے اور جلد سے جلد سو اونٹنیاں حسب وعدہ دیکر دارمیہ کو رخصت کیا۔

زیادہ سخی!

تین شخص آپس میں بحث کر رہے تھے۔ کہ ہمارے زمانے میں سب سے زیادہ سخی کون ہے۔ ایک شخص بولا عبداللہ بن جعفر سے بڑھ کر اس وقت کوئی سخی نہیں۔ دوسرا بولا سب سے بڑا سخی قیس بن سعد ہے، تیسرے نے کہا ہرگز نہیں۔ سب سے بڑا سخی آج کل عرابتہ اوسی ہے۔

یونہی بحث ہوتی رہی اور کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ ایک صاحب وہاں اور موجود تھے۔ انہوں نے کہا بھائیو! فضول لڑتے ہو بہتر صورت یہ ہے کہ تم میں سے ہر شخص جس کو زیادہ سخی سمجھتا ہے۔ اس کے پاس جائے اور دست سوال دراز کرے۔ پھر کون کیا لے کر لوٹتا ہے۔ اسی سے فیصلہ ہو سکے گا کہ کس کی سخاوت بڑھ گئی ہے۔

بات معقول تھی تینوں نے منظور کر لی۔ اور ایک شخص عبداللہ بن جعفر کے پاس پہنچا۔ وہ اس وقت کہیں جانے کو تیار تھے۔ ان کا ایک پاؤں اونٹنی کی رکاب میں تھا۔ اس شخص نے اسی حالت میں کہا کہ میں ایک مصیبت زدہ مسافر ہوں مجھے ڈاکوؤں نے لوٹ لیا۔

جعفر نے یہ سنا تو پاؤں رکاب سے نکال لیا۔ اور کہا اسی اونٹنی پر سوار ہو جاؤ، اور جو کچھ خرجی میں ہے سب لے لو۔

اس شخص نے اونٹنی لی اور خرجی دیکھی تو اس میں چار ہزار اشرفیاں اور کئی قیمتی چادریں تھیں۔ یہ سب لے کر چلا آیا۔

اس کے بعد قیس بن سعد کا طرفدار قیس کے گھر پہنچا۔ پتہ چلا کہ قیس سو رہا ہے۔ اس نے قیس کی باندی سے کہا کہ قیس کو اٹھا دے۔ باندی نے کہا تمہاری جو ضرورت ہو بیان کرو اس شخص نے جواب دیا۔ میں مسافر ہوں اور ڈاکوؤں نے مجھے لوٹ لیا ہے۔

باندی نے کہا انہیں جگانے کی ضرورت نہیں۔ یہ تھیلی لو، اس میں سات سو اشرفیاں ہیں۔ اور قیس کے گھر میں آج اس سے زیادہ اور کچھ نہیں ہے۔ یہ لے لو اور اونٹوں کے گلے میں چل کر جونسا چاہو اونٹ پسند کر لو اور ایک اونٹ لے لو۔

وہ شخص یہ سب لے کر چلا۔ جب قیس بن سعد جاگا تو باندی نے اس شخص کے آنے اور اشرفیاں وغیرہ دینے کا واقعہ بیان کیا۔ وہ بہت خوش ہوا اور بطور اظہار خوشنودی باندی کو اسی وقت

آزاد کر دیا۔ باندی کو بہت افسوس ہوا کہ میں نے کیوں سب بات کہہ دی۔ اگر نہ کہتی تو آزاد نہ ہوتی۔ کیونکہ آزاد ہونے سے کہیں بہتر قیس جیسے صاحب جود و سخا کی کنیز رہنا ہے۔

اب تیسرا شخص عرابہ کا طرفدار عرابہ کی طرف گیا۔ اس نے دیکھا، عرابہ ابھی گھر سے نکلا ہے۔ اور مسجد کی طرف جارہا ہے۔ آواز دے کر کہا۔

اے عرابہ! میں مسافر ہوں اور ڈاکوؤں نے مجھے لوٹ لیا ہے۔

یہ سن کر عرابہ کے چہرے سے ندامت و پریشانی ظاہر ہوئی۔ اس نے اپنا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر مار کر کہا۔ "افسوس خدا کی قسم! آج صبح سے شام تک میرے پاس کوئی چیز نہیں ہے لوگوں نے میرے پاس کچھ نہیں چھوڑا"

عرابہ کے دو غلام بھی اس کے ساتھ تھے۔ اس نے ہاتھ سے اشارہ کر کے کہا۔ بس یہ دو غلام ہیں۔ انہیں لے جاؤ۔

اس شخص نے کہا "خدا کی قسم ایسا نہیں ہو سکتا۔ میں اتنا ظالم نہ بنوں گا کہ آپ سے آپ کے آخری غلام بھی لے لوں"

عرابہ نے کہا۔ "اچھا یہی ہے کہ تم لے لو، ورنہ خدا کی راہ میں آزاد ہیں۔ چاہے تم لیکر اپنے پاس رکھو یا آزاد کر دو۔"

اس شخص نے مجبوراً دونوں غلاموں کو لیا اور چلا آیا۔

جب تینوں شخص ایک جگہ جمع ہوئے اور اپنا اپنا قصہ سنایا تو بحث و مشورے کے بعد عرابہ کے حق میں فیصلہ ہوا۔ کہ وہی آج سب سے بڑا سخی ہے۔ کیونکہ اس نے ایسی حالت میں بخشش کی کہ خود صاحب احتیاج تھا۔ اور اس چیز کی بخشش کی تھی جو اس کا آخری سرمایہ تھی۔

مہمان نوازی

ولید بن عبدالملک کے وزیر حجاج بن یوسف کے ظالمانہ کارنامے تاریخ کبھی فراموش نہ کرے گی۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے یزید ابن مہلب صفرہ کو گرفتار کرایا۔ اور طرح طرح کی تکلیفیں دیں اور سارا مال و اسباب چھین لیا۔ پھر اسی پر بس نہ کی۔ بلکہ قید میں ڈال دیا۔

یزید بن مہلب بڑا خوش گفتار اور بہت سی خوبیوں کا مالک تھا۔ قید خانہ کے داروغہ کو اس کی مظلومیت پر ترس آگیا۔ اور اس نے اسے رہا کر دیا۔ اور وہ فرار ہو گیا۔ یزید ابن مہلب بھاگ کر

بادشاہ ولید بن عبدالملک کے بھائی سلیمان کے پاس ملک شام پہنچا۔ سلیمان نے اس کی کافی خاطر کی اور اپنے پاس رکھ لیا۔ جب حجاج کو پتہ چلا کہ اس کا قیدی بھاگ کر سلیمان کے پاس پہنچا ہے۔ تو اس نے بادشاہ کو لکھا۔ کہ یزید بن مہلب ایک بھگوڑا قیدی ہے۔ جس نے حضور کے بھائی سلیمان کے ہاں پناہ لی ہے۔ اب امیر المومنین جیسا حکم دیں ایسا کیا جائے۔

ولید بن عبدالملک نے سلیمان کو لکھا کہ تم ہمارے قیدی یزید بن مہلب کو واپس بھیج دو۔ سلیمان نے یہ حکم نامہ پڑھا تو یہ جاننے کے باوجود کہ بادشاہ کے حکم کی خلاف ورزی کرنا موت اور بربادی کو دعوت دینا ہے۔

جواب میں لکھا کہ:

اے امیر المومنین! میں نے یزید بن مہلب کو صرف اس لئے پناہ دی ہے کہ وہ خود اس کے ماں باپ اور بھائی بہن وغیرہ سب ہمارے قدیم نمک خوار ہیں۔ اور میں نے امیر المومنین کے دشمن کو پناہ نہیں دی ہے۔ حجاج نے اسے گرفتار کر کے بہت تکلیفیں دیں۔ اور چار لاکھ درہم بے قصور اس پر جرمانہ کئے۔ اور تین لاکھ اور مانگتا ہے۔ چونکہ اس کی سزا اور جرمانہ کے پیچھے سوائے ظلم کے کوئی معقول وجہ نہیں۔ اس لئے وہ میرے پاس بھاگ آیا۔ اور میری پناہ لی ہے۔ اب میں اس کو پناہ دے چکا ہوں اور اس کی طرف سے مطلوبہ تین لاکھ درہم ادا کرنے کو تیار ہوں۔ پھر بھی اگر امیر المومنین مجھے میرے مہمان کے آگے ذلیل و شرمندہ کرنا چاہئیں تو کر سکتے ہیں۔

ولید کے پاس یہ تحریر پہنچی تو اس نے لکھا کہ:

"تمہیں لازم ہے یزید بن مہلب کو بیڑیاں پہنا کر ایک قیدی اور مجرم کی حیثیت سے ہمارے پاس فوراً بھیج دو۔"

سلیمان نے یہ فیصلہ کن جواب دیکھا تو بہت رنجیدہ ہوا۔ تعمیل نہ کرنے کی صورت میں تباہی و بربادی یقینی تھی۔ اور تعمیل کرے تو مہمان کی جان خطرے میں پڑتی تھی۔ غور و فکر کے بعد اس نے یزید بن مہلب کے ساتھ اپنے جواں سال بیٹے ایوب کو بھی بلایا۔ اور دونوں کو بیڑیاں پہنا کر دو خچروں پر سوار کر کے ولید کی طرف روانہ کر دیا اور لکھا کہ:

"یا امیر المومنین! میں آپ کی خدمت میں یزید بن مہلب کے ساتھ آپ کے بھتیجے ایوب کو بھی روانہ کرتا ہوں۔ اگر آپ یزید بن مہلب کے قتل کا ارادہ رکھتے ہیں تو آپ کو قسم ہے وحدہٗ

لاشریک کی کہ پہلے ایوب کو قتل کریں۔ پھر یزید بن مہلب کو اور اگر آپ کی مرضی ہو۔ تو میں بھی حاضر ہوں۔"

ایوب اور یزید دونوں ولید کے سامنے پہنچے تو ولید نے اپنے بھتیجے ایوب کو اس حالت میں دیکھ کر سر جھکالیا اور نہایت شرمندگی سے کہنے لگا۔

"میں نے ایوب کے باپ کے ساتھ براکیا جو یہ نوبت پہنچی۔"

اب یزید بن مہلب نے اپنے بے خطا ہونے کے بارے میں ولید سے کچھ عرض کرنا چاہا۔ تو ولید نے کہا کہ اب ہم سے کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہیں۔ ہم نے تمہارا عذر قبول کیا اور حجاج کا ظلم معلوم ہوا۔

اسی وقت لوہار کو بلوا کر ولید نے دونوں کی بیڑیاں کٹوا دیں۔ اور ایوب کو تیس ہزار درہم اور ولید کو تیس ہزار درہم دے کر سلیمان کے پاس واپس لوٹا دیا۔ اور حجاج کو لکھا کہ خبردار اب تم یزید بن مہلب کے بارے میں مجھے کچھ نہ لکھنا میں اسے ہرگز گرفتار نہ کروں گا۔

یزید بن مہلب تمام عمر سلیمان کے پاس رہا اور سلیمان بھی تمام عمر اعلیٰ درجہ کی مہمان نوازی کا حق ادا کرتا رہا۔

علم یا دولت

بنی امیہ کے عہد میں ربیعۃ الرائےؒ ایک بڑے امام و علامہ گزرے ہیں۔ ان کے والد کا نام فروخ تھا۔ فوج میں اونچے عہدے پر ملازم تھے۔ ربیعۃ الرائےؒ ابھی ماں کے پیٹ ہی میں تھے کہ خلیفہ وقت نے ایک بڑا لشکر فتح کرنے کو روانہ کیا۔ اس لشکر کے افسر فروخ مقرر ہوئے جب یہ خراسان جانے لگے تو تیس ہزار اشرفیاں بیوی کو دیں۔ کہ انہیں حفاظت سے رکھنا۔

یہ چلے گئے تو ربیعۃ الرائےؒ پیدا ہوئے۔ ان کی والدہ اپنے شوہر کا انتظار کرتی رہیں کہ وہ آکر اپنے بیٹے کو دیکھیں۔ مگر اتفاق سے خراسان کی لڑائی نے طول کھینچا۔ اس لئے وہ نہ آسکے۔ ان کی بیوی نہایت عمدگی سے ربیعۃ الرائےؒ کی پرورش کرتی رہیں۔ جب یہ ذرا بڑے ہوئے تو ماں نے پڑھنے بٹھایا۔ ان کی دلی آرزو تھی کہ میرا بیٹا خوب پڑھ لکھ کر عالم و فاضل بنے۔ چنانچہ تعلیم کے سلسلہ میں انہوں نے شوہر کی اشرفیاں خرچ کرنی شروع کر دیں۔ ربیعۃ الرائےؒ بہت ذہین اور سعادت مند تھے۔ بہت جلد تعلیم حاصل کر کے مشہور عالم بن گئے۔ ان کا مکان مدینہ میں تھا۔ وہیں

مسجد نبوی میں انہوں نے درس دینا شروع کیا۔ کچھ ہی دنوں میں ان کے علم و فضل کا شہرہ دور دور پھیل گیا۔ اور حضرت امام مالک اور خواجہ حسن بصری وغیرہ جیسے بڑے بڑے علماء ان کے درس میں شامل ہونے لگے۔

ماں اپنے بیٹے کو دیکھ دیکھ کر خوشی سے پھولی نہ سماتی تھیں۔ انہیں ذرا بھی افسوس نہ تھا کہ شوہر کی دی ہوئی اشرفیاں سب کی سب نذر تعلیم ہو چکی ہیں۔

پورے ستائیس سال بعد فروخ کو لڑائی سے واپسی کا موقع ملا۔ گھوڑے پر سوار ہاتھ میں نیزہ لئے مدینہ میں اپنے گھر پہنچے۔ دروازہ بند تھا۔ نیزہ کی انّی سے دروازہ کھٹکھٹایا حضرت ربیعۃ الرائے گھر ہی میں تھے۔ دروازہ کھول کر باہر آئے۔ باپ کیونکر اپنے نادیدہ بیٹے کو پہچانتا۔ کچھ کہے سنے بغیر بلا تکلف مکان میں گھسنے لگے کہ خود انہیں کا مکان تھا۔ حضرت ربیعہ نے جب دیکھا کہ ایک اجنبی شخص بے محابا مکان میں گھسا چلا آتا ہے تو بہت غصے سے بولے:

"اے خدا کے دشمن میرے گھر میں تیرا کیا کام؟"

فروخ نے کچھ تلخ جواب دیا۔ جس سے بات بڑھ گئی، آس پاس کے لوگ جمع ہو گئے۔ امام مالک بھی آگئے۔ انہوں نے فروخ کو سمجھایا کہ بڑے میاں! اگر آپ کو ٹھہرنا ہی ہے تو دوسرا امکان موجود ہے۔ اس میں ٹھہر جایئے۔

فروخ نے کہا کہ جناب والا میرا نام فروخ ہے۔ اور یہ گھر جس میں داخل ہو رہا ہوں میرا ہی ہے۔"

ربیعۃ الرائے کی والدہ دروازہ ہی کے پاس کھڑی سب کچھ سن رہی تھیں۔ انہوں نے جب یہ سنا تو چلا کر کہا، اے یہ تو ربیعہ کے باپ ہیں!

جب یہ عقدہ کھلا تو باپ بیٹے گلے مل کر خوب روئے اور گھر کے اندر گئے۔ موقع پا کر فروخ نے بیوی سے محبت بھرے انداز میں پوچھا...... "یہ میرا ہی بیٹا ہے۔"

بیوی نے کہا "بے شک آپ ہی کا!" تھوڑا سا وقت گزرنے کے بعد فروخ کو اپنی دی ہوئی اشرفیوں کا خیال آیا۔ تو بیوی سے پوچھا کہ وہ کہاں ہیں؟

بیوی نے کہا "گھبرایئے نہیں وہ نہایت حفاظت سے ہیں۔"

اس دوران میں حضرت ربیعۃ الرائے مسجد میں درس دینے چلے گئے تھے۔ کچھ دیر بعد

فروخ بھی نماز پڑھنے پہنچے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک شخص بیچ میں بیٹھا ہے اور اس کے ارد گرد آدمیوں کا ہجوم ہے۔ ربیعۃ الرائے اس وقت سر جھکائے ہوئے تھے اور ایک اونچی ٹوپی سر پر تھی۔ فروخ پہچان نہ سکے۔ کہ میرا ہی بیٹا ہے۔ لوگوں سے دریافت کیا کہ کون بزرگ ہیں؟ جواب ملا "امام ربیعۃ الرائے ہیں۔"

فروخ یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور بے اختیار کہا:

لقد رفع الله ابنی! بے شک خدا نے میرے بیٹے کا مرتبہ بلند کیا۔

نماز پڑھ کر مسرور و شاداں گھر آئے اور بیوی سے واقعہ بیان کیا۔ تب بیوی نے کہا۔

آپ بتایئے اپنے بیٹے کی یہ علمی شان آپ کو پسند ہے۔ یا تیس ہزار اشرفیاں؟

فروخ بولے۔ "واللہ میں یہ شان زیادہ پسند کرتا ہوں۔"

تو سنیئے۔ بیوی نے کہا۔ "سب اشرفیاں میں ربیعہ کی تعلیم و تربیت پر صرف کر چکی ہوں۔"

فروخ نے کہا "خدا کی قسم! تم نے وہ مال ضائع نہیں کیا۔"

عزم محکم

احمد نگر کے قلعہ کے ارد گرد شہزادہ مراد کی فوجیں گھیرا ڈالے ہوئے تھیں۔ قلعہ کا رکھوالا منجھو خاں قلعہ چھوڑ کر بھاگ چکا تھا۔ اور اب صرف چاند خاتون تھی۔ جس نے باوجود عورت ہونے کے ارادہ کر لیا تھا۔ کہ اپنی آبائی حکومت کو بچانے کے لئے جان کی بازی لگا دے گی۔ باہر شہزادہ مراد کی بیشمار فوج خوفناک اور چمکیلے ہتھیاروں سے مسلح آن کی آن میں قلعہ پر قبضہ کرنے کا ارادہ کر رہی تھی۔ اور اندر ایک کمزور عورت چاند خاتون ان فوجوں کا منہ پھیر دینے کا عزم محکم کئے ہوئے تھی۔ اس کے سینہ میں وہ نور یقین تھا جو اسلام ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس نے اپنی نسوانیت کو نظر انداز کرتے ہوئے پوری مردانگی اور سیاست و حکمت کے ساتھ بعض مخالف امراء کو قلعہ سے نکال باہر کیا تھا۔ اور بعض کو جوڑ توڑ کر کے اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ قطب شاہ (گولکنڈہ) اور عادل شاہ (بیجاپور) سے امدادیں طلب کی تھیں اور قلعہ کو حتی الوسع محفوظ کر کے شہزادہ مراد اور خانخانان کا انتظار کیا تھا۔

۲۳ ربیع الثانی ۱۰۰۴ھ کو شہزادہ مراد نے اپنی جرار فوج قلعہ کی طرف بڑھائی۔ چاند خاتون نے بھی حکم دیا کہ ہماری توپوں کے منہ کھول دیئے جائیں۔ حکم کی تعمیل ہوئی اور قیامت کے زور

شور کے ساتھ توپوں کے دہانے گولے اگلنے لگے۔ مراد اور اس کی فوجوں کا خیال تھا کہ ہم دن بھر میں یقیناً کافی آگے بڑھ جائیں گے۔ لیکن چاند خاتون کی توپوں نے انہیں ایک قدم بھی آگے نہ بڑھنے دیا۔ شام کو مراد تھک ہار کر خود ہٹ گیا۔

دوسرے روز مراد، شاہ رخ مرزا، خانخانان، شہباز خاں اور راجہ جگن ناتھ وغیرہ نے مورچہ ڈال کر چاروں طرف سے قلعہ کو گھیر لیا۔ بعض نظام شاہی امراء نے چاند خاتون کی مدد کے لئے لڑ بھڑ کر قلعہ میں جانا چاہا۔ لیکن محاصرہ کرنے والوں نے انہیں کامیاب نہ ہونے دیا اور محاصرہ پوری طرح جما رہا۔

ادھر چاند خاتون کی کوششوں سے عادل شاہ نے پچیس ہزار سپاہی چاند خاتون کی مدد کو روانہ کئے۔ قطب شاہ نے بھی پانچ ہزار سوار اور کچھ پیادے روانہ کئے۔ منجھو خان، اخلاص خاں، آہنگ خاں امرائے نظام شاہی بھی اس فوج کے ساتھ ہو گئے۔ شہزادہ مراد کو جب اس تازہ دم فوج کا علم ہوا۔ تو گھبرا گیا۔ سارے لشکر میں کھلبلی مچ گئی۔ ارا کین و امراء نے جلد جلد باہمی مشورے کئے اور طے پایا کہ جس طرح بھی...... کمک پہنچنے سے پہلے ہی قلعہ کو فتح کر لیا جائے۔

لڑ بھڑ کر قلعہ میں گھس جانے کو تو چاند خاتون کی بر محل اور کامیاب مدافعتوں نے ناممکن بنا دیا تھا۔ تجویز ہوئی کہ قلعہ کے برج تک پانچ سرنگیں کھودی جائیں۔ اور ان میں بارود بھر کر اڑا دیا جائے۔ اس تجویز کو نہایت تیزی سے عملی جامہ پہنایا گیا۔

چاند خاتون کو اس کی خبر اس وقت پہنچی، جب تجویز پر کم و بیش عمل ہو چکا۔ یہ ایسی خوفناک خبر تھی کہ مردوں کو بھی ہمت توڑ دینے کے لئے کافی تھی۔ لیکن شیر دل خاتون ہراساں نہ ہوئی اور فوراً کچھ لوگوں کو حکم دیا کہ جس قدر جلد ممکن ہو سرنگوں میں سے بارود نکال کر انہیں پاٹ دیا جائے۔

شہزادہ مراد کی خواہش تھی کہ جس طرح سے بھی ہو اس قلعہ کی فتح میرے اور صرف میرے نام لکھی جائے۔ چنانچہ خانخانان کے بغیر ہی تمام امراء اور افواج کو لے کر وہ قلعہ کے رخ پر مستعد کھڑا ہو گیا۔ اور سرنگوں کو آگ دکھانے کا حکم دیا۔

اس وقت تک چاند خاتونؒ کے کارندے دو سرنگوں کو پاٹ چکے تھے۔ اور تیسری کھود رہے تھے۔ آگ دکھلانے سے باقی تینوں سرنگیں پھٹیں اور اس زور شور سے پھٹیں کہ دھماکوں سے زمین و

آسمان کانپ اٹھے، دل دہل گئے۔ کلیجے کانپ اٹھے۔ نتیجہ میں قلعہ کی تقریباً پچاس گز دیوار دھم سے زمین پر آرہی۔ قلعہ والوں کے لئے یہ وقت بڑا نازک اور ہمت آزما تھا ٹوٹی ہوئی دیوار کے بالمقابل شہزادہ مراد اپنے خونخوار راجپوتوں اور مغلوں کے ساتھ پیش قدمی کو تیار کھڑا تھا۔ اہل قلعہ میں بدحواسی پھیل گئی۔ سپاہیوں نے دل چھوڑ دیئے۔ سردار بھاگ کھڑے ہوئے۔

لیکن چاند خاتون کے عزم محکم نے اس وقت بھی شکست نہ مانی۔ وہ ایک غضبناک شیرنی کی طرح گھوڑے پر سوار۔ اسلحہ لگائے تلوار سنبھالے سراپردہ سے باہر نکل آئی۔ شہزادہ مراد اس فکر میں تھا۔ کہ باقی دو سرنگیں بھی پھٹ جائیں تو حملہ کرے۔ مگر باقی دواب کہاں تھیں۔ چاند خاتون نے اس کے لاحاصل انتظار سے پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے برقی سرعت کے ساتھ بیسیوں توپیں ٹوٹی ہوئی دیوار کے شگافوں میں کھڑی کردیں۔ اور نرم و گرم الفاظ سے اپنی فوج کو ہمت دلائی۔ اپنے سالار اور سردار کی پامردی دیکھ کر سپاہیوں کے حوصلے بڑھے اور انہوں نے جان توڑ سعی مسافت شروع کی۔ مراد کی فوجوں نے بھرپور حملے کیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ لیکن چاند خاتون سے ایک انچ قلعہ بھی نہ لے سکیں۔ حتیٰ کہ شام ہونے تک قلعہ کی خندق حملہ آور مغلوں اور راجپوتوں کی لاشوں سے پٹ گئی۔ غروب آفتاب پر شہزادہ مراد، نامراد پلٹا۔ تاکہ اگلے روز کے لئے کوئی نیا کامیاب منصوبہ بنائے۔

ایک مختصر رات بے ہمت اور مایوس لوگوں کے لئے تو کچھ نہیں ہوتی۔ لیکن چاند خاتون جیسی باہمت اور شیر دل عورت کے لئے یہ بہت قیمتی تھی۔ اس نے اپنے سپاہیوں کو نہایت دلنشین اور امید افزاء پیرایہ میں سمجھایا کہ یہ رات یونہی ضائع کرنے کے لئے نہیں ہے۔ بلکہ کوشش کرو کہ قلعہ کی ٹوٹی ہوئی دیوار کی جتنی بھی زیادہ سے زیادہ مرمت رات بھر میں ہو سکے ہو جائے۔ چاند خاتون کی انتھک سعی وجہد اور عزم و ثبات سے تازہ ہمت پاکر سپاہی تعمیل حکم پر تندہی سے مائل ہوئے اور طلوع آفتاب پر شہزادہ مراد کی فوجوں نے یہ حیرت ناک منظر دیکھا کہ ٹوٹی ہوئی دیوار کی جگہ پچاس گز تک تین گز اونچی نئی دیوار تیار کھڑی ہے۔ اس منظر نے دوست دشمن دونوں کو حیرت میں ڈال دیا۔ اور بے اختیار صدائے تحسین و آفرین بلند ہوئی۔ یہی وقت تھا جب چاند خاتون کا لقب چاند سلطان ہو گیا۔ اس صورتحال میں مراد اور اس کی فوجیں اپنی ہمت قائم نہ رکھ سکیں۔ اس کے دل شکستہ ہو گئے۔ اور قہر درویش بہ جان درویش صلح کرنی چاہی۔ اولاً تو چاند خاتون نے ایک فاتح کی

شان کے ساتھ صلح سے انکار کیا۔ کیونکہ غنیم بددل اور مایوس ہو چکا تھا۔ لیکن دوسری طرف ایک موقع شناس جرنیل کی طرح یہ محسوس کر کے کہ اہل قلعہ طویل محاصرہ سے گھبرا چکے ہیں۔ اور ہو سکتا ہے کہ زیادہ دنوں برداشت نہ کر سکیں۔ خودداری اور شرافت کے ساتھ صلح کر لی۔ اس صلح میں اگرچہ حسب اقرار برار کا صوبہ شہزادہ مراد کے قبضہ میں آیا۔ لیکن چاند خاتون کے عزم محکم اور پامردی و شجاعت کا نقش تاریخ کے صفحات پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ثبت ہو گیا۔

ایک مسلمان لڑکی کی شادی

حضرت ابن المسیب رحمتہ اللہ علیہ اسلامی دنیا میں سید التابعین کے لقب سے ملقب ہیں۔ آپ کو پانچ سو جلیل القدر صحابہ کی شاگردی کا فخر حاصل ہے۔ سعید ابن المسیب رحمتہ اللہ علیہ حضرت موصوف پچاس برس تک مسجد نبوی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام میں بیٹھ کر تشنگانِ علوم نبوی کی پیاس بجھاتے رہے۔ علاوہ ازیں آپ مشہور ترین ہستی (اَعْلَمُ النَّاسِ بِعِلْمِ رَسُوْلِ اللّٰہِ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے داماد بھی تھے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نواسی فاطمہ سعید ابن المسیب رحمتہ اللہ علیہ کی لڑکی تھی موصوفہ کو قرآن ازبر ہونے کے علاوہ پانچ ہزار احادیث نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے بے بہا خزانہ قسام ازل نے اپنے والد ماجد رحمتہ اللہ علیہ اور نانا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وساطت سے عطا فرمایا تھا۔ اور حسن ظاہری کی یہ حالت تھی کہ حسینۂ عرب (اجمل النسائی العرب) کا مقولہ عفیفہ کے حق میں زبان زد خلائق تھا۔ غرض کہ فاطمہ کا خلق ظاہری اور خلق باطنی میں اپنے عصر میں کوئی شریک و سہیم نہ تھا۔ فاطمہ کا یہ شہرہ سن کر عبدالملک بن مروان نے جو مراقش سے لے کر افغانستان تک کا واحد حکمران اور خلیفۃ المومنین تھا۔ چاہا کہ کسی صورت فاطمہ کو اپنے ولی عہد ولید بن عبدالملک حبالہ عقد میں دے دیا جائے۔ ولید کی عیاشی، بد عملی، اسلام سے بے خبری شہرہ آفاق تھی۔ ولید اگرچہ ایک فقید المثال تاجدار کا ولی عہد تھا۔ لیکن اخلاق میں فاطمہ بنت سعید سے سراسر مختلف واقع ہوا تھا۔ عبدالملک نے ایک خاص معتمد، معتبر، معزز شاہی کی وساطت سے یہ پیغام سعید ابن المسیب رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچایا کہ میرے لخت جگر ولید کو جو کل میرے بعد تاج و تخت کا وارث ہے۔ دامادی میں منظور کر لیا جائے۔ پیغامبر نے اس حربہ کو بھی اپنی پوری قوت اور طاقت کے ساتھ استعمال کیا۔ جس سے ایک متزلزل

الایمان شخص پر اس کے قلب کو مجروح کرنے کے بعد نہایت آسانی اور سہولت سے ہر طرح کا قبضہ کیا جا سکتا ہے۔ مبلغ تیس ہزار روپیہ انعام اور ایک بڑے جلیل القدر منصب کا قلم دان آپ کے حوالے کر دینے کا وعدہ سنایا۔ مگر ادھر یہ حال تھا۔ کہ

؎ برو ایں دام بر مرغ دگر نہ — کہ عنقارا بلند است آشیانہ

سعید ابن المسیب رحمتہ اللہ علیہ نے نہایت بے باکی اور بے خوفی سے کہا کہ مجھے کوئی انکار نہیں مگر بات یہ ہے کہ۔ ولید شرابی ہے۔ بداخلاق ہے۔ عیاش ہے اور قرآن کریم کہتا ہے۔ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِیْكُمْ نَارًا ط۔ ایک بداخلاق، بے دین جاہل شخص کے نکاح میں لڑکی کو دیدینا جرم عظیم ہے۔ جس کی توقع ایک شفیق اور دور اندیش باپ سے ہر گز نہ کرنی چاہئے۔ عبدالملک کو چاہئے کہ وہ کوئی اپنا ہمسر تلاش کرے قاصد نے یہ روکھا اور دو ٹوک جواب عبدالملک کو من و عن جا کر کہہ دیا۔ جواب کے سنتے ہی اس نے آگ بگولہ ہو کر کہا کہ اس سعید کے ساتھ وہ سلوک اور معاملہ کیا جائے گا۔ جس سے مجبور ہو کر وہ خود اپنی لڑکی شاہی حرم سرا میں لائے گا۔

بغاوت کا جھوٹا الزام، فاقہ کش متقی سے نکاح کا اہتمام

گورنر مدینہ کے نام شاہی حکم صادر ہوا۔ کہ سعید ابن المسیب رحمتہ اللہ علیہ امیر المومنین کے خلاف خفیہ بغاوت کا مرتکب ہوا ہے۔ اور اس کی سزا فی الحال یہ تجویز پائی ہے کہ سو کوڑے لگائے جائیں۔ اور سزا دینے والے دس نوجوان زور آور منتخب کئے جائیں۔ جب ایک آدمی اپنی پوری قوت کے ساتھ دس ضربیں لگائے تو فوراً دوسرا تازہ دم شروع کر دے۔ ازاں بعد برفاب میں نمک ملا کر سعید کو غسل کرایا جائے۔ بعد از غسل اون کے کپڑے برفاب میں بھگو کر پہنائے جائیں۔ تین دن رات متواتر میدان میں سخت زیر نگرانی کھڑا رکھا جائے۔ چنانچہ ویسا ہی کیا گیا۔ حضرت موصوف نے یہ سزا نہایت خندہ پیشانی سے برداشت کی۔ سزا بھگتنے کے بعد حسب معمول مسجد نبوی میں تدریس حدیث میں مشغول ہو گئے۔ ایک دن اختتام درس پر جب لوگ واپس جا رہے تھے تو ایک شخص (جس کا نام ابو وداع تھا) کو بلا کر فرمایا۔ کہ تین دن تم نظر نہیں آئے۔ شخص مذکور نے

جواب میں عرض کیا۔ کہ جناب میری بیوی کا انتقال ہو گیا ہے۔ تین روز اس کے سوگ میں مشغول رہا۔ سعید ابن المسیب رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ بہت جلدی جا رہے ہو۔ کہیں پھر نکاح کا ارادہ ہے۔ ابو وداع نے عرض کیا کہ حضرت مجھے دو دن سے متواتر فاقہ ہے۔ میں نکاح کس طرح کر سکتا ہوں۔ میری ناداری اور افلاس کا یہ حال ہے کہ اگر بالفرض کوئی شخص مجھے رشتہ دے بھی تو میں ایک درہم (چار آنہ) مہر ادا کرنے کی طاقت اور گنجائش نہیں رکھتا۔ ابو وداع کہتے ہیں کہ میری تقریر سننے کے بعد سعید ابن المسیب رحمتہ اللہ علیہ نے پانچ اشخاص کے نام گنوائے اور فرمایا کہ ان کو میرے نام پر اسی وقت بلا کر لاؤ چنانچہ حسب ارشاد میں نام بردہ اشخاص کو بلا کر لایا۔ جب ہم سب آپ کے پاس بیٹھ گئے۔ تو حضرت سعید نے ایک مسنون خطبہ دیا۔ خطبہ سے فارغ ہونے کے بعد فرمایا۔ کہ میری بیٹی فاطمہ جس کا رشتہ نکاح امیر المومنین عبدالملک بن مروان نے اپنے ولی عہد کے واسطے کرنا چاہا۔ اور اپنی پوری سلطنت کا زور ایڑی چوٹی تک لگانے کے بعد ناکام اور بے مراد رہا ہے۔ میں اپنی گرہ سے مبلغ دس درہم (اڑھائی روپے) حق مہر ادا کرنے کے بعد اس مفلس اور نادار شخص ابو وداع سے اس کا نکاح کر رہا ہوں۔

اخلاق کی قدر

ابو وداع کہتے ہیں کہ میں ایجاب و قبول کے بعد اپنی جھونپڑی میں آیا اور مجھے بار بار یہ وہم ستاتا کہ یہ ماجرا اور یہ مسئلہ کہیں خواب کا نہ ہو۔ بھلا یہ کب ہو سکتا ہے کہ جس مقصد اور جس غرض کے حاصل کرنے کے واسطے حکومت وقت خزانے خرچ کرنے اور اپنی قہرمانی قوت کا پورا مظاہرہ کرنے کے بعد بھی ناکام رہی ہو۔ مجھ جیسا افلاس زدہ شخص اس دولت کو کس طرح پا سکتا ہے۔ میں اسی کشمکش اور ادھیڑ بن میں تھا کہ اے الہ العالمین کہ یہ واقع اور حقیقت ہے یا خواب اور خیال ہے۔ تو باہر سے کسی نے دستک دی میں دوڑتا ہوا...... دروازے پر پہنچا۔ اور پوچھا کہ کون ہو تو جواب میں آواز آئی کہ سعید ابن المسیب رحمتہ اللہ علیہ ہوں۔ میں نے عرض کیا حضرت خیر باشد! رات کے وقت تشریف آوری کا سبب؟ اگر میرے متعلق کوئی حکم تھا تو مجھے بلا لیا ہوتا۔ آپ نے کیوں تکلیف فرمائی۔ فرمایا کوئی کام نہیں کوئی حکم نہیں۔ آج فاطمہ تمہارے نکاح میں آ کر تمہاری بیوی ہو چکی ہے میں نے اس کو رات اپنے گھر میں رکھنا مناسب نہیں سمجھا۔ اسے ساتھ لایا ہوں۔ اس کو

اندر جانے دو۔

ابو وداع کہتے ہیں کہ اس حسن یوسف فرشتہ سیرت مجسمہ عصمت کو میرے حوالے کر کے خداحافظ کہا اور واپس تشریف لے گئے۔

خیزران اور مزنہ

جب سلطنت بنو اُمیہ کا خاتمہ ہوا اور ان کے بدنصیب خاندان کے لوگوں کو ایک ایک کر کے مار ڈالا گیا۔ اور خلافت عباسیہ کے دو نئے تاجدار اطمینان سے حکومت کر کے دنیا سے رخصت ہو گئے۔ تیسرے عباسی خلیفہ مہدی کے زمانہ کا واقعہ یہ کہ اس کی پیاری بیگم "خیزران" ایک روز محل شاہی میں نہایت شان و شوکت سے بیٹھی ہوئی حکومت کر رہی تھی۔ ایک لونڈی آئی اور نہایت آداب سے بولی۔

ملکہ کی سہیلی

محترمہ! ڈیوڑھی پر ایک نہایت حسین و مہ جبین عورت کھڑی ہوئی باریابی کی امیدوار ہے۔ بہزار اصرار دریافت کیا کہ تم کون ہو کیا نام اور کس خاندان سے ہو۔ مگر نہ نام بتاتی ہے نہ حسب و نسب اور نہ اظہار مدعا کرتی ہے۔ اگر اجازت ہو تو بلا لیا جائے۔ ملکہ کی ایک سہیلی زینب بنت سلیمان عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ کی پڑپوتی جو خاندان عباسیہ کی خواتین میں صاحب فہم و فراست اور علم و فضل میں کامل سمجھی جاتی تھیں پاس بیٹھی تھی خیزران اس کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگی۔ بہن اس بارے میں تمہاری کیا رائے ہے۔ بلالوں یا نہیں۔ زینب نے کہا ضرور بلوایئے۔ ممکن ہے کوئی مفید بات معلوم ہو۔ چنانچہ اس مشورہ پر لونڈی کو حکم دیا۔ جاؤ بلا لاؤ۔

مروان کی بیٹی

لونڈی گئی۔ اور تھوڑی ہی دیر میں اس کے ہمراہ ایک نہایت حسینہ و جمیلہ مگر حوادث زمانہ کی ستم رسیدہ اور بحالت ژولیدہ شریفانہ انداز سے اندر آئی ملکہ کا آمنا سامنا ہوتے ہی دروازے کے درمیان ٹھہر گئی اور وہیں سے کھڑی ہو کر آداب سلطنت بجالا کر کہا کہ اے ملکہ جان پناہ! آپ کی خدمت اقدس میں آداب بجا آوری کے بعد عرض رسا ہوں، کہ میں بنی اُمیہ کے آخری تاجدار مروان بن محمد کی بیٹی مزنہ ہوں۔

تو وہی تو ہے

یہ نام سنتے ہی خیزران آگ بگولہ ہو گئی۔ اور جھنجھلا کے بولی۔ خدا تجھ کو غارت کرے نہ ہم کو تیرا اسلام منظور نہ تیرے لئے مرحبا۔ تو وہی تو ہے کہ تیرے وقت میں ابراہیم بن محمد عباسی کی نعش بے گور و کفن پڑی رہی۔ اور بنی عباس کی بوڑھیوں نے تیری خدمت میں اتنی التجا کی تھی کہ اپنے باپ سے کہہ کر صرف اس کے دفن ہونے کی اجازت دلا دے۔ لیکن تو بجائے ان پر رحم کھانے کے الٹی ان کے پیچھے مارنے کو دوڑی اور ان کو گالیاں دیں اور اپنے محل سے نکلوا دیا تھا۔ تو نے جبکہ اس کی بیکسی پر رحم نہ کھایا۔ خدا کا دریائے غضب جوش میں آیا۔ اور اس نے اپنی نعمتوں کو تجھ سے چھین لیا۔ اور تجھ کو ذلیل و خوار کر کے آج اس حالت پر پہنچا دیا۔ ملکہ کی زبان سے یہ طیش آمیز جواب اور کلمات غیظ و غضب سن کر بجائے اس کے کہ وہ مرعوب ہو اور ڈرے۔ مزنہ بہت زور سے کھل کھلا کر ہنس پڑی اور کہا! سنو بہن اس قدر آپے سے باہر نہ ہو۔ جو آپ نے فرمایا بالکل بجا درست جو کچھ میں نے کیا تھا اس کی سزا ابھی مجھ کو ملی۔ اور خدا نے نہایت ذلت و خواری کے ساتھ ننگا بھوکا کر کے تمہارے در پر لا کھڑا کیا جو سلوک چاہو کرو۔ تمہارے صبر کی جزا تم کو ملی اور نعمتیں حاصل ہو گئیں۔ حتیٰ کہ سریر آراء مملکت ہو اور جو میں نے کیا اس کا پھل مجھ کو ملا اور تمہارے ساتھ ذلیل و خوار کھڑی ہوں مگر یہ تو بتلاؤ کہ میری اس بدسلوکی پر جو سزئیں مجھ کو خدا کی جناب سے ملیں تم کو ان میں سے کون سی پسند ہے۔ جو میرا ہی سا سلوک تم بھی کر رہی ہو۔ مزنہ نے اتنا ہی کہا۔ اور پیٹھ پھیر کر کہتی ہوئی چلی لو بہن ملکہ خدا حافظ! جاتے ہیں تمہاری سلطنت تم کو مبارک ہو۔

ہے باغ باغ بلبل جس طرح تو چمن میں — پھرتے تھے یونہی ہم بھی خوش خوش کبھی وطن میں

مجھے جانے دو

چاہتی تھی کہ محل سے جھپٹ کر باہر نکل جائے۔ ملکہ خیزران بے تحاشا دوڑی اور لپک کر پکڑ لیا اور چاہا کہ اس کو گلے لگا لے۔ مگر مزنہ نے ہاتھوں سے الگ کر کے کہا! بہن میں اس قابل نہیں ہوں کہ تم جیسی ملکہ مجھ کو گلے لگائے۔ لباس میں ہزاروں پیوند اور پھر اس میں ایسی تعفن آ رہی یہ کہ آپ کا دماغ خراب ہو جائے گا۔ بہتر ہے کہ مجھ کو جانے دو۔ خیزران سے یہ کب ہو سکتا تھا کہ اس شگفتہ دل ملکہ کو جانے دیتی۔ فوراً لونڈیوں کو حکم دیا کہ اس کو حمام میں لیجا کر غسل کراؤ۔ اور لباس

فاخرہ پہنا کر اور خوشبوؤں میں بسا کر میرے پاس لاؤ۔

خبر گیر کون ہے! آپ

حکم دے کر ملکہ چلی گئی ادھر لونڈیوں نے نہایت تعظیم و تکریم سے نہلا کر کپڑے پہنائے۔ خوب بناؤ سنگار کر کے عطر لگا کر خیزران کے پاس لائیں۔ اب کیا تھا۔ مزنہ دوسری ملکہ دکھائی دے رہی تھی۔ خیزران دیکھتے ہی گلے سے لپٹ گئی اور اپنی برابر مسند پر جو خلیفہ مہدی کے بیٹھنے کی جگہ تھی بٹھایا۔ اور پوچھا۔ بہن دستر خوان بچھواؤں! مزنہ نے کہا ملکہ پوچھتی کیا ہو آپ کے محل میں کوئی بھی مجھ سے زیادہ بھوکا نہ ہوگا۔ دستر خوان بچھا اور انواع و اقسام کے کھانے لا کر چن دیئے گئے مزنہ نے خوب شکم سیر ہو کر کھایا۔ لونڈیوں نے ہاتھ دھلائے جب ہر طرح خاطر مدارت سے فراغت ہو گئی تو ملکہ خیزران نے کہا۔ اچھی بہن بتلاؤ تو سہی۔ اب تمہارا خبر گیر کون ہے! بولی! ملکہ معظمہ ساری دنیا میں اس گھر کی قرابت کے سوا کوئی عزیز قریب نہیں رکھتی جو کچھ قرابت تھوڑی بہت ہے۔ اسی گھر سے ہے۔ خیزران نے کہا اچھا۔ تو اب تم یہیں رہا کرو۔ میرے ساتھ چلو اپنے تمام محل تم کو دکھلاتی ہوں، جو تم کو پسند ہو اپنی رہائش کے لئے لے لو اور اس میں رہو سہو۔

تم میری بہن ہو

چنانچہ ملکہ نے اپنے تمام محل اس کو دکھلائے جن میں سے ایک خوب صورت وسیع اور پر فضا محل پسند کیا۔ خیزران نے اسی وقت اس محل کو ضروری اور آرائشی سامانوں سے آراستہ و پیراستہ کرا کے کہا۔ لو بہن اس میں آرام سے اپنی زندگی بسر کرو۔ اور آج سے تمہارے ہمارے درمیان بہناپا ہو گیا۔ جیتے جی کبھی جدائی نہ ہوگی۔ مزنہ نے ملکہ کا بہت سا شکریہ ادا کیا۔ اس کو وہاں چھوڑ کر خیزران اپنے محل میں چلی آئی۔ پھر سوچا اور دل میں کہنے لگی۔ خدا کی شان ہے کبھی اس عورت کی شان و شوکت اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ دنیا حیران و ششدر ہوتی تھی۔ مگر اب جبکہ زمانہ نے اس کی مساعدت نہ کی اور اس کے خلاف ہوا ہے تو یہ شکستہ دل ہو گئی۔ طرح طرح کی امیدیں موجزن ہو نگی۔ اب اس کے دل کی کلفت کو دولت ہی رفع کر سکتی ہے۔ اس کے مردہ دل کو دولت ہی زندہ رکھ سکتی ہے۔ یہ خیال کرتے ہی پانچ لاکھ درہم اس کے پاس بھیج دیئے اور کہلا بھیجا کسی طرح کا فکر نہ

کرنا جو دل چاہے کرو۔

خلیفہ مہدی کی آمد

خیزران ابھی ان کاموں سے فارغ ہو کر بیٹھی ہی تھی کہ اس کا شوہر صاحب تاج و تخت خلیفہ مہدی آ گیا اور مزاج پرسی کر کے حالات دریافت کرنے لگا۔ ملکہ نے تبسم سے کہا کہ امیر المومنین آج ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ وہ یہ کہ باہر سے ایک لونڈی دوڑی ہوئی آئی اور کہا کہ ایک عورت اندر آنا چاہتی ہے۔ اگر اجازت ہو تو بلا لوں۔ میں نے بلوا لیا۔ کیا دیکھتی ہوں کہ ایک خوبصورت اور جوان عورت مگر نہایت شکستہ حال ہے۔ آتے ہی مجھ کو ملکہ عالم کے ساتھ خطاب کر کے سلام کیا۔ اور بتلایا کہ مروان بن محمد کی بیٹی مزنہ ہوں۔ نام سنتے ہی میں آپے سے باہر ہو گئی خوب برا بھلا کہا کہ او بدبخت تجھ کو وہ وقت بھی یاد ہے جبکہ ابراہیم بن محمد کی لاش بلا گور و کفن پڑی ہوئی تھی۔ خاندان عباسیہ کی بوڑھی عورتوں نے اس کے تجہیز و تکفین کی اجازت دلوانے کی بابت تیری خوشامدیں تک کیں کہ اپنے باپ سے اجازت دلا دے۔ لیکن تو بجائے اس کے کہ ان کی درخواست کو پورا کراتی۔ الٹی مارنے کو دوڑی، خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ تو اپنے کیفر کردار کو پہنچی۔ یہ سن کر اس نے قہقہہ مارا اور ہنس کر کہا کہ واقعی میں اپنے کئے کو پہنچی۔ اور اپنے کئے کا بدلہ خدا سے پا لیا۔ مگر کیا تم بھی ایسے ہی بدلہ کی خواہش رکھتی ہو جو میرے ساتھ یہ سلوک کر رہی ہو۔ یہ کہہ کر وہ واپس چلی۔ ملکہ ابھی تک یہی کہنے پائی تھی کہ خلیفہ زیادہ سننے کی تاب نہ لا سکا اور قطع کلام کر کے کہا ملکہ افسوس صد افسوس! خداوند تعالیٰ نے ان نعمتوں کے شکریہ کا ہم کو یہ موقع دیا تھا۔ مگر تم نے وہ موقع ہاتھ سے کھو دیا۔ خیزران! اگر تمہاری اس قدر محبت نہ ہوتی تو بخدا پھر کبھی زندگی بھر تمہاری اس حرکت پر تم سے کلام نہ کرتا۔

سنئے تو سہی

ملکہ نے کہا حضور سنئے تو سہی۔ آپ تو غصہ ہونے لگے۔ پھر میں نے دوڑ کر مزنہ کو پکڑ لیا اور بہت کچھ معذرت کی۔ نہلایا دھلایا۔ عمدہ کپڑے پہنائے۔ خوشبوئیں لگائیں۔ کھلا پلا کر اس کو راضی کر لیا۔ اپنے اور اس کے درمیان رابطہ اخوت قائم کر لیا ہے اور اپنے تمام محل دکھا کر جو اس کی پسند آیا۔ اس کو خوب آراستہ و پیراستہ کر کے حوالہ کر دیا اور یہ کہہ کر ابھی واپس آئی ہوں کہ

اب تا زیست تمہارا ہمارا ساتھ نہ چھوٹے گا اور ابھی ابھی پانچ لاکھ درہم بھی اس کے پاس بھیج دیئے ہیں۔

مہدی کا سلام

خلیفہ خیزران کے اس حسن سلوک کو سن کر بہت خوش ہوا۔ اور اپنے غلام کو بلا کر حکم دیا کہ اسی وقت سو توڑے اشرفیوں کے میری طرف سے اس کو دے آ۔ اور کہنا کہ تم کو مہدی نے سلام کیا ہے۔ اور کہو کہ تمہاری خدمت کرنے کی وجہ سے جس قدر مجھ کو خوشی ہوئی تمام عمر نہ ہوئی ہو گی۔ اور کہنا کہ تمہاری خدمت کرنا خلیفہ پر واجب ہو گئی ہے۔ اگر تمہاری ناراضگی کا خوف نہ ہوتا تو میں خود حاضر ہو کر سلام کرتا۔

مزنہ یہ پیام سنتے ہی خود چلی آئی۔ نہایت ادب سے سلام کیا اور ملکہ کے احسانات بیان کر کے اس کی محبت و شرافت کی بہت تعریف کی اور کہنے لگی۔ حضور کا خیال ہے۔ کیا میں اور کیا میری ناراضگی آپ کے محل کی لونڈیوں میں سے میں بھی ایک لونڈی ہوں۔ خلیفہ مہدی اس بات سے بہت خوش ہوا۔ اور مزنہ اپنے نئے قصر میں چلی گئی۔

مزنہ کا جنازہ

مزنہ خیزران کے ساتھ ہمیشہ رہی یہاں تک کہ مہدی نے سفر آخرت فرمایا اور اس کے بعد اس کا بیٹا ہادی جانشین ہوا۔ اس کے عہد خلافت میں بھی اس کی برابر وہی قدر و منزلت رکھی۔ جب ملکہ خیزران کے دوسرے فرزند ہارون رشید کا عہد شروع ہوا تو رشید بھی مزنہ کی بڑی خاطر و مدارات کرتا رہا۔ اور جو پاس خاطر خاتونان عباسیہ و ہاشمیہ کا تھا۔ وہی اس کا بھی تھا یہاں تک کہ جب خلافت رشید کے اوائل عہد میں مزنہ کا انتقال ہوا تو خلیفہ ہارون رشید اس کے جنازہ پر زار و قطار رو رہا تھا اور اس کے جنازہ کو نہایت کر و فر شاہانہ کے ساتھ قبرستان میں لے جایا گیا۔

آہ خدائی نعمتوں کی شکر گزاری میں دشمنوں کے ساتھ بھی ہمارا یہ سلوک تھا مگر آج اس کا دسواں حصہ بھی دوستوں کے ساتھ نہیں۔ اگر نظر ہے تو اپنی نفس پروری اور مفاد ذاتی پر۔

کیا زمانہ ہے نہیں صاف کسی سے کوئی
دوست کے دل میں وہ ہے جو دل دشمن میں نہیں

اخلاص

سلف صالحین رحمتہ اللہ علیہ ہر ایک عمل میں اخلاص مد نظر رکھتے تھے۔ اور ریا کا شائبہ بھی ان کے دلوں میں نہیں پیدا ہوتا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ کوئی عمل بجز اخلاص مقبول نہیں۔ وہ لوگوں میں زاہد عابد بننے کے لئے کوئی کام نہیں کرتے تھے۔ انہیں یہ پروا نہیں ہوتی تھی کہ لوگ ان کو اچھا سمجھیں یا برا۔ ان کا مقصود محض رضا الٰہی ہوتا تھا۔ ساری دنیا ان کی نظروں میں ہیچ ہوتی تھی۔ وہ جانتے تھے کہ اخلاص کے ساتھ عمل قلیل بھی کافی ہوتا ہے مگر اخلاص کے سوا رات دن بھی عبادت کرتا رہے۔ تو کسی کام نہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو جب یمن بھیجا تو فرمایا۔ اخلص دینك يكفيك العمل القليل، کہ اپنے دین میں اخلاص کر تجھے تھوڑا عمل ہی کافی ہوگا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا واقعہ ناظرین سے مخفی نہیں کہ ایک لڑائی میں کافر پر آپ نے قابو پایا۔ اس نے آپ کے منہ پر تھوک دیا۔ تو آپ نے اس کو چھوڑ دیا۔ وہ حیران رہ گیا کہ یہ بات کیا ہے؟ بجائے اس کے کہ ان کو غصہ آتا۔ اور مجھے قتل کر دیئے انہوں نے چھوڑ دیا ہے۔ حیران ہو کر پوچھتا ہے۔ تو آپ فرماتے ہیں:

گفت من تیغ از پئے حق مے زنم　　بندۂ حقم نہ مامورِ تنم

شیر حقم نیستم شیر ہوا　　فعل من بر دین من باشد گواہ

کہ میں نے محض خدا تعالیٰ کی رضا کے لئے تلوار پکڑی ہے۔ میں خدا کے حکم کا بندہ ہوں۔ اپنے نفس کے بدلہ کے لئے مامور نہیں ہوں۔ میں خدا کا شیر ہوں۔ اپنی خواہش کا شیر نہیں ہوں۔ چونکہ تو نے میرے منہ پر تھوکا تو اب اس لڑائی میں نفس کا دخل ہو گیا۔ اخلاص جاتا رہا۔ اس لئے میں نے تم کو چھوڑ دیا ہے۔ کہ میرا کام اخلاص سے خالی نہ ہو۔

چوں در آمد علتے اندر غزا　　تیغ را دیدم نہاں کردن سزا

یعنی جب اس جنگ میں ایک علت پیدا ہو گئی، جو اخلاص کے منافی تھی، تو میں نے تلوار کا روکنا ہی مناسب سمجھا۔ وہ کافر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ جواب سن کر مسلمان ہو گیا۔ اس پر مولانا فرماتے ہیں۔

بس • حجتہ معصیت کان مرد کرد چوں زخارے برد مد اوراق ورد

اس کافر نے کیا مبارک گناہ کیا۔ یعنی وہ تھوکنا اس کے حق میں مبارک ہو گیا کہ اسے اسلام نصیب ہوا۔ اس پر مولانا تمثیل بیان فرماتے ہیں کہ جب طرح کانٹوں سے گلاب کے پتے نکلتے ہیں۔ اسی طرح اس گناہ سے اسے اسلام حاصل ہو گیا۔

وہب بن منبہ فرمایا کرتے تھے۔ من طلب الدنیا العمل الاخرۃ نکس اللہ قلبہ و کتب اسمہ فی دیوان اہل النار۔ جو شخص آخرت کے عمل کے ساتھ دنیا طلب کرے۔ خدا تعالیٰ اس کے دل کو الٹا کر دیتا ہے۔ اور اس کا نام دوزخیوں کے دفتر میں لکھ دیتا ہے۔ جو شخص اعمال صالحہ میں دنیا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ اسے اتنا جتنا کہ اس کا مقدر رہے۔ دیتے ہیں اور آخرت میں اس لئے کوئی حصہ نہیں۔

ایک مرد خدا ہمیشہ جماعت میں پہلی صف میں کھڑے ہوتے تھے۔ ایک دن اتفاق سے آخری صف میں کھڑے ہوئے۔ اور دل میں خیال آیا کہ آج لوگ مجھے آخری صف میں دیکھ کر کیا کہیں گے اس خیال کے سبب لوگوں سے شرمندہ ہو گئے۔ اور یہ سمجھا کہ میں نے جتنی نمازیں پہلی صف میں پڑی ہیں۔ اس میں لوگوں کی نمائش مقصود تھی تو تیس سال کی نمازیں قضا کیں۔

معروف کرخی رحمتہ اللہ فرمایا کرتے تھے، اے نفس اخلاص کر کہ تو خلاصی پائے گا۔ آپ نے یہ بھی فرمایا ہے۔ مخلص وہ شخص ہے جو اپنی نیکیوں کو ایسا چھپائے جیسے کہ اپنی برائیوں کو چھپاتا ہے۔

سفیان ثوری علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں کہ مجھے میری والدہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔ کہ اے میرے بیٹے علم پر اگر عمل کی نیت ہو تو پڑھو۔ ورنہ وہ علم قیامت کے دن تجھ پر وبال ہو گا۔

حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ ہمیشہ اپنے نفس کو مخاطب کر کے فرمایا کرتے تھے۔ تتکلمین بکلام الصالحین القانتین العابدین و تفعلین فعل الفاسقین المنافقین المرائین واللہ ماھذہ صفا المخلصین، کہ اے نفس تو ایسی باتیں کرتا ہے جیسے کوئی بڑا صالح عابد زاہد ہے۔ لیکن تیرے کام ریاکار فاسقوں منافقوں کے ہیں۔ خدا کی قسم مخلص لوگوں کی یہ صفات نہیں کہ ان میں باتیں ہوں اور عمل نہ ہوں مولانا روم فرماتے ہیں۔

ع حرف درویشاں بد زود مرد دوں

خیال فرمایئے حضرت امام حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ وہ شخص ہیں جنہوں نے ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا دودھ پیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے خرقہ خلافت پہنا۔ سلسلہ قادریہ چشتیہ سہروردیہ کے شیخ ہوئے۔ مگر نفس کو ہمیشہ ایسا ہی جھڑکا کرتے تھے۔ تاکہ اس میں ریا نہ پیدا ہو جائے۔ ایک ہم ہیں۔ بدنام کنندۂ نکونامے چند کہ ہم اپنی ریاکاریوں کو عین اخلاص سمجھتے ہیں۔

ذوالنون مصری رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ آدمی مخلص کس وقت ہوتا ہے۔ فرمایا جب عبادت الٰہی میں خوب کوشش کرے۔ اور اس کی خواہش یہ ہو کہ لوگ میری عزت نہ کریں۔ جو عزت کہ لوگوں کے دلوں میں ہے۔ وہ بھی جاتی رہے۔

یحییٰ بن معاذ رحمتہ اللہ علیہ سے سوال ہوا کہ انسان کب مخلص ہوتا ہے فرمایا۔ جب شیر خوار بچہ کی طرح اس کی عادت ہو۔ شیر خوار بچہ کی کوئی تعریف کرے تو اسے خوش نہیں لگتی۔ اگر مذمت کرے تو اسے بری نہیں معلوم ہوتی۔ جس طرح وہ اپنی تعریف اور برائی سے بے پرواہ ہوتا ہے۔ اس طرح انسان جب مدح وذم (تعریف و برائی) کی پروانہ کرے تو اسے مخلص کہا جا سکتا ہے۔

ابوالسائب علیہ الرحمتہ یہاں تک اخلاص کا خیال رکھتے تھے کہ اگر قرآن یا حدیث سننے سے ان کو رقت طاری ہو جاتی۔ اور آنکھوں میں پانی بھر آتا تو آپ فوراً اس رونے کو تبسم میں تبدیل فرما دیتے۔ یعنی ہنس دیتے۔ اور ڈرتے کہ رونے میں ریا نہ ہو جائے۔

مسلمان عورتوں کے جنگی کارنامے

(۱) حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا!

جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ میں تشریف رکھتے تھے۔ یہ بزرگ خاتون اسلام کی خوبیوں کو مدینہ منورہ میں سنا کرتی تھیں۔ اسلام کی خوبیاں سن سن کر ان کو شوق پیدا ہوا کہ میں مسلمان ہو جاؤں۔ چنانچہ ایک قافلہ کے ساتھ مدینہ منورہ سے پوشیدہ طریقے سے مکہ معظمہ پہنچ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر مسلمان ہو گئیں۔

کچھ روز بعد اللہ کے حکم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ سے ہجرت کر

کے مدینہ تشریف لے گئے۔ مگر کافروں نے آپ کو وہاں بھی چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ اور ایک بہت بڑے لشکر نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر چڑھائی کر دی اس پہلی جنگ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح دی اور کافر لوگ کچھ بھاگ گئے۔ کچھ پکڑے گئے اور کچھ قتل ہو گئے۔ اس جنگ کو اسلامی تاریخ میں غزوۂ بدر کہتے ہیں۔ اس کا بدلہ لینے کے لئے مکہ کے کافروں نے دوسری مرتبہ چڑھائی کی۔ اس جنگ کو غزوۂ احد کہتے ہیں غزوۂ احد میں بہت سے مسلمان مرد اور عورتیں شریک ہوئیں۔

اس جنگ میں پہلے مسلمانوں کو فتح ہو گئی اور کافر بھاگ نکلے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک جگہ مسلمانوں کو پہرہ دینے کے لئے بٹھایا اور ان سے یہ فرمایا تھا کہ یہاں سے نہ ہٹنا جب کافر بھاگ گئے تو پہرہ دینے والے مسلمانوں نے یہ سمجھا کہ بس اب جنگ ختم ہو گئی۔ اس لئے وہاں سے ہٹ گئے۔ ان کے ہٹتے ہی کافروں کو موقع مل گیا اور انہوں نے پیچھے سے آکر مسلمانوں پر اس زور سے حملہ کیا کہ ستر مسلمان شہید ہو گئے اور کچھ گھبرا کر بھاگ گئے لیکن یہ معزز خاتون جس وقت تک مسلمانوں کو فتح کے راستے پر دیکھ رہی تھیں، برابر مشک میں پانی بھر بھر کر لوگوں کو پلا رہی تھیں۔ اور جب مسلمان ہار گئے تو اپنی مشک چھوڑ کر اپنے ہاتھوں میں تلوار لے کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لڑائی میں پہنچ گئی اور کافروں کے ساتھ لڑنے لگیں۔

کافر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حملہ کرتے تھے۔ تو حضرت عمارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے تیروں اور تلوار سے ان پر اس زور کا حملہ کرتیں کہ ان کے منہ پھیر دیتی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود فرمایا کرتے تھے۔ کہ میں نے اُحد کی جنگ میں اُم عمارہ رضی اللہ عنہا کو اپنے دائیں اور بائیں برابر لڑتے ہوئے دیکھا۔

تھوڑی دیر میں عرب کا ایک پہلوان جس کا نام ابن قمیہ تھا۔ بہت زور میں حملہ کرتا ہوا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچ گیا۔ تو حضرت اُم عمارہ رضی اللہ عنہا نے پھرتی کے ساتھ آگے بڑھ کر اس کافر کو روکا اور دوسرے ایک کافر کے اس زور سے تلوار ماری کہ وہ تو وہیں ختم ہو گیا۔ یہ دیکھ کر ابن قمیہ پہلوان نے بھی ان پر اپنی تلوار سے حملہ کیا۔ جس سے ان کے کندھے پر بہت گہرا زخم آ گیا اور کندھے پر اچھا خاصا گڑھا پڑ گیا۔ اس کے جواب میں حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا نے بھی اس پہلوان کو اپنی پوری طاقت کے ساتھ تلوار ماری لیکن یہ کافر دوہری زرہ

پہنے ہوئے تھا۔اس لئے بچ گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے جانشین ہوئے ان کے زمانے میں جنگ یمامہ ہوئی اس جنگ میں مسیلمہ کذاب (جس نے حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بعد اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کیا تھا) اس سے مقابلہ ہوا۔ حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا بھی اپنے لڑکے حبیب کو لے کر جنگ کرنے کے لئے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہوئیں۔ وہاں پہنچ کر مسیلمہ نے ان کے لڑکے کو شہید کر دیا۔ تو انہوں نے یہ قسم کھائی کہ "خدا کی قسم یا تو مسیلمہ کذاب قتل ہو گا یا میری جان نہیں" یہ کہہ کر ننگی تلوار سونت لی اور میدان جنگ کی طرف نکل کھڑی ہوئیں اور اس جوانمردی سے مقابلہ کیا کہ بارہ زخم کھائے اور ان کا ایک ہاتھ بھی کٹ گیا۔ لیکن خدا نے ان کی قسم بھی پوری کر دی کہ اس جنگ میں مسیلمہ کذاب بھی مارا گیا۔

(۲) حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا!

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی پھوپھی، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بہن اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی والدہ اور حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی دادی تھیں۔ ایسی خوش قسمت عورت دنیا میں کوئی دوسری نظر نہیں آئی۔ چالیس برس کی عمر کے بعد یہ مسلمان ہوئیں۔ اپنے بیٹے زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ اسلام کی خاطر اپنا وطن مکہ مکرمہ چھوڑ کر مدینہ منورہ چلی گئیں۔ اور ساری عمر مدینہ منورہ میں ہی رہیں۔ جب جنگ احد ہوئی اور اس میں مسلمان شکست کھا کر بھاگ نکلے تو اس بہادر خاتون سے مدینہ میں نہ رہا گیا۔ جوش میں آکر مدینہ سے نکل کھڑی ہوئیں اور میدان جنگ کا رخ کیا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان کو آتے ہوئے دیکھا۔ تو ان کے بیٹے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو بلا کر ارشاد فرمایا، کہ دیکھنا ان کو ان کے بھائی حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش تک نہ جانے دینا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے والدہ کو حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا پیغام سنایا تو حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے منع فرمایا ہے کہ اپنے بھائی کی صورت نہ دیکھیں۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہ نے بیٹے سے کہا کہ میں بھائی کی شہادت کا واقعہ سن چکی ہوں۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں اپنے بھائی کی شہادت پر بے صبری کروں گی۔ اور بے

قرار ہو کر روؤں پیٹوں گی۔ خدا کی قسم اللہ کی راہ میں اسلام کے لئے یہ کوئی قربانی نہیں ہے۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی بات سن کر آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان کو بھائی کی لاش پر جانے کی اجازت دیدی۔ صفیہ بھائی کی لاش پر گئیں تو دیکھا کہ عزیز بھائی کٹا ہوا پڑا ہے۔ اس کے بدن کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے گئے ہیں۔ ناک الگ ہے، کان الگ ہیں، آنکھیں نکال لی گئی ہیں، ٹانگیں علیحدہ پڑی ہیں۔ پیٹ بھی چاک ہے۔ حتیٰ کہ ان کا کلیجہ نکال کر چبالیا گیا ہے۔ بہادر خاتون نے بھائی کی یہ ساری کیفیت دیکھی اور انا للہ و انا الیہ راجعون ط پڑھ کر چپ ہو رہیں۔ اور پھر اپنے بھائی کے لئے مغفرت کی دعا مانگی۔

(۲) حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا دوسرا واقعہ

جنگ اُحد کی طرح جنگ خندق میں بھی انہوں نے نہایت ہمت اور جوانمردی سے کام لیا۔ اس جنگ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تمام مسلمانوں کو مدینہ کے شہر سے باہر لے گئے تھے۔ کیونکہ مقابلہ میں دس ہزار کافروں کی فوج تھی اور مسلمان کل تین ہزار تھے۔ اس لئے حضور کے حکم سے مستورات کو مدینہ کے ایک قلعہ میں چھوڑ دیا گیا۔ اور حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو ان کی حفاظت کے لئے مقرر فرمادیا یہ قلعہ یہودیوں کے محلہ کے قریب پڑتا تھا۔ یہودیوں نے یہ دیکھ کر کہ سارے مسلمان تو حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ جنگ میں گئے ہوئے ہیں۔ اس لئے حملہ کرنے کے لئے موقع اچھا ہے۔ اور میدان خالی سمجھ کر عورتوں کے اس قلعہ پر حملہ کر دیا ایک یہودی قلعہ کے پھاٹک تک پہنچ گیا اور قلعہ پر حملہ کا موقعہ ڈھونڈھ رہا تھا کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے اس یہودی کو قلعہ کے اوپر سے دیکھ لیا حضرت حسان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ جلدی کرو۔ اور قلعہ سے اتر کر یہودی کو قتل کر دو، ورنہ پھر ہماری خیر نہیں، حضرت حسان رضی اللہ عنہ ابھی بیماری سے اٹھے ہی تھے وہ اپنی بیماری کا خیال کر کے کہنے لگے کہ یہ کام میرے بس کا نہیں ہے، اگر میں لڑائی کے کام کا ہوتا تو یہاں کیوں ہوتا۔ جنگ میں شریک نہ ہوتا۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا ان کا یہ جواب سن کر پھرتی سے اٹھیں اور خیمہ کی ایک چوب جلدی سے اکھاڑ کر ہاتھ میں لے لی اور قلعہ سے نیچے اتر کر اس یہودی کے سر پر اس زور سے ماری کہ سر کے دو ٹکڑے کر دیئے، جب اس یہودی کو مار چکیں تو قلعہ کے اندر چلی آئیں اور حضرت

حسان رضی اللہ عنہ سے کہنے لگیں کہ میں اس یہودی کو مار آئی ہوں، تم جا کر اس کے کپڑے اور ہتھیار اتار لاؤ۔ تاکہ موقع پر کام آئیں۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے فرمایا جانے بھی دیجئے، اس پر اس بہادر خاتون نے کہا کہ اچھا اگر یہ کام نہیں کر سکتے تو اتنا تو ضرور کرو کہ اس کا سر کاٹ کر قلعہ سے نیچے پھینک دو، تاکہ دوسرے یہودی ڈر کر بھاگ جائیں۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے اس سے بھی انکار کر دیا۔ تو حضرت صفیہ خود ہی قلعہ سے نیچے اتریں اور اس یہودی کا سر کاٹ لائیں اور قلعہ کے اوپر سے اس یہودی کے سر کو پھینک دیا۔ اپنے آدمی کے اس سر کو دیکھ کر یہودیوں کو یقین ہو گیا کہ اس قلعہ میں بھی کچھ فوج پڑی ہوئی ہے اور اس خیال سے پھر انہوں نے مستورات پر حملہ کرنے کی جرأت نہ کی۔

(۴) حضرت اُم سُلیم رضی اللہ عنہا!

حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا پہلے کافرہ تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں اسلام کی محبت پیدا کر دی۔ اور اسلام کی محبت ان کے دل میں ایسی بیٹھی کہ ان کا شوہر جس کا نام مالک تھا اور مسلمان نہیں ہوا تھا۔ اور ام سلیم رضی اللہ عنہا مسلمان ہو چکی تھیں، اس لئے یہ اپنے خاوند سے بار بار کہتی تھیں کہ تم بھی مسلمان ہو جاؤ۔ ان کے شوہر مسلمان ہونا نہیں چاہتے تھے اور یہ کافر کے گھر میں رہنا نہیں چاہتی تھیں، اس لئے دونوں میں کشیدگی پیدا ہو گئی اور ان کا خاوند ناراض ہو کر مدینہ سے ملک شام چلا گیا۔ اور وہاں جا کر اس کا انتقال ہو گیا۔

ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے جو اسی خاندان سے تھے۔ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کو نکاح کا پیغام دیا۔ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے کہا۔ چونکہ تم مشرک ہو اس لئے میں تم سے نکاح نہیں کر سکتی۔ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے کچھ دن غور کرنے کے بعد اپنے شرک سے توبہ کی اور مسلمان ہو گئے حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔ کہ اب تم طلحہ رضی اللہ عنہ سے میرا نکاح کر دو۔ نکاح کے بعد ساتھ ہی اپنا مہر بھی معاف کر دیا۔ اور کہا کہ میرا مہر اسلام ہے۔ پھر اسلامی جنگ میں اس شریف خاتون نے نہایت ہی جوش کے ساتھ حصہ لیا۔

مسلم شریف کی حدیث ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا اور انصار کی عورتوں کو جنگ میں ساتھ رکھتے تھے اور یہ عورتیں مجاہدین کو جنگ میں

پانی پلاتی تھیں۔ اور جو لوگ زخمی ہو جاتے تھے۔ ان کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔ جنگ احد میں جب بہت سے مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے تھے۔ اور وہ جنگ سے بھاگ نکلے تھے۔ اس وقت بھی یہ باہمت خاتون میدان سے نہیں بھاگیں۔ بلکہ نہایت ہی مستعدی اور بہادری سے یہ اپنا کام کرتی رہیں۔

بخاری شریف کی حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا اس جنگ میں پانی کی مشک بھر بھر کر لاتی تھیں۔ اور زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں جب مشک خالی ہو جاتی تو تیزی کے ساتھ جا کر بھر لاتی تھیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت کے آٹھویں سال جنگ حنین ہوئی، جس میں کافروں کی ہزارہا فوج نے اس زور و شور سے مسلمانوں پر حملہ کیا اور اتنے زور کے تیر برسائے، کہ دیکھنے والوں کو یوں معلوم ہوتا تھا کہ تیروں کی بارش برس رہی ہے۔ اور سوائے ننگی تلواروں اور تیروں کے کچھ نظر نہ آتا تھا لیکن یہ بہادر خاتون اس معرکہ میں بھی خنجر ہاتھ میں لئے پھر رہی ہیں۔ ان کے خاوند ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرض کیا۔ دیکھئے ام سلیم رضی اللہ عنہا خنجر لئے ہوئے پھر رہی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا۔ ام سلیم خنجر سے کیا کرو گی؟ بولیں! اگر دشمن موقع سے مل گیا تو اس خنجر سے اس کا پیٹ چاک کر دوں گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بہادر خاتون کا جواب سن کر خوش ہوئے اور مسکرانے لگے۔

(۵) حضرت اسما بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا!

حضرت اسماء حضرت ابو بکر صدیق کی صاحبزادی ہیں ان کی پیدائش حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت سے ۲۷ سال پہلے ہوئی یعنی ہجرت کے وقت ان کی عمر ستائیس سال کی تھی۔ یہ شروع شروع میں ہی اسلام لے آئی تھیں۔ تاریخ بتاتی ہے کہ ان سے پہلے تمام دنیا بھر میں ۱۷ مسلمان ہو چکے تھے۔ ان کے والد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہجرت کر کے جب مدینہ تشریف لے گئے۔ تو اپنا کل روپیہ اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے والد یعنی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے دادا کو جب یہ

معلوم ہوا کہ بیٹا ساری دولت لے کر مدینہ چلا گیا ہے۔ تو کہنے لگے کہ "افسوس! میرے بیٹے نے مجھے جانی اور مالی صدمہ پہنچایا۔"

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے یہ سن کر کہا۔ دادا آپ کیوں گھبرا رہے ہیں۔ ابا جان تو کافی مال چھوڑ گئے ہیں۔ اور یہ کہہ کر چپکے سے اپنی جگہ سے اٹھیں اور جس جگہ حضرت ابو بکر کا روپیہ رہتا تھا وہاں پر بہت سی پتھریاں لا کر رکھ دیں۔ اور ان پر کپڑا ڈال کر دادا کے پاس آئیں اور ان سے کہا۔ چلئے وہ مال دیکھ لیجئے۔ جو ابا جان ہمارے لئے چھوڑ گئے ہیں! یہ کہہ کر ان کا ہاتھ پکڑا، اور اس جگہ پر لے جا کر کہا کہ لیجئے اپنے ہاتھ سے ٹٹول کر دیکھ لیجئے، کیونکہ ان کے دادا اندھے تھے۔ اس لئے پتھریوں کو ہاتھ لگا کر کہنے لگے "خیر کھانے کے لئے بہت ہے۔"

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں کہ یہ کام میں نے صرف اپنے دادا کی تسلی کے لئے کیا تھا۔ ورنہ میرے ابا سب کچھ اپنے ساتھ لے گئے تھے اور گھر میں ایک پھوٹی کوڑی بھی نہ چھوڑی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے۔ تو مکہ میں جو عورتیں مسلمان ہو چکی تھیں۔ ان کو بھی مدینہ بلوایا۔ ان عورتوں کے ساتھ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بھی تشریف لائیں۔ اور مدینہ کے پاس ایک گاؤں میں قیام کیا۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک بیٹا دیا جن کا نام عبداللہ رکھا گیا۔

جب یزید خلیفہ ہوا تو وہ چونکہ فاسق و فاجر تھا۔ اس لئے حضرت عبداللہ نے اس کی بیعت تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اور مکہ معظمہ میں جا کر رہنے لگے۔ یزید کی طرف سے حضرت عبداللہ کو بہت کچھ لالچ دیا گیا۔ لیکن انہوں نے ہر دفعہ یہی فرمایا کہ فاسق و فاجر کی بیعت نہ کروں گا۔ یزیدیوں کو ان کا انکار بہت ناگوار ہوا۔ اور اس وقت سے حضرت عبداللہ کو اپنا جانی دشمن سمجھنے لگے۔ چنانچہ عبدالملک ابن مروان کے حکم سے ان کا مقابلہ کرنے کی تیاری کی گئی۔ اور یزید کے پایۂ تخت سے بہت بڑا لشکر حضرت عبداللہ کو قتل کرنے چلا اور مکہ مکرمہ پہنچ کر خانہ کعبہ کا محاصرہ کر لیا۔ تو حضرت عبداللہ اپنی ماں کے پاس آئے، وہ بیمار تھیں، ان سے پوچھا۔ اماں جی! اب آپ کی کیسی طبیعت ہے! فرمایا "بیٹا تکلیف بہت ہے۔" اس کے جواب میں بیٹے نے کہا۔ "اماں بات یہی ہے، کہ آدمی کو مرنے کے بعد آرام ملتا ہے۔"

یہ سن کر حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔ "بیٹا شاید تم کو میرے مرنے کی تمنا ہے،

لیکن میں ابھی اپنا مرنا پسند نہیں کرتی، میری آرزو تو یہ ہے کہ تم ان یزیدیوں سے لڑ کر شہید ہو جاؤ۔ اور میں تم پر صبر کروں۔ یا میرے حسین رضی اللہ عنہ کے قاتلوں پر تم کامیاب ہو جاؤ، اور میری آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ کہ تم نے ظالموں سے بدلہ لے لیا۔ والدہ کی یہ بات سن کر عبداللہ ہنس کر چلے گئے۔ شہادت کا وقت آیا تو آخری دفعہ اپنی صورت دکھانے کیلئے والدہ کے پاس آئے۔ وہ مسجد میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ بیٹے نے ماں سے آخری بار پھر پوچھا۔ اماں جی! آپ کی کیا رائے ہے؟ کیا میں ان ظالموں سے صلح کر لوں؟

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے جواب دیا۔ بیٹا قتل سے ڈر کر ذلت آمیز صلح کوئی اچھی بات نہیں جاؤ حق کے لئے اپنی جان دیدو۔ بہادر بیٹوں کا یہی کام ہے۔

حضرت عبداللہ نے ماں کے حکم کی تعمیل کی۔ اور ماں سے کہنے لگے۔ اچھا تو پھر ہمارا آخری سلام قبول ہو، خدا حافظ، میں ہمیشہ کے لئے آپ سے جدا ہوتا ہوں، یہ کہہ کر یزیدی فوج سے خوب مقابلہ کیا اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعُون ط۔

حجاج نے جو اس لشکر کا سردار تھا حضرت عبداللہ کی شہید لاش کو سولی پر لٹکایا۔ جب ان کی لاش کو سولی پر لٹکے ہوئے تین دن ہو گئے۔ تو حضرت اسماء رضی اللہ عنہا باندی کو لے کر اپنے اکلوتے بیٹے کی لاش پر آئیں۔ دیکھا کہ بیٹے کی لاش الٹی لٹکی ہوئی ہے۔ سر نیچے ہے اور پاؤں رسی میں اوپر کی طرف بندھے ہوئے ہیں۔ لاش کے ساتھ یہ ماجرا دیکھ کر آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبا آئیں۔ اور دل تھام کر نہایت ہمت اور جوانمردی سے بولیں۔ کیا اس سوار کے گھوڑے سے اترنے کا ابھی تک وقت نہیں آیا۔ اور یہ کہہ کر اپنے گھر واپس چلی آئیں۔ چند روز کے بعد عبدالملک کا حکم پہنچا اور یزیدی فوج کے سردار نے ان کی لاش اتروا کر یزیدیوں کے قبرستان میں پھنکوا دی۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے بیٹے کی لاش کو وہاں سے اٹھوا کر گھر منگوایا اور غسل دلوا کر جنازہ کی نماز پڑی۔ حضرت عبداللہ کا جوڑ جوڑ الگ ہو چکا تھا۔ نہلانے کے لئے جب کوئی عضو اٹھایا جاتا تھا تو ہاتھ لگاتے ہی وہ حصہ بدن سے علیحدہ ہو جاتا تھا۔ لیکن حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے بیٹے کی یہ ساری کیفیت دیکھ کر مردانہ وار صبر اور ہمت سے کام لیا۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا یہ دعا کرتی تھیں کہ "اے الہ العالمین! جب میں عبداللہ کی لاش نہ دیکھ لوں، مجھے موت نہ آئے" اللہ نے ان کی یہ تمنا پوری کیا اور بیٹے کی شہادت کو ابھی ایک ہی ہفتہ گزرا تھا کہ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا

بھی دنیا سے رخصت ہو گئیں۔

(۶) حضرت خنساء رضی اللہ تعالیٰ عنہا!

نجد کی رہنے والی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو یہ بوڑھی ہو چکی تھیں۔ اسلام کی خوبی سن کر اپنی قوم کے کچھ لوگوں کے ساتھ مدینہ منورہ تشریف لائیں۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گئیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں جب قادسیہ میں ایرانی کفاروں سے جنگ ہوئی۔ اس وقت حضرت خنساء رضی اللہ عنہا کے چار بیٹے تھے، چاروں کو لے کر میدان جنگ میں آئیں اور بیٹوں کو سامنے بلا کر یہ تقریر کی:

پیارے بیٹو! تم نے اپنی خوشی سے اسلام قبول کیا اور پھر اپنی مرضی سے ہجرت کی۔ ورنہ تم اپنے ملک اور قوم کو بھاری نہ تھے۔ نہ تمہارے یہاں قحط پڑا تھا۔ باوجود اس کے تم اپنی بوڑھی ماں کو دشمن کے اس دور دراز ملک میں لے آئے ہو۔ اور اب تمہاری بوڑھی ماں فارسیوں کے رحم و کرم پر رہ جائے گی، خدا کی قسم! تم ایک ماں اور باپ کی اولاد ہو۔ اور میں نے تمہارے باپ سے خیانت نہیں کی۔ اور نہ تمہارے ماموں کو شرمسار کیا، بیٹا! تم جانتے ہو۔ کہ دنیا فانی ہے۔ اور کافروں سے جہاد کرنے میں بہت بڑا اجر و ثواب ہے۔ خدا تعالیٰ کا فرمان ہے:

یا یہا الذین امنوا صبروا و صابروا و رابطوا،

اس لئے میں تم سے کہتی ہوں۔ کہ صبح اٹھتے ہی کافروں سے لڑنے کی تیاری کرو۔ اور آخر دم تک لڑو یا جان دیدو۔ یا فتح کرو۔

بیٹوں نے بوڑھی ماں کی اس پر جوش تقریر کو سن کر صبح ہوتے ہی میدان کی طرف ایک ساتھ گھوڑوں کو دوڑایا۔ اور نہایت جوش میں شعر پڑھتے ہوئے دشمنوں کی طرف بڑھے اور دشمن کو مارتے ہوئے چاروں شہید ہو گئے۔

حضرت خنساء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جب چاروں بیٹوں کا شہید ہو جانا معلوم ہوا تو خدا کا شکر ادا کیا، اور کہنے لگیں "اے الہ العالمین میں اس قابل نہیں تھی۔ تو نے ہی مجھے اپنے فضل و کرم

سے یہ دولت بخشی۔"

(۷) حضرت ام حکیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا

یہ معزز خاتون ابو جہل کی بہو اور خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابن ولید کی بھانجی ہیں۔ ان کی سسرال ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سب سے بڑی جانی دشمن تھی۔ ان کے خاوند عکرمہ ابن ابو جہل نے اپنی پوری طاقت اسلام کے مقابلے میں خرچ کردی۔ جب ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ سلم نے مکہ معظمہ فتح کرلیا۔ اس وقت ان کا خاوند عکرمہ تو یمن بھاگ گیا۔ اور ام حکیم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آکر مسلمان ہو گئیں۔ مسلمان ہو کر اپنے شوہر کو سمجھانے اور مسلمان بنانے کے لئے یمن گئیں اور اپنے شوہر سے مل کر اسلام اور پیغمبر اسلام کی خوبیوں کو سمجھاتی رہیں آخر کار اس مقدس خاتون کی تبلیغ سے اسلام کے سب سے بڑے دشمن کے بیٹے حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گئے اور مسلمان ہونے کے بعد اپنے تمام گناہوں کا کفارہ ادا کیا۔ نہایت جوش اور ہمت کے ساتھ جہاد میں شرکت کرتے رہے، اور بڑی بہادری اور جوانمردی سے خدا کے دشمنوں کا مقابلہ کرتے رہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں رومیوں سے جنگ ہوئی۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ اپنی بیوی حضرت ام حکیم رضی اللہ عنہا کو ساتھ لے کر ملک شام چلے گئے۔ اور اجنادین کی جنگ میں بڑی بہادری سے لڑتے رہے۔ آخر لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ شوہر کے شہید ہو جانے سے حضرت ام حکیم رضی اللہ عنہا بیوہ ہو چکی تھیں۔ عدت کے بعد خالد ابن سعید رضی اللہ عنہا سے انہوں نے نکاح کیا۔ دلہن بنانے کی تیاریاں ہوئیں چونکہ یہ نکاح ایسی جگہ ہوا تھا۔ جو دمشق کے قریب تھا اور اس جگہ ہر وقت رومیوں کے حملے کا اندیشہ تھا۔ حضرت ام حکیم رضی اللہ عنہا نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ سے کہلا بھیجا، کہ "ابھی توقف کیا جائے۔ کیونکہ اس وقت رومیوں سے ہر وقت خطرہ لگا ہوا ہے۔ اس خطرہ کے رفع ہو جانے کے بعد دیکھا جائے گا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اس جواب میں کہلا بھیجا کہ "مجھے اسی جنگ میں اپنی شہادت کا یقین ہو چکا ہے" غرض ایک پل کے پاس ان کی رخصتی ہوئی۔ جو اب قنطرہ ام حکیم کہلاتا ہے۔ صبح کو ولیمہ کی دعوت کھا کر لوگ فارغ بھی نہ ہوئے تھے۔ کہ رومی لشکر آپہنچا۔ اور اس وقت دونوں طرف سے

گھمسان کی لڑائی شروع ہو گئی۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ سب چھوڑ چھاڑ کر شیر کی طرح دوڑتے ہوئے میدان جنگ میں کود پڑے۔ اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔

حضرت ام حکیم حالانکہ دلہن بنی ہوئی تھیں اور عروسی جوڑا ابھی بدن سے اتارا بھی نہ تھا۔ اسی حالت میں جب مسلمانوں کو شہید ہوتے ہوئے دیکھا تو جوش کی وجہ سے ان سے نہ رہا گیا۔ فوراً اٹھیں، اپنے کپڑوں کو سمیٹ کر بدن پر باندھا اور خیمہ کی چوب اکھاڑی اور ہاتھ میں نیزہ لے کر کافروں پر اس زور سے حملہ کیا کہ دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ اس خاتون نے اسی نیزے سے سات کافروں کو قتل کیا تھا۔

(۸) حضرت ام حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہا!

یہ محترمہ انصاری خاندان سے تھیں۔ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی خالہ تھیں۔ مدینہ کے پاس ایک گاؤں جس کا قباء ہے۔ اس میں رہتی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب قباء میں تشریف لایا کرتے تھے۔ تو حضرت ام حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں ٹھہرا کرتے تھے۔ اور انہی کے یہاں کھانا کھایا کرتے تھے۔ جب حج کر کے تشریف لائے۔ تو ایک دن حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کے یہاں آئے۔ انہوں نے کھانا کھلایا اور کھانا کھانے کے بعد آپ لیٹ گئے اور آپ کو لیٹے لیٹے نیند آ گئی۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد آپ مسکراتے ہوئے جاگ اٹھے۔ اور فرمایا، میں نے ایک خواب دیکھا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ:

میری امت کے کچھ لوگ جہاد کے خیال سے سمندر میں سوار ہیں۔

حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا نے عرض کیا۔ "یارسول اللہ دعا فرمایئے کہ میں بھی انہی آدمیوں کیساتھ خدا کے راستے میں جہاد کرنے کے لئے نکلوں۔" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لئے دعا فرمائی، اور پھر سو گئے۔ کچھ دیر بعد پھر آنکھ کھلی۔ اور مسکراتے ہوئے اٹھ کر پھر وہی فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میری امت کے لوگ کافروں سے جہاد کرنے اور قسطنطنیہ فتح کرنے کے لئے سمندر میں جا رہے ہیں۔"

حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا نے اس دفعہ پھر عرض کیا۔ "یارسول اللہ! میرے لئے بھی دعا فرمایئے۔ کہ اللہ مجھے توفیق دے کہ ان مردوں کے ساتھ ہو کر میں بھی خدا کے راستے میں جہاد

کرنے کے لئے نکلوں۔" آپ نے فرمایا۔ "تم پہلی جماعت کے ساتھ جاؤ گی۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس خواب کی تعبیر ۲۸ھ میں پوری ہوئی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے شام کے حاکم تھے۔ انہوں نے کئی مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ ہم کو فرنگیوں کے جزیروں پر حملہ کرنے کی اجازت دے دی جائے۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ میں اجازت نہیں دی۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اجازت چاہی، تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں اجازت دے دی۔ جب ان کو فرنگیوں سے لڑنے کی اجازت مل گئی۔ تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بحر روم کے ایک جزیرے سائپرس پر حملہ کرنے کیلئے ایک جنگی بیڑا تیار کیا۔ اس حملہ میں بہت سے صحابہ شریک ہوئے۔ اور حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا بھی سمندر پار جنگ کرنے کے لئے تشریف لے گئیں۔ یہ بیڑا شام کے ایک ساحل سے چل کر سائپرس پہنچا۔ اور خدا کے فضل وکرم سے سائپرس فتح کر لیا۔ سائپرس کی فتح کے بعد حضرت ام حرام اپنے وطن لوٹنا چاہتی تھیں۔ اور اس ارادے سے سواری پر چڑھ رہی تھیں کہ اچانک نیچے گر کر شہید ہو گئیں۔ لوگوں نے نہایت شان وشوکت سے ان کے جنازے کی نماز پڑی۔ اور اسی جگہ ان کو دفن کر دیا۔ اب اس بہادر خاتون کا مزار اسی مقام پر ہے۔

میدان جنگ میں مسلمان عورتیں اور بھی خدمات انجام دیتی تھیں۔ مثلاً فوجوں کیلئے پانی کا انتظام کرنا۔ زخمیوں کی مرہم پٹی اور نرسنگ کا کام کرنا۔ جو لوگ میدان جنگ میں شہید ہو جاتے تھے یا زخمی ہو جاتے تھے ان کو میدان سے اٹھا کر زخمیوں کے ہسپتال اور خیموں میں پہنچانا۔ تیروں تلواروں اور میگزینوں کا انتظام کر کے فوجوں کو بہم پہنچانا اور فوجوں کے راشن یعنی کھانے پینے کا انتظام کر کے اس کی سپلائی کرنا۔

خواتین اسلام کے تبلیغی کارنامے

اسلام کی تبلیغ واشاعت بھی مذہب کی ایک بہت بڑی خدمت ہے اور خواتین اسلام نے اس سلسلے میں جو بے مثال کوششیں کی ہیں۔ اسلامی تاریخ ان کو کبھی فراموش نہیں کر سکتی اور محض خواتین کی ہی ہوشیاری اور انتھک کوششوں کا نتیجہ ہوا کہ حق تعالیٰ نے اسلام کے بڑے بڑے

دشمنوں اور کفر کے بڑے بڑے ستونوں کو مسلمان بنایا۔ اور اس سلسلے میں ان سے وہ کام لئے جو بعد کے بڑے بڑے عالموں، پیروں اور درویشوں سے نہ ہو سکے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر مسلمان اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جیسے بااثر انسان ابوجہل کے بیٹے حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ جیسے غیور اور بہادر مردوں کو کفر کی زندگی سے نکال کر مسلمان بنانا۔ مسلمان عورتوں ہی کی کوشش اور تبلیغ کا نتیجہ تھا۔

اس لئے میں صاف کہوں گا۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ وغیرہ کے جس قدر بھی اسلام اور مسلمانوں پر احسانات ہیں۔ اور ان کی جس قدر بھی اسلامی خدمات ہیں ان سب میں عورتیں برابر کی حصہ دار ہیں۔ اور جس قدر اپنے کارناموں پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ خدا کے یہاں اجر و ثواب کے مستحق ہوں گے۔ اسی قدر صنف نازک یعنی عورتیں بھی خدا کے یہاں اجر و ثواب کی مستحق ہوں گی۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ارشاد ہے: الدال علی الخیر کفاعلہ (حدیث)

(۱) حضرت فاطمہ بنت خطاب!

یہ مقدس خاتون حضرت عمر کی حقیقی بہن تھیں۔ ان کا نکاح حضرت سعید رضی اللہ عنہ ابن زید سے ہوا تھا۔ شروع شروع میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے لوگوں کو اسلام کی تبلیغ کرنی شروع کی، تو اس وقت مکہ کے کافروں نے آپ کی بڑی مخالفت کی۔ کافر لوگ آپ کو گالیاں دیتے تھے۔ کبھی کہتے تھے (نعوذ باللہ) تو دیوانہ ہے، کبھی کہتے کہ تم جادوگر ہو، اگر نماز پڑھنے کھڑے ہوتے تو جانوروں کی لید اور اوجھ، آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اوپر ڈال دیتے۔ کبھی آپ کے راستے میں کانٹے بچھا دیتے۔ کبھی آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پتھر مارتے اور آپ کے بدن کو لہولہان کر دیتے، کبھی جو آپ کے ہاتھ میں مسلمان ہوتا اس کی بھی جان کو آتے۔ اور قسم قسم کی اس کو تکلیفیں پہنچاتے اور جو شخص جس پر قابو پاتا طرح طرح کی سخت سے سخت تکلیفیں دیتا۔
چنانچہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا جو بہت بوڑھی ہو گئیں تھیں اور بڑھاپے میں اسلام لائی تھیں۔ مکہ والوں نے اس بوڑھی خاتون کو اسلام کو چھوڑنے اور کافرہ بننے پر بہت مجبور کیا۔ لیکن یہ بوڑھی اور ضعیف خاتون عقیدہ کی پکی اور بات کی دھنی تھیں۔ کسی

صورت سے اسلام چھوڑنے پر راضی نہ ہوئیں۔ مکہ کے کافر جب ہر صورت سے تھک گئے، اور ان کی کوئی کوشش اس بوڑھی خاتون کو اس عقیدے سے نہ پھیر سکی۔ تو مکہ کے سنگدل ظالم ان کے ساتھ یہ سلوک کرتے کہ جلتی اور تپتی ہوئی ریت پر لوہے کی زرہ پہنا کر تیز دھوپ میں اس بوڑھی عورت کو دن بھر کھڑا کر رکھتے۔ کمزوری اور ضعیفی کی وجہ سے ان کی ٹانگیں کانپنے لگتیں اور یہ بے ہوش ہو ہو کر گر پڑتیں۔ دن بھر تو ان کو اس مصیبت میں رکھا جاتا۔ اور شام کو ان کو نجات ملتی، تو رات کو گھر آتیں، لیکن بوڑھی ہڈیوں میں جو اسلام کی محبت رچ گئی تھی۔ اس کو پہاڑ سے زیادہ سخت سزائیں اور تپتی ہوئی ریت کیا دہکتی ہوئی آگ بھی نہیں نکال سکتی تھی۔

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب ادھر سے گزرتے تو حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کو اس دردناک مصیبت میں دیکھ کر فرماتے "آل یاسر صبر کرو۔ اس کے عوض میں تمہارے لئے جنت ہے۔"

ایک روز دن بھر اس مصیبت کو جھیل کر شام کے وقت جب ظالموں نے چھٹی دی۔ تو یہ بوڑھی خاتون دن بھر کی مصیبت بعد کو لہتی کراہتی رات کو اپنے گھر تشریف لائیں تو خدا کے دشمن ابو جہل نے ان کو گالیاں دینی شروع کر دیں گالیاں دیتے دیتے۔ اس کمبخت کو ایسا بھوت سوار ہوا کہ غصہ کی وجہ سے اپنی جگہ سے اٹھا۔ اور اس نے اٹھ کر اس ضعیف اور کمزور عورت کے ایسی برچھی ماری کہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا اسی وقت شہید ہو گئیں۔

اسی طرح کا واقعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا ہے اور اس میں بھی عورت کی ہی کوشش اور تبلیغ کو دخل ہے۔ ورنہ چلے تو تھے اسلام کے چراغ کو بجھانے مگر خود اس پر قربان ہو گئے۔"

اس کے علاوہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کی ترغیب و تعلیم کی وجہ سے حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ جیسے عظیم الشان صحابی مسلمان ہوئے تھے۔ جس کی پوری تفصیل حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے قصہ میں لکھ دی گئی، حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے جس خوبی سے ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کو اسلام کی تبلیغ کی ہے۔ وہ سننے کے قابل ہے:

مسند احمد میں مروی ہے کہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے ابو طلحہ رضی اللہ عنہ سے کہا "کہ کیا تم جانتے ہو کہ تمہارا خدا زمین میں سے اگا ہے؟ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ ہاں! مجھے معلوم

ہے اس پر حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے کہا۔ "تو پھر تم درخت کی پوجا کیوں کرتے ہو اور اس کو غذا بناتے شرم نہیں آتی۔ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ پر حضرت ام سلیم کی ان باتوں کا ایسا اثر ہوا کہ وہ اسی وقت مسلمان ہو گئے۔

حضرت ام شریک رضی اللہ عنہا دوسیہ نے تو ایسی تبلیغ کی کہ جس کی کوئی مثال نہیں۔ قریش کی عورتوں میں خفیہ طور پر جا کر اسلام کی تبلیغ کرتیں اور اس کی اشاعت کرتی تھیں، جس کے باعث بے شمار عورتیں دولت اسلام سے مالا مال ہو گئیں۔ اور قریش بھر میں محض اس خاتون کی بدولت اسلام پھیل گیا۔ ان کی تبلیغ اور وعظ و نصیحت جو عورت بھی سنتی وہ فوراً مسلمان ہو جاتی۔"

خواتین اسلام کے سیاسی کارنامے

سیاست کا مطلب ہماری زبان میں یہ ہے کہ ملکی معاملات میں دخل دینا ملکی انتظام کرنا۔ یا ظالم بادشاہِ وقت کے مقابلے میں آکر اس کی اصلاح کرنا۔ ان تینوں امور میں خواتین اسلام نے پورا پورا دخل دیا ہے۔"

آنے والے واقعات سے آپ کو پورا پورا اندازہ ہو جائے گا کہ اسلام کے سیاست میں عورت کو کہاں تک عزت بخشی ہے۔ اور کس طرح عورتوں کی صحیح رائے کو اسلام اور پیغمبر اسلام نے قبول فرما کرِ عورتوں کے درجات کو بلند کر دیا ہے۔

حضرت شفاء رضی اللہ عنہا بنت عبداللہ رضی اللہ عنہ!

یہ عقلمند خاتون اس وقت مسلمان ہوئی تھیں۔ جب اسلام لانے والوں پر کافروں کی طرف سے مصیبتوں کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے۔ اور رات دن ان پر طرح طرح کے ظلم و ستم کی مشق کی جاتی تھی۔ کبھی مسلمانوں کے بدن میں کیکر کے کانٹے چبھوئے جاتے۔ کبھی آگ کے انگاروں پر ننگی پیٹھ لٹا کر ان کو گھسیٹا جاتا۔ کبھی ان کا بائیکاٹ کر کے کھانا پانی تک بند کر دیا جاتا۔ کبھی مسلمانوں کو رسیوں سے باندھ کر مارتے مارتے بے ہوش کر دینا ان کا روز مرہ کا معمولی کام تھا۔ غرض کہ ایسے وقت میں مسلمان ہونا بڑے ہی دل جگرے کا کام تھا۔

حضرت شفار رضی اللہ عنہا ایسے ہی وقت میں مسلمان ہوئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم اس شریف خاتون کا بہت خیال فرماتے تھے۔ جب کبھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے گھر تشریف لے جاتے تو آپ ان کے مکان میں ہی آرام فرمایا کرتے۔ حضرت شفاء رضی اللہ عنہا نے آپ کے لئے علیحدہ ایک بستر اور ایک تہ بند رکھ چھوڑا تھا۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پسینہ اسی بستر میں جذب ہوتا تھا۔ اس لئے حضرت شفاء رضی اللہ عنہا اس کو بہت تبرک سمجھتی تھیں۔ اور اپنے پاس بہت حفاظت سے رکھتی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی خلافت کے زمانہ میں حضرت شفاء رضی اللہ عنہا کے مشورے اور رائے کو سب سے بہتر سمجھتے تھے۔ ان کی تجویز کو وہ بہت غور سے سنتے، اور فیصلہ کرتے وقت ان کے مشورہ کی رعایت کرتے تھے۔ اور جنگ کے زمانے میں بازار کا انتظام ان کے سپرد ہوتا تھا۔ جس کو آج کل کے محاورہ میں یہ کہا جائے تو بجا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے جنگ کے زمانہ میں حضرت شفاء رضی اللہ عنہ محکمہ کنٹرول کی ڈائریکٹر (ناظمہ) ہوتی تھیں۔"

اسد الغابہ میں مروی ہے کہ "کانت من عقلاء النساء و فضلاتھن"
یعنی یہ خاتون بڑی عقلمند اور زبردست تعلیمیافتہ تھیں۔

عورت کی حیثیت

عورت کی چار حیثیتیں ہیں۔ (۱) ماں، (۲) بیوی، (۳) بیٹی، (۴) بہن۔

قرآن زبان عربی میں ہے۔ عربی میں ماں کو اُمّ کہتے ہیں۔ (۱) ام کا مفہوم ہے ٹھکانہ، (۲) ام کا مطلب ہے جڑ۔ درخت کیا ہے جڑ کا پھیلاؤ ہے۔ بیٹے کی سیرت تابع سیرت اُمّ ہے۔ اس کا وجود اس کا پرتو ہے۔ (۳) ام کے معنی ہیں جھنڈا، علَم قوم و ملک کا نشان ہے۔ جیسی عورت ویسی قوم، (۴) اُمّ ہے کھوپڑی، جس کی کھوپڑی میں بھس بھرا ہو۔ وہ کوڑ مغز ہے۔ (۵) اُمّ ہے وسطی حصہ۔ (۶) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورۂ فاتحہ کو اُمّ القرآن کہا ہے۔ فاتحہ متن ہے۔ باقی قرآن اس کی تفصیل ہے۔ شرح ہے۔ (۷) جو نبی آیا قوم کے مرکزی مقام میں آیا۔ مکہ کا خطاب ہے اُمّ القریٰ۔ مکہ دنیائے معلومہ کا مرکزی مقام تھا۔ (۸) ازواج النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خطاب امہات المومنین ہے۔"

یہ معانی ظاہر کر رہے ہیں۔ کہ اُمّ کی شان کیا ہے؟ اس سے کیا توقعات وابستہ ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چند الفاظ میں معرفت وحقیقت کا کوثر بھر دیا ہے۔

الجنت تحت اقدام امھاتکم۔ جنت تمہاری ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔

یہ حدیث امومت (مدرہڈ) کی حقیقت وحیثیت کی پوری وضاحت ہے۔ اولاد کو مع دیدار الٰہی نعمائے جنت کے حصول کے قابل ماں ہی بنا سکتی ہے۔ جنتی بنانے کی صلاحیت آغوش مادر کو بالخصوص مرحمت فرمائی گئی ہے۔

پاک اَولاد

دنیا کا کوئی ذی شعور انسان آنے والی نسل کی اہمیت اور وقعت سے انکار نہیں کر سکتا۔ اولاد کے متعلق والدین کی دلی خواہشات۔ جذبات۔ احساسات اور خیالات ناگزیر ہے۔ ایک تاجر کو صرف یہ خیال ہوتا ہے کہ اس کی اولاد ایسی ہو جو اس کے کاروبار کو سنبھال سکے۔ اور فروغ پر پہنچانے پر قادر ہو۔ ایسے ہی ہل چلانے والا دہقان بھی یہی چاہتا ہے کہ اس کا فرزند اچھا کسان ہو۔ ایک مدبر کو یہ فکر دامنگیر ہوتی ہے کہ ملک وملت کی فلاح ونجاح اٹھتی ہوئی پود پر موقوت ہے۔ اور وہ اور وہ ایسی اولاد کا خواہاں ہوتا ہے کہ جو ملک کا نام اچھالنے والی ہو اور ملت کی بہترین خدمت کر سکتی ہو۔

(۱) قرآن واضح کرتا ہے کہ رب العزت نے بنی اسرائیل کو یہ نعمت خصوصیت سے یاد دلائی:

وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ط

تشریحی ترجمہ: اور یاد کرنے کے قابل ہے۔ وہ وقت، جب ہم نے تمہیں وہاں سے نجات دلائی۔ فرعونی تمہیں نہایت برا عذاب دے رہے تھے۔ اور وہ برا عذاب یہ تھا کہ وہ تمہارے بچوں کو ذبح کر دیتے تھے۔ اور تمہاری بچیوں کو زندہ رکھتے تھے۔

فرعون مصر کا جابر بادشاہ تھا۔ مدعی الوہیت تھا۔ اس کی کوئی اولاد نہ تھی، اس لئے "آل فرعون" کا ترجمہ ہے فرعونی۔ بیٹوں کا قتل بلاشبہ انتہائی اذیت کا موجب تھا۔ اس کی نوعیت یہ تھی کہ جونہی کوئی بچہ پیدا ہوتا۔ اس کا علم فرعونیوں کو ان کی خفیہ پولیس کے ذریعہ ہو جاتا۔ وہ اسے ذبح

کردیتے۔ بچیوں کو ذبح نہ کرنا۔ اور انہیں اپنی لونڈیاں یا بیویاں بنانے کے لئے رہنے دینا والی نوعیت کا ظلم تھا۔ اس سے مقصود بنی اسرائیل کی غیرت کو ذبح کرنا تھا۔ یہ نوٹ لکھتے ہوئے مولانا اکبر مرحوم کا یہ شعر زبان پر جاری ہو گیا ہے۔

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

فرعونیوں کا ظلم بچیوں پر زیادہ تھا۔ وہ دختران بنی اسرائیل کو ناپاک زندگی بسر کرنے پر مجبور کرتے تھے۔

قرآن کے ارشادات و بیانات سے واضح ہو سکتا ہے کہ اللہ کے نیک بندوں اور نبیوں نے محض اولاد کی نہیں۔ بلکہ نیک اولاد کی تمنا کی ہے۔

مومن دعا کرتے ہیں: رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ط

اے پروردگار ہمیں ہماری بیویوں اور اولاد میں سے آنکھ کی ٹھنڈک دے اور ہمیں نیکوکاروں کا امام بنا۔

اسلام "ذُرِّیَّتِ طیبہ" پاک اولاد کو آنکھ کی ٹھنڈک قرار دیتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام پکارے: رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ط

(اے پروردگار صالح (نیک) لڑکا مرحمت فرما۔) رب العزت نے دعا قبول فرمائی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس نوید عید سے شاد کام کیا۔ کہ اسے فرزند حلیم مرحمت کیا جائیگا۔ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ط

حضرت زکریا علیہ السلام پکارے رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً۔

اے پروردگار مجھے اچھی اور پاک نفس اولاد عطا فرما۔

انہیں بتایا گیا۔ کہ انہیں نیک بچہ دیا جائے گا۔ جس کا نام ہوگا یحییٰ "اس بشارت پر حضرت زکریا علیہ السلام اس قدر بے خود ہو گئے کہ بے ساختہ بول اٹھے۔ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْ اٰيَةً

اے پروردگار اس بچہ کے پیدا ہونے کی کوئی علامت بھی بتا دی جائے۔

حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا فرمان ایزدی اور ارشاد پدری کی نافرمانی کر رہا ہے۔ بایں ہمہ

پیغمبر علیہ السلام کی طبعی محبت پدری جوش زن ہو کر یوں گویا ہوئی۔ اِرْکَبْ مَعَنَا ط۔ اے بیٹا ہمارے ساتھ سوار ہو جا۔ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ط۔ آج کے دن کے سوا اس کے کہ جس پر خدا رحم کرے کوئی بچنے والا نہیں، بیٹے نے جواب دیا:

سَاٰوِیْ اِلٰی جَبَلٍ یَّعْصِمُنِیْ مِنَ الْمَآءِ ط۔ میں عنقریب پہاڑ پر چڑھ جاؤنگا۔ پہاڑ مجھے پانی سے بچالے گا۔ بیٹے سے ہٹ کر نوح علیہ السلام نے اپنے اللہ سے یوں فریاد کی:

اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ ۔ یقیناً میرا بیٹا میرے اہل میں سے ہے، اس کا جواب قدرت نے یہ مرحمت فرمایا۔ اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ ط۔

بلاشبہ وہ (تیرا بیٹا) تیرے اہل میں سے نہیں۔ وجہ یہ: اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ، اس کا عمل ایسا ہے کہ جو ظاہر کرتا ہے کہ اس میں تیرے اہل میں سے ہونے کی صلاحیت نہیں ہے، لَا تَكُنْ مِّنَ الْجَاهِلِیْنَ، محض گوشت پوست کے رشتہ پر بیٹے کو اہل میں تصور کرنا ان لوگوں کا کام ہے کہ جو حقائق سے جاہل ہیں آپ ایسے نہیں ہیں۔ آپ اس تصور سے مجتنب رہیں۔

ان توضیحات سے صاف ظاہر ہے کہ قرآن یہ چاہتا ہے کہ مسلمان پاک نفس اور صالح اولاد کے طالب ہوں۔ غیر صالح اولاد نعمت نہیں، زحمت ہے۔

شیخ سعدی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

۔ زنانِ بار دار اے مرد ہشیار	اگر وقت ولادت مار زائیند
ازاں بدتر بود نزد خرد مند	کہ فرزندان ناہموار زائیند

اے سمجھ بوجھ والے انسان! اگر جننے والی ماں جننے کے وقت سانپ جنے، تو دانا انسان کے نزدیک اس سے برا نہیں کہ وہ نااہل فرزند جنیں۔ فرزند ناہموار مار (سانپ) سے برا ہے۔

والدین کا اثر

علم و تجربہ سے ہویدا ہوتا ہے۔ کہ والدین کی جسمانی و ذہنی حالت کا اثر اولاد پر کم و بیش ضرور ہوتا ہے۔ پاکستانی بچہ والدہ کو ماں، انگریز مدر، عرب اُمّ، ایرانی مادر والدین کے باعث کہتا ہے۔ بعض امراض دق، وجع المفاصل (جوڑوں کا درد) وغیرہ ایسے ہیں کہ جو ان میں مبتلا ہوتے ہیں۔ ان کے بچے دوسروں کی نسبت ان کے زیادہ شکار ہو جاتے ہیں۔ علاج اور اچھے ماحول کے باعث یہ اثر

باطل بھی ہو جاتا ہے۔ مالیخولیا جنون اور مرگی کے بیماروں کے بچے دکھ اور صدمات سے جسمی توازن کھو بیٹھتے ہیں۔ گو ان کا مداوا ممکن ہے۔ مگر اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ بچوں پر اثر ضرور ہوتا ہے۔ یورپ کے بعض ماہرین کا دعویٰ ہے کہ وہ اپنی اولاد کو اپنی مرضی کے مطابق ڈاکٹر یا سپاہی بنا سکتے ہیں۔ اگر ماں یہ چاہتی ہے کہ اس کا نونہال فوجی ہو۔ تو اسے ان ایام میں کہ بچہ اس کے پیٹ میں ہو، عسکری سرگرمیوں میں حصہ لینا چاہیئے۔ غازیوں کے کارناموں کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔ والدہ کے خیالات کا مولود پر اثر زیادہ ہوتا ہے۔

ایک عورت کی دوسری شادی ایسے شخص سے ہوئی، جو سیاہ فام تھا۔ وہ خود بھی سانولی تھی۔ اسے خدا نے چاند سا حسین بچہ دیا۔ اس کی سہیلی نفسیات کی عالمہ تھی، اس نے بیان کیا کہ اس خاتون کو اکثر اوقات اس شوہر کا خیال آتا تھا جو فوت ہو چکا تھا اور جو از بس خوبصورت تھا۔ اور اس کا سلوک اس عورت سے غایت درجے کا محبانہ تھا۔ پیدا ہونے والے بچے کو قبول صورت والدہ کے تصور نے بنا دیا۔

زچہ کی دماغی کیفیت کا بچہ کی حالت پر خاص اثر پیدا ہوتا ہے۔ جنین کا جسمانی ہی نہیں بلکہ اخلاقی نشوونما بھی رحم مادر سے شروع ہو جاتا ہے۔ ہمارے ہاں "شاہ دولہ کے چوہے" واضح کر سکتے ہیں جب کوئی عورت یہ منت مانتی ہے کہ اسے مولود کو شاہ دولہ کی نذر کر دینا ہے۔ تو یہ خیال اس کے دماغ میں جم جاتا ہے۔ کہ ان کا جو بچہ ہو گا۔ اس کا سر چھوٹا ہو گا۔ بچہ بہ شکل چوہا پیدا ہوتا ہے۔ اور اس کا دماغ بھی کمزور ہوتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ ماں کے خیالات بچے کے حق میں کیا اثر رکھتے ہیں۔ فرانس کی تاریخ بتاتی ہے کہ نپولین بوناپارٹ اس لئے بھی بہت بڑا جرنیل ثابت ہوا کہ وہ جس وقت اپنی والدہ کے پیٹ میں تھا۔ وہ میدان جنگ میں اپنے شوہر کے ساتھ گئی۔ اس نے جنگی داؤ پیچ سے دلچسپی کا اظہار کیا۔ ماں کے تصورات نے بچے کو جلیل القدر سپاہی بنا دیا۔ تصوف کی کتابوں میں ہے کہ اکثر حضرات اس لئے پارسا اور اولیاء ہوئے کہ ان کی ماؤں نے ایام حمل میں اپنا بہت سا وقت یاد خدا میں بسر کیا۔ دودھ پلانے والی پر اگر سخت غم و غصہ کی حال طاری ہو تو بچہ بدہضمی کا شکار ہو جاتا ہے۔

حضرت مریم علیہ السلام کا واقعہ

قرآن مجید کے سولہویں پارے کی سورۂ مریم میں جنابہ مریم صدیقہ علیہ السلام کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ مریم علیہ السلام کی پیدائش یوں ہوئی۔ کہ ان کی والدہ مقدسہ نے یہ دعا کی۔

رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَکَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا، فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ ط

اے پروردگار میرے پیٹ سے جو آزاد بچہ پیدا ہو گا۔ میں اسے تیری نذر کرتی ہوں۔ اے پروردگار! تو اسے منظور فرمائیے"

والدہ مریم کا خیال تھا کہ انہیں لڑکا عنایت ہو گا۔ مگر خلاف توقع انہیں بیٹی ملی۔ قدرت نے اشارہ کیا کہ یہ بچی بچے سے اچھی ہے۔ مریم علیہ السلام نے بصد خلوص و مسرت اپنے آپ کو بیت المقدس کی خدمت کے لئے وقف فرمادیا۔ آپ اپنے مکان میں تشریف فرما تھیں۔ قرآن کا بیان ہے کہ آپ اپنے مکان کے مشرقی گوشے میں تشریف لے گئیں۔ تاکہ دوسروں کی آنکھوں سے اوجھل ہو جائیں۔ آپ کے سامنے خدا کا فرشتہ بشری صورت میں نمودار ہوا۔ آپ حیران و پریشان ہو گئیں۔ یہ شخص بیت المقدس میں کیونکر آیا؟ اس گھر میں کیوں کر پہنچا۔ اسے اس مکان تک پہنچنے یا اس گوشہ تک آنے میں کسی نے نہ روکا نہ ٹوکا۔ یہ کہتا ہے کہ وہ فرشتہ ہے۔ اور خدا نے یہ فرشتہ اس لئے بھیجا ہے۔ کہ وہ مریم کو لڑکا دے۔ چنانچہ مذکور ہے کہ فرشتے نے کہا: اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّکِ ط۔ بلاشبہ میں تیرے پروردگار کا بھیجا ہوا ہوں اور میرے آنے کا مقصد یہ ہے: لِاَهَبَ لَکِ غُلٰمًا زَكِيًّا، کہ میں تجھے پاک نفس لڑکا بخشوں، مریم علیہ السلام نے پوچھا:

قَالَتْ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّلَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَکُ بَغِیًّا ط

میرے ہاں پاک بچہ کیوں کر ہو گا؟ مجھے کسی انسان نے نہیں چھوا۔ اور میں خدا کی نافرمان بھی نہیں ہوں۔ فرشتہ گویا ہوا۔ قَالَ كَذٰلِكِ ط۔ ایسی ہی ہو گا۔ نہ تجھے کوئی مس کرے گا۔ نہ تیری نیکوکاری میں فرق آئے گا۔ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَیَّ هَیِّنٌ۔ فرشتے نے بتایا۔ تیرے رب نے یہ کہا ہے کہ اس طرح بچہ عنایت کرنا میرے نزدیک آسان ہے۔ وَلِنَجْعَلَهٗ اٰیَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ط وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِیًّا ط۔ فرشتے نے مریم کو اس منشائے ایزدی سے آگاہ کیا۔ کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ یہ ہے کہ وہ اس بچے کو اس امر کی ایک نشانی بنانا چاہتا ہے کہ وہ یوں بھی اولاد مرحمت فرما سکتا ہے اور یہ

ہو جانے والی بات ہے۔

مقام غور ہے۔ (۱) ایک بچی والدہ سے یہ سنتی ہے کہ اس کی والدہ نے خدا کے نام پر بیت المقدس کی خدمت کے لئے بچہ طلب کیا تھا۔ خلاف توقع بچے کی بجائے وہ (مریم علیہ السلام) پیدا ہو گئی۔ اس بات کا لازمی نتیجہ تھا کہ حضرت مریم علیہ السلام کے دماغ پر اس بات کا نقش جم جائے۔ (۲) والدہ نے اسے بیت المقدس کی خدمت کے لئے وقف کر دیا۔ (۳) جنابہ حضرت مریم علیہ السلام اپنے مکان کے ایک گوشہ میں گئیں۔ وہ پردے میں ہو گئیں۔ (۴) ان کے سامنے ایک شخص نمودار ہوا۔ (۵) قدرتاً مریم علیہ السلام کو یہ خیال گزرا کہ یہ شخص کون ہے؟ کیوں آیا ہے؟ اسے کیوں کسی نے نہیں روکا، اس نے اجازت بھی طلب نہیں کی؟ وہ ایک پاک نفس خاتون سے کیوں خطاب کرنا چاہتا ہے؟ آپ یہ سن کر اور زیادہ محو حیرت ہو جاتی ہیں کہ یہ شخص بنی آدم نہیں، فرشتہ ہے۔ آپ اس سے گریز فرمانا چاہتی ہیں۔ (۶) وہ کہتا ہے کہ میں اپنی مرضی سے نہیں آیا مجھے خدا نے بھیجا ہے۔ میں تجھے یہ بتانے آیا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تجھے پاک نفس لڑکا عنایت کرے گا۔ مریم علیہ السلام کنواری ہیں۔ حیران ہو کر پوچھتی ہیں کہ لڑکا کیونکر ہو گا۔ میں شادی شدہ نہیں۔ میں پاک نفس خاتون ہوں۔ بتایا جاتا ہے کہ شادی بھی نہیں ہو گی۔ پاک نفسی میں بھی فرق نہیں آئے گا۔ بچہ ہو گا۔

قرآن پاک میں دوسری جگہ ارشاد ہے خداوند تعالیٰ نے مریم علیہ السلام پر واضح کیا۔ کہ جو بچہ پیدا ہو گا۔ اس کا نام ہو گا۔ عیسیٰ۔ اس سے بہت پہلے خداوند تعالیٰ آدم کو پیدا کر چکا ہے جو اول انسان ہے۔ ظاہر ہے کہ ہر پہلا پرند، چرند، حیوان، انسان، ماں باپ کی وساطت کے بغیر ہی پیدا ہوا ہے۔ جب لاتعداد مخلوق اسی طریق سے پیدا ہوئی ہے تو ایک پاک نفس خاتون کو مس بشر کے بغیر ہی بچہ عنایت کر دینا کیوں کر محال ہے۔ خدا کا منشاء اپنی قدرت کا اظہار ہے۔ تو ظاہر ہے کہ جنابہ مریم علیہ السلام کے دماغ کے ہر خانے میں جبرائیل کی اس آمد اور اس سے گفت و شنید کا تصور جم گیا ہو گا۔ اسی بیت المقدس میں انہیں بے موسم کا پھل بھی ملتا رہا۔ ان پر یہ بھی عیاں ہوا کہ اللہ نے ان پر بے موسم پھل بھیجے کی جو عنایت کی۔ اس سے اثر پذیر ہو کر حضرت زکریا علیہ السلام نے اولاد کی دعا کی۔ انہیں پاک نفس لڑکا عنایت ہوا۔ حضرت زکریا علیہ اسلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کی تمام سرگزشت ان کے ذہن میں تھی۔ تو یہ لازمی تھا کہ ان تصورات کا گہرا اثر جناب

عیسیٰ علیہ السلام پر ہوا۔ اسلامی روایات کی رو سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی زندگی کا اکثر حصہ آسمان پر بسر فرمانے کے قائل ہیں۔ جبرائیل سے ان کا خاص رابطہ ہے۔ ان میں ملکی صفات تھیں۔ آسمانوں پر فرشتے آباد ہیں۔ غور سے دیکھا جائے تو جناب مسیح علیہ السلام کی زندگی کے کوائف ان اثرات سے اجاگر ہو سکتے ہیں۔ جو صدیقہ مریم علیہ السلام کے دماغِ پاک پر نقش تھے۔ اس سے ظاہر وباہر ہے کہ اگر مسلمانانِ پاکستان کو "پاک نفس اولاد" کی ضرورت ہے۔ تو ان کے لئے ناگزیر ہے۔ کہ وہ خواتین ملت کی تعلیم و تربیت کی اہمیت کا احساس کریں۔ اور جان جائیں کہ انہیں کس قدر جدوجہد سے کام لینا ہے خاتون کو کس نگاہ سے دیکھنا ہے۔ اسے اضطراب و رنج والم سے بچانے کے لئے کیا کچھ کرنا ہے۔ ان کی صحت، تن درستی اور توانائی کا کتنا خیال رکھنا ہے۔ ان کی عفت و عصمت کے تحفظ کے سلسلے میں ان کے فرائض کیا ہیں؟ پاکستانی مسلمان پاک نفس اولاد کا طالب ہو سکتا ہے۔ لازمی ہے کہ وہ پاک نفس ہو۔ ان کی رفیقہ حیات پاک نفس ہو۔

رفیقۂ حیات

بحیثیت بیوی بھی عورت کو عزت وقعت کا مقام حاصل ہے۔ سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے۔

عورتوں کی عزت وہی کرتا ہے جو شریف النفس ہے، اور ان کی توہین وہی کرتا ہے جو بد نفس ہے۔ (ابن عساکر)۔

۱۔ اسلامی عقائد کی رو سے کوئی غیر نبی کسی نبی علیہ اسلام سے افضل نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نبی اللہ بھی ہیں۔ کلیم اللہ بھی ہیں۔ ان کی زوجہ محترمہ نبیہ نہیں ہیں۔ قرآن کریم کا بیان ہے، کہ حضرت موسیٰ نے اپنی بیوی سے کہا "اُمۡکُثُوۡا" (آپ تشریف رکھیں) یہ نہیں فرمایا "اُمۡکُثِیۡ" (تو یہاں ٹھہر) "اُمۡکُثُوۡا" فرمایا۔ جو صیغہ جمع مذکر کا ہے۔ نتیجہ ظاہر ہے۔

۲۔ فرشتوں نے سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی رفیقہ حیات کو فرزند کی بشارت دی۔ جنابہ سارہ علیہا السلام نے پیرانہ سالی کے باعث اس پر اظہار تعجب کیا۔ فرشتوں نے کہا:

اَتَعۡجَبِیۡنَ مِنۡ اَمۡرِ اللّٰہِ رَحۡمَتُ اللّٰہِ وَ بَرَکٰتُہٗ عَلَیۡکُمۡ اَہۡلَ الۡبَیۡتِ اِنَّہٗ حَمِیۡدٌ مَّجِیۡدٌ ط

کیا آپ اللہ کی قدرت سے تعجب کرتی ہیں (یہ نہیں کہا۔ "اتعجبی" کیا تو تعجب کرتی

ہے) اللہ کی رحمت اور برکت ہو آپ پر۔ علیکم بھی صیغہ جمع کا ہے۔ علیک نہیں کہا۔ کہ تجھ پر برکت ہو۔ محاورات عرب کے رو سے ایک عورت کے لئے جمع مذکر کا صیغہ استعمال کرنا اس عورت کی عظمت کی عظمت پر دلالت کرتا ہے۔ جب نبی اور فرشتے عورت سے خطاب بہ پیرایہ عظمت کرتے ہیں۔ تو ہمارا فرض ہے کہ عورت کو حقیر چیز نہیں بلکہ احترام و عظمت کی چیز تصور کریں۔ اور اپنے آپ کو نیک نفس ثابت کریں۔

۳۔ ارشاد باری ہے۔ وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُومِنَاتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ط
مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔ اولیاء کا لفظ بے حد جامع ہے۔ رفیق حیات یا رفیقہ حیات کے مفہوم سے ولی ولیہ کا مقام بدرجہا اونچا ہے۔

۴۔ قرآن حکیم کا فرمان ہے۔ اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مد وَبِمَا اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ط
مرد عورتوں کے سربراہ ہیں۔ یہ حقیقت دو امر پر مبنی ہے۔ ایک یہ کہ اللہ نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ دوسرے یہ کہ مرد عورتوں پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔ اس بدیہی امر سے کون انکار کرسکتا ہے۔ کہ جسمانی لحاظ سے مرد عورت سے مضبوط تر ہے۔
کوئی مرد بچے کی پرورش خون سے نہیں کرتا۔ رحم مادر میں بچے کی خوراک ماں کا خون ہے۔ بچے کے لئے دودھ قدرت نے عورت کو عنایت کیا ہے۔ اسلام کی رو سے باپ کے مقابلے میں ماں کی خدمت و عظمت پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ کمزور مخلوق کی ذمہ داریاں قوی مخلوق سے کم ہیں۔ جب ذمہ داریاں کم ہیں تو مرد سے اس کا مقام بھی کم ہوگا۔ اسلام کی رو سے مرد کو عورت کے مصارف کا کفیل ٹھہرایا گیا ہے۔ عورت مرد کے اخراجات کی کفیلہ نہیں۔ زیورات عورت کے لئے جائز ہیں ریشم اور سونا مرد کے لئے جائز نہیں۔
بیوی کے لباس۔ اس کے سامان زیبائش و آرائش پر زیادہ رقم صرف کرنی پڑتی ہے۔ گھر کے بجٹ کا کافی حصہ رفیقہ حیات کے لئے وقف ہوتا ہے۔ اس صورت میں اگر مرد عورت کے مقابلہ میں درجہ فائقہ نہ دیا جائے تو یہ صریحاً ظلم ہوگا۔ قرآن مجید نے فرمایا:

۴۔ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ط مردوں کو عورتوں پر ایک درجہ فوقیت ہے یہ فوقیت جان عدل ہے۔

۵- قرآن کریم کا حکم ہے۔ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً (سورۂ نساء)
پس دو عورتوں کو ان کے مہور (جمع مہر) مقررہ۔

علمائے حنفیہ کا اتفاق ہے کہ مہر شرائط نکاح میں سے ہے۔ کتاب "بدائع وصنائع میں ہے کہ مہر کے بغیر نکاح جائز نہیں۔ مہر کی مقدار بہ حیثیت اصول یہ ہے عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ صاحب حیثیت پر اس کی حیثیت کے مطابق اور مفلس پر اس کی استطاعت کے مطابق۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مقدار مقرر کرنی چاہی۔ ایک خاتون نے اعتراض کیا کہ آپ ایسا نہیں کر سکتے۔ اس سے دو امر واضح ہوئے۔ کہ اسلام کی رو سے ایک خان کو حق حاصل تھا کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر خلیفۃ المسلمین کو روک دے۔ ٹوک دے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلامی تعلیم کے مطابق جمہوریت نواز تھے۔ آزادی رائے کے قدرداں تھے۔ خواتین اپنے حقوق سے آگاہ تھیں۔ ان میں جرأت تھی۔ مولانا حالی اس واقعہ کے پیش نظر فرماتے ہیں۔ کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں جمہوریت صحیحہ کا نقشہ یہ تھا۔

غلاموں سے ہو جاتے تھے بند آقا
خلیفوں سے لڑتی تھی ایک ایک بڑھیا

اس خصوص میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصریح یہ ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے۔ اسی مہر میں برکت ہے۔ جس کا ادا کرنا آسان ہو۔ (مسند احمد)

مہر کی اہمیت اس سے بھی واضح ہو جاتی ہے۔ کہ قرآن شریف کا ارشاد یہ ہے۔
وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ ط
اگر نکاح ہو جائے۔ عورت میکے ہی میں رہے۔ اسے کبھی بھی شوہر کے پاس جانے کا اتفاق نہ ہو۔ اور اسی حالت میں مرد عورت کو طلاق دیدے۔ تو اس صورت میں بھی اسے مقررہ مہر کی نصف رقم دینی ہوگی۔ یہ قطعاً غلط ہے کہ مہر صرف ۳۲ روپے ہے۔

۶- شوہر کی جانب سے جو اسباب زیور وغیرہ عقد میں دیا جاتا ہے۔ اس کی مالکہ زوجہ ہے۔ ارشاد باری ہے: وَآتَيْتُمْ اِحْدٰهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ
اور جو تم دے چکے ہو عورتوں کو کثیر مال پس مت لو اس دیئے ہوئے مال سے کچھ بھی۔ دیا

تھا تو اس کا ثبوت اس کے ذمہ ہے۔ دوم یہ کہ شریعت میں موقع اور محل کا اعتبار ہے۔ اور یہ موقع اور محل عاریت کا نہیں۔

۷۔ ارشاد باری ہے: فَاٰتُوْهُنَّ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ط اور ادا کرو عورتوں کو ان کا مہر رضامندی سے، یاد رہے کہ مہر صرف عورت کا حق ہے کسی اور کا حق نہیں۔ جو باپ یہ روپیہ خود لے لیتا ہے۔ وہ اپنی جان پر ظلم کرتا ہے۔ بیٹی پر ظلم کرتا ہے۔ جب تک بیوی کو نہ ادا کیا جائے۔ مہر ادا نہیں ہوتا۔ عورت کو اختیار حاصل ہے کہ ادائی مہر تک اپنے آپ کو شوہر سے روکے (عالمگیری جلد ۲ صفحہ ۲۸) اسی طرح سفر میں جانے سے اپنے آپ کو روک سکتی ہے۔ جب تک مہر وصول نہ ہو۔ بقول امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ۔
(عالمگیری جلد ۲ صفحہ ۸۳)

۹۔ اگر کسی شخص نے اپنی دختر کے لئے جہیز تیار کیا۔ اور اسی کے سپرد بھی کر دیا۔ تو باپ کو یہ حق نہیں ہے۔ کہ اس جہیز کو بیٹی سے واپس لے لے۔ کیونکہ یہ اصل میں ہبہ ہے اس پر فتویٰ ہے۔
(عالمگیری جلد ۲ صفحہ ۹۵)

۹۔ جو ہدیہ د تحفہ نکاح سے پہلے زوجہ کو بھیجا جاتا ہے، وہ زوجہ کا حق ہے۔
(نیل الاوطار جلد ۶ صفحہ ۹۱)

میں مضمون کے اس حصہ کو آنحضرت ﷺ کے ارشاد پر ختم کرتا ہوں۔

اَنَّ الدُّنْيَا كُلُّهَا مَتَاعٌ وَخَيْرُ مَتَاعَ الدُّنْيَا اَلْمِرْاَةُ الصَّالِحَةَ

بلاشبہ دنیا سب کی سب متاع ہے۔ لیکن بہترین متاع نیک عورت ہے۔ ایک اور ارشاد ہے۔ نیک بیوی دنیا کی جنت ہے (نسائی) آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا؟ کہ جو شخص کسی عورت کو اپنے نکاح میں لیتا ہے۔ اسے یہ تصور کرنا چاہئے کہ یہ امانت نبوی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہے جو اس کے سپرد کی گئی ہے۔ عورت سے بدسلوکی امانت نبوی ﷺ میں خیانت ہے۔

شادی

عیسائیت کے نزدیک تجرد (بے شادی کے زندگی بسر کرنا) پارسائی ہے، اور شادی صرف اس لئے جائز ہے کہ انسان کو بشری کمزوری کے باعث ایسا کرنا پڑتا ہے۔ سینٹ گریگوری کہتا ہے:
"بابرکت ہے وہ جو تجرد کی زندگی بسر کرتا ہے۔ اور شادی سے اپنی روح کو ملوث نہیں

کرتا" ہندو عورت کی اگر عالم شیر خوارگی میں بھی شادی ہو جائے اور اس کا شوہر مر جائے تو ضروری ہے کہ وہ تمام عمر کنواری رہے۔ مصلحین نے صرف یہ ترمیم کی کہ اگر بالغہ شادی شدہ کا شوہر مر جائے تو وہ دوبارہ شادی نہیں کر سکتی۔ اگر جمعرات کو شادی ہو اور جمعہ کو شوہر مر جائے تو ہندو عورت کا فرض ہے کہ ساری عمر رانڈ رہے۔ اس سے تو یہی بہتر تھا کہ وہ شوہر کے ساتھ جیتے جی جل مرے۔ مہاتما بدھ نے دنیا ترک کر دی۔ بیوی بچوں کو چھوڑ دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ صدائے حق بلند کی:

اَلنِّکَاحُ مِنْ سُنَّتِی فَمَنْ رَغِبَا عَنْ سُنَّتِی فَلَیْسَ مِنِّی

نکاح میری روش ہے۔ جسے میری روش پسند نہیں وہ مجھ میں سے نہیں (مسلم)۔

جب آدمی شادی کر لیتا ہے تو وہ اپنے مذہب کا نصف حصہ پورا کر لیتا ہے (بیہقی)۔

ارشاد نبوی ہے: خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِاَھْلِہٖ وَاَنَا خَیْرُکُمْ لِاَھْلِیْ

تم میں سے بہترین وہ ہے جس کا اپنی بیوی سے سلوک بہترین ہے۔ اور میرا سلوک بیوی سے بہترین ہے (ترمذی)۔

مسلمان کا جتنا اچھا سلوک اپنی بیوی سے ہے۔ اتنا ہی اس کا ایمان مکمل ہے۔

عورتوں کے معاملات میں خدا سے ڈرو۔ "مسلم" عورت اپنے گھر کی ملکہ ہے۔

نکاح

اکثر رذائل کی جڑ حرص و تکبر ہے۔ شادی کی صورت میں اپنی کمائی کا حصہ بیوی پر صرف کرنا پڑتا ہے۔ سسرال کی خدمت کرنی پڑتی ہے۔ بچوں پر خرچ کرنا پڑتا ہے۔ بایں وجوہ شادی مرض حرص کا علاج ہے۔ حصول زوجہ کے لئے خوشامد کرنی پڑتی ہے۔ بچی کے لئے داماد کی بہر نوع خاطر و مدارت کرنی ہوتی ہے۔ بڑے بڑے مغروروں کو لڑکی عاجزی و تواضع اختیار کر دینے پر مجبور کر دیتی ہے۔ مختصر یہ کہ نکاح گوناگوں نیک خصلتوں اور اچھی عادتوں کا موجب و محرک بن جاتا ہے۔ قدرت نے دنیا آباد کرنے کے لئے بنائی ہے۔ تجرد منافی منشائے قدرت ہے۔

کثرت ازدواج

بلاشبہ اسلام میں ایک عورت کے ہوتے ہوئے تین اور چار عورتوں سے نکاح کی اجازت

ہے۔ مگر اس لئے چند ایک پابندیاں از بس لازمی ہیں۔ نان و نفقہ و سکنہ (مکان) میں کامل عدل شرط ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اس کی پوری پابندی کرتے تھے۔ حضرت شرجیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کی دو عورتیں بیک وقت فوت ہو گئیں۔ انہوں نے ایک کے لئے دوسری سے قبل کفن کا اہتمام بھی منافی عدل تصور کیا۔ اس باب میں ضروری ہے۔ کہ اس اختیار کو ملحوظ رکھا جائے۔ جو شریعت سے عورت کو سونپا ہے۔

• آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: لا تنکح الایم حتی تستامر۔ جس کا ایک دفعہ نکاح ہو چکا ہو۔ جو غیر کنواری ہو۔ اس کا نکاح اس کے مشورے کے بغیر نہ کیا جائے۔ ولا تنکحُ البکر حتی تستازن ط۔ (بخاری، مسلم) اور باکرہ (کنواری) کا نکاح نہ کیا جائے۔ جب تک اس سے اذن نہ لیا جائے (باکرہ کا اذن سکوت ہے۔ صمتھا اقرارھا)

حضرت امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ نے اس حدیث پاک سے یہ استدلال فرمایا ہے کہ ولی کو عورت پر خواہ وہ کنواری ہو یا غیر کنواری جبر کرنے کا اختیار نہیں ہے ایک اور حدیث ہے۔

لا تنکح البکرو الثیب اِلا بر ضَاءِ ھَا۔ باکرہ یا ثیب کا نکاح اس کی مرضی کے بغیر نہ کیا جائے۔

اس سلسلے میں یہ امر پیش نظر رہنا لازمی ہے۔ کہ اسلام عالمگیر مذہب ہے۔ نظام اسلام کا تعلق ہر قوم اور ہر ملک سے ہے۔ زمانے میں انقلابات کا ہونا لابدی ہے۔ جنگ اور امن لازمی امور ہیں۔ جنگ کے ضوابط ضروری ہیں کہ امن کے ضوابط سے مختلف ہوں۔ جنگ کے اثرات امن کے اثرات سے قدرتاً متفاوت ہوتے ہیں۔ جو دستور حیات ابدی نوعیت کا ہے۔ اس کی نوعیت ایسی ہونی چاہیے۔ کہ بنی نوع انسان ہر زمانے میں ہر حال میں اس سے فائدہ گیر ہو سکیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پیشتر مرد جتنی عورتوں سے چاہے شادی کر سکتا تھا۔ مورخ گبن طلاق کی گرم بازاری کا تذکرہ کرتے ہوئے فٹ نوٹ میں ایک شوہر کا تذکرہ کرتا ہے۔ جو ایک فاتحانہ انداز میں اکیسویں بیوی کو دفن کر رہا تھا۔ اور خوش تھا کہ یہ عورت وہ تھی۔ جو اس سے پیشتر ۲۲ شوہروں کو ختم کر چکی تھی۔

(کتاب رائز اینڈ فال اوف رومن ایمپائر چیپٹر ۴۵) (تاریخ اقبال و زوال مملکت روما باب ۴۵)

کتاب پیدائش سے عیاں ہو سکتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اور حضرت داؤد علیہ

السلام کی متعدد بیویاں تھیں حضرت یعقوب علیہ السلام کی کئی ایک بیویاں تھیں۔ جناب ابراہیم علیہ السلام بھی کثیر الازواج تھے۔ شریمان لاجپت رائے لکھتے ہیں۔ کہ جناب کرشن کی آٹھ بیویاں تھیں۔ شری رامچندر کے والد صاحب کی تین بیویاں تھیں۔ دوسری عالمگیر جنگ کے بعد مردوں کی تعداد بہت کم ہوگئی۔ لندن کی میری اسمتھ استانی صاحبہ نے حال ہی میں ایک کتاب "ایک بیوی" کے نام سے لکھی ہے۔ جس میں اس نے برطانیہ میں ۱۵ لاکھ غیر شادی شدہ عورتوں کا مقدمہ عوام کے سامنے پیش کیا ہے۔ اسلام میں ایک عورت سے زیادہ عورتوں سے نکاح کی اجازت غزوۂ احد کے بعد ہوئی، اس میں غازیوں کی تعداد کم رہ گئی۔ اکثر عورتیں بیوہ ہو گئیں۔ ایسی عورتیں بھی تھیں جنہیں تبدیل مذہب کی بناء پر طلاق ہو گئی تھی۔ وہ مہاجرات بھی تھیں جو عمر رسیدہ بھی تھیں۔ ان کا کوئی پرسان حال نہ تھا۔ عرب بیوہ سے نکاح کرنا معیوب تصور کرتے تھے۔ اسلام نے یہ کہا کہ معاشی انصاف کی کڑی شرط کے ساتھ چار عورتوں سے شادی کرنے کی اجازت دیدی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مطلقات اور بیوگان سے نکاح کر کے گو بظاہر اپنے لئے بہت بڑی ذمہ داری اور تکالیف کو دعوت دی۔ مگر یہ نظیر قائم کر کے کروڑوں دختران حوا پر خاص کرم کیا۔ اور انہیں زندہ درگور ہونے سے بچایا۔ اس زمانے میں سوال یہ ہے۔ کہ

(۱) کیا صرف ایک بیوی سے شادی (وحدت ازواج) جسے انگریزی میں (Monogamy) کہتے ہیں۔ پر زور دیا جائے۔

(۲) یا یہ قانون بنایا جائے کہ دو عورتوں سے شادی (Bigamy) کی اجازت دی جائے۔ یا

(۳) دو سے زیادہ عورتوں سے شادی کی اجازت دی جائے۔ اور اس کی حد چار تک محدود کر دی جائے۔ اسلام اس کا قائل ہے۔ انگریزی میں اس کا نام ہے (Polygamy) کثرت ازواج۔

یورپ میں ایک بیوی اور کئی ایک غیر بیویوں کا دستور ہے۔ اسے بنام مونوگیمی (Monogamy) پکارا جاتا ہے۔ چند شوہری عورتیں بھی ہیں۔ اس رواج کا نام (Polyandry) پولی اینڈری ہے۔ ایک طریق یہ بھی ہے کہ شادی صرف خاندان کے اندر ہو یہ ہے انڈوگیمی (Endogamy)۔

اس زمانے میں اسلام کا مقابلہ حرا کاری سے ہے۔ اسے اس کا انسداد کرنا ہے۔ جنگوں نے عورتوں کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ کر دیا ہے۔ عہد حاضر نے کئی ایک چیزیں ایسی پیدا کر دی

ہیں۔ کہ جنہوں نے شادی کی ضرورت کو بیش از بیش کر دیا ہے۔ مردوں کی ضرورتیں بھی گوناگوں نوعیت کی ہیں۔ عورتوں کی مشکل اور تمناؤں کا بھی کوئی ٹھکانہ نہیں۔ ہر ایک کی پسند دوسرے سے جدا ہے۔ اگر سب کی پسند یکساں ہوتی۔ تو قدرت ہزارہا قسم کے پھل پیدا نہ کرتی۔ بے شمار رنگ نہ ہوتے۔ لباس کی وضع قطع تراش بوقلموں نہ ہوتی۔ اولاد کی خواہش ہر ایک شخص کو ہے۔ ہر گوشۂ دنیا کی آب و ہوا ویسی نہیں ہے، کہ جیسی دوسرے کی ہے۔ گرمی سردی کا اثر طبائع پر ضرور ہوتا ہے۔ بلوغت پر اسی کا اثر ہوتا ہے۔ یہی باعث ہے کہ اسلامی شریعت نے بلوغت کی کوئی خاص عمر تجویز نہیں کی۔ علامات قدرتی ہیں جن کی حیثیت عالمگیر نوعیت کی ہے۔

ایسے مرد بھی ہیں۔ کہ اگر ان کو ایک بیوی پر مجبور کیا جائے تو ان کے حق میں ظلم ہو گا۔

اس لئے اسلام میں یہ اصولی ضوابط تجویز فرمائیے:

(۱) فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ۔

مرد کو حق ہے کہ محرکات کے علاوہ جس سے چاہے نکاح کر لے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص غریب ہو اور وہ اس خاندان کی عورت سے شادی کا خواہاں ہو۔ کہ جس کی عورتیں شکل و صورت میں تو واجبی حیثیت کی ہوں۔ لیکن وہ دامادوں کو خاص عزت سے دیکھنے کے عادی ہوں۔ بچیوں کو زیادہ جہیز دینے والے ہوں۔ ایسے ہی یہ ممکن ہو۔ کہ ایک شخص اکیلا ہو۔ اور اس کے حالات کا تقاضا ہو۔ کہ وہ ایسے گھرانے سے تعلق قائم کرے۔ کہ جو تعداد میں زیادہ ہوں۔ بہادر ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

تُنْكَحُ الْمَرْاَةُ لِاَرْبَعٍ لِمَالِهَا وَلِحَسَبِهَا وَلِجَمَالِهَا وَلِدِيْنِهَا فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّيْنِ تَرِبَتْ يَدَاكَ (بخاری ومسلم)

عورت سے چار تصورات کی بناء پر نکاح کیا جاتا ہے۔ اس کے مال کے باعث، اس کے نسب کے باعث، اس کے حسن کے باعث، اس کے دین کے باعث، تم دین کو اختیار کرو۔ برکت ہو گی۔

ظاہر ہے کہ اگر عورت کی سیرت اچھی نہیں۔ تو اس کا مال مرد کے لئے وبال ہو جائے گا۔ ایسے ہی وہ اپنے خاندان کے پندار سے سرشار ہو کر مرد پر عرصۂ حیات تنگ کر دے گی۔ ایسے ہی اس کا حسن بھی باعث اذیت ہو جائے گا۔ دین کے ساتھ یہ نعمتیں از بس بابرکت ثابت ہوں گی۔

تاہم آدمی کو اختیار دیا گیا ہے۔ کہ وہ جس بنا پر چاہے۔ رفیقۂ حیات کو انتخاب کرے۔ یہی حق عورت کو حاصل ہے۔ اس لئے نکاح کے وقت پہلے اس سے پوچھا جاتا ہے۔ بعد ازاں مرد سے، اور نکاح کے لئے لازمی شرط ایجاب و قبول ہے۔

عورت کا اختیار

اگر عورت زیادہ حساس ہے۔ اور وہ یہ نہیں چاہتی کہ اس کا شوہر دوسری بیوی کرے تو اسلام کے پاس اس کا علاج ہے۔ یورپ کے پاس نہیں ہے۔ لیڈی مجبور ہے مگر خاتون مجبور نہیں ہے۔ فکر و مزاج کا اختلاف ملاحظہ ہو۔ برطانیہ کی ملکہ معظمہ وکٹوریہ کی ہمشیرہ صاحبہ اس نوجوان سے شادی کرنا چاہتی ہیں۔ کہ جو پہلی بیوی کو طلاق دے چکا ہے۔ برطانوی پارلیمینٹ نے اس شادی کی اجازت نہیں دی۔ یہ واقعہ ۱۰ جولائی ۱۹۵۳ء کا ہے۔ دیکھا آپ نے ایک شہزادی کسی سے شادی کی خواہاں ہے۔ اسلام کہتا ہے۔ شادی میں عورت کی مرضی کو پورا دخل ہے۔ کہ اگر عورت اس شرط سے نکاح کرلے۔ کہ طلاق کا اختیار اس کے ہاتھ میں رہے گا۔ تو وہ ایسا کرسکتی ہے۔ وہ یہ بھی شرط کر سکتی ہے۔ کہ وہ دوسری عورت سے شادی کرنے کا مجاز نہیں ہوگا۔ وہ اسے دوسرے شہر میں لے جانے کا مجاز نہیں ہوگا۔ شوہر جن شرائط کو تسلیم کرے۔ شرعاً ان کی پابندی ان پر لازم ہوگی۔ عورت جن خدشات کا چاہے انسداد کرسکتی ہے۔

واقعات

بخاری شریف، دار قطنی اور طبرانی میں ہے:

عَنْ خَنْسَاءَ بنت خِذَامِ الانصاریہ ۔ اَنَّ اَبَاهَا زَوَّجَهَا وَهِیَ ثَیِّبٌ فَکَرِهَتْ ذٰلِکَ فَاَتَتْ رَسُوْلَ اللّٰہِ فَرَدَّ نِکَاحَھَا

خنساء بنت خذام کی بیان کرتی ہے۔ کہ اس کے باپ نے اس کا نکاح کر دیا اور وہ غیر کنواری تھی۔ لیکن اسے وہ مرد ناپسند تھا۔ اس خاتون نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی عدم رضامندی کا اظہار کیا۔ آنحضرت ﷺ نے اس کا نکاح رد کر دیا۔

ایک روایت ہے امام ثوری رحمتہ اللہ علیہ سے: اَنَّ اَبَاهَا زَوَّجَهَا وَهِیَ بِکْرٌ

بیشک اس کے باپ نے اس کا نکاح کر دیا تھا۔ اور وہ کنواری تھی۔ اس کو امام مالک رحمتہ اللہ

علیہ نے صحیح لکھا ہے۔

ایسے ہی "ابوداؤد" میں ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک شخص نے اپنی لڑکی بالغہ کا بغیر اس کے اذن کے نکاح کر دیا تھا۔ وہ لڑکی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دربار میں حاضر ہوئی۔ اور اس نے ناراضامندی کا اظہار کیا۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں میں تفریق کرادی۔

علمائے حنفیہ کا اس پر اتفاق ہے کہ نابالغہ لڑکی پر باپ کو کسی قسم کے جبر کا حق نہیں ہے۔ اسے یہ قطعاً حق نہیں کہ جس کو وہ ناپسند کرے اس سے اس کا نکاح جبراً کر دے۔ معلوم ہوا کہ نکاح کی بحالی یا برطرفی منکوحہ کی مرضی پر موقوف ہے۔

(کذا فی عینی علی البخاری)

حق خلع

عرب کہتے ہیں: خَالَعَ الرَّجُلُ زَوْجَتَہٗ۔ مرد نے مال لے کر اپنی زوجہ کو نکاح سے جدا کر دیا۔ مطلب یہ ہے کہ عورت مرد کو مال دے کر اس سے جائز طور پر جدا ہو سکتی ہے۔ اس ضمن میں غور طلب امر یہ ہے کہ فدیہ جو خلع میں بطور معاوضہ دیا جاتا ہے۔ وہ کس کے قصور پر دیا جاتا ہے۔ اگر قصور عورت کا ہے تو اسے چاہئے کہ بمعاوضہ مال یا مہر بوجہ اپنے قصور کے خلع کرا سکتی ہے۔ اگر شوہر کا قصور ہے تو بلا معاوضہ مال یا مہر خلع ہونا چاہئے۔ اس کا تصفیہ حاکم وقت کر سکتا ہے۔ اس کے متعلق ایک روایت ہشام بن عروہ سے ہے۔

لَا یَحِلُّ لَہُ الْفِدَاءُ حَتّٰی یَکُوْنُ الْفَسَادُ مِنْ قِبَلِھَا۔

خلع میں معاوضہ مال یا مہر حلال نہیں ہے۔ جب تک کہ فساد عورت کی جانب سے نہ ہو۔ (فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۳۴۹) اور "کتاب الآثار" امام محمد میں ایک روایت ہے: اَخْبَرَنَا اَبُوْ حَنِیْفَہ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاھِیْمَ النَّخْعِیِّ قَالَ اِذَا کَانَ الظُّلْمُ مِنْ قِبَلِ الْمَرْاَۃِ فَقَدْ حِلَّتْ لَکَ الْفِدْیَۃُ وَاِنْ کَانَ مِنْ قِبَلِ الرَّجُلِ وَلَا یَحِلُّ لَہُ الْفِدْیَۃُ قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِہٖ نَاخُذُ۔

جب ظلم ہو عورت کی طرف سے تو تجھ کو طلاق کا فدیہ معاوضہ لینا۔ اور اگر ظلم مرد کی جانب سے ہے۔ تو مرد کو حلال نہیں ہے۔ فدیہ خلع لینا امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد

جناب امام محمد رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہم یہ مسئلہ اسی سے اخذ کرتے ہیں۔

اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ بعض مرد عورتوں کو بے حد تنگ کرتے ہیں۔ ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ عورتیں مضطر و مضطرب ہو کر انہیں مہر و جائیداد کا معاوضہ دیں۔ اور اس طرح ان کے ظلم سے انہیں نجات حاصل ہو۔ خلع کے اس پہلو کے پیش نظر ضروری ہے کہ عورت عدالت سے رجوع کرے۔

بیٹی، بہن

اسلام کے نزدیک بیٹی اور بہن کا خاص احترام ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بیٹیوں اور بہنوں کو اچھی تعلیم و تربیت دینے والا مستحق جنت ہے۔ (ابوداؤد)

شریعت نے مستورات کے لئے بھی حق وراثت تجویز فرما کر خواتین پر خاص کرم کیا ہے۔ مسلمان تو مسلمان۔ بنی الرحمٰن کے اس احسان کی تعریف و توصیف میں غیر مسلم بھی رطب اللسان ہیں۔

(ا) فرمان فرقان ہے: لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ ط وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ط۔

مردوں کا بھی حصہ ہے۔ اس میں سے جو ماں باپ اور نزدیک کے رشتہ داروں نے چھوڑا ہے۔ ترکہ تھوڑا ہو یا بہت۔ حصہ ہے مقرر کیا ہوا۔

ان الفاظ سے صراحتاً ثابت ہوا کہ جیسے بیٹا، پوتا وغیرہ اپنے ماں باپ، دادا دادی کا وارث ہوتا ہے۔ ایسے ہی بیٹی پوتی وغیرہ بھی حق دار ہے۔ وارث ہے، اور جیسا بھائی وارث ہے۔ ایسے ہی بہن بھی وارثہ ہے، جیسے خاوند بیوی کا وارث ہے۔ بیوی بھی خاوند کی وارثہ ہے۔

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ط

اللہ تعالیٰ وصیت کرتا ہے۔ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں مرد (بیٹے) کیلئے دو عورتوں (بیٹیوں) کے حصہ کے برابر ہے۔

واضح ہے کہ اسلام کے رُو سے عورت مہر کی حقدار ہے۔ اسے جہیز ملتا ہے۔ اس کے اخراجات کا کفیل شوہر ہے۔ شادی سے قبل والد ہے۔ اور شادی کے بعد کفالت شوہر پر ہے۔ بیٹے

پر ہے۔ وہ خود بھی صنعت و تجارت کر سکتی ہے۔ اس لئے کہ قرین انصاف یہی ہے کہ اس کا حصہ مرد سے نصف ہو۔

بعض حضرات کہتے ہیں۔ اس صورت میں عورت کو ورثہ کی ضرورت ہی کیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا اس مرد کے لئے ورثہ جائز نہیں جس کی ملازمت اور تجارت وغیرہ سے آمدن کافی ہو؟

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب عورتیں دوسرے کے گھر میں چلی جاتی ہیں۔ وہ ورثہ کیوں لیں۔ کوئی پوچھے۔ کیا وہ شخص جو ملازمت یا تجارت کے لئے وطن سے دور چلا جاتا ہے۔ وہ وراثت سے محروم رہ جاتا ہے؟ کیا اسے وراثت سے محروم کرنا جائز ہے؟ اگر نہیں ہے۔ تو عورت بھی اس لئے ماں باپ کی جائیداد سے محروم نہیں ہو سکتی۔ کہ وہ شوہر کے گھر مقیم ہے۔ کیا انہیں نقد روپیہ یا جائیداد کا حصہ فروخت کر کے اس کی قیمت نہیں دی جا سکتی۔

بیوہ ہو جائے تو کیا کرے؟ بیوہ کو تو یتامیٰ کی کفالت بھی کرنی ہوتی ہے بعض دیندار قسم کے حضرات ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ جب ہماری بہن حصہ نہیں لیتی۔ اس نے معاف کر دیا۔ تو ہم کیوں دیں۔ حضرت من! آپ کیوں معاف نہیں کر دیتے۔ کیا ضروری ہے کہ بہن ہی معاف کرے۔ دوسرے یہ کہ شریعت کے رو سے اسے اس معافی سے بھی ترکہ کا حق زائل نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ شریعت میں قرضہ وغیرہ کی معافی معتبر ہے۔ حق ترکہ کی معافی معتبر نہیں۔

بغیر تقسیم کے ہبہ بھی صحیح ہے۔ وہ ہبہ حصہ پر قبضہ کرنے کے بعد ہی ہبہ کر سکتی ہے۔ اس سے پیشتر نہیں۔ کہا جاتا ہے۔ زمین کی تقسیم سے وہ قابل کاشت نہیں رہے گی۔ اگر واقعی ایسی صورت ہو تو آپ اس کی قیمت دیدیں یا لے لیں۔

جو اصول جائیداد کو چند ہاتھوں کے بجائے کئی ہاتھوں میں پہنچا دے۔ وہ از بس مبارک ہے۔ دینا تو جبراً و کرہاً و قہراً اس کے درپے ہے۔ ہم کیوں نہ طوعاً و شرعاً اس کے خواہاں و جویاں ہوں۔

معاش

قرآن پاک میں ارشاد ہے: لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ۔ (پارہ ۵ سورۂ نساء)

مردوں کے لئے حصہ اس میں سے ہے جو انہوں نے کمایا۔ اور عورتوں کا حصہ ہے اس میں

سے جو انہوں نے کمایا۔

یہ الفاظ واضح ہیں صاف دلالت کرتے ہیں کہ جو جائز راہیں کاروبار صنعت و حرفت و زراعت کی مردوں کے لئے کھلی ہیں۔ وہ عورتوں کے لئے بھی کھلی ہوئی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ محترمہ جنابہ خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد اراعلیٰ درجے کی تاجرہ تھیں، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کاروباری دیانت سے اثر پذیر ہوئیں۔ اور اسی باعث انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نکاح کیا۔ ان کے ایجنٹ شام تک جاتے اور تجارت کرتے۔ قریش کا ذریعہ معاش تجارت تھا۔ ان کی خواتین بھی تجارت میں حصہ لیتی تھیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفیقۂ حیات زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی نسبت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان یہ ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر دیندار۔ خدا سے ڈرنے والی۔ سچ بولنے والی۔ رشتہ داروں سے نیک سلوک کرنے والی۔ زہد کے ساتھ اپنے ہاتھ کی محنت (دستکاری) سے صدقہ کرنے والی اور خدا کا قرب ڈھونڈنے والی۔ کوئی عورت نہیں تھی (استیعاب ۷۳۴) جنابہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے الفاظ یہ ہیں کہ جنابہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا كَانَتْ صَالِحَتٌ صَرَامَةٌ قَوأَمَتَه صَنَّاعاً تَصَدَّق بِذَالِكَ عَلَى الْمَسَاكِيْن۔ (اصابہ جلد ۸ صفحہ ۱۰۱)

یعنی جنابہ زینب رضی اللہ عنہا بڑی نیک کردار خاتون تھیں۔ فرضی روزوں کے علاوہ کثرت سے نفلی روزے رکھنے والی تہجد پڑھنے والی۔ دستکار تھیں۔ جس سے مساکین پر صدقہ کرتی تھیں۔ انہیں چمڑہ رنگنے میں خوب مہارت تھی۔ یہی ان کی دستکاری تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اسی پر بسر اوقات کرتی تھیں۔ اور اسی سے صدقہ و خیرات کرتی تھیں۔ انصاری عورتیں کھیتی باڑی اور مخلندی سے اپنے گھر والوں کا ہاتھ بٹاتی تھیں۔

اناجیل کے تعلیمات اخلاقی

جناب یوحنا اور یہودی علماء

۱۔ پس توبہ کے موافق پھل لاؤ۔ اور اپنے دلوں میں یہ کہنے کا خیال نہ کرو کہ ابراہیم ہمارا باپ ہے۔ کیونکہ میں تم سے کہتا ہوں۔ کہ خدا ان پتھروں سے ابراہیم کے لئے اولاد پیدا کر سکتا ہے۔ اور

اب درختوں کی جڑ پر کلہاڑا رکھا ہوا ہے۔ پس جو درخت اچھا پھل نہیں لاتا۔ وہ کاٹا اور آگ میں ڈالا جاتا ہے۔

۲۔ یسوع کی آزمائش:۔ اس وقت روحِ یسوع کو جنگل میں لے گیا۔ تاکہ ابلیس سے آزمایا جائے۔ اور چالیس دن اور چالیس رات فاقہ کر کے آخر کو اسے بھوک لگی۔ اور آزمانے والے نے پاس آ کر اس سے کہا کہ اگر تو خدا کا بیٹا ہے تو فرما کہ یہ پتھر روٹیاں بن جائیں۔ اس نے جواب میں کہا۔ لکھا ہے کہ آدمی صرف روٹی ہی سے جیتا نہ رہے گا۔ بلکہ ہر بات سے جو خدا کے منہ سے نکلتی ہے۔

۳۔ آدمیوں کا پکڑنے والا:۔ اور اس نے گلیل کی جھیل کے کنارے پھرتے ہوئے دو بھائیوں یعنی شمعون کو جو پطرس کہلاتا ہے اور اس کے بھائی اندریاس کو اس جھیل میں جال ڈالتے دیکھا۔ کیونکہ وہ مچھلیوں کو پکڑنے والے تھے۔ اور ان سے کہا کہ میرے پیچھے چلے آؤ۔ تو میں تمہیں آدمیوں کا پکڑنے والا بناؤنگا۔ وہ فوراً جال چھوڑ کر اس کے پیچھے ہو لئے۔

۴۔ ارشادات و ہدایات:۔ اور وہ اپنی زبان کھول کر انہیں یوں تعلیم دینے لگا۔

مبارک ہیں وہ جو دل کے غریب ہیں۔ کیونکہ آسمان کی بادشاہت انہیں کی ہے۔

مبارک ہیں وہ جو غمگین ہیں۔ کیونکہ وہ تسلی پائیں گے۔

مبارک ہیں وہ جو حلیم ہیں۔ کیونکہ وہ زمین کے وارث ہوں گے۔

مبارک ہیں وہ جو راستبازی کے بھوکے اور پیاسے ہیں۔ کیونکہ وہ آسودہ ہونگے۔

مبارک ہیں وہ جو رحم دل ہیں۔ کیونکہ ان پر رحم کیا جائے گا۔

مبارک ہیں وہ جو پاک دل ہیں۔ کیونکہ وہ خدا کو دیکھیں گے۔

مبارک ہیں وہ جو صلح کراتے ہیں۔ کیونکہ وہ خدا کے بیٹے کہلائیں گے۔

۵۔ میرے پیچھے چل:۔ ایک اور شاگرد نے اس سے کہا۔ اے خداوند، مجھے اجازت دے۔ کہ پہلے جا کر اپنے باپ کو دفن کروں، یسوع نے اس سے کہا کہ تو میرے پیچھے چل اور مردوں کو اپنے مردے دفن کرنے دے۔

۶۔ گنہگاروں کو بلانے آیا ہوں:۔ اور جب وہ گھر میں کھانا کھانے بیٹھا ہوا تھا تو ایسا ہوا کہ بہت سے محصول لینے والے اور گنہگار آ کر یسوع اور اس کے شاگردوں کے ساتھ کھانے بیٹھے،

فریسیوں نے یہ دیکھ کر اس کے شاگردوں سے کہا۔ تمہارا استاد محصول لینے والوں اور گنہگاروں کے ساتھ کیوں کھاتا ہے؟ اس نے یہ سن کر کہا کہ تندرستوں کو حکیم درکار نہیں بلکہ بیماروں کو۔ مگر تم جا کر اس کے معنی دریافت کرو۔ کہ میں قربانی نہیں بلکہ رحم پسند کرتا ہوں۔ کیونکہ میں راستبازوں کو نہیں بلکہ گنہگاروں کو بلانے آیا ہوں۔

۷۔ دولھا اور روزہ:- اس وقت یوحنا کے شاگردوں نے اس کے پاس آ کر کہا۔ کیا سبب ہے کہ ہم اور فریسی تو اکثر روزہ رکھتے ہیں۔ اور تیرے شاگرد روزہ نہیں رکھتے؟ یسوع نے ان سے کہا۔ کیا براتی جب تک دولہا ان کے ساتھ ہے ماتم کر سکتے ہیں؟ مگر وہ دن آئیں گے کہ دولہا ان سے جدا کیا جائے گا۔ اس وقت وہ روزہ رکھیں گے۔

۸۔ مسیح کے بارہ شاگرد:- پھر اس نے اپنے بارہ شاگردوں کو پاس بلا کر انہیں ناپاک روحوں پر اختیار بخشا کہ ان کو نکالیں اور ہر طرح کی بیماری اور ہر طرح کی کمزوری کو دور کریں۔

اور بارہ رسولوں کے نام یہ ہیں:- پہلا شمعون جو پطرس کہلاتا ہے۔ اور اس کا بھائی اندریاس، زبدی کا بیٹا یعقوب اور اس کا بھائی یوحنا، فلپس اور برتلمائی، توما اور متی محصول لینے والے، حلفئی کا بیٹا یعقوب اور تدی، شمعون قنانی اور یہوداہ اسکریوتی جس نے اُسے پکڑوا بھی دیا۔

۹۔ حق کی منادی:- جو کچھ میں تم سے اندھیرے میں کہتا ہوں۔ اجالے میں کہو۔ اور جو کچھ تم کان میں سنتے ہو۔ کوٹھوں پر اس کی منادی کرو۔ جو بدن کو قتل کرتے ہیں اور روح کو قتل نہیں کر سکتے۔ ان سے نہ ڈرو۔ بلکہ اسی سے ڈرو جو روح اور بدن دونوں کو جہنم میں ہلاک کر سکتا ہے۔

۱۰۔ زمین پر صلح:- یہ نہ سمجھو کہ میں زمین پر صلح کرانے آیا۔ صلح کرانے نہیں بلکہ تلوار چلوانے آیا ہوں۔ کیونکہ میں اس لئے آیا ہوں۔ کہ آدمی کو اس کے باپ سے اور بیٹی کو اس کی ماں سے اور بہو کو اس کی ساس سے جدا کر دوں۔ اور آدمی کے دشمن اس کے گھر ہی کے لوگ ہوں گے۔ جو کوئی باپ یا ماں کو مجھ سے زیادہ عزیز رکھتا ہے۔ وہ میرے لائق نہیں، جو کوئی اپنی صلیب نہ اٹھائے۔ اور میرے پیچھے نہ چلے وہ میرے لائق نہیں۔ جو کوئی اپنی جان بچاتا ہے۔ اسے کھوئے گا اور جو کوئی میرے سبب اپنی جان کھوتا ہے۔ اسے بچائے گا۔

۱۱۔ یسوع کے شاگرد:- اس وقت یسوع سبت کے دن کھیتوں میں ہو کر گیا۔ اور اس کے شاگردوں کو بھوک لگی اور بالیں توڑ توڑ کر کھانے لگے۔ فریسیوں نے دیکھ کر اس سے کہا کہ دیکھ

تیرے شاگرد وہ کام کرتے ہیں جو سبت کے دن کرنا روا نہیں۔ اس نے ان سے کہا کیا تم نے یہ نہیں پڑھا کہ جب داؤد اور اس کے ساتھی بھوکے تھے تو اس نے کیا کیا؟ وہ کیونکر خدا کے گھر میں گیا۔ اور نذر کی روٹیاں کھائیں۔ جن کا کھانا نہ اس کو روا تھا نہ اس کے ساتھیوں کو۔ مگر صرف کاہنوں کو؟

۱۲۔ آدمی کی قدر:۔ اور وہ وہاں سے چل کر ان کے عبادت خانے میں گیا۔ اور دیکھو وہاں ایک آدمی تھا۔ جس کا ہاتھ سوکھا ہوا تھا۔ انہوں نے اس پر الزام لگانے کے ارادے سے یہ پوچھا کہ کیا سبت کے دن تندرست کرنا روا ہے؟ اس نے ان سے کہا تم میں ایسا کون ہے جس کی ایک ہی بھیڑ ہو اور وہ سبت کے دن گڑھے میں گر جائے تو وہ اسے پکڑ کر نہ نکالے۔ پس آدمی کی قدر تو بھیڑ سے بہت ہی زیادہ ہے۔ اس لئے سبت کے دن نیکی کرنی روا ہے۔

۱۳۔ پھوٹ:۔ اس وقت لوگ اس کے پاس ایک اندھے گونگے کو لائے۔ جس میں بدروح تھی۔ اس نے اسے اچھا کر دیا۔ چنانچہ وہ گونگا بولنے اور دیکھنے لگا۔ اور ساری بھیڑ حیران ہو کر کہنے لگی۔ کیا یہ ابن داؤد ہے؟ فریسیوں نے سن کر کہا کہ یہ بدروحوں کا سردار بعلزبول کی مدد بغیر بدروحوں کو نہیں نکالتا۔ اس نے ان کے خیالوں کو جان کر ان سے کہا جس کسی بادشاہت میں پھوٹ پڑتی ہے۔ وہ ویران ہو جاتی ہے۔ اور جس کسی شہر یا گھر میں پھوٹ پڑے گی وہ قائم نہ رہے گا۔

۱۴۔ اچھی باتیں:۔ اے سانپ کے بچو تم برے ہو کر کیونکر اچھی باتیں کہہ سکتے ہو؟ کیونکہ جو دل میں بھرا ہے وہی منہ پر آتا ہے۔ اچھا آدمی اپنے خزانے سے اچھی چیزیں نکالتا ہے۔ اور برا آدمی برے خزانے سے بری چیزیں نکالتا ہے۔ اور میں تم سے کہتا ہوں کہ جو نکمی بات لوگ کہیں گے۔ عدالت کے دن اس کا حساب دیں گے۔ کیونکہ تو اپنی باتوں کے سبب راستباز ٹھہرایا جائے گا۔ اور اپنی باتوں کے سبب سے قصوروار ٹھہرایا جائے گا۔

۱۵۔ نشانی طلب کرنے والے:۔ اس پر بعض فقیہوں اور فریسیوں نے جواب میں اس سے کہا۔ اے استاد ہم تجھ سے ایک نشان دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس نے جواب دے کر ان سے کہا کہ اس زمانے کے برے اور زناکار لوگ نشان طلب کرتے ہیں۔ مگر یونس نبی کے نشان کے سوا کوئی اور نشان ان کو نہ دیا جائے گا کیونکہ جیسے یونس تین رات دن مچھلی کے پیٹ میں رہے۔ ویسے ہی ابن آدم تین دن رات زمین کے اندر رہے گا۔

۱۶۔ رشتہ داری:۔ جب وہ بھیڑ سے یہ کہہ ہی رہا تھا تو دیکھو اس کی ماں اور بھائی باہر کھڑے

ہیں۔ اور اس سے باتیں کرنی چاہتے تھے۔ کسی نے اس سے کہا۔ دیکھ تیری ماں اور تیرے بھائی باہر کھڑے ہیں اور تجھ سے باتیں کرنی چاہتے ہیں۔ اس نے خبر دینے والے کے جواب میں کہا۔ کون ہے میری ماں اور کون ہیں میرے بھائی؟ اور اپنے شاگردوں کی طرف ہاتھ بڑھا کر کہا۔ دیکھو میری ماں اور میرے بھائی یہ ہیں۔ کیونکہ جو کوئی میرے آسمانی باپ کی مرضی پر چلے وہی میرا بھائی اور بہن اور ماں ہے۔

۱۷۔ ایمان:۔ یسوع نے اسے جھڑکا اور بدروح اس سے نکل گئی۔ اور وہ لڑکا اسی گھڑی اچھا ہو گیا۔ اس وقت شاگردوں نے یسوع کے پاس الگ آ کر کہا کہ ہم اس کو کیوں نہ نکال سکے؟ اس نے ان سے کہا۔ اپنے ایمان کی کمی کے سبب۔ کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اگر تم میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہوگا تو اس پہاڑ سے کہہ سکو گے کہ یہاں سے سرک کر وہاں چلا جا۔ اور وہ چلا جائے گا۔ اور کوئی بات تمہارے لئے ناممکن نہ ہوگی۔

۱۸۔ ٹھوکر:۔ ٹھوکروں کے سبب دنیا پر افسوس ہے۔ کیونکہ ٹھوکروں کا لگنا ضرور ہے لیکن اس آدمی پر افسوس ہے جس کے باعث ٹھوکر لگے۔ پس اگر تیرا ہاتھ یا تیرا پاؤں تجھے ٹھوکر کھلائے (گناہ کی طرف لے جائے) تو اسے کاٹ کر اپنے پاس سے پھینک دے۔ ٹنڈا یا لنگڑا ہو کر زندگی میں داخل ہونا تیرے لئے اس سے بہتر ہے کہ دو ہاتھ یا دو پاؤں ہوتے تو ہمیشہ کی آگ میں ڈالا جائے۔ اور اگر تیری آنکھ تجھے ٹھوکر کھلائے (گناہ کی رغبت دلائے) تو اسے نکال کر اپنے پاس سے پھینک دے۔ کانا ہو کر زندگی میں داخل ہونا تیرے لئے اس سے بہتر ہے کہ دو آنکھیں ہوتے تو آگ کے جہنم میں ڈالا جائے۔

۱۹۔ معافی:۔ اس وقت پطرس نے پاس آ کر اس سے کہا۔ اے خداوند، اگر میرا بھائی میرا گناہ کرتا رہے تو میں کتنی دفعہ اسے معاف کروں؟ کیا سات دفعہ تک؟ یسوع نے اس سے کہا۔ میں تجھ سے یہ نہیں کہتا کہ سات دفعہ۔ بلکہ سات دفعہ کے ستر گنے تک۔

۲۰۔ طلاق:۔ اور میں تم سے کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنی بیوی کو حرام کاری کے سوا کسی اور سبب سے چھوڑ دے اور دوسری سے بیاہ کرے۔ وہ زنا کرتا ہے، اور جو کوئی چھوڑی ہوئی سے بیاہ کر لے وہ بھی زنا کرتا ہے۔ شاگردوں نے اس سے کہا کہ اگر مرد کا بیوی کے ساتھ ایسا ہی حال ہے۔ تو بیاہ کرنا ہی اچھا نہیں۔ اس نے ان سے کہا کہ سب اس بات کو قبول نہیں کر سکتے۔ مگر وہی جنہیں یہ

قدرت دی گئی ہے۔ کیونکہ بعض خوجے ایسے ہیں جو ماں کے پیٹ ہی سے ایسے پیدا ہوئے اور بعض خوجے ایسے ہیں جنہیں آدمیوں نے خوجہ بنایا۔ اور بعض خوجے ایسے ہیں۔ جنہوں نے آسمان کی بادشاہت کے لئے اپنے آپ کو خوجہ بنایا۔ جو قبول کر سکتا ہے وہ قبول کرے۔

۲۱۔ کامل کون ہے:۔ اور دیکھو ایک شخص نے پاس آکر اس سے کہا۔ اے استاد میں کون سی نیکی کروں۔ تاکہ ہمیشہ کی زندگی پاؤں۔ اس نے اس سے کہا کہ تو مجھ سے نیکی کی بابت کیوں پوچھتا ہے؟ نیک تو ایک ہی ہے۔ لیکن اگر تو زندگی میں داخل ہونا چاہتا ہے تو حکموں پر عمل کر۔ اس نے اس سے کہا۔ کون سے حکموں پر؟ یسوع نے کہا۔ یہ کہ خون نہ کر۔ زنا نہ کر۔ چوری نہ کر۔ جھوٹی گواہی نہ دے۔ اپنے باپ کی اور ماں کی عزت کر۔ اور اپنے پڑوسی سے اپنی مانند محبت رکھ۔ اس جوان نے اس سے کہا کہ میں نے ان سب پر عمل کیا یہ اب مجھ میں کس بات کی کمی ہے؟ یسوع نے اس سے کہا اگر تو کامل ہونا چاہتا ہے تو جا اپنے مال واسباب بیچ کر غریبوں کو دے۔ تجھے آسمان پر خزانہ ملے گا۔ اور آکر میرے پیچھے ہولے۔ مگر وہ جوان یہ بات سن کر غمگین ہو کے چلا گیا۔ کیونکہ بڑا مالدار تھا۔

۲۲۔ دولت مند اور نجات:۔ اور یسوع نے اپنے شاگردوں سے کہا۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ دولتمند کا آسمان کی بادشاہت میں داخل ہونا مشکل ہے۔ اور پھر تم سے کہتا ہوں کہ اونٹ کا سوئی کے ناکے میں سے نکل جانا اس سے آسان ہے کہ دولت مند خدا کی بادشاہت میں داخل ہو۔ شاگرد یہ سن کر بہت ہی حیران ہوئے اور بولے کہ پھر کون نجات پا سکتا ہے؟ یسوع نے ان کی طرف دیکھ کر کہا کہ یہ آدمیوں سے تو نہیں ہو سکتا۔ لیکن خدا سے سب کچھ ہو سکتا ہے۔

۲۳۔ انجیر کا درخت:۔ اور جب صبح کو پھر شہر میں جاتا تھا۔ تو اسے بھوک لگی۔ اور انجیر کا ایک درخت راہ کے کنارے دیکھ کر اس کے پاس گیا۔ اور پتوں کے سوا اس میں کچھ نہ پاکر اس سے کہا کہ آئندہ تجھ میں کبھی پھل نہ لگے۔ اور انجیر کا درخت اسی دم سوکھ گیا۔ شاگردوں نے یہ دیکھ کر تعجب کیا اور کہا۔ یہ انجیر کا درخت کیونکر ایک دم سوکھ گیا؟ یسوع نے جواب میں ان سے کہا۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اگر ایمان رکھو اور شک نہ کرو۔ تو نہ صرف وہ کرو گے جو انجیر کے درخت کے ساتھ ہوا۔ بلکہ اگر اس پہاڑ سے بھی کہو گے کہ تو اکھڑ جا اور سمندر میں جا پڑ، تو یہ ہو جائے گا۔ اور جو کچھ دعا میں ایمان کے ساتھ مانگو گے۔ وہ سب تمہیں ملے گا۔

۲۴- قیصر کو جزیہ:- اے استاد ہم جانتے ہیں کہ تو سچا ہے اور سچائی سے خدا کی راہ کی تعلیم دیتا ہے اور کسی کی پرواہ نہیں کرتا۔ کیونکہ تو کسی آدمی کا طرف دار نہیں۔ پس ہمیں بتا۔ تو کیا سمجھتا ہے؟ قیصر کو جزیہ دینا روا ہے یا نہیں؟ یسوع نے ان کی شرارت جان کر کہا۔ اے ریاکارو، مجھے کیوں آزماتے ہو؟ جزیہ کا سکہ مجھے دکھاؤ۔ وہ ایک دینار اس کے پاس لے آئے۔ اس نے ان سے کہا۔ یہ صورت اور نام کس کا ہے؟ انہوں نے اس سے کہا۔ قیصر کا۔ اس پر اس نے ان سے کہا۔ پس جو قیصر کا ہے قیصر کو اور جو خدا کا ہے خدا کو ادا کرو۔

۲۵- محبت:- ایک عالم شرع نے آزمانے کے لئے اس سے پوچھا۔ اے استاد۔ توریت میں کون سا حکم بڑا ہے۔ اس نے اس سے کہا کہ خداوند اپنے خدا سے اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری عقل سے محبت رکھ۔ بڑا اور پہلا حکم یہی ہے اور دوسرا اس کی مانند یہ ہے کہ اپنے پڑوسی سے اپنے برابر محبت رکھ۔ انہی دو حکموں پر تمام توریت اور انبیاء کے صحیفوں کا مدار ہے۔

۲۶- بھاری باتیں:- اے ریاکار فقیہو اور فریسیو۔ تم پر افسوس ہے! کہ پودینے اور سونف اور زیرے پر دہ یکی دیتے ہو۔ اور تم نے شریعت کی زیادہ بھاری باتوں یعنی انصاف اور رحم اور ایمان کو چھوڑ دیا ہے۔ لازم تھا کہ یہ بھی کرتے اور وہ بھی نہ چھوڑتے۔ اے اندھے راہ بتانے والو۔ جو مچھر کو تو چھانتے ہو۔ اور اونٹ کو نگل جاتے ہو۔

۲۷- رکابی:- اے ریاکار فقیہو اور فریسیو۔ تم پر افسوس ہے کہ پیالے اور رکابی کو اوپر سے صاف کرتے ہو۔ اور وہ اندر لوٹ اور ناپرہیزگاری سے بھرے ہیں۔ اے اندھے فریسی پہلے پیالے اور رکابی کو اندر سے صاف کر، تاکہ اوپر سے بھی صاف ہو جائے۔

۲۸- قبریں:- اے ریاکار فقیہو اور فریسیو۔ تم پر افسوس ہے! کہ تم سفیدی پھری ہوئی قبروں کی مانند ہو اور جو اوپر سے تو خوبصورت دکھائی دیتی ہیں۔ مگر اندر مردوں کی ہڈیوں اور ہر طرح کی نجاست سے بھری ہوئی ہیں۔ اسی طرح تم بھی ظاہر میں تو لوگوں کو راستباز دکھائی دیتے ہو۔ مگر باطن میں ریاکاری اور بے دینی سے بھرے ہوئے ہو۔

۲۹- جہنم کی سزا:- اے سانپو۔ اے افعی کے بچو۔ تم جہنم کی سزا سے کیونکر بچو گے؟ اس لئے دیکھو میں نبیوں اور داناؤں اور فقیہوں کو تمہارے پاس بھیجتا ہوں۔ ان میں سے بعض کو قتل کرو گے۔ اور صلیب پر چڑھاؤ گے اور بعض کو اپنے عبادت خانوں میں کوڑے مارو گے اور شہر بشہر

ستاتے پھرو گے۔ تاکہ سب راستبازوں کا خون جو زمین پر بہایا گیا تم پر آئے۔ راستباز ہابیل کے خون سے لیکر برکیاہ کے بیٹے زکریا کے خون تک جسے تم نے مقدس اور قربان کے درمیان قتل کیا۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ یہ سب کچھ اس زمانے کے لوگوں پر آئے گا۔

۳۰۔ دنیا کے آخر ہونے کا نشان:- اور جب وہ زیتون کے پہاڑ پر بیٹھا تھا تو اس کے شاگرد الگ اس کے پاس آکر بولے۔ ہمیں بتا کہ یہ باتیں کب ہوں گی؟ اور تیرے آنے اور دنیا کے آخر ہونے کا نشان کیا ہوگا؟ یسوع نے جواب میں ان سے کہا کہ خبر دار کوئی تمہیں گمراہ نہ کر دے، کیونکہ بہتیرے میرے نام سے آئیں گے۔ اور کہیں گے، کہ میں مسیح ہوں اور بہت سے لوگوں کو گمراہ کریں گے۔ اور تم لڑائیاں اور لڑائیوں کی افواہ سنو گے۔ خبر دار۔ گھبرا نہ جانا۔ کیونکہ ان باتوں کا واقع ہونا ضرور ہے۔ لیکن اس وقت خاتمہ نہ ہو گا۔ کیونکہ قوم پر قوم اور بادشاہت پر بادشاہت چڑھائی کرے گی۔ اور جگہ جگہ کال پڑیں گے۔ اور بھونچال آئیں گے۔ لیکن یہ سب باتیں مصیبتوں کا شروع ہی ہونگی۔ اس وقت لوگ تمہیں تکلیف دینے کیلئے پکڑوائیں گے۔ اور تمہیں قتل کریں گے۔ اور میرے نام کے سبب ساری قومیں تم سے عداوت رکھیں گی۔ اور اس وقت بہتیرے ٹھوکر کھائیں گے۔ اور ایک دوسرے کو پکڑوائیں گے۔ اور ایک دوسرے سے عداوت رکھیں گے۔ اور بہت سے جھوٹے نبی اٹھ کھڑے ہوں گے۔ اور بہتیروں کو گمراہ کریں گے۔ اور بے دینی کے بڑھ جانے کے سبب بہتیروں کی محبت ٹھنڈی پڑ جائے گی۔ مگر جو آخر تک برداشت کرے گا وہ نجات پائے گا۔ اور بادشاہت کی اس خوشخبری کی منادی تمام دنیا میں ہو گی۔ تاکہ سب قوموں کے لئے گواہی ہو۔ اور اس وقت خاتمہ ہو گا۔

۳۱۔ منہ کے بل گر کر دعا:- پھر تھوڑا آگے بڑھا اور منہ کے بل گر کر یہ دعا مانگی، اے میرے باپ۔ اگر ہو سکے تو یہ پیالہ مجھ سے ٹل جائے۔ تاکہ ہم جیسا میں چاہتا ہوں۔ ویسا نہیں بلکہ جیسا تو چاہتا ہے ویسا ہی ہو۔ پھر شاگردوں کے پاس آکر انہیں سوتے پایا۔ اور پطرس سے کہا۔ کیوں۔ تم میرے ساتھ ایک گھڑی بھی نہ جاگ سکے؟ جاگو اور دعا مانگو تاکہ آزمائش میں نہ پڑو۔ روح تو مستعد ہے۔ مگر جسم کمزور ہے۔ پھر دوبارہ اس نے جا کر یہ دعا مانگی۔ اے میرے باپ۔ اگر یہ میرے پیے بغیر نہیں ٹل سکتا تو تیری مرضی پوری ہو۔

۳۲۔ اے میرا خدا:- اور دوپہر سے لے کر تیسرے پہر تک تمام ملک میں اندھیرا چھایا رہا۔

اور تیسرے پہر کے قریب یسوع نے بڑی آواز سے چلا کر کہا۔ ایلی. ایلی لَمَا شَبَقْتَنِی ؟یعنی اے میرا خدا۔اے میرے خدا۔ تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟

مرقس

۱- نیک:- ایک شخص اس کے پاس دوڑا ہوا آیا۔اور اس کے آگے گھٹنے ٹیک کر اس سے پوچھا۔اے نیک استاد۔ میں کیا کروں تاکہ ہمیشہ کی زندگی کا وارث بنوں؟یسوع نے اس سے کہا۔ تو مجھے کیوں نیک کہتا ہے ؟کوئی نیک نہیں مگر ایک یعنی خدا۔ تو حکموں کو جانتا ہے۔ خون نہ کر۔ چوری نہ کر جھوٹی گواہی نہ دے۔ فریب دے کر نقصان نہ کر۔ اپنے باپ کی اور ماں کی عزت کر۔ اس نے اس سے کہا۔اے استاد میں نے لڑکپن سے ان سب پر عمل کیا ہے۔یسوع نے اس پر نظر کی اور اسے اس پر پیار آیا اور اس سے کہا۔ ایک بات کی تجھ میں کمی ہے۔ جا جو کچھ تیرا ہے بیچ کر غریبوں کو دے تجھے آسمان پر خزانہ ملے گا۔

۲- بھوک:- دوسرے دن جب وہ بیت عنیاہ سے نکلے اس کو بھوک لگی۔ اور دور سے انجیر کا ایک درخت جس میں پتے تھے دیکھ کر گیا۔ کہ شاید اس میں کچھ پائے۔ مگر جب اس کے پاس پہنچا۔ تو پتوں کے سوا کچھ نہ پایا۔ کیونکہ انجیر کا موسم نہ تھا۔ اس نے اس سے کہا۔ آئندہ کوئی تجھ سے کبھی پھل نہ کھائے۔

لوقا

۱- پس جو درخت اچھا پھل نہیں لاتا۔ وہ کاٹا اور آگ میں ڈالا جاتا ہے۔

۲- لوگوں نے اس سے پوچھا کہ پھر ہم کیا کریں؟اس نے جواب میں ان سے کہا۔ کہ جس کے پاس دو کرتے ہوں۔ وہ اس کو جس کے پاس نہ ہو بانٹ دے۔ اور جس کے پاس کھانا ہو۔ وہ بھی ایسا ہی کرے۔

۳- اور محصول لینے والے بھی بپتسمہ لینے کو آئے۔ اور اس سے پوچھا۔ کہ اے استاد ہم کیا کریں۔ اس نے ان سے کہا۔ جو تمہارے لئے مقرر ہے۔ اس سے زیادہ نہ لینا۔

۴- اور سپاہیوں نے بھی اس سے یہ پوچھا کہ ہم لوگ کیا کریں۔ اس نے ان سے کہا۔ نہ کسی پر

ظلم کرو۔ اور نہ کسی سے ناحق کچھ لو۔ اور اپنی تنخواہ پر کفائت کرو۔

۵۔ شرع کے عالموں اور فریسیوں سے کہا کہ سبت کے دن شفا بخشی روا ہے، یا نہیں؟ وہ چپ رہ گئے۔ اس نے اسے ہاتھ لگا کر شفا بخشی اور چھوڑ دیا۔ اور ان سے کہا کہ تم میں سے کون ایسا ہے جس کا گدھا یا بیل کنوئیں میں گر پڑے۔ اور وہ سبت کے دن اس کو فوراً نہ نکال لے۔ وہ ان باتوں کا جواب نہ دے سکے۔

۶۔ فروتنی:۔ جب اس نے دیکھا کہ مہمان صدر جگہ کس طرح پسند کرتے ہیں۔ تو ان سے ایک تمثیل کہی کہ جب کوئی تجھے شادی میں بلائے تو صدر جگہ پر نہ بیٹھ۔ کہ شاید اس نے تجھ سے بھی کسی زیادہ عزت دار کو بلایا ہو۔ اور جس نے تجھے اور اسے دونوں کو بلایا ہے آکر تجھ سے کہے کہ اس کو جگہ دے۔ پھر تجھے شرمندہ ہو کر سب سے نیچے بیٹھنا پڑے بلکہ جب تو بلایا جائے تو سب سے نیچی جگہ جا بیٹھ۔ تاکہ جب تیرا بلانے والا آئے تو تجھ سے کہے کہ اے دوست۔ آگے بڑھ کر بیٹھ۔ تو ان سب کی نظر میں جو تیرے ساتھ کھانا کھانے بیٹھے ہیں تیری عزت ہو گی۔ کیونکہ جو کوئی اپنے آپ کو بڑا بنائے گا وہ چھوٹا کیا جائے گا۔ اور جو اپنے آپ کو چھوٹا بنائے گا۔ وہ بڑا کیا جائے گا۔ اور جب تو دوستوں، رشتہ داروں کی ضیافت کرے۔ تو چاہئے کہ غریبوں، یتیموں لنجوں، لنگڑوں، اندھوں کو بھی بلائے۔ تاکہ تجھ پر برکت ہو۔

یوحنا

میرا کھانا یہ ہے کہ اپنے بھیجنے والے کی مرضی کے موافق عمل کروں۔ اور اس کا کام پورا کروں۔

فقیہ اور فریسی ایک عورت کو لائے جو زنا میں پکڑی گئی تھی۔ اور اسے بیچ میں کھڑا کر کے یسوع سے کہا۔ اے استاد۔ یہ عورت زنا میں عین فعل کے وقت پکڑی گئی ہے۔ توریت میں موسیٰ نے ہم کو حکم دیا کہ ایسی عورتوں کو سنگسار کریں۔ پس تو اس عورت کی نسبت کیا کہتا ہے؟ انہوں نے اسے آزمانے کے لئے یہ کہا تھا کہ اس پر الزام لگانے کا کوئی سبب نکالیں۔ مگر یسوع جھک کر انگلی سے زمین پر لکھنے لگا۔ جب وہ اس سے سوال کرتے ہی رہے تو اس نے سیدھے ہو کر ان سے کہا کہ

جو تم میں بے گناہ ہو وہی پہلے اس کو پتھر مارے۔ اور پھر جھک کر زمین پر انگلی سے لکھنے لگا، وہ یہ سن کر بڑوں سے لے کر چھوٹوں تک ایک ایک کر کے نکل گئے۔ اور یسوع اکیلا رہ گیا اور عورت وہیں بیچ میں رہ گئی۔ یسوع نے سیدھے ہو کر اس سے کہا اے عورت یہ لوگ کہاں گئے؟ کیا کسی نے تجھ پر حکم نہیں لگایا۔ اس نے کہا۔ اے خداوند۔ کسی نے نہیں۔ یسوع نے کہا۔ میں بھی تجھ پر حکم نہیں لگاتا۔ جا پھر گناہ نہ کرنا۔

جو کوئی گناہ کرتا ہے۔ گناہ کا غلام ہے۔ اور غلام ابد تک گھر میں نہیں رہتا۔ بیٹا ابد تک رہتا ہے۔ پس اگر بیٹا تمہیں آزاد کرے گا تو تم واقعی آزاد ہو گے۔ میں جانتا ہوں کہ تم ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہو۔ تو بھی میرے قتل کی کوشش میں ہے۔ کیونکہ میرا کلام تمہارے دل میں جگہ نہیں کرتا۔ میں نے جو اپنے باپ کے ہاں دیکھا ہے۔ وہ کہتا ہوں اور تم نے جو اپنے باپ سے سنا ہے وہ کرتے ہو۔ انہوں نے جواب میں اس سے کہا۔ ہمارا باپ تو ابراہیم علیہ السلام ہے۔ یسوع نے اس سے کہا۔ اگر تم ابراہیم کے فرزند ہوتے تو ابراہیم کے سے کام کرتے۔

ہمیشہ کی زندگی:۔ میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں کہ جب تک گیہوں کا دانہ زمین میں گر کے مر نہیں جاتا۔ اکیلا رہتا ہے۔ لیکن جب مر جاتا ہے۔ تو بہت سا پھل لاتا ہے جو اپنی جان کو عزیز رکھتا ہے۔ وہ اسے کھو دیتا ہے اور جو دنیا میں اپنی جان سے عداوت رکھتا ہے۔ وہ اسے ہمیشہ کی زندگی کے لئے محفوظ رکھے گا۔

مہاتما گوتم بدھ

"مسلم"

آپ بدھ مت کے بانی ہیں۔ کروڑوں انسان آپ کو اپنا پیشوا مانتے ہیں۔ آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ۵۶۲ سال پہلے شمالی ہند کی ایک ریاست میں پیدا ہوئے۔ آپ کا والد چھتری ذات کا راجہ تھا۔ اس کا نام تھا "شدھودن" اس وقت ہندوستان میں ہندو دھرم کا بڑا زور تھا۔ سب کچھ برہمنوں کے ہاتھ میں تھا۔ علم نجوم کا بڑا چرچا تھا۔ جوتشی بڑی عزت کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے۔ ایک پنڈت نے ستاروں کو دیکھ کر یہ دعویٰ کیا کہ یہ ہونہار لڑکا ایک نہ ایک دن دنیا سے کنارہ

کش ہو جائے گا۔ محلات کو چھوڑ کر جنگل میں زندگی بسر کرے گا۔ راجہ اس سے بڑا آزردہ ہوا، پژمردہ ہوا۔ اس کی خوشی کی کونپل مرجھا گئی۔ اس پر اداسی چھا گئی۔ ان نے یہ تدبیر کی۔ کہ اس کا نور نظر اس طرح پردے میں رہے۔ جیسے نگاہ کی پتلی حجاب میں رہتی ہے۔ اس کے لئے ہر قسم کے آرام کا اہتمام کیا۔ اس کی پرورش اس کی خالہ کے سپرد کی گئی۔ کسی کو اس کے دیکھنے اور اس سے ملنے کی اجازت نہ تھی۔ اسے سپہ گری کی تعلیم دی گئی۔ باپ نے اسے خود پڑھایا، سکھایا، عالم بنایا۔ گوتم ۱۹ سال کے ہوئے تو ان کی شادی ماموں زادی جودھرا سے ہوئی۔ ان کے ہاں اولاد بھی ہوئی۔ قدرت نے انہیں چاند سا بچہ دیا۔ بدھ مورخوں کا بیان یہ کہ گوتم ۲۹ سال راج محل میں رہے۔

سیر

قسمت کی تحریر کی تکمیل کا وقت آیا۔ گوتم جی کو سیر کی سوجھی۔ گاڑی پر سوار ہوئے۔ بازار کو چلے رتھ بان نے جیسے ہی حکم ملا۔ اس پر عمل کیا۔ راجکمار بازار میں آیا۔ تو اسے سفید مو خمیدہ قامت بڈھا نظر آیا۔ پوچھا یہ حالت کیوں؟ گاڑی بان نے کہا۔ یہ حقیقت حیرت افزاء نہیں۔ ایسا ہوتا ہی ہے آپ پر بھی یہ وقت آئے گا۔ اور آپ کو کہنا پڑے گا۔

دنیا عجب سرائے فانی دیکھی ہر چیز یہاں کی آنی جانی دیکھی
جو آ کے نہ جائے وہ بڑھاپا دیکھا جو جا کے نہ آئے وہ جوانی دیکھی

گوتم پر غم ہوا پر نم ہوا۔ آگے بڑھے تو ایک بیمار ملا۔ گوتم کو ترس آیا۔ رتھ بان نے التجا کی۔ یہ شخص ایک متعدی مرض میں مبتلا ہے۔ اسے آپ ہاتھ نہ لگائیں، ایسا نہ ہو۔ کہ کہیں ہماری تقدیر بگڑ جائے۔ آپ کے دشمنوں کو گزند پہنچ جائے۔ گوتم نے کہا۔ یہ کیوں؟ رتھ بان! حضور کرموں کا پھل۔ جیسی کرنی ویسی بھرنی۔ یہ جنم کا پاپی ہے۔ روگی ہے، بھوگی ہے، رحم و کرم کے لائق نہیں۔ پوچھا۔ اس نگری میں یہ ایک ہی ایسا ہے یا اور بھی ہیں۔ آقا۔ ایسے بہت سے ہیں۔ رتھ بان نے کہا۔ اتنے میں ایک نعش دکھائی دی۔ گوتم! بتاؤ یہ ماتم کیوں؟ یہ کون ہے اسے کہاں لے جا رہے ہیں۔ کیوں لے جا رہے ہیں؟ یہ مر گیا ہے۔ گوتم مرنے کا مطلب کیا ہے؟ موت کیا ہے؟ اس قسم کے لوگ کتنے ہیں، رتھ بان! حضور، سب کو مرنا ہے۔

جو یہاں آیا یہ مرنا اس کو ہوگا ایک دن

اچھا اسے بلاؤ۔ یہ کون ہے؟ اس کے چہرے پر نور کیوں ہے؟

رتھ بان۔ یہ شخص غم سے دور ہے۔ ہر آن مسرور ہے۔ یہ اپنی دھن میں مست ہے۔ یہ ہے جوگی۔ گوتم یہ کہاں رہتا ہے؟ رتھ بان۔ اس کی کیفیت تو یہ ہے۔

کوہ میں مسکن کبھی ہے اور کبھی صحرا کے بیچ
خانۂ الفت ہو ویراں ہم کو آبادی کہاں

گوتم۔ اے گاڑی بان۔ چلو واپس چلیں۔ جو کچھ دیکھنا تھا۔ دیکھ لیا۔ سچ ہے۔

تماشا گاہ مرگ ناگہاں را
جہان ماہ و انجم نام کردند (اقبالؒ)

گھر آئے، تو سنا کہ گوتم کے یہاں لڑکا پیدا ہوا ہے۔ ظاہر ہوا۔ کہ دنیا عجب مقام ہے۔

کسی کا کندہ نگینہ پہ نام ہوتا ہے — کسی کی عمر کا لبریز جام ہوتا ہے
عجیب چیز ہے دنیا کہ جس میں شام و سحر — کسی کا کوچ کسی کا مقام ہوتا ہے

گھر میں بہار تھی اور آپ بیابان میں تھے۔ شہر میں چراغاں ہوا۔ گانے بجانے کی محفل منعقد ہوئی۔ خوشی کے شادیانے بجائے گئے۔ یوں تو آپ بھی بزم طرب میں شامل ہوئے۔ آدھی رات تک بزم نشاط میں رہے۔ آپ جہاں تھے وہاں جسم نہیں تھا۔ اور جہاں جسم تھا۔ وہاں روح نہیں تھی۔ آپ تھے مگر نہ تھے۔ آپ نہ تھے مگر تھے، دل نے کہا سب سو گئے ہیں۔ اپنے آپ میں کھو گئے ہیں۔ چلنے کا وقت یہی ہے۔ سائیس کو بلایا۔ وہ تیز گام گھوڑا لایا۔ محبت ادھر لے گئی۔ جدھر گھر والی تھی۔ جو دھرا اپنے ننھے منے بچے پر ہاتھ رکھے بے خبر سو رہی تھی۔ اس کیساتھ ہی اس کی تقدیر بھی محو خواب تھی۔ ایک آواز آئی، بیوی کو جگا۔ روح نے تنبیہ کی۔ ایسا نہ ہو کہ اس کی بیداری سے مجھ پر نیند طاری ہو جائے بچے کو سینہ سے لگایا۔ تو دل کی دنیا بدل جانے کا ڈر ہے۔ ارادہ اپنے مقام پر رہا۔ جذبہ اسے روک نہ سکا۔ ٹوک نہ سکا۔ آخر کار گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ ہوا ہو گیا۔

راحت کا اس طرح سے زمانہ گزر گیا
جھونکا ہوا کا جیسے ادھر سے ادھر گیا

بہت دور ایک باغ میں پہنچے۔ سائیس کو رخصت کیا۔ ندی پاس تھی۔ اس میں نہ ڈوبے۔ فکر کے دریا میں ڈوبے۔ کسی کے اشارے پر ایسی ریاست میں پہنچے جہاں پنڈت بڑے گیانی تھے۔ ان سے

۵ سال تک فلسفہ پڑھا۔ فلسفہ نے انہیں نجات کی راہ نہ دکھائی۔ باطن کی بات نہ بتائی۔

خرد سے راہرو روشن بصر کیا ہے | خرد کیا ہے چراغ رہ گزر ہے
درون خانہ ہنگامے ہیں کیا کیا | چراغ رہ گزر کو کیا خبر ہے

ریاضت کی عبادت کی۔ آپ گھنے جنگل میں تھے۔ وہاں نہ پھل تھا نہ پھول نہ پانی، بھوک اور پیاس کے باعث حد سے زیادہ لاغر ہو گئے۔ زندگی کا حباب صرف ہوا پر قائم تھا۔ ایک دن غش کھا کر گر گئے۔ چیلوں نے تصور کیا کہ مر گئے اس لئے بھاگ گئے۔ آپ کو ہوش آیا۔ یہاں سے ندی کے کنارے پر پہنچے۔ وہاں ایک دیہاتی لڑکی نے مہاتما کو دیکھا۔ اس نے کھانا کھلایا۔ راج کمار نے کئی سال کے بعد پیٹ بھر کر کھانا کھایا۔ ایک پیپل کو تکیہ بنایا۔ اسے کہتے ہیں بدھ کا پیڑ یا شجرۂ دانش شاگرد بیان کرتے ہیں۔ اس مقام پر قدرت نے آپ کو کچھ کھلایا۔ آپ نے روحانی دستر خوان بچھایا۔ اور چیلوں کو بھی کھلایا۔ پلایا۔ اور عہد ایک کہ جو کچھ ملا ہے۔ اسے پھیلایا جائے گا۔ جو سیکھا ہے۔ سکھایا جائے گا۔ جو پڑھا ہے۔ پڑھایا جائے گا۔ پانچ فقیر آپ کے چیلے بنے تو آپ نے واضح کیا۔ حقائق آٹھ ہیں اور وہ یہ ہیں۔

آٹھ حقیقتیں

(۱) جو چیز جسم رکھتی ہے۔ وہ مادہ سے بنی ہے۔ مادہ غیر مستقل اور فانی ہے۔ اس لئے ہر جسم رکھنے والی چیز میں فنا کے جراثیم موجود ہیں۔

(۲) موت:۔ انسان حیات جسمانی رکھتا ہے۔ اور اس کو فنا سے چارہ نہیں ہے۔ غم، کمزوری، بیماری اور موت فنا کے مدارج ہیں۔

(۳) غم:۔ جب تک ناپاک خواہشیں باقی ہیں۔ حرص، فکر اور آرزو کا ساتھ رہے گا۔ یعنی غم اور کمزوری شامل حال رہے گی۔

(۴) تناسخ کا چکر:۔ جسم کو تکلیف پہنچا کر خواہش کو قطع کرنے کی کوشش خطرناک ہے کیونکہ اس سعی میں اگر زندگی ختم ہو گئی تو موت اضطراری ہو گی اور تناسخ کے چکر (آواگون) سے نجات نہ ملے گی۔

(۵) دل کی برائی:۔ جو چیز انسان کا تعلق مادی دنیا سے قائم رکھتی ہے۔ وہ دل کی برائی ہے۔

جب تک دل میں ذرہ برابر بھی بدی باقی رہے گی۔ دنیا کا علاقہ قطع نہ ہو گا۔

(۶) نجات:- دل کی بدی کے ساتھ نیک اعمال فائدہ بخش نہیں۔ کیونکہ نیکی کا ثمرہ ملے گا۔ مگر بدی کی جزا میں دوبارہ زندگی اور موت کی مصیبت جھیلنا ہو گی۔ اور اس جنم میں معلوم نہیں کہ نیکی کی توفیق ہو یا نہ ہو۔ اس لئے بغیر جسم کو تکلیف پہنچائے اور روح کو مضمحل بنائے خواہشوں کو دور کرنا اور دل کا تمام عیوب سے صاف نجات کے لئے ضروری ہے۔

(۷) خواہش:- ہر ایک خواہش کا ہلاک کرنا لازمی ہے۔ عدم وجود کی خواہش بھی اتنی ہی خطرناک ہے جتنی کہ وجود کی۔

(۸) جسم کی ہلاکت:- لہٰذا نیک اعتقاد، نیک نیت، نیک قول، نیک فعل، نیک زندگی، نیک کوشش، نیک خیال اور نیک مراقبہ سے (نروان) جسم کی ہلاکت حاصل کرنا چاہئے۔ یعنی تمام قوائے بدنیہ بے حس کر دی جائیں اور زندگی موت کے مرادف بنالی جائے۔

چار زینے

مندرجہ بالا آٹھ نیکیوں کو عمل میں لانے اور بام "نروان" تک رسائی حاصل کرنے کے چار زینے ہیں۔

(۱) پہلی سیڑھی دل کی بیداری ہے یعنی غم اور شادی کا راز دریافت کرنے کی طلب، جب تلاش حق میں مرشد کامل تک رسائی ہو گئی۔ تو یہ درجہ طے ہو گیا۔

(۲) دوسری سیڑھی ناپاک شہوات کو ترک کرنا اور عوض لینے کا خیال دل سے نکال ڈالنا۔ جب اس عہد پر ثابت قدم ہوا تو دوسرا زینہ بھی تمام ہو گیا۔

(۳) تیسری سیڑھی جہالت، شک، غصہ، حرص اور تمام کمینہ خصلتوں کو دور کرنا ہے۔ جب ان تمام نقائص سے پاک ہوا تو لوح دل صاف ہوئی اور تیسرا درجہ حاصل ہو گیا۔

(۴) آخری سیڑھی عشق و محبت کا سینہ بے کینہ پر نقش کرنا ہے۔ جس طرح ماں اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر اپنے اکلوتے بچے کی نگرانی اور نگہبانی کرتی ہے۔ اسی طرح طالب نجات کو ہر ذی روح پر اپنی جان نثار کرنے کو تیار ہو جانا چاہئے۔

جس دشمن کو سب سے پہلے مغلوب کرنا چاہئے۔ وہ خواہش نفسانی ہے اور آخری مہم

عالمگیر عشق والفت کا سوتے جاگتے دھیان رکھنا ہے۔ نہ قربانی کی ضرورت ہے۔ نہ برہمنوں کی امداد کی، ہر انسان کی نجات خود اس کے ہاتھ میں ہے۔

گوتم کے اخلاقی تعلیمات

شریعت گوتم کے دس احکام یہ ہیں

(۱) کسی ذی روح کی جان نہ لو، (۲) چوری نہ کرو، (۳) زنا نہ کرو، (۴) جھوٹ نہ بولو، (۵) کسی کو برا نہ کہو، (۶) قسم نہ کھاؤ، (۷) فضول گفتگو نہ کرو، (۸) کسی پر غصہ نہ کرو، (۹) کوئی نشہ کی چیز استعمال نہ کرو، (۱۰) غلط عقائد کے پاس مت جاؤ یعنی بھوت پریت دیوی دیوتا کو نہ مانو۔

وہ پانچ پیشوں کو منع کرتا ہے

(۱) ہتھیار بیچنا، (۲) لونڈی غلام بیچنا، (۳) گوشت بیچنا، (۴) شراب بنانا یا بیچنا، (۵) زہر فروخت کرنا۔

گوتم کی ہدایات

(۱) دانشمندوں کی خدمت کرو اور نادانوں کی صحبت سے بچو۔ ان کی عزت کرو جو عزت کا مستحق ہو۔

(۲) علم حاصل کرو۔ اور عقل کی روشنی بڑھاؤ۔

(۳) والدین کی اطاعت کرو۔ اہل وعیال کی خبر گیری کرو۔ اور ایسا پیشہ اختیار کرو۔ جس سے کسی کو دکھ نہ ہو۔

(۴) خیرات کرو۔ ایمانداری سے رہو۔ عزیزوں اور رشتہ داروں کی مدد کرو۔

(۵) گناہ سے بچو۔ شراب کے پاس نہ جاؤ۔ اور نیک کاموں سے کبھی نہ تھکو۔

(۶) عاجزی اور فروتنی اختیار کرو۔ قناعت اور شکر گزاری کو اپنا شیوہ بناؤ۔

(۷) مصیبت برداشت کرنے کی عادت ڈالو۔

(۸) اپنی عصمت کی حفاظت اپنی جان سے زیادہ کرو۔

(۹) دل پر اتنا قابو حاصل کرو۔ کہ کسی غم و غصہ کا اس پر اثر نہ ہو۔

(۱۰) "نروان" حاصل ہونے سے کبھی ناامید نہ ہو۔ اور یقین رکھو کہ اصلاح اخلاق سے یہ مرتبہ خود بخود مل جائے گا"

(۱۱) نفس کو زیر کرو۔ اور تمام عالم سے محبت رکھو۔

لذتیں

شیخ بو علی سینا رحمتہ اللہ علیہ

(۱) غلبہ کی لذت:- عوام الناس کا خیال ہے کہ جو لذتیں حسی ہیں وہی قوی ہیں۔ اور ان کے سوا کل لذتیں ضعیف ہیں۔ ان سے کہا جائے کہ تم جن لذتوں کو اعلیٰ درجے کی سمجھتے ہو وہ یہی ہیں۔ عمدہ غذائیں، جماع اور اسی قسم کی اور چند لذتیں جو جسم سے متعلق ہیں۔ ان کے ساتھ دوسری لذتوں کا مقابلہ کر کے دیکھ لو۔ تم جانتے ہو کہ جس کو کسی کام میں غلبہ ہوا کرتا ہے گو وہ کام خسیس ہی کیوں نہ ہو۔ جیسے شطرنج بازی وغیرہ۔ اس کو ان کاموں میں ایسی لذت ہوتی ہے کہ اگر اس کے روبرو کھانا وغیرہ پیش کیا جائے تو وہ اس طرف توجہ نہیں کرتا۔ حالانکہ ان کاموں میں کوئی جسمانی لذت نہیں بلکہ صرف ایک احتمالی غلبے کا خیال کی وہ لذت اس کو حاصل ہے کہ کل لذتیں اس کے مقابلے میں ہیچ ہیں۔

(۲) جاہ کی لذت:- اسی طرح جن کو جاہ و ریاست مطلوب ہوتی ہے وہ عورتوں کو اور تمام لذتوں کو ترک کر کے اس کے حاصل کرنے میں اقسام کی مصیبتیں اٹھاتے ہیں۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ باطنی لذت جو ریاست میں ان کو حاصل ہونے والی ہے وہ غذاؤں اور جماع وغیرہ کی لذتوں سے بڑھی ہوئی ہے۔

(۳) نیک نامی کی لذت:- اسی طرح جواں مرد خطرناک معرکوں میں اپنی جان کو معرض ہلاکت میں ڈالتے ہیں۔ صرف اس خیال سے کہ نیک نامی حاصل ہو۔ پھر یہ بھی خیال نہیں کہ وہ زندگی میں حاصل ہو۔ بلکہ بعد موت بھی ہو تو کافی سمجھتے ہیں۔ اب کہئے کہ ان لوگوں نے عیش و عشرت و راحت، عمدہ لباس عمدہ غذائیں اور مہ جبینوں کو چھوڑ کر بھوک پیاس اور اقسام کی مصیبتوں کو جو گوارا کیا اور وہ بھی ایسی حالت میں کہ ہر وقت موت کا سامنا ہے۔ کیا ان کو اس کام میں لذت نہیں؟ آدمی جو کام کرتا ہے اس کو کچھ نہ کچھ لذت اس میں ضرور ہوتی ہے۔ گو وہ خیالی کیوں نہ ہو۔

چنانچہ ان لوگوں کو فقط ایک خیالی لذت کا احساس ان تمام مصیبتوں کے اٹھانے پر مجبور کر رہا ہے اس سے ظاہر ہے کہ باطنی لذتوں کے مقابلے میں حسی لذتیں کوئی چیز نہیں۔ پھر اس قسم کی لذتیں فقط آدمیوں ہی کو نہیں بلکہ جانوروں کو بھی ہوتی ہیں۔

(۴) رضاجوئی مالک کی لذت:- دیکھئے شکاری کتا باوجود بھوک کے شکار کا گوشت کھا نہیں لیتا۔ بلکہ اپنے آقا کا انتظار کرتا ہے حالانکہ بھوک کی حالت میں اس تازے گوشت کی لذت سے زیادہ اس کے حق میں کوئی چیز لذیذ نہیں ہو سکتی۔ مگر اس لذت کو صرف اس خیال سے وہ ترک کر دیتا ہے کہ اپنے مالک کے اکرام کا مستحق ہو جائے۔

(۵) پرورش اولاد کی لذت:- اسی طرح دودھ پلانے والے جانور اپنی جان سے زیادہ اپنے بچوں کو دوست رکھتے ہیں۔ اور ان کی حفاظت میں ایسی کوشش کرتے ہیں کہ اپنی ہلاکت کا بھی خوف نہیں، یہ سب مشقتیں صرف اس باطنی خیالی لذت سے گوارا کرتے ہیں کہ بچہ سلامت رہے۔ جب جانوروں کا یہ حال ہو کہ باوجود عقل نہ ہونے کے باطنی لذتوں کو حسی لذتوں پر فوقیت دیتے ہیں۔ تو عقلی لذتوں کا کیا حال ہونا چاہئے۔

(۶) عقلی لذت:- عقلی لذتیں حسی لذتوں سے اس وجہ سے بڑھی ہوئی ہیں کہ لذت ادراک سے متعلق ہے۔ اور ظاہر ہے۔ کہ عقلی ادراک حیوانی ادراک سے بدرجہا بڑھا ہوا ہے۔ اب اگر کوئی کہے کہ ہماری حالت ایسی ہو جائے کہ ہم نہ کھائیں نہ پئیں اور نہ نکاح کریں تو وہ سعادت ہی کیا ہوئی۔ تو عقل اس کے جواب میں یہ واجب کرتی ہے کہ ایسے خیال والے آدمی تھوڑی دیر حیرت کی نظر سے دیکھا کریں۔ اور بہت ہو تو اس سے یہ کہا جائے کہ اے مسکین شاید ملائکہ اور ان کے مافوق عالم والوں کو جانوروں سے زیادہ لذت اور بہجت نہ ہو گی۔ بلکہ انصاف سے دیکھا جائے تو ان کی لذتوں سے جانوروں کی لذتوں کو مناسبت ہی کیا۔ غرض کہ کوئی عاقل اس کا انکار نہیں کر سکتا کہ باطنی لذتیں حسی لذتوں سے بڑھی ہوئی ہیں۔

(۷) حقیقی لذت:- اصل یہ ہے کہ مدرک کے نزدیک جو خیر و کمال ہو اس کے ادراک اور حصول کا نام لذت ہے۔ اور جو چیز اس کے نزدیک آفت و شر ہے اس کے ادراک اور حصول کا نام الم ہے۔ مگر خیر اور شر ایک طور پر کسی کے نزدیک ایک چیز خیر ہے۔ اور دوسرے کے نزدیک دوسری چیز۔ مثلاً شہوت کے نزدیک عمدہ عمدہ غذائیں۔ ملائم لباس وغیرہ خیر ہے۔ اور غضب

کے نزدیک غلبہ خیر ہے اور عقل کے مختلف حالات ہیں۔ کبھی حق خیر ہے اور کبھی جمیل۔ اور کبھی یہ کہ لوگ اپنی مدح اور شکر گزاری اور بزرگی کریں۔ غرض کہ ذوی العقول کی ہمتیں اس بات میں مختلف ہوتی ہیں۔

فضائل

آدمی کی فطرت میں یہ استعداد اور صلاحیت رکھی گئی ہے کہ فضائل حاصل کرے جو اس کے حق میں خیر ہیں۔ اور اس کو عارضی طور پر یہ استعداد بھی دی گئی ہے کہ رذائل حاصل کرے۔ گو ان کو بھی وہ خیر ہی سمجھتا ہے۔ مگر کمال اس کا یہی ہے کہ ذاتی اور فطری استعداد کے موافق اس کا قصد ہو اور لذت اسی کام میں ہو کہ وہ کمال خیری ہو۔ اور اس کا ادراک بھی اس کو ہو۔ مطلب یہ کہ جس کو یہ خبر ہی نہ ہو۔ کہ ذاتی استعداد ہماری تحصیل فضائل ہے۔ اس کو تحصیل فضائل میں لذت بھی نہ ہو گی۔ دیکھئے حلوہ وغیرہ لذیذ چیزیں کبھی پیش ہوتی ہیں۔ مگر آدمی اس کی طرف توجہ نہیں کرتا۔ خواہ اس وجہ سے کہ اس کے معدے میں کوئی علت پیدا ہو گئی ہو۔ یا پیٹ بھرا ہوا ایسے موقع میں اس کی بے التفاتی اور بے قدری سے یہ ثابت نہ ہو گا کہ وہ لذیذ چیزیں بے قدری کے قابل ہیں۔ بلکہ یہ موانع رفع ہو جائیں تو خود وہ شخص ان چیزوں کی طرف رغبت کرے گا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص فضائل کی بے قدری کرے اور اس کو ان کی تحصیل میں لذت نہ ہو تو اس سے وہ بے قدری کے قابل نہیں ہو سکتے۔ بلکہ یہ سمجھا جائے گا کہ اس کی طبیعت میں فساد واقع ہو گیا ہے۔ جو محتاج اصلاح ہے۔ یہی حال الم کا ہے۔ کہ بسا اوقات الم دینے والے اسباب موجود ہوتے ہیں۔ اور آدمی کو ان کا احساس نہیں ہوتا۔ موت کے قریب بعض بیماروں کا حال دیکھا جاتا ہے۔ کہ ان کی قوت مدرکہ باقی نہیں رہتی۔ اسی طرح بے ہوشی کی حالت میں۔ پھر جب قوت مدرکہ اصلی حالت پر آجاتی ہے۔ یا بے ہوشی زائل ہو جاتی ہے تو برابر درد و الم ہونے لگتا ہے۔ مطلب یہ کہ لذت ہی کی خصوصیت نہیں کہ قابل التذاذ سے حاصل نہ ہو۔ بلکہ الم میں بھی یہی بات ہوتی ہے۔ الحاصل فضائل میں لذت کسی کو حاصل نہ ہو تو اس کی حالت ان لوگوں کے سی سمجھی جائے گی۔ جن کی قوت مدرکہ زائل ہو گئی ہو۔

ذوق وشوق

کوئی چیز کیسی ہی لذیذ ہو جب تک اس کا ذوق حاصل نہ ہو اس کے حاصل کرنے کا شوق نہیں ہوتا دیکھ لیجئے۔ مادر زاد عنین نے گو جماع کی لذت کا حال سنا ہو۔ مگر چونکہ اس کو ذوق نہیں۔ اس لئے اس کا شوق بھی اسے نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح بد پرہیزی کے برے نتائج جب تک کوئی نہ چکھے، پرہیز کرنا اس پر نہایت شاق ہوتا ہے۔ غرض کہ نہ بغیر ذوق کے تحصیل فضائل کا شوق ہوتا ہے نہ بغیر مصیبتیں بھگتنے کے رذائل سے آدمی احتراز کرتا ہے۔ حاصل یہ کہ جن کو تحصیل فضائل کا شوق نہ ہو وہ معذور ہیں۔

جس چیز سے کوئی لذت حاصل ہوتی ہے اس کا مدرک اس کو اپنے حق میں بہتر اور سبب کمال سمجھتا ہے۔ مثلاً عمدہ غذا ذائقے کے حق میں خیر اور سبب کمال ہے۔

عقلی لذت

اس میں شک نہیں کہ کمالات اور ان کے ادراک متفاوت ہیں شہوت کا کمال یہ ہے کہ جس عضو میں وہ ہو اس میں ایک قسم کی حلاوت حاصل ہو۔ مثلاً زبان کو شیرینی سے حلاوت اور شامہ کو خوشبو سے ایک قسم کا لطف اور جسم کو نرم لباس سے راحت حاصل ہوتی ہے۔ اسی پر تمام جسمانی لذتوں کو قیاس کر لیجئے۔ کہ ان کا کمال ان کی مناسب چیزوں سے انہیں حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح عقل کا بھی ایک کمال ہے جو ان تمام کمالاتِ حسیہ سے جدا ہے۔ کیونکہ وہ سب حواس سے متعلق ہیں جو جانوروں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ عقل کا ذاتی کمال یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی تجلیات جو اس کے مناسب حال ہوں اس میں جلوہ گر ہوں۔ اس کے بعد مجردات اور روحانیات اور اجرام سماویہ متمثل ہوں یہ عقلی کمال ہے۔ اب دونوں کمالوں میں فرق بھی دیکھ لیجئے کہ کمالات حسیہ میں کسی چیز کی کنہ نہیں معلوم ہو سکتی۔ مثلاً کسی چیز کو دیکھیں تو صرف اس کی سطح کا ادراک ہوگا۔ حقیقت اس کی بصارت سے کبھی معلوم نہ ہو گی۔ عمدہ غذا کھائیں تو صرف وہی کیفیت معلوم ہو گی جو ذائقے سے متعلق ہے۔ باقی کیفیات اور اجزاء اور حقیقت سے کوئی تعلق نہیں بخلاف عقل کے کہ ہر چیز کے تمام اجزاء اور ان کی ماہیت کا پورا پورا ادراک کرتی ہے اب اگر محسوسات اور معقولات کا خیال کیا

جائے تو دونوں میں کوئی نسبت نہیں اس لئے کہ محسوسات چند اجناس میں محصور اور محدود ہیں۔ بخلاف معقولات کے کہ ان کا شمار ہی نہیں ہو سکتا۔

غرض نہ کیفیت کے اعتبار سے دونوں برابر ہو سکتے ہیں نہ کمیت کے اعتبار سے۔ اب کہئے کہ حسی لذتوں کو عقلی لذتوں کے ساتھ کچھ بھی مناسبت ہے؟

تجلّیات الٰہی

یہ امر پوشیدہ نہیں کہ ہر لذت کی نسبت دوسری لذت کی طرف ایسی ہو گی جو ان چیزوں میں سے ہے جن سے لذت حاصل کی جاتی ہے۔ مثلاً عقل کو تجلیات الٰہیہ سے لذت ہوتی ہے۔ اور حس کو غذا وغیرہ سے جو نسبت تجلیات الٰہیہ کو غذا وغیرہ سے ہے وہی نسبت لذت تجلیات اور لذت غذا میں ہو گی۔ اور ظاہر ہے کہ دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ تو دونوں لذتوں میں بھی وہی فرق ہو گا۔ اور یہی فرق دونوں لذتوں کے ادراک میں ہو گا۔ یعنی تجلیات الٰہیہ کا ادراک کچھ ایسا دلربا ہو گا۔ کہ کیفیت غذا کے ادراک کو اس سے کچھ نسبت نہ ہو گی۔ اگر کوئی کہے کہ جتنی لذتیں ہیں اپنے کمالات کی مشتاق ہیں۔ اور ان کے اضداد سے ان کو ایذا ہوتی ہے۔ مثلاً بصارت نور کی مشتاق ہوتی ہے۔ اور ظلمت سے اس کو ایذا پہنچتی ہے۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ادراکات عقلیہ نفس کے کمالات نہیں ورنہ وہ ان کی طرف مشتاق ہوتا۔ اور جہل سے اس کو اذیت ہوتی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ صحت باوجودیکہ اعلیٰ درجے کی نعمت ہے مگر جس قدر حلوہ لذیذ معلوم ہوتا ہے، صحت نہیں معلوم ہوتی۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ صحت فی نفسہٖ کمال اور لذیذ نہیں۔ بات یہ ہے کہ استمرار کی وجہ سے اس طرف توجہ نہیں ہوتی۔ پھر تم نے یہ بھی دیکھا ہو گا۔ کہ بعض بیمار حلوے کو بجائے اس کی خواہش کریں مکروہ سمجھتے ہیں۔ کیا ان کے مکروہ سمجھنے سے وہ فی نفسہ قابل کراہت ہو سکتا ہے ہر گز نہیں! بلکہ یہ سمجھا جائے گا کہ اس کی طبیعت میں کچھ علت اور فساد آ گیا ہے۔ اور یہ بھی ابھی معلوم ہوا کہ کسی چیز کا ذوق نہ ہونے کی وجہ سے شوق نہیں ہوتا۔ بہر حال جب نفس ناطقہ ہمیشہ مشاغل بدنیہ میں مشغول ہے تو اپنے ذاتی کمالات کی بھی اس کو خبر نہیں اور نہ ان کا کبھی اسے ذوق حاصل ہوا۔ اس لئے نہ ان کمالات کا وہ مشتاق ہوتا ہے نہ جہل سے اس کو ایذا ہوتی ہے۔ اس میں اپنا ہی قصور ہے۔ اس کو ان حسیں لذتوں سے جدا کر کے علمی لذتوں کی طرف

متوجہ کرائے تو معلوم ہوگا کہ کس طرح اس کو تحصیل کمالات کا شوق ہوتا ہے۔

رُوحانی لذت

یہ بات یاد رہے کہ جس قدر نفس کو اس عالم کے تلذذات جسمانیہ حاصل کرنے میں لذت حاصل ہوتی ہے۔ اس سے زیادہ بعد موت اس کو الم حاصل ہوتا رہے گا۔ اس لئے کہ جس قدر اس کا وقت ایک ایک لذت جسمانی حاصل کرنے میں صرف ہوتا گیا اس میں اپنے ذاتی کمالات حاصل نہ کر سکا۔ اور جب کل اوقات اس کے انہیں لذائذ حسیہ میں تلف ہوگئے اور تکمیل کا زمانہ جاتا رہا۔ اس وجہ سے کہ اعضاو جوارح جو اس کو دیئے گئے تھے۔ اس سے مقصود یہی تھا کہ ان سے کام لے کر اپنی تکمیل کرے اور نہ کر سکا۔ پھر جس قدر جسمانی خسیس تلذذات زندگی میں اس نے حاصل کیے تھے ان کا اثر ان میں ضرور رہے گا۔ کیونکہ جو ہیئت نفس کو ان حاصل شدہ امور کے تاثیرات سے حاصل ہوئی تھی وہ زائل نہ ہوگی۔ دنیا میں تو مشاغل جسمانی کی وجہ سے اپنے کمالات اور رذائل کے دیکھنے کی اسے نوبت نہیں آئی تھی۔ مگر مفارقت بدن کے بعد جب سب مشاغل سے فراغت ہو جائے گی اور اپنی ردی ہیئتوں پر اس کی نظر پڑے گی۔ اور ذاتی کمالات سے اپنے آپ کو عاری پائے گا تو اس وقت سخت الم ہوگا۔ کیونکہ فوت کمال پر الم کا ہونا لازم ہے۔ تاریکی میں بیٹھ کر دیکھ لیجئے کہ کس قدر بیقراری اور الم ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ بصارت کا کمال جو محسوسات کو دیکھنا تھا فوت ہوگیا۔ اب غور کیجئے کہ فوتِ کمال پر نفس کو جو الم ہوگا وہ حسی نہیں بلکہ عقلی اور روحانی ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ جس طرح عقلی لذت حسی لذت سے بدرجہا بڑھی ہوئی ہے۔ جس کا حال ابھی معلوم ہوا عقلی الم بھی حسی الم سے بدرجہا زیادہ ہوگا۔ اس سے ثابت ہے کہ اس الم کی اذیت آگ میں جلنے سے بھی زیادہ ہوگی۔ حاصل یہ کہ لذائذ جسمانیہ میں مستغرق رہنا ابدالآباد کے آلام میں مبتلا ہونے کا باعث ہے۔

ہمارے چند اخلاق اسلام کی نظر میں

اولاد میں عدل نہ کرنا:

جس طرح کسی کے چند بیویاں ہوں۔ ان سب میں برابری اور عدل رکھنا واجب اور

ضروری اور اس کے خلاف کرنا گناہ کبیرہ ہے، اسی طرح داد و دہش وغیرہ میں، اولاد میں بھی برابری کرنا ضروری ہے۔ اس میں لڑکا اور لڑکی دونوں کا حصہ برابر ہونا چاہئے۔ لڑکی کا آدھا حصہ یہ میراث کا قانون ہے۔ زندگی میں ماں باپ جو کچھ اولاد کو دیں۔ اس میں سب لڑکے لڑکیوں کو برابر برابر رکھنا ضروری ہے۔ اس کے خلاف کرنا گناہ ہے۔ ہاں اگر کوئی لڑکا یا لڑکی علم یا عمل میں یا ماں باپ کی اطاعت و خدمت میں اوروں سے زیادہ ہے تو اس کو کچھ زیادہ دینا جائز ہے۔

اپنے اصلی نسب کو چھوڑ کر دوسرا نسب ظاہر کرنا:

جیسے کوئی شخص شیخ صدیقی نہیں مگر اپنے آپ کو صدیقی لکھے یا سید نہیں اور اپنے آپ کو سید ظاہر کرے یا قریشی نہیں ہے اور اپنے آپ کو قریشی کہے۔ یا نسبتاً انصاری نہیں ہے اپنے آپ کو انصاری کہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص اپنے باپ کا نسب چھوڑ کر کسی دوسرے کی طرف اپنی نسبت کرے تو جنت اس پر حرام ہے (بخاری)

یہ کبیرہ گناہ بھی در حقیقت بے لذت و بے فائدہ ہے۔ اور اس طرح نسب بدلنے کو عزت کا ذریعہ سمجھنا سراسر غلطی ہے۔ ان چیزوں سے دنیا میں بھی عزت نہیں ملتی۔

گالی گلوچ اور فحش کلامی:

گالی اور فحش کلامی سے مراد یہ ہے کہ ایسے کام جن کے اظہار سے آدمی شرماتا ہو ان کو صریح اور کھلے الفاظ سے ظاہر کرنا۔ پھر اگر وہ واقع کے مطابق اور صحیح ہو تو ایک گالی دینے کا ہے۔ اور واقعہ کے خلاف ہو تو دوسرا گناہ بہتان و افتراء کا بھی ہے۔ جیسے کسی شخص یا اس کی ماں بہن کی طرف کسی فعل حرام کی نسبت کرنا۔

حدیث میں ہے کہ مسلمان کو گالی دینا فسق اور اس سے مقاتلہ کرنا کفر ہے۔

حضرت جابر بن سلیم رضی اللہ عنہ جب مسلمان ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان سے چند عہد لئے۔

(ا) یہ کہ کسی کو گالی نہ دو۔ جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ الحمد للہ میں نے اس عہد کو پورا کیا۔ اس کے بعد نہ شریف یا غلام کو گالی دی اور نہ کسی اونٹ بکری جانور کو۔

(۲) یہ کہ کسی نیکی کو معمولی اور حقیر سمجھ کر نہ چھوڑو۔
(۳) تیسرے یہ کہ جب کسی مسلمان بھائی سے ملو تو خندہ پیشانی اور اخلاق سے ملو۔
(۴) چوتھے یہ کہ اپنے تہبند یا پاجامہ کو نصف پنڈلی تک رکھو اور یہ بھی نہ کرو تو ٹخنوں سے اوپر تک رکھو۔ ٹخنوں سے نیچے کرنے سے سختی کے ساتھ بچو کہ وہ تکبر کی علامت ہے۔
(۵) پانچویں یہ کہ اگر کوئی شخص تم پر ایسا عیب لگائے جس کو وہ تمہارے اندر جانتا ہے تو تم (اس کے بدلہ میں) اس کا وہ عیب ظاہر نہ کرو جو تمہیں اس کے اندر ہونا معلوم ہے۔
(ابوداؤد، ترمذی)

ایک اور حدیث میں عفیف عورت کی طرف فعل حرام کی نسبت کرنے کو اکبر کبائر گناہوں میں شمار کیا گیا ہے۔ (ابن حبان فی صحیحہ کذافی الترغیب للمنذری ص ۲۸۹)
گالیوں میں عموماً ماں بہن اور بیٹی کی طرف فعل حرام کی نسبت کی جاتی ہے یہ اسی وعید میں داخل ہے۔
ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی شخص کو عیب لگانے کے لئے ایسی بات کہے جو اس میں نہیں، تو اللہ تعالیٰ اس کو جہنم کی آگ میں اس وقت تک روکے رکھیں گے جب تک وہ اپنے کئے کی سزا نہ بھگت لے۔ (طبرانی باسناد جید)
گالی گلوچ میں عموماً ایسے ہی افعال منسوب کئے جاتے ہیں جو اس میں نہیں۔"
نیز حدیث میں ہے۔ کہ جو شخص اپنے غلام پر زنا کا الزام لگائے (تو اگرچہ دنیا میں اس پر حد شرعی جاری نہیں ہوگی) مگر قیامت میں اس پر حد قذف جاری کی جائیگی۔ (بخاری، مسلم و ترغیب)
ایک روز حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اپنی پھوپھی سے ملنے گئے۔ انہوں نے ان کے لئے کھانا منگایا۔ کنیز نے لانے میں دیر کی تو ان کی زبان سے نکلا "اے زانیہ جلدی کیوں نہیں لاتی" عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم نے بہت بڑی بات کہی۔ کیا تمہیں اس کے زنا کی اطلاع ہے۔ انہوں نے کہا بخدا مجھے کوئی اطلاع نہیں۔ (محض غصہ میں یہ لفظ کہدیا) آپ نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ جو مرد یا عورت اپنی باندی (کنیز) کو زانیہ کہہ کر پکارے حالانکہ وہ اس کے زنا پر مطلع نہیں تو قیامت کے روز یہ کنیز اس کو کوڑے لگائے گی۔
(رواہ الحاکم وقال صحیح الاسناد و تکلم فیہ الحافظ، ترغیب ص ۲۸۹ ج ۳)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ فحش کلامی (گالی) سے بچو کہ اللہ تعالیٰ فحش اور فحش گوئی کو پسند نہیں کرتا۔ فحش بکنے سے مراد ایسی چیزوں کا اظہار جن کے اظہار سے آدمی شرماتا ہے۔ اگرچہ وہ واقعہ کے مطابق ہو۔

حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان مشرکین کفار کو بھی گالی دینے سے منع فرمایا جو غزوۂ بدر میں مارے گئے تھے۔ اور فرمایا کہ ان کو گالی دینے سے ان تک تو کچھ اثر نہیں پہنچتا۔ زندوں کو اس سے تکلیف پہنچتی ہے۔ (نسائی)

(مولانا محمد شفیع صاحب کراچی)

اخلاقیات

سائی کولوجی:- نفسیات کا تیسرا شعبہ اخلاقیات ہے۔ اخلاقیات میں بری بھلی عادات و خصائل انسانی کی۔ علیحدہ علیحدہ فہرستیں مرتب کی جاتی ہیں۔ حیات انسانی کا کارخانہ بہت سی قوتوں کی ہم آہنگی سے چل رہا ہے۔ امیال (میلان) و عواطف (رجحان) خواہشات و میلانات، مختلف احتیاجات وغیرہ یہ سب اسی کارخانے کے کل پرزے ہیں۔

انسان ایسی مصروف کار ہستی ہے کہ وہ منتہائے حیات تک کچھ نہ کچھ کرتی اور کسی نہ کسی کام میں مصروف رہا کرتی ہے۔ ایک حد تک وہ ذی اختیار بھی ہے۔ ترتیب و انتظام میں اس کا عزم و ارادہ اور افعال کا پروگرام اسی کی خواہش و میلان کا تابع ہے۔ اپنے ہم جنسوں کے ساتھ سلسلۂ معاشرت میں رہ کر منفعت و مضرت میں سے جس نہج (طریق) کو چاہے اختیار کر سکتا ہے۔ اس میں ایک ایسی بسیط (وسیع) قوت ہے جس کے اختیار کی باگ اسی کے عزم و ارادہ کے ہاتھ میں رہتی ہے۔ یہ اپنے اختیار سے کام لے کر اگر چاہے تو جفاکش، مستعد، محنتی بھی بن سکتا ہے۔ اور کاہلی کی پوٹ بھی۔ اہم اور پرپیچ معاملات کی گھتیاں سلجھانے کی بھی اس میں استعداد ہے اور سطحی و رسمی باتوں میں الجھ کر رہ جانے کی بھی۔

عزم انسانی کی غایت

مگر عزم انسانی کی کوئی نہ کوئی غایت ہونا لازمی اور ضروری ہے۔ کیونکہ تنہا ارادہ کا وجود بغیر کسی غایت و مقصد کے ہو ہی نہیں سکتا۔ انسان جس نصب العین کی طرف ارادہ کی باگ پھیرتا ہے

جس مقصود وغایت تک افعال کی مدد سے پہنچنے کی کوشش کرتا ہے۔ اخلاقیات اسی مقصد وغایت کی نوعیت کو جانچتی اور اس کی ٹوہ میں رہتی ہے۔ اخلاقیات ہی سے انسان یہ سبق حاصل کرتا ہے۔ کہ کس قسم کی رفتار سے شاہراہ حیات طے کرنا چاہیئے۔ اور زندگی کا مقصود کس چیز کو قرار دیا جائے اخلاقیات کو نوعیت عمل کی تعین (عمل کی راہ تجویز کرنے) اور تشکیل حیات کی تخصیصی (خاص) تعلیم وتربیت کا ایک مہتمم بالشان کالج کہیں تو نامناسب نہیں۔

سوچ بچار کا مجموعہ

فکر انسانی یہ وہ اعجوبہ زا قوت ہے۔ کہ جس سے وہ خود اپنی کنہ (حقیقت) وماہیت کی نسبت تفتیشی (تحقیقی) ادھیڑ بن میں منہمک ہونے کے لائق بن جاتا ہے۔ اور اسی قوت کی بدولت انسان اپنی ہستی کی غرض وغایت کے معلوم کرنے کی قابلیت پیدا کر لیتا ہے۔ اسی سے درست نادرست افعال میں امتیاز کرتا یہ۔ اور اپنے افعال وکردار کی رہبری کے لئے اصول وقوانین معین کرتا ہے۔ ان قوانین وقواعد کے معلوم کرنے کے واسطے اسے غیر معمولی دقت نظر سے کام لینا پڑتا ہے۔ اور کافی غور وغوض کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اسی قسم کے سوچ بچار کے مجموعہ کو علم اخلاق کہتے ہیں۔

انسانی افعال کے ماخذ اور محرکات ارادی، افعال اور ان کے ماخذ، اخلاقی احکام ووجدانات، قوانین ومقاصد کی تحقیق وغیرہ ان میں سے ہر ایک کا جانچنا، پرتالنا، بحث کرنا علم الاخلاق سے متعلق ہے۔ وہ کون سے محرکات ہیں۔ جن سے بعض اوقات اس وقت وحالت کے مدِ نظر انسان میں ایک خاص طرز پر کام کرنے کی رغبت پیدا ہوتی ہے خیر وشر کا علم انسان کو کون سی راہ اختیار کرنے کی ہدایت کرتا ہے۔ اور اس معلومات کی سوغات انسان کے پاس کہاں سے آتی ہے۔ علم الاخلاق ہی اس قسم کے استفسارات وسوالات کے جوابات دیتا ہے۔

ضمیر کی آواز

ایک مہذب انسان بجائے خود محسوس کرتا ہے کہ اس میں ایک صوت پنہاں (چھپی ہوئی آواز) کا ایک ایسا مستقل وجود ہے جو صواب وخطا مفید وغیر مفید اخلاقی اور غیر اخلاقی افعال میں حدود وامتیاز کھینچتی اور نوعیت عمل پر نظر ڈال کر ایک معین طریقہ عمل اختیار کرنے کا مشورہ دیتی ہے۔ اس قسم کی صوت ہادی ضمیر کے نام سے موسوم ہے۔ یہ اطلاع باطن خارجی اقتدار کے قیود سے یکسر

بے نیاز ہے۔ حاسہ اخلاق ہی کے معین کیئے ہوئے طرق اعمال پر انسان عمل پیرا ہونے کے لئے مجبور تھا۔ احساسات وجدان۔ اور تصورات مذہبی اس کے ماخذ تھے۔ یا ایسے فیصلے جن میں عملی اغراض کے واسطے کسی جماعتِ انسانی نے چند ضابطے اور قاعدے ترتیب دیئے تھے۔ اس طرح کے قواعد کی نوعیت سر تا سر رواجی ہی رواجی تھی۔ جن کی اغراضِ عملی پر بنیاد تھی۔ اور قانون خارجی کے تابع تھی۔ کثرت استعمال نے ان قواعد کو مستند بنایا اور آگے بڑھ کر یہ ضروری اور لازمی ہو گئے۔ انہیں سے رسم و رواج اور عادت کی کونپلیں پھوٹیں اور ارتقاء کی روئیدگی کا قدم آگے بڑھا۔ یہاں تک کہ انہیں کی پابندی خوش اخلاقی بن گئی۔ اور خلاف ورزی بد اخلاقی۔

فلسفہ اخلاق کا کام کیا ہے۔ رسم و رواج اور عادات کو یکجا کر کے ترتیب دینا رواج اور ضوابط کی تفتیش و تحقیق کے بعد ان کو پسند یا ناپسند کرنا۔ اخلاقیات، اخلاقی سرمایہ کو فراہم کر کے اس سے ایسے قاعدے اخذ کرتی ہے۔ کہ جو افعال انسانی کو افراط و تفریط سے بچا سکیں۔ اور یہی اخلاقیات انسان کو اس امر کی تعلیم دیتی ہے۔ کہ اسے اثنائے حیات میں کس طرح عمل پیرا ہونا چاہیے۔

تصوراتِ خیر و شر

تجربہ عام کی یادداشت دیکھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ نہ صرف انسان کو اپنی مرضی کے مطابق عمل اختیار کرنا چاہیے۔ بلکہ اس کے خلاف بسا اوقات اسے اس قسم کے افعال سے جو اس کے لئے انبساط (فرحت) آور ہیں۔ احتراز کی ضرورت بھی پیش آتی ہے، اور دوسروں کی خواہش کی متابعت کرنی پڑتی ہے۔ اس بناء پر انسان مجبور ہے۔ کہ انسان اپنے عزم و ارادہ کا نقشہ ماحول اور اقتضائے حالات کے موافق مرتب کرے۔ خیر و شر، نیک و بد۔ یہ الفاظ جس طرح پہلے اختلاف کا مرکز تھے۔ اسی طرح اب بھی بدستور سابق اسی حد پر قائم ہیں۔ وقت و مقام، صورت اور حالات ایک ہی فعل کو کچھ سے کچھ بنا دیتے ہیں۔ ایک صورت میں وہی ایک فعل اچھا اور دوسری صورت میں وہی اچھا برا خیال کیا جاتا ہے۔ کسی وقت و مقام سے ایک فعل محمود اور اس کی تبدیلی سے پھر وہ محمود (اچھا) نہیں رہتا بلکہ بالعکس مذموم (برا) شمار کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خیر و شر کے تصورات کی تجدید کی ضرورت اخلاقیات کو پیش آتی رہتی ہے۔ اور اس قسم کے تصورات کا تغیر زمانی (زمانے کی تبدیلی) کے ساتھ تغیر پذیر ہونا اور ترقی پانا یا ان کے عدمِ تغیر وغیرہ کی نسبت کافی تحقیق و ثبوت

اسے مہیا کرنا پڑتا ہے۔

اخلاقیات انسان میں حیات اخلاقی کا نمایاں شعور ظاہر کرتی اور وہ تصوراتِ اخلاقی جن کی مروجہ رسم ورواج نے تشکیل دی ہے۔ان کی صحت وسقم (کمزوری) کے جانچنے اور پرتالنے کے لئے معیار معین کرتی ہے، منتہائے اصول اخلاق کی تفہیم (سمجھ بوجھ) یا قواعد اخلاق کے ترک و اختیار کرنے کا صحیح مشورہ اور انسانی میلانات وافعال کی تنقید، اعمال انسانی کی نوعیت کا اظہار اور حیات انسانی پر کردار کی نوعیت اثر، عزم انسانی کی رہبری۔ وجود اشیاء کی دلیل اخلاقی کی سراغرسی اور اس قسم کے اشیاء کی قدر ومنزلت کا تعیین جن کا انحصار انسان کے ارادہ پر ہے، تشکیل حیات انسانی کی نوعیت اور انضباط افعال انسانی، یہ جملہ فرائض اخلاقیات ہی انجام دیتی ہے۔ اخلاقیات ہی کی تعلیم سے انسان مقصد حیات کا تعین کر سکتا ہے، وہ سمجھتا ہے کہ اس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے کتاب حیات کے اجزاء کو کس طرح ترتیب دینا چاہیے۔ اور افعال کے سلسلہ کو کس طرح مسلسل بنایا جائے تاکہ حصولِ مقصد میں کوئی رکاوٹ باقی نہ رہے۔

حقائقِ اخلاق

افلاطون اور خاص کر ارسطو نے حقائقِ اخلاق پر غور وخوص کی ابتداء کی ہے، اس کے یہ معنی نہیں کہ ان دونوں میں سے کوئی اخلاقیات کا موجد ہوا ہے، نہیں اس سے بہت پیشتر ذہن انسانی افعال کی تنقید، خیر وشر اور اخلاقی غیر اخلاقی افعال میں امتیاز کرنے کا خوگر ہو چکا تھا۔ واقعات و مواد کو یکجا کر کے ان کے اسباب و محرکات کی نوعیت کو عقل بشری نے معلوم کرنے کی کوشش کی، مثلاً قتل وخونریزی، رہزنی، غارتگری۔ یہ افعال کیوں اچھے نہیں، دروغ گوئی کس لئے مذموم ہے، صداقت اور راستی کس بنا پر اچھی ہے۔

ذیل کے خیال سے فلسفہ اخلاق کا یونان میں آغاز ہوا۔ ایک خیر برتر جلوہ گر ہے۔ جس کے تجسس (تلاش) میں انسان سراسیمہ پڑا رہتا ہے، اس خیر برتر کی حیثیت ذریعہ و آلہ کی سی نہیں، یعنی یہ کسی اور شے کے حاصل کرنے کا ذریعہ نہیں۔ بلکہ اس خیر برتر کی حیثیت ایک مہتم بالشان مقصد کی ہے۔ یہ ایسا مقصد وحید ہے۔ جسے عمل کے ذریعہ سے انسان پا سکتا ہے۔ اس کے حاصل کرنے کے لئے افعال انسانی کی تنظیم کی ضرورت ہے۔ یہ خیر مسرت کے نام سے نامزد کی جاتی ہے۔ جسے

کردار انسانی بہ طور ایک اعلیٰ مقصد کے جن کے تمام اغراض و مقاصد تابع ہیں۔ حاصل کرنے کی خواہشمند ہے۔ اعلیٰ سے اعلیٰ اور بڑی سے بڑی انفرادی مسرت انتہائی خیر ہے۔ اسے ماننے کے بعد یونانی فلسفہ اخلاق نے یہ اہم استفسار پیدا کیا کہ اعلیٰ سے اعلیٰ انتہائی مسرت کون سی ہے، کیا ہے، اور اس کے حصول کے امکانی ذریعے کیا کیا ہیں۔ اس کے جوابات مختلف طور پر دیئے گئے۔

علم صداقت

سقراط کہتا ہے کہ بڑی سے بڑی مسرت "علم صداقت" میں مضمر ہے۔ علم وہ نیکی ہے، جو بہ امعان نظر (گہرے) مطالعہ سے کسب کی جاتی ہے۔ سقراط اس امر کی تعلیم دیتا تھا۔ کہ کوئی شخص جب تک اس کو علم نہ ہو جائز عمل و ناجائز طریقہ کا استعمال عمداً نہیں کر سکتا اگر ایسا شخص کسی فعل ناروا کا مرتکب ہوتا ہے۔ تو اس کا سبب محض عدم علم ہے۔ کیونکہ وہ اس سے بالکل ناواقف ہے۔ کہ صاف اور سیدھا راستہ کون سا ہے، ذی ہوش و ذی عقل شخص ہی نیک کردار اور مسرت حاصل کر سکتا ہے۔ کیونکہ وہ مقصدِ عمل سے بخوبی آشنا ہے اور حقیقتہً یہ علم ہی اعمالِ انسانی کا مقصد اعلیٰ اور فضیلت و نیکی کے ہم معنی ہے، مگر فضیلت و عدل، علم و فکر کی شرکت کے بغیر محض تربیت و عادت کی بناء پر حاصل ہوں۔ تو یہ طریقہ اس بنا پر چنداں محمود نہیں قرار پا سکتا کہ عمل کی سلسلہ جذباتی علم کے بغیر گھٹا ٹوپ تاریکی میں کسی چیز کے ٹٹولنے کے مساوی ہے اس میں کلام نہیں کہ کبھی اتفاق سے یہ طرز ٹھیک اور سیدھے راستہ پر لگا دیتا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اس طریقہ سے تسکین باطن اور طمانیت خاطر نصیب نہیں ہوتی۔ یہاں پہنچ کر تصورِ خیر کی صحیح تعریف معلوم کرنے کی ضرورت ہے۔

سرمایہ مسرت

افلاطون اور اس کے ہمنوا کہتے ہیں کہ خیر وہ ہے جو سرمایہ مسرت عطا کرتا ہے اور عدل وہ ہے جس کی تحصیل کی انسان میں قوت مخفی و پنہاں ہے، افلاطون کے نزدیک عدل اور خیر رائے سے آزاد اور تصور الہیت کے مماثل ہیں۔ افلاطون نے اپنے نظامِ اخلاقیات کی بنیاد مابعد الطبیعیات پر رکھی اسی کی یہ تعلیم ہے کہ فن کردار، انفرادی اور اجتماعی حیات انسانی میں اس قسم کی ترتیب و موافقت پیدا کرنے کی سعی پر مشتمل ہے۔ جو اس عالم کے صفات اساسی میں داخل ہیں۔ اور اس خیر

برتر سے تشابہ پیدا کرنا، جس سے روح انسانی اپنی حیاتِ ارضی سے پہلے دولتِ نظارہ حاصل کر چکی تھی۔اس کے حصول کے لئے فضائل چہار گانہ کا اکتساب ضروری اور لازمی ہے۔ یعنی (۱) حکمت (۲)، عفت (۳)، شجاعت (۴)، عدالت۔

مقصد حیات کیا ہے؟

مملکت کی تنظیم و تشکیل سے عدل پایۂ تکمیل پر پہنچتا ہے۔ان فضائل چہار گانہ میں مقدم الذکر یعنی حکمت اور مؤخر الذکر یعنی عدالت" انہیں دو فضیلتوں کی بہت زیادہ اہمیت ظاہر کی گئی ہے۔اور کہا گیا ہے کہ سب سے بڑھ کر حکمت اور عدل کے مطابق انسان کو عمل پیرا ہونے کی سخت ضرورت ہے۔ مغربی فاضل آگسٹے کامٹ کا بیان ہے کہ ارسطا طالیس حقیقت پسند مفکرین کا سرخیل اپنی اخلاقیاتی تحقیق کی ابتداء افلاطون کے اس سوال سے کرتا ہے کہ انسانی زندگی کا اعلیٰ اور انتہائی مقصد و غایت کیا ہے۔ کون سی انتہائے خیر کے حاصل کرنے کی خواہش ہے۔اس کی تعلیم کا خلاصہ یہ ہے کہ تمام اعضاء والی ہستیوں میں صرف ایک انسان ہی ایسی ممتاز و نمایاں ہستی ہے کہ جو احساس و خواہش کے علاوہ عقل بھی رکھتی ہے۔ تنزیل اس کی حیوانیت سے ہمدوش ہے اور اس کی عقل و فہم خدائے برتر سے تشابہ رکھتی ہے۔ حیوانی اور عقلی قوتوں کی قربت و اتصال سے انسان اخلاقی ہستی بن جاتا ہے۔اس لئے کہ حیوانی و عقلی عنصروں کے اتحاد و ہم آہنگی ہی اخلاق کے نام سے موسوم ہے۔ محض تخیل کی بستیاں بسانے والے پر اخلاق کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ حقیقی طور پر اس کا مصداق وہ شخص ہو سکتا ہے جو فکر کے ساتھ تدریجاً سراپا عمل ہو، اور خواہشات و ترغیبات سے متاثر ہوتا ہو اس لئے صراطِ مستقیم کے اختیار کرنے کے لئے اسے قوت تمیزی۔ عقل اور عزم آزاد کو خیر عمل میں لانے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اخلاقی فضائل عزم و عقل انسانی کی موافقت و اتحاد سے وجود میں آتے ہیں۔ اور انہیں مسرت، انتہائی خیر، یا مقصد حیات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

فضیلت نتیجہ عقل ہے

سقراط فضیلت کی نسبت کہتا ہے کہ یہ عادت و تربیت کا ماحصل نہیں، بلکہ نتیجہ عقل ہے جس کی بناء پر حکمت عملی اور اخلاقی بصیرت پر قائم ہوتی ہے۔ مگر ارسطو کی نظر میں مشق و مزاولت

(کثرت تجربہ) عادت و تربیت، کی ایک خاص اہمیت ہے اور ان کا ہونا ضروری ہے۔ ارسطو کے نزدیک اخلاقی فضائل مخصوص و معین عادات کے نتائج ہیں جو عقل و حکمت کی رہبری کی بدولت رونما ہوتے ہیں۔ سقراط کا خواہش کے مقابلہ میں عقل کو مرجح (قابل ترجیح) اور غالب قرار دینا، زینو کی تعلیم کا مرکز اور مبداء ہے۔ سقراط کے اسی خیال سے دانشور زینو نے متاثر ہو کر یہ خیال پیدا کیا کہ نیکی میں شانِ احتیاج نہیں، وہ ہر شے سے بے نیاز ہے۔ ایک دانشمند فقیروں کے سے پھٹے پرانے کپڑوں میں مست رہتا ہے۔ ترکِ مطلب سے بے نیازانہ طور پر نہایت سادہ اور آزاد زندگی بسر کرنے کا خوگر ہوتا ہے۔ اس لئے کہ وہ جانتا ہے کہ فطرت کی تبدیلی اس کے بس کی بات نہیں۔ اس قسم کا یقین اسے فطرت کی متابعت کی دعوت دیتا ہے اور وہ بطیبِ خاطر فطرت کے سامنے سر تسلیم جھکا کر اسی کا متبع بن جاتا ہے۔ بخلاف ایک سفیہ (کم عقل) اور نادان کے کہ وہ اپنی جہالت اور نادانی سے بے سوچے سمجھے بات بات پر فطرت سے لڑتا جھگڑتا اور آخر میں ہار جھک مار کر اور اپنے میں تاب مقاومت (مقابلہ) نہ دیکھ کر مجبوراً فطرت کے روبرو اپنے ہتھیار ڈال دیتا ہے۔

مسرت ہی مسرت

رواقیین (یونان کے گوشہ نشین) کسی چیز سے اثر نہیں لیتے۔ وہ اس بات کے قائل ہیں کہ احکام فطرت کے مطابق قیام اشیاء ہوتا ہے۔ اور اسی کو تقدیر کہتے ہیں۔ ابیقوریین (یونانی مفکر مسمی ابیقور کے معتقد) کا ماحصل تعلیم یہ ہے کہ حیات انسانی کی انتہائی غایت اور مقصد جو بھی ہے وہ صرف مسرت ہی مسرت ہے۔ اس اکتسابِ مسرت میں عقل معین و مددگار ہوتی ہے۔ اور یونانی فلاسفہ کے مثل اخلاق و مسرت کے مماثل ماننے میں یہ بھی انہیں کے ہم خیال ہیں۔ اور نیز فن کردار کی نسبت یہ تسلیم کرنے میں بھی ان کے ہم نوا ہیں۔ کہ اطمینان اور سکون کی نوعیت تحصیل کی تعلیم فن کردار سے حاصل ہوتی ہے۔ صحیح طریقہ پر کسی شخص کی غرض و غایت اور دلچسپی معلوم کرنا اس طبقہ کے نزدیک معیار اخلاق بس یہی ہے۔ لذت کی خواہش پر اور خلاف فطرت عمل اختیار کرنے پر قربانی اور ایثار منحصر نہیں۔ بلکہ حقیقتہً ایثار اور قربانی یہ دونوں کے دونوں فکر و غور کے ماحصل اور اسی کے نتائج ہیں۔ ذی فکر ہستی ہونے کے لحاظ سے مستقبل کی آنے والی لذائذ سے بہرہ ور ہونے کے لئے انسان موجودہ لذات سے دستکش ہو سکتا ہے۔ قیام پذیر، عسیر الفنا (بہ مشکل فنا ہونے

والے) طمانیت و سکون اور لذائذ ذہنی جن سے کارگاہ حیات کے آلام و مصائب انقلاب کے وحشتناک منظر انسان کی نظر میں ذرا بھی نہیں پہنچتے، انہیں ذہنی لذتوں کی ڈھارس سے معرکۂ حیات میں ثابت قدم رہ کر کڑی سی کڑی مصیبت کا مردانہ وار یہ مقابلہ کیا کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان دیرپا ذہنی لذتوں کے سامنے سریع الفنا (جلدی سے مٹ جانے والی) لذتیں بالکل بے حقیقت اور سراسر فریب نظر سے زائد نہیں۔

عقل کی نگرانی

خواہش لذت کے لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ اسے عقل کی نگرانی اور اسی کی زیر دستی میں رکھا جائے۔ اس بنا پر کہ بعض اوقات لذتوں کا سلسلہ الم آفرین فضا کی جانب لے جاتا ہے۔ عقل کی نگرانی میں اس قسم کی بے راہ روی کا احتمال باقی نہیں رہتا۔ جسم کی صحت، نفس کا سکون، اور اس سے مسرت وانبساط کا پایۂ تکمیل پر پہنچنا یہ سب باتیں اسی طریقے کے برکات اور اسی کے نتائج ہیں، مہذب انسان کے لئے منازلِ حیات کا اس طرح قطع کرنا کہ اصولِ حیات دانش آموزی اور عزت وعدل کی فضیلت سے یکسر خالی ہوں قطعاً ناممکن ہے۔ اسی طرح محض عزت وعدل کی زندگی بسر کرنا۔ جس میں لذت کا شائبہ تک نہ ہو یہ بھی غیر ممکن اور محال، گریزپا اور زوال پذیر اذیت و تکلیف برداشت کرنا دوامی لذائذ سے متمتع ہونے کا انسان کو مستحق بنا دیتا ہے۔ ایسی سکون آفرین اور اطمینان بخش کیفیت جو زندگی کی دشواریوں، اذیتوں اور تلخیوں سے انسان کو بچاتی ہے ابیقوریئین لذت سے یہی مراد لیتے ہیں۔ اس قسم کے احساسات حاشاان کے مطمح نظر نہیں جو گزرنے میں دھوپ چھاؤں سے زیادہ گریزپا ہیں۔

فلسفہ کے بعد مذہب

فلسفہ کی دقیقہ آفرینیاں جب روح انسانی کے لئے سرمایۂ طمانیت فراہم کرنے سے عاجز آ جاتی ہیں تو مذہب تسلی اور تسکین کا اندوختہ لئے ہوئے سامنے آتا ہے۔ اور فلسفہ کو ہٹا کر اس کی جگہ اپنا کاروبار پھیلا دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ادوار پیشین (پہلے زمانوں) میں قدیم یونانی فلاسفہ کی جگہ عیسائی اولیاء کی مسندیں بچھی نظر آتی ہیں۔ مسیحیت نے کوچہ فکر میں جس قسم کی کایا پلٹ کی نوع انسانی کے کارناموں میں وہ ایک خاص اہمیت رکھتی ہے۔ اس انقلاب فکر کے سامنے یونانی نظریوں

کی کچھ پیری نہ چل سکی۔ اخلاقیات کا چشمہ ملحدانہ خس و خاشاک سے پاک و صاف کر دیا گیا۔ اس کو دانشور جرمنی نطشے نے تجدید قدرت سے تعبیر کیا ہے۔

روح کی فرمانروائی

عیسائیت کو نظر غائر سے دیکھنے پر ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے جو تعلیم دی وہ ایک حد تک یہودیوں کی تعلیم کا نشر و احیا تھا۔ اس سے یہ ہوا کہ مغربی فضا قدیم زمانہ کے نظریات اخلاق سے گونج اٹھی، یہودیوں کی اخلاقیات کی عمارت دینیات کے ستونوں پر قائم تھی۔ اور اس کی بنیاد مذہبی رنگ کے اصول پر یہودیت نے آئین و قانون، تنظیم الٰہی کا خلاصہ، ماحصل، نتیجہ، یا اوامر ایزدی (احکام خداوندی) کی تعمیل مفہوم اخلاق کو قرار دیا تھا۔ اور اسی بناء پر یہ خیال پھیل گیا کہ کردار انسانی کی رہبری کے لئے زبانی وضع کردہ آئین و قواعد کی پیروی لازم و واجب ہے۔ از روئے اخلاق جس شے پر خیر کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ اس سے خدائے عزوجل خوش ہوتا ہے۔ یا آئین خداوندی اور قانون اخلاقی یہ دونوں ایسے توام تصورات ہیں۔ کہ جن میں باہم جدائی نہیں ہو سکتی خلاق مطلق کی محض نسبت آفرینش ہی کسی شے کی اچھائی کا سبب نہیں، بلکہ خود اس شے کا اچھا ہونا ہی اس کی پیدائش و آفرینش کا سبب قوی ہے، چونکہ وہ شے خود اچھی تھی۔ اس لئے وہ پیدا کی گئی۔ اس لئے کہ ایک عنصر قوی، ایک مرکز زبردست ایک ہمہ گیر مقصد، ایک عالمگیر مدعا جو بھی ہے۔ وہ صرف اخلاق ہی ہے، جرمن فلسفی ہرمن بوٹزے کا قول ہے۔ کہ عمل اجتماعی اور رد عمل اس سے اقتدار اخلاقی کے شعور میں نمایاں بالیدگی ظاہر ہوتی ہے۔ یہودیت اسی اقدار کو ایزدی عزم و ارادہ کی صورت میں دیکھنا پسند کرتی ہے۔ یعنی یہودیوں کے مسلک میں یہی اقتدار ربانی ارادہ کی ماہیت میں دکھائی دیتا ہے۔ اس اقتدار کی متابعت اختیار کرنے کے لئے ربانی الاصل سلطنت کے زیر سایہ بسر کرنے والی قوم اور افراد قوم کا میلان باطنی اور عمل خارجی ان سب کی ضرورت ہے۔ اس کے اصول اساسی جن کے واسطے عدل و نیکوکاری اختیار کرنا لازمی ہے۔ وہ تین ہیں۔ محبت الٰہی، محبت مخلوق باری۔ اطاعت اوامر ایزدی، حیات انسانی کی غایت اصلی اور مقصد انتہائی کیا ہے۔ ذات انسان کا درجہ کمال پر فائز ہونا اور اس مقصد کی تکمیل کا سامان کیا ہے۔ فطری قوتوں کا استعمال صحیح، جس کا مآل مسرت سے ہم آغوشی ہے۔ یونانی اخلاقیات کی تعلیم کا ماحصل اور خلاصہ یہی ہے جو نظر سے گزرا۔ لیکن مسیحی

اخلاقیات نے خواہشات فطری و جسم کو پست و فروتر قرار دیکر ان دونوں پر روح کی فرمانروائی قائم کی اور اس تعلیم کا نتیجہ یہ نکلا کہ خواہشات فطری اور جسم پر روح کو غالب رکھنے کی دھن میں حیات فطری اور اس کے اغراض و مقاصد سے طبیعتیں بیزار ہونے لگیں، عزلت گزینی اور خواہشوں کے ترک کرنے کی نسبت میلان و رجحان نے قدم بڑھایا۔ تجرد (بے شادی رہنا) رہبانیت، مرتاضیت (سخت ریاضت و عبادت)، کے اعتکاف کی طرف لوگ جھک پڑے اور یہاں سے لے کر وہاں تک حیات فطری ریاضتوں کا نصب العین بن کر رہ گئی۔ اکتساب روحانیت کے جوش و خروش سے عبادت گاہوں کے خلوت کدے ہر وقت معمور رہنے لگے۔ اور اس ہر وقت کی ریاضت نے آگے بڑھ کر ایک یہ نئی اپج پیدا کی کہ طبعاً انسان معصیت (گناہ) میں گرفتار رہے۔ اس کی ذاتی جدوجہد انتہائی خیر کی بلندی تک اسے نہیں پہنچا سکتی۔ بلکہ انسان پر اس کے فطرتاً گناہ گار ہونے کی وجہ سے ابواب نجات بالکل مسدود ہیں۔ اس کی نجات محض رحمت باری ہی اسے مرحمت سے ہی ہو سکتی ہے۔ یا کبھی اتفاق سے اسے عطائے جزیل کو کلیسا کا اقتدار روحانیت بھی عنایت کرتا ہے۔ اسی قسم کے خیال نے عیسائیت کی تعلیم اصلی اور اس کے نظریات کو پایۂ اعتبار سے گرایا اور لطف یہ کہ گھر والے ہی اس کی تضحیک و تذلیل کے باعث ہوئے، موجودہ عیسائیت اور فکر و عمل میں حسن اخلاق کے نشو و نما سے غافل اور رسوم ظاہری کی بندشوں میں پھنسی ہوئی ہے۔

(مولانا سید ابو القاسم سرور دار الترجمہ عثمانیہ حیدر آباد)

اصول اخلاق

موضوع علم اخلاق انسان کے ایسے افعال ارادی ہیں جن کا تمدنی حالت میں شخصی، اہلی یا نوع زندگی پر اثر پڑتا ہے۔ یہ اثر اکثر محض بقاء زیست کے لئے ہے تو معاملت میں اور اگر زندگی کی برتری کی غرض سے ہے تو معاونت میں اس سے بحث کی جاتی ہے۔ موضوع علم اخلاق اس وقت نمایاں ہوتا ہے جب افراد انسانی کی ایک جماعت راحت کے ساتھ زندگی بسر کرنے اور عمر طبعی پر پہنچنے کی غرض سے ایک جگہ جمع ہو کر مصاحبت، معاشرت اور معاملت میں مصروف ہو۔ تمدنی زندگی کے درپے ہو۔

راحت

کسی شخص واحد کے دماغ میں صرف عمر طبعی کو راحت کے ساتھ بسر کرنے کا خیال ہوتا

ہے۔ لیکن مصاحبت اور معاملت کی حالت میں ارباب صحبت کا پاس خاطر ملحوظ ہوتا ہے معاملات لاحق ہوتے ہیں۔ اور بیوی بچہ کی فکر ہوتی ہے۔ اس سے شخصی آزادی محدود ہو جاتی ہے۔ اور انسان کی جسمانی، عقلی اور اخلاقی آزادی پر پابندیاں عائد ہو جاتی ہیں۔ ان پابندیوں کے پیش نظر علم اخلاق کا کلیہ یہ قرار پاتا ہے کہ حیات سہ گانہ کی بقاء و برتری اور اس کے رقبہ کی وسعت کی غرض سے ہر شخص کے افعال ارادی کو مصاحبت اور معاملت کی حالت میں اس شرط کے ساتھ کمال آزادی نصیب ہو کہ وہ خود دوسروں کی آزادی میں خلل انداز نہ ہونے پائے اور ہر شخص کو ناانصافی اور رحمی سے پرہیز ہو۔

ہر شخص کے ایسے افعال ارادی جن کا اثر فاعل کی ذات پر پڑتا ہے۔ نافع للذات (مفید ذات فاعل) ہوتے ہیں اور وہی افعال جب دوسروں کے لئے مفید ہوں نافع للغیر (دوسروں کے لئے فائدہ رساں ہوتے ہیں۔ انسان راحت پسند اور صحبت پسند دونوں ہے۔ اور اسی سبب سے اس میں استیثار اور ایثار دونوں طبعی طور پر موجود ہیں اس سبب سے استیثار اور ایثار کا اثر انسان کی زندگی پر پڑتا ہے۔ افعال ارادی کا ان پر مدار ہے۔ مصاحبت اور معاملت میں استیثار اور ایثار ایسے شریک ہیں کہ ایک کو دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ ہم یہاں اس امر کو واضح کر دینا چاہتے ہیں۔ کہ جو لوگ ایثار کو ترک کر کے استیثار مفرط (حد مناسب سے زیادہ ایثار طلبی) سے کام لیتے ہیں۔ وہ خود ورطۂ ہلاکت میں پڑ کر قوم کا مغز خالی کر رہے ہیں۔ اسی طرح جو اشخاص استیثار معتدل پر ایثار مفرط کو ترجیح دیتے ہیں۔ وہ بھی اپنی ذات کو کمزور کرتے ہیں۔

انسان کے فرائض

سطور بالا میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے۔ اس کا ماحصل یہ ہے کہ انسان کے افعال ارادی کا اثر بقاو ترقی زیست اور اس کے رقبہ پر پڑتا ہے۔ علم الاخلاق کا موضوع بھی الانسان کے افعال ارادی ہیں۔ اس علم کی علمی غرض ایسے اصول کا وضع کرنا ہے۔ جن میں افعال ارادی سے بحث کی جائے۔ اور اس کی عملی غرض یہ ہے کہ انسان میں ایسا ملکہ راسخہ پیدا کیا جائے جس سے مصاحبت اور معاملت کی حالت میں طبعی طور پر اس سے مفید افعال ارادی صادر ہوں۔ اور برے فعلوں سے پرہیز کرنے لگے۔ اخلاق کو نمایاں درجہ دیا جائے۔ تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس علم سے غرض یہ ہے کہ انسان کو

اپنے نفس کی حقیقت کا علم ہو۔ اور اس بات کا کہ کس فعل سے نفس کو فائدہ پہنچتا ہے اور کس سے نقصان۔ نیز یہ کہ کن افعال ارادی کی نفس کو ضرورت ہے۔ اور اس پر کیا واجب ہے۔

سیاست منزلی۔ سیاست مدنی

ہم بیان کر چکے ہیں کہ انسان کے افعال ارادی کا اثر خود اس کی ذات پر یا دوسروں پر پڑتا ہے۔ جب افعال انسانی کا تعلق خود اس کی ذات سے ہو تو ان کا نام علم اخلاق ہو گا اور جب دوسروں سے ہو تو افعال انسانی کو دو حصوں میں تقسیم کریں گے۔ جس حصہ کا تعلق ایک مکان سے رہنے والوں سے ہو گا۔ اسے علم خانہ داری یا تدبیر منزل کہیں گے۔ اور جب یہ تعلق ایک شہر، ایک ملک، یا ایک مملکت سے ہو گا تو علم مملکت داری یا سیاست مدن سے تعبیر کریں گے۔ شخصی، اہلی اور نوعی زندگی بھی یہی ہے۔

علم اخلاق کے تین حصے

حکماء مغرب نے علم اخلاق کو تین حصوں میں تقسیم کر کے علم الاعتدال، علم العدل اور علم الاحسان، نام رکھا ہے۔ انہوں نے علم الاعتدال میں انسان کے ان افعال ارادی سے بحث کی ہے جن کا فاعل کی زندگی پر بلاواسطہ اور دوسروں پر بالواسطہ اثر پڑتا ہے۔ علم العدل میں وہ افعال ارادی معرض بحث میں لائے گئے ہیں جو حالت معاملت میں دوسروں کی زندگی پر بلاواسطہ اور فاعل کی زندگی پر بالواسطہ اثر ڈالتے ہیں۔ علم الاحسان میں بھی وہ افعال ارادی زیر بحث آئے ہیں۔ جو دوسروں کی زندگی پر بلاواسطہ اور فاعل کی زندگی پر بالواسطہ اثر انداز ہوتے ہیں۔ ایک ایسی کتاب جس میں مشرقی اصول اخلاق بیان کئے گئے ہوں، تمام و کمال مغربی اصول کی حامل نہیں ہو سکتی۔ لیکن وہاں کے کلیات کا مختصراً بیان کر دینا خلاف موقع نہیں۔

علم الاعتدال

(۱) انسان کی تندرستی کے لئے صاف ہوا۔ خالص پانی، قوت بخش اور زود ہضم خوراک ضروری ہے۔

(۲) مکان، لباس اور وضع کے باب میں انسان کو بہ نسبت زینت کے فائدہ کا زیادہ خیال رہے۔ عورتوں کو زیور کی چنداں ضرورت نہیں۔

(۳) انسان کی زندگی رذائل سے پاک اور فضائل سے پُر ہو۔ اس غرض کے حاصل کرنے کے لئے ان علوم کا اکتساب مستحسن ہے جو بقاء زیست اور اس کی برتری کے لئے ضروری اور قوائے ظاہری وباطنی کی ترتیت واصلاح کے لئے لازمی ہے۔

(۴) اچھی بیوی کے بغیر اہلی زندگی کا کوئی وجود نہیں۔ پس انسان وقت پر عاقلہ، عالمہ اور عاملہ عورت کے ساتھ شادی کرے۔ اور دونوں فرائض معاشرت کو کامل طور پر ادا کرتے رہیں بقاء قومی کے لئے اولاد کی تعلیم والدین پر فرض عین ہے۔

علم العدل

(۱) انسان کو ایسے کام نہ کرنا چاہئے جس سے دوسرے شخص کو روحانی یا جسمانی صدمہ پہنچے۔

(۲) انسان کو دوسرے کی نقل وحرکت اور اس کی آزادی میں خلل نہ ڈالنا چاہئے۔

(۳) انسان کو آب وہوا، روشنی اور دوسرے وسائل فطریہ کے حاصل کرنے میں کسی کا خلل انداز نہ ہونا چاہئے۔

(۴) انسانیت سے بعید ہے کہ کوئی شخص کسی کی منقولہ وغیر منقولہ مملکت پر اس کی اجازت کے بغیر قابض ومتصرف ہو۔

(۵) ہر شخص کو اس امر کی آزادی ہو کہ اپنے مال کے عوض جس طرح مناسب سمجھے کوئی شے حاصل کرے۔

(۶) ہر ایسے پیشہ اور ہنر کے حاصل کرنے میں انسان کو آزادی تامہ حاصل ہو جس سے وہ آرام کے ساتھ زندگی بسر کر سکے۔

(۷) ہر شخص کو یہ آزادی ہو کہ اس کے اور خدا کے درمیان جس قسم کا تعلق ہے اور جو عقیدہ اس کے نزدیک صحیح ہے۔ اس کے اختیار کرنے کا مجاز ہو۔

(۸) اس شرط کے ساتھ کہ دوسروں کی دل آزاری نہ ہو۔ ہر شخص کو تحریر وتقریر کے ذریعہ سے اپنے مافی الضمیر کے اظہار کا حق ہو۔

(۹) عمر طبعی پر پہنچنے اور آرام سے زندگی بسر کرنے کی غرض سے جن افعال پسندیدہ کا مردوں کو حق ہے عورتوں کو بھی حاصل ہو۔

(۱۰) والدین اولاد کے لئے ایسے اسباب فراہم کریں جو اس کے زندہ رکھنے والے اسباب کے لئے ضروری ہوں۔ اور اس کو قوم کا مفید فرد بنائیں۔ اسی طرح اولاد پر واجب ہے کہ اپنے مقاصد کی تکمیل کی غرض سے والدین پر اتنا بار نہ ڈالے کہ وقت سے پہلے ان کی موت کا پیام ہو۔

(۱۱) آزادی محدود کے ساتھ تمام افراد ملک کو حقوقِ مساوات حاصل ہوں۔

علم الاحسان

(۱) احسان سلبی کا تقاضا یہ ہے کہ کثرت سرمایہ یا وفور استعداد کے باعث آزاد کمزوروں سے مقابلہ نہ کیا جائے اور نہ اپنی اور اپنے متعلقین کی بہبود کی خاطر بنی نوع کی بہبود کو فراموش کر دیا جائے۔

(۲) ایسے اسباب کے پیدا ہونے پر جو معاہدہ کرنے والوں میں سے کسی ایک فریق کے علم و اختیار سے باہر ہوں اور وہ تکمیل معاہدہ سے فی الواقع معذور ہو جائے تو فریق ثانی پر لازم ہے کہ جو فائدہ اسے حاصل ہوتا ہوا اس سے دست بردار ہو جائے۔

(۳) نااہل کی مدد اہل سے دریغ کرنے کے برابر ہے۔

(۴) جب کسی مجلس میں ایسے لوگ جمع ہوں جن کی استعداد علمی و عملی میں فرق ہو تو صاحب کمال کی فضیلت کا تقاضہ یہ ہونا چاہئے کہ اپنی برتری کا اظہار کر کے دوسروں کی دل آزاری نہ کریں۔ اس قسم کے ناشائستہ تفاخر سے معاشرت معتدلہ میں فرق آتا ہے۔

(۵) انسانیت سے بعید ہے کہ نسبتاً پست لوگوں کو ملامت کی جائے۔ اگر ملامت کی حالت ہو تو بھی زیردست کی دلآزاری نہ ہونے پائے اور صرف اس طرح اور ایسے موقع پر کی جائے کہ زیردست آئندہ اس فعل سے احتراز کرے۔ اور اس کے رویہ کی اصلاح ہو۔

(۶) نیکوکار کے اعمال کی تعریف اعتدال کے ساتھ کی جائے اور اس پر حاشیئے نہ چڑھائے جائیں۔ کیونکہ خلاف واقعہ تعریف سے حق پوشیدہ ہو جاتا ہے۔

(۷) مرد کا فرض ہے کہ عورت (بیوی) کی تمام فطرتی و عشرتی مشکلات میں اس کی امداد کرے۔ اور جو کام اس کے مکان میں ہو اس سے انکار نہ کرے۔ اسی طرح عورت کو بھی

غیر مناسب استیثار سے پرہیز کر کے شوہر کی زندگی اور اس کے آرام کی خیر منانی چاہئے۔ ان اغراض کی تکمیل میں جو کوشش اس کے امکان میں ہو۔ اس سے مضائقہ نہ کیا جائے۔

(۸) ولادت کے بعد اولاد کی پرورش اور تعلیم و تربیت والدین کے ذمہ ہوتی ہے۔ لیکن فرط محبت سے اولاد کو اس قدر ناز پروردہ نہ بنا دیا جائے کہ اس کا شمار قوم کے افراد ناقصہ میں ہونے لگے۔

(۹) گھر والوں میں سے کوئی بیمار ہو جائے۔ یا اس پر کوئی مصیبت نازل ہو تو اس کا علاج و دفیعہ کرنا باقی لوگوں کا فرض ہے۔ تاکہ وہ پھر کام کرنے کے قابل ہو جائے۔ لیکن مریض اور آفت رسیدہ کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ خاندان بھر کو اپنی ناز برداری پر مجبور کر کے دوسروں کی دولت، قوت اور وقت کو برباد کرے۔

(۱۰) اگر کوئی شخص کسی کمزور پر کسی قسم کا ظلم کرے تو مظلوم کی حمایت کی جائے۔ اس اثر کے پیدا ہونے کے بغیر قوم کی حالت درست ہونا محال ہے۔

(۱۱) ایسے مستحقین کی مالی امداد کی جائے۔ جن کا وجود قوم اور نوع انسان کے لئے مفید ہو اور قرض بھی ایسے ہی لوگوں کو دیا جائے۔ جو مفید کاموں میں صرف کرتے ہیں۔

(۱۲) خیرات جو احسان ثبوتی کی ایک قسم ہے۔ شخصی فعل کہی جا سکتی ہے۔ یہ ایسے لوگوں کے ساتھ کی جائے جو غیر اختیاری اسباب کی وجہ سے اس کے محتاج ہوں اور اس کے ذریعہ سے قوم کے مفید افراد میں شمار کئے جانے کے خواہاں ہوں۔

(۱۳) ہر فردِ معاشر پر اس امر کا لحاظ ضروری ہے کہ معاشرت میں فرحت کا مجموعہ اذیت کے مجموعہ سے زیادہ ہو۔ لیکن اس کوشش میں اس قدر مستغرق نہ ہو جانا چاہئے کہ رذالت کی کثرت ہو جائے۔

(۱۴) احسان سیاسی کے لئے ضروری ہے کہ ہر شخص راست گفتار اور راست کردار ہو اور فرقہ حاکمہ کی راست کاری پر نگاہ رکھے۔

بدی کا وجود

اخلاق نیکی اختیار کرنا اور بدی سے بچنا ہے۔ اس سلسلے میں سوال پیدا ہوتا ہے۔ بدی کیا ہے۔ کیوں ہے؟ ایک جدید تعلیم یافتہ نوجوان نے یہ سوال کیا، اس کا جو جواب ایک فاضل نے دیا۔ وہ درج ذیل ہے۔

سوال:۔ دنیا میں بدی کے وجود کی علت کیا ہے؟ اس کے قطعاً نا محبوب ہونے میں تو کسی کو کلام ہو نہیں سکتا...... کلام الٰہی میں مسلسل اس سے بچنے کی تاکید ہے اور یہ ایک نا قابل انکار حقیقت ہے کہ ہر شے کا وجود اسی مختار کل کے علم و مرضی سے ہے۔ جب بدی کا وجود بھی اسی کی علم و مرضی سے ہے۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کے پیدا کرنے میں کیا مصلحت ہو سکتی ہے؟ ایسی ایمان شکن چیز جب خود ہی پیدا کی تو پھر اس میں مبتلا ہونے پر ہم کیوں موردِ الزام ٹھہریں...... مذہبی نقطۂ نظر سے ایسے سوالات کا حل تو یہی ہوتا ہے کہ خدا کی باتیں خدا ہی جانے، اور عقلاً ذات باری کے اسرار و مصالح سمجھنے کی کوشش پر اکبر مرحوم یہ یاس انگیز سبق دیتے ہیں۔

جو سمجھ میں آ گیا پھر وہ خدا کیوں کر ہوا
ذہن میں جو گھر گیا لا انتہا کیوں کر ہوا

ہر چند کہ یہ مضمون پامال ہے لیکن تسلی بخش جواب کے لئے فطرت انسانی ہنوز تشنہ ہے امید ہے کہ آپ اس کا جواب مذہبی نقطۂ نظر سے بھی دیجئے اور عقلی دلائل سے بھی ثابت فرمائیں گے۔

جواب:۔ سوال کے پہلے فقرہ میں لفظ "علت" آیا ہے۔ لیکن یہ یقینی ہے کہ "علت" سے مراد مصلحت، غایت یا حکمت رکھی گئی ہے۔ جیسا کہ آگے چل کر لفظ مصلحت صراحتہً درج ہے۔ بدی کی علت فاعلی تو کوئی پوچھنے والی چیز نہیں۔ ذہن میں سوال یقیناً یہ پیدا ہوا ہو گا۔ کہ قادر مطلق نے بدی آخر پیدا ہی کیوں کی؟ جب ایک شے سے تمام تر رو کنا ہی مقصود تھا تو اسے سرے سے پیدا ہی کیوں کیا گیا؟ آئندہ جو کچھ گفتگو ہو گی۔ وہ سوال کے اسی مفہوم کو پیش نظر رکھ کر ہو گی۔

اشکال نیا نہیں

اشکال جو پیش کیا گیا یہ نیا نہیں ہے۔ خدا معلوم اب تک کتنوں کو پیش آ چکا ہے اور آج سے

پیشتر خدا معلوم کتنے قلم اس کے سلجھانے پر اٹھ چکے ہیں۔ مستحق شکریہ ہیں کہ انگریزی خواں نوجوانوں کی ایک بڑی جماعت کی ترجمانی کر کے انہوں نے مسئلہ کی توضیح کے لئے ایک نیا موقع بہم پہنچادیا۔ لیکن کسی شبہہ کے محض شیوع عام کی بناء پر یہ لازم نہیں آتا کہ اس کی تشنگی فطری بھی ہے۔ غیر طبعی فضا اگر مرض کو عام و عالمگیر بنادے تو یہ نہ ہوگا کہ مرض کو مرض کے بجائے صحت کہنے لگیں۔ مرض مرض ہی رہے گا۔ خواہ مریضوں کی تعداد کتنی ہی زائد ہو جائے۔ بے غوری اکثر ذہن کے سامنے رائی کا پہاڑ بنا کر کھڑا کر دیتی ہے۔ اور التفات تام کے فقدان کے باعث بار ہا یہ ہوتا رہتا ہے کہ جو مسئلے گھنٹوں اور منٹوں میں طے ہو جانے کے ہیں۔ ان کے سلجھانے کے لئے حسن نیت کے باوجود ہفتوں اور مہینوں کی مدت بھی کافی نہیں ہوتی۔

سائل پر سوال

جواب کا مرحلہ بعد کا ہے۔ پہلے یہ قول ایک زندہ عالم و عارف کے ایک سوال خود سائل پر عائد ہوتا ہے۔ سوال حکمت و مصلحت سے متعلق کیا گیا ہے۔ لیکن عرض یہ ہے کہ خود اس سوال کی مصلحت کیا ہے۔ یہ سوال پیش کس غرض سے کیا گیا ہے؟ سوال سے سائل کا مقصود کیا ہے؟ جواب میں کہا جائے گا۔ کہ "تشفی قلب" اب غور اسی پر کرنا ہے۔ کہ آیا جواب سے یہ مقصود حاصل ہونا ممکن بھی ہے۔ بدی کے وجود کی کوئی سی بھی مصلحت عقلی بالفرض بتادی گئی تو آیا ذہن کی تشفی اس سے ہو جائے گی؟ کیا عقل اسی مصلحت عقلی کو سن کر خاموش ہو جائے گی۔ اور کیا بعینہٖ یہی سوال خود اس مصلحت عقلی پر بھی عائد نہ ہوگا۔ کیا اسی تیزی و مستعدی کے ساتھ ذہن یہ سوال نہ کر بیٹھے گا کہ مانا فلاں حکمت وجود بدی کی محرک ہوئی۔ لیکن خود اس حکمت کی کیا حکمت ہے۔ خالق کائنات نے جو بھی مقصود پیش نظر رکھا۔ کیوں رکھا؟ جو بھی مصلحت ملحوظ رکھی، کیوں رکھی؟ خوب غور کر کے اور دل کو اچھی طرح ٹٹول کر دیکھئے۔ کہ آیا کیوں اور کس لئے کا یہ سوال بعینہٖ ہر جواب پر عائد ہو کر نہیں رہتا۔ اور جو طبائع آج بدی کی حکمت کے در پے ہیں۔ کیا کل وہ ٹھیک اسی طرح اس حکمت کی حکمت اور غایت کی غایت کے کھوج میں نہ لگ جائیں گی اور اگر سوالات کا تسلسل یوں ہی برابر اور یکساں قائم رہا تو تشفی کیا حاصل ہوئی۔ اور جب تشفی کا امکان نہیں تو بات وہی رہی جہاں پہلے تھی۔

ذہن کی تشفی

لیکن بالفرض کوئی ایسی صورت ہے جس سے وجود بدی کی مصلحت معلوم ہو جانے پر ذہن کی تشفی ہو جائے اور آئندہ سوالات کا سلسلہ رک جائے تو اس صورت کو ابھی کیوں نہیں اختیار کر لیا جاتا؟

ذہن اگر دو ایک قدم آگے چل کر سکوت و سکون اختیار کر سکتا ہے۔ تو اس سے ایک منزل قبل اس پہلے ہی سوال کے وقت یہ کیوں نہیں لیا جاتا۔ اور دل کو یہ کہہ کر کیوں نہیں سمجھا لیا جاتا کہ جہاں روزمرہ کی زندگی میں چھوٹے بڑے صدہا ہزارہا جزئی واقعات صانع فطرت کے پیدا کئے ہوئے بھی اور انسانی ہاتھوں کے پیدا کئے ہوئے بھی ایسے نظر سے گزرتے رہتے ہیں۔ جن کی علت غائی حیثیت افادی مصلحت وجودی مطلق سمجھ میں نہیں آتی۔ وہاں اس طویل فہرست میں ایک عنوان کا اضافہ اور سہی۔

غرض مقصود سوال سے متعلق جو پہلو بھی اختیار کیا جائے اور جواب سے تشفی ہونے نہ ہونے کی جو شق بھی قبول کی جائے۔ ہر صورت میں نہ سوال نتیجہ خیز معلوم ہوتا ہے اور نہ جواب عقلی کے لئے فکر و کاوش کا کوئی حاصل نکلتا ہے۔

سائل کون ہے؟

اب اس طرف آئیے کہ سوال پیش کس طرف سے ہو رہا ہے۔ کسی مذہبی شخص کی طرف سے یا لامذہب کی طرف سے؟ دو حال سے خالی نہیں یا پہلے کی طرف سے یا دوسرے کی طرف سے، اگر لامذہب کی زبان سے تو وہ ابھی حکیمانہ نظم کائنات ہی کا کب قائل ہے۔ وہ ابھی اسی کا معتقد کہاں ہے کہ عالم اور بانی العالم یا معنی یا مقصد یا مفہوم بھی ہے۔ اس کے نزدیک تو عالم نام ہے منتشر ذرات کے اتفاقی و غیر ارادی اجتماع کا اور ضروری نہیں کہ اس اجتماع کے عقب میں کوئی غایت کوئی مقصد کوئی مصلحت بھی ہو (اگر سائل غایت و مصلحت کا وجود ضروری قرار دے رہا ہے۔ تو ظاہر ہے کہ وہ ملحد نہ رہا۔ بلکہ ایک حکیم صناع کے وجود کا قائل ہو گیا)۔ لامذہب دوہری کی طرف سے سوال حکمت کا پیش ہونا ایسا ہی ہے کہ کوئی شخص فن طب حقیقت ہی کا سرے سے منکر ہو اور لگے کسی خاص طریق علاج کے منافع و مصالح پر بحث کرنے جزئیات پر گفتگو جب ہی ہو سکتی ہے۔ جب پہلے

اصول تسلیم کر لیے جائیں۔

مسلم کا کام

لیکن اگر سائل مومن و مسلم ہے تو ایک بار پھر اسے سوچنا چاہیے کہ سوال سے نتیجہ اور فکر جواب سے حاصل کیا؟ مسلم کا کام احکام کی تعمیل ہے نہ کہ ان کی توجیہہ و تعلیل کی ادھیڑ بن۔ بالفرض مصالح و حکمت عقلی حیثیت سے سمجھ میں بھی آگئے۔ تو اس سے نفع کیا ہوا؟ دین کا یا دنیا کا۔ آخر کون سا نفع اس سوال کے حل ہونے اور راز حکمت کے منکشف ہو جانے پر معلق و موقوف ہے؟ انسانی دماغ کے لحاظ سے بجا ہو یا بیجا۔ بشری عقل کے معیار سے معقول ہونا یا غیر معقول بہر حال و بہر صورت بدی کا وجود تو ہو ہی چکا۔ اب نفع کی چیز اور کام کی بات کون سی ہے۔ آیا بدی سے بچنا۔ یا اس بحث میں الجھنا کہ بدی کا وجود ہوا کیوں؟ مسلم مامور کس چیز پر ہے۔ مسلم کی ترقی مراتب موقوف کس امر پر ہے۔ آیا بدی سے بچنے پر یا نیکی و بدی کا فلسفہ سمجھنے پر؟ ڈاکٹر کا کام یہ ہے کہ انسان جس ہیئت کذائی کے ساتھ جن اعضاء اور جن قوتوں کے ساتھ وجود میں آیا ہے۔ ان میں اگر کوئی خرابی یا بے اعتدالی نظر آئے۔ تو اس کی صلاح میں لگ جائے نہ یہ کہ ان سوالات میں اپنے کو مشغول کر دے کہ اس کی ترکیب یوں کیوں رکھی گئی ہے۔ اس کی ہیئت اور ساخت اسی قسم کی کیوں واقع ہوئی ہے۔ اس کے جسم کی ترکیب میں فلاں فلاں اجزاء کیوں رکھے گئے ہیں۔ و قس علی ہذا کوئی ڈاکٹر ان مسائل پر اگر توجہ نہیں کرتا۔ یا بعد توجہ انکے کسی صحیح حل پر نہیں پہنچتا تو اس سے ان کی حذاقت یا قابلیت فن پر کیا حرف آسکتا ہے؟

غرض سائل جو نسا بھی مسلک اختیار کرے۔ سوال جس طرح اپنی غایت و مقصود کے لحاظ سے بے نتیجہ رہا تھا۔ سائل کے مسلک کے لحاظ سے بھی لاحاصل ہی نظر آتا ہے۔

عقل کا کام

سوال محض سوال ہی نہیں ہے۔ بعض اہم دعووں کا بھی پردہ پوش ہے۔ جواب محض دینی اور اعتقادی حیثیت سے نہیں۔ عقلی و استدلالی حیثیت سے بھی چاہا گیا ہے اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ سائل کے خیال میں عقل ہر مسئلہ کی عقدہ کشائی کے لئے کافی ہے۔ اور عقل بشری، ہر مصلحت ربانی اور حکمتِ الٰہی کا بے تکلف احاطہ کر سکتی ہے۔ لیکن خود یہ مفروضہ کہاں سے ثابت

ہے؟ عقل کی اس ہمہ گیری پر کون سی دلیل عقلی یا نقلی قائم ہے؟

یہ صحیح کہ بدی کے وجود میں حکمتیں اور مصلحتیں ہیں لیکن یہ کیا ضرور ہے۔ کہ انہیں سمجھا بھی عقل ہی کی مدد سے جائے۔ یہ کہاں سے لازم آگیا ہے کہ ہر مسئلہ کی کنہ یہاں تک کہ جو مسائل عقل سے ماوراء ہیں۔ ان کی بھی کنہ عقل ہی کی وساطت سے دریافت ہو سکتی ہے؟ انکار عقل کی قوت سے نہیں۔ انکار عقل کی اس ہمہ گیری سے ہے، جو سوال میں فرض کرلی گئی ہے عقل کی فضیلت مسلم۔ فضیلت ہی نہیں۔ افضلیت بھی مسلم۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ ہر گتھی عقل ہی کے ناخن سے کھل سکتی ہے۔ عقل بھی آخر دوسری انسانی قوتوں کی طرح محض ایک طبعی قوت ہی ہے۔ اور ایک محدود دائرہ کے اندر کار فرما۔ اس محدود دائرہ کے باہر اس سے کام کیونکر لیا جا سکتا ہے؟ آنکھ کا کام دیکھنا ہے اور کان کا سننا۔ معدہ کا کام ہضم کرنا۔ اور دماغ کا سوچنا۔ آنکھ سن نہیں سکتی اور کان آنکھ کا کام نہیں دے سکتا۔ معدہ کیسا ہی تندرست ہو سوچ نہیں سکتا اور دماغ کتنا ہی توانا ہو غذا کو ہضم نہیں کر سکتا۔ عقل سے بھی کام وہی لینے چاہئیں جو اس کے کرنے کے ہیں جو اس کی حدود کے اندر ہیں۔ چھونے اور چلنے سانس لینے اور کھانا ہضم کرنے کا بار اگر ہاتھ پیر پھیپھڑا اور معدہ کے بجائے عقل ہی پر پردہ ڈال دیا جائے۔ تو کون عقلمند اسے روا رکھے گا۔

حافظِ شیرازی

عقل کا کام فلاسفہ قدیم اور نفسیین اور جدید دونوں کی تحقیق میں محسوسات کی ترتیب اور مدرکات کی تنظیم ہے۔ اب جو علوم محسوسات سے بلند اور جو حقائق مدرکات سے ماوراء ہیں۔ انہیں عقل کی گرفت میں کیونکر لایا جا سکتا ہے۔ اور کوئی انہیں زبردستی لانا چاہے بھی تو عقل اپنے حدود سے قدم باہر نکال کر ان کا احاطہ کیونکر سکتی ہے؟ حافظ شیراز نرے شاعر نہ تھے۔ صاحب نظر حکیم، اور صاحب معرفت صوفی بھی تھے۔ اسی مقام کی شرح اپنے مشہور شعر۔

حدیث از مطرب دمے گو وراز دہر کمتر جو

کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت ایں معمارا

میں کرتے ہیں اور جو لوگ سن و سال یا فہم و بصیرت کے لحاظ سے ابھی بچپن کی منزل میں ہیں۔ انہیں مشورہ دیتے ہیں کہ عقل واستدلال کی راہ پر رازِ دہر کی طلسم کشائی کی کوشش عبث ولا

حاصل ہے۔ ہمیشہ ناکام رہے گی۔ حافظ یہ نہیں کہتے کہ یہ عقدہ سرے سے لاینحل ہے۔ بلکہ "بہ حکمت" کی قید لگا کر کہتے ہیں کہ عقل واستدلال کی راہ سے اس معمے کا حل ہونا ممکن نہیں۔

قاصر النظر مادی کا قدم عقل کی منزل تک پہنچ کر رک جاتا ہے عقل اس کا سدرۃ المنتہیٰ ہے وسیع النظر روحانی اس کے آگے بڑھتا ہے۔ وہ مانتا بھی ہے اور اپنے تجربہ سے جانتا بھی ہے کہ عقل سے ماورئی کچھ اور باطنی قوتیں بھی انسان کو عطا ہوئی ہیں۔ اس ناسوتی زندگی کے خاتمہ پر وہ باطنی قوتیں سب کی سب روشن ہو کر رہیں گی۔ اور اس وقت نیک و بد مومن و ملحد سب کے لئے حقائق کا کشف ہو کر رہے گا۔ یہ آیۂ کریمہ فكشفنا عنك غطاءك فبصرك اليوم حديد۔ اس منزل وجود کی خبر دے رہا ہے (۱)۔ یہ قوتیں بد پرہیزیوں سے بچنے۔ ریاضتوں میں لگے رہنے۔ مجاہدات میں مشغول رہنے سے اسی زندگی میں بھی ایک حد تک بیدار ہو جاتی ہیں اور "کل" کا مستقبل ایک معتد بہ درجہ میں "آج" کے حال میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اور اس وقت بغیر کسی دلیل وبرہان کے بغیر اصول قیاس اور قواعد استقراء کی مدد کے بغیر زبان سے بولے ہوئے لفظ اور قلم سے نکلی ہوئی عبارت کے قلب کی تشفی اور ذہن کی تسلی ہو جاتی ہے۔ اور سوال کا حل ہونا الگ رہا۔ سوال سرے سے پیدا ہی نہیں ہوتا۔ ان بلند تر قوتوں کے بغیر ان شرائط کے پورا کیے ہوئے جو ان کے بروز اور ظہور کے لئے لازمی ہیں۔ انکار کر بیٹھنا ایسا ہی ہے کہ کوئی کمسن بچہ ان قوتوں کے وجود سے سرے سے انکار کر بیٹھے جو ابھی اس کے اندر مخفی ہیں۔ اور جوان ہونے پر نمایاں روشن اور ظاہر ہو کر رہیں گی۔

عارفِ رُومی

جو کیفیات اور جو قویٰ اپنی نوعیت میں بلند ہیں۔ انھیں پست تر کیفیات اور ادنیٰ قویٰ میں منتقل کرنا اور علویات کی تشریح و توضیح سفلیات کی اصطلاح میں کرنا نہ ممکن العمل ہے اور نہ کسی کی

---

(۱) اکبر مرحوم نے حکمت و معرفت کے بیسیوں مسائل باتوں باتوں میں حل کر دیے ہیں ایک جگہ کیا خوب فرما گئے ہیں:-

"ہنگامہ شکر و شکوہ دنیا میں ہے گرم — لیکن مرے ذہن میں یہ بات آتی ہے
کھلتا نہیں راز دہر "شکوہ" ہے تو یہ — اور "شکر" یہ ہے کہ موت آجاتی ہے

"راز دہر" حواس مادی کی مدد سے نہیں کھل سکتا۔ البتہ موت کے طاری ہوتے ہی قویٰ میں اتنی پختگی آجاتی ہے۔ کہ کشف حقائق از خود ہو جاتا ہے۔ ایک دوسری جگہ کہا ہے

درجہ متحیر کا ہے بیخودے فزوں تر — ہے روح کو امید ترقی کی اجل سے

طرف سے یہ مطالبہ معقول اور صحیح کہا جا سکتا ہے۔ ایک چھوٹا بچہ جو ابھی لذت کے معنی صرف مٹھائی کھانے اور راحت و مسرت کے معنی صرف کھلونے کھیلنے کے جانتا ہے۔ وہ اگر اس پر ضد کرے کہ فلسفی کو جو لطف مسائل فلسفہ کے حل کرنے میں آتا ہے۔ عابد کو جو راحت رات بھر نماز پڑھنے میں حاصل ہوتی ہے۔ ڈاکٹر کو جو مسرت مریضوں کی خدمت گزاری اور تیمارداری میں آتی ہے۔ یہ سب کیفیتیں اسے مٹھائیوں کی بولی اور کھیلوں کی زبان میں سمجھادی جائیں تو کون اس پر قادر ہو سکتا ہے۔ اور کون اس کے مطالبہ کو واجبی قرار دے گا۔ یہ ایک بہت موٹی اور کھلی ہوئی بات ہے۔ لیکن آہ! کہ اکثر ایسی روشن اور پیش افتادہ حقیقتیں بھی بحث و گفتگو کے وقت نظر سے رہ جاتی ہیں۔ عارف روم رحمتہ اللہ علیہ عاجز آکر کہتے ہیں کہ خام کے اندر پختہ کا حال کوئی کیونکر بھر دے۔ پس سکوت ہی مناسب ہے۔

در نیابد حال پختہ ہیچ خام　　پس سخن کوتاہ باید والسلام

حکیم مطلق کی حکمت

سوال اس ذات کی ایک فعلیت سے متعلق کیا گیا ہے۔ جو ذات مطلق ہے۔ ہستی غیر محدود ہے غیر محدود کی پیائش کوئی محدود آج تک کر سکا ہے۔ مطلق کو ادراک کی گرفت میں لانا کسی مقید کے لئے ممکن ہے۔ یقیناً وہ ذات مطلق ہمہ خیر اور ہمہ قدرت ہے۔ لیکن ساتھ ہی ہمہ حکمت بھی ہے وہ خیر مطلق و قادر مطلق ہونے کے ساتھ ہی حکیم مطلق بھی ہے۔ اور نہ صرف وہ خود بلکہ جو فعل اس سے صادر ہوتا ہے۔ ہمہ حکمت ہوتا ہے۔ لیکن آج تک کوئی اس کے علم کا اس کی قدرت کا اس کی رحمت کا۔ اس کی ربوبیت کا کسی صفت کا۔ احاطہ کر سکا ہے۔ پھر تنہا اس کی حکمت ہی کا احاطہ کیوں ممکن سمجھا جائے۔ جزئی حکمتوں کا سوال جزئی قدرتوں اور جزئی رحمتوں کی طرح علیحدہ ہے۔

توجیہ عقلی کا مفہوم

یہاں جو مسئلہ زیر نظر ہے۔ وہ حکمت کا بلہ کا ہے۔ مطالبہ توجیہ عقلی کا کیا گیا ہے لیکن پہلے خود توجیہ عقلی کے معنی و مفہوم سمجھ لینا چاہئے۔ انسان کا...... ذہن ہر نامانوس شے سے بھڑکتا ہے۔ گھبراتا ہے۔ دفع وحشت کے لئے وہ صرف مانوس و مالوف اشیاء کو چاہتا ہے توجیہ اس کی اسی طلب کی تسکین کا نام ہے۔ اس میں اس سے زائد اور کچھ نہیں ہوتا کہ ایک اجنبی جزئیہ کو ایک مسلم و

متعارف کلیہ کے تحت میں یا ایک جنبی کلیہ کو ایک عام تر وسیع تر مسلم و متعارف کلیہ کے تحت میں لے آیا جاتا ہے۔ یہی توجیہہ ہے۔ اس تعریف سے ظاہر ہو گیا ہو گا۔ کہ ہر علم و فن میں ایک نقطہ ایسا آ جاتا ہے جس کے آگے توجیہہ چل نہیں سکتی اور وہاں پہنچ کر ہر صاحب فن کو خاموش ہو جانے پر مجبور ہونا پڑتا ہے۔ ایک طبیعی درخت سے پھل کو ٹوٹ کر زمین پر گرتا دیکھ کر اس کی توجیہہ قوت کشش کے وسیع کلیہ سے کر دیتا ہے۔ لیکن اگر یہ سوال ہو کہ قوت کشش ہی میں یہ قوت کیسے اور کہاں سے آئی تو طبیعی کے پاس کچھ جواب نہ رہے گا۔ ایک مریض علاج کے لئے طبیب کے پاس جاتا ہے۔ طبیب اس کی توجیہہ میں کہہ سکتا ہے کہ حصول صحت ایک نوع کی راحت ہے اور راحت ہر انسان کو مطلوب۔ لیکن اگر اس پر یہ سوال پیدا ہوا کہ راحت مطلوب ہی کیوں ہے۔ تو طبیب خاموشی پر مجبور ہو جائے گا۔ یہی حال ہر علم فن اور ہر صنف واقعات سے متعلق ہے۔

مصلحتِ خداوندی

مذہب کی اصطلاح میں خدا سب سے آخری چیز ہے۔ اس کے بعد نہ کوئی اور وجود ہے اور نہ اس سے وسیع تر کوئی ہستی۔ بقول اکبر۔

اخیر "کیوں" کا جواب تو ہے

اس وسیع ترین وجود کو خود اصول عقل و قوانین منطق کے مطابق کس موجود کے ماتحت اور اس کے افعال کو جو اعم الاعمات کا مرتبہ رکھتے ہیں کس کلیہ کے تابع رکھا جا سکتا ہے جس پر ہر سوال ختم ہو تا ہے جس کا ارادہ ہر مصلحت اور ہر حکمت کا منتہی ہے۔ اور جس کی مشیت غایۃ الغایات ہے۔ اس کی کسی فعلیت کی غایت تلاش کرنا قواعد عقلی ہی کے لحاظ سے اسی طرح بے معنی ہے جیسے یہ سوال چھیڑا جائے کہ سب کا پیدا کرنے والا اگر خدا ہے تو خدا کو کس نے پیدا کیا؟ ظاہر ہے کہ خدا اگر کسی اور سے پیدا ہوا ہے تو اسے خدا کہا ہی کیوں جائے گا۔ اسی طرح یہ بھی واضح ہے کہ مصلحت خداوندی اگر کسی اور مصلحت کی تابع اور ارادۂ ایزدی کسی دوسری غرض و غایت کا پابند ہے۔ تو ان پر مصلحت خداوندی اور ارادۂ ایزدی کا اطلاق ہی نہ ہو سکے گا۔ کوئی اگر ذات حق کے متعلق سوال کرے کہ اسے کس نے اور کیوں پیدا کیا۔ تو سب کو ہنسی آ جائے۔ لیکن ایسی ہی ہنسی اس وقت کیوں نہیں آ جاتی جب سوال صفات حق و افعال حق سے متعلق کیا جاتا ہے۔ اور ان کی توجیہہ و تعلیل کے

لئے کوئی اور سہارا ڈھونڈا جاتا ہے۔

بدی کیا ہے

سوال کے عقب میں یہ خیال کارفرما معلوم ہوتا ہے کہ گویا بدی بھی ایک مستقل ایجابی وجود رکھتی ہے۔ اور جس طرح انسان و حیوان شجر و حجر، آفتاب و ماہتاب، چرندو پرند مستقل و قائم بالذات اصناف موجودات یا بہ اصلاح منطق "جوہر" ہیں۔ اسی طرح ایک مستقبل جوہر بدی بھی ہے جو بھوت کی طرح کبھی اسے لپٹ جاتی ہے اور کبھی اس پر مسلط ہو جاتی ہے۔ مگر کیا حقیقتاً بدی ایسی ہی کسی مادی شے کا نام ہے۔ کیا مذہب نے بدی کی یہی حقیقت بیان کی ہے۔

قرآن وحدیث سے اس تخیل کی تائید نکلنا الگ رہا۔ جتنی بھی تصریحات ہیں۔ سب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بدی جوہر نہیں عرض ہے۔ کوئی مادی مخلوق نہیں محض ایک کیفیت، ایک روش، ایک طریق عمل کا نام ہے۔ کلام مجید کی بکثرت آیات سے یہی ظاہر ہوتا ہے:۔ مثلاً

فَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ (البلد)	ہم نے انسان کو (نیکی و بدی کے) دونوں راستے دکھا دیئے۔
اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا (دھر-ع۱)	ہم نے انسان کو راہ عمل بتا دی۔ پھر کوئی سیدھی راہ پڑ گیا۔ اور کوئی ٹیڑھی راہ پر"
فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا (الشمس)	اللہ نے انسان کو گمراہی اور ہدایت دونوں کے راستے القا کر دیئے۔

نیکی کیا ہے

وقس علی ہذا مفاد سب کا یہ ہے کہ بدی نام ہے انسان کی غلط روی کا، خود لفظ "گمراہی" اسی معنی کی جانب رہنمائی کر رہا ہے۔ اس کے بالمقابل نیکی نام ہے۔ راست روی کا۔ سیدھی راہ پر چلتے رہنے کا۔ گویا انسان جب تک اپنی قوتوں کو اپنی صلاحیتوں اور استعدادوں کو صحیح طور پر رضائے الٰہی کے مطابق استعمال کر رہا ہے۔ اعمال حسنہ میں مشغول ہے اور جس وقت وہ انہیں خداداد قوتوں کو اپنی فطری صلاحیتوں کو بے جا طور پر استعمال کرنے لگا۔ بدی۔ بدکاری۔ بدعملی کا مرتکب ہو گیا۔ گویا بدی نام ہے راہ اعتدال و توسط کو چھوڑ کر افراط و تفریط اختیار کر لینے یا صراط مستقیم سے منحرف ہو

جانے کا۔ دوسرے مذاہب کی بابت تحقیق نہیں۔ لیکن اسلام میں تو بدی کا مفہوم بس یہی اور اسی قدر ہے۔

انسان کی خلقت

بدی کے اس صحیح مفہوم کو پیش نظر رکھنے کے بعد کیا اس پر مراسلہ نگار کا سوال عائد بھی ہو سکتا ہے۔ اب سوال کے یہ معنی ہوئے کہ انسان میں غلط روی کی صلاحیت کیوں رکھی گئی ہے؟ انسان کی خلقت ایسی کیوں رکھی گئی کہ وہ سیدھی راہ چلتے چلتے کبھی ٹیڑھی راہ پر بھی پڑ سکے۔ اوپر یہ تصریحات آچکی ہیں کہ عقل کی محدود قوت آخری مسائل کی گھتیاں سلجھانے کے قابل ہے۔ لیکن بہر حال جتنی بھی قوت عقل سلیم کو حاصل ہے اس کے لحاظ سے غور کیا جائے کہ بجز اس کے اور کیا صورت تکوین انسانی ممکن تھی۔ کیا یہ ہونا چاہئے تھا کہ انسان سرے سے مسلوب الاختیار اور مشین کی طرح قصد وارادہ سے معرئی پیدا کیا جاتا۔ کیا یہ ہونا چاہئے تھا کہ ارادہ تو اسے دیا جاتا۔ لیکن ایسا ارادہ دیا جاتا جو ہمیشہ نیکی ہی کو اختیار کرتا۔ اور بدی کا امکان ہی نہ باقی رہتا۔ اول تو یہ ارادہ واختیار کی بالکل انوکھی تعریف ہوتی کہ بجائے دو شقوں میں سے ایک کے انتخاب کے انسان ہمیشہ ایک ہی شق کے قبول کرنے پر مجبور ہوتا اور پھر اسی صورت میں یعنی احتمال بدی کے مرتفع ہو جانے کی صورت میں خود نیکی کے بھی کوئی معنی باقی رہ جاتے ہیں۔ کوئی ایسی نیکی ممکن بھی ہے جو بدی کی معدومیت محض کے ساتھ وقوع میں آسکے۔ صفت "حلم" کا ظہور کبھی بھی ممکن ہے۔ جب تک دوسری طرف سے اشتعال نہ پیدا کرایا جائے۔ صفت "عدل" کے ظہور کا موقع جب ہی آسکتا ہے جب ایک طرف ظالم دوسری طرف مظلوم ادھر مستغیث ادھر مجرم کا وجود ہو۔ صبر کس چیز پر کیا جائے اگر مصائب وشدائد کا وجود نہ ہو۔ صفات عفو وکرم۔ جود وشجاعت بروکار اسی وقت آسکتے ہیں۔ جب بالمقابل خطائیں، لغزشیں، حاجتمندیاں اور خطرات موجود ہوں۔ ماں کی مامتا اسی وقت جوش میں آتی ہے جب سامنے بچہ بے کسی اور بے بسی کی تصویر بنا پڑا ہو۔ یہ حال ہر نیکی کا ہے۔ اور جس عقل سلیم سے مدد چاہی گئی تھی اس کا فیصلہ یہ ہے کہ بغیر بدی کے وجود کے محض نیکی کی تمنا دنیا میں رکھنا ایسا ہی بے معنی ہے جیسے کوئی یہ آرزو کرے کہ زمین پر بلندیاں ہی بلندیاں ہوں کوئی پستی نہ ہو! لفظ بلندی کے معنی ومفہوم جب ہی پیدا ہو سکتے ہیں۔ جب مقابل میں کوئی پستی ہو۔

علم اور مرضی

سوال میں جزم و وثوق کے ساتھ کہا گیا ہے کہ بدی کا وجود خالق کائنات کے علم و مرضی سے ہے "علم" سے یقیناً ہے لیکن "مرضی" سے قطعاً نہیں۔ یہ غلط فہمی بہت عام ہے اچھے اچھے پڑھے لکھے اور ذی فہم اس میں مبتلا ہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) پہلے تو خدا آپ ہی بندوں کو برائی میں مبتلا کرتا ہے اور پھر آپ ہی سزا دیتا ہے۔

یہ خیال خدا معلوم کہاں سے گڑھ لیا گیا ہے۔ قرآن کریم تو قدم قدم پر اس کی مخالفت کرتا ہے "علم" اور "رضا" دو بالکل مختلف چیزیں ہیں۔ ہر کوئی بھی جانتا ہے کہ کسی چیز کو جاننا اور ہے اور اسے پسند کرنا اور طبیب ہے، جانتا ہے، اپنے تجربہ و واقفیت کی بناء پر پورا یقین رکھتا ہے کہ مریض کے لئے فلاں فلاں بدپرہیزیاں مہلک ہیں۔ ان سے مریض کی ہلاکت یقینی ہے۔ اپنے اس علم کا اظہار وہ مریض کے سامنے بار بار کر بھی دیتا ہے۔ اور اسے صاف اور کھلے لفظوں میں ڈرا دیتا ہے۔ یہاں تک کہ بعض صورتوں میں تعین مدت کے ساتھ مریض کی ہلاکت کی پیشگوئی کر دیتا ہے۔ یہ سب کچھ ہوتا ہے۔ مگر کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس ہلاکت کے وقوع میں طبیب کی رضامندی بھی شامل ہے؟ نجومی آئندہ کے واقعات کا حکم لگا دیتا ہے۔ کیا وہ ان واقعات کے وقوع کو پسند بھی کرتا ہے؟ نامی گرامی وکیل مقدمات کے نتائج کا اندازہ قطعیت کے ساتھ لگا لیتے ہیں۔ کیا ان نتائج سے وہ متفق بھی ہوتے ہیں؟ حیرت ہے کہ لوگ اس طرح کی مثالیں کثرت سے ہر روز اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہتے ہیں۔ اور پھر مسئلہ جبر و قدر میں آ کر علم الٰہی اور رضائے الٰہی غلط مبحث کر کے ایک کر دیتے ہیں۔

انتخاب و اختیار کی ضرورت

حق یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے ہر شے میں ایک طبعی خاصیت رکھ دی ہے۔ آگ جلاتی ہے گرماتی ہے۔ پانی ڈبوتا ہے۔ بھگوتا ہے۔ زہر ہلاک کرتا ہے۔ تریاق صحت دیتا ہے۔ ہوا اڑاتی ہے۔ آفتاب روشن کرتا ہے۔ وقس علیٰ ہذا۔ یہ سارا نظام تکوینی جس قانون کی ماتحتی میں چل رہا ہے۔ اس کا نام مذہب کی زبان میں مشیت الٰہی ہے۔ اسی قانون کی ایک اہم دفعہ یہ ہے۔ کہ انسان کو ارادہ یا اختیار دیا گیا ہے۔ وہ اپنی عقل و تمیز سے مختلف راستوں میں سے ایک راستہ اپنے لئے انتخاب کر سکتا

ہے۔ چند شقوں میں سے ایک شق اپنے لئے پسند کر سکتا ہے چند طریقوں میں سے ایک طریق عمل اپنے لئے متعین کر سکتا ہے۔ اس پر جو کچھ ذمہ داری عائد ہوئی ہے۔ وہ اسی قدرت انتخاب واختیار کی بناء پر۔ چنانچہ جن کی یہ قوت شل ہو جاتی ہے۔ (مثلاً مجنوں کی) یا جن کی یہ قوت پختگی کو نہیں پہنچی ہوتی ہے۔ مثلاً (بچوں کی) یا جن اوقات میں یہ قوت معطل ہو جاتی ہے (مثلاً حالت خواب میں) ان پر سے ان حالات میں ذمہ داری بھی ساقط ہو جاتی ہے۔ ان حدود کے اندر انسان تمام تر آزاد ہے۔ ہر طریق عمل کے نتائج اسے بتادیئے گئے ہیں۔ زیست و فلاح موت و ہلاکت کی ساری راہیں اسے دکھادی گئی ہیں۔ اور وہ پوری طرح آزاد و خود مختار ہے۔ کہ جونسا عمل چاہے کرے۔ جونسی راہ چاہے اختیار کرے۔ اس میں اس پر مطلق کوئی جبر نہیں۔ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ (کھف) قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ (بنی اسرائیل) وغیرہا متعدد آیات کریمہ اسی مضمون پر ناطق ہیں۔ اور یہ سارا نظام تکوینی قانون مشیت کی ماتحتی میں چل رہا ہے۔

نظامِ تشریعی

اسی قانون کے متوازی ایک دوسرا قانون بھی کافرما ہے۔ اس کا تعلق نظام تکوینی سے نہیں۔ نظام تشریعی سے ہے۔ کیا ہے سے نہیں۔ کیا ہونا چاہئے سے ہے۔ افعال کی جوابدہی اور اعمال کی ذمہ داری اسی عالم سے متعلق ہیں۔ جزا اور سزا کا صدور اسی قانون سے وابستہ ہے۔ اللہ نے جن طریقوں کو اپنا پسندیدہ فرمادیا ہے (اور حقیقتاً وہ سارے طریقے بندوں ہی کے فوز و فلاح کے ہیں) ان پر چلنے سے مرضیات الٰہی حاصل ہوتی ہیں اور انہیں کے آخری اور انتہائی مقام کا نام مذہب کی اصطلاح میں جنت ہے۔ اور اس کے برعکس اللہ کے ناپسند کیے ہوئے طریقوں پر چلنا (اپنی ہلاکت و خسارہ کی راہ اختیار کرنا) مذہب کی زبان میں اللہ کے سخت عذاب کی طرف لے جاتا ہے جس کی آخری منزل کا نام جہنم ہے۔

باپ اور بیٹا

ایک شفیق باپ اپنے بیٹے سے کہتا ہے۔ کہ "بیٹا دیکھو فضول خرچی نہ کرنا تباہ و برباد ہو جاؤ گے۔ بری صحبتوں میں نہ بیٹھنا ہلاک ہو جاؤ گے۔ مجھے اگر خوش رکھنا ہے تو اس کے فلاں فلاں طریقے ہیں اور اس کے لئے یہ یہ انعام ہیں اگر کہانہ سنو گے تو خود ہی اپنے کیے کو بھگتو گے۔ میرا کام

سمجھا دینا ہے اپنا نفع و نقصان خود ہی دیکھ و سمجھ سکتے ہو۔" لڑکا ان روشن ہدایتوں کے بعد سعید ثابت ہوا تو، اور نالائق نکلا تو دونوں صورتوں میں باپ پر کیا ذمہ داری؟ اور باپ کے متعلق یہ الزام کیونکر کوئی شائبہ معقولیت رکھ سکتا ہے کہ اس نے آپ ہی تو بیٹے کو گمراہ کیا اور آپ ہی سزا دے رہا ہے۔ یہ مغالطہ نہ ہو کہ اس مثال میں باپ تو خود مجبور ہے اور اللہ مجبور نہیں قادر مطلق ہے۔ وہ قادر مطلق بیشک ہے۔ لیکن اسی قدرت مطلقہ کا ایک ظہور یہ بھی ہے کہ اس نے قدرت کا ایک جزو، یعنی تمیز اور اعمال میں قوت انتخاب بندوں کی طرف منتقل کر دیا ہے۔ اور بندے اس بات میں بالکل آزاد اور خود مختار ہیں۔ اب اس پر کیا سوال باقی رہا۔

ایک اور سوال

یہ ساری گفتگو بدی کے وجود کو مسلم مان کر تھی۔ لیکن وقت ایک اور قدم آگے بڑھا کر سوال یہ ہے کہ دنیا جس کو نقص۔ عیب۔ بدی کہہ اور سمجھ رہی ہے اس کا وجود فی الواقع کہیں ہے بھی جو اس کی توجیہ و تعلیل پر قیل و قال کی ضرورت پیش آئے۔ یہ مسلّم ہے کہ انسان کا علم ناقص ہے اور اس کی نظر محدود۔ وہی درمیانی آلات و وسائط جن پر کم نظری و سطح بینی اول اول ٹھوکر کھاتی ہے۔ وسعت نظر و ازدیاد علم کے ساتھ برابر آلام سے لذات میں ناگواریوں سے خوشگواریوں میں انقباض سے انبساط میں تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ مدرسہ کی پابندی کم سمجھ بچہ کو قید و بند سے کم دشوار نہیں معلوم ہوتی۔ اور ماں باپ ہیں کہ اس کی تعلیمی ترقیاں دیکھ دیکھ کر باغ باغ ہوئے جاتے ہیں۔ مریض آپریشن کے نام سے گھبرا رہا اور اس کے تصور سے خوف کھا رہا ہے اور شفیق ڈاکٹر ہے کہ خوشی خوشی اپنے اوزار سنبھال رہا ہے کہ ابھی ابھی مریض کی تڑپ، راحت و آسائش سے بدل جائے گی۔ بچہ اور مریض کی نظریں کوتاہ ہیں۔ وسائط کو مقاصد سمجھے ہوئے ہیں۔ گزرگاہ پر منزل مقصود کا دھوکہ کھا رہے ہیں۔ والدین اور ڈاکٹر کی نظریں دور رس ہیں ان کا علم کامل تر ہے۔ عاجل اور آجل کا فرق نگاہ میں ہے۔ اور انہیں واسطہ اور مقصود کی شناخت میں دھوکا نہیں۔

کیا بدی ہے بھی؟

اس وسیع اور لق و دق کارخانہ کائنات کا ذرہ ذرہ ایک دوسرے سے مربوط متعلق و وابستہ ہے۔ ہر واقعہ دوسرے سے مرتبط اور ہر شے کی ہستی دوسرے کی زندگی سے دست و گریباں۔ ہر ہر

تار دوسرے سے جکڑا اور گندھا ہوا ہے بچے اور نادان قدم قدم پر الجھتے ہیں۔ حکیم و دانا دور دور کی حکمتوں کی خبر لاتے ہیں۔ اور بڑی بڑی گہرائیوں تک اتر جاتے ہیں یہ فرق مراتب جب معمولی معمولی انسانوں کے درمیان نظر آتا ہے۔ تو جو ہستی علیم کل ہے۔ ہمہ علم و ہمہ خبر ہے کیسے مانا جائے کہ اس کی نظر میں کوئی بھی شے بدی کے حکم میں داخل ہو گی۔ دنیا جن چیزوں کو بدی۔ مصیبت۔ نقص سے تعبیر کر رہی ہے۔ یہ خود اپنے قصور نظر کا نتیجہ ہے۔ اگر حجابات دور ہو جائیں۔ ہر شے سارے سلسلہ وجود میں منتظم و مرتب ہر کڑی دوسری کڑی سے پیوستہ و مربوط پوری طرح اور اصلی رنگ میں آجائے تو کس کی نگاہ میں یہ "نقائص" نقائص باقی رہ جائیں۔ اس وقت ہر شے اپنی اپنی جگہ کسی اعلیٰ مقصد کی تکمیل میں سرگرم نظر آئے گی اور جو کوتاہ نظری کو بدنمائی کے داغ دھبے معلوم ہو رہے تھے۔ وہی چشم دوربیں میں حسن و زیبائی خط و خال بن جائیں گے جو اللہ کے فضل و کرم سے اس منزل پر پہنچ گیا۔ اس کے سامنے یہ سوال باقی ہی نہیں رہتا کہ دنیا میں بدی کا وجود کیوں ہے۔ وہ حیرت کے ساتھ یہ دریافت کرتا ہے۔ کہ دنیا میں بدی کا وجود کہیں ہے بھی؟ ولیس ذالك علی اللہ بعزیز۔

مذہبی تحقیق اور طلبِ حقیقت کی راہ۔ خودی و انانیت۔ ضد اور سخن پروری کی راہ نہیں۔ شکستگی و فروتنی۔ غور و فکر۔ سنجیدگی و تدبر کی راہ ہے مبارک ہیں وہ جو صدق طلب کی راہ پر سچے رہرووں کی طرح چلیں۔ معروضات بالا کا مطالعہ اگر خلوئے ذہن کے ساتھ کیا گیا تو کریم کی کریمی سے کیا بعید ہے کہ دلوں کو تسکین و تسلی کا سہارا کسی نہ کسی درجہ میں ہاتھ آجائے اور جو سوال اول نظر میں بڑے معرکہ کا اور مہتم بالشان نظر آرہا تھا عجب نہیں کہ غور و تامل کے بعد معنی کی تحلیل اور اطراف و جوانب کی دیکھ بھال کے بعد قابل التفات بھی نہ رہ جائے۔ اور اس کی بے حقیقی روشن و عیاں ہو کر رہے۔ واللہ اعلم و علمہ احکم۔ (مولانا) عبدالماجد دریابادی

سچی خوشی

جو تخت پر بیٹھا ہے کہتا ہے میں خوش ہوں اگر اس کا تخت چھن جائے رعایا کے اوپر اقتدار باقی نہ رہے کوڑی کوڑی کو محتاج ہو جائے تو بتاؤ خوشی کی زندگی کہاں سے لائے۔ اس کو تو جینے کے بھی لالے پڑ جائیں گے۔ تو کیا زندگی کی خوشی بادشاہ کو حاصل ہے؟ ہرگز نہیں۔

مذہبی رہنما

جو مصلے پر بیٹھا ہے۔ ہزاروں آدمیوں کا مذہبی پیشوا بنا ہوا ہے۔ مفت کی روٹی۔ مفت کا کپڑا۔ مفت کا رہنا سہنا اور مفت کے ہزاروں لونڈی غلام خدمت میں حاضر رہتے ہیں۔ کیا زندگی کی اصلی خوشی اس کو حاصل ہے؟ مگر پہلے اس کا خیال کر لو کہ اگر اس کے سب مرید و معتقد برگشتہ و منحرف ہو جائیں جن کے سہارے زندگی کی یہ خوشی اس کو حاصل ہے تو کیا یہ اس وقت بھی خوش رہ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

امیر زادہ

وہ امیر زادہ جس کو وراثت میں دولت و جاگیر ملی۔ نوکر چاکر ملے۔ ہزاروں غرض مند سلامی ملے۔ اگر کسی وجہ سے اپنی دولت اور جاگیر سے محروم کر دیا جائے تو کیا کوئی نوکر و خدمت گار باقی رہے گا۔ اور کیا کوئی خود مطلبی شخص اس کے سامنے سلام کو ہاتھ اٹھائے گا۔ اور کیا اس کی زندگی خوشی سے بسر ہو سکے گی؟ ہرگز نہیں۔

حکیم زادہ

اس حکیم زادہ کو دیکھو۔ بڑے مشہور طبیب کا بیٹا ہے۔ جس کے ہاں ہزاروں بیمار علاج کرانے آتے تھے۔ اور طبیب کی طبی قابلیت کے سبب تن درستی کا فیض اٹھاتے تھے۔ اس طبیب زادہ نے طب کی تعلیم کچھ نہیں پائی۔ محض باپ کے نام کی شہرت زندگی بسر کراتی ہے۔ حکیم کا گھر سمجھ کر بیمار اب بھی آ جاتے ہیں اور حکیم زادہ کی زندگی کٹ جاتی ہے۔ یہ بیچارہ اور کوئی کام نہیں جانتا کسی قسم کی ذاتی قابلیت اپنے اندر نہیں رکھتا۔ آج اگر اس کے باپ کی شہرت مٹ جائے یا اس کی ذاتی قابلیت سے بدگمان ہو کر کوئی بیمار گھر پر نہ آئے تو بتاؤ اس کی زندگی کی خوشی قائم رہ سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔

پیرزادے صاحب کو بارہا دیکھا ہو گا۔ دادا ان کے بڑے نامی بزرگ تھے۔ ہزاروں آدمی حلقہ ارادت سے فیض پاتے تھے۔ سینکڑوں گمراہ اثر صحبت سے راہ راست پر آ جاتے تھے۔ ان پیرزادے صاحب نے ذاتی قابلیت کچھ پیدا نہیں کی۔ دادا کے مرید و معتقد اتنی نذریں لاتے ہیں کہ انہیں زندگی میں اور کچھ کام کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ آرام سے گھر بیٹھے ہوئے کھاتے ہیں

اور مزے اڑاتے ہیں۔ لیکن اگر یہ مرید کسی وجہ سے پیرزادہ صاحب کو نذریں دینی چھوڑ دیں تو کیا ان کی زندگی خوشی سے بسر ہو سکے گی۔ ہرگز نہیں۔

واعظ

مولوی صاحب بڑے خوش بیان واعظ ہیں۔ جب تقریر کرنے کھڑے ہوتے ہیں۔ دوزخ و جنت کا سماں آنکھوں کے سامنے باندھ دیتے ہیں۔ روزانہ دعوتیں آتی ہیں۔ خلقت اپنے گھروں میں لے جاتی ہے۔ عمدہ عمدہ کھانے کھلاتی ہے۔ نقدیاں اور کپڑے نذر میں دیتی ہے۔ اگر کسی وجہ سے خلقت ان کا وعظ سننا چھوڑ دے اور مولوی کی دعوتیں اور نذرانے موقوف ہو جائیں تو کیا یہ زندگی کا لطف حاصل کر سکیں گے؟ ہرگز نہیں۔

سیاسی لیڈر

ذرا سیاسی لیڈر صاحب کو بھی دیکھئے۔ سرکار کے خلاف بڑی سخت تقریریں کرتے ہیں بڑے زوردار مضامین لکھتے ہیں۔ نظر بندی کی تکلیف اٹھا چکے ہیں۔ آج کل پبلک کا کام کر رہے ہیں۔ خلقت سر آنکھوں پر بٹھاتی ہے لیکن اگر ہوا کا رخ بدل جائے۔ پبلک بدگمان ہو جائے اور یہ اثر اور اقتدار خیال کرنے کو بھی باقی نہ رہے۔ تو ان کو اپنی زندگی کے اندر کچھ مسرت نظر آ سکے گی؟ ہرگز نہیں۔

ذاتی عمل پر اعتماد رکھنا اصلی مسرت ہے

ان مثالوں سے یہ سمجھ میں آ جائے گا کہ دنیا میں جو لوگ دوسروں کے بھروسہ پر زندہ رہنا چاہتے ہیں۔ ان کی زندگی کی خوشیاں ہمیشہ دغدغہ میں رہتی ہیں۔ شادکام زندگی اس شخص کی ہے۔ جو اپنی ذات پر بھروسہ رکھتا ہو اور دوسروں کی بخشی ہوئی خوشی کا محتاج نہ ہو۔ بادشاہ اور تاجدار اگر سلطنت کو اگر سرور زندگی کا باعث نہ سمجھیں اور اپنی ذات کے اندر ایسی قابلیت پیدا کریں کہ سلطنت برباد ہو جانے کے بعد بھی وہ بے کار نہ رہیں اور تباہی حکومت کا کچھ بھی اثر ان کی زندگی پر نہ پڑے اور اپنی ضروریات زندگی کی کفالت قوت بازو سے کرنے لگیں اور زندگی کی اصلی خوشی مرتے دم تک ان کو حاصل رہے گی۔ ایسے ہی۔ پیر، حکیم، مولوی، لیڈر وغیرہ اگر دوسروں کی مدد کی محتاجی کا خیال چھوڑ دیں اور اپنے اندر ایسی لیاقت پیدا کریں جس سے بگڑتے وقت وہ خود اپنے کام

آسکیں تو ان کی زندگی ہمیشہ اصلی مسرتوں کو حاصل کرتی رہے گی۔

زندگی کی راحت

حاصل مقصد یہ ہے کہ زندگی کی مسرت اور راحت اسی شخص کو حاصل ہے جو اپنے ہاتھ پاؤں پر اور اپنے دل و دماغ پر اعتماد رکھتا ہے اور اپنے علاوہ کسی غیر کی مدد اور شرکت کا محتاج نہیں ہے۔ جب اس کے پاس دولت ہوتی ہے تب بھی ہاتھ پاؤں سے محنت لیتا ہے اور ہر وقت خوش رہتا ہے۔ اور جب مفلسی اور پریشانی آتی ہے۔ تب بھی ہاتھ پاؤں چلاتا ہے۔ اور کسی وقت محنت سے دم نہیں چراتا۔ اس واسطے باوجود افلاس و غربت کے زندگی اپنی اصلی خوشیاں اس کو بخشتی رہتی ہے۔

ذات پر اعتماد

میں یہ نہیں کہتا کہ تم بادشاہ نہ بنو، نہ میں تم کو پیر، حکیم، مولوی اور لیڈر بننے سے روکتا ہوں۔ میری غرض تو یہ ہے کہ تم اپنی ذات پر اعتماد اور بھروسہ کرنا سیکھو۔ اگر بادشاہی تمہارے سامنے آجائے تو اس کو قبول کر لو اور بادشاہ بن جاؤ۔ مگر اس کے زوال کے خیال کو کبھی دل سے دور نہ ہونے دو۔ اور وہ خیال یہی ہے کہ زوال کے وقت کے لئے اپنے آپ کو تیار رکھو یعنی اگر کبھی بادشاہت چھن جائے تو تمہاری مسرور زندگی میں فرق نہ آنے پائے۔ فوراً دوسری زندگی ہاتھ پاؤں کی محنت سے شروع کر دو۔ اور بادشاہی جاتے رہنے کا کچھ بھی خیال دل میں نہ لاؤ۔ کیونکہ کوئی شخص ماں کے پیٹ سے بادشاہ پیدا نہیں ہوتا اور کوئی شخص مرنے کے بعد بادشاہ باقی نہیں رہتا۔

تم بھی اگر چاہتے ہو کہ زندگی کی اصلی خوشی حاصل رہے تو ہر تکلیف و مصیبت میں صابر و شاکر رہو اور اپنے جسم اور اپنی ذات کی ان طاقتوں پر بھروسہ رکھو جو خدا تعالیٰ نے تمہاری زندگانی کی امداد کے لئے پیدا کی ہیں۔ جب تک وہ سلامت ہیں تم کسی عروج و زوال کی پرواہ نہ کرو اور جو کام سامنے آجائے اس کے کرنے میں عزت و ذلت کا خیال نہ آنے دو۔

جو شخص ہر اچھے بُرے حال میں صبر و قناعت سے بسر کرتا ہے۔ اور وقت کو بے کار نہیں جانے دیتا اور کچھ نہ کچھ کام کرتا رہتا ہے۔ وہ دنیا میں کبھی مغموم نہیں ہوتا زندگی کی خوشی اس کے پیچھے ہاتھ باندھے دوڑی پھرتی ہے۔

خدا کے سوا ہر غیر چیز کا بھروسہ چھوڑ دو۔ اور خدا پر بھروسہ کرنے کے

یہ معنی ہیں۔ کہ خدا کی دی ہوئی اپنی ذات کے عمل پر اعتماد رکھو کہ دنیا میں اپنی ذات اپنے جسم اپنے ہاتھ پاؤں اور اپنی عقل اور اپنی دولت کے سوا کوئی کسی کا نہیں ہے۔ سب غرض اور مطلب کے بندے ہیں۔ لہٰذا سب سے بے تعلق ہو کر اپنی ذات کے عمل سے تعلق پیدا کرو۔ (حضرت خواجہ) حسن نظامی مرحوم

انصاف کے اصول

(۱) عدالت کے حاکموں میں دانائی اور ایمانداری دونوں کا ہونا نہایت ضروری ہے۔

(۲) انصاف بلاقید ہونا چاہئے۔ جو انصاف کہ روپیہ کے عوض خریدا جاوے اس سے زیادہ کوئی بُری چیز نہیں ہے۔

(۳) انصاف میں دیری انصاف سے انکار کرنے کے برابر ہے۔

(۴) عمدہ حاکم وہ ہے جو انصاف اور حق پرستی کی نگاہ رکھے اور قانون کے لفظوں کو انصاف سے بڑھ کر نہ سمجھے۔

(۵) انصاف میں سوائے سچ کے ماں باپ یا کسی چیز کا خیال نہیں چاہئے۔

(۶) انصاف ہونا چاہئے۔ چاہے آسمان بھی گر پڑے۔

(۷) انصاف میں بہت جلدی کرنا بھی باعث تباہی ہے۔

(۸) عدالت کو روز کا کام روز کرنا چاہئے۔ دوسرے روز پر نہ رکھے۔

(۹) حاکم کی رائے ایسی ہو کہ جس کی بنیاد قانون اور انصاف پر ہو۔ بلکہ قانون انصاف سے بنایا گیا ہو۔

(۱۰) عدالت کے حاکم میں اگر لیاقت ہو اور ایمانداری نہ ہو تو وہ مثل شیطان کے ہے۔ اور اگر ایمانداری ہے لیکن لیاقت نہ ہو تو وہ نالائق ہے۔

(۱۱) انصاف پر ناانصافی کا داغ نہیں لگتا۔ بلکہ حاکم پر داغ لگتا ہے۔

(۱۲) انصاف ہی ناانصافی سے غارت نہیں ہوتا۔ بلکہ حاکم کو غارت کرتا ہے۔

(۱۳) انصاف آدمی کا دوست ہے جو زندگی اور مرنے کے بعد ہمراہ رہتا ہے۔

(۱۴) مقدموں میں ناانصافی کا گناہ چار شخصوں پر تقسیم ہوتا ہے۔ ایک حصہ فریقین پر۔ ایک

حصہ گواہوں پر۔ ایک حصہ حاکم پر۔ ایک حصہ ملک یا بادشاہ پر۔

(۱۵) وہ عدالت نہایت عمدہ ہے جس کے حاکم میں یہ اوصاف ہوں۔ سمجھ کی عمدگی اور تیزی۔ قانون دانی کی لیاقت۔ ملکی معاملات کی واقفیت۔ حسنت۔ اخلاق۔ رحمدلی۔ قائم مزاجی۔

(۱۶) گواہوں کا سوچ اور جھوٹ کتابوں سے معلوم نہیں ہوتا۔ بلکہ قدرتی تیز فہمی، لیاقت اور تجربہ سے معلوم ہوتا ہے۔

فارغ البالی کے اصول

(۱) نیک صحبت اختیار کرو۔

(۲) کبھی کاہلی مت کرو۔

(۳) اگر تم کام کرنے کے نا قابل ہو۔ تو عقل بڑھانے کی کوشش کرو۔

(۴) ہمیشہ سچ بولو۔

(۵) اقرار اور وعدہ کم کرو۔ اگر کرو تو ضرور پورا کرو۔

(۶) اپنی محنت پر زندگی بسر کرنا فرض سمجھو۔

(۷) پوشیدہ اسرار کو چھپائے رکھو۔

(۸) گفتگو کرتے وقت دوسرے کے چہرے کی طرف دیکھتے رہو۔ نیکوں کی صحبت اور گفتگو سود مند ہوتی ہے۔ جملہ صفتوں میں نیک چلنی افضل ہے۔

(۹) تمہارا چال چلن بغیر تمہاری بداعمالیوں کے ہرگز خراب نہیں ہو سکتا۔

(۱۰) اپنے برتاؤ کو ایسا بنائے رکھو کہ اگر کوئی تمہاری مذمت بھی کرے تو کسی کو یقین نہ ہو۔

(۱۱) کبھی نشہ کی چیز مت کھاؤ۔

(۱۲) اپنی آمدنی سے زیادہ خرچ مت کرو۔ کیونکہ آفت آپڑنے کا اندیشہ ہے۔

(۱۳) سوتے وقت پہلے اپنے دن بھر کے کاموں کو یاد کرو۔

(۱۴) اگر مالدار ہونے کی خواہش ہے تو ایک دم بہت سامال ملنے کی خواہش نہ کرو۔

(۱۵) آہستہ آہستہ اور خوش وضعی سے کمایا ہوا روپیہ خوشی بخشتا ہے۔

(۱۶) کسی قسم کا جوا مت کھیلو۔

(۱۷) جس شے کے حاصل کرنے میں خوف ہے۔ اس کی طمع نہ کرو۔

(۱۸) خرچ کرنے سے پیشتر پیدا کرو۔

(۱۹) اگر قرض سے سبکدوش ہونے کی امید نہ دکھائی دیتی ہو تو ہرگز قرض مت لو۔

(۲۰) اگر بعدہٗ ملنے کی گنجائش نظر نہ آوے تو ہرگز قرض مت دو۔

(۲۱) اگر اپنی عورت کی تسلی اور پرورش کرنے میں معذور ہو تو شادی نہ کرو۔

(۲۲) کسی کی مذمت نہ کرو۔

(۲۳) انصاف سے خوش رہو۔

(۲۴) بڑھاپے میں خرچ کے لئے جوانی میں روپیہ جمع کرو۔

خوش حالی کے اُصول

(۱) پرہیز:- زیادہ مت کھاؤ۔ شراب سے قطعی پرہیز کرو۔

(۲) خاموشی:- باتیں مت کرو۔ مگر جو تم کو یا دوسروں کو فائدہ پہنچائیں۔ فضول گفتگو سے بچو۔

(۳) باقاعدگی:- تمہاری تمام چیزوں کے واسطے معین جگہ ہونی چاہئے۔ اور تمہارے کام کے ہر ایک حصہ کے واسطے وقت ہونا چاہئے۔

(۴) ارادہ:- جو ضرور ہے اس کو پورا کرنے کا ارادہ کرو۔ جس کا ارادہ کرو۔ اس کو ضرور پورا کرو۔

(۵) کفایت شعاری:- کوئی ایسا خرچ مت کرو۔ جس سے تم کو یا دوسروں کو فائدہ نہ پہنچے۔ ورنہ تضیع مال ہے۔

(۶) محنت:- کوئی وقت ضائع نہ کرو۔ ہر وقت کسی مفید کام میں مشغول رہو۔ تمام غیر ضروری کاموں کو چھوڑ دو۔

(۷) سچائی:- کوئی پُر ضرر فریب نہ کرو۔ نیکی اور انصاف کے ساتھ غور کرو۔ اور اگر بولو اس کے مطابق بولو۔

(۸) انصاف:- کسی آدمی کو تکلیف پہنچا کر ان فوائد کو فراموش کر کے جو تمہارا فرض ہے بے انصافی مت کرو۔

(۹) اعتدال:- انتہا سے بچو۔ یعنی حدود سے مت نکلو۔ لوگوں کی آزار دہی کو وہاں تک

برداشت کرو۔ جہاں تک اس کو مستحق جانتے ہو۔

(۱۰) صفائی:- جسم یا کپڑے یا گھر میں کسی میلی چیز کے روادار مت ہو۔

(۱۱) تحمل:- ناچیز باتوں پر اور عام یا ٹل وقوعات پر برافروختہ مت ہو۔

(۱۲) پاکدامنی:- زنا اور فسق و فجور سے بچنا اور نامحرم عورتوں کے دام میں نہ آنا خدا کے پیارے بندوں کا کام ہے۔

(۱۳) انکسار:- حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حکیم سقراط اور جناب رسالت مآب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی اور نقل کرو۔

بڑوں کے اصول

(۱) صاحب ہمت و استقلال وہ ہے جو دنیا کے اقبال سے نہ پھولے اور ادبار سے نہ گھلے۔

(۲) لغو اور بیہودہ کام اور فضول بکنے سے بچو۔

(۳) علم مال سے تمام حالتوں میں بہتر ہے۔

(۴) عاقل وہ ہے کہ اوروں کے علم سے اپنے علم کو رونق بخشے۔

(۵) خدا سے سچا رہنا۔ خلقت سے انصاف کرنا۔ نفس کو مارنا۔ مفلسوں پر رحم کرنا۔ دوستوں سے مروت کرنا۔ جاہلوں سے چپ رہنا۔ عاقل کے آگے سر جھکانا۔ بزرگوں کی خدمت کرنا۔ چھوٹوں پر مہربان رہنا۔ دشمن کی باتوں کو پی جانا نیکوں اور دانشمندوں کا شیوہ ہے۔

(۶) جو کامل آدمی ہے وہ ذکر خدا اور فکر روز جزا سے غافل نہیں۔

(۷) دیندار، شاکر، متواضع، قانع، راضی برضا رہنے سے ہوتا ہے۔

(۸) خواہش اور آرزو اور آنی جانی چیزوں اور جس کام کا انجام پشیمانی ہے اس کے چھوڑنے سے دنیا کی محبت نہ ہوگی۔

(۹) خالق کا ڈر رکھے، مخلق سے نہ ڈرے۔

(۱۰) اپنی جان کو سخت مشقت دے۔ خلقت کو آسائش پہنچادے۔

(۱۱) جو چیز کام نہ آوے اسے چھوڑ دے اور جو کافی ہو اس پر قناعت کرے۔

(۱۲) عبادت نصف علم اور ملنساری نصف عقل ہے۔

(۱۳) نہایت دانشمند وہ ہے کہ خدا اور موت کو یاد رکھے اور دوسرے کی بدی اور اپنے احسان کو بھول جاوے۔

(۱۴) کم بوے کم کھاوے۔ کم سووے۔

(۱۵) کسی سے زیادہ میل ملاپ نہ رکھے اور کبھی ہنسی اور ٹھٹھا نہ کرے۔

(۱۶) استقلال رکھے اور کسی سے ترش رو نہ ہووے اور جھڑک کر نہ بولے۔

(۱۷) سفیہوں (کمینوں) کی باتوں پر دھیان نہ دے اور دوستوں کے ساتھ تعظیم سے پیش آوے۔

(۱۸) جن باتوں کا جاننا ضرور ہے ان پر غور کرنے کے لئے کوئی وقت مقرر کرے۔

(۱۹) جو کوئی اپنے ساتھ خطا کرے۔ اس سے درگزر کرے اور جو اپنے سے کسی کی خدمت میں خطا ہو جائے۔ اس کی معافی چاہے۔

(۲۰) اپنے خاندان کی بڑائی اور اپنی استعداد کا اظہار نہ کرے۔

(۲۱) بلا ضرورت کسی کی ملاقات کو نہ جاوے اور جس کسی سے ملے بے تکلف ملے۔

مفید اور موثر نصیحتیں

(۱) اللہ تعالیٰ کا خوف دانائی کا آغاز ہے۔

(۲) نیک بیوی اور تن درستی سے بڑھ کر دنیا میں دولت نہیں۔

(۳) کم کھاؤ۔ طبیعت سے لڑو۔ مرض صحت کا محصول ہے۔

(۴) بہت بولنے والے کام تھوڑا کرتے ہیں۔

(۵) گزرا ہوا وقت ہاتھ سے جاتا رہا۔ آنے والے کی امید نہیں۔ صرف گزرتا ہوا ہمارے قابو میں ہے۔

(۶) عقلمند سوچ کر بولتا ہے۔ بے وقوف بول کر سوچتا ہے۔

(۷) ایک باپ دس بیٹوں کی پرورش کر سکتا ہے مگر دس بیٹے ایک باپ کی پرورش نہیں کر سکتے۔

(۸) غریب اور امیر میں بڑا بھاری فرق صرف یہ ہوتا ہے کہ غریب کھانے کی تلاش میں رہتا

اور امیر بھوک کی تلاش میں۔

(۹) کتابوں کو جمع کرنے سے بہتر ہے کہ علم سینہ میں جمع کیا جاوے۔

(۱۰) جس شخص کو اپنے نفس پر قابو نہیں اس سے دنیا میں کبھی کسی بڑے کام کے پورا ہونے کی امید نہیں رکھنی چاہیے۔

(۱۱) بار بار التوا کرنا کسی کام کا وقت ضائع کرنا ہے۔

(۱۲) وقت پڑنے پر دوست اور دشمن کی پہچان ہوتی ہے۔

(۱۳) سویرے سونے اور سویرے اٹھنے سے آدمی تندرست، دانا اور مزید عمر ہوتا ہے۔

(۱۴) تھوڑا سا غصہ بڑے بڑے فسادوں کا موجب ہوتا ہے۔ جہاں تک ہو سکے غصہ کو خیر باد کہو۔ اور حوصلہ مت ہارو۔

(۱۵) حکمت کا علم جواہرات سے بہتر ہے اور کوئی چیز اس کے برابر نہیں۔

(۱۶) وعدہ کرنے پر دیر کرنا عیب نہیں۔ مگر وفا نہ کرنا سخت عیب ہے۔

(۱۷) نیک گروہوں کے شریک حال ہونا چاہیے۔

(۱۸) پاؤں کا پھسلنا زبان کے پھسلنے سے بدرجہا بہتر ہے۔

(۱۹) طبیعت کو اپنے اوپر حاوی نہ کرنا چاہیے۔ بلکہ اپنے قابو میں اس کو رکھنا چاہیے۔ اس لئے کہ بڑا فتح مند وہی ہے کہ جس نے اپنی طبیعت پر فتح پائی۔

(۲۰) سب سے زیادہ مفلس اور بے وقوف وہ ہے جس کی خواہشیں بہت زیادہ ہیں۔

(۲۱) اچھا کہنے سے کام نہیں چلتا۔ اچھا کرنا چاہیے۔

قدم باید اندر طریقت نہ دم　　　که اصلے ندارد دم بے قدم

(۲۲) سست آدمی ہمیشہ کام ہونے کی شکایت کرتے رہتے ہیں۔

(۲۳) زیادہ طمع کرنے سے علاوہ ذلت کے بہت تھوڑا ملتا ہے۔

خلیفہ سلیمان اور پاکیزہ انسان

مسلمان کے اخلاق کا بیان

مشہور اموی خلیفہ سلمان بن عبدالملک (متوفی ۹۹ھ) حج بیت اللہ سے فارغ ہو کر روضہ نبوی علیہ السلام کی زیارت کیلئے مدینہ منورہ حاضر ہوا۔ اس کے ساتھ وقت کے دو بڑے جید عالم محمد بن شہاب زہری اور رجاء بن حیواۃ بھی تھے۔ تین دن تک ان کا مدینہ منورہ میں قیام رہا۔ سلیمان نے کہا کیا یہاں کئی ایسے صاحب نہیں ہیں۔ جنہوں نے جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے استفادہ کیا ہو؟ کہنے والوں نے "ابو حازم" نامی بوڑھے شیخ کا تذکرہ کیا۔ ابو حازم بلوائے گئے۔ لنگڑے پن کی وجہ سے لکڑی کا سہارا لیتے ہوئے آئے اور اجازت لے کر بیٹھ گئے۔ ظاہری وضع قطع کو حقارت بھری نگاہ سے دیکھتے ہوئے سلیمان نے کہا:۔

ابو حازم! تم نے انتہائی بے مروتی کا مظاہرہ کیا ہے۔ تمہارے علم و فضل اور دینداری کی بڑی شہرت ہے اور پھر تمہارا یہ شرف کیا کم ہے کہ تمہیں صحابہ کرام کے دیکھنے کی سعادت بھی حاصل ہے۔ کیا ایسے پاکیزہ انسان سے اس طرح کے اخلاق کی توقع کی جا سکتی ہے۔

ابو حازم:۔ کہئے جناب! مجھ سے کس بداخلاقی کا ارتکاب ہوا ہے؟

سلیمان:۔ مدینہ کے علماء اکابر اور معززین مجھ سے ملنے کے لئے آئے۔ لیکن آپ نے کوئی پرواہ نہیں کی حالانکہ تمہارا شمار بھی مدینہ کے علماء میں ہوتا ہے۔

ابو حازم:۔ خدا کی پناہ میرا اور آپ کا تعارف نہیں تھا۔ بغیر کسی جان پہچان کے میں کیونکر آتا۔

سلیمان:۔ یہ صحیح ہے! اچھا یہ بتاؤ۔ ہم کیوں موت سے گھبراتے ہیں؟ موت کو بالکل پسند نہیں کرتے۔ اس کا بنیادی سبب کیا ہے؟

ابو حازم:۔ اس کا بنیادی سبب آخرت سے بے نیازی اور دنیا کا انہماک ہے۔ تم نے دنیا کی ترقی اور تعمیر کے لئے اپنی تمام صلاحیتوں کو استعمال کیا ہے۔ یہ متمدن جہان نہایت بارونق، دلچسپ اور آباد ہو گیا ہے۔ آنے والی زندگی کی فلاح و بہبود کیلئے تم نے کوئی کام نہیں کیا۔ بلکہ تم نے اپنے ہاتھوں سے اسے تباہ و برباد کر دیا ہے۔ اس لئے تم آباد اور سرسبز جگہ کو چھوڑ کر ویرانہ کو کیونکر پسند کر سکتے ہو۔

سلیمان:۔ابو حازم! یہ تو حقیقت ہے۔ہاں یہ بتایئے کہ قیامت کے دن لوگوں کا کیا حال ہوگا۔
ابو حازم:۔ نیکوکار آخرت میں اس طرح مسرور ہوگا۔ جیسے کوئی آدمی سفر کے طویل دورے کے بعد اپنے اہل وعیال میں آنے کی وجہ سے مسرت وخوشی محسوس کرتا ہے۔رہا بدکار! تو آخرت کے میدان میں اس کا بہت برا حال ہوگا۔اسے بھاگے ہوئے مجرم کی طرح سمجھئے جسے گرفتار کرنے کے بعد باندھ کر بے رحم تند مزاج آقا کے سامنے پیش کیا جائے۔اب یہ اس کے رحم وکرم پر موقوف ہے۔چاہے تو اسے معاف کردے اور چاہے تو اسے سزا دے ڈالے۔ سلیمان اس بات کو سن کر بے تحاشار و پڑا اور اس کے ساتھ بیٹھنے والے بھی خوب روئے۔ساری محفل غمکدہ بن گئی۔
سلیمان:۔ابو حازم! کاش میں جان سکتا کہ خدا کے ہاں ہماری پوزیشن کیا ہے؟
ابو حازم:۔ کتاب اللہ بہترین کسوٹی ہے۔اس طریقہ سے آپ کو اپنے بارے میں فیصلہ کرنے میں آسانی ہوگی۔ قرآن کی روشنی میں آپ جان سکیں گے کہ خدا کے ہاں آپ کس شمار میں ہیں؟ اور خدا کے رجسٹر میں آپ کا شمار کس گروہ میں ہے؟
سلیمان:۔ابو حازم! بتاؤ قرآن میں یہ کلید نجات کہاں درج ہے؟
ابو حازم:۔ قرآن کی یہ آیت اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ وَّ اِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ واضح طور پر بتارہی ہے کہ خدا کے مطیع ونیک کردار بندوں کو باغ نعیم میں جگہ ملے گی اور خدا کے فاسق ونافرمان بندوں کا ٹھکانہ جہنم میں ہے۔
سلیمان:۔ابو حازم! اللہ کی رحمت کہاں ہوتی ہے؟
ابو حازم:۔اسے اخلاص کے ساتھ خدا کی فرمانبرداری کرنے والوں کے یہاں تلاش کیجئے۔(اِنَّ رَحْمَةَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ)
سلیمان:۔ابو حازم! بتایئے سب سے زیادہ دانشمند کون ہے؟
ابو حازم:۔جس نے دین کے علم وفہم کو حاصل کیا ہو اور لوگوں کو اس کی تعلیم دی ہو۔
سلیمان:۔ابو حازم! سب سے زیادہ بیوقوف کسے کہتے ہیں؟
ابو حازم:۔جو ظالم کی خوشنودی چاہے وہ بہت بڑا احمق ہے۔ گویا اس نے دوسرے کی دنیا بنانے کے لئے اپنی آخرت کو بگاڑ لیا۔
سلیمان:۔ فرمایئے وہ کون لوگ ہیں جن کی دعا قبول ہوتی ہے؟

ابو حازم:۔ خدا کے عذاب سے ڈرنے والے اور اس کی عظمت و جلال کو دیکھ کر عاجزی و زاری کرنے والے۔

سلیمان:۔ اللہ کے یہاں کون سا صدقہ زیادہ پاکیزہ اور مقبول ہے؟

ابو حازم:۔ نادار اور مفلس کی اپنی گاڑھے پسینہ کی کمائی جسے وہ اللہ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لئے خرچ کرتا ہے۔

سلیمان:۔ ہماری موجودہ مشکلات کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے؟

ابو حازم:۔ اسے چھوڑیئے میں معافی چاہتا ہوں۔

سلیمان:۔ خیر اندیشی سے تو آپ کو دریغ نہیں ہونا چاہئے ہماری بھلائی کے لئے کچھ تو ارشاد فرمایئے۔

ابو حازم:۔ میں اس اقتدار کے متعلق کیا کہوں جو مسلمانوں کے مشورہ اور اجماع کے بغیر جبراً مسلط ہو گیا ہو۔ حصول اقتدار کے لئے ناحق خون بہائے گئے ہوں۔ صلہ رحمی کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا گیا ہو۔ اللہ کی حدود کو پس پشت ڈال دیا گیا ہو۔ جہاں عہد شکنی اور وعدہ خلافی کا کھلے بندوں ارتکاب ہو رہا ہو اور ان تمام خلاف فطرف امور کا محرک صرف یہ ہو کہ حقیر دنیا کے فوائد سمیٹ لئے جائیں۔ حکومت کی باگ ڈور اور سلطنت کی زمام کار صرف ہمارے قبضہ قدرت میں رہے۔ اس تگ و دو اور کشمکش کی حالت میں موت نے الارم بجادیا ہو کہ اے ہوس و اقتدار کے متوالو! تمہاری مہلت ختم ہو چکی۔ گزشتہ زندگی کا حساب چکانے کیلئے آخرت کی عدالت تمہیں بلا رہی ہے۔ کاش کہ میں جانتا ان معاملات میں تمہاری اپنی رائے کیا ہے اور تمہارے کارناموں کے متعلق عوام کی کیا رائے ہے۔

ایک درباری لنگڑا:۔ کیا امیر المومنین کا استقبال ان الفاظ سے کیا جانا چاہئے۔ تمہارا انداز گفتگو نہایت دلآزار اور قبیح ہے۔

ابو حازم:۔ خاموش رہو۔ جھوٹ کے پرستارو! غلط بیانی تمہارا شیوہ اور خوشامد و تملق تمہاری فطرت ہے۔ ان غلط اندیشیوں اور باطل نوازیوں نے فرعون اور ہامان کا بیڑہ غرق کیا تھا۔ تم بھی ان ہی کے نقش قدم پر چلنا چاہتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے علماء سے حق پرستی کا عہد لیا تھا کہ اس کے اعلان اور نفاذ میں کسی قسم کی کوتاہی اور نرمی اختیار نہ کریں۔ لوگوں کو حق بات کھول کر بتائیں۔ اس کے چھپانے کا ارتکاب نہ کریں۔

سلیمان:۔ ابو حازم! ہماری غلط کاریوں کی اصلاح کا طریقہ کیا ہے؟۔

ابو حازم:۔ امیر المومنین! اس کا طریقہ نہایت آسان ہے۔

سلیمان:۔ (تکیے کو چھوڑ کر سیدھے بیٹھتے ہوئے) فرمایئے؟

ابو حازم:۔ بیت المال میں حلال مال جمع کیا جائے۔ ناجائز ذرائع اور وسائل سے مال جمع کرنے سے مکمل اجتناب کیا جائے۔ پھر اس مال کا مصرف اسلام کے مطابق ہو صرف مستحقین ہی اس سے استفادہ کر سکیں۔ نیز شریعت کے منکرات اور منہیات سے رک جاؤ اور اس کے مامورات اور معروفات کو اختیار کرو۔ اسلام جن برائیوں کے مٹانے کا حکم دیتا ہے۔ تمہاری طاقت ان برائیوں کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھے۔ اور وہ جن بھلائیوں اور نیکیوں کے فروغ اور غلبہ کا حکم دیتا ہے۔ تمہاری تمام قوتیں اور صلاحیتیں اس کے نفاذ میں مصروف ہو جائیں۔

سلیمان:۔ (آجکل کے زمانہ میں) اسے کون انجام دے سکتا ہے؟

ابو حازم:۔ ایسے اہم کام ان لوگوں کے لئے آسان ہے جنہیں جہنم کا ڈر ہو۔ آگ سے جن کے جسم کا ایک ایک ریشہ خدا کی پناہ مانگتا ہو۔ اور بہشت میں داخل ہونے کیلئے بیتاب ہوں بندگی کا شیوہ اور اللہ کی اطاعت جن کے رگ و پے میں سرایت کر چکی ہو۔ برائیوں اور غلط کاریوں سے جنہیں شدید نفرت ہو۔

سلیمان:۔ ابو حازم! کیا آپ ہماری رفاقت قبول کر سکتے ہیں؟ میرا خیال یہ ہے کہ ہمارے ساتھ چلیں ہم آپ سے استفادہ کریں گے اور آپ سے فوائد حاصل کریں۔

ابو حازم:۔ میں اس سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں۔

سلیمان:۔ ابو حازم! کیوں؟

ابو حازم:۔ اس اقدام سے میرا جھکاؤ ظالموں کی طرف ہو جائے گا۔ پھر اس کے عوض اللہ تعالیٰ مجھے دنیا و آخرت میں دگنا عذاب دے گا۔

سلیمان:۔ تو پھر کبھی کبھی ملاقات تو کیجئے۔

ابو حازم:۔ گزشتہ دور میں علماء بادشاہوں کے حاشیہ بردار نہیں تھے۔ بلکہ بادشاہوں نے گلیم پوش علماء کی مجلسوں میں حاضریاں دی ہیں۔ اس میں فریقین کی سعادت تھی۔ اب ہمارے اس دور میں بادشاہوں نے علماء سے بے نیازی برتی ہے اور علماء نے بادشاہوں کے دربار میں حاضر ہونے کا شیوہ

بنالیاہے۔ نتیجہ یہ نکلا ہے کہ بگاڑ میں دونوں گروہوں نے اپنا مقام پیدا کر لیا۔

سلیمان:۔ ابو حازم! ہمیں چند لفظوں میں بہترین اور جامع نصیحت کیجئے۔

ابو حازم:۔ اللہ سے ڈر، ان تمام کاموں سے رک جا جن کے ارتکاب سے اللہ نے روکا ہے اور ان تمام ذمہ داریوں کو ادا کر جن کا اس نے حکم دیا ہے۔

سلیمان:۔ ہمارے لئے دعا کیجئے۔

ابو حازم:۔ اے اللہ! اگر سلیمان تیرا دوست ہے تو اسے دنیا و آخرت کی بھلائی کی بشارت دے۔ اور اگر یہ تیرا دشمن ہے تو اسے نیکی کی توفیق عطا فرما۔

سلیمان:۔ مزید دعا فرمایئے۔

ابو حازم:۔ واقعہ یہ ہے کہ میں نے بہت ہی جامع دعا کی ہے۔ دیکھ! اگر تو خدا کا دوست ہے تو اس کی مزید تمنا کر اور اگر تو خدا کا دشمن ہے تو عبرت سے کام لے۔ دنیا میں خدا کی رحمت عام ہے اور آخرت میں اس کی رحمت صرف ان لوگوں کے حصہ میں آئے گی جنہوں نے دنیا کی زندگی میں خدا ترسی کا ثبوت دیا ہے اس کمان میں کیا فائدہ جو بغیر "وتر" کے استعمال کی جائے۔

سلیمان:۔ (اپنے ایک خادم سے) ایک ہزار دینار لاؤ، دینار لائے گئے۔ "ابو حازم یہ ہدیہ قبول فرمایئے"۔

ابو حازم:۔ قلندرانہ شان سے ٹھکراتے ہوئے۔ مجھے اس کی بالکل ضرورت نہیں ہے۔ کیوں کہ میری طرح دوسرے لوگ بھی اس مال میں برابر کے حصہ دار ہیں۔ اگر آپ عدل و انصاف کے ساتھ مال کو تقسیم کریں گے تو میں اپنا حصہ لے سکوں گا ورنہ نہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ یہ "ہدیہ" میری ان باتوں کی قیمت ہے جو میں نے آپ سے کی ہیں۔

جناب موسیٰ علیہ السلام جب فرعون سے بھاگ کر مدین کے کنویں پر پہنچے تو انہوں نے دو لڑکیوں کو اپنا ریوڑ علیحدہ کرتے ہوئے دیکھ کر ان سے دریافت کیا۔ تمہارا کوئی مددگار نہیں؟ وہ بول اٹھیں نہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان کے ریوڑ کو پانی پلا دیا۔ پھر سایہ کی اوٹ میں آکر خدا سے دعا کی۔ اللہ تعالیٰ سے اپنے (پانی پلانے کے) کام کی اجرت کا سوال نہ کیا۔ بلکہ صرف یہ درخواست پیش کی:۔

پروردگار! میں اس بھلائی کا محتاج ہوں جو تو نے میری طرف اتاری ہے۔

لڑکیوں کے جلد لوٹ آنے پر ان کے والد کو تعجب ہوا، کہا! آج اتنی جلدی کیونکر؟

لڑکیوں نے کہا:۔ ایک پاک سیرت انسان کی عنایت سے ہم جلد فارغ ہو گئیں۔

باپ:۔ بتاؤ تم نے اس سے کوئی بات سنی؟

لڑکیاں:۔ سایہ کی اوٹ میں جاتے ہوئے اس نے کہا:۔ خداوندا! میں اس چیز کا محتاج ہوں جو تو نے میرے لئے مہیا کی ہے۔

باپ:۔ یہ نووارد یقیناً بھوکا ہوگا۔ ایک لڑکی جا کر بلا لائے تاکہ ہم اسے پانی پلانے کی اجرت دیدیں۔

لڑکی:۔ انتہائی وقار اور حیا کے ساتھ جناب موسیٰ کے پاس پہنچی۔ اور کہا، میرا باپ آپ کو پانی پلانے کی اجرت دینے کے لئے بلا رہا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام:۔ صحرا گردی اور سفر کی تکان سے چور چور تھے۔ بگڑ کر بولے، اپنے باپ سے کہیے میں کسی نیکی کی اجرت لینے کے لئے تیار نہیں ہوں۔

لڑکی:۔ اباجی! وہ نہیں آتے۔ اور نہ ہی پانی پلانے کی اجرت لینے کا انہیں خیال ہے۔

باپ:۔ تم میری طرف سے اس نووارد کو یہ پیغام دو کہ ہم آپ کو جو کچھ بھی دینا چاہتے ہیں اس کے لینے یا نہ لینے کا آپ کو اختیار ہوگا۔ ہم آپ جیسے بلند اخلاق انسان کی زیارت کے خواہشمند ہیں۔ اور آپ سے باتیں سننا چاہتے ہیں ہمارے ہاں ضرور تشریف لائیے۔

موسیٰ علیہ السلام نے یہ پیغام سن کر لڑکی کے باپ سے ملنے کا فیصلہ کر لیا۔ لڑکی کے ساتھ چل پڑے۔ لڑکی آگے آگے تھی اور موسیٰ علیہ السلام اس کے پیچھے، ہوا زور سے چل پڑی۔ اس لئے آگے چلنے والی لڑکی کا کپڑا ذرا ادھر ادھر ہو رہا تھا۔ بلند کردار موسیٰ نے لڑکی سے کہا اب تم میرے پیچھے چلو۔ اور راستہ کا رخ بتاؤ۔ جب دروازہ پر پہنچے۔ تو موسیٰ نے کہا لڑکی: تم اپنے والد کو میرے آنے کی اطلاع دو اور میرے لئے اجازت طلب کرو۔

لڑکی:۔ اباجان! نووارد آ گیا ہے۔ یہ شخص طاقتور ہونے کے علاوہ "امین" (دیانتدار) بھی ہے۔

شعیب:۔ تجھے کیونکر معلوم ہوا؟

لڑکی:۔ جب ہوا کے زوردار جھونکوں سے میرا کپڑا اڑ رہا تھا تو اس شخص نے مجھ سے کہا تم اب میرے پیچھے چلو۔

شعیب:۔ (لڑکی سے) اسے اندر لاؤ۔

موسیٰ علیہ السلام:۔(داخل ہوتے ہی)السلام علیکم

شعیب علیہ السلام نے خوش آمدید اور علیک سلیک کے بعد کھانا پیش کیا اور کہا اسے تناول فرمایئے۔ موسیٰ نے کہا خدا کی پناہ! شعیب علیہ السلام نے پوچھا کیوں؟ موسیٰ نے جواب دیا۔

موسیٰ علیہ السلام:۔ کیونکہ میرا تعلق ایک ایسے خاندان سے ہے جو دنیا جہان کے خزانوں کو تو ٹھکرا سکتا ہے۔ لیکن اپنے دین سے دستبردار نہیں ہو سکتا۔ ہمارے لئے یہ ناممکن ہے کہ ہم اپنے دین کو بیچ ڈالیں۔ خواہ اس کے عوض ہمیں زمین کے برابر ہی سونا پیش کیا جائے۔

شعیب علیہ السلام:۔ خدا کی قسم! کھانے کی دعوت کے بارے میں آپ کا گمان صحیح نہیں ہے۔ یہ طعام آپ کے کسی احسان کا بدلہ یا اس کی قیمت نہیں ہے۔ آپ تو بہت بڑی غلط فہمی کا شکار ہو رہے ہیں۔ بلکہ مہمان نوازی ہمارا آبائی طریق ہے۔ تب موسیٰ نے بیٹھ کر کھانا کھایا۔

یہ واقعہ سنانے کے بعد ابو حازم نے کہا:۔ امیر المومنین سنئے، یہ دیناروں کا انبار اگر میری گفتگو کی قیمت ہے تو باور کیجئے کہ میرے لئے اس سے بدرجہا بہتر ہے کہ میں ضرورت کے وقت مردار گوشت اور خون سے اپنا پیٹ بھر لوں۔ سلیمان ابو حازم کے کردار سے بیحد متاثر ہوا۔

ایک درباری:۔ امیر المومنین سب لوگ ایسے ہیں؟

زہری:۔ (ابو حازم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) یہ صاحب تقریباً تیس ۳۰ سال سے میرے پڑوسی ہیں۔ میں نے ان سے کبھی بات نہیں کی۔

ابو حازم:۔ یہ صحیح ہے۔ کیونکہ آپ خدا کو بھول گئے ہیں۔ اس لئے آپ نے یہ طرز عمل اختیار کیا۔ اگر آپ خدا کو یاد کرتے تو مجھے فراموش نہ کرتے۔

زہری:۔ کیا آپ مجھے گالیاں دیتے ہیں۔

سلیمان:۔ جی نہیں! بلکہ تم اپنے آپ کو گالیاں دے رہے ہو۔ غالباً یہ بات تو آپؒ کے علم میں ہو گی کہ پڑوسی پر پڑوسی کا حق ہوتا ہے۔

ابو حازم:۔ بنی اسرائیل کے بہترین دور میں حکام اور امراء علماء کے محتاج تھے۔ علماء اپنے دین کو بچانے کے لئے امراء سے کنارہ کشی میں اپنی عافیت سمجھتے تھے۔ جب قوم کے گرے ہوئے طبقہ نے علم کی طرف توجہ کی اور علوم دینیہ حاصل کیا تو خوشامد اور تملق نے علم کا وقار گرا دیا۔ حکام کی خوشنودی علماء کا مطمع نظر بن گیا اور وہ امراء کے درباروں کی کاسہ لیسی کرنے لگے۔ اس لئے

حکمران طبقہ علماء سے بے نیاز ہو گیا۔ قوم کا اجتماعی ضمیر معصیت پسند ہو گیا۔ اگر ہمارے علماء اپنے علم کی عزت کرتے تو امراء پر ان کا رعب ہوتا اور وہ ان کا احترام کرنے پر مجبور ہوتے۔

زہری:۔ گویا آپ کا اشارہ میری طرف ہے کیا آپ میرے اوپر نکتہ چینی کر رہے ہیں؟

ابوحازم:۔ آپ تو سن رہے ہیں خود ہی فیصلہ کر لیجئے۔

سلیمان:۔ ابوحازم! چند لفظوں میں مجھے بہترین نصیحت کیجئے۔

ابوحازم:۔ دنیا کی زندگی میں جائز اور حلال چیزوں کے استعمال پر اللہ تعالیٰ سے اجر کی توقع ہے۔ اور جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے ان کے ارتکاب پر جہنم کا عذاب تیار ہے۔ اللہ کی عدالت میں حاضری یقیناً ہو گی۔ تو سزا سے بچ، یا حرام و حلال کے امتیاز کو یک قلم ترک کر دے یہ بات تیرے اختیار میں ہے۔

سلیمان:۔ جناب نے بہت ہی اختصار کے ساتھ کام لیا ہے۔ بتایئے آپ کی مالی حالت کیسی ہے؟

ابوحازم:۔ خدا کے عدل پر یقین اور اس کے جود و کرم پر میرا ایمان ہے میں اس کے ساتھ بہت اچھا گمان رکھتا ہوں۔ اس کے مقرر کردہ وقت تک صبر سے کام لوں گا۔ میں لوگوں کے مال و دولت سے ناامید ہوں۔ صرف خدا کی رحمت پر بھروسہ رکھتا ہوں۔

سلیمان:۔ ابوحازم! اپنی ضروریات پیش کیجئے۔ ہم ان کا بندوبست کرنا چاہتے ہیں۔

ابوحازم:۔ میں اپنی ضروریات اور حوائج اس بارگاہ میں پیش کر چکا ہوں۔ جس کی نصرت اور عنایت سے ہم کسی وقت بھی محروم نہیں ہوتے۔ اس کی شان کریمی کسی مرحلہ پر بھی ہم سے دستبردار نہیں ہوتی۔ اس کے بخشے ہوئے رزق پر میں قانع اور مطمئن ہوں اور جو رزق مجھ سے روک دیا گیا ہے اس سے بے فکر ہوں۔ عمر میں اپنی اس حالت کے باوجود دیکھ رہا ہوں کہ مال و دولت کا جو حصہ میرے لئے مقدر ہے۔ وہ تو بہرحال اپنے وقت پر مجھے مل کر رہے گا۔ میں اپنی تمام مساعی اور تدابیر کے باوجود وقت مقررہ سے قبل اسے حاصل نہیں کر سکتا اور مال و دولت کا وہ حصہ جو دوسروں کے لئے مقدر ہے میں اس کی تمنا نہیں رکھتا۔ اٹل قانون میں میرا رزق دوسرے نہیں چھین سکتے اور دوسروں کے حصہ کا رزق میں نہیں استعمال کر سکتا۔ پھر مال و دولت کے حصول کے لئے میں اپنی جان کیوں جوکھوں میں ڈالوں۔

سلیمان:۔ براہ کرم کوئی ایک ضرورت بیان فرمایئے۔ جس کے پورا کرنے کا ہم حکم دیں۔

ابو حازم:۔ کیا آپ وعدہ کرتے ہیں۔

سلیمان:۔ جی ہاں یقیناً میں اسے پورا کروں گا۔

ابو حازم:۔ آپ مجھے کچھ نہ دیں۔ جب تک میں آپ سے نہ مانگوں۔ آپ مجھے اپنے دربار میں نہ بلوائیں۔ اِلّا یہ کہ خود آنا چاہوں۔ اور جب آنا چاہوں گا تو بن بلائے آؤں گا۔ بیماری کی حالت میں آپ میری عیادت کے لئے تشریف نہ لائیں۔ اور مرنے کے بعد آپ میرے جنازہ میں شرکت نہ کریں۔

سلیمان:۔ ابو حازم! آپ نے تو میری اعانت سے صاف انکار کر دیا۔

ابو حازم:۔ میں بہت زیادہ معمر ہونے کی وجہ سے زیادہ دیر تک نہیں بیٹھ سکتا اب مجھے اجازت دیجئے۔

سلیمان:۔ ایک مسئلہ تو بتایئے؟

ابو حازم:۔ اگر میرے علم میں ہے تو بتا دوں گا۔ ورنہ یہ صاحب جو آپ کے بائیں طرف بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپ کو بتا دینگے۔ (امام محمد بن شہاب زہری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) کیونکہ انہیں اپنے بہت بڑے عالم ہونے کا زعم ہے۔ ہر مسئلہ کے متعلق ان کے پاس معلومات ہیں۔

زہری:۔ حضرت سن، خدا آپ کے شر سے محفوظ رکھے۔

ابو حازم:۔ جہاں تک میرے شر کا تعلق ہے انشاء اللہ آپ اس سے محفوظ رہیں گے۔ البتہ میری تنقید سے آپ کا بچ نکلنا بہت مشکل ہے۔

سلیمان:۔ نماز میں امام کو سلام ایک طرف کرنا ہے یا دونوں طرف؟ علماء کا اس میں سخت اختلاف ہے۔

ابو حازم:۔ سنئے اعامر نے مجھے بتایا تھا کہ ان کے باپ سعد بن ابی وقاص نے جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں دائیں طرف اور بائیں طرف سلام کرتے ہوئے دیکھا اور سلام کی آواز بھی سنی تھی۔ کیونکہ آنجناب نے سلام جہراً کہا تھا۔ اور سلام کرتے ہوئے جناب کے دائیں اور بائیں رخساروں کی سفیدی بھی مقتدی دیکھ رہے تھے۔ پھر عامر نے مجھے یہ بتایا کہ میرے باپ سعد کا عمل بھی ایسا ہی تھا۔ یعنی وہ بھی نماز میں دونوں طرف منہ پھیر کر السلام علیکم ورحمتہ اللہ کہتے تھے۔

زہری:۔ (ابو حازم سے) جناب من احادیث کے بیان کرنے میں شدید احتیاط کی ضرورت آپ کو

اس کی اہمیت کا احساس ہونا چاہئے۔ کسی بات کو جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنا بڑا ہی کٹھن اور مشکل کام ہے۔ تاوقتیکہ پورا یقین اور اطمینان نہ ہو جائے حدیث کی روایت نہ کی جائے۔

ابو حازم:۔ میں اس حدیث کو اس زمانہ سے جانتا ہوں جبکہ آپ کے منہ میں دانت بھی نہیں اگے تھے۔ اور برابر روایت کرتا رہا ہوں۔

زہری:۔ (سلیمان کی طرف متوجہ ہو کر) جناب میں نے آج تک نہیں سنا یہ رسول اللہ کی حدیث ہو۔

ابو حازم:۔ (ہنستے ہوئے) زہری! کیا آپ کو حدیث کی تمام روایات پر عبور حاصل ہے۔

زہری:۔ جی نہیں۔

ابو حازم:۔ ممکن ہے دو تہائی حدیثوں کا آپ کو علم ہو۔

زہری:۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ احادیث نبوی کا دو تہائی حصہ ضرور مجھ تک پہنچ سکا ہے۔ جسے میں نے روایت کیا ہے۔

ابو حازم:۔ یہ روایت میں نے بیان کی ہے یہ ان احادیث میں سے ہے جن کا ایک تہائی حصہ آپ تک نہیں پہنچا اور نہ ہی آپ انہیں سن سکتے ہیں۔

سلیمان:۔ (زہری سے) جس نے آپ سے بحث کی ہے۔ اس نے یقیناً آپ پر کوئی زیادتی نہیں کی۔

(ابو حازم اجازت لے کر چلے گئے)

سلیمان دور سے انہیں احترام کی نگاہ سے دیکھتا رہا اور بے حد تاثر اور عقیدت کا اظہار کرتا رہا۔ حاضرین کی طرف متوجہ ہو کر سلیمان نے کہا۔ میرا اندازہ ہے کہ اب دنیا میں ایسے لوگ باقی نہیں ہیں۔ (از ابن قتیبہ)

آزادی تقریر

خلیفہ منصور کا زمانہ ہے۔ دنیا کے تختہ پر اسلامی طرز حکومت کے کچھ نشان باقی ہیں۔ حق بات کہنے والے غریب انسان اور حق بات سننے والے سلاطین زندہ ہیں۔ رات کا وقت ہے اللہ کا ایک بندہ اللہ کے گھر کا طواف کر رہا ہے۔ صورت شاہانہ، طرز و طور شاہانہ، شخصیت عظیم و جلیل،

مگر اللہ کے گھر میں ایک معمولی پروانہ کی طرح شمع حقیقت کے گرد چکر پر چکر لگا رہا ہے۔ حال کیفیت ہے جو طاری ہے۔ وجد کی حالت ہے جو برابر جاری ہے۔ کون ہے یہ شخص؟ حاکم وقت مسلمانوں کا حکمران، امیر المومنین خلیفۃ المسلمین منصور۔

حرم کے اسی ماحول میں، اسی طرح پر، اسی جگہ ایک اور آدمی بھی خدا سے لو لگائے باتیں کر رہا ہے۔ صورت غریب، کم حیثیت، معمولی، پریشان فکر اور پراگندہ حال باتیں کر رہا ہے۔ مگر شکوہ شکایت کی۔ شکوہ انسانوں کا ہے۔ خطاب خدا سے۔

"اے اللہ میں تجھ ہی سے شکوہ کرتا ہوں تو دیکھ رہا ہے۔ ظلم حد سے گزر چکا ہے۔ تجھ سے بغاوت کی جا رہی ہے۔ زمین فساد سے بھر چکی ہے۔ حق پیچھے جا پڑا ہے اور لوگ طمع میں مبتلا ہیں"۔

خلیفہ وقت نے اپنے کانوں سے یہ آواز سنی۔ خدا کے گھر میں منصور کی شکایت، کانپ اٹھا۔ حکم ہوا کون ہے یہ؟ اس کو بلایا جائے۔ غریب آدمی نے دو رکعت نماز ادا کی، حجر اسود کو بوسہ دیا، منصور کے سامنے آیا۔ کہا السلام علیکم۔

منصور۔ "وعلیکم السلام" یہ کیا شکوہ ہے۔ بغاوت کہا ہے۔ خدا کا باغی کون ہے۔ فساد کی زمین کدھر ہے۔ تجھے پناہ دی جاتی ہے۔ بے خوف ہو کر سچ بتا کیا بات ہے۔

"غریب آدمی"۔ امیر المومنین! وہ شخص جس کے دل میں طمع نے گھر بنا لیا ہے جس نے حق کو پیچھے ڈال دیا ہے۔ جو حق اور فساد کے درمیان کام کر رہا ہے جو حق اور سرکشی کے درمیان واسطہ ہے۔ وہ تو ہے اور تیری ذات، خدا نے تجھکو جمہور کا ذمہ دار بنایا ہے۔ اور تو غافل ہے۔ تو نے قلعے اور محل بنائے اور ان کے دروازے لوگوں پر بند کر دیئے ہیں۔ تیرا گورنر، تیرے دفتر تیرے حکام رشوت لیتے ہیں۔ ڈالیاں قبول کرتے ہیں۔ اللہ کا ملک ظلم و فساد اور طمع سے بھر گیا ہے اور تو غافل ہے۔

"منصور" نے اس سے زیادہ باتیں سنیں۔ وہ لرزنے لگا۔ آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ اور زبان پر یہ الفاظ۔

"اے کاش میں پیدا نہ ہوتا۔ افسوس میرا نفس کتنے دھوکے میں ہے"۔

تقریر کی آزادی کا دعویٰ کرنے والے اور تقریر کی آزادی مانگنے والے دونوں غور کریں کیا اس روشنی، ترقی، تہذیب اور تمدن کے زمانہ میں بھی جمہور کے حقوق اور شخصی آزادی کی کوئی

ایک ایسی مثال نظر آتی ہے۔

انصاف کی تاریخی مثال

اسلامی حکومت کا شاندار دور ہے۔ بغداد عروس البلاد کے نام سے موسوم ہے۔ ایشیاء افریقہ اور یورپ میں مسلمانوں کا سکہ جاری ہے۔ بغداد کروڑوں دلوں پر حکومت کر رہا ہے۔ لاکھوں دماغوں کو مرعوب کیے ہوئے ہے۔ یورپ میں بغداد کے حکمران کا نام عزت سے لیا جاتا ہے۔ معمولی قاضی کے لفظ کا وہ رتبہ ہے جو آج بڑے سے بڑے ہائیکورٹ کے جج کو نصیب نہیں۔

خلیفہ المہدی۔ تن تنہا اپنے محل سے روانہ ہوتا ہے۔ بصرہ کے قاضی کی عدالت میں پہنچتا ہے اور مدعی کی حیثیت سے مقدمہ پیش کرتا ہے۔ قاضی عبید اللہ بن الحسن عنبری کرسی عدالت پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ ایک طرف المہدی ہے اور دوسری طرف بصرہ کی نہر مرعات کے کاشتکار، غریب کسان۔

قاضی نے مقدمہ کی سماعت کا آغاز کیا۔

قاضی:۔ امیر المومنین! کیا دعویٰ ہے۔

المہدی:۔ میرا دعویٰ یہ ہے۔ زمین اللہ کی ہے۔ نگرانی ہماری ہے۔ حق تمام مسلمانوں کا ہے۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ فروخت ہو اور اس کا سارا روپیہ تمام مسلمانوں کیلئے اور ان کی ضرورتوں پر خرچ نہ کیا جائے۔ ان لوگوں نے نہر مرعات کی زمین پر قبضہ کر لیا ہے۔ اگر امام اس بات کو نظر انداز کر دے تو دوسرے کیا نہیں کرینگے۔

قاضی:۔ آپ نے دعویٰ سن لیا۔ جواب دعویٰ پیش کیجئے۔

مرعات کے کسان:۔ جناب مرعات کی نہری زمین ہماری خاص ملک ہے۔ ہمارے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک قانونی نظیر ہے۔ آپ نے قانون مقرر کیا تھا۔ جو شخص بنجر اور بے آباد زمین کو آباد کرے وہ اسی کی ہے۔ نہر مرعات کی زمین مردہ تھی ہم نے اس کو پانی دے کر زندہ کیا۔ قبضہ ہمارا ہے۔ ملک ہماری ہے۔

اس اثناء میں فریقین میں جھڑپ ہو پڑی۔ المہدی نے سنبھل کر حدیث کو سنا اور کہا میں نے قانون نبوت کو سن لیا۔ میں تسلیم کرتا ہوں۔ اس کی اطاعت کرتا ہوں۔ مگر مجھے اس سے

انکار ہے۔ کہ زمین بنجر تھی۔ نہری زمین بنجر ہو ہی نہیں سکتی۔ اگر وہ اس کا ثبوت پیش کریں تو میں اس کو تسلیم کر لونگا۔ کسان لوگ کوئی ثبوت نہیں پیش کر سکے مگر قاضی کے انصاف نے یہ محسوس کیا کہ کسانوں کی رعایت کی جائے۔ اس نے کاشتکاروں کی طرف رخ کیا اور اس بات پر گفتگو شروع کہ فیصلہ تمہارے موافق اور خلیفہ کے کیخلاف ہو تو قرین انصاف ہوگا۔

اسی اثناء میں فریقین میں پھر چپقلش شروع ہو گئی، فیصلہ ہو چکا تھا۔ مگر سنایا نہ جا سکا۔ المہدی بہت آزردہ خاطر ہوا۔ فریقین مقدمہ منتشر ہو گئے۔ المہدی نے قاضی کو معزول کر دیا مگر اس فرمان کے ساتھ۔

"میں قاضی کو کبھی علیحدہ نہ کرتا اگر وہ فیصلہ میرے خلاف کرتا اور فیصلہ میں یہ لکھتا کہ حق میرے ساتھ ہے۔ فیصلہ انصاف کی مصلحت اور کسانوں کے حق میں ہے"۔

جمہوریت، پریوی کونسلوں اور ہائیکورٹوں اور کسانوں کی تحریکوں کے اس دور سے پہلے کیسی کیسی مثالیں تاریخ میں موجود ہیں۔ بادشاہ قاضی کی عدالت میں ہے۔ عدالت میں ایک فرمانروا اور غریب کا مرتبہ یکساں ہے۔ فیصلہ حکومت کے خلاف اور کسانوں کے حق میں ہے۔ پھر بادشاہ اپنے خلاف فیصلہ سننے کے لئے تیار۔

مقصدِ زندگی اور فلسفی

دنیا کے بڑے بڑے علماء حکماء اور فلسفیوں نے انسان کی زندگی کے مختلف ملکوں اور مختلف وقتوں میں مختلف مقاصد بتلائے۔ ان کی رائے اور ان کے اصولوں میں اتنا فرق اور اختلاف ہے کہ زندگی کا ایسا نصب العین جس پر تمام متفق الرائے ہوں معلوم کرنا نہایت دشوار بلکہ ناممکن ہے۔ ہم ان فلسفیوں کا فلسفہ مختصر الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

سکھ اور دکھ: عام طور پر فلسفی زندگی کے مقاصد تین قسم کے بتلاتے ہیں اور ان کے بموجب فلسفی تین فرقوں میں تقسیم کیے گئے ہیں۔ اول ہیڈونسٹ (HEDONIST) جن کا یہ عقیدہ ہے کہ انسان کو اپنے دل یا نفس کے مطابق عمل کرنا چاہیے۔ ہر شخص کا دل چاہتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ خوشی اور کم سے کم غم حاصل ہو۔ لہٰذا انسان کی زندگی کا مقصد سکھ کا حصول اور دکھ سے نجات ہونا

چاہئے۔ انسان کی عقل کا کام محض اتنا ہے کہ اسے سکھ حاصل کرنے اور دکھ سے بچنے میں مدد کرے۔ اس فرقہ کے فلسفیوں کے قول کے مطابق نیک کام وہ ہے جس سے سکھ اور راحت حاصل ہو اور دکھ سے نجات۔ اور خراب کام وہ ہے جن کا نتیجہ غم اور تکلیف ہو۔

دوسرے ریشنلسٹ (RATIONALIST) جن کا یہ قول ہے کہ انسان کو اپنی عقل کے کہنے کے مطابق عمل کرنا چاہئے اور اپنی نفسانی خواہشات کو اپنی عقل کے زیر حکومت رکھنا چاہئے کیونکہ عقل ہی انسان کو انسان بناتی ہے۔

تیسرے اینٹوشنلسٹ (INUITIONALIST) جن کا یہ عقیدہ ہے کہ ہر شخص کے پاس ایک ایسی خداداد طاقت ہے جس سے وہ نیک و بد کی تمیز کر سکتا ہے۔ اس طاقت کا نام اردو میں ضمیر اور انگریزی میں (CONSCIENCE) ہے۔ انسان کو چاہئے کہ اس طاقت سے کام لے اور ہمیشہ اپنے ضمیر کے حکم کے مطابق کام کرے۔ اس میں سوچ بچار یا بحث مباحثہ کو دخل نہیں۔ اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ جب انسان کوئی برا کام مثلاً چوری کرنے لگتا ہے۔ تو اسے اندر سے الہام ہوتا ہے کہ یہ کام برا ہے۔ اسے کرنا مناسب نہیں۔ نیک سیرت اور شریف لوگ ایسے موقعوں پر اپنے ضمیر کی صدا صاف سن لیتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں اور اگر جلدی میں بغیر سوچے سمجھے کوئی برا کام ہو بھی جاتا ہے ضمیر بعد میں برا بھلا کہتا رہتا ہے۔ اور خاص قسم کا افسوس انسان کے کلیجہ کو اٹھ اٹھ کر مسلتا رہتا ہے۔

واضح ہو کہ ان تین فرقوں میں سے ہر ایک کے کئی فرقے ہیں۔ مثلاً پہلے فرقہ کی مندرجہ ذیل شاخیں ہیں:۔

(ا) پرانے زمانہ کے ایک یونانی فرقہ کو جس کو سائرینکس (CYRENAICS) کہتے ہیں۔ یہ عقیدہ تھا کہ انسان کی زندگی کا مدعا محض خوشی و خرمی ہونا چاہئے جو وقت گزر جاتا ہے۔ وہ پھر واپس نہیں آتا۔ لہٰذا گزرے ہوئے واقعات کی کچھ حقیقت نہیں۔ لہٰذا ہمیں گزشتہ زمانہ بالکل بھول جانا چاہئے۔ اور چونکہ ہم زمانہ مستقبل کے بارے میں کچھ نہیں جانتے اس لئے ہمیں آئندہ کا خیال نہ کرنا چاہئے۔ کیا معلوم کل موت آکر ہماری زندگی کا خاتمہ کر دے۔ لہٰذا ہمیں چاہئے کہ زمانہ حال میں خوب عیش و عشرت کریں اور زیادہ سے زیادہ خوشی حاصل کریں چونکہ ہماری زندگی لمحوں سے مل کر بنی ہے اور ہم اپنی زندگی لمحہ بہ لمحہ بسر کرتے ہیں۔ اس لئے ایک لمحہ کی بھی خوشی ہمارے لئے

بڑی حقیقت رکھتی ہے۔

راحت جاوداں

(۲) آگےچل کر جب علماء و حکماء نے مذکورہ بالا عقیدہ پر غور و خوص کیا تو انہیں معلوم ہوا کہ اس عقیدہ کے بموجب زمانہ حال کے چند لمحوں کی ضرورت سے زیادہ فوقیت مانی گئی ہے۔ اور زمانہ مستقبل کی خوشی کا مطلق خیال نہیں رکھا گیا۔ اس خیال سے انہوں نے اس مقصد میں ذرا ترمیم کردی اور ایک نیا اصول بنادیا۔ جس کو اپی کیورنیزم کہتے ہیں۔ اس عقیدہ کے بموجب انسان کو زمانہ حال کی چند لمحوں کی خوشی کے بجائے راحت جاوداں کا خیال کرنا چاہئے۔ اور اس کی زندگی کا مقصد یہ ہونا چاہئے کہ وہ اپنی تمام زندگی میں زیادہ سے زیادہ خوشی اور کم سے کم غم حاصل کرے۔

آخر کار اس مدعا کے متعلق مختلف سوال اٹھنے لگے۔ مثلاً ہمیں زیادہ تر اپنی ذاتی خوشی کا خیال کرنا چاہئے۔ یا دوسروں کی خوشی کا۔ مسٹر ہوب اور چند دیگر فلسفیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ انسان کی نیچر میں خود غرضی داخل ہے۔ لہٰذا انسان اپنی خوشی کا خیال چھوڑ کر دوسروں کی خوشی کی پرواہ نہیں کرسکتا۔ اس لئے انسان کو چاہئے کہ اپنی زندگی کا مقصد اپنی ذاتی خوشی بنائے۔ ہاں جہاں اسے دوسروں کو آرام پہنچا کر ذاتی خوشی حاصل ہو تو اسے دوسروں کو خوشی پہنچانے میں دریغ نہ کرنا چاہئے۔ برخلاف اس کے مسٹر جون سٹیورٹ مل کا یہ عقیدہ ہے کہ انسان کی زندگی کا اصول یہ ہونا چاہئے کہ روئے زمین پر جتنے ایسے جاندار ہیں جنہیں آرام اور تکلیف، غم اور خوشی کا احساس ہے۔ انہیں کم سے کم غم اور زیادہ سے زیادہ خوشی حاصل ہو۔ مسٹر سٹیفن (STEPHEN)، سپنسر (SPENCER) اور چند دیگر فلسفیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ انسان کا ایک دوسرے سے تعلق ایسا ہونا چاہئے جیسا کہ کسی جاندار جسم کے ایک عضو کا دوسرے عضو سے ہوتا ہے۔ بنی آدم مانند ایک جسم کے ہے اور ہر انسان اس جسم کا ایک عضو ہے۔ ان فلسفیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ جس طرح انسان کا کوئی عضو جسم سے علیحدہ کردیئے جانے پر زندہ نہیں رہ سکتا۔ اسی طرح انسان بھی اگر انسانی قوم سے بالکل علیحدہ کردیا جائے تو وہ زندہ نہیں رہ سکتا۔ ہر انسان کی زندگی کا مقصد جسم انسانی کی تندرستی اور ترقی ہونا چاہئے اس طرح خوشی خود بخود حاصل ہوجائے گی۔

دوسرے نظریئے میں بھی مندرجہ ذیل تین شاخیں ہیں:۔

(۱) پرانے زمانہ میں ایک یونانی فرقہ جس کو سینکس (CYNICS) کہتے ہیں۔اس کا یہ عقیدہ تھا کہ انسان کو پارسائی اختیار کرنی چاہئے اور خوشی کا مطلق خیال نہ کرنا چاہئے کیونکہ خوشی کی خواہش اور خوشی کا خیال پارسائی کے جانی دشمن ہیں۔دنیا میں حقیقی خوشی حاصل نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ دارِ فانی تو ایک غمکدہ ہے۔لہٰذا یہاں سچے سکھ کی تلاش کرنا بالکل فضول ہے جہاں تک ہو سکے دنیا سے الگ رہو۔ نفس کشی کرو، اپنے نفس امارہ پر غلبہ حاصل کرو۔

نفسانی خواہشات

(۲) آگے چل کر یونان میں فلسفیوں کا ایک اور فرقہ بنا جس کو سٹوائکس (STVICS) کہتے ہیں۔ انہوں نے سینکس کے فلسفہ میں ذرا ترمیم کر دی۔اور یہ کہا کہ انسان کو دنیا سے دور نہیں بھاگنا چاہئے بلکہ شہروں اور قصبوں میں مل جل کر رہنا چاہئے۔قدرتی طور پر زندگی بسر کرنی چاہئے۔ خوشی کا مطلق خیال نہ کرنا چاہئے۔اپنی نفسانی خواہشات کو رد کرنا چاہئے۔

عقل و ضمیر

(۳) جرمنی کے ایک مشہور فلاسفر کانت (KANT) کا یہ عقیدہ ہے کہ انسان اور جانوروں میں اصلی فرقہ یہی ہے کہ انسان کو خدا نے عقل عطا کی ہے اور جانوروں کو اس عقلی قوت سے محروم رکھا ہے۔چونکہ ہر انسان صاحب عقل ہے۔اس لئے تمام انسان برابر ہیں اور ان کے حقوق یکساں ہونے چاہئیں۔کوئی کسی کا مطیع نہ ہو۔اگر مطیع ہو تو محض اپنی عقل کا دوسرے لفظوں میں اپنے آپ کا عقل کی تابعداری نہایت ضروری ہے۔انسان کو خود اپنے آپ پر قابو رکھنا چاہئے۔
جس طرح ناک کی مدد سے ہم خوشبو اور بدبو میں تمیز کر لیتے ہیں اور آنکھ کی مدد سے چیزوں کی خوبصورتی اور بدصورتی کا اندازہ لگا لیتے ہیں اسی طرح ہم اپنے ضمیر کی مدد سے افعال نیک و بد میں تمیز کر سکتے ہیں۔

مسائل کا نچوڑ

مذکورہ بالا فلسفیوں کے فلسفہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی کوشش زیادہ تر یہی رہی کہ ایک دوسرے کے فلسفہ کا رد کریں۔ مگر اگر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو ان تمام کے فلسفوں میں کچھ نہ کچھ سچائی ضرور موجود ہے۔اگر ان تمام مسائل کا نچوڑ نکال لیا جائے تو نہایت

مفید مطلب مسئلہ حاصل ہو۔ یہ تو مانی ہوئی بات ہے کہ انسان خوشی کا خیال نہیں چھوڑ سکتا اور یہ بھی بجا ہے کہ عقل انسان میں ایک اعلیٰ قوت ہے کیا ہی اچھا ہو اگر انسان ادنیٰ درجہ کی خوشی کا خیال کم کر کے اعلیٰ درجہ کی جائز خوشی کو اپنی زندگی کا مقصود بنائے۔ پھر ادنیٰ اور اعلیٰ جائز اور ناجائز خوشی میں تمیز کرنے کے لئے اپنی عقل سے کام لے۔ عام طور پر لوگوں کا خیال ہے کہ انسان کی عقل اور اس کے نفس یعنی دل کے درمیان طبعی مخالفت اور دشمنی ہے۔ مگر یہ خیال بالکل غلط ہے۔ اکثر لوگوں میں دیکھا جاتا ہے کہ ان کا نفس اور ان کی عقل دونوں مل کر کام کرتے ہیں۔ اور ان کی مدد سے زادگی نہایت آرام، کامیابی، خوشی اور خوبصورتی کے ساتھ بسر ہوتی ہے۔ عقل اور نفس دونوں انسان کے ضمیر کے حصہ ہیں۔ انسان کی زندگی کا مقصد ایسے اس ضمیر کی تربیت ہونا چاہیے۔ جس میں عقل اور نفس دونوں شامل ہیں۔

نیک اصول

چونکہ تمام انسان اصحاب عقل ہیں۔ اس لئے انسان کی زندگی کا مدعا نیک و بد میں تمیز کرنے کے اصول جو عقل کی مدد سے مقرر کیے جائیں۔ وہ تمام لوگوں کے لئے مناسب ہونگے۔ نیک اصول کی جانچ یہی ہے کہ وہ بہ آسانی تمام لوگوں کے عمل میں لایا جاسکتا ہے۔ اور وہ اصول جو تمام لوگوں کے استعمال میں نہ لایا جاسکے وہ خراب اور غلط ہے۔ فرض کرو ہم یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ چوری کی عادت اچھی ہے یا بری۔ اب اگر چوری کی عادت تمام لوگ اختیار کرلیں تو نتیجہ کیا ہوگا۔ انسان کی زندگی تلخ ہو جائیگی۔ کیونکہ جہاں ذرا آنکھ بچی تو مال دوستوں کا ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر جھوٹ بولنے کی عادت تمام لوگ اختیار کرلیں تو سچ جھوٹ میں تمیز کرنا نہایت دشوار ہو جائے اور سچ بولنے کی قدر جاتی رہے۔ لہٰذا جھوٹ بولنا بری بات ہے۔ مگر کانٹ کا یہ عقیدہ ہے کہ اگر جھوٹ بولنا بری بات ہے تو جھوٹ کبھی کسی حالت میں نہ بولنا چاہیے۔ جھوٹ بولنے سے کتنا ہی فائدہ کیوں نہ ہو۔

تیسرے فرقہ کے فلسفہ پر بھی مختلف فلسفیوں نے طرح طرح سے رائے زنی کی ہے۔

(۱) چند فلسفیوں کا خیال ہے کہ انسان کا کوئی ایسا ضمیر نہیں جو کہ نیک و بد کی تمیز کرے یہ محض ایک خیالی چیز ہے۔

(۲) کانٹ کہتا ہے کہ ضمیر دراصل عقل ہی کا دوسرا نام ہے۔

(۳) ایک مشہور فلسفی بٹلر (BUTLER) اور مسٹر سافٹس بری (SHAFTISBWRY) کا یہ عقیدہ ہے کہ نفس اور عقل کے علاوہ انسان میں ایک تیسری قوت جو کہ نیک و بد میں تمیز کرتی ہے اسی کا نام ضمیر ہے۔

نفس اور عقل کی تربیت کے یہ معنی ہیں کہ انسان کی جو جو خداداد طبعی قوتیں ہیں۔ ان کو وہ تربیت دے اور ان میں کمال حاصل کرے۔ انسان کی زندگی کا مقصد خدا نے اس کی طبعی عادات اور جذبات میں داخل کر دیا ہے۔ لہٰذا انسان کو چاہئے اپنی نیچر کے مطابق عمل کرے اور اپنے دل و دماغ کی پوشیدہ قوتوں کو بیدار کرے اور معلوم کرے وہ خود کیا شے ہے۔

مختصر یہ کہ فلسفہ کی انتہا خود شناسی ہے۔ اسلام کی ابتدا خود شناسی اور انتہا خدا شناسی ہے۔

حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پر حکمت باتیں

۱۔ جس کے پاس عقل نہیں اس کے پاس ادب نہیں۔ جس کے پاس ہمت نہیں اس کے پاس کامیابی نہیں۔ جس کے پاس دین نہیں اس کے پاس حیا نہیں۔

۲۔ تین باتیں آدمی کو ہلاک کرتی ہیں۔ تکبر، حرص، حسد۔ تکبر سے دین جاتا ہے۔ دیکھو شیطان اسی سے ملعون بنا۔ حرص سے آدمی مصیبت میں پڑتا ہے۔ جیسے حضرت آدم علیہ السلام جنت سے نکالے گئے۔ حسد عداوت کو کھینچتا ہے۔ جیسے قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا۔

۳۔ اپنا علم دوسروں کو سکھاؤ اور دوسروں کا علم خود سیکھو کہ اس صورت میں جو دوسرے نہ جانتے ہوں وہ تم سکھاؤ گے اور جو تم نہ جانتے ہو گے وہ دوسروں سے سیکھ لو گے۔

۴۔ کسی نے پوچھا خاموشی کیا ہے؟ فرمایا عیب کا چھپانا اور آبرو کی زینت برقرار رکھنا۔ خاموشی اختیار کرنے والا راحت میں رہتا ہے۔ اور اس کا ہم نشین امن وامان میں۔

۵۔ کوئی کسی کے پاس نہیں جاتا مگر چند باتوں سے یا بخشش کی امید میں یا سزا کے خوف میں یا علمی فائدہ کے خیال سے یا برکت و دعا کی امید میں یا اپنے اور اس کے درمیان صلہ رحم قائم رکھنے کے لئے۔

۶۔ حاسد ایسا ظالم ہے جو مظلوم سے مشابہ ہے۔
۷۔ قناعت اور رضا عطا کرنے سے زیادہ بڑی ہے۔
۸۔ جس کی ابتدا اچھی اس کا انجام اچھا۔
۹۔ ظلم پر غصہ نہ آنا ذلت ہے۔ نعمت کا شکر ادا نہ کرنا ملامت ہے۔
۱۰۔ عقل کا نشان یہ ہے کہ لوگوں سے نیکی کی جائے۔ اور دین اور دنیا کو سنبھالا جائے۔

ایک روز امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت امام حسن علیہ السلام سے حسب ذیل سوالات کیے۔ آپ نے جو کچھ ان کے جوابات دیئے وہ یہ ہیں:۔

۱۔ نیکی کیا ہے؟ برائی کا بدلہ احسان سے دینا۔
۲۔ شرافت کیا ہے؟ قبیلہ سے نیکی کرنا اور سختی کو برداشت کرنا۔
۳۔ مروت کیا ہے؟ پرہیزگاری اور پاک دامنی اور اصلاح مال۔
۴۔ جوانمردی کیا ہے؟ خرچ کرنا خوش حالی و تنگی میں۔
۵۔ بدبختی کیا ہے؟ جو ہاتھ آئے اسے فضول کاموں میں خرچ کرنا۔
۶۔ مواخات کیا ہے؟ سختی اور خوش حالی دونوں میں مدد کرنا۔
۷۔ نامردی کیا ہے؟ سچ کے خلاف کہنا اور دشمن سے ایذا اٹھانا۔
۸۔ غنیمت کیا ہے؟ پرہیزگاری کی طرف رغبت کرنا اور دنیا کو ترک کرنا۔
۹۔ حکمت کیا ہے؟ غصہ کو پینا اور نفس پر قابو پانا۔
۱۰۔ مالداری کیا ہے؟ قسمت الٰہی پر اپنے نفس کو راضی کرنا چاہے کتنا ہی کم کیوں نہ ہو۔
۱۱۔ فقیری کیا ہے؟ ہر شے کی طرف نفس کا حریص ہونا۔
۱۲۔ ذلت کیا ہے؟ صدمہ سے ڈرنا۔
۱۳۔ جرأت کیا ہے؟ اپنے احباب سے موافقت کرنا۔
۱۴۔ کلفت کیا ہے؟ ایسے شخص سے سوال کرنا جسے تمہارے کلام سننے کی پرواہ نہ ہو۔
۱۵۔ بزرگی کیا ہے؟ ارادہ کی پختگی اور جرم کی معافی۔
۱۶۔ روشن دل کیا ہے؟ نیکی کرنا اور برائی کا چھوڑنا۔
۱۷۔ عقلمندی کیا ہے؟ حلم اختیار کرنا اور حکام سے نرمی پیش آنا۔

۱۸۔ حماقت کیا ہے؟ کینوں کا اتباع کرنا اور گمراہوں کی مصاحبت اختیار کرنا۔

۱۹۔ غفلت کیا ہے؟ مسجد کا ترک کرنا اور مفسد کی اطاعت کرنا۔

امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مواعظ

اے بنی آدم! حرام باتوں سے بچو عابد بن جاؤ گے۔ قسمت خدا پر راضی ہو جاؤ غنی ہو جاؤ گے۔ پڑوسی کے ساتھ احسان کرو مسلمان بن جاؤ گے۔ جو لوگ تمہارا دوست بننا چاہتے ہیں ان کے دوست بن جاؤ عادل کہلاؤ گے۔ تمہارے سامنے ایک ایسی قوم ہے جو کہ مال کو بہ کثرت جمع کرتی ہے مضبوط مکان بناتی ہے۔ لمبی لمبی امیدیں کرتی ہیں۔ یہ جلد ہلاک ہونے والے لوگ ہیں۔ ان کا عمل سراسر غرور ہے۔ قبریں ان کا مسکن بننے کے لئے انتظار کر رہی ہیں۔

اے بنی آدم! جب سے تم اپنی ماں کے پیٹ سے جدا ہوئے ہو تمہاری عمر برابر گھٹتی جا رہی ہے۔ پس جو کچھ تمہارے ہاتھ میں ہے اس سے کسی کی مدد کر جاؤ۔ مومن وہی ہے جو زاد آخرت مہیا کرے اور کافر وہ ہے جو دنیا کے مزے اڑانے میں مشغول رہے۔ سب سے بہتر زاد راہ تقویٰ اور پرہیزگاری ہے۔

امام حسن علیہ السلام کا فخر

میں ایک ایسے درخت کی شاخ ہوں جو دنیا کا بہترین درخت ہے۔ میرے آباؤ اجداد بزرگ ترین عرب ہیں۔ ہم کو ان پر فخر ہے۔ ہمارا حسب ونسب بہترین حسب ونسب ہے۔ ہم ایسے درخت کی شاخ ہیں جو آگے بڑھنے والا ہے۔ جس کے پھل پاک وپاکیزہ ہیں۔ جس کا تنا قائم رہنے والا ہے۔ جس کی جڑ اسلام اور علم نبوت ہے۔ ہم کو خدا نے بلند مرتبہ دیا ہے۔ اور وہ ہمیں فخر کے لئے کافی ہے۔ ہماری عزت کا دریا کبھی خشک نہیں ہوتا۔ اور ہماری بزرگی کے پہاڑ کبھی پست نہیں ہوتے۔

ایک دن معاویہ نے امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے سامنے فخر کیا کہ میں ایک ایسے شخص کا بیٹا ہوں جو بڑا سخی تھا۔ اور قریش کا سردار تھا۔ امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں فرزند ہوں اس شخص کا جو پرہیزگاری کا مرکز تھا۔ ہدایت کا مصدر تھا۔ فضل میں تمام دنیا کا سردار تھا۔ حسب ونسب میں سب پر فائق تھا۔ میں ایسے شخص کا بیٹا ہوں جس کی اطاعت اللہ کی اطاعت اور

جس کی معصیت اللہ کی معصیت تھی۔

قانون ارتقاء میں اخلاق کا درجہ

انسان اس مادی کائنات میں خدا کی ایک عظیم و جلیل مخلوق ہے۔ جس کے سر پر نیابتِ الٰہیہ کا تاج رکھا گیا ہے اور تمام عالم کو اس کے لئے مسخر کر دیا گیا ہے۔ اسی آدم یا انسان کی یہ شان ہے کہ وہ اپنی مخفی قوتوں کا صحیح اور بر محل استعمال کر کے اپنے مقام اور کائنات کے اسرار سے واقف ہو گیا ہے اور اس معرفت و ادراک کی بدولت اس نے وہ مقام حاصل کر لیا ہے۔ جس میں خدا کی کوئی اور مخلوق دم نہیں مار سکتی۔ ظاہر ہے کہ انسان کا یہ مرتبہ اس کی جسمانی قوت کا نتیجہ نہیں ہے اور نہ اس کی بدنی ساخت کو اس میں کوئی دخل ہے۔ بلکہ یہ نتیجہ ہے اس کے معنوی کمالات اور ادراکات کا جنہوں نے انسان اور دیگر مخلوقات کے درمیان ایک خط امتیاز کھینچ دیا ہے اور اس میں حکمرانی و فرمانروائی۔ ادراک معرفت اور حقائق شناسی کی صلاحیتیں پیدا کر دی ہیں۔ اگر یہ معنوی محاسن انسان کے اندر نہ ہوتے تو کوئی وجہ نہ تھی کہ گائے بیل اور شجر و حجر کے مرتبہ میں نہ رکھا جاتا اور عام مخلوقات میں برابر کی جگہ نہ دی جاتی۔ پس انسان کی مرتبت و عظمت کا محور اس کی یہی خصوصیات ہیں جو انسانیت کا سنگ بنیاد اور اس کی عظمت کا اصلی جوہر ہیں۔

خصوصیاتِ انسان

انسان کی یہ خصوصیات بے شمار ہیں۔ یا کم از کم ایسی ہیں کہ خود انسان بھی اب تک ان کا پورا احاطہ نہیں کر سکا ہے۔ ان امتیازی خصائص کا نام "اخلاق" ہے۔ جو مخفی قوتوں کے نشو و نما اور ان کی تعدیل و تہذیب سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور ان کا صحیح استعمال انسان کو مہذب اور با اخلاق بنا دیتا ہے۔

یوں تو ہر زمانہ میں اخلاق کی اصلاح اور تربیت کی ضرورت رہی ہے۔ لیکن موجودہ ارتقائی دور میں اس کی ضرورت و اہمیت اور بھی زیادہ بڑھ گئی ہے۔ کیونکہ آج ہمارے اجتماعی معاشی اور اقتصادی معاملات کا ان ہی پر انحصار ہے۔ اگر ہم اس جدت پسند زمانہ میں اپنی سیرت کی تعمیر اور ضمیر کی تشکیل پر متوجہ نہ ہوئے تو اس کا نتیجہ اجتماعی تباہی اور قومی بربادی کے سوا اور کچھ نہ ہو گا۔ ہزارہا برس کے تجربہ اور مشاہدہ کے بعد انسان نے اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے کہ قوموں کی عزت و ذلت کا مدار علم و ثروت پر نہیں ہے۔ بلکہ اس کا مبنی انسان کا وہ اخلاق ہیں جو اس میں شرف و کرامت

کا شعور اور ترقی کا احساس پیدا کرتے ہیں۔

اخلاق کی قوت

ایک زمانہ میں جو قومیں بحر متوسط کے ساحلوں پر فرمانروا تھیں۔ ان کو رومیوں کا سیلاب بہا کر لے گیا اور یہ حقیقت ہے کہ ان کی شکست کا سبب جہل و افلاس نہ تھا۔ بلکہ اس کی وجہ اخلاق کا فقدان اور قومی سیرت کا ضعف تھا۔ یونان جو علم و حکمت کی کان اور فلسفہ کی معمور دنیا تھی اور اس کے باشندوں کا ذہنی اور فکری ارتقاء اپنے منتہائے کمال کو پہنچ گیا تھا۔ روم کے جاہلوں نے اس کو بھی تاخت و تاراج کر دیا اور "حکمت یونانیاں" اس انقلاب کا تماشہ خاموشی کے ساتھ دیکھتی رہی اور اس کے مربی غلامی کی زنجیروں میں جکڑ لئے گئے ہیں۔ اس زمانہ میں قومی بقاء کا انحصار جن اخلاق پر تھا (یعنی اتحاد، ثبات، شجاعت) وہ سب رومیوں میں موجود تھے۔ اور یونان اپنے عقلی فلسفہ کے باوجود ان سے تہی دامن ہو چکا تھا۔

عربوں کے اخلاق

صدر اسلام میں عربوں نے اپنے احساس عمل کا جو ثبوت بہم پہنچایا اور بر و بحر کے نئے نقشے تیار کر کے جس سطوت اور جبروت سے حکومت الٰہی قائم کی اس کا فراموش کر دینا انسان کی طاقت سے باہر ہے لیکن ان یہ فتح و ظفر، علم و ثروت، فلسفہ و حکمت اور فکر کی رہین منت نہیں تھی۔ بلکہ یہ ان اخلاق کا براہ راست نتیجہ تھا جو اسلام نے ان میں پیدا کئے تھے اور جن کی بدولت عرب کے بادیہ نشین شجاعت، استقلال فکر، صبر و استقامت، خودداری میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔

ہم سطور ذیل میں اخلاق کے چند گوشوں پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔ تاکہ عملی دنیا میں بسنے والے عملی انسان ان کے مطابق اپنی سیرت کی تشکیل کر سکیں اور عوامل ارتقاء میں اپنے لئے کوئی جگہ حاصل کر لیں۔

(۱) صدق اور اس کے لوازم: صدق، حقیقت میں سید الاخلاق اور تمام اوصاف کی بنیاد ہے کیونکہ اسی سے محاسن اور حمیدہ خصائل کے چشمے اُبلتے ہیں اور اسی سے فواحش و منکرات کی شیطانی فوج کو شکست دی جاتی ہے۔ کسی بزرگ کا قول ہے۔ "فرزند کو سچائی کی تعلیم دو یہی سچائی اس کو تمام محاسن سکھا دیگی"۔ ایک حدیث میں بھی ہم کو یہ حقیقت نظر آتی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:-

"ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلام کے بعد عرض کیا یا رسول اللہ! میں مواخذہ کے ڈر سے چھپ چھپ کر گناہ کرتا ہوں۔ اور گناہ بھی کیسے؟ زنا، چوری، شراب نوشی اور جھوٹ! میں مواخذہ سے بچنے کیلئے ان کا اظہار نہیں کرتا اور نہ یہ تمام گناہ مجھ سے چھوٹ سکتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ کسی ایک گناہ سے تائب ہو سکتا ہوں۔ اب آپ بتائیے کہ میں ان گناہوں میں سے کس گناہ کو ترک کردوں؟۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ جھوٹ بولنا چھوڑ دے! یہ شخص اس فیصلہ پر بہت خوش ہوا اور اٹھ کر چلا گیا۔ ایک روز اس نے بدکاری کا قصد کیا لیکن فوراً خیال آیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گناہ کی بابت ضرور دریافت فرمائیں گے اگر اس وقت میں نے بدکاری سے انکار کیا تو یہ جھوٹ ہوگا۔ جس کو ترک کرنے کا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ کر چکا ہوں۔ اگر میں نے اقرار کرلیا تو مجھ پر حد قائم کی جائے گی۔ اس کشمکش کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہ شخص زنا کے ارتکاب سے باز رہا۔ اس کے بعد اس نے چوری کا ارادہ کیا۔ پھر شراب نوشی کا، لیکن ہر قدم پر یہی مشکل پیش آتی رہی۔ آخر اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہو کہا۔ یا رسول اللہ! میں نے تمام گناہوں سے توبہ کی!"۔

اب ہم ان اخلاق عالیہ کا ذکر کرتے ہیں جو صدق کے ذیل میں آتے ہیں یعنی شجاعتِ ادبیہ۔

(۱) شجاعت ادبیہ یعنی اظہار رائے کی جرأت اور قول کی صراحت۔ یہ وصف ہر انسان کے لئے نہایت ضروری ہے کیونکہ اس پر افادہ اور استفادہ کا دار ومدار ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ ہم میں خلق کا یہ جوہر بہت ہی کم پایا جاتا ہے۔ اس خلق کی پیدائش کے بعد انسان کا فرض ہو جاتا ہے کہ وہ بلا خوف و خطر دوسرے کے سامنے اپنی رائے ظاہر کردے اور منافق بن کر مخاطب کو دھوکا نہ دے جو شخص اپنے اظہار رائے کی جرأت نہیں رکھتا وہ نہ صرف بزدل اور منافق ہے بلکہ دوسرے کے حقوق کو پامال کرنے والا بھی ہے۔ ہم میں عیب یہی ہے کہ ایک ہی مسئلہ میں مختلف احوال کی بنا پر دو متضاد آراء کا اظہار کرتے ہیں اور دیدہ ودانستہ دوسروں کو فریب میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ آپ ہی بتائیے کہ کتنے آپ کے ایسے دوست ہیں جو بلا رو رعایت اپنی مخلصانہ رائے آپ کے سامنے ظاہر کرتے

ہوں؟ اور کتنے لیڈر ہیں جو اس فضیلت کے حامل ہیں؟ بہت سے لوگ اظہار رائے سے اس لئے ڈرتے ہیں کہ کہیں مخاطب خفا نہ ہو جائے اور اس کے جذبات کو ٹھیس نہ لگے۔ بظاہر تو یہ چیز بھلی معلوم ہوتی ہے لیکن حقیقتاً مخاطب کے ساتھ اس سے بڑھ کر اور کوئی دشمنی نہیں ہو سکتی کہ اس کو صحیح مشورہ سے محروم رکھا جائے۔ اور نازک موقعہ پر اس کی رہنمائی نہ کی جائے۔

جھوٹ اور نفاق

اس قسم کے بزدلوں میں وہ لوگ زیادہ خطرناک ہوتے ہیں جو اپنے اعتقاد و ضمیر کے خلاف مخاطب کو خوش کرنے کے لئے ہاں میں ہاں ملانے کا پیشہ اختیار کر لیتے ہیں اور صحیح چیز کا ادراک رکھتے ہوئے مخاطب کو اس کی غلطی پر نہیں ٹوکتے۔ اس مرض کی ترقی کا سبب یہ ہے کہ ہر شخص کو خوش رکھنا ہی ہم کمال سمجھتے ہیں اور یہ خیال کر بیٹھے ہیں کہ اظہار رائے سے یہ شخص ناراض ہو جاتا ہے جو لوگ اس فضیلت سے محروم ہیں وہ سچ بولنے سے شرماتے ہیں حالانکہ شرمانے کی چیز سچائی بلکہ کذب و نفاق ہے جو انسانی شرافت کے عین مخالف سمت واقع ہوا ہے اس دور ارتقا میں ہمارا فرض ہے کہ شجاعت ادبیہ کی عام طور پر اشاعت کریں کیونکہ یہی چیز ہمارے معاشی اور اجتماعی عوامل کی روح، تہذیب و تربیت کا مظہر اور فکری ارتقاء کا نشان ہے۔

(از جناب مولانا محمد ایوب صاحب اویسی)

انسانی زندگی

ایک مفکر مغربی کے تصورات

ا۔ زندگی کیا ہے؟ ہمیں کچھ اس کی نسبت معلوم ہے؟ اگر معلوم ہے تو کس طرح معلوم ہے؟ کائنات زندگی سے معمور ہے۔ ہم مٹی، پانی اور ہوا کو جاندار اجسام سے بھرا ہوا پاتے ہیں۔ ان میں سے بہتوں کو ہم آنکھ سے دیکھتے ہیں اور بہت خوردبین کے ذریعہ سے نظر آتے ہیں۔ اور گمان غالب ہے کہ نہ صرف دوسرے سیارے اور آفتاب ہی بلکہ وہ لاانتہا فاصلہ بھی جو ان کے مابین حائل ہے جانداروں سے پُر ہو۔ اور اگر اب ایسا ہے تو بلاشبہ ابتدائے آفرینش سے ہی ایسا ہو گا۔ پس سوچو تو کس قدر بے شمار جاندار پیدا ہوئے۔ زندگی بسر کی اور مر گئے! مگر زندگی کا بھید اب تک کچھ بھی نہیں ملا۔ نہ ہمیں خبر ہے کہ یہ کس طرح دی جاتی ہے اور نہ اس بات کا علم ہے کہ کیونکہ اس کو واپس

لے لیا جاتا ہے۔نہ کسی الہام نے اس مضمون پر کچھ روشنی ڈالی ہے اور نہ سائنس اس تاریکی کو دور کر سکا جو اس مسئلہ پر پھیلی ہوئی ہے۔یہ کہ دینا بہت سہل ہے کہ زندگی ترکیب عناصر کا نتیجہ ہے اور اس ترکیب میں بے ترتیبی آجانے کا نتیجہ موت ہے مگر اس قسم کے بیانات مہمل ہیں کیونکہ ان سے واقع میں ہمیں کوئی حقیقت معلوم نہیں ہوتی ہے۔اور یہ سوالات قائم رہتے ہیں کہ یہ کیوں اور کہاں سے ہے لیکن ہمیں خاص کر جس بات کے جاننے کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ اس زندگی کا مقصد کیا ہے اور یہ ناممکن ہے کہ اس کا کوئی مقصد نہ ہو۔

ضمیر

۲۔ یہ ایک ایسی تحقیقات ہے جس میں صرف عقل تاثر اور ضمیر یعنی نور قلب ہی ہماری رہنمائی کر سکتا ہے جیسا ہم یہ نہیں جانتے کہ زندگی کیا ہے ویسا ہی ہمیں یہ بھی خبر نہیں کہ ضمیر کیا ہے۔لیکن ہم محسوس کرتے ہیں کہ ہمارے اندر ایک ایسی شے ہے یعنی ایک طبعی حس نیک اور بد کی ہے جو ہمیں گمراہ نہیں کرتی۔ہم یہ بھی محسوس کرتے ہیں کہ ہمارے اندر ایک ایسی طاقت ہے جس کے ذریعہ سے ہم صحیح اور غلط، اور سچ اور جھوٹ میں تمیز کرتے ہیں۔اور اسی کو ہم عقل سے نامزد کرتے ہیں۔یہی ہمارا ایک مستقل رہنما ہے اور یہ دونوں تاثر کے ساتھ مل کر جواز خود پیدا کرتے ہیں۔ہمیں اس بات کے سمجھنے میں بہت بڑی مدد دیتے ہیں کہ ہم دنیا میں کس واسطے پیدا ہوئے ہیں اور ہمارا کیا انجام ہوگا۔

انسان اور حیوان

زمین کا مالک کون ہے؟ ظاہر ہے کہ انسان ہی ہے کیونکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک شے اسی کے استعمال، فائدے اور آرام کے لئے بنائی گئی ہے۔مگر اس پر بھی وہ یہ محسوس کرتا ہے کہ میں بیٹھا تو ہوں مگر دودھاری تلوار میرے سر پر آویزاں ہے۔درندوں اور پرندوں کی مختلف ترکیب رکھی گئی ہے اور جو بہشت اُن کو دیا گیا ہے اس کی وہ پورے طور پر قدر کرتے ہیں۔ان کی طبعی حاجات خوراک اور جسمانی خوشیوں پر محدود ہیں اور جو کہ ان کا سامان بافراط مہیا کر دیا گیا ہے۔وہ بخوبی متمتع ہو رہے ہیں ان کی دو سب سے بڑی خواہشیں بھوک اور شہوت ہیں اور دونوں بہت عمدگی کے ساتھ پوری ہو جاتی ہیں۔کون ہے جس نے سوائے مشکلے حالات کے کسی درند پرندیا

کیڑے مکوڑے کو کبھی ناخوش دیکھا ہو؟ ان کی حالت جو ہم سے مختلف ہے خالص آرام اور خوشی کی حالت معلوم ہوتی ہے ان میں نہ اخلاق ہے اور نہ بد اخلاقی جس پر وہ سوچیں اور نہ شک ہے اور نہ پشیمانی جو ان کو اذیت دے اگر ان کے لئے ایسے مصائب بھی ہیں جن کا ہم کوئی معاوضہ نہیں دیکھتے جیسا کہ انسان کا غلام ہونا ہی ان کے لئے ایک بڑی مصیبت ہے تو یہ غالباً ان کی سرشت کی حالت ان کی ترتیب اور کسی ایسے فائدے کے لئے ہے جو اور کسی طرح پر حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔ لیکن ظاہر اسباب جو کچھ ہم دیکھ رہے ہیں۔ وہ یہی ہے کہ سطح زمین پر ان کی حالت بخلاف انسان کی حالت کے ایک آرام اور خوشی کی حالت ہے۔

انسانی ضرورتیں

۳۰۔ کیوں انسان بھی اپنی حالت سے ایسا ہی حظ حاصل نہیں کرتا؟ دنیا جیسی اور جانوروں کے لئے خوبصورت ہے ویسی ہی انسان کے لئے ہے۔ محنت کے بعد نینداس کو لطف دیتی ہے بھوک میں خوراک کا پورا مزہ آتا ہے۔ سہانی خوشبوئیں، پرندوں کا الاپنا، چاند کی چاندنی موسم گرما میں باد سحر کے جھونکے سب کے لئے سرور کا باعث ہیں۔ انسان کو جملہ حواس یعنی آنکھ، کان، ناک اور خیال کے ذریعہ سے خشکی اور تری پر، اوپر اور ارد گرد، ہر ایک طرف سے سرور حاصل ہوتا ہے۔ وحشی انسان کی ضرورتیں پوری ہوتی ہیں جو بہت ہی کم ہیں مہذب انسان کی ضرورتیں بہت ہیں شاید کوئی رہ جاتی ہو ورنہ ان میں سے اکثر پوری ہوتی ہیں۔ اس کی ذات کی آسائش کے لئے اس کو زمینیں اور سامان معیشت یعنی، گھر، باغات، چاندنی، سونا اور کھانے پینے کی چیزیں بافراط اور بلا قید دی گئی ہیں۔ مگر تو بھی انسان محسوس کرتا ہے کہ یہ آرام اس کی ہستی کا اعلیٰ مقصد نہیں ہے جو تلوار اس کے سر پر آویزاں ہے اس نے ناممکن کر دیا ہے کہ یہ ایسا ہو جو کچھ اس کو دیا گیا ہے اس سے یہ بمقابلہ دوسرے جانوروں کے بہت ہی کم لذت حاصل کرتا ہے بلکہ تکلیفیں زیادہ ہوتی ہیں۔ اور اگر ہم یہ خیال کریں کہ وہ دونوں میں سے ایک کے لئے بنایا گیا ہے تو اس کی زندگی متضاد حالات کا ہیولا معلوم ہوتی ہے۔

انسان کا مقدر

۳۱۔ پس جب انسان کی یہ عجیب و غریب حالت ہے تو ہم قدرتی طور پر نتیجہ نکالتے ہیں کہ اس کا مقدور دوسرے جانوروں کے مقدر سے بالضرور مختلف ہے۔ یہ تمام سے نرالا ہے۔ یہی غلط اور صحیح

میں تمیز کر سکتا ہے۔ صرف یہی اخلاق نیکی اور اخلاقی بدی کا تصور رکھتا ہے۔ تنہا اسی میں وہ خواہشیں اور الوالعزمیاں پائی جاتی ہیں۔ جن کو بجلی اور دھواں بھی مطمئن نہیں کر سکتا۔ شعور طبعی کے علاوہ اس میں قوت ناطقہ ہے جو ترقی کے لئے بنائی گئی ہے۔ چوپائے پیدائش سے جوانی کے سالوں تک ترقی کرتے ہیں۔ لیکن نسلاً بعد نسلاً ترقی نہیں کرتے۔ گھوڑا جیسا آج ہے ویسا ہی ہزار سال گزرے تب تھا لیکن لڑکا جو آج مدرسہ میں تعلیم پاتا ہے وہ سقراط (۱) اور بیکن (۲) کے معلومات کے علاوہ کوپر نیکس (۳) اور نیوٹن (۴) کی تحقیقاتوں سے لدا جارہا ہے۔ زمانہ پر زمانہ گزر رہا ہے اور انسان کی رفتار جاری ہے مگر کہاں کو؟ زندگی کی برکتیں یعنی تندرستی، خوش مزاجی اور دلجمعی تو ہم میں سے صرف چند کو حاصل ہیں لیکن اس کے مصائب یعنی تکالیف اور بیماریاں۔ دل کی پریشانی، تباہی اور بربادی کو جو نقصانات جرائم اور آپس کے قضیوں سے پیش آتی ہے ہم میں سے بہت محسوس کر رہے ہیں۔ مگر ان دونوں میں سے کوئی بھی ہمیں دوڑ میں نہیں روکتی۔ ہماری رفتار جاری ہے۔ نہ خوشیاں ہماری دامن گیر ہوتی ہیں اور نہ آزمائشیں جان کی جوکھوں کا خوف دلا کر ہماری سدِ راہ ہو سکتی ہیں۔ زمانہ کی رفتار کو ٹھہرانے کے لئے ہم بے فائدہ کوشش کر رہے ہیں۔ پانی کی رو ہمیں آگے کی جانب بہائے لیئے جاتی ہے۔ اس کے زور کو توڑنے کے لئے ہماری تمام جدوجہد بیکار ہے اس وقت ہم دوستوں اور رشتہ داروں سے گھرے ہوئے ہیں۔ دیکھتے دیکھتے تنہا اور اکیلے رہ جاتے ہیں اور کچھ عرصہ کے بعد بالکل ہی تباہ اور برباد ہو جاتے ہیں۔ پھر زندگی کا مقصد کیا ہے ہمیں کس منزل مقصود پر پہنچنا ہے؟

زندگی ایک مدرسہ ہے

۵۔ جب ہم اس معمے پر عقل اور ضمیر کو ساتھ لے کر غور کرتے ہیں تو یہی ذہن میں آتا ہے کہ زندگی ایک مدرسہ ہے۔ جس میں اخلاقی اور روحانی تعلیم دی جاتی ہے۔ ہر ایک سانحہ جو اس میں پیش آتا ہے ہمارے لئے تزکیہ نفس کا ایک سبق ہے اور تمام عناصر جن کو ہم اپنے چاروں طرف دیکھتے ہیں ہمارے معلّم ہیں۔ ہمیں اپنے گرد مستقل عناصر اور قوتوں کا مجمع نظر آتا ہے۔ اور وہ تمام ہمیں ترقی کے راستہ میں مدد دینے کے لئے کچھ نہ کچھ فرائض رکھتے اور انہیں بجالاتے ہیں۔ تمول اور فلاکت۔ خوشی اور رنج۔ بیاہ اور موت زندگی کے رشتے وابستہ یا شکستہ یہ سب سبق ہیں جو اتفاقیہ

طور پر نہیں دیئے جاتے بلکہ ہماری بہبود اور نجات کے لئے مقرر اور منضبط کئے گئے ہیں ہم سب دولت، بزرگی اور طاقت کی قدر کرتے ہیں گو اصل میں وہ کچھ بھی قدر کے لائق نہیں ہیں کیونکہ وہ بخار کی پیاس کے مشابہ ہیں جس کو پانی کبھی بجھا نہیں سکتا۔ وہ اسی وقت قابل قدر ہیں جب بردباری اور تحمل کا سبق دیں اور ہمیں سوسائٹی کا کارآمد رکن بنائیں۔ مفلسی، بیماری اور زحمت کشی سے ہم بھاگتے ہیں لیکن در حقیقت وہ دولت اور بزرگی سے بھی زیادہ قدر کے لائق ہیں کیونکہ وہ ہمارے جذبات کو روکتی اور مغلوب کرتی ہیں۔ ہمیں حلیمی اور برداشت کا سبق دیتی ہیں اور ہستی کے نہایت مشکل مسائل کے لئے ہمیں تربیت کرتی ہیں۔ اے میرے لکھ پتی دوست تم زندگی میں خوش وقت اور آسودہ رہے ہو۔ مگر تم نے اپنی اس خوش وقتی اور آسودگی سے کیا سبق حاصل کیا؟ اگر صرف یہی کہ ہیچو ما دگرے نیست تو ابھی تمہاری تعلیم کا زمانہ ختم نہیں ہوا۔ اور اگر تحمل اور اعتدال اور کشادہ دلی تو بے شک تم نے اچھا سبق حاصل کیا۔ اے غریب شخص تو نے اپنی زندگی تکلیف اور مفلوک الحالی میں بسر کی مگر تجھے اس نے کیا درس دیا؟ اگر صرف حسد اور سخت دلی تو تیرے لئے یہ سبق ناکارہ ہوا۔ اور اگر دلیری اور خدا پر بھروسہ اور توکل تو بلا شبہ تو نے عمدہ تعلیم پائی۔ سب سے بڑے سبق حاصل کرنے کے لائق ہیں۔ وہ صرف دو ہیں اول حوصلہ سے برداشت کرنا۔ دوم۔ فروتنی سے استعمال میں لانا۔ ان میں سے پہلا سبق ہم اپنی تکالیف اور مصائب سے حاصل کرتے ہیں اور دوسرا خوشحالی اور آسودگی سے۔ اگر ان کے سیکھنے میں ہم ناکام رہے تو انسانی زندگی ہمارے لئے بے فائدہ ہے اور ہماری آزمائش کا زمانہ بہت طویل۔

دل کی آزمائش

۶۔ پس ہمارے خیال میں زندگی صرف دل کی آرائش ہے اور ہم سب دیکھتے ہیں کہ دل کی حالت سے ہی یہ اپنا رنگ حاصل کرتی ہے۔ ایک غم زدہ شخص کو زندگی تاریک نظر آتی ہے اور ایک سیر آدمی کو یہ خشک اور بے مزہ معلوم ہوتی ہے ایک دلشاد کے لئے یہ فرحت انگیز اور ایک پر امید کے لئے امیدوں سے بھری ہوئی ہے۔ ایک صاف باطن کے لئے صاف اور ایک نیک کے لئے یہ نیک ہے غرض کہ وہ شے ایک ہے جس کی طرف ہم سب کی ٹکٹکی بندھی ہوئی ہے۔ مگر اس کی ہیئت ہم میں سے بعض کو مختلف نظر آتی ہے۔ آنکھ اپنے لئے خوبصورتی، کان اپنے لئے خوش الحانی اور

دل اس چیز کو جس سے اسے راحت ملتی ہے۔ خود پیدا کر لیتا ہے۔ دنیا میں نہ کوئی ایسی خوشی ہے جس کو دل رنج میں تبدیل نہیں کر سکتا اور نہ کوئی ایسی تکلیف ہے جو اس کے چاہنے پر مبدل براحت نہ ہو جائے۔ ہماری آزمائشیں مدامی ہیں مگر ان کا مقصد ایک ہی ہے اگر ہم ان سے فائدہ اٹھائیں تو زندگی رائیگاں نہیں ہے۔ جن باتوں کے لئے ہم زندگی کی شکایت کرتے ہیں وہ ہمیں میں ہیں۔ اگر ہم اپنے میں آگ کو مشتعل کریں اور اپنے فرض کو مردانہ وار بجالائیں تو زندگی کی تاریک جانب ہمارے لئے بالکل تاریک نہ ہو گی۔

آگے بڑھو!

۷۔ زندگی میں انسان کا درجہ یہ ہے کہ کام کرے۔ دوسرے جانداروں کی ضروریات کے سامان خود قدرت نے مہیا کر دیئے ہیں۔ انہیں صرف ان کے حاصل کرنے کے لئے جستجو کرنی پڑتی ہے مگر صرف انسان ہی ہے جو اپنی حاجتوں کو اپنی محنت سے رفع کرتا ہے۔ اس کو ایک ایسی طبیعت عطا ہوئی ہے جس کے مقاصد اس زندگی سے بڑھ کر ہیں۔ جو بغیر اندیشہ جوابدہی کے کاہلانہ عیش و آرام میں بسر کی جاتی ہے اور کام اس طبیعت کا مناسب جز ہے جو انسان کو نہ صرف جسمانی بلکہ اپنی اخلاقی ضروریات کو بھی پورا کرنے کے لئے کرنا پڑتا ہے۔ تاکہ وہ ان خوبیوں کو حاصل کر سکے جن کے ساتھ اس کی بہبود وابستہ ہے۔ زندگی میں بہت سے ماجرے پیش آتے ہیں جن میں سے کوئی تحمل چاہتا ہے۔ کسی میں سنجیدگی یا صاف دلی یا حیا یا اپنی عزت کا لحاظ یا فراخ حوصلگی دکھلانے کی ضرورت پڑتی ہے۔ لہٰذا ضرور ہے کہ دل کو اس طرح پر تربیت کیا جائے کہ جب کبھی اس قسم کی کوئی ضرورت پیدا ہو خواہ وہ کیسی ہی ناگہانی کیوں نہ ہو تو وہ اس کو پورا کر سکے۔ ہماری انسانیت میں ایک مسئلہ ہے جس کا قیاسی حل علم فلسفہ ہے اور عملی حل نیک زندگی۔ ہستی کا اشارہ یہ ہے کہ "آگے بڑھو" اور نیکی اور دیانت میں ترقی کرنا وہ مقصد ہے جو ہمیں حاصل کرنا چاہئے۔ خدا نے جیسے ہر ایک کی خلقت میں عقل کا جوہر رکھ دیا ہے ویسے ہی کم و بیش سب کو طبعاً نیکی کی بھی رغبت عطا فرمائی ہے اب انسان کا کام یہ ہے کہ جس قدر حصہ اس کو ملا ہے اس کو تربیت کرے اور ترقی دے تخم ہم میں موجود ہے اور ہمارے دل کھیت ہیں۔ اب اس کی کاشت ہمارے بغیر کون کرے؟

عقل کا تقاضا

۸۔ لوگ دنیا میں قدرتی طور پر عیش و آرام کی جستجو کرتے ہیں اور کوئی وجہ نہیں کہ وہ ایسا نہ کریں۔ خدا نے ہم کو نہ بہت خواہش ہی دی ہے اور نہ بہت جذبات دیئے ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ اس کی منشا تھی کہ ہم ان سے متمتع ہوں اور بخوبی متمتع ہوں مگر ایسا جو علانیہ کر سکیں لیکن عقل کا تقاضا ہے کہ حواس کا ہمیشہ یہی کام نہ رہنا چاہیے۔ اپنی ضروری خواہشوں کو پورا کرنے کے علاوہ ہم پر اور فرائض بھی ہیں جو زیادہ اہم ہیں۔ مثلاً دل کی درستی، روح کی تربیت اور باطن کی صفائی اور یہ ایسے فرائض ہیں کہ دنیاوی مشغلوں میں پڑ کر ان کو بھلا دینا سخت نادانی ہے۔ دنیاوی کام بھی ہمارے لئے ضروری ہے۔ خدا نے ہمیں اس سے آزاد پیدا نہیں کیا۔ لیکن فعل الٰہی کی خوبصورتی یہ ہے کہ اسی روزانہ محنت کو جو ہم پر لازم کی گئی ہے ہم اپنی ہستی کے اعلیٰ مقاصد اور اپنے انجام کار کے حاصل کرنے میں بھی لگا سکتے ہیں۔ دکان پر ہوں یا مدرسہ میں دفتر میں ہوں یا اپنے گھروں میں اور خواہ عیش و نشاط میں۔ ہمیں اپنے دلوں کی تعلیم اور اپنی طبیعت کی اصلاح کرنے کے ہر جگہ یکساں سہولتیں اور وقتیں حاصل ہیں اور اس لئے اسباب میں پھنس کر انجام کار سے غفلت کرنے کا کوئی عذر نہیں ہو سکتا۔

انسان کام کرتا ہے وہ دولت جمع کرتا ہے یا کتابیں لکھتا ہے یا کپڑے سیتا ہے یا جوتے بناتا ہے غرض کام سب یکساں ہیں لیکن جب وہ اس دنیا سے کوچ کرتا ہے تو کوئی کام اس کے ساتھ نہیں جاتا۔ اس کے ساتھ جو کچھ جاتا ہے وہ صرف اس کام کا نقش ہے جو اس کے دل پر بیٹھ جاتا ہے اگر دولت، طاقت اور شہرت سے دل کی وہ ترقی نہیں ہوتی جو اس کے لئے ضروری ہے تو یہ بے فائدہ ہیں۔ ہماری ایک بہت بڑی ضرورت یہ ہے کہ ہمارے دل کو روز بروز وسعت ہو ہم کہتے ہیں۔ ہمیں دولت، شہرت اور طاقت دے لیکن وہ حاکم مطلق کہتا ہے کہ "تمہیں ان سے فائدہ نہ ہو گا۔ تم وہ لو جن کو مصائب زندگی کہتے ہو کیونکہ وہ اس شے کو جو تم میں قابل قدر ہو گی صاف کریں گے، وسعت دیں گے اور طاقت بخشیں گے"۔ سونا اور چاندی مثل اور اشیاء کے ایک مقصد کے حاصل کرنے کے ذریعے ہیں۔ نجار اپنے اوزاروں سے اور دولت مند اپنی نقدی کی تھیلیوں سے دولتمند نہیں ہے دولت مندوں نے کتنے ایسے شخص پیدا کئے جو در حقیقت قابل تعریف ہوئے ہیں۔

قدرت کے سچے امیر وہ نہیں جو سونا یا چاندی رکھتے ہیں۔ بلکہ باعتبار صورت کے وہ جو تندرست اور مضبوط ہیں۔ اور بلحاظ باطن کے وہ جو دانا اور عقلمند ہیں پس ہمیں جس چیز کی ضرورت ہے۔ وہ یہی ہے جس کے ذریعے سے ہم اپنی منزل مقصود پر پہنچ جائیں۔ ہمارے رہنما موجود ہیں چنانچہ ذہنی معاملات کی جانچ کے لئے عقل، اخلاقی امور کی جانچ کے لئے نور قلب یا کانشنس، خانگی تعلقات اور ہر ایک چیز کی جانچ کے لئے جو الفت و یگانگت سے تعلق رکھتی ہے۔ الفت اور خدا کا قرب حاصل کرنے کے لئے روح۔ مگر جس بات کی ہمیں ضرورت ہے وہ صرف یہ ہے کہ عمل کریں اور اپنے اپنے دائرہ کے اندر اپنے فرائض بجالائیں اور اس دور اندیش خدا کے مخالف نہ ہوں جو ہمیں نجات دینے پر آمادہ ہے۔

فرض اور راحت

۹۔ ایک فقیر کے چیتھڑے کس چیز کو ڈھانپتے ہیں؟ ایک انسانی جسم کو ایک شہزادہ کی شاہی پوشاک؟ وہ بھی ایک انسانی جسم کو۔ مگر آزمائشیں دونوں کی برابر ہیں۔ اعتدال، پرہیز اور خوش اطواری کا اثر تن درستی، نیکوکاری، زندہ دلی اور محبت کا اثر شادمانی اور بیفکری اور سخاوت اور نیک نیتی عام کا نتیجہ دل کی تسکین دونوں کے واسطے یکساں ہے۔ اسی طرح زندگی کی مصائب بھی یعنی انواع و اقسام کی تکالیف اور امراض جو بد پرہیزی اور فسق و فجور سے پیدا ہوتے ہیں۔ دل کی ناخوشی جس کا باعث حسد، غرور، بے صبری یا بے جا خواہش ہے۔ اور تباہی و بربادی جو بد مزاجی، غصہ، بغض یا رقابت کا نتیجہ ہے۔ دونوں کے لئے مساوی ہیں۔ رب العالمین کی تجویز یہ ہے کہ دونوں یہاں اور یہاں سے مر جانے کے بعد آخرت میں راحت حاصل کریں اور اسی لئے دونوں کے واسطے فرض اور راحت کو ایسا لازم ملزوم کیا ہے کہ نا ممکن ہے کہ ایک کو بجالائیں اور دوسرے سے فائدہ نہ اٹھائیں۔

اصلی زندگی

۱۰۔ نیک زندگی اپنا اجر اپنے ساتھ لے جاتی ہے۔ دل کو اپنی اصلی بزرگی کے سوا اور کسی بات میں راحت نہیں ملتی۔ یہ سچ ہے کہ جب انسان کی بھوک پیاس رفع ہو جاتی ہے تو اس کو مثل تمام جانوروں کے جسمانی خوشی ہوتی ہے اور بخلاف اور حیوانات کے جب لذیذ غذائیں اس کے حلق

کے نیچے اترتی ہیں تو اس کو اور بھی زیادہ خوشی ہوتی ہے۔ مگر اس قسم کی خوشی تسکین دینے والی نہیں ہے اور اس لئے چنداں تعریف کے قابل بھی نہیں۔ حواس کی خوشی بہ نسبت انسان کے جانوروں کو کئی درجہ بڑھ کر حاصل ہے۔ انسان دولت کی نگہبانی سے خوشی حاصل کرتا ہے۔ کتا اس سے بڑھ کر بڑی ہوشیاری سے اپنے ہڈیوں کے انبار کی نگرانی کرتا ہے آدمی کو عیاری اور چالاکی سے خوشی ہوتی ہے۔ لیکن لومڑی میں یہ صفت اس سے کہیں اعلیٰ درجہ میں پائی جاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کی خوشیاں صرف ان کے لئے خوشیاں ہیں جن کی عقل اور ضمیر ابھی بیدار نہیں ہوتی ہے اور عرصہ دراز تک یہ خوشیاں قائم نہیں رہ سکتیں۔ نفسانیت اور بداعتدالی کے پنجے میں پھنسنے اور انواع واقسام کی تکالیف، امراض اور بوسیدگی نے آگھیرا۔ غرور، فضول خرچی اور بے احتیاطی کی دوا یہ بن گئے۔ برعکس اس کے دل کی اصلی خوشیاں ہمیشہ بڑھتی اور ترقی کرتی ہیں تقاضائے سن کے موافق والدین، بیوی اور بچوں کی الفت بڑھتی ہے۔ انصاف، دوستی اور اخلاق سے کبھی طبیعت سیر نہیں ہوتی۔ دل کی صفائی فرحت اور تازگی کا کبھی ختم نہ ہونے والا چشمہ اور بزرگی کا سب سے عمدہ ذریعہ ہے۔ زندگی میں جو بات ہمیں سب سے زیادہ بے قرار کرتی ہے وہ یہ ہے کہ بظاہر انسانی قسمتیں غیر مساوی واقع ہوئی ہیں لیکن فی الواقع یہ غیر مساوات اتنی بڑی نہیں ہے جتنی کہ ہم اسے خیال کرتے ہیں ہمارے لئے اس بات کا معلوم کرنا قریب ناممکن ہے کہ کون فی الواقع خوش ہے اور کون مصیبت زدہ اور غمناک۔ اور کون فی الواقع نیک ہے اور کون فی الواقع شریر اور بدکار۔ پس اس صورت میں کیا ہم یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ زندگی میں ہمارے مراتب واقعی غیر مساوی یا دوسری طرح پر ہیں؟ اور سچ پوچھو تو اشیاء جیسی کہ ہمیں دکھائی دیتی ہیں اس سے زیادہ تلی ہوئی اور ہموزن واقع ہوئی ہیں۔ مطلق غیر مساوات کا ہونا شاذ و نادر بات ہے جیسا کہ دیکھا جاتا ہے زندگی مزاحمتوں اور مقابلوں کا سلسلہ ہے۔ کوئی خوشی نہیں جس کا انجام نہ ہو اور نہ کوئی مصیبت ہے جس کا اسی قدر معاوضہ نہیں ہے۔ بہت بھاری غلطی جو اکثر کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ سب سے اعلیٰ حالت کو سب سے خوش حالت سمجھا جاتا ہے لیکن یہ درست بلکہ سب سے زیادہ خوش حالت کو خواہ یہ کیسی ہی ہو سب سے اعلیٰ حالت سمجھنا چاہیے۔ اور بسا اوقات دیکھا جاتا ہے کہ گدائی کی حالت بادشاہی یا امیرانہ حالت سے بدرجہا خوش حالت ہے۔ حقیقت میں ہماری حاجتیں کچھ بہت نہیں ہیں بلکہ ہماری واقعی ضرورتوں کی بہ نسبت ہماری خواہشیں ہمیں تکلیف دیتی ہیں اور ہماری تمام خواہشیں اچھی نہیں ہیں

اور اکثر اوقات ہماری ناکامی جس کو ہم اپنے لئے مضر خیال کرتے ہیں اصل میں ہمارے مفید حال ثابت ہوتی ہیں کیونکہ وہ ہم کو زیادہ تر سیر چشمی اور آسودگی کی طرف لے جاتی ہیں۔

برکات کا شمار

۱۱۔ سقراط کا قول ہے "جس کی احتیاج نہایت ہی کم ہے اسی کو سب سے زیادہ نزدیکی خدا کی حاصل ہے کیونکہ کسی چیز کی حاجت نہ رکھنا ذات باری کی صفت ہے" کیا ہم اس کو سمجھتے ہیں تم نے بہتوں کا یہ کہنے سنا ہو گا کہ "میں خوش تھا" بہتوں کی یہ آرزو ہے "کہ میں خوش حال ہونے کی امید رکھتا ہوں"۔ مگر تم یہ کہتے کسی کو نہ سنو گے "میں خوش حال ہوں" کیوں؟ محض اسی وجہ سے کہ اپنی واقعی حاجتوں سے ہم زیادہ طلب کرتے ہیں۔ پس انسان اپنی زندگی کو خود ناخوش بنالیتا ہے۔ زندگی فی نفسہ ناخوش نہیں ہے۔ اگر سب سے زیادہ مصیبت زدہ انسان پہلے ان برکتوں کا رجسٹر تیار کرے جو اسے حاصل ہیں اور پھر اپنی ضرورتوں کی فہرست بنائے تو اس کو معلوم ہو گا کہ اس کی برکات کا شمار اس کی ضرورت کی بہ نسبت کہیں بڑھ کر ہے۔ اگر ہم صرف یہ جانتے کہ دوسرے اپنی نمائشی فلاحیت سے جس کے باعث وہ ہمارے محسود ہو رہے ہیں کس قدر کم متمتع ہوتے ہیں تو دنیا میں اس قدر حسد اور جگر سوزی نہ ہوتی جس قدر اب دیکھی جاتی ہے۔ اور زیادہ تر قناعت اور خوشحالی پائی جاتی۔ ملازم کو اپنے آقا سے حسد ہے مگر بسا اوقات آقا! اپنے ملازم سے اور کسی بات میں نہیں تو جسمانی صحت یا طاقت وغیرہ کے سبب سے ہی حسد کرنے لگتا ہے۔ بیشک گمنامی میں بہت سی روکیں ہیں۔ مگر مشہور نام کے ساتھ اکثر یہ اس سے بھی زیادہ ہوتی ہیں جو کوئی نامور شخص ہے عموماً اس کے بہت سے رقیب اور دشمن دیکھے جاتے ہیں۔ قطع نظر اس کے یہ ضروری نہیں کہ جو لوگ عالی خاندان یا صاحب دولت و طاقت یا ذی لیاقت ہیں وہ ایک غریب اور ان صفات سے عاری شخص کی بہ نسبت زیادہ خوشحال ہوں اور اسی لئے ان سے حسد کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے اور اگر ہم ان سے حسد کرتے ہیں تو ہم ناحق ایک تکلیف اور جگر سوزی پیدا کرتے ہیں۔ زندگی میں جس قدر عمدگی ہمارے حصہ میں آئی ہے اس کو ہم اپنا حق واجب سمجھتے اور بلا اعتراف احسان مندی کے اس کو قبول کرتے ہیں۔ لیکن جب کوئی خرابی آتی ہے تو برافروختہ ہو جاتے ہیں۔ گویا یہ صرف ہمارے ہی لئے بھیجی گئی ہے مگر جو لوگ ان دونوں کو خندہ پیشانی سے قبول کرتے ہیں در حقیقت وہی شخص انسانی

زندگی کو اچھی طرح سمجھتے اور اس کی قدر کرتے ہیں۔ دو قسم کے آدمی یعنی نیک اور بد۔ دیندار اور بے دین زمانہ ماضی میں ہمیشہ رہے ہیں اور اب بھی موجود ہیں۔ اور اغلب ہے کہ زمانہ مستقبل میں بھی ہمیشہ رہیں۔ جس کھیت میں گیہوں پیدا ہوتے ہیں اسی میں گھاس بھی اگتا ہے اور فصل کے کٹنے یعنی موت کے وقت تک دونوں اکٹھے بڑھتے ہیں۔ ہم نہیں جانتے کہ موت کے بعد بھی وہ جدا کئے جاتے ہوں گمان تو یہ ہے کہ نہ کئے جاتے ہوں۔ لیکن یہ ہم جانتے ہیں کہ ایسی خراب زندگی کسی کی نہیں ہے جس میں کچھ بھی نیکی نہ ہو اور اگر وہ اس کے لئے کوشش کریں اور نیز اس کوشش کے لئے انہیں مہلت ملے تو ممکن ہے کہ آخرکار اکٹھا کئے جانے سے پیشتر ہی گھاس گیہوں ہو جائے۔ بہتر ہونے کی قابلیت انسان میں خلقی ہے "میں ہوں"۔ "مجھے لازم"۔ "میں کر سکتا ہوں"۔ "میں ارادہ کرتا ہوں"۔ یہ سب ایسے الفاظ ہیں جن کے کہنے کا دعویٰ صرف انسان کر سکتا ہے اور اسی خصوصیت کے باعث وہ ادنیٰ درجہ کے حیوانات سے ممتاز اور مشرف ہے۔ اور جو کہ ضرور ہے کہ خدا اپنی تمام مخلوقات سے پیار کرے لہٰذا جو کوشش انسان اپنی بہتری کے لئے کرے گا اس میں بالیقین خدا مدد دے گا۔ پس زندگی میں ہماری بڑی کہاوت یہ ہونی چاہئے کہ "کبھی ناامید مت ہو"۔ اور کس واسطے سب سے بڑا گنہگار بالکل ناامید ہو؟

انسان فطرتاً نیک ہے

۱۲۔ ہم نے بارہا لوگوں کو یہ کہتے سنا ہے کہ انسان سرشت سے گنہگار ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ انسان کی بناوٹ نیکی کے مناسب ہے۔ اس سے خلاف طور کام لینا یا اس کو بگاڑنا ہے۔ انسان کو کوئی چیز مصیبت میں نہیں ڈالتی۔ وہ اپنے منافعوں کا برا استعمال کر کے خود مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے۔ وہ اس حال میں بھی جب کہ نیکی سے قطعاً منحرف ہوتا ہے اس کا منکر نہیں بنتا۔ وہ انصاف کو اس وجہ سے کہ وہ انصاف ہے اور صداقت کو اس وجہ سے کہ وہ صداقت اور سخاوت کو اس وجہ سے کہ وہ سخاوت ہے کبھی نفرت نہیں کرتا۔ وہ ان کے برخلاف عمل کرتے وقت بھی ان کی توصیف کرتا ہے۔ اگر کسی دوسرے کی بدکاری یا شرارت کا تذکرہ اس کے سامنے کیا جائے تو بیشک وہ برافروختہ ہوگا۔ پس خدا نے ہمارے ڈھانچے کو برے طور پر نہیں بنایا۔ اس نے ہم پر ایک مستزاد ذمہ داری کا بوجھ ڈال دیا ہے۔ جو اس نے اپنی کسی اور مخلوق پر لازم نہیں کی۔ اس کی تمام مخلوقات میں سے صرف

انسان ہی گناہ کر سکتا ہے۔ شیر بے رحمی سے ہلاک کرتا ہے۔ سانپ مکاری سے کاٹتا ہے ریچھ کا غضب قابو سے باہر ہے مگر یہ سب اپنے اپنے قدرتی شعور کے موافق کام کرتے ہیں گناہ نہیں کرتے۔ انسان اپنی عقل اور ضمیر سے مدد لے کر کام کرتا ہے۔ اس لئے اس کی خاص ذمہ داری بھی پیدا ہوتی ہے۔ مگر جس نے یہ ذمہ داری ہم پر واجب کی ہے وہی اس سے عہدا برآ ہونے میں ہماری مدد بھی کرتا ہے۔ ہمیں اپنی کامیابی کے لئے جو کچھ کرنا ہے وہ اتنا ہے کہ کمریں باندھ کر مرکب ہمت کی باگ اٹھائیں۔ بے شک ہم سب کے راستوں پر تاریکی چھا رہی ہے۔ مشکلات جن پر ہماری جدوجہد غالب نہیں آسکتی۔ ترددانگیز اور ڈراؤنی دقتیں، تکلیفیں، مصیبتیں اور رنج والم دنیا میں حائل ہیں لیکن بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ جب ہم اپنا سارا زور لگا چکتے ہیں تو وہ رب العالمین خود ہماری دستگیری کے لئے صریح طور پر ہمارے بیچ میں آتا ہے۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ہماری بہت بڑی ضرورت ایسے ذریعوں سے پوری نہ ہوئی ہو جو کبھی ہمارے خواب میں بھی نہ آئے تھے۔ بسا اوقات جرائم کبیرہ کے ارتکاب سے ایسی روکیں ہماری مانع ہوتی ہیں جن کو کبھی ہم وہم و گمان میں بھی نہیں لا سکتے۔ یہی بات خدا کی بادشاہت کو ثابت و قائم کرتی ہے۔ جہاں کسی زائد امر کی حاجت نہیں ہوتی۔ وہاں وہ اپنے عام قوانین کو کام میں لاتا ہے۔ اور جہاں یہ قوانین کسی خاص مقصد کے حاصل کرنے میں خطا کرتے ہیں وہاں وہ اس خاص مقصد کے حصول کے لئے بالیقین ان میں مداخلت کر سکتا ہے اور کرتا ہے۔ اس آدمی کو بیشک کچھ بھی تجربہ نہیں ہے۔ جس نے یہ معلوم نہیں کیا کہ بہت دفعہ ہمارے دلوں میں خیالات اٹھتے ہیں اور ایسے حادثات پیش آتے ہیں جو محض "اتفاقیہ" نہیں ہو سکتے۔ اور یہ سوائے اس کے فضل ایزدی کے خاص افعال ہوں اور کیا ہو سکتے ہیں۔

زندگی کی رفتار

پس یہ زندگی جس کی رفتار کا ایک دانا بینا خدا نگران ہے۔ آخر کار ہمارے لئے ایک خراب زندگی نہیں ہے۔ ہم اس کو اپنے لئے پہلا موقع بزرگی حاصل کرنے کا خیال کرتے ہیں اور ایسا موقع کہ گو مصیبت کا سایہ ہاں بعض اوقات گہرا سایہ اس پر چھا جاتا ہے۔ مگر خوشی کا بھی بہت بڑا حصہ رکھا گیا ہے۔ جیسا کہ دیکھا جاتا ہے بچپن کا زمانہ خوشی کا زمانہ ہے۔ جوانی کا زمانہ خوشی کا زمانہ ہے۔ محنت جو راست بازی سے کی جائے راحت افزا ہے۔ نا تربیت یافتہ تن درستی میں بھی مسرت ہے۔

شباب ایک طرح کی خوشی کی حالت ہے۔ پیری میں دل کا اطمینان اور امن حاصل رہتا ہے۔ یہ سب زندگی کے مرحلے ہیں اور بیشک ان میں سے ہر ایک میں تکلیف اور مصیبت کا بھی امکان ہے مگر یہ تکلیف اور مصیبت ظاہراً ان کی باقاعدہ حالت نہیں ہے۔ آنکھ دنیا میں خوبصورتی اور حسن کا جلوہ دیکھتی ہے۔ کان ایسے نغمے اور آوازیں سنتا ہے جو دل میں رقت پیدا کرتی ہیں۔ اور خوشی کا فرشتہ ہمارے چاروں طرف ہے۔ اگر مصیبت کا فرشتہ بھی وہاں تو اس سے گریز نہیں چاہئے۔ کیونکہ شاید اس کے بغیر محبت کی کل تجویز میں ناامیدی ہو۔

زندگی برکت ہے

غرض زندگی اپنی تمام برائیوں کے ساتھ بھی ہم سب کے لئے ایک برکت عظمیٰ ہے اور اس کا سب سے عمدہ ثبوت یہ ہے کہ کوئی شخص مرنا نہیں چاہتا۔ اس کا باعث یہی نہیں ہے کہ موت کے بعد ہم کو کسی بات کا خوف ہے۔ بلکہ خود زندگی کے لئے ایک خلقی محبت ہے۔ خوشی کی نسبت مصیبت ہم پر زیادہ اثر کرتی ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ہماری ہستی کی باقاعدہ حالت نہیں ہے۔ ہمارے خوشی کے دن بے خبری میں گزر جاتے ہیں کیونکہ وہ بہت سے ہیں جو برکتیں ہمیں حاصل ہیں ان کی طرف تو ہم کبھی توجہ نہیں کرتے کیونکہ وہ ہر دم اور ہمیشہ ہمارے ساتھ ہیں مگر اس تباہی اور بربادی کی شکایت کرنے لگتے ہیں جو کبھی کبھی ہم پر نازل ہوتی ہے۔ مصیبت کے دن ایسے ہی ہیں جیسے راستہ میں سنگ میل ہیں جن سے ہم اپنی مسافت کا اندازہ کرتے ہیں اور یہ بھی اس لئے ہیں کہ زندگی ایک عمدہ اور بے بہا نعمت ہے۔ اس میں بھلے کے لئے بھلائی، ایماندار کے لئے نیکی اور بہادر کے لئے فتح سامنے کھڑی ہے۔ اور ہم خدا کو صرف اس لئے محسوس نہیں کرتے کہ وہ ان نعمتوں کا سبب ہے بلکہ اس لئے ہیں کہ وہ ان کا تقسیم کرنے والا ہے۔ ہم موت سے کیوں جھجکتے ہیں؟ اس لئے نہ؟ کہ باوجود ان تمام آزمائشوں اور تکلیفوں کے زندگی ہم کو سراسر ناگوار نہیں ہے۔ بخلاف اس کے موت کی نسبت ہمیں یقینی طور پر کچھ بھی معلوم نہیں۔ عقل ہمیں بتلاتی ہے کہ موت رہائی یا آرام دیتی ہے۔ لیکن عقل ہمیں یہ بھی سمجھاتی ہے کہ زندہ رہنا اور مصیبت کا برداشت کرنا موت میں آرام ڈھونڈنے کی بہ نسبت زیادہ بہادری کا کام ہے۔

زندگی کی محبت

زندگی مختصر ہے اور ہم اس کو یہاں تک محبت کرتے ہیں کہ ہم اس کے مختصر ہونے
ہمیشہ شاکی ہیں۔ لیکن جب خدا نے اس کو مختصر بنایا ہے تو کیا مضائقہ ہے۔ گزر جانے دو۔ آخر
ایک راستہ ہی تو ہے جس میں مسافر کو گزر جانے والے خیالات اور الفتوں کی ضرورت ہے۔ ہمیں
کی دلبستگی نہیں چاہتا۔ پس اس زندگی کو فرض کے راستوں اور دانائی اور کشادہ دلی کے عمل
ہوشیاری کے ساتھ بسر کرو۔ یعنی جیسی مختصر کہ یہ ہے ویسی ہی عمدگی کے ساتھ یہ بسر کی جا
تاکہ اس کا اصل مقصد ہاتھ سے نہ جاتا رہے۔ اگر یہ ایک قدم بھی ہمیں اس مقصد کی طرف بڑھا
لے جائے تو اس کی تکالیف اور مصائب کو ہم نے بے فائدہ برداشت نہیں کیا۔ ذات باری کیلئے یہ
ممکن ہے کہ وہ اپنے ارادوں کو پورا کرنے کے متعلق کسی بات میں بھی خطا کرے اور اگر ہم انسان
اس زندگی میں ٹھیک ایسا ہی نہیں پاتے جیسا کہ خدا چاہتا ہے کہ وہ ہو تو اس کا سبب صرف یہ ہے کہ
خدا نے اپنے ارادہ کی تکمیل کے واسطے اسی دنیا کو آخری تماشا گاہ بنانا نہیں چاہا لیکن اس لمبی دوڑ میں
ضرور ہے کہ انسان ٹھیک ایسا ہی ہوگا جیسا کہ اس کی نسبت خدا کا ارادہ ہے۔ اور وہ ہوگا مگر انسان کو جو
کچھ کرنا ہے وہ یہ نہیں ہے کہ وہ اس تجویز کے خلاف کوشش کرے کیونکہ ضدی گھوڑا ہمیشہ اپنی
مسافت دراز کرتا ہے۔

انسانی ہستی اور ایک فلسفی

ہم اس ذات نامتناہی کا استنباط نہیں کر سکتے اور جب ایسا کرنے کے قابل نہیں تو یہ بیان کرنا
بھی ہمارے حیطہ امکان سے خارج ہے کہ یہ تمام اشیاء جو ہم دنیا میں دیکھتے ہیں کیوں اور کہاں سے ہیں
عقل اور نور قلب بہت اچھے رہنما ہیں مگر وہ ان تمام گتھیوں کو نہیں سلجھاتے جن کو ہم اپنے چاروں
طرف پاتے ہیں اور اسی لئے ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ منشاء الٰہی نہیں ہے کہ ہم زندگی کے ہر ایک
عقدہ کو کھول سکیں۔ جب ہم اپنے چھوٹے دائرہ کو مختلف پہلوؤں سے دیکھتے ہیں تو ہم مختلف
معاملات میں ایسے نتائج پر پہنچتے ہیں جو قریباً ایک دوسرے کے متضاد ہوتے ہیں ہماری ترکیب ایسی
مختلف واقع ہوئی ہے کہ ہم اس نیکی کی بھی جو ہمیں دی گئی ہے ہر حال میں کامل طور پر تشخیص نہیں
کر سکتے تو اس صورت میں ہم یہ کیونکر جان سکتے ہیں کہ بدی کیا چیز ہے۔

نااُمید فلسفی اور خوشی

اِس زمانہ کے بہت سے فلسفی دنیا کی خوشیوں کا حقارت کے ساتھ ذکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ دنیا بالاصل ناقص اور خراب ہے اور ایسے بھی بہت ہیں جو کہتے ہیں کہ خوشی حالت منفی یا عدم تکلیف کا نام ہے۔ صحت کی خوشی بیماری سے بچے رہنے میں اور جوانی کی خوشی بڑھاپے کے نہ آنے میں اور آزادی کی خوشی غلامی کے نہ ہونے میں اور دولت کی خوشی بلائے مفلسی سے دور رہنے میں ہے۔ زندگی ایک مسلسل جدوجہد ہے جو انسان کو اپنے قیام کے واسطے کرنی پڑتی ہے۔ انسان کو انجام کار مغلوب ہونا پڑے گا اور کی خوشی درکار ہے اولاد کا فکر اور تکلیف اس راحت سے کہیں بڑھ کر ہے جو اس سے ملتی ہے۔ کام کرنا ایک مصیبت ہے۔ غرض وہ زندگی کے ہر ایک دائرہ میں تکلیف اور مصیبت کے سوا اور کچھ نہیں پاتے۔

پُرامید فلسفی

مگر خوش قسمتی سے عام طور پر زندگی کو اسی نظر سے نہیں دیکھا جاتا۔ سود مندی سے قطع نظر زندگی میں راحت اور خوشی کی ایک بہت بڑی مقدار موجود ہے۔ جس سے بالعموم انکار نہیں کیا جاتا۔ بیشک دوسرے حیوانات کے مقابلہ میں انسان کو جسمانی خوشی کسی قدر کم ہے۔ لیکن جو لوگ اس کو خوشی مانتے ہیں ان کے لئے یہ خوشی ہے مطلق حیوانات کی عین خوشی اسی بات میں ہے کہ ان کے واسطے سامان خورش کثرت سے مہیا کر دیا جائے۔ اور چونکہ یہ سامان دنیا میں افراد کے ساتھ موجود ہے۔ لہٰذا جو تکلیف وہ برداشت کرتے ہیں اس کو اس آرام سے کچھ بھی مناسبت نہیں ہے۔ اگر انسان ہی کی حالت پر غور کیا جائے تو زندگی کی نعمتیں ان خرابیوں سے جن میں یہ گھرا ہوا ہے۔ تعداد میں بہت زیادہ ہیں اور اسی لئے اگر یہ کہا جائے کہ وہ مقدم الذکر سے پورے طور پر تمتع اٹھاتا ہے اور صرف ان کے زیادہ استعمال کرنے اور حد اعتدال سے گزر جانے پر تکلیف محسوس کرتا ہے تو یہ اس کو رد نہیں کرتا۔ خوراک انسان کیلئے ضروری تھی اور لازم تھا کہ یہ بہم پہنچائی جاتی۔ مگر یہ کیونکر بہم پہنچائی گئی ہے عجیب گوناگونی اور بوقلمونی سے جو فیض الٰہی پر صاف گواہی دے رہی ہے۔ اور پھر افراط بھی اس درجہ تک کی ہے کہ اس کے مقصد کے سمجھنے میں غلطی کا امکان ہی نہیں ہے۔ عقاب کی آنکھ انسان کی آنکھ سے زیادہ تیز ہے لیکن انسان کی آنکھ کی مانند وہ فطرت کے حسن و جمال

سے کچھ فرحت حاصل نہیں کرتی۔ کتے کی ناک کو انسان کی ناک کی بہ نسبت سونگھنے کا زیادہ مادہ حاصل ہے لیکن پھولوں کی بو باس میں اس کو ذرہ بھی سرور نہیں ملتا۔ اور جانوروں کی بھوک انسان کی بھوک سے زیادہ ہے۔ مگر ذائقہ اور لذت جس شے کا نام ہے وہ کھانے سے صرف انسان کو حاصل ہوتی ہے۔ غرض یہ رنگا رنگی ہی خوشی ہے اور یہ انسان کو تمام امور میں عطا ہوئی ہے۔ کیا کوئی ایسا آدمی ہے جو گلاب کا پھول ہاتھ میں لے اور اس سے فرحت و تازگی حاصل نہ کرے؟ وحشی بھی ان پھولوں کو محبت کرتا ہے جو اس کے چاروں طرف کھل رہے ہیں لیکن حیوانات ان کی قدر نہیں کرتے۔ تندرستی، نوجوانی اور آزادی یہ سب مطلق خوشی ہیں۔ اپنی خاصیت میں منفی نہیں ہیں۔ اس کے علاوہ انسان کو اور انواع واقسام کی خوشی بھی حاصل ہے۔ مثلاً علوم وفنون کی خوشی خوشی ہے۔ نیک چال چلن اور منصفانہ برتاؤ خوشی ہے۔ امید ایک خوشی ہے جو کبھی سیر نہیں کرتی۔ باوجود ان تمام مایوسیوں کے جو ہمیشہ گوارا کرنی پڑتی ہیں۔ پھر پھرا کر ہم اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ قناعت ایک بہت بڑی اور مثبت خوشی ہے گو اس معنی میں وہ اپنے آپ کو واضح طور پر ظاہر نہیں کرتی۔ پانی جس قدر گہرا ہے اسی قدر سرد ہے۔ اسی طرح اعلیٰ ترین درجہ کی خوشیاں اپنے آپ کو دکھایا نہیں کرتیں۔ پس علم حساب خوشیوں کا شمار کر نہیں سکتا کیونکہ ان کی وسعت کے معلوم کرنے کا کوئی گر نہیں ہے۔ البتہ اس میں شک نہیں کہ ہم ان سے گھرے ہوئے ہیں۔ اور کم سے کم وہ ایسی ہی واضح اور صاف ہیں جیسی ہماری تکلیفیں اور رنج خوشی مطلق اور صداقت صرف ذات الٰہی سے متعلق ہے۔ ہماری خوشی صرف خوشی اور صداقت کی آرزو میں ہے۔ اس آرزو کو پورا کرنے کے لئے ہم جس قدر جہد وجہد کرتے ہیں اسی قدر وہ راحت ہے اور جو مقصد کہ مد نظر ہے اس کے حاصل کرنے کے لئے جو کوشش کی جاتی ہے اس میں بھی راحت ملتی ہے۔ پس ان معنوں میں خود کام کرنا ایک راحت ہے کیونکہ یہ وقوف اور شخصیت کا ایک ایسا خیال ظاہر کرتا ہے جو ہمارے دلوں کو معمور کر دیتا ہے۔ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ زندگی ہمیں عزیز ہے۔ کہ اس سے جدا ہونا ہم کو سخت ناگوارا گزرتا ہے۔ پس اگر زندگی کی برائیاں اس کی خوبیوں سے بڑھ کر ہوتیں تو ایسی صورت نہ ہوتی۔ اس میں شک نہیں کہ جب راحت ایک حد سے گزر جاتی ہے تو وہ بھی تکلیف ہو جاتی ہے کیونکہ جو آگ ہمیں گرم کرتی ہے وہی ہمیں جلاتی ہے لیکن صرف اسی وجہ سے کہ وہ ایک دوسرے میں سے ہو کر گزرتی ہیں ان کو خاصیت میں ایک ہی خیال نہ کر لینا چاہیے۔ نیکی برائی

میں ڈوب جاتی ہے لیکن اس پر بھی وہ جدا جدا چیزیں ہیں۔

زندگی کی منزلیں

لیکن تکلیف کا وجود ہے اور حیرت ہے کہ اس قدر راحت میں زمین پر ایک سانپ لوٹ رہا ہے جو کبھی بیماری احتیاج اور مصیبت کی صورت اختیار کرتا ہے۔ کبھی اضطراب و ناراضی کی اور یقیناً یہ بڑی حیرانی کی بات ہے کہ برائی اور ناخوشی ایک نیک وجود کے کاموں کو کسی نوع سے ظاہر میں بھی ضرر پہنچائیں اور بے شک یہ خیال دل میں شبہ پیدا کرتا ہے کہ دنیا میں انصاف ہے۔ اس بات سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ نیک آدمیوں پر بسا اوقات ویسی ہی خرابیاں نازل ہوتی رہتی ہیں جیسی دوسروں پر بلکہ نیکوں کو بدکاروں کی بہ نسبت بہت زیادہ سختیاں اور مصیبتیں جھیلنی پڑی ہیں۔ بدی فخر کی دستار باندھے ہوئے ہے اور نیکی چاہ ذلت و رسوائی میں پڑی ہے۔ بدکاری حسد اور بدبختی دلجمعی اور خوش وقتی سے ہمکنار ہے اور صبر و قناعت بیکسی اور مفلوک الحالی کے ہاتھ سے دلفگار یا کسی اور وجہ سے ایسی زیر بار کہ اٹھنا دشوار ہے۔ اس تمام بے قاعدگی کی وجہ ہم پر ظاہر نہیں ہو سکتی لیکن ہم تمام دنیا میں دیکھتے ہیں کہ ایک مقصد اس کی رہنمائی کر رہا ہے۔ ہمارے اردگرد کی اشیاء میں ایک علت غائی اور منصوبے کا نشان ملتا ہے۔ اور بغیر اس کے کہ ہم کو علم ہو ہماری زندگی کی تمام منازل طے کرا کر ہمیں ایک منصوبہ کو پورا کرنے کے لئے لے جایا جا رہا ہے اور اگر اس وقت جبکہ بہت کم واقفیت ہے بہت سی باتیں ہم کو ٹھیک اور مناسب معلوم ہوتی ہیں تو پھر اس نتیجہ پر پہنچنے میں کونسی مشکل ہے کہ جب تمام امور کو سمجھنے لگیں گے تو ہم معلوم کریں گے کہ ہر ایک شے مناسب اور باموقع ہے؟ اگر سچے اور سب سے اچھے اشخاص کی زندگی میں تاریکی اور مصیبتوں کا زمانہ آتا ہے تو کیا اس بات کا سمجھنا دشوار ہے کہ وہ صرف خدا کی اس تجویز کا ایک حصہ ہے جس کے مطابق وہ ہمیں پاکیزگی کی طرف لے جانا چاہتا ہے؟

برائی کا مقصد

کائنات پر نکتہ چینی کرنے کی ہم جو کوشش کریں گے وہ ضرور ناکافی ہوگی کیونکہ انسان کا محدود ذہن عالمگیر ذہن پر محیط نہیں ہو سکتا۔ ہم نہ خدا کے ارادوں کو جان سکتے ہیں نہ اس کے بھیدوں کو پا سکتے ہیں لیکن جس بھلائی کو ہم اپنے چاروں طرف دیکھتے ہیں اس سے ضرور یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ برائی بھی بغیر کسی مقصد کے نہیں ہے۔ اگر تو بے اشیاء اس نے ہمارے آرام و آسائش

کے لئے پیدا کی ہیں اور دس ایسی ہیں جو مصیبت اور تکلیف کا سبب ہیں تو یقیناً اس کا کوئی مقصد ہوگا اور وہ مقصد ہر صورت میں نیک ہوگا۔ ہم بہت باتوں کو نہیں سمجھتے۔ لا محالہ بدی کے وجود کو بھی کسی ایسے منصوبے سے منسوب کرنا ضروری ہے۔ جو ہمارے ادراک سے باہر ہے۔ پھر اگرچہ ہم تمام اطراف سے خوشیوں میں گھرے ہوئے ہیں۔ مگر ظاہراً زندگی کا مقصد خوشی ہی حاصل کرنا نہیں ہے۔ زندگی تعلیم گاہ ہے تجربہ حاصل کرنے کے لئے جہاں ہمیں محنت کرنا۔ لڑائی لڑنا اور کوشش سے کام لینا چاہئے۔ خدا نیک ہے اور ہم جو نتائج نکالتے ہیں ان سب کا میلان نیکی کی طرف ہوتا ہے لیکن شاید نیکی کی طرف زیادہ مضبوطی کیساتھ مائل کرنے کے لئے بدی کا وجود بھی ضروری تھا۔ زندگی کی موجودہ ترکیب کے لحاظ سے بیماریاں رنج و غم اور تکلیفیں لازمی ہیں کیونکہ یہ نشیب و فراز کو ہموار کر دیتی ہیں جس کی ہر ایک دانا آدمی واجبی طور پر توقع کرتا ہے۔ لیکن کیا وہ واقع میں برائیاں ہیں؟ اور کیا ہم ہمیشہ ان کو برائیاں کر کے مانتے ہیں؟ تھوڑے غور سے ظاہر ہو جائیگا کہ ان کے بغیر ہم میں کوئی خوبی نہ ہوتی اور اگر ہوتی وہ آزمودہ دھات کی مانند خیال کی جاتی۔ جس کی قیمت ہمیشہ مشکوک ہوتی ہے مثلاً اگر ہم دکھ اور تکلیف نہ اٹھائیں اور وہ بھی دیرپا تو ہمیں اپنے عمل میں صبر اور برداشت جیسی عمدہ خصائل کو جو خود ذات باری کی صفات ہیں دکھانے کا کونسا موقع مل سکتا ہے۔ عیش اور آرام کی زندگی ہم میں سے اچھوں کو بہت جلد سست اور کمزور کر دیتی ہے تو کیا عجب ہے کہ مصیبت ایک عمدہ اور مفید اصول ہو یعنی یہ ہمارے محاسن کو صیقل کرنے کا سان ہو۔ جس سے مستقل مزاجی، صبر اور بہشت کی امید پیدا ہوتی ہے۔ اگر نجات انعام ہے جو ہمارے لئے رکھا گیا ہے تو کیا وہ اس لائق نہیں ہے کہ اس کے واسطے جنگ کی تکلیفوں اور زخموں کو گوارا کیا جائے؟ غلطی کرنے سے ہم غلطی کے نہیں ہو رہتے اور سہو ہو جانے سے ہم غفلت کے ہاتھ بک نہیں جاتے ہیں۔ اگر وہ ہمیں اصلاح اور درستی کی طرف لے جاتی ہیں تو وہ سراسر بے فائدہ نہیں ہیں اگر برائی بہت سی بھلائیوں کو پیدا کرتی ہے تو اس کا ہونا بہت مناسب ہے۔ عبث نہیں ہے۔ جس روز ہم یہ معلوم کرینگے کہ اگر وہ شے جس کو ہم برائی سے نامزد کرتے ہیں نہ ہوتی تو شاید ہم نجات کبھی حاصل نہ کر سکتے تو ہمیں کتنی بڑی حیرانی ہوگی۔

اخلاقی دنیا

کیا یہ قیاس غلط ہے کہ برائی نیکی تک پہنچنے کا ذریعہ ہے مادی دنیا میں تو ہم اس کو ایسا ہی پاتے ہیں۔ مگر کیا اخلاقی دنیا میں یہ ٹھیک نہیں ہے؟ ممکن ہے کہ برائی ہاں بدترین برائی بھی اپنی ذات سے

اصلاح کرنے والی ہو اور نیکی، بدی کا استحالہ ہو اور بہشت دوزخ کی تکمیل کا نام ہو۔ زندگی میں ذمائیم ایسے ہیں جیسے جسمانی دنیا میں زہر اور ہم سب جانتے ہیں کہ سمیات بیماریوں کے لئے بہت فائدہ مند شے ہیں۔ اسی طرح ممکن ہے کہ ذمایم بھی اخلاقی دنیا میں یہی تاثیر رکھتے ہوں اور جیسا کہ زہروں کی بہ نسبت زہر مہرے (تریاق) زیادہ ہیں۔ ویسا ہی خوشی اور راحت کی مقدار بھی فوقیت رکھتی ہے۔ جو زلزلوں، آتش فشاں پہاڑوں، آندھیوں اور طوفانوں سے کام لیتا ہے وہ ضرور اس بات کو جانتا ہوگا کہ برائی اور تکلیف سے کیونکر کام نکالے ہم اپنے چاروں طرف دیکھتے ہیں کہ زندگی موت سے پیدا ہوتی ہے اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ برائی سے بہت ایسی عمدہ باتیں نکلتی ہیں جو اور کسی طرح پر نہ نکل سکتیں تو پھر برائی کا وجود کیوں ہمارے لئے پوشیدہ اور بطور رازِ سربستہ کے ہے؟

گرمی اور سردی

بہت سی تکلیف اور مصیبت جو ہمیں زندگی میں سہنی پڑتی ہے ہمارا اپنا فعل ہے کیونکہ قدرت کے اخلاقی قوانین کو توڑنے سے پیدا ہوتی ہے لیکن جب ایسی صورت نہیں ہے تو کیا تب اس کے ہونیکا کوئی سبب دریافت نہیں ہوتا؟

یہ تو ہم جانتے ہیں کہ گرمی اور سردی کے اثر آپس میں قریبی تعلق رکھتے ہیں ایک بچہ کے ہاتھ پر برف رکھو اور وہ فوراً آگ مانگتا ہے۔ اسی طرح دولت اور مفلسی اور خوشی اور رنج بھی دل کو بہت دفعہ ایسے ہی سبق دیتے ہیں۔ اور اگر تعلیم ہی زندگی کا مقصد ہے تو اس تقسیم کی نسبت یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ بہ انواع مختلف ضرور ہے لیکن واقع میں غیر مشابہ نہیں ہے تکلیف ایک وفادار کتے کی مانند ہے جو کھلاڑی اور کاہل لڑکے کو واپس لے جانے کے لئے آتا ہے۔ تکلف، زحمت اور نقصان ہمیں اپنے ڈھیلے پیچ سے خبردار کرتے ہیں جس کی طرف سے اگر لاپروائی عمل میں لائی جائے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ ہم کیچڑ میں پھنس جائینگے۔ تکلیف نصیحت ہے جو ہمیں رحم کی نظر سے دی جاتی ہے ہر ایک آہ! ہر ایک آنسو اور ہر ایک نالہ وبکا ایک فرض کو بجالانے اور ایک مقصد کو پورا کرنے کیلئے ہے۔ ہمت اور حوصلہ کی بہت قسمیں ہیں۔ مگر سب سے بڑا حوصلہ وہی ہے جو دکھ اور تکلیف کا متحمل ہو سکے کیا اب بھی دکھ اور تکلیف کے وجود کا کوئی سبب معلوم نہیں ہوتا؟ کیوں اس کو خدا کا مدد دینے والا ہاتھ تصور نہیں کرتے جو ہمیں دلدل سے باہر نکالتا ہے۔

حوادث کا آنا

خدا محبت ہے ہم دیکھتے ہیں کہ بارشیں اور سیلاب تمام ملکوں پر بربادی لاتے ہیں۔ بھونچال زمین کی بنیادوں تک کو ہلا دیتے ہیں۔ آتش فشاں پہاڑ شہروں اور گاؤں کو جلاتے ہیں۔ وبائی امراض لاکھوں انسانی جانوں کو شربت مرگ چکھاتے ہیں۔ طوفان جہازوں کو غرق کرتے۔ ریت اور خاکستر کے پہاڑ آباد قطعات کو آکر دبا لیتے ہیں ان سب باتوں کو دیکھ کر ایک متشکی طبیعت تامل میں پڑ جاتی ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی عکس دکھائی دیتا ہے اور اس عکس کے ساتھ ہی روشنی کا شعلہ آتا ہے۔ قدرت کے یہ تمام پیچ و تاب اور ہیجان بھلائی کو اور بھی غلبہ دیتے ہیں اور ہر ایک ظاہری خرابی دائمی اور بے اندازہ نیکی پیدا کرتی ہے اور ہر ایک حرکت اس قہر کی جو ظاہراً قابو سے باہر معلوم ہوتا ہے دانا اور ذی ہوش اشخاص کو زیادہ فیض پہنچاتی ہے۔ دیکھو رعد کی کڑک کیسی ہیبت ناک معلوم ہوتی ہے اور بجلی کی چمک سے دل پر کیسی دہشت چھا جاتی ہے موت کا تیر کیسا ہولناک ہے لیکن آخیر نتیجہ کیا ہے؟ بخارات فاسد کو منتشر اور ہوا کو پاک و صاف کرنا اور بہت سی جانوں کا بچانا۔ غرض مقصد تمام انقلابوں کا کیسے ہی مہلک وہ کیوں نہ ہوں یہ ہوتا ہے کہ اجزاء اور اشیاء کے انتظام میں حسب ضرورت تجدید کی جائے۔ پہاڑوں نالوں اور دریاؤں کو پیدا کرنے کے لئے زمین کو اس کے مرکز سے محیط تک جنبش میں لایا جاتا ہے۔ اسی طرح جسمانی تکالیف اور خاص خاص برائیاں بھی ہمیشہ کم و بیش اسی انتظامی اصلاح کے واسطے آتی ہیں اور ان کا مقصد صرف یہی ہوتا ہے کہ راحت اور عام خوشحالی کو زیادہ کریں۔

فطرت کا انتظام

لیکن اب یہ سوالات پیدا ہوتے ہیں کہ کیا فطرت کا انتظام کسی اور بہتر صورت میں نہیں ہو سکتا تھا؟ کوئی حالت ہو مگر کونسی وجہ ہے کہ نیکوکار دکھ اٹھائے اور بدکار اس پر غلبہ حاصل کرے لیکن یہ ایسے سوالات ہیں جن کا جواب ہم نہیں دے سکتے۔ اس کے ایسا ہوتے کا کافی عذر جو ہم پیش کر سکتے ہیں۔ وہ یہی ہے کہ یہ ایسا ہے لیکن اگر نیکوکار تکلیف اٹھاتے ہیں تو یہ وصف ہمیشہ پایا جاتا ہے کہ یہ صرف بیرونی اجر ہے جو غیر قابل بیان معلوم ہوتا ہے اندرونی فیصلہ نہیں۔ نیکوکار ظاہر میں تکلیف اٹھاتے ہیں دل میں نہیں اور بدکار ظاہر میں طمطراق دکھاتے ہیں لیکن ان کے باطن ایسی حالت میں ہوتے ہیں کہ وہ ان کو منکشف نہیں کر سکتے۔ بزرگ تھیوڈر پارکر (۱) کہتے ہیں۔ "کیا ہوا

اگر حضرت شیطان چار گھوڑے کی گاڑی میں سوار ہو کر نکلتے ہیں۔ آخر تو حضرت شیطان ہی ہیں جو اس میں سوار ہیں۔ ان کے گھوڑے ان کو کچھ اور نہیں بنا سکتے"۔ اور جسمانی تکالیف کی نسبت ہمیں بھی معلوم ہے کہ جس وقت یہ برداشت کی حد سے گزر جاتی ہیں تو عموماً لاپروائی میں ان کا خاتمہ ہوتا ہے اس کے علاوہ اس قسم کی انتہا درجہ کی سزائیں جسمانی ہوں خواہ باطنی راستہ کے موڑ ہوتی ہیں اور ہمیشہ ہمیں نجات کی طرف پھراتی ہیں خدا کو ہماری تکلیف میں کوئی خوشی نہیں ہے۔ اور نہ اس میں اس کا کچھ فائدہ ہے پس ضرور ہے کہ ان کے آنے سے ہمارا ہی کچھ فائدہ ہو۔

بداعمالی

خدا نے دنیا کو جیسا پیدا کیا ہے وہ نہایت عمدہ ہے مگر انسان نے دنیا کو جیسا بنا لیا ہے وہ اس سے بہت مختلف ہے اور واقع میں ہم اس کو ناانصافی، ظلم، بے رحمی، دغابازی، جھوٹ اور ریاکاری اور غرور، دشمنی، فساد اور ان کے لازمی نتائج تکلیف اور جگر سوزی اور دوسری برائیوں سے پر دیکھتے ہیں۔ لیکن خدا کبھی گوارہ نہیں کر سکتا کہ اس کے منصوبہ کو یوں تہ و بالا کیا جائے۔ پس تکلیف اور خرابی کو ہماری فرد گزاشتوں کا نتیجہ ہی خیال نہیں کرنا چاہئے۔ بلکہ وہ اپنے ساتھ اصلاح کرنے والے اصولوں کو بھی لاتی ہیں۔ خدا یہ کبھی منظور نہ کرے گا کہ لوگ اس کے کئے کو نہ کیا کریں۔ اور ان کی بداعمالیوں سے نیک نتیجے نکالتا ہے۔ اس کا ہاتھ ہمیشہ کام کرتا ہے اور جو کچھ وقوع میں آتا ہے اس میں انسان کے ہاتھ یا اتفاق یا تقدیر کی بہ نسبت اس کا بہت بڑا تعلق ہوتا ہے۔ ہر ایک فعل الٰہی ایک مقصد رکھتا ہے اور جہاں تک ہمارے ذہن کی رسائی ہے وہ مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ تاریکی سے روشنی اور ظاہری برائیوں سے نیکی پیدا کی جائے۔ پس ہمیں اسی یقین پر قانع ہونا چاہئے کیونکہ اس سے زیادہ ہم اس پردہ کو نہیں اٹھا سکتے۔ اگرچہ انسان کو آزاد مرضی دے کر جوابدہ بنایا گیا ہے لیکن ہمارا پختہ یقین ہے کہ اس کی جوابدہی ہر حالت میں نہایت محدود ہے۔ نیک و بد دونوں حالتوں میں خدا پر کامل بھروسہ رکھنا ہمیں تمام پیچیدگیوں سے صحیح و سالم نکال لے جائے گا۔ کیا نیک و بد؟ نہیں! ایسا کہنا غلطی ہے۔ ہر جگہ نیکی ہی نیکی ہے۔ یا یہ کہو کہ برائی سے نیکی کی تکمیل اس ترکیب سے کی جاتی ہے جس کو ہم نہیں سمجھتے۔ یہ طریقہ ہے جس کے موافق ہم دنیا میں خدا کی راہوں کو ثابت کرتے ہیں۔ پوپ کے ساتھ ہمارا بھی اس بات میں یقین ہے کہ "جو کچھ ہے وہ درست ہے"۔

بچوں کی تعلیم و تربیت

از علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ

پڑھے ہوئے شاگرد کو پڑھانا ایک آسان کام ہے مگر انجان بچوں کی تعلیم ایک ایسا دشوار امر ہے کہ ہمارے ملک کے معلم اس کی دقتوں سے ابھی پورے طور پر آشنا نہیں۔ ہمارا پرانا طریقہ تعلیم چونکہ بچوں کے قوائے عقلیہ وواہمہ کے مدارج نمو کو ملحوظ نہیں رکھتا۔ اس واسطے اس کا نتیجہ ان کے حق میں نہایت مضر ثابت ہوتا ہے۔ اس کے قوائے ذہنیہ برباد ہو جاتے ہیں۔ اور ان کے چہروں پر ذکاوت کی وہ چمک نظر نہیں آتی جو اس بے فکری کی زندگی کے ساتھ مختص ہے۔ بڑی عمر میں یہ تعلیمی نقص اور بھی وضاحت سے دکھائی دیتا ہے۔ روز مرہ کے معاملات کا سمجھنا اور ان کی پیچیدگیوں کو سلجھانا جو ایک عملی طبیعت کے آدمی کے لئے نہایت ضروری اوصاف ہیں۔ ان میں سرے سے پیدا ہی نہیں ہوتے۔ ان کی زندگی ناکامیوں کا ایک افسوس ناک سلسلہ ہوتی ہے۔ اور سوسائٹی کے لئے ان کا وجود محض معطل ہو جاتا ہے۔

قومی عروج کی جڑ

سچ پوچھئے تو تمام قومی عروج کی جڑ بچوں کی تعلیم ہے۔ اگر طریق تعلیم علمی اصولوں پر مبنی ہو تو تھوڑے ہی عرصہ میں تمام تمدنی شکایات کافور ہو جائیں اور دنیوی زندگی ایک ایسا دلفریب نظارہ معلوم ہو کہ اس کے ظاہری حسن کو مطعون کرنے والے فلسفی بھی اس کی خوبیوں کے ثنا خواں بن جائیں۔ انسان کا سب سے پہلا فرض یہ ہے کہ دنیا کے لئے اس کا وجود زینت کا باعث ہو اور جیسا کہ ایک یونانی شاعر کہتا ہے اس کے ہر فعل میں ایک قسم کی روشنی ہو جس کی کرنیں اوروں پر پڑ کر ان کو دیانتداری اور صلحکاری کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا سبق دیں اس کی ہمدردی کا دائرہ دن پر دن وسیع ہونا چاہئے تاکہ اس کے قلب میں وہ وسعت پیدا ہو جو روح کے آئینہ سے تعصبات اور توہمات کے زنگ کو دور کر کے اسے مجلا و مصفا کر دیتی ہے۔ صدہا انسان ایسے ہیں جو دنیا میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ مگر اپنے اخلاقی تعلقات سے محض جاہل ہوتے ہیں۔ ان کی زندگی بہائم کی زندگی ہے کیونکہ ان کا ہر فعل خود غرضی اور بے جا خودداری کے اصولوں پر مبنی ہوتا ہے ان کے تاثرات کا دائرہ زیادہ سے زیادہ اپنے خاندان کے افراد تک محدود ہوتا ہے اور اس مبارک تعلق سے

غافل ہوتے ہیں جو بحیثیت انسان ہونے کے ان کو باقی افراد بنی نوع انسان سے ہے حقیقی انسانیت یہ ہے کہ انسان کو اپنے فرائض سے پوری پوری آگاہی ہو اور وہ اپنے آپ کو اس عظیم الشان درخت کی ایک شاخ محسوس کرے جس کی جڑ تو زمین میں ہے مگر اس کی شاخیں آسمان کے دامن کو چھوتی ہیں اس قسم کا کامل انسان بننے کے لئے، ضروری ہے کہ ہر انسانی بچے کی تربیت میں یہ غرض ملحوظ رکھی جائے کیونکہ یہ کمال اخلاق تعلیم و تربیت ہی کے وساطت سے حاصل ہو سکتا ہے جو لوگ بچوں کی تعلیم و تربیت کے صحیح اور علمی اصول کو مد نظر نہیں رکھتے وہ اپنی نادانی سے سوسائٹی کے حقوق پر ایک ظالمانہ دست درازی کرتے ہیں جس کا نتیجہ تمام افراد سوسائٹی کے لئے انتہا درجہ کا مضر ہوتا ہے۔

قابل عمل طریق

اس مضمون کی تحریر سے ہماری یہ غرض ہے کہ علمی اصولوں کی رو سے بچپن کا مطالعہ کرکے یہ معلوم کریں کہ بچوں میں کون کون سے قویٰ کا ظہور پہلے ہوتا ہے اور ان کی تعلیم و تربیت کس طرح ہونی چاہئے۔ ہم ایک ایسا طریق پیش کرنا چاہتے ہیں جو محض خیالی ہی نہیں ہے بلکہ ایک قابل عمل طریق ہے جس سے بچوں کی تعلیم کے لئے ایسے آسان اور صریح اصول ہاتھ آجاتے ہیں جن کو معمولی سمجھ کا آدمی سمجھ سکتا ہے اور ان کے نتائج سے مستفید ہو سکتا ہے ہم امید کرتے ہیں کہ ناظرین ان سے فائدہ اٹھائیں گے اور اپنے بچوں کی ابتدائی تعلیم میں ان اصولوں کو ملحوظ خاطر رکھیں گے کیونکہ

خشت اول چوں نہد معمار کج   تا ثریا مے رود دیوار کج

عالم طفلی کے خصوصیات

سب سے پہلے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ وہ کون سے امور ہیں جو عالم طفلی کے ساتھ مختص ہیں تاکہ بچوں کی تعلیم و تربیت میں ان کو ملحوظ رکھا جائے اور ان سے با حسن وجوہ فائدہ اٹھانے کی کوشش کی جائے۔

(۱) اس ضمن میں پہلی بات جو ہر مطالعہ کرنے والے کو صاف دکھائی دیتی ہے یہ ہے کہ بچوں میں ایک قسم کی اضطراری حرکت کا میلان ہوتا ہے جو نہ صرف انسان کے ساتھ ہی خاص ہے بلکہ

ہر حیوان میں پائی جاتی ہے دیکھئے بلی کا بچہ کیا مزے سے خود بخود کھیلتا ہے چھوٹے کتے کی زنجیر کھول دو تو اضطراری حرکت کی خوشی میں پھولا نہیں سماتا۔

بین صاحب جو انیسویں صدی کے مشہور حکماء میں سے ہیں اس اضطراری جوش کو بچے کی نشوو نما کے لئے بڑا ضروری جزو خیال کرتے ہیں۔ کیونکہ اس حالت اضطرار میں اس کے اعضاً حرکت میں آنے کے لئے کسی بیرونی محرک کے محتاج نہیں ہوتے۔ بچوں میں اعصابی قوت کی ایک زائد مقدار ہوتی ہے۔ جو کسی نہ کسی راہ سے صرف ہو کر ان کی خوشی کا موجب ٹھہرتی ہے۔ اگرچہ بسا اوقات ان کے ماں باپ کو اس سے تکلیف بھی اٹھانی پڑتی ہے بعض دفعہ اعصابی قوت کی یہ زائد مقدار رونے چلانے میں صرف ہو جاتی ہے۔ بعض دفعہ بے تحاشہ ہنسنے اور کھیلنے کودنے میں۔ پس جو لوگ بچوں کے رونے سے تنگ آتے ہیں ان کو یاد رہے کہ یہ بھی ان کے جسمانی اور روحانی نمو کے لئے ایک ضروری جزو ہے۔ اس کے علاوہ اس قوت کے صرف ہونے کی اور بھی راہیں ہیں۔ منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ بچے کے حواس خود بخود حرکت میں آتے ہیں جس کی وجہ سے اسے خارجی اشیاء کا رفتہ رفتہ علم ہوتا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بچہ ایک متعلم ہستی نہیں بلکہ سراپا ایک متحرک ہستی ہے۔ جس کی ہر طفلانہ حرکت سے کوئی نہ کوئی تعلیمی فائدہ اٹھانا چاہئے۔ مثلاً اینٹوں کے گھر بنانا، لڑی میں منکے پرونا، گانا وغیرہ وہ زائد اعصابی قوت جو رونے اور بے جا شور کرنے میں صرف ہوتی ہے ایک باقاعدہ شور یا راگ میں آسانی سے منتقل ہو سکتی ہے۔ اور وہ قوت جو ضرر رساں اشیاء کے چھونے اور دیگر چیزوں کو ادھر ادھر پھینکنے میں صرف ہوتی ہے۔ اینٹوں کے گھر بنانے سہولت سے صرف ہو سکتی ہے۔

مسلسل توجہ

(۲) بچپن کا ایک اور خاصہ یہ ہے کہ اس عمر میں کسی شے پر مسلسل توجہ نہیں ہو سکتی جس طرح اس کے جسمانی قوائے کو ایک جگہ قرار نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح اس کے قوائے عقلیہ بھی ایک نقطہ پر عرصہ کے لئے قرار پذیر نہیں رہ سکتے۔ جس طرح ہاتھ نچلے نہیں رہ سکتے۔ اسی طرح اس کی توجہ میں بھی ایک طرح کی بیقراری ہے جو اسے ایک مقام پر جمنے نہیں دیتی۔ لہٰذا ہر طریق تعلیم میں اس بات کو ملحوظ رکھنا چاہئے کہ سبق طویل نہ ہوں۔ اور چھوٹے چھوٹے حصوں پر منقسم ہوں تاکہ

پڑھتے وقت بچے کے مختلف قویٰ کو تحریک ہو اس کے علاوہ یہ بھی لازم ہے کہ ہر سبق میں ایک خاص مشترک بات ہو تا کہ ایک خاص مقام پر توجہ لگانے کی عادت بھی ترقی کرتی جائے۔

اشیاء کا ادراک

(۳) بچوں کو اشیاء کے غور سے دیکھنے اور بالخصوص ان کے چھونے میں لطف آتا ہے۔ تین مہینے کی عمر کا بچہ ہو اور اس کی توجہ روشنی کی طرف منتقل ہو جائے تو ہاتھ پھیلاتا ہے۔ اور شمع کے شعلہ کو پکڑنے کی کوشش کرتا ہے۔ نظر کے فعل سے اس کی تسلی نہیں ہوتی۔ حس لامسہ سے بھی مدد طلب کرتا ہے کیونکہ اس قدر تا اشیاء خارجی کے چھونے میں مزا آتا ہے۔ یہ بات تو ہر شخص کے تجربہ میں آئی ہو گی کہ جب بچہ کی نظر دیوار کی کسی تصویر پر جا پڑے۔ تو بے اختیار چلانے لگتا ہے اور چاہتا ہے کہ تصویر اتار کر اس کے ہاتھوں میں دیدی جائے چلانے سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ چھوٹے میاں اب چپ ہونے میں ہی نہیں آئیں گے۔ مگر جب مطلوبہ شے سامنے رکھ دی جائے تو چپ ہو جاتا تو ایک طرف بعض اوقات آپ کی ہنسی بھی نکل جاتی ہے۔ پس جس شے کے متعلق سبق دو اس کو بچے کے سامنے رکھو اور جب سبق ختم ہو جائے تو شے مذکورہ اس کے ہاتھ میں دیدو۔ مشاہدہ سے حسِ بصر کی تربیت ہوتی ہے۔ چھونے سے قوت لمس معتدبہ فروغ پاتی ہے۔ گفتگو اور راگ وغیرہ سے قوت سامعہ ترقی کرتی ہے۔ اس طرح لمس اور بصر کے متحدہ استعمال سے بچہ کو صورت شے کا ادراک ہوتا جائے گا۔

رنگین اشیاء

(۴) بچے کی توجہ صورت سے زیادہ رنگین شے کی طرف لگتی ہے۔ جن اشیاء کا رنگ شوخ ہو اس کا دھیان زیادہ تر انہیں کی طرف رہتا ہے۔ کسی اقل درجہ کے مصور کی بنائی ہوئی تصویر اس کے سامنے رکھ دو اگر اس کا رنگ شوخ اور چمکیلا نہیں تو اسے اس کی پرواہ بھی نہیں ہو گی۔ برخلاف اس کے اپنی چھوٹی سی کتاب کی رنگین تصویروں پر جان دیتا ہے۔ بول چال میں ملاحظہ کیجئے لفظ سرخ نیلا وغیرہ تو پہلے سیکھ جاتا ہے اور لفظ مربع، مکون وغیرہ کہیں بعد میں جا کر۔ اس سے یہ اصول قائم ہوا کہ بچے کے ابتدائی سبق رنگین اشیاء کے متعلق ہونے چاہئیں۔

نقل کا مادہ

(۵) بچے میں بڑوں کی نقل کرنے کا مادہ خصوصیت سے زیادہ ہوتا ہے۔ ماں ہنستی ہے تو خود بھی بے

اختیار ہنس پڑتا ہے باپ کوئی لفظ بولے تو اس کی آواز کی نقل اتارے بغیر نہیں رہتا۔ ذرا بڑا ہوتا ہے اور کچھ باتیں بھی سیکھ جاتا ہے تو اپنے ہجولیوں کو کہتا ہے آؤ بھئی ہم مولوی بنتے ہیں تم شاگرد بنو۔ کبھی بازار کے دکانداروں کی طرح سودا سلف بیچتا ہے کبھی پھر پھرا کر اونچی آواز دیتا ہے کہ "چلے آؤ انار سستے لگا دیئے"۔ اس وقت میں بڑا ضروری ہوتا ہے کہ استاد اپنی مثال بچے کے سامنے پیش کرے۔ تاکہ اسے اس کے ہر فعل کی نقل کرنے کی تحریک ہو۔

قوت واہمہ

(۶) قوت متخیلہ یا واہمہ بھی بچوں میں بڑی نمایاں ہوتی ہے۔ شام ہوئی اور لگا ستانے۔ "اماں جان! کوئی کہانی تو کہدو"۔ ماں چڑیا کوے کی کہانی سناتی ہے تو خوشی کے مارے لوٹ جاتا ہے۔ ذرا بڑا ہوا۔ اور کچھ پڑھنا سیکھ گیا تو ناولوں اور افسانوں کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ استاد کو چاہئے کہ قوت واہمہ کے نمو کی طرف بالخصوص خیال رکھے۔ ایسا نہ ہو کہ یہ قوت بے قاعدہ طور پر بڑھ جائے۔ اور اس سے قوائے عقلیہ کی ترقی میں نقص پیدا ہو۔ بعض حکماء کی رائے ہے کہ اس قوت کی تربیت کی اتنی ضرورت نہیں جس قدر کہ اسے مناسب حدود کے اندر رکھنے کی۔ بچے کی اس خصوصیت سے بے انتہا تعلیمی فائدہ ہو سکتا ہے۔ اکثر مکتبوں میں لڑکے کاغذ کی کشتیاں یا "دن رات" بنایا کرتے ہیں۔ قوت واہمہ کے لئے یہ اچھی مشق ہے۔

ہمدردی کی علامات

(۷) بچوں میں ہمدردی کی علامات بھی ظاہر ہوتی ہیں جن سے بچے کی اخلاقی تعلیم میں ایک نمایاں فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے کسی کو ہنستا دیکھے تو خود بھی ہنستا ہے۔ ماں باپ غمگین نظر آئیں تو خود بھی ویسی ہی صورت بنا لیتا ہے۔ تجربہ اور مشق سے یہ جبلی قوت بڑھتی جاتی ہے۔ ابتدا میں اوروں کے غم سے متاثر ہوتا معلوم ہوتا ہے۔ استاد کو چاہئے کہ اسے ہمدردی کے متعلق عمدہ عمدہ کہانیاں سنائے۔ اور یاد کرائے جس حیوان کے متعلق اسے سبق دیتا ہو اس کے ساتھ اچھا سلوک کرے تاکہ بچے کے لئے ایک عمدہ مثال تقلید کرنے کے لئے قائم ہو جائے۔

بچے کا حافظہ

(۸) الفاظ یاد رکھنے کے لئے بچہ کا حافظہ حیرت ناک ہے۔ اپنی مادری زبان کی پیچیدگیاں کس

آسانی سے سیکھ جاتا ہے۔اور یاد کر لیتا ہے۔ معلم کو لازم ہے کہ اپنے شاگردوں کو عمدہ عمدہ اشعار اور نظمیں یاد کرائے اور پڑھے ہوئے سبقوں کے مضامین کی طرف بار بار اشارہ کرے۔

قوت تمیز

(۹) اس عمر میں قوت متمیزہ کمزور ہوتی ہے۔ اشیاء کے باریک باریک فرق تو معلوم نہیں کر سکتا ہاں بڑے ظاہر اور نمایاں اختلافات مثلاً اختلافات صور اشیاء معلوم کر لیتا ہے۔ لہٰذا ابتدا میں ظاہر اختلافات کی طرف اسے توجہ دلانی چاہئے۔ مثلاً دو چیزیں ایک گیند اور ایک پہلو دار شے اس کے سامنے رکھ دو۔ اور دونوں کے اختلافات مندرجہ ذیل طور سے بیان کرو:۔

گیند	پہلو دار شے
ایک ہی سطح ہے۔	بہت سی سطحیں ہیں۔
کوئی گوشہ نہیں ہے۔	بہت سے گوشے ہیں۔
کوئی کنارہ نہیں ہے۔	بہت سے کنارے ہیں۔

ان نمایاں اور ظاہر اختلافات کا علم دے چکنے کے بعد کسی اور شکل کی شے پیش کرو اور علیحدہ علیحدہ گیند اور پہلو دار شے سے اس کا مقابلہ کر کے باریک باریک اختلاف واضح کرو۔

قوائے عقلیہ

(۱۰) قوائے عقلیہ مثلاً تصدیق اور استدلال کا کمزور ہونا۔ بچہ سے ایسی فہمید کی توقع نہ رکھو جو ابھی تجربہ اور علم سے بڑھنی ہے۔ ان قوائے کے مدارج ترقی کا لحاظ استاد کے لئے نہایت ضروری ہے دو عام اشیاء اس کے سامنے رکھو اور ان کے بڑے بڑے اختلافات بیان کرو۔ اسی طرح مقابلہ کرتے کرتے تصدیق پیدا کرو مگر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ تصدیق بغیر تصورات کے محال ہے کیونکہ یہ اصل میں دو تصورات کے مقابلہ کرنے سے پیدا ہوتی ہے جو خود مختلف مدرکات کا مقابلہ کرنے سے پیدا ہوتے ہیں۔ مثلاً بہت سے افراد نوع انسان کا مقابلہ کرنے سے ان میں بعض مشترک اوصاف معلوم ہوتے ہیں جن کی اشتراک کی وجہ سے ہم ان سب افراد کو ایک مشترک اور حاوی نام دے دیتے ہیں۔ جو ہر فرد پر صادق آتا ہو۔ پس معلوم ہوا کہ بچے سے ایسے تصورات کے علم کی توقع نہیں رکھنی چاہئے جس کے ضمنی مدرکات کا علم ہی اس کو نہیں ہے۔ ایک برس کے بچے کو

کیا علم کہ "حب وطن" کس جانور کا نام ہے۔ ہمارے بعض معلوم بچے کے ہاتھوں میں ایسی ابتدائی کتابیں رکھ دیتے ہیں جن کا پہلا باب مثلاً خدا کی صفات سے شروع ہوتا ہے مگر انہیں یہ معلوم نہیں کہ "خدا" ایک ایسا مجرد تصور ہے جو قوائے عقلیہ کی حد کمال پر پہنچنے اور بہت سا علم حاصل کرنے کے بعد حاصل ہوتا ہے اور صفات شے کا اس شے سے علیحدہ تصور کرنا ایک ایسا فعل ہے جو بچے سے کسی صورت میں ممکن ہی نہیں ہے۔ لہٰذا اس قسم کا علم دینا ممکن ہے کہ بعض وجوہات سے اچھا ہوا ہو علمی اصولوں کی رو سے بچے کے حافظہ پر ایک بے جا اور غیر مفید بوجھ ڈالنے سے زیادہ نہیں ہے۔

جس طرح تصورات کے لئے مقابلہ مدرکات اور تصدیقات کے لئے مقابلہ تصورات کی ضرورت ہے۔ اسی طرح استدلال کے لئے جو مقابلہ تصدیقات سے پیدا ہوتا ہے یہ ضروری ہے کہ بچے کے علم میں کافی تعداد تصدیقات کی ہو۔ استاد کو خیال رکھنا ساتھ ساتھ ترقی کرتے جائیں۔

نفس ناطقہ

(ا) آخری خاصہ بچے کا یہ ہے کہ اخلاقی محرکات سے یا تو بچہ متاثر ہی نہیں ہوتا اگر ہوتا ہے تو نہایت اقل درجہ پر۔ اس قسم کی تحریکوں سے متاثر ہونے کی قابلیت پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ مثلاً شروع سے ہی ان کو ہمدردی کرنا سکھائیں اور نیز اس کی طرف پوری توجہ دیتے رہیں۔ کہ بچہ اپنے سبق کے متعلق ضروری ترتیب کا لحاظ رکھے کیونکہ امن اور صلح کاری کی عادت انہیں چھوٹی چھوٹی باتوں سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ نفس ناطقہ قوائے کا ایک مجموعہ نہیں ہے بلکہ یہ اپنی ذات میں ایک واحد غیر منقسم شے ہے اور اس کی ہر ایک قوت کا نشوونما ہر دوسری قوت کے نشوونما پر منحصر ہے۔ جس طرح جسمانی اعضا تناسب کے اصولوں کے مطابق بڑھتے ہیں۔ اسی طرح نفس ناطقہ کی قوائے کا نشوونما بھی انہیں اصولوں کے تحت میں ہے۔ لہٰذا طریقہ تعلیم کامل وہی ہوگا جو نفس ناطقہ کے تمام قوائے کے لئے یکساں ورزش کا سامان مہیا کرے۔ اور اک فکر تخیل تاثر اور مشیت غرض کہ نفس ناطقہ کی ہر قوت تحریک میں آنی چاہیے۔ کیونکہ کامل طریق تعلیم کا منشا یہ ہے کہ نفس ناطقہ کی پوشیدہ قوتیں کمال پذیر ہوں۔ نہ یہ کہ بہت سی علمی باتیں دماغ میں جمع ہو جائیں۔

مندرجہ بالا سطور سے واضح ہو گیا ہو گا کہ ایک عمدہ اور مضبوط تعلیمی بنیاد رکھنے کے لئے بچے کے نشوونما کا مطالعہ کہاں تک ضروری ہے۔ معلم حقیقت میں قوم کے محافظ ہیں۔ کیونکہ آئندہ نسلوں کو سنوارنا اور ان کو قوم اور ملک کی خدمت کے قابل بنانا انہیں کی قدرت میں ہے سب محنتوں سے اعلیٰ درجہ کی محنت اور سب کارگزاریوں سے زیادہ بیش قیمت کارگزاری ملک کے معلموں کی کارگزاری ہے۔ اگرچہ بدقسمتی سے اس ملک میں اس مبارک پیشہ کی وہ قدر نہیں جو قدر کہ ہونی چاہیے۔ معلم کا فرض تمام فرضوں سے زیادہ مشکل اور اہم ہے کیونکہ تمام قسم کی اخلاقی تمدنی اور مذہبی نیکیوں کی کلید اسی کے ہاتھ میں ہے اور تمام قسم کی ملکی ترقی کا سرچشمہ اسی کی محنت ہے پس تعلیم پیشہ اصحاب کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے پیشہ کے تقدس اور بزرگی کے لحاظ سے اپنے طریق تعلیم کو اعلیٰ درجہ کے علمی اصولوں پر قائم کریں جس کا نتیجہ یقیناً یہ ہو گا کہ ان کے دم قدم کی بدولت علم کا ایک سچا عشق پیدا ہو جائے گا۔ جس کی گرمی میں تمدنی اور سیاسی سرسبزی مخفی ہے جس سے قومیں معراج کمال تک پہنچ سکتی ہیں۔

اخلاقی قدریں

جناب مولوی محمد تقی امینی

اخلاقی جوہر وہ ستون ہیں جن پر قوموں اور جماعتوں کی زندگی کی بنیاد رکھی جاتی ہے اور انہیں سے قوت و طاقت اور عزت و سلطنت حاصل ہوتی ہے۔ کیوں کہ یہ اخلاق ہی کی شان ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی "نیابت" کا رنگ پایا جاتا ہے۔ اسی بنا پر داعی انقلاب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔

تخلقوا باخلاق اللہ (الحدیث) اللہ تعالیٰ والے اخلاق کو اپنے اخلاق بناؤ۔

ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ دنیا کی جو قوم اور جو جماعت ان اوصاف سے جتنی متصف ہو گی اسی مناسبت سے اہلیت و صلاحیت پیدا کر کے زمین میں اللہ تعالیٰ کی "نیابت" کی مستحق ہو گی اور وہی مجموعی حیثیت سے خلق خدا کے لئے "نافع" ثابت ہو گی (۱)۔

اور جو قوم جس قدر اخلاقی جوہر کو ختم کر دے گی۔ اسی مناسبت سے وہ رفتہ رفتہ زندگی کی اہلیت و

صلاحیت کھو کر تباہ و برباد ہو جائے گی۔ کیونکہ جو خرابی اس راہ سے آتی ہے اس کی براہ راست زد انسان کی بنیاد پر پڑتی ہے۔ جس کی بنا پر وہ زندگی کے تمام گوشوں میں سرایت کر کے اس کے پورے نظام کو درہم برہم کر دیتی ہے۔

اس بارے میں چند آیتیں یہ ہیں:۔

وَ اِذَا اَرَدْنَا اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا ١٧/١٦

اور جب ہمیں کسی شے کو ہلاک کرنا ہوتا ہے تو اس بستی کے خوش حال لوگوں کو حکم (تکوینی) دیتے ہیں پس وہ نافرمانی میں سرگرم ہو جاتے ہیں جس کی بنا پر عذاب کی بات ان پر ثابت ہو جاتی ہے۔ پھر (پاداش عمل میں) انہیں برباد و ہلاک کر ڈالتے ہیں۔

وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا وَ مَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ٦/١٣٢

ہر ایک کے اس کے اعمال کے مطابق درجے ہیں اور تمہارا پروردگار ان کے اعمال سے غافل نہیں ہے۔

فاهلكنهم بذنوبهم ٨/٥٤، ہم نے ان کے گناہوں کی وجہ سے انہیں ہلاک کر دیا۔

فاخذهم الله بذنوبهم ٨/٥٢، اللہ نے ان کے گناہوں پر انہیں پکڑ لیا۔

اسی طرح قرآن حکیم نے جہاں کہیں قوموں کی ہلاکت و بربادی یا ان کے عروج و اقبال کا ذکر کیا ہے۔ دونوں کا سبب اعمال و اخلاق کو قرار دیا ہے۔

اس کی نظر میں ترقی و کامیابی بھی اسی راہ سے آتی ہے اور ذلت و ناکامی بھی اسی راہ سے۔

تاریخ کا فیصلہ

اس سلسلہ میں اگر آپ پوری دنیا کی تاریخ کا گہری نظر سے مطالعہ کریں اور قوموں کے اتار چڑھاؤ کی رفتار دیکھنے میں نہایت دقیقہ رسی سے کام لیں۔ نیز اخلاقیات کے دائرہ کو ظاہری مراسم تک محدود نہ کھیں تو دنیا کی ہر قوم اسی حقیقت کی شہادت پیش کرتی نظر آئے گی۔

یہ ظاہر ہے کہ دنیا کی ہر قوم کا سنگ بنیاد دوسری قوم کے کھنڈر پر رکھا جاتا ہے اور بالعموم ہر جانے والی قوم آنے والی سے مادی قوت و طاقت اور وسائل و ذرائع میں بھری ہوئی ہوتی ہے لیکن

سوچنے کی بات یہ ہے کہ وہ کون سا بنیادی عنصر ہے جو اسے اپنا مقام چھوڑنے پر مجبور کرتا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ تمدنی عیش و عشرت اور بے آہنگ عقل و ہوس کی نمائش اخلاقی جواہر کو فنا کر کے اس کا حوصلہ پست کر دیتی ہے اور مقابل کی قوم عزم و ہمت کے ساتھ نیا حوصلہ لے کر میدان میں آتی ہے جو اخلاقی اقدار کا ایک لازمی عنصر ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ایسی حالت میں فوجی تفوق اور قوت و طاقت کے دیگر وسائل و ذرائع کچھ کام نہیں دیتے اور بہت سی مسلح و متمدن قومیں ان کے لئے جگہ خالی کر دینے پر مجبور ہوتی ہیں۔ جو دیکھنے میں نہایت لیکن اخلاقی اقدار کی تخم ریزی ہو جانے کی بنا پر فوجی اسپرٹ و دیگر لوازم حیات ان میں موجود ہوتے ہیں۔

اخلاقی طاقت

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ علوم و فنون کی ترقی اور مادی وسائل قومی زندگی میں کوئی اہمیت نہیں رکھتے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان سب کی حیثیت ثانوی ہے۔ اصلی سنگ بنیاد "اخلاقی اقدار" ہیں۔ اخلاقی طاقت مادی وسائل کی کمی کی تلافی کر دیتی ہے۔ لیکن مادی وسائل کی فراوانی اخلاقی فقدان کی تلافی نہیں کر سکتی۔

ان تمام حقیقتوں میں ہماری غلط فہمی کا سبب یہ ہے کہ کسی قوم کے ابھار کی ابتدائی حالت سامنے نہیں ہوتی بلکہ اس وقت کی حالت کو دیکھتے ہیں جب کہ قوم ترقی کر چکی ہوتی ہے اس لئے وہ بنیادی باتیں ہماری نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہیں۔ جن پر ترقی کی بنیاد ہے۔

اسلام اور اخلاق

از مولانا حبیب الرحمٰن خانصاحب شروانی

جو حدیثیں پاکیزگی اخلاق کے متعلق وارد ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان اور اخلاق اس طرح باہم وابستہ ہیں کہ ایک کو دوسرے سے جدا کرنا ممکن نہیں اور یہ کہ اسلام بدون پاکیزگی اخلاق کالبد بے جان سے بڑھ کر حیثیت نہیں رکھتا۔ ایک حدیث میں اسلام اور ایمان کی تکمیل اخلاق پر موقوف فرمائی ہے۔ تو دوسری حدیث میں اسلام کو عین اخلاق فرمایا ہے کہیں دین کی ستھرائی کو اخلاق کی ستھرائی پر منحصر کر دیا ہے۔ ایک موقع پر عبادت کی خوبی اور مقبولیت کو پاکیزگی

اخلاق سے مشروط کیا ہے۔ تو دوسرے موقع پر سعادت انسانی اخلاق نیک سے وابستہ قرار دی ہے جو اخلاق ذمیمہ زیادہ قبیح ہیں۔ مثلاً کذب و خیانت ان کی نسبت صاف صاف ارشاد ہے کہ وہ ایمان کے ساتھ ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے۔ باآنکہ فرمایا ہے کہ مومن ہو کر آدمی خائن ہو۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت واضح الفاظ میں اپنے رسول بنائے جانے کی غرض و غایت صرف اخلاق نیک کی تکمیل ظاہر فرمائی ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے۔

بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ۔ یعنی میں صرف نیک اخلاق کی تکمیل کے واسطے بھیجا گیا ہوں۔ سورہ جمعہ کی ایک آیت بھی اس حدیث کے ہم مضمون ہے۔

هُوَالَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۖ (۶۲:۲)

یعنی اللہ وہی ہے جس نے ان پڑھوں میں من جملہ انہیں کے رسول بھیجا۔ جو ان کے سامنے اللہ کی آیتیں پڑھتا ہے۔ اور ان کو پاک کرتا ہے اور کتاب اور حکمت سکھاتا ہے۔

اس آیت میں جو پاک کرنے کا لفظ ہے۔ اس کی تفسیر میں لکھا ہے کہ پاک کرنے سے مراد اخلاق رذیلہ سے پاک کرنا ہے۔ اور حکمت کے معنی طریق سنت کے ہیں۔ جو عین اخلاقی تعلیم تھی۔ اب میں چند احادیث کا ترجمہ آپ کو سناتا ہوں جن سے بیان بالا کی توضیح ہو گی۔

اسلام خلق نیک ہے۔ ایمان کامل تر ان کا ہے جن کے اخلاق اچھے ہیں کمال ایمان حسن خلق ہے۔ عبادت سے حسن خلق افضل ہے۔ ایک بندہ آخرت میں اپنے حسن خلق کی بدولت بڑے بڑے درجے پائے گا۔ حالانکہ وہ بلحاظ عبادت کمزور ہو گا اور ایک بندہ خلق کی برائی کی وجہ سے جہنم کے سب سے نیچے طبقے میں پہنچے گا۔ حالانکہ وہ ہو گا عابد۔ انسانوں میں سب سے اچھا انسان وہ ہے جو اخلاق میں سب سے اچھا ہے اعمال میں سب سے بہتر عمل نیک خلق ہے۔ دین کی خوبی اخلاق کی خوبی سے ہے تجھ کو نیک اخلاق کو اپنے اوپر لازم کر لینا چاہیے۔ اس لئے کہ آدمیوں میں جس کے اخلاق سب سے اچھے ہیں۔ اس کا دین سب سے اچھا ہے۔ کوئی عقل مثل تدبیر کے اور کوئی حسب مثل نیک اخلاق کے نہیں ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ جس کی صورت اور سیرت دونوں اچھی ہوں اس کو دوزخ کی آگ کھا لے انسانی سعادت خلق ہے انسان کی شقاوت بد خلقی ہے۔ آتش دوزخ اس شخص پر حرام ہے جو نفس کا نرم خو بے تکلف اور قریب ہو۔ آپ اپنے کو دور نہ کھینچتا

ہو۔ حسن خلق برکت ہے۔ آدمی اپنے نیک اخلاق کے اثر سے اس شخص کا درجہ حاصل کر لیتا ہے جو ہمیشہ روزہ رکھے رات بھر عبادت میں جاگے اور راہ خدا میں لو کے دنوں میں دوپہر کو پیاسا رہے۔ اخلاق کا اچھا ہونا محبت الٰہی کی دلیل ہے اور بد اخلاقی بغض الٰہی کی۔

ان احادیث سے آپ نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہوگا کہ ایمان واسلام کی تکمیل دین کی خوبی۔ آخرت کے مراتب، انسان کی فضیلت، سعادت اور برکت، غرض انسانی کی ساری خوبی اور بہبودی اخلاق نیک سے مشروط کر دی گئی ہے۔ ایک حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا ہوگا کہ خدا جن کا دوست رکھتا ہے ان کو اچھے اخلاق دیتا ہے اور جن کو دوست نہیں رکھتا ان کو بداخلاقی میں مبتلا کر دیتا ہے۔

ایمان کے باب میں جو احادیث آئی ہیں ان میں ایک حدیث یہ بھی ہے کہ:۔

حقیقت ایمانی

"بندہ حقیقت ایمانی کے رتبہ پر اس وقت تک نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ وہ سارے آدمیوں کے واسطے وہی بھلائی نہ چاہے جو اپنے نفس کے واسطے چاہتا ہے"۔

حدیث مذکور کے الفاظ یہ ہیں:۔

"لا یبلغ العبد حقیقة الایمان حتی یحب للناس ما یحب لنفسه من الخیر".

غالباً اس سے بڑھ کر بنی نوع انسان کی خیر طلبی کا معیار نہیں ہو سکتا۔ پس جب تک کہ انسان کل نوع انسانی کو بھلائی کا حقدار اپنی ذات کے برابر نہ سمجھ لے۔ اس وقت تک وہ خیر خواہ خلائق نہیں کہا جا سکتا۔ حدیث یہ بھی سبق دیتی ہے کہ نیک و بد مسلم و کافر سب کو یکساں اخلاق نیک اور نیکی کا فیض پہنچاؤ۔ چنانچہ فرمایا کہ:۔

مسلمان جب نیکی کرے تو کافر، مسلمان اور فاسق و فاجر سب سے کرے۔ خداوند تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی۔ کہ اے میرے دوست اپنے خلق کو اچھا کر یہاں تک کہ کفار کے ساتھ بھی۔ اس سے تو بندوں کے مقامات میں رسائی پائے گا"۔

ایک اور حدیث ہے "ایمان لانے کے بعد عقل کی چوٹی کی بات یہ ہے کہ آدمی سارے آدمیوں سے محبت رکھے اور ہر نیک و بد کے ساتھ نیکی کرے"۔ آپ نے ایک بار اپنے صحابی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

"اے معاذ تجھ سے کوئی برائی سرزد ہو جائے تو اس کے بعد نیک کام کر تا کہ نیکی برائی کو محو کر دے اور اے معاذ! آدمیوں سے باخلاق نیک پیش آ"۔ ایک عالم کی حکمت اور دین و دنیا کی خوبی ذیل کے الفاظ سے بھری ہوئی ہے۔

آنحضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اخلاق میں سب آدمیوں سے شیر و شکر رہو۔ اور اعمال میں سب سے ممتاز۔ مطلب یہ ہے کہ تمہاری عبادات تم کو غیروں سے ممتاز بنائے رہیں۔ اور عادات میں سب اجلا ہوا دکھائیں۔ ذات اور قوم کے امتیاز و فخر کا سر اخلاق کے سامنے یوں جھکایا ہے۔ لا حسن کحسن الخلق۔ یعنی اخلاق سے بڑھ کر کوئی حسن نہیں۔ اخلاق کی برائی یوں بیان فرمائی ہے۔ خلق کی برائی عمل کو اس طرح فاسد کر دیتی ہے جس طرح سرکہ شہد کو۔ خدا اس کو پسندیدہ نظر سے نہیں دیکھتا۔ جو اپنے بھائیوں کے مقابلے میں ترش رو رہے۔ ہر گناہ کی توبہ ہے۔ لیکن بد اخلاقی کی نہیں۔ اس لئے کہ وہ جب ایک گناہ سے توبہ کرے گا جب ہی اس سے بدتر گناہ میں مبتلا ہو جائیگا۔ بد اخلاقی نحوست ہے تم میں سب سے براوہ ہے جو اخلاق میں سب سے برا ہے۔

احادیث بالا سے معلوم ہوا کہ انسانی برتری اور اصلی فضیلت کا سبب اسلام میں اخلاق نیک ہیں اور سارے امتیاز خواہ وہ بلحاظ کثرت عبادت ہوں خواہ بلحاظ حسب و نسب۔ سب بدون اخلاق نیک، ہیچ اور بے حقیقت ہیں۔ اسی تعلیم کا اثر تھا کہ اسلام کے دور اول میں "جب کہ اسلام اپنے اصلی اور خالص رنگ میں جلوہ افروز تھا"۔ نفس انسانی فضول اور بے کار قیدوں کو توڑ کر حقیقی حریت اور آزادی کی طرف رجوع کر گیا تھا۔ اور صرف نفس انسانی کی اخلاقی تکمیل ذریعہ شرف و فضیلت تھی۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ دل کھول کر ضعیف قومی کا۔ غلام آقا کا، عرفی نیچی قوم کے لوگ اونچی ذات والوں مقابلہ کر رہے تھے۔ اور اگر اپنے نفس کو ان سے زیادہ پاک و با اخلاق بنا لیتے تھے۔ تو مرتبہ میں بھی فائق ہو جاتے تھے۔ اور چونکہ وہ لوگ بھی جو قومی آزاد یا عرفا اونچی ذات کے تھے۔ صرف نیکی و پاکیزگی اخلاق کو معیار شرف مانتے تھے۔ لہٰذا جب ان سے کم درجہ کا آدمی خوبیوں میں بڑھ جاتا تو وہ اس کے شرف کو بطیب خاطر قبول کر لیتے۔ اس طرح نیکی و اخلاق کے سامنے شرف و عزت کے خیالوں نے سر جھکا دیا تھا۔ نیکی اور صرف نیکی کا بول عالم اسلام میں بالا ہو رہا تھا۔ جو ہزاروں پیشوایان امت اس وقت تک مسلم ہیں اور جن کے نام آج تک ادب و تعظیم سے لئے جاتے ہیں ان کے

حالات آپ دیکھیں تو معلوم ہو کہ صدہا ان میں ایسے تھے جو رواجی اور عزت و شرف کے اسباب سے تہی دست تھے لیکن اخلاق و علم نے ان کو اوج شرف پر آفتاب و ماہتاب بنا کر چمکایا۔

عبادت میں پاکیزگی اخلاق کا لحاظ

عبادت میں بھی اسلام نے ہر موقع پر اخلاقی پاکیزگی کا لحاظ رکھا ہے بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ عبادت بھی اخلاق کا ایک حصہ ہے کیونکہ وہ اس حق کے ادا کی صورت ہے۔ جو خالق و مخلوق پر اور مالک کا بندہ پر ہے۔ اور ادائے حق و اخلاق کا اہم مسئلہ ہے۔ نماز کی نسبت کلام مجید میں ارشاد ہے۔

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ۔ یعنی یقینی فائز المرام ہوئے وہی اہل ایمان جو نماز دلی عاجزی کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ حدیث میں ہے۔

"جو شخص دلی عاجزی سے نماز ادا نہ کرے۔ اس کی نماز ادا نہیں ہوتی۔ جس شخص کی نماز اس کو بے حیائی کی باتوں اور برے کاموں سے نہ روکے اس نماز سے سوائے خدا سے دوری کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا"۔

روزہ میں جہاں کھانے پینے کی ممانعت ہے۔ وہاں یہ بھی ارشاد ہے کہ جھوٹ، غیبت، چغلی، نظر بد اور جھوٹی قسم سے روزہ باطل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ:۔

"بہت سے روزہ رکھنے والے ایسے ہیں کہ جن کو روزہ میں سوائے پیاس کے اور کچھ ہاتھ نہیں لگتا اور بہت سے رات رات بھر نماز پڑھنے والے ایسے ہیں جن کو شب بیداری سے سوائے جاگنے کے اور کچھ نصیب نہیں ہوتا"۔

امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے احیاء العلوم میں اس موقع پر ایک لطیف بحث لکھی ہے۔ نماز کی نسبت فرماتے ہیں۔ حضور قلب نماز کی جان ہے۔ اگر پہلی تکبیر کہنے کے وقت حضور قلب ہوگا تو کہا جائے گا کہ جان کی رمق باقی ہے۔ اگر یہ بھی نہ ہو تو سمجھنا چاہئے کہ نماز مردہ ہے۔ جس قدر حضور قلب سے پڑھے گا اسی قدر ارکان نماز میں روحانی تازگی پیدا ہوگی۔ بہت سے جاندار زندہ ہوتے ہیں لیکن ایسے بے حس و حرکت ہوتے ہیں۔ کہ مردے میں اور ان میں بہت کم فرق ہوتا ہے۔ یہی مثال اس نمازی کی نماز کی ہے جو تکبیر حضور قلب سے کہے اور پھر غافل ہو جائے"۔

روزے کی نسبت امام ممدوح کہتے ہیں کہ اس سے مقصود اصلی یہ ہے کہ نگاہ کو، زبان کو، کان

کو، غرض جملہ اعضاء ظاہری و باطنی کو گناہ سے روکا جائے۔ روزہ کھولنے کے وقت اناپ شناپ نہ کھایا جائے۔ افطار کے وقت اس قلق میں رہے کہ آیا روزہ قبول ہوا یا نہیں"۔

قربانی کی نسبت خداوند تعالیٰ کلام مجید میں فرماتا ہے۔ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَادِ مَائُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ۔ (۲۲:۷۳) یعنی خدا کے پاس ان کے (قربانیوں کے) گوشت نہیں پہنچتے۔ اور نہ خون پہنچتے ہیں البتہ تمہاری پرہیزگاری اس خدا تک پہنچتی ہے۔

علیٰ ہذا القیاس ساری عبادتوں کا حال یہی ہے اس سے آپ یہ رائے قائم کر سکتے ہیں کہ اسلام نے اعمال میں محض ظاہری صورت اور شکل کو پیش نظر نہیں رکھا۔ بلکہ ان کے اندرونی اثر اور معنوی منافع کو بھی ملحوظ رکھا ہے۔ اسی کے ساتھ ان کی معنویت میں اس قدر مبالغہ بھی نہیں کیا کہ وہ محض خیالی صورتیں رہ جائیں۔ اور جس طرح انسان ظاہری گوشت پوست اور روح کا مجموعہ ہے۔ اسی طرح اس کے اعمال بھی مقرر کئے گئے ہیں۔ جس طرح انسان بے روح کے کوئی چیز نہیں۔ اسی طرح اس کے اعمال بے ظاہری ارکان کے قائم نہیں رہ سکتے۔

نیت کی صفائی

اسلام نے سارے اخلاق اور تمام اعمال کی بنا نیت پر رکھی ہے اور ارادہ دل کو اس اعتبار سے کہ وہ سارے اعمال پر سرچشمہ ہے۔ کل کاموں کی مقبولیت وغیرہ مقبولیت کا معیار قرار دیا ہے۔ کھوٹی اور کھری نیت کی پرکھنے والی وہ ذات واحد ہے جس کی نسبت ہر مسلمان شہادت دیتا ہے کہ وہ عالم غیب و شہادۃ اور ظاہر و باطن کی جاننے والی ہے۔ پس اخلاق و اعمال مقبول و پسندیدہ اس وقت قرار پائیں گے جب کہ وہ ذات پاک جو ساری خوبیوں اور پاکیزیوں کی سرچشمہ ہے ان کو پسند فرمائی اور یہ جب ہی ہو گا کہ انسان کے دل کے کسی پردہ اور گوشہ میں نیت کا فساد اور ارادہ کی کھوٹ پوشیدہ نہ ہو۔ اس طرح انسان پاک اخلاق اور پاکیزہ عادات کی پابندی و ممارست سے اپنی روح کو پاک صاف کر کے نیکی و پاکیزگی کے چشمہ میں جا ملے۔ اور جو ترقی روحانی کی معراج ہے وہ حاصل ہو جائے۔

چنانچہ حدیث میں ارشاد ہے۔ "اعمال کا دارومدار نیت پر ہے اور ہر شخص اپنی نیت کا پھل پائے گا۔ سب اعمال سے بہتر نیت صادقہ ہے خداوند تعالیٰ اجر باندازہ نیت عطا فرماتا ہے دین میں اخلاص پیدا کر لو۔ تو تھوڑا سا عمل بھی تم کو کافی ہو گا۔ اعمال کو محض خدا کے واسطے کرو۔ کیونکہ جن

اعمال میں اخلاص نہیں ان کو خداوند تعالیٰ قبول نہیں فرماتا۔ خدا تمہاری صورتوں کو اور تمہارے اموال کو نہیں دیکھتا۔ بلکہ صرف تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے خدا تمارے جسموں اور اموال کی طرف نہیں دیکھتا بلکہ اس کی نگاہ تمہارے دلوں پر ہے۔

جب یہ حال ہے تو جس شخص کا دل صالح ہو گا اس پر خدا رحمت نازل فرمائے گا۔ اعمال کی کیفیت مثل ایک برتن کے ہے جب ان کی تہ اچھی ہے تو وہ اچھے ہیں۔ اور جب ان کی تہ خراب ہے تو وہ فاسد ہیں۔ خبردار ہو کر سن لو کہ بدن کے اندر ایک ٹکڑا ہے جس وقت تک وہ صلاحیت پر رہے سارا بدن صلاحیت پر رہے گا اور جب وہ بگڑا سارا بدن بگڑ جائیگا۔ وہ ٹکڑا دل ہے نیکی کی تکمیل جب ہوتی ہے۔ تو پردہ کے اندر وہی عمل کرے جو برملا کرتا ہے۔ جو کام تجھ کو برملا کرنا پسند نہ ہو اس کو تنہائی میں بھی مت کر۔ پوشیدہ عمل بہتر ہے علانیہ سے۔ ہاں جو شخص مقتدیٰ بننے کے خیال میں ہو۔ اس کے لئے علانیہ مخفی سے بہتر ہے۔ احسان (اچھائی) یہ ہے کہ تو خدا کو اس طرح پوجے کہ تو اس کو دیکھ رہا ہے اور اگر یہ مرتبہ حاصل نہ ہو تو سمجھ لے کہ گویا وہ تجھ کو دیکھ رہا ہے۔

دل کی سچائی

اس درجہ کی تکمیل اس حدیث سے ہوتی ہے کہ آپ غزوہ احد میں مصروف تھے اور کچھ یار بیماری سے مجبور ہو کر مدینہ میں رہ گئے تھے لیکن ان کے دل آپ کی معیت کے واسطے بے تاب اور بے قرار تھے اس موقع پر آپ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا۔

لقد شهدكم اقوام بالمدينة حبهم المرض۔ یعنی یقینی وہ لوگ تمہارے ساتھ ہیں جن کو بیماری نے مدینہ میں روک رکھا ہے۔

جس طرح نیت کی صفائی اور دل کی سچائی کی تاکید فرمائی ہے اسی طرح ریا اور سمعہ (نام و نمود) سے بچنے کی ہدایت کی ہے اور طرح طرح سے اس کے خطرہ کو ذہن نشین فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ "قیامت کے روز سب سے زیادہ شدید عذاب اس شخص کو ہو گا جو لوگوں کو یہ دکھلائے کہ اس میں نیکی ہے۔ حالانکہ وہ نیکی سے خالی ہو۔ خداوند تعالیٰ نے ریاکار پر جنت کو حرام فرما دیا ہے۔ مجھ کو اپنی امت کے لئے سب سے زیادہ جس بات کا اندیشہ ہے وہ شرک کا ہے۔ اس کو اچھی طرح سن لو کہ میرا مطلب یہ نہیں کہ تم سورج اور چاند اور بتوں کو پوجنے لگو گے بلکہ وہ اعمال جو خدا کے

سوا اوروں کے لئے کیے جائیں (چھپی ہوئی خواہشیں مراد ہیں) تھوڑی سی ریا بھی شرک ہے۔ اور خدا کے محبوب بندے وہ چھپے ہوئے پرہیز گار ہیں جو اگر غائب ہو جائیں تو ان کا غائب ہونا کسی کو معلوم نہ ہو اور حاضر ہوں تو ان کو کوئی نہ پہچانے۔ یہ لوگ امت کے پیشوا اور ہدایت کے چراغ ہیں۔ خدا کے نزدیک تو سب سے برا وہ شخص ہے جس کے کپڑے اس کے اعمال سے بہتر ہوں۔ اس کے کپڑے تو انبیاء کے سے ہوں اور اعمال متکبروں کے سے۔

ریا صرف یہی نہیں کہ جو نہ ہو اس کو دکھایا جائے بلکہ وہ اعمال نیک جن کا اظہار باعث شہرت ہو سکے ان کے اظہار سے بھی منع فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

"دو شہرتوں سے بچو۔ ایک پشمینہ کی، دوسری ریشم کی"۔ (یعنی فقیرانہ ہیئت اور امیرانہ ٹھاٹھ، دونوں کی نمائش بربادی کا باعث ہے) اس زمانہ کے لحاظ سے پشمینہ کی جگہ کشمیرہ ہو سکتا ہے اس لئے کہ کوٹ پتلون کی نمائش بھی بہت سے دماغوں کو خودی بلکہ بے خودی کی ہوا میں اڑائے پھرتی ہے۔ بہت سے لوگ ایسے ہیں جو مغربی شائستگی سے قطعاً بے مس ہیں لیکن صرف چند گز کشمیرہ کے بدن پر لپٹ جانے سے ان کی یہ بری حالت ہو جاتی ہے کہ اپنے آپ کو آسمان پر اور اپنے ابنائے جنس کو ذلت کے غار میں دیکھنے لگتے ہیں۔ اگرچہ معنوی لحاظ سے ان کی حیثیت ان کاٹھ کے پتلون سے بڑھ کر نہیں ہوتی۔ جو انار کلی بازار میں ٹیلری کی دکان کے دروازہ پر کھڑے ہوئے ہیں۔ یہ تو جملہ معترضہ تھا۔ اب اصل مطلب سنئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

"جو شخص اپنی نماز ایسے موقعوں پر اچھی طرح ادا کرتا ہے جہاں لوگ اسے دیکھیں اور پھر تخلیہ میں بری طرح ادا کرتا ہے تو یہ ایک قسم کی اہانت ہے جو وہ اپنے رب کی کرتا ہے"۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک روز آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) وعظ فرما رہے تھے کہ ایک شخص نے چیخ ماری۔ آپ نے سن کر فرمایا کہ یہ کون شخص ہے جو ہمارے دین کو دھوکہ بنائے دیتا ہے۔ اگر وہ سچا ہے تو اس نے اپنے نفس کو شہرت دی اور اگر جھوٹا ہے تو خدا اس کو رسوا کرے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بار کہا کہ کچھ لوگ ایسے ہیں کہ پشمینہ پہنتے ہیں۔ تواضع کے ارادہ سے حال آنکہ ان کے دل خود پسندی و تکبر سے لبریز ہوتے ہیں۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ آئے ایک شخص کو مسجد میں نماز پڑھتے

دیکھا جو مسجد میں رو کر اپنے رب کو پکار رہا تھا۔ یہ دیکھ کر انہوں نے کہا کہ "اے شخص! کاش یہ تو اپنے گھر کے اندر کرتا۔

اخلاق سے کیا مراد ہے:۔ مولف کنزالاعمال نے اخلاق کی تعریف ان سادہ الفاظ میں کی ہے۔ ونعنی بالاخلاق ماهو من اعمال القلوب (یعنی اخلاق سے ہماری مراد دل ہیں) امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے اس کی نسبت ایک لطیف بحث احیاء العلوم میں کی ہے۔ اس کا خلاصہ اس موقع کے مناسب ہوگا۔ امام ممدوح فرماتے ہیں۔

"انسان دو حصوں سے مرکب ہے۔ خَلق سے اور خُلق سے۔ خَلق سے مراد اس کی ظاہری صورت اور خُلق سے مراد اندرونی ہیئت ہے جس طرح ظاہری اعضاء کے حسین اور موزوں ہونے سے آدمی خوبصورت کہلاتا ہے۔ اسی طرح اندرونی ہیئت کی خوبی سے خوش خلقی پیدا ہوتی ہے۔ اصطلاحاً خلق نفس انسانی کی وہ ہیئت راسخہ ہے۔ جس کی تحریک انسان سے بے تکلف افعال سرزرد کراتی ہے۔ اور ان کے کرنے میں سوچنے اور فکر کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اگر وہ اندرونی ہیئت انسان سے نیک افعال بے تکلف صادر کراتی ہے۔ تو اس کو حسن خلق کہیں گے اور اگر برے افعال بے تکلف سرزد کراتی ہے تو اس کا خلق بد ہوگا۔ جس طرح جمال ظاہری کے لئے آنکھ، کان اور ناک وغیرہ کا خوبصورت ہونا ضروری ہے۔ اسی طرح خلق کی خوبی کے واسطے ان چار قوتوں کا حسن لازم ہے۔ قوت علم، قوت غضب، قوت خواہش اور قوت عدل میں اچھے اور برے کے امتیاز پر بے تکلف قادر ہو۔ قوت غضب کا حسن یہ ہے کہ غصہ کی باگ عقل کے ہاتھ میں ہو۔ قوت خواہش کا حسن یہ ہے کہ وہ شرع اور عقل کے اشارہ کے تابع رہے۔ قوت عدل کا حسن یہ ہے کہ انسان اپنی قوت غصہ اور قوت خواہش کو عقل کے اشارہ کے تابع رکھنے پر قادر ہو جس میں یہ چار قوتیں خوبی کے ساتھ پائی جائیں گی۔ وہ صاحب حسن خلق سمجھا جائے گا۔ جس قدر ان میں عیب ہوگا۔ اسی قدر ان کی باطنی وجاہت ناقص ہوگی۔ حسن خلق کی علامتیں حسب ذیل ہیں۔

علاماتِ خُلق

اپنے بھائی کے لئے وہی چاہے جو اپنے لئے چاہے۔ باحیا، بے آزار، صالح، راست باز، کم کہنے والا، بہت کرنے والا، لغزشیں کم کھانے والا، نرم مزاج، صاحب عفت و شفقت، خدا کے

بندوں سے نیکی سے پیش آنے والا۔ اہل قرابت کی رعایت کرنے والا۔ باوقار، صابر وشاکر، راضی برضا اور حلیم ہو۔ لوگوں کو برا بھلا نہ کہے۔ گالی نہ بکے، غیبت نہ کرے، جلد باز نہ ہو، حسد اور بخل سے پاک، ہشاش بشاش ہو، اس کی عداوت و محبت حق پر ہو، جوش ہو تو حق پر ہو، لڑے تو حق کی حمایت کے لئے۔

اس کے بعد امام صاحب رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہم نے جو یہ قید لگائی ہے کہ افعال بآسانی بدون خارجی اثر کے سرزد ہوں۔ ان کا یہ فائدہ ہے کہ جو شخص بہ تکلف مال خرچ کرے یا غصہ کے وقت کسی کے لحاظ سے چپ ہو رہے تو ان صفات کا نام سخاوت اور حلم نہیں ہو گا۔ نیز خلق کے لئے یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ فعل میں بھی آجائے۔ اس لئے کہ یہ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص حقیقی سخی ہو۔ لیکن وہ مال خرچ نہ کرے یا تو اس وجہ سے کہ اس کے پاس دولت نہیں یا یہ کہ کوئی امر اس کو نہ دینے پر مجبور کر رہا ہو۔ اسی طرح ممکن ہے کہ ایک شخص فی الواقع بخیل ہو۔ مگر کسی کے دباؤ سے یا دکھاوے کے لئے مال خوب خرچ کرتا ہو۔

اعتدال

حدیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اخلاق حسن کی فہرست جو امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے دی ہے وہ آپ کے ارشاد سے ماخوذ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صفات میں خواہ وہ دینی ہوں یا دنیاوی۔ اعتدال کی تاکید فرمائی ہے۔ جو اخلاق کی جان ہے بلکہ فی الحقیقت اخلاق نام ہی اس کا ہے کہ آدمی اپنے مختلف قویٰ کو اعتدال پر قائم رکھے اور افراط و تفریط کے درمیان جو راہ ہے اس پر مضبوطی کے ساتھ چلا جائے۔ حدیث میں آیا ہے۔

اعتدال تونگری میں بہت خوب ہے اور اعتدال فقر میں بہت خوب ہے اور اعتدال عبادت میں بہت خوب ہے۔ خرچ میں اعتدال رکھنا آدھی معیشت ہے۔ جو شخص اعتدال کو اختیار کرے گا۔ خداتعالیٰ اس کو تونگر کر دے گا۔ جس شخص کی صفت میانہ روی ہو گی۔ وہ کبھی تنگ حال نہیں ہو گا۔

اس امر کی بتاکید ممانعت فرمائی ہے کہ انسان عبادت میں اس قدر مصروف ہو جس سے وہ حقوق کے ادا کرنے سے قاصر رہے۔ چنانچہ ایک بار آپ نے اپنے ایک اصحابی سے فرمایا۔

"اے عبداللہ مجھ کو یہ خبر دی گئی ہے کہ تم دن بھر روزہ رکھتے ہو اور رات بھر نماز پڑھتے ہو

ایسا مت کرو ایسا کرو گے تو تمہاری آنکھوں میں حلقے پڑ جائیں گے۔ اور تمہارا بدن زار و نزار ہو جائے گا۔ کبھی روزہ رکھو کبھی افطار کرو۔ کبھی سو، کبھی جاگو۔ اس وجہ سے کہ تمہارے بدن کا تم پر حق ہے۔ اور تمہاری آنکھ کا تم پر حق ہے۔ اور تمہاری بیوی کا تم پر حق ہے۔ ایک بار آپ نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا۔

اے عثمان! کیا تم میرے طریقے سے ہٹے جاتے ہو؟ کیونکہ میں سوتا ہوں اور نماز پڑھتا اور روزہ رکھتا ہوں اور نہیں بھی رکھتا۔ اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ اے عثمان! خدا سے ڈرو۔ اس لئے کہ تمہارے مہمان کا تم پر حق ہے اور تمہارے نفس کا تم پر حق ہے۔ پس تم کو لازم ہے کہ روزہ رکھو اور افطار بھی کرو اور رات کو نماز پڑھو اور سوؤ بھی۔ خدا نے مجھے (رسالت) پہنچانے کے واسطے بھیجا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے۔ "سوؤ اور جب جاگو تو اچھے کام کرو، چاہئے کہ نماز اس وقت تک پڑھو جب تک کہ طبیعت چاق رہے جب کسلمند یا سست ہو جائے تو بیٹھ جاؤ، اے لوگو! یہ سمجھ لو کہ دین آسان ہے"۔

ایک روز آپ ایک مکان میں تشریف لے گئے تو وہاں ایک رسی بندھی ہوئی دیکھی فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ کسی نے کہا کہ فلاں بی بی نماز پڑھتے پڑھتے جب تھک جاتی ہے تو اس کے سہارے سے آرام لے لیتی ہے"۔ آپ نے فرمایا۔

"اس کو چاہئے کہ نماز اس وقت تک پڑھے کہ طبیعت میں نشاط رہے۔ جب تھک جائے تو سو رہے"۔

اسی طرح آپ نے صدقہ کی افراط کو روکا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ جو شخص خیرات میں حد سے تجاوز کرے وہ مثل اس کے ہے جو بالکل نہ دے۔

اس بات کی بھی ممانعت ہے کہ دین کے معاملہ میں سختی کی جائے۔ یا مذہب کے حالات ایسے بیان کئے جائیں۔ جن سے لوگ گھبرا اٹھیں۔ چنانچہ کلام مجید میں ہے۔ "اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ۔

یعنی (اے نبی) خدا کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ بلاؤ اور بحث کرو ان سے ایسے طریقے سے جو سب سے اچھا ہو۔ حدیث میں ہے۔ آدمیوں کو دین کی جانب دل خوش کر کے بلاؤ نفرت مت کرو، نرمی کرو، سختی مت کرو۔ جب تم ان سے خدا کی باتیں کرو تو ایسے پیرایہ میں نہ کرو

جس سے وہ گھبرا جائیں اور جوان کو شاق گزرے"۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے تو بہت سے بزرگ وطن چھوڑ کر رکاب سعادت میں گئے تھے جن کا لقب مہاجرین ہے۔ مدینہ میں جب یہ بزرگ پہنچے تو ان کی وہی حالت تھی جو غریب الوطن کی ہوتی ہے۔ آپ نے ان کی تسکین و دل جمعی کی یہ تدبیر کی۔ کہ ان کے اور اہل مدینہ کے (جو انصار کہلاتے تھے) درمیان بھائی بندی کا رشتہ قائم کیا۔ جو "مواخاۃ" کے نام سے ملقب ہے (اور جس کا ٹھیک ترجمہ برور ہڈ ہے) یہ واقعہ تاریخ اسلام کا نہایت مشہور اور پاک واقعہ ہے اور جب کبھی اس کے حالات پبلک میں آئے تو ہمارے کالج کی انجمن اخوان الصفا کو بہت سے پاکیزہ اور باصفا سبق اس سے حاصل ہو سکیں گے۔ حاصل کلام حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے اس سلسلہ میں جو بھائی بنائے گئے تھے وہ ابوالدرداء تھے۔

ایک روز سلمان رضی اللہ عنہ اپنے بھائی کے گھر گئے تو وہ موجود نہ تھے۔ بھاوج کو دیکھا تو پریشان حال پایا۔ سبب پوچھا تو انہوں نے کہا کہ تمہارے بھائی کو دنیا سے کوئی مطلب نہیں۔ ابودرداء لوٹے تو سلمان کو دیکھ کر مرحبا کہا۔ اور اندر سے کھانا لا کر پیش کیا۔ حضرت سلمان نے ان سے ہم طعامی کی فرمائش کی۔ تو انہوں نے نفلی نماز روزہ کا عذر پیش کیا۔ سلمان نے قسم کھا کر کہا کہ تم نہیں کھاؤ گے تو میں بھی نہیں کھاؤں گا۔ ابوالدرداء بھائی کی دلجوئی کے واسطے روزہ توڑ کر کھانے میں شریک ہو گئے۔ سلمان فارسی اس روز انہیں کے گھر رہے۔ جب شب ہوئی تو حضرت ابوالدرداء حسب معمول نفل پڑھنے کھڑے ہوگئے۔ یہ دیکھ کر ان کے دینی بھائی نے پکڑ لیا۔ اور کہا کہ اے ابوالدرداء تم پر تمہارے رب کا ایک حق ہے۔ ایک تمہارے گھر والوں کا اور ایک تمہارے جسم کا۔ پس تم کو چاہیئے کہ حق دار کا حق ادا کرو۔ کبھی نفلی روزہ رکھو۔ کبھی مت رکھو۔ رات کو نوافل بھی پڑھو اور سوؤ اور گھر بھی رہو۔

صبح ہوئی تو سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ لو اب اٹھو۔ چنانچہ دونوں ساتھ اٹھے اور سنتیں پڑھ کر فرض ادا کرنے مسجد نبوی میں حاضر ہوئے۔ جب جماعت ہو چکی تو ابوالدرداء نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں کھڑے ہو کر رات کا ماجرا بیان کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلمان رضی اللہ عنہ کا قول پسند فرمایا۔

عام اخلاق

راستی: راستی کو تعلیم اسلامی میں تین پہلوؤں میں دکھایا ہے۔ نیت، قول اور فعل کی راستی۔ اور یہ ہدایت فرمائی ہے کہ انسان کو ارادہ قول اور فعل تینوں میں راست باز ہونا چاہیے۔ سورہ منافقون میں خداوند تعالیٰ منافقین کی نسبت فرماتا ہے۔

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ یَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ وَاللّٰهُ یَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَكٰذِبُوْنَ (۶۳:۱)

(یعنی اے رسول جب منافق تیرے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں ہم گواہی دیتے ہیں تو ضرور اللہ کا رسول ہے اور اللہ اس بات کو جانتا ہے کہ تو بیشک اللہ کا رسول ہے اور (اس کے ساتھ ہی) اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق بیشک جھوٹے ہیں) اس میں یہ امر قابل غور ہے کہ اگرچہ منافقین نے شہادت میں جو بات کہی وہ فی الواقع سچی تھی۔ لہٰذا انہوں نے زبان سے سچ کہا لیکن چونکہ ان کی نیت سچی نہ تھی لہٰذا جھوٹے ٹھہرے۔ تفسیر کشاف میں لکھا ہے کہ:۔

"منافقین کی شہادت اس لئے جھوٹی ٹھہری کہ وہ اپنے نفس کے نزدیک جھوٹے تھے"۔

صدق نیت کی نسبت ہم اوپر یہ حدیث نقل کر چکے ہیں کہ سب اعمال میں افضل سچی نیت ہے قول کی صداقت کی نسبت فرمایا ہے۔ کہ راستی پر قائم رہو۔ اگرچہ اس میں تم کو ہلاکت نظر آئے اس لئے کہ (فی الواقع) اس میں نجات ہے اور جھوٹ سے بچو اگرچہ تم کو اس میں نجات نظر آئے اس لئے کہ وہ فی نفسہ ہلاکت ہے سچ کو مضبوط پکڑ لو۔ اس لئے کہ سچ نیکی کی طرف لے جاتا ہے اور نیکی جنت تک پہنچاتی ہے اور آدمی سچ بولتا رہتا ہے۔ اور سچ پر کاربند رہتا ہے۔ یہاں تک کہ خدا کی بارگاہ میں راستباز لکھ دیا جاتا ہے اور بچو جھوٹ سے کیونکہ جھوٹ بدکاری کا رہنما ہے اور بدکاری دوزخ کی راہ اور آدمی جھوٹ بولتا اور جھوٹ پر کاربند رہتا ہے یہاں تک کہ بارگاہ الٰہی میں کذب لکھ دیا جاتا ہے۔

صدق فعل کی نسبت فرمایا ہے۔ جمال یہ ہے کہ آدمی اپنے قول کو راستی سے آراستہ کرے اور کمال یہ ہے کہ اپنے افعال کو سچ سے درست کرے ہم اس کے ساتھ اگر وہ احادیث ملا دیں جو کذب کی برائی میں وارد ہیں۔ تو پورا خاکہ صداقت کا ہمارے ذہن میں آ سکے گا۔ کیونکہ الاشیاء

تعرف با ضدادھا (چیزیں اپنے مخالف کے مقابلہ میں خوب پہچانی جاتی ہیں)

ارشاد ہوا جھوٹ سے بچتے رہو اس لئے کہ جھوٹ ایمان سے بہت دور ہے بندے کا ایمان پورا نہیں ہوتا۔ جب تک وہ جھوٹ کو مذاق میں بھی نہ چھوڑ دے اور جب تک کہ وہ جھگڑا ترک نہ کر دے اگرچہ وہ سچا ہے۔ جھوٹ منہ کو کالا کر دیتا ہے۔ یہ کیسی بڑی خیانت ہے کہ تو اپنے بھائی سے ایک بات کہے جس کو وہ سچ مانتا جائے۔ اور تو اس سے جھوٹ کہہ رہا ہو۔ جھوٹ بولنا کسی طرح روا نہیں۔ کہ آدمی اپنے بیٹے سے وعدہ کر کے اس کو پورا نہ کرے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے موقعوں پر بھی جہاں جھوٹ بولنے کا ارادہ نہیں ہوتا بلکہ تکلف یا بے تکلفی سے ایک بے اصل بات کہہ دی جاتی یا کر دی جاتی ہے۔ تنبیہ فرمائی ہے اور اس شائبہ کذب کو بھی ممنوع قرار دیا ہے۔ چنانچہ ایک صحابیہ روایت کرتی ہیں کہ ایک روز ہم حضرت کی خدمت میں حاضر تھے کہ کھانا آیا۔ آپ نے ہم سے شرکت کے لئے ارشاد کیا تو ہم سب نے کہا کہ بھوک نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا۔ لَا تَجْمَعُوْا جُوْعًا وَ کِذْبًا۔ یعنی بھوک اور جھوٹ کو جمع نہ کرنا۔ ایک بار آپ دولت خانہ میں تشریف لے گئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دیکھا کہ اپنے بھائی کے سر میں جوئیں دیکھ رہی ہیں۔ اور جھوٹ موٹ اپنے ناخنوں پر چٹ چٹ کی آواز کرتی جاتی ہیں۔ آپ نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ "اے عائشہ! ایسا مت کیا کرو، کیا تم کو خبر نہیں کہ یہ انگلیوں کا جھوٹ ہے"۔

ایک مرتبہ ایک بی بی نے آپ کے سامنے اپنے بچے کو یہ کہہ کر بلایا۔ بیٹا یہاں آؤ تم کو کچھ دیں گے۔ آپ نے پوچھا کہ "تم نے اس کو کیا دینے کی نیت کی تھی۔ عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک کھجور دیدوں گی۔ اس پر آپ نے فرمایا" اگر تم اس کو کچھ نہ دو گی تو وہ قول تمہارے نامہ اعمال میں جھوٹ لکھا جائے گا۔ آپ نے جھوٹ کی ممانعت کا یہاں تک اہتمام فرمایا ہے کہ ایسے الفاظ کہنے سے بھی روکا ہے۔ جن میں جھوٹ کا احتمالی پہلو بھی نکلتا ہو۔ چنانچہ فرمایا کہ تم میں سے کوئی یہ نہ کہے کہ میں نے سارے رمضان روزہ رکھا ہے اور سارے رمضان رات کو قیام کیا۔ وجہ ممانعت ظاہر ہے کہ رمضان میں روزہ صرف دن کو ہوتا ہے اور تمام رات آدمی کھڑا نہیں رہتا۔ بلکہ کچھ نہ کچھ حصہ رات کا اور کاموں میں صرف ہو جاتا ہے۔ جھوٹ بولنے کی علت آپ نے فرمائی

"جھوٹ وہی بولتا ہے جو اپنے نفس کو ذلیل سمجھتا ہے"۔ جھوٹ کی بدترین صورت نفاق ہے جو لوگ آپ کے عہد میں مدینہ میں بظاہر مسلمان اور دل میں کافر تھے اور ان لوگوں سے نگاہِ شرع میں بدرجہا بہتر تھے جو ظاہر و باطن دونوں طرح کفر میں آلودہ تھے چنانچہ کلام مجید میں فرمایا ہے۔

"اِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ"۔ (اہل نفاق جہنم کے سب سے نیچے طبقے میں ہونگے) یہ بھی داخل نفاق ہے کہ جو دل میں نہ ہو۔ وہ زبان سے کہا جائے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عمر نے ایک بار ایک شخص سے پوچھا کہ فلاں آدمی کے ساتھ تمہارا کیا برتاؤ ہے۔ اس نے کہا کہ جب اس سے ملاقات ہوتی ہے تو اس سے دل خوش کن باتیں کہہ دیتا ہوں اور جب اس کے پاس سے ہٹ آتا ہوں تو اس کے خلاف کہتا ہوں۔ انہوں نے یہ سن کر کہا کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اس کو بھی نفاق ہی شمار کرتے تھے۔ کہنا اور اس پر عمل نہ کرنا بھی داخل نفاق ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے کسی نے بعد وفات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پوچھا کہ نفاق کیا ہے۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ جو آدمی اسلام کی صفت بیان کرے اور اس پر عمل نہ کرے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَالَا تَفْعَلُوْنَ ۔ (یعنی یہ کہ خدا کو سخت ناگوار ہے کو تم وہ کہو جو نہ کرو (یارب تو اس مضمون کے راقم کو قول بے عمل سے بچائیو) حدیث میں ہے کہ "منافق کی نشانیاں تین ہیں جس وقت بات کہے تو جھوٹ بولے اور جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے اور جب امین بنایا جائے تو خیانت کرے جس انسان کی بدکاری حد کو پہنچ جاتی ہے تو وہ اپنی آنکھوں کا مالک بن جاتا ہے اور جب چاہتا ہے رونا شروع کر دیتا ہے۔

یہی مضمون دوسرے پیرایہ میں یوں فرمایا ہے۔ "اہل ایمان دل سے روتے ہیں اور اہل نفاق دماغ سے"۔ اس کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب اہل نفاق کی عقل رونے کا اشارہ کرتی ہے رونے لگتا ہے اگرچہ دل پر کچھ اثر نہ ہو۔

امانت

امانت کے باب میں جو حدیثیں آئی ہیں ان کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ امانت اہل ایمان کے لیے بہت مہتم بالشان اور ضروری صفت ہے اور جس طرح امانت و ایمان میں لفظاً قرب

ہے اسی طرح معنی کے لحاظ سے دونوں قریباً ایک ہیں۔ چنانچہ فرمایا ہے کہ "مومن میں ہر ایک بدعادت کا خلقی ہونا ممکن ہے باستثنائے جھوٹ اور خیانت کے۔

یہ حدیث صاف کہہ رہی ہے کہ ایمان اور خیانت جمع نہیں ہو سکتے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ آپ نے جب کبھی خطبہ پڑھا یہ ضرور فرمایا۔ لا ایمان لمن لا امانۃ لہ ولادین لمن لاعھد لہ'

(جس میں امانت نہیں اس کا ایمان نہیں اور جس میں پابندی عہد نہیں اس کا دین نہیں) ارشاد ہوا ہے کہ "جو شخص تجھ کو امین بنائے اس کی امانت ادا کر اور جو تیرے ساتھ خیانت کرے تو اس کے ساتھ خیانت مت کر"۔ یعنی امانت پر بحیثیت امانت قائم رہنا چاہیے نہ بہ حیثیت معاوضہ فرماتے ہیں"۔ امانت تونگری ہے۔ امانت عزت ہے۔ سچ ہے جس دل میں خیانت کا کھوٹ ہے وہ حقیقی عزت کب پاسکتا ہے اور اس میں سچی تونگری کا نشہ موجزن ہو سکتا ہے ارشاد ہوا ہے۔ "تمہارے دین کی جو صفت سب سے اول جائے گی وہ امانت ہو گی"۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں تم کسی کی نماز کی طرف مت دیکھو تم کسی کے روزہ کی طرف مت دیکھو مگر یہ کہ وہ جب بات کرتا ہے تو سچ بولتا ہے جب امین بنایا جاتا ہے تو امانت ادا کرتا ہے اور جب دنیا میں مبتلا ہو تو پرہیزگار رہے وہی یہ بھی کہتے ہیں تم کسی کی نماز روزہ سے دھوکہ مت کھانا جو چاہے نماز پڑھے جو چاہے روزے رکھے اصل بات یہ ہے کہ اس کا ایمان نہیں جس میں امانت نہیں"۔ یہ بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ کسی آدمی کے طنطنہ پر مت جاؤ جو شخص امانت ادا کرے اور آدمیوں کی برائی بھلائی سے بچائے وہ مبارک بندہ ہے۔ حدیث میں خیانت سے احتیاط کا یہاں تک اہتمام ہے کہ اشارہ کنایہ بھی داخل خیانت فرمایا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے۔ الایماء خیانہ (اشارہ کنایہ خیانت ہے)

وفائے عہد

وفائے عہد کی بھی ایسی ہی تاکید ہے۔ جیسی کہ امانت کی۔ جس طرح امانت ایمان کے لئے لازم ہے۔ اسی طرح عہد دین کے واسطے۔ چنانچہ فرمایا ہے۔ لَا دِیْنَ لِمَنْ لَا عَھْدَلَہٗ یعنی جس میں پابندی عہد نہیں وہ دیندار نہیں۔ ارشاد ہوا ہے آیا میں تم کو بتاؤں کہ تم میں برگزیدہ کون لوگ ہیں

تم میں برگزیدہ وہ لوگ ہیں جو ولی کے ساتھ عہد کو پورا کرتے ہیں۔ قیامت کے دن سب سے اچھے بندے خدا کے وہ ہونگے جو پاک دلی سے عہد پورا کریں۔ وفائے عہد کے بارے میں اسلام نے کسی دین یا گروہ کی تخصیص نہیں کی بلکہ یہ حکم دیا ہے کہ جس سے عہد کرو اس کو صدق و امانت کے ساتھ پورا کرو۔ چنانچہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے صحابی حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوہ بدر سے پیشتر ان کو ان کے باپ کو مشرکین نے پکڑ کر یہ عہد لے لیا کہ بدر میں حضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ ہو کر کفار سے نہ لڑیں۔ جب وہاں سے چھوٹ کر انہوں نے یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ تم نے جو عہد ان سے کیا ہے وہ پورا کرو ہم کو ان کے مقابلہ میں صرف خدا تعالیٰ کی مدد کی آرزو ہے جو لوگ واقعہ بدر کی اہمیت سے واقف ہیں وہ اس حدیث سے وفائے عہد کی تاکید کا پتہ لگا سکتے ہیں۔ وفائے عہد کا سب سے اہم واقعہ تاریخ اسلام میں اس عہد کی پابندی ہے جو مسلمانوں نے ان غیر مذہب والوں سے کر کے نباہا جو ذمی کہلاتے ہیں۔ کیسی عجیب بات ہے کہ ایک قوم پورے جوش کے ساتھ اپنے مذہب کی حمایت کو اٹھے اور اس کو اپنی جان و مال، اولاد و آرام و آسائش کو قربان کر دے اور وہی قوم جو اپنے زیر سایہ غیر مذہب والوں کو لے لے تو اس کی نفرت محبت سے اور مخالفت اور ارتباط سے بدل جائے اور اس عہد کی اس درجہ پابندی کریں کہ جب حق بات غیر مذہب والوں کی طرف سے ہو تو اپنے ہم مذہبوں کے مقابلے میں ان کے حامی ہو جائیں۔ صدہا واقعات میں سے ہم دو ایک واقعے یہاں بطور نمونہ "الفاروق" سے نقل کرتے ہیں۔

جزیہ کی واپسی

عہد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں شام کے شہر حمص کی فتح کے بعد قیصر نے بڑے سرو سامان سے مسلمانوں کے مقابلہ میں لشکر روانہ کیا اور اپنی تمام قوت اس کی تیاری میں صرف کر دی۔ سپہ سالار حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے جو جو مقامات فتح کر لئے تھے وہاں کے امراء اور رئیس ان کے عدل و انصاف کے اس قدر گرویدہ ہو گئے تھے کہ باوجود مخالف مذہب کے خود اپنی طرف سے دشمن کی خبر لانے کے لئے جاسوس مقرر کر رکھے تھے۔ چنانچہ ان کے ذریعہ سے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو تمام واقعات کی اطلاع ہوئی انہوں نے تمام افسروں کو جمع کیا اور کھڑے ہو کر

ایک پر اثر تقریر کی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ مسلمانو! خدا نے بار بار تم کو جانچا اور تم اس کی جانچ میں پورے اترے۔ چنانچہ اس سلسلے میں خدا نے ہمیشہ تم کو مظفر و منصور رکھا اب تمہارا دشمن اس سر و سامان سے تمہارے مقابلہ کے لئے چلا ہے کہ زمین کانپ اٹھتی ہے اب بتاؤ کیا صلاح ہے۔ یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے بھائی کھڑے ہوئے اور کہا کہ میری رائے ہے کہ عورتوں اور بچوں کو شہر میں رہنے دیں اور ہم خود شہر کے باہر لشکر آرا ہوں۔ اسکے ساتھ خالد اور عمرو بن العاص کو خط لکھا جائے کہ دمشق اور فلسطین سے چل کر مدد کو آئیں۔ شرجیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس موقع پر ہر شخص کو آزادانہ رائے دینی چاہیئے۔ یزید نے جو رائے بے شبہ خیر خواہی سے دی لیکن میں اس کا مخالف ہوں۔ شہر والے تمام عیسائی ہیں ممکن ہے وہ تعصب سے ہمارے اہل و عیال کو پکڑ کر قیصر کے حوالے کر دیں یا خود مار ڈالیں۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے کہا اس کی تدبیر یہ ہے کہ ہم عیسائیوں کو شہر سے نکال دیں۔ شرجیل نے اٹھ کر کہا "اے امیر! تجھ کو ہرگز یہ حق حاصل نہیں۔ ہم نے ان عیسائیوں کو اس شرط پر امن دیا ہے کہ وہ شہر میں اطمینان سے رہیں۔ اس لئے نقض عہد کیونکر ہو سکتا ہے۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اپنی غلطی تسلیم کر لی۔ لیکن یہ بات طے نہ ہوئی کہ آخر کیا کیا جائے۔ عام حاضرین نے رائے دی کہ حمص میں ٹھہر کر امدادی فوج کا انتظار کیا جائے۔ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اتنا وقت کہاں ہے۔ آخر یہ رائے ٹھہری کہ حمص چھوڑ کر دمشق روانہ ہوں۔ وہاں خالد رضی اللہ عنہ موجود ہیں۔ اور عرب کی سرحد قریب ہے۔ یہ ارادہ مصمم ہو چکا تو حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو جو افسر خزانہ تھے۔ بلا کر کہا کہ عیسائیوں سے جو جزیہ یا خراج لیا جاتا ہے اس معاوضہ میں لیا جاتا ہے کہ ہم ان کو ان کے دشمنوں سے بچا سکیں لیکن اس وقت ہماری حالت ایسی نازک ہے کہ ہم ان کی حفاظت کا ذمہ نہیں اٹھا سکتے۔ اس لئے جو کچھ ان سے وصول ہوا ہے سب ان کو واپس دے دو۔ اور ان سے کہہ دو کہ تمہارے ساتھ جو تعلق تھا اب بھی ہے لیکن چونکہ اس وقت ہم تمہاری حفاظت کے ذمہ دار نہیں ہو سکتے۔ اس لئے جزیہ جو حفاظت کا معاوضہ ہے تم کو واپس کیا جاتا ہے چنانچہ کئی لاکھ کی رقم جو وصول ہوئی تھی کل واپس کر دی گئی۔ عیسائیوں پر اس واقعہ کا اس قدر اثر ہوا کہ وہ روتے جاتے تھے اور جوش کے ساتھ کہتے جاتے تھے کہ خدا تم کو واپس لائے یہودیوں پر اس سے بھی زیادہ اثر ہوا۔ انہوں نے کہا۔ توریت کی قسم جب تک ہم زندہ ہیں۔ قیصر

حمص پر قبضہ نہیں کر سکتا۔ یہ کہہ کر شہر پناہ کے دروازے بند کر دیئے اور ہر جگہ چوکی پہرہ بٹھادیا۔

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صرف حمص والوں کے ساتھ یہ برتاؤ نہیں کیا۔ بلکہ جس قدر اضلاع فتح ہو چکے تھے۔ ہر جگہ لکھ بھیجا۔ کہ جزیہ کی جس قدر رقم وصول ہوئی ہے واپس کر دی جائے۔"

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ذمی رعایا کو جو حقوق دیئے اس کا مقابلہ اگر اس زمانہ کی سلطنتوں سے کیا جائے۔ تو کسی طرح مناسب نہ ہوگا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہمسایہ میں جو سلطنتیں تھیں وہ روم اور فارس تھیں۔ ان دونوں سلطنتوں میں غیر قوموں کے حقوق غلاموں سے بد تر تھے۔ شام کے عیسائی باوجودیکہ رومیوں کے ہم مذہب تھے۔ تاہم ان کو اپنی مقبوضہ زمینوں پر کسی قسم کا مالکانہ حق حاصل نہیں تھا۔ بلکہ وہ خود ایک قسم کی جائیداد خیال کئے جاتے تھے۔ چنانچہ زمین کے انتقال کے ساتھ وہ بھی منتقل ہو جاتے تھے اور مالک سابق کو ان پر جو مالکانہ اختیارات حاصل تھے وہی قابض حال کو حاصل ہو جاتے تھے یہودیوں کا حال اور بدتر تھا۔ بلکہ اس قابل نہ تھا کہ کسی حیثیت سے ان پر رعایا کا اطلاق ہو سکتا کیونکہ رعایا آخر کچھ نہ کچھ حق رکھتی ہے۔ اور وہ حق کے نام سے بھی محروم تھے۔ فارس میں جو عیسائی تھے۔ ان کی حالت اور بھی رحم کے قابل تھی۔

معاہدے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب ان ممالک کو زیر نگیں کیا تو دفعتاً وہ حالت بدل گئی جو حقوق ان کو دیئے گئے۔ اس کے لحاظ سے گویا وہ رعایا نہیں رہے۔ بلکہ اس قسم کا تعلق رہ گیا۔ جیسا دو برابر کے معاہدہ کرنے والوں میں ہوتا ہے مختلف ممالک کی فتح کے وقت جو معاہدے لکھے گئے۔ ہم ان کو اس مقام پر بعینہ نقل کرتے ہیں جس سے اس دعویٰ کی تصدیق ہوگی اور ساتھ ہی اس بات کے موازنہ کا موقع ملے گا کہ یورپ نے باایں ہمہ دعویٰ تہذیب اس قسم کے حقوق کبھی غیر قوموں کو نہیں دیئے ہیں۔

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ تاریخوں میں جو معاہدے منقول ہیں۔ ان میں سے بعض مفصل اور باقی مجمل ہیں کیونکہ مفصل شرائط کا جو بار بار اعادہ کرنا تطویل عمل کا باعث تھا۔ اس لئے اکثر معاہدوں میں کسی مفصل معاہدے کا حوالہ دیا گیا ہے۔ بیت المقدس کا معاہدہ جو خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں ان کے الفاظ میں لکھا گیا ہے حسب ذیل ہے۔

یہ وہ امان ہے جو خدا کے غلام امیر المومنین عمر نے ایلیا کے لوگوں کو دی۔ یہ امان ان کی جان و مال، گرجا، صلیب، تندرست، بیمار اور ان کے تمام مذہب والوں کیلئے ہے۔ اس طرح پر کہ ان کے گرجاؤں میں نہ سکونت کی جائیگی نہ وہ ڈھائے جائیں گے۔ نہ ان کو ان کے احاطے کو کچھ نقصان پہنچایا جائے گا نہ انکے صلیبوں اور ان کے مال میں کچھ کمی کی جائے گی۔ مذہب کے بارہ میں ان پر جبر نہ کیا جائے گا۔ نہ ان میں سے کسی کو نقصان پہنچایا جائے گا۔ ایلیا میں ان کے ساتھ یہود نہ رہنے پائیں گے۔ ایلیا والوں پر فرض ہے کہ اور شہروں کی طرح جزیہ دیں اور یونانیوں کو نکال دیں۔ ان یونانیوں میں سے جو شہر سے نکلے گا۔ اس کے جان و مال کو امن ہے تا آنکہ وہ جائے پناہ میں پہنچ جائے۔ اور جو ایلیا میں رہنا اختیار کرلے تو اس کو بھی امان ہے۔ اور اس کو جزیہ دینا ہوگا۔ اور ایلیا والوں میں سے جو شخص اپنی جان اور مال لے کر یونانیوں کے ساتھ چلا جانا چاہے تو انکو ان کے گرجاؤں کو اور صلیبوں کو امن ہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنی جائے پناہ تک پہنچ جائیں اور جو کچھ اس تحریر میں ہے اس پر خدا کا، رسول کا، خلفاء کا اور مسلمانوں کا ذمہ ہے۔ بشرطیکہ یہ لوگ جزیہ مقررہ ادا کرتے ہیں اس تحریر پر گواہ ہیں۔

خالد بن ولید، عمرو بن العاص، عبدالرحمٰن بن عوف اور معاویہ بن ابی سفیان۔ ۱۵ھ میں لکھا گیا۔

اس فرمان میں صاف یہ تصریح ہے کہ عیسائیوں کے جان و مال اور مذہب ہر طرح سے محفوظ رہے گا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ کسی قوم کو جس قدر حقوق حاصل ہو سکتے ہیں ان میں تین چیزوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ گرجے اور چرچ کی نسبت یہ تفصیل ہے کہ وہ نہ توڑے جائیں نہ انکی عمارت کو کسی طرح کا نقصان پہنچایا جائے گا نہ ان کے احاطوں میں دست اندازی کی جائے گی۔ مذہبی آزادی کی نسبت دوبارہ تصریح ہے کہ لایکرھون علی دینھم عیسائیوں کے خیال میں چونکہ حضرت عیسٰی کو یہودیوں نے صلیب دیکر قتل کرایا تھا۔ اس لئے ان کی خاطر سے یہ شرط منظور کی کہ یہودی بیت المقدس میں نہ رہنے پائیں گے۔ یونانی باوجود اس کے کہ مسلمانوں سے لڑتے تھے اور درحقیقت وہی مسلمانوں کے اصلی عدو تھے۔ تاہم ان کیلئے یہ رعایتیں ملحوظ رکھیں کہ بیت المقدس میں رہنا چاہیں تو رہ سکتے ہیں اور نکل جانا چاہیں تو جاسکتے تھے دونوں حالتوں میں ان کو امن حاصل

ہو گا اور ان کے گرجاؤں اور معبدوں سے کچھ تعرض نہ کیا جائے گا سب سے بڑھ کر یہ بیت المقدس کے عیسائی اگر یہ چاہیں کہ وطن نکل کر رومیوں سے جا ملیں تو اس پر بھی ان سے کچھ تعرض نہ کیا جائے گا۔ بلکہ ان کے گرجے وغیرہ جو بیت المقدس میں ہیں' سب محفوظ رہیں گے۔ کیا کوئی قوم مفتوح ملک کے ساتھ اس سے بڑھ کر انصافانہ برتاؤ کر سکتی ہے۔

سب سے مقدم امر یہ ہے کہ ذمیوں کی جان و مال کو مسلمانوں کی جان و مال کے برابر قرار دیا کوئی مسلمان اگر کسی ذمی کو قتل کر ڈالتا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوراً اس کے بدلے مسلمانوں کو قتل کرا دیتے تھے۔ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے روایت کی ہے کہ قبیلہ بکر و بن وائل کے ایک شخص نے حیرۃ کے ایک عیسائی کو مار ڈالا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لکھ بھیجا کہ قاتل مقتول کے وارثوں کو دیدیا جائے۔ چنانچہ وہ شخص مقتول کے وارث کو جس کا نام حسنین تھا حوالے کیا گیا اور اس نے اس کو قتل کر ڈالا۔

مال اور جائیداد کے متعلق ان کے حقوق کی حفاظت اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتی ہے کہ جس قدر زمینیں ان کے قبضہ میں تھیں۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کو ان زمینوں کا خریدنا بھی ناجائز قرار دیا گیا۔

عورتوں کے اخلاقی اثرات

از مرحومہ حضرت جنابہ نواب سلطان جہاں بیگم صاحبہ سابق فرماں روائے بھوپال (بھارت)

۱۔ یہ تو مسلمہ ہے کہ عورت میں شفقت' ہمدردی اور ایثار و مہربانی کا فطری طور پر ایک خاص جذبہ ہوتا ہے اور اس کے اثرات محسوس اور غیر محسوس دونوں طریقوں پر بہت کچھ بچوں پر پڑتے ہیں۔

۲۔ رشتہ دار عورتیں اپنے بچوں اور عزیزوں کی جس جوش و ایثار سے خدمت کرتی ہیں اور ان کو آرام پہنچانے کیلئے اپنے اوپر جو تکلیف اٹھاتی ہیں وہ ایک نہایت اعلیٰ مثال ہر وقت دوسروں کے ساتھ ہمدردی کرنے کی سامنے رہتی ہے۔

۳۔ اور یہی وجہ ہے کہ ماں' بہنوں اور گھر کی دوسری سنجیدہ اور بزرگ عورتوں سے بیٹے اور بھائی بہت کچھ سیکھتے اور سبق حاصل کر لیتے ہیں۔

ہر گھر بجائے خود ایک ایسی سوسائٹی ہوتا ہے کہ اگر اس میں خود کوئی خرابی نہ پیدا کر دی جائے تو اس کی بدولت ابتداء سے بچوں میں نہایت اعلیٰ اخلاق پیدا ہو جاتے ہیں۔

۴۔ مردوں میں وہ اعلیٰ جذبات ہمدردی و مہربانی جن کا تعلق دل کی نرمی اور رافت سے ہے۔ صرف اپنے گھر میں نشوونما پاتے ہیں۔

۵۔ یہ تو تم جانتے ہو کہ مردوں پر اہل و عیال کی پرورش ایک فطری فرض ہے اور اس کیلئے ان کو محنت و جفاکشی کی خاص ضرورت ہے اور محنتی و جفاکش آدمیوں میں لامحالہ سختی آجاتی ہے۔

مردانہ صفات متعدل رکھنے کا ذریعہ عورت ہے: یہاں یہ امر بھی قابل غور ہے کہ بہادری و دلیری جب اعتدال سے گزر جاتی ہے۔ تو سنگدلی درندگی بن جاتی ہے اور یہ عام اصول ہے کہ ہر ایک صفت اعتدال سے گزرنے پر بداخلاقی کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ مثلاً تحمل و بردباری بہت اچھی چیز ہے۔ لیکن اعتدال سے گزر کر وہی بے غیرتی ہو جاتی ہے۔

تو ایسی حالت میں محالہ اعتدال قائم رکھنے کا ایک ذریعہ ہونا چاہیے اور قدرت نے ان صفات مردانہ کو متعدل رکھنے کا ذریعہ عورتوں کو ہی بنایا ہے۔

عورتوں کو صبر و تحمل' ایثار اور نرم دلی مردوں کی بہادری و دلیری کے ساتھ مل کر توازن قائم کر دیتی ہے۔

سرد ملکوں میں بعض لوگ مردانہ کھیل' تفریح کیلئے برف پر (اسکیٹنگ) چلنے میں نہایت گھبراتے اور شور و غل مچاتے ہیں کیونکہ انہیں قدم اور وزن کو برابر رکھنے کی مشق نہیں ہوتی اور نہ وہ یہ جانتے ہیں کہ جب کوئی دوسرا (اسکیٹر) مقابل میں آجائے تو اس کی جھپٹ سے کس طرح بچنا چاہیے۔

لیکن جو مشاق ہیں جو جسم کے توازن رکھنے اور مشق کی وجہ سے نہ گھبراتے اور نہ شور و غل مچاتے ہیں اور سرے پر پہنچ جاتے ہیں۔

اسی طرح عورتوں میں بیٹھنے سے مردوں کی بہادری اور دلیری میں اعتدال اور توازن قائم رہتا ہے۔

عورتوں کے عمدہ اثرات کی حد: لیکن عورت کے ایسے تمام عمدہ اثرات صرف اسی حد تک محدود

ہیں جہاں تک گھر اور محارم کا تعلق ہے ورنہ بلاامتیاز مرد اور عورت کی سوسائٹی کا مشترک رہنا ہزار ہا خطرات کا باعث ہے۔

محرمات: اسلام نے چند رشتہ دار عورتوں کو جن کی تفصیل ذیل کی آیت میں ہے محرمات میں داخل کیا ہے۔

حرمت علیکم امھٰتکم وبنٰتکم واخواتکم وعمٰتکم وخالاتکم وبنات الاخ وبنات الاخت وامھٰتکم التی ارضعنکم واخواتکم من الرضاعة وامھٰت نسائکم التیے دخلتم بھن فان لم تکونوا دخلتم بھن فلا جناح علیکم وحلائل ابنائکم الذین من اصلابکم وان تجمعوا بین الاختین۔

مسلمانو! تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری خالائیں اور تمہاری بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمہاری (رضاعی) مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا اور تمہاری دودھ شریک بہنیں اور تمہاری ساسیں، یہ سب تم پر حرام ہیں اور جن بیبیوں کے ساتھ تم صحبت داری کر چکے ہو ان کی گیلڑ لڑکیاں جو (غالباً) تمہاری گودوں میں پرورش پاتی ہیں۔ "تم پر حرام ہیں" لیکن اگر بیبیوں کے ساتھ تم نے صحبت داری نہ کی ہو تو گیلڑ لڑکیوں کے ساتھ نکاح کر لینے سے تم پر کچھ گناہ نہیں، اور تمہاری بہوئیں یعنی تمہارے اپنے صلبی بیٹوں کی بیبیاں بھی تم پر حرام ہیں اور دو بہنوں کا ایک ساتھ نکاح میں رکھنا بھی تم پر حرام ہے۔

آیت قرآنی کی مصلحت: اس سے یہی مقصد ہے کہ انسان ان ہی عورتوں میں اٹھ بیٹھ سکتا ہے اور ان کے ہم جلیس بننے سے جو اچھے سبق اور نصیحتیں حاصل ہو سکتی ہیں ان سے بہرہ ور ہو سکتا ہے جن سے خطرہ کا اندیشہ نہ ہو اور غیر محرموں کے میل جول سے جو برائیاں پیدا ہوتی ہیں ان سے مرد و عورت دونوں محفوظ رہیں۔

اگرچہ اسلام میں سن بلوغ سے غیر محرم مرد و عورت کو علیحدہ رہنے کا حکم دیا گیا ہے لیکن مسلمانوں کے بچے بارہ تیرہ سال کی عمر سے نامحرموں سے علیحدہ رہتے ہیں اور ان میں خود بخود ایک حجاب پیدا ہو جاتا ہے کیونکہ یہ مذہبی حکم نہایت درجہ دلوں میں راسخ ہو گیا ہے۔

غیر محرم سے علیحدگی کی مصلحت: یہ تو ایک مسلمہ امر ہے کہ عورت مرد کے لئے ازل ہی سے تسکین و راحت کا ذریعہ قرار دی گئی ہے حضرت حوا کی پیدائش کی وجہ یہی تھی کہ حضرت آدم علیہ

السلام کو تنہائی کا غم نہ ہو اور چونکہ عورت کی آفرینش تسکین و راحت ہی کیلئے کی گئی ہے۔ اس لئے لامحالہ اس سے وہی بات حاصل ہوتی ہے جو اس کا منشائے آفرینش ہے اور یہ ایک بدیہی بات ہے کہ جو شے انسان کیلئے تسکین بخش ہوتی ہے وہ اس کو ضرور مرغوب ہوتی ہے۔ کیونکہ فرحت و تسکین ہی سے انسان کے تفکرات و ترددات رفع ہوتے ہیں۔ مثلاً اگر تھکا ماندہ ایسی جگہ پہنچے جہاں سبزہ زار ہو۔ اور خوب صورت پھول کھلے ہوئے ہوں۔ شفاف پانی کا چشمہ بہتا ہو تو وہ خواہ مخواہ آرام لینے کیلئے ٹھہرے گا۔ وہاں اس کے تھکان میں کمی ہوگی جس سے اس کو فرحت حاصل ہوگی اور اس کا دل وہاں دیر تک بیٹھنے کو چاہے گا۔ بہت ممکن ہے کہ جس ضرورت کیلئے اس نے بہت سفر کر کے یہ کسل مندی اٹھائی ہے اس پر فضا جگہ کی فرحت میں محو ہو کر اس کو فراموش کر دے تو پھر جب عورت اور مرد کی سوسائٹی اور میل جول میں کوئی روک اور حد بندی نہ ہوگی تو کیونکر ممکن ہے کہ ایسی صحبت میں بیٹھ کر جو فطرتاً ایک دوسرے کی مسرت کے واسطے بنے ہیں۔ انسان کا دل نہ لگے اور خطرات رونما نہ ہوں۔

شیطان لعین جو انسان کا دشمن ہے بہشت بریں جیسے پاک مقام میں انسان کو دھوکا دینے میں کامیاب ہو گیا تو دنیا میں سے جسے انسان کی برائیوں نے بہت کچھ گندہ اور ناپاک کر رکھا ہے آسانی کے ساتھ فریب کا جال پھیلا سکتا ہے جبکہ وہ پہلے فریب کے بعد انسان کے ساتھ دشمنی کرنے اور اس کو بہکانے اور گمراہ بنانے کی مہلت پا چکا ہے جیسا کہ اس آیہ شریفہ میں مذکور ہے:

قال انظرنی الیٰ یوم یبعثون☆ قال انك من المنظرین۔ قال فبما اغویتنی لاقعدن لهم صراطك المستقیم۔ ثم لا تینهم من بین ایدیهم ومن خلفهم وعن ایمانهم وعن شمآئلهم ولا تجد اکثر هم شاکرین۔ قال اخرج منها مذوماً مد حوراً☆ لمن تبعك منهم لاملئن جهنم منكم اجمعین۔

جس دن (سب) لوگ دوبارہ جلا کر اٹھا کھڑے کئے جائیں گے اس دن تک کی مجھے مہلت دے۔ فرمایا (منظور) تجھ کو مہلت دی گئی اس پر شیطان بولا کہ جیسی تو نے میری راہ ماری ہے۔ میں بھی تیرے سیدھے رستے پر بنی آدم کی تاک میں بیٹھوں تو سہی پھر بلا کر ان کے آگے آؤں اور ان کے پیچھے سے (آؤں) اور ان کے داہنی طرف سے "آؤں" اور ان کی بائیں طرف سے (آؤں) اور جس طرح بن پڑے ان کو بہکا کر رہوں اور تو اکثر بنی آدم کو اپنا شکر گزار نہیں پائے گا۔ فرمایا بہشت

سے نکل باہر ہو اور تو خوار اور راندہ درگاہ ہے بنی آدم میں سے جو تیری پیروی کرے گا ہم بلاشبہ (تجھ سے) اور ان سے یعنی تم سب سے جہنم بھر دیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے انہی خدشات سے محترز رہنے کے واسطے مرد اور عورت دونوں کو حکم فرمایا ہے قل للمومنین یغضوا من ابصارھم ایمان والے مردوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی آنکھوں کو ممنوعات شرعی سے بند کریں۔

ایسا ہی عورتوں کی نسبت بھی حکم دیا ہے۔

وقل للمومنٰت یغضضن من ابصارھن. اور عورتوں سے بھی کہہ دیا جائے کہ وہ بھی ممنوعات شرعی سے آنکھوں کو بند کرلیں۔

مرد و عورت دونوں کے واسطے یکساں احکام نازل ہوئے ہیں۔ لیکن آگے چل کر عورتوں کے واسطے تفصیل ہوگئی۔ یعنی نامحرموں کے روبرو ستر چھپا رکھیں اور اپنی زینتوں کو ظاہر نہ کریں۔

ولیضربن بخمرھن علیٰ جیوبھن ولا یبدین زینتھن الا لبعولتھن اوآبائھن اوآباء بعولتھن اواخواتھن او بنی اخوانھن اوبنی اخواتھن اونسائھن.

اپنے سینوں پر دوپٹوں کے بکل مارے رہیں اور اپنی زینت (کے مقامات) کو (کسی پر) ظاہر نہ ہونے دیں مگر اپنے شوہروں پر یا اپنے باپ پر یا اپنے خاوند کے باپ پر یا اپنے بیٹوں پر یا اپنے شوہر کے بیٹوں پر یا اپنے بھائیوں پر یا اپنے بھتیجوں پر یا اپنے بھانجوں پر یا اپنی (یعنی اپنے میل جول کی) عورتوں پر۔

اور پھر ایک اور حکم کے ذریعہ سے بناؤ سنگار دکھانے کی ممانعت کی۔

ولا تبرجن تبرج الجاھلیة الاولیٰ

اور اگلے زمانہ جاہلیت کے (سے) بناؤ سنگار دکھاتی نہ پھرو۔

احکام قرآنی کا منشاء: ان تمام احکام کا منشاء و مقصد یہی ہے کہ مرد اور عورت اپنے اپنے نامحرموں سے علیحدہ رہیں تاکہ شیطان کو ان کے لباس تقویٰ چھیننے کا موقع ہی نہ ملے۔

ایسے ہی اخلاقی خطرات کا مقابلہ کرنا در اصل بڑی ہی طاقت کا کام ہوتا ہے اور وہ انسان غیر معمولی انسان ہوتا ہے جو ایسے موقعوں پر شیطان کے حملے سے اپنی حفاظت کرلیتا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو جب زلیخا نے اپنی طرف مائل کرنا چاہا تو صرف نبوت کی ہی طاقت تھی جس نے ان ترغیبات سے دور رکھ کر آپ کے دامن عصمت کو پاک وصاف رکھا ورنہ ایسے موقعوں پر ملکوتی قوت بھی مغلوب ہو جاتی ہے پھر باوجود اس کے انسان حقیقت میں کیسا ہی معصوم ہو ایسی صحبت اور ایسے موقعوں پر متہم تو ضرور ہو جاتا ہے۔

اتہام کو موقع سے اجتناب: حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک گنہگار عورت کے یہاں محض ہدایت کیلئے جاتے تھے اگرچہ آپ کی ہدایت سے وہ عورت راہ راست پر آگئی۔ تاہم یہود نے آپ پر تہمت لگادی۔

ہمارے حضور نبی اکرم ﷺ نے اسی لئے تہمت کے موقعوں سے بھی بچنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ ایک مرتبہ آپ مسجد نبوی کے نزدیک کھڑے ہوئے اپنی بیوی ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے باتیں کر رہے تھے۔ اتنے میں چند انصار ادھر سے نکلے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ حضرت اپنے اہل بیت سے کھڑے ہوئے باتیں کر رہے ہیں۔ تو بپاس ادب کترا کے دوسری جانب سے جانے کا ارادہ کیا آپ نے پکار کر فرمایا اے انصار میں اپنی بیوی سے باتیں کر رہا ہوں۔ انصار نے جواب دیا استغفر اللہ یا رسول اللہ کیا آپ پر کوئی شک کر سکتا ہے کہ آپ کبھی کسی نامحرم عورت سے ایسی تنہائی میں سرگوشی فرمائیں گے۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ مگر شیطان انسان کے خون میں دوڑتا ہے اور ہمیشہ برے وسوسے پیدا کرتا ہے۔ اس لئے ایسی باتوں سے بچو جن سے تہمت کا اندیشہ ہو۔

جب انبیاء و اولیا کیلئے ایسے میل جول سے خطرات و اتہام ہو سکتے ہیں تو اور انسانوں کی کیا حقیقت ہے۔

عورتوں کی مجالس سے احتراز: آج کل جدید تہذیب اور معاشرت میں وہ سوسائٹی نہایت دلچسپ اور اعلیٰ سمجھی جاتی ہے جس میں مرد اور عورت آزادانہ طور پر شریک ہوں اور اس طرف رجحان بڑھ جاتا ہے۔

لیکن اس کے خطرات بمقابلہ فوائد کے زیادہ ہیں اور یہ ایک اصول ہے کہ شر کثیر کیلئے خیر قلیل کو نظر انداز کرنا چاہیے شراب میں بھی منافع ہیں مگر اس کے نقصانات بہت ہیں۔ اسی لئے اسلام نے اس کو حرام مطلق بنایا ہے۔ یسئلونک عن الخمر والمیسر قل فیھما اثم کبیر

ومنافع للناس واثمهما اکبر من نفعهما۔

اور پھر بالکل ہی حرام کردیا۔ جب کہ ہمارے مذہب نے جگہ جگہ ایسے احکام سے ہم کو ممانعت فرمائی۔ ہمارے بچوں اور نوجوانوں کو ایسی سوسائیٹیوں اور غیر محرم عورتوں کے مجالس اور محافل سے بھی ہمیشہ محترز رہنا چاہیے اور ہر ایسی بات سے جس میں لغزش اور خطائے بشری کا اندیشہ ہو۔ دور بھاگنا چاہیے۔

الانسان مرکب من الخطاء والنسیان: نہیں معلوم کس وقت اس سے خطا سرزد ہو جائے اور دامان عصمت داغ معصیت سے آلودہ ہو جائے۔

وساوس شیطانی سے بچنے کی ہدایت: خداوند کریم نے انسان کو خطرناک کاموں اور موقعوں سے بچنے کے لئے عقل سلیم عطا کی ہے۔

قرآن کریم کی آیتوں نے اس کے طریقے بھی روشن اور واضح کردیے ہیں۔ اور اس کے اصول و قواعد بتادیے ہیں اور ہماری ہی جنس سے اپنے برگزیدہ بندوں کو اپنا پیغام لے کر بھیجا ہے اور ان کے ذریعے سے ہم کو ہدایتیں کی ہیں۔ پس اب بھی اگر برائیوں سے احتراز نہ کیا جائے تو بجز بدبختی کے اور کیا تصور کیا جاتا ہے۔ دیکھو شیطانی یا وساوس شیطانی سے بچنے کے لئے کیسے عمدہ الفاظ میں اولادِ آدم کو نصیحت فرمائی ہے۔

یا بنی آدم قد انزلنا علیکم لباسا یواری سوآتکم وریشاً ط ولباس التقوی ذلک خیر ط ذلک من ایات اللہ لعلھم یذکرون ☆ یا بنی ادم لا یفتننکم الشیطان کما اخرج ابویکم من الجنۃ ینزع عنھما لباسھما لیریھما سوآتھما انہ یرالکم ھو وقبیلہ من حیث لا ترونھم انا جعلنا الشیاطین اولیا للذین لا یؤمنون ☆

ترجمہ:۔ اے بنی آدم ہم نے تمہارے لئے (ایسا) لباس اتارا ہے۔ جو تمہارے پردے کی چیزوں کو چھپائے اور (موجب) زینت (بھی ہو) اور پرہیزگاری کا لباس (یہ سب لباسوں سے) بہتر ہے۔ یعنی لباس کا ہونا خدا کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے ہے۔ تاکہ لوگ (اس بات میں) غور کریں، اے بنی آدم (کہیں) شیطان تم کو (راہ خدا سے) بہکا نہ دے۔ جس طرح کہ اس نے تمہارے والدین (آدم اور حوا) کو بہشت سے نکلوایا کہ لگا ان کا (بہشتی لباس ان سے اتروانے تاکہ ان کے پردہ کرنے کی چیزیں ان پر ظاہر کردے۔ غرض اغوائے شیطان سے بچتے رہو کیونکہ وہ اور اس کی ذریات

تم کو (اوپر سے) دیکھتے رہتے ہیں۔ جدھر سے تم ان کو نہیں دیکھتے ہم نے شیطانوں کو ان ہی لوگوں کا یار و ہمدم بنایا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔

اس آیت و ہدایت الٰہی میں جو فہمائش ہے اور جو مثال ہمارے باپ آدم اور ماں حوا علیہما السلام کی ہے وہ کس قدر صاف اور روشن ہے اور اس پر اب کچھ زیادہ سمجھانے اور فہمائش کرنے کی ضرورت نہیں۔

ہمدردی

ہمدردی کی تعریف: ہمدردی ایک ایسے جذبے کا نام ہے جو انسان کے دل میں کسی دوسرے آدمی کو کسی تکلیف میں دیکھنے' سننے یا خیال کرنے سے پیدا ہوتا ہے اور اس تکلیف کو دور کرنے کے ذرائع مہیا کر دینے کی طرف مائل کرتا ہے۔ یہی وہ جذبہ ہے جو ایک کمزور انسان سے بڑے بڑے انسانوں کے دلوں پر فتح حاصل کراتا ہے۔

ہمدردی کے کرشمے: جب ہم قوموں اور ملکوں کی رہبری اور رہنمائی پر بحث اور تذکرہ کرتے ہیں تو تمثیل کے لئے گزشتہ اور موجودہ زمانہ کے بہت سے رہبروں اور رہنماؤں کے کارنامے اور نام بھی بیان کرتے ہیں۔

اسی طرح جب سائنس' ایجادات اور تحقیقات کے متعلق گفتگو کرتے ہیں تو خواہ مخواہ ہمارا خیال محقق علماء اور موجدوں کی طرف منتقل ہوتا ہے اور ان سب کی عظمت ہمارے دل میں پیدا ہو جاتی ہے۔

مگر تم جانتے ہو کہ یہ رہبری اور رہنمائی اور یہ تحقیق و ایجاد کس چیز کا کرشمہ ہے۔ یہ انسان کی اس صفت کا کرشمہ ہے جس کا نام ہمدردی ہے اور یہی صفت ایسی ہے کہ انسان سے مخلوق کی بہبودی کے بڑے بڑے کام کراتی ہے اور سب سے زیادہ قابل ستائش اور قابل عظمت ہے۔

ہمدردی کا آغاز کن موقعوں پر ہوتا ہے: یہ صفت اگرچہ انسان میں بعض چھوٹے چھوٹے موقعوں پر اور بعض بڑے بڑے عظیم الشان مواقع پر ظاہر ہوتی ہے لیکن اس کا آغاز ہمیشہ چھوٹے ہی چھوٹے موقعوں سے ہوتا ہے۔ مثلاً ایک روز ایک بچہ نے موسم سرما کے سخت دنوں میں صبح کے وقت اپنے ایک ہم عمر نوکر کو دیکھا کہ وہ پھٹا پرانا کرتا پہنے ہوئے کسی کام کو جا رہا ہے تو اس کو معا

یال آیا کہ اس پر سردی کی سختی کا کیسا اثر ہو رہا ہوگا اور بہت ممکن ہے کہ یہ نمونیہ میں مبتلا ہو جائے۔
ں نے نوکر کو مہربانی اور شفقت سے اپنے پاس بلایا اور اپنے کمرے میں لے جا کر ایک گرم شیروانی
ں کو دی اور اسے کہا کہ وہ فوراً اسے پہن لے، جس وقت نوکر نے شیروانی پہنی تو اس کے جسم میں
و سردی سے سکڑ رہا تھا۔ ایک حرارت پیدا ہوئی اور دل میں خوشی کی ایک لہر پیدا ہو گئی۔

اب دیکھو کہ اس کام سے ایک شریف اور ہمدرد آقا کے دل نے ایک ایسی مہربانی کا ثبوت
یا جس کی نسبت اس کے والدین کو بھی خیال بھی نہ ہوا تھا۔

یہ سمجھ لینا چاہئے کہ چند آدمی بڑے بڑے کاموں کے لئے نمونہ بنتے ہیں اور پھر بہت سے
آدمی اور جماعتیں بلا آئندہ نسلیں اس نمونہ کی پیروی کر کے مثالیں قائم کرتی ہیں اور ان کو اپنی قوم
ور اپنے ملک میں عزت حاصل ہو جاتی ہے لیکن یہ باتیں صرف ہمدردی سے حاصل ہوتی ہیں۔

دوسروں کی تکالیف کا احساس کن لوگوں میں زیادہ ہوتا ہے

ایشیاء میں تو نہیں مگر یورپ اور امریکہ میں ہر جگہ بکثرت ایسے مدرسے موجود ہیں جہاں
اندھے، بہرے، لنگڑے، گونگے تعلیم پاتے ہیں اور پھر اس تعلیم سے اپنی معاش میں امداد حاصل
کرتے ہیں۔ یہ بہبودی کے کام صرف انہی لوگوں سے ہوتے ہیں جن میں ہمدردی کا جذبہ قوی ہوتا
ہے اور جس ملک و قوم اور خاندان میں یہ جذبہ ہمدردی نہیں ہوتا وہاں تکلیفیں اور مصیبتیں زیادہ
ہوتی ہیں اور افلاس بڑھ جاتا ہے اور غریبوں کی زندگی بہت مشکل ہو جاتی ہے۔

دیکھو! کسان جب کھیت کی رکھوالی کرتا ہے تو دور سے جانوروں کی آہٹ معلوم کر لیتا ہے یا
شکاری جب پارچہ پر بیٹھتا ہے تو دور ہی سے اس کو جانوروں کی آمد معلوم ہو جاتی ہے کیونکہ اس کا
احساس تیز ہوتا ہے اور قوت سامعہ بڑھ جاتی اسی طرح جن لوگوں میں ہمدردی ہوتی ہے ان میں
بھی دوسرے کی تکلیف کا احساس بہت بڑھ جاتا ہے اور ان کو بات چیت اور آواز ہی سے نہیں بلکہ
چہرے سے بھی تکلیف معلوم ہو جاتی ہے۔

رفاہ عام کے کام ہمدردی کے نتائج ہیں: رفاہ عام کے تمام کام جیسے محتاج خانے خیراتی
سوسائیاں، غریبوں کے لئے ذرائع معاش فراہم کرنے کے سامان، مختلف قسم کے شفاخانے اور
تعلیم گاہیں، یہ سب اسی ہمدردی کا نتیجہ ہیں۔

جس طرح دریا کی لہریں بعض ڈوبتے ہوئے آدمیوں کو کنارے پر اٹھا کر ڈال دیتی ہیں۔ ایسے ہی قلب انسانی میں ہمدردی کے جذبات ہیں جو انسان کو بہت سی تکالیف سے نجات دیتے ہیں۔

ہمدردی اور نیک دل لوگوں نے مجبور اور معذور انسانوں کے لئے طرح طرح کے بندوبست اور انتظام کئے ہیں۔ انہوں نے بہرے گونگے اور اندھوں کے واسطے طریقہ تعلیم ایجاد کیا اور انہی میں سے اکثر نے ان کے لئے مدرسے کھولے۔

کوئن میری سکول: ممبئی میں چند سال ہوئے کہ اندھوں کا ایک مدرسہ جاری ہوا ہے۔ اس جنگ عظیم کے وقت جو 1914ء میں شروع ہوئی اور جس میں ہندوستانی فوج نے داد شجاعت و مردانگی دی اور حق وفاداری ادا کیا تو اس میں بہت سے ایسے زخمی بھی ہوئے جن میں سے بعض کے ہاتھ بعض کا ایک پاؤں، بعض کے دونوں پاؤں، بعض کی ایک آنکھ اور بعض کی دونوں آنکھیں جاتی رہیں۔ اب تم دیکھو کہ یہ سپاہی کیسے معذور اور مجبور ہو گئے جب ایسے لوگوں کا ہندوستان میں آنا شروع ہوا تو لیڈی ولنگڈن نے گورنمنٹ کے روبرو ایک سکول کی تجویز پیش کی جس میں ان اپاہج اور معذور سپاہیوں کو کام سکھایا جائے تاکہ پنشن کے سوا جو گورنمنٹ سے ان کو ملے گی۔ وہ اور طرح بھی اپنے لئے کچھ روزی کما سکیں۔

گورنمنٹ نے اس تجویز کو منظور کیا اور یہ سکول کوئن میری سکول کے نام ممبئی میں جاری ہو گیا اور اب اس نیک دل لیڈی کی تجویز اور گورنمنٹ کے امداد سے یہ سکول چل رہا ہے اور معذور و مجبور لوگ تعلیم پا رہے ہیں۔ ہمدردی کے کاموں کا ایک نمونہ ہمارے سامنے ہے۔

خود غرضی: اب تم کتاب کا دوسرا ورق لوٹو اور جذبہ ہمدردی کے مقابل جس کا نام خود غرضی ہے اس کا خیال کرو۔ دوسروں کے راحت و آرام کا خیال کرنا یا دوسروں کی تکلیف یا نقصان پر اپنی تکلیف یا نقصان کو ترجیح دینا ایثار کہلاتا ہے برخلاف اس کے صرف اپنی ہی راحت و آسائش کا خیال رکھنا اور اپنے نفع کے مقابلے میں دوسرے کے نقصان کی پرواہ نہ کرنا خود غرضی کہلاتی ہے۔ یہ عیب ان لوگوں میں ہوتا ہے جن کی تربیت اچھی نہیں ہوتی اور ابتداء ہی سے ان کو ایثار و ہمدردی کی تعلیم نہیں دی جاتی۔ خود غرض آدمیوں میں دوسرے کے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں ہوتی اور باوجودیکہ

ن کو خدا کی بہت سے نعمتوں سے حصہ ملتا ہے لیکن وہ ان کو کام میں لانا نہیں جانتے اور نہ ان کے
ں میں نعمتوں کی قدر ہوتی ہے۔ ایسے آدمی نہ کسی تکلیف سے متاثر ہوتے ہیں' نہ کسی سے انس
کھتے ہیں اور نہ کسی کا درد ان کے دل کو بے چین کرتا ہے۔ ایسے لوگ اس آیہ شریف کے مصداق
یں کہ اولئیك كالانعام بل هم اضل یعنی یہ لوگ مثل چارپایوں کے ہیں بلکہ ان سے بھی گئے
زرے ہوئے۔

ایسے لوگ نہ ملک کے لئے مفید ہوتے ہیں نہ قوم کے لئے اور نہ اپنے گھر کے لئے۔

ولاد کی خود غرضی: اکثر لوگوں میں دیکھا جاتا ہے کہ خود اپنے نور نظر جن کی تربیت اچھی نہیں
ہوئی اور جن کے کانوں میں ہمدردی کا لفظ بھی نہیں ڈالا گیا اور نہ ان کو نیکی کے کام سکھائے گا۔ اس
قدر خود غرض ہوتے ہیں کہ اپنے بہن بھائی اور والدین کے ساتھ بھی ان کو ہمدردی نہیں ہوتی۔ وہ
ضرورت کے وقت ماں باپ کی معمولی امداد کرنے سے بھی جی چراتے ہیں۔ لڑکے لڑکیاں ماں کو
محنت کرتے دیکھتی ہیں لیکن اس کے ہاتھ بٹانے تک کا خیال نہیں آتا۔ یہی حالت دوسرے
عزیزوں اور رشتہ داروں کی ہوتی ہے۔ وہ تکلیفوں کو دیکھتے ہیں پریشانیوں کا حال سنتے ہیں لیکن وہ
بالکل بے حس بن جاتے ہیں اور ہمدردی کا نام ہی نہیں لیتے۔

البتہ اگر کوئی ایسا شخص ہو کہ جس کے ہاتھ میں ان کا نفع وضرر ہو اور ان کو اس سے امید یا
خوف ہو تو وہ اس کے نہایت ہمدرد اور دوست بلکہ خادم بھی بن جاتے ہیں۔ یہ ہمدردی اور دوستی وہ
محض اپنی غرض کے لئے کرتے ہیں اور اس میں اپنے ذاتی مفاد کو پیش نظر رکھتے ہیں۔

دوسروں کی ہمدردی کے خواہاں خود غرض: یہ ایک عجیب بات ہے کہ بعض اشخاص اگر کوئی ان
سے ہمدردی نہ کرے تو بہت ہی رنجیدہ ہوتے ہیں اور بڑی مظلومیت کے ساتھ وہ دوسروں کے
سامنے شکایت کرتے ہیں لیکن خود کسی کے دکھ درد میں شریک نہیں ہوتے اور نہ اپنے شریک
ہونے کا انہیں کچھ خیال اور رنج ہوتا ہے۔ وہ ہمدردی کرنے والوں کی تعریف سنتے ہیں اور اس
تعریف میں شریک ہوتے ہیں لیکن خود ان کو کسی کے ساتھ ہمدردی کرنے کا خیال بھی نہیں
گزرتا۔ ان کے لئے ہمدردی ایک ایسا سبق ہے جس کو وہ یاد ہی نہیں رکھتے اور نہ یاد رکھنے کی کوشش
کرتے ہیں۔

اکثر دولت مند غریبوں کی تکالیف جانتے ہیں مگر عیش و عشرت میں ایسے مشغول اور مست ہو جاتے ہیں کہ بھولے سے بھی ان غرباء کی تکالیف کا خیال نہیں آتا۔

یہی غریب آدمی ان کے لئے محنت مزدوری کرتے ہیں مگر ان کو کافی صلہ تک نہیں دیا جاتا اور نہ کچھ قدر کی جاتی۔

ایک انگریزی نظم کا ترجمہ: میں نے اسی مضمون پر ایک انگریزی نظم دیکھی ہے جو نہایت درد انگیز اور موثر ہے۔ مجھے وہ بہت پسند آئی اور بار بار پڑھا۔

افسوس کہ میں شاعرہ نہیں ورنہ اس کو اردو نظم میں ترجمہ کر کے تم کو سناتی اس لئے مجبوراً نثر ہی میں اس کا ترجمہ کرتی ہوں۔ شاعر تمہید میں کہتا ہے کہ:

"آپ لمبی سڑک کی جانب توجہ کیجئے۔ یہاں آپ نے ایک درزن کی دکان دیکھی ہو گی یہ ایک بیوہ عورت ہے اس کے دو تین چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ یہ بیچاری اپنی اور اپنے بچوں کی سلائی کر کے پرورش کرتی ہے۔ تم نے کتابوں میں بہت سی کہانیاں پڑھی ہوں گی اور علم ہیئت میں چاند' سورج' ثوابت اور سیاروں کے اور جغرافیہ میں زمین' سمندر' ندی' نالوں' بہار و خزاں کے حالات پڑھے ہوں گے لیکن کبھی تم نے اس قمیض یا شرٹ کا بھی قصہ دیکھا ہے اگر کپڑے کی زبان ہوتی تو شرٹ تم کو اپنا اور ایک غریب درزن کا قصہ سناتا جو اپنی اور اپنے بچوں کی پرورش کے واسطے کیسی تکلیف اور محنت اٹھاتی ہے اور کیا ہم لوگ اس کی مزدوری کی قدر کرتے ہیں۔ غریب اور بے چاری بیوہ درزن ایک چھوٹے سے مکان میں بیٹھی ہے جس میں ایک ٹمٹماتا ہوا چراغ جل رہا ہے اور پاس سینے کی مشین رکھی ہوئی ہے۔ بچے سو گئے ہیں۔ آدھی رات کا وقت ہے اور وہ (درزن) اٹھ کر جلدی جلدی ایک امیر کی قمیض تیار کر رہی ہے۔

گھبرائی ہوئی انگلیوں سے سوئی پروتی ہے۔ یہ ایک درزن ہے جس کی آنکھیں سرخ سرخ ہو رہی ہیں۔ اس کا لباس صحیح و سالم نہیں ہے۔ اس کی مشین کی سوئی چل رہی ہے۔ چک چک' چک' چک!

یہ غریب' مفلس' بھوکی' میلے کچیلے کپڑے پہنے ہوئے غمگین آواز سے شرٹ کا گیت گا رہی ہے کام کام کام!

جب تک کہ ستارے آسمان پر چمکتے رہتے ہیں۔ یہ ہماری غربت ہے جس نے ہمیں غلام بنا دیا ہے۔

مشہور ہے کہ عرب و عجم میں عورتوں سے بہت محنت لی جاتی ہے لیکن کیا یورپ میں بھی عورتوں سے محنت کم لی جاتی ہے۔ کام کام کام!

ایسی حالت میں جبکہ ماہ دسمبر میں کہر کی وجہ سے اندھیرا رہتا ہے اور کام کام کام جبکہ موسم گرما اور آسمان روشن ہوتا ہے کرسمس میں بھی سینے سے فرصت نہیں ملتی بلکہ کام کی اور زیادتی ہوتی ہے۔ موسم بہار میں بھی سینا ہی سینا ہے۔ تھکی ہوئی انگلیوں اور روتی ہوئی آنکھوں سے عورتیں پھٹے پرانے کپڑوں میں برابر سوئیاں چلاتی ہیں چک' چک چک۔

ایسی مفلسی اور بھوک کی حالت میں غم کی آواز سے جو گیت گایا جاتا ہے۔ کیا یہ امیروں کے کان تک نہیں پہنچتا ہے کہ کوئی غریب درزن شرٹ کا گیت گا رہی ہے۔

ایسے ہی بہت سے غرباء کی حالت ہے جس کی دولت مندوں کو خبر نہیں ہے۔ یہ سچ ہے جو اپنے انجام پر نظر نہ کرے اور اپنی دولت فضول عیش و عشرت میں اڑائے وہ غرباء کی طرف کیا توجہ کرے گا اگر ایک دوسرے کی حالت سے واقف ہوتا اور احساس رکھتا تو دنیا کی حالت بہت کچھ بدل جاتی۔"

اقوام کی ترقی کا راز ہمدردی ہے: ہمدردی جس طرح شخصی زندگی کی تکالیف دور کرتی ہے۔ اسی طرح خاندان اور قوموں اور ملکوں کی مشکلات و مصائب کو دور کرتی ہے۔

آج دنیا میں جو ملک اور جو قومیں ترقی یافتہ اور دولت مند ہیں ان کی ترقی اور دولت کا راز اسی ہمدردی میں مخفی ہے۔ اس لئے غریب لوگوں کی اور جو ہمدردی کے مستحق ہیں۔ ان کی دل سے قدردانی چاہیے۔ کبھی ان کو ذلیل نہیں سمجھنا چاہیے۔

بہت سے امراء اپنی دولت کا بڑا حصہ محض نمائش اور فضول کام میں صرف کرتے ہیں لیکن ان کو غرباء کی ضروریات پر توجہ نہیں ہوتی۔ ہمارے ملک میں آبادی کا بڑا حصہ فقر و فاقہ میں بسر کرتا ہے۔ تیسرے وقت بھی پیٹ بھر کر روٹی نصیب نہیں ہوتی۔ ہر سال ہزارہا غرباء غذا اور لباس کے نہ ہونے سے لقمہ اجل ہو جاتے ہیں مگر بہت سی بے کار دولت زمین کے اندر مدفون یا

خزانوں میں بھری پڑی رہتی ہے اور جب وہ صرف ہوتی ہے تو عیش و عشرت کے اسباب فراہم کرنے کے لئے۔

یہ سچ ہے کہ تمام دنیا کے انسانوں پر کسی زمانہ میں بھی دولت برابر نہیں تقسیم ہو سکتی لیکن اسی وجہ سے انسان میں ہمدردی کا جذبہ پیدا کیا گیا ہے۔ پس جہاں تک ممکن ہو ایک کو دوسرے کے ساتھ ہمدردی کرنا چاہئے۔

ہمدردی ہر طرح ممکن ہے: ہمدردی کے لئے مال و دولت ہی کی ضرورت نہیں' بلکہ زبان و قلم اخلاق اور ذاتی کوشش سے بھی بہت سے ہمدردی کے کام ہو جاتے ہیں۔ بعض وقت صرف انسان کی ہمدردانہ گفتگو ایک زخمی دل پر مرہم بن جاتی ہے اور جو کام روپے پیسے سے نہیں ہو سکتا وہ صرف ہمدردی کے ایک لفظ سے ہو جاتا ہے۔ دراصل مہربانی کے الفاظ خزانہ سے بھی زیادہ قیمتی ہیں جو سننے والوں کے دلوں میں اثر کے ساتھ محفوظ ہو جاتے ہیں۔ دیکھو جب ایک مصیبت زدہ آدمی کے ساتھ تم ہمدردی کی باتیں کرتے ہو اور دعا کرتے ہو کہ خدا ان تکلیفوں سے اسے نجات دے تو اس کو کیسی تسکین و تسلی حاصل ہوتی ہے۔ یہ صرف الفاظ ہی ہوتے ہیں مگر ان کا پلہ زر و جواہر سے بھی زیادہ بھاری ہوتا ہے۔ بیمار کے ساتھ کوئی بیمار نہیں ہو جاتا اور مرنے والے کے ساتھ کوئی مر نہیں جاتا لیکن دوست احباب جب تعزیت کو جاتے ہیں یا دعائے صحت یا دعائے مغفرت صرف الفاظ ہی ہوتے ہیں اسی لئے یہ ایک مسنون طریقہ ہے کیونکہ اس سے ہمدردی ظاہر ہوتی ہے۔

روانگی کے وقت وطن' دوست' احباب اور اعزا کے چھوڑنے کا ضرور رنج ہوتا ہے مگر ان سب کی "فی امان اللہ" خدا حافظ اور بسفر رفتنت مبارک باد' بسلامت روی و باز آئی۔" کی آوازیں مسافر کے رنج سفر کو بھلا دیتی ہیں۔ غم و تکلیف زائل ہو جانے والی چیزیں ہیں اور اپنے وقت پر یہ زائل ہو جاتی ہیں مگر ہمدردی خواہ وہ کسی طریقہ پر ہو کبھی زائل نہیں ہوتی۔ ہمدردی کے الفاظ پتھر کے نقوش سے بھی زیادہ پائیدار اور مضبوط ہوتے ہیں۔ ہمدردی کرتے ہیں۔ اس کے طریقہ اور موقع کو بھی بڑا دخل ہوتا ہے اور اگر بغیر کسی لحاظ کے کی جائے تو بسا اوقات برعکس نتیجہ پیدا ہو جاتا ہے۔ مثلاً غریبوں کو کھانا کھلانا نہایت ہمدردی کا کام ہے لیکن جب تمہاری یہ ہمدردی ان میں اس قدر تساہل اور بے شرمی پیدا کر دے کہ وہ محنت سے جی چرانے لگیں اور تن درست اور توانا ہو کر اپنی

زندگی کو خیرات پر منحصر کردیں تو وہ ایک ظلم ہو جائے گا۔ اکثر دولت منداشخاص غریبوں کے لئے سدابرت اور لنگر خانے جاری کرتے ہیں جہاں خام اور پختہ جنس تقسیم کی جاتی ہے مگر اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ محتاجوں اور سائلوں کی تعداد روز بروز بڑھتی جاتی ہے۔ اس لئے ہمدردی کا صحیح طریقہ یہی ہے کہ غریبوں اور محتاجوں کو ایسے کام سکھائے جائیں جن کے ذریعہ سے وہ خود اپنی روزی پیدا کر سکیں اور جب تک وہ کام سیکھتے رہیں۔ ان کی کفالت کی جائے۔ اسی طرح جب تم عیادت اور تعزیت یا کسی دوسری تکلیف کے وقت زبانی ہمدردی کرو تو اس میں بھی الفاظ کی موزونیت اور ان کے موقع کا خیال رکھنا ضرور ہے اگر تم مریض کے سامنے اس کے مریض کی سختیوں کا ذکر کرنے لگو تو یقیناً اس کو تکلیف ہوگی یا اگر تم اپنی ہمدردانہ گفتگو سے اس کے آرام و سکون میں خلل ڈالو تو اس کو ایذا پہنچے گی۔

خلاصہ یہ کہ اگر تم انسان ہو تو تمہاری انسانیت کا لازمہ ہمدردی ہے اور اگر یہ نہیں ہے تو سمجھ لینا چاہئے کہ تم میں انسانیت نہیں ہے اگر تم خدا کی مخلوق کے ہمدردی کرو گے تو خدا تمہارے ساتھ رحم کرے گا۔

خدا رحم کرتا نہیں اس بشر پر
نہ ہو درد کی چوٹ جس کے جگر پر

☆☆☆

حضرت سلیمان علیہ السلام کا اعلان

محمد بن کعب القرظی سے روایت ہے کہ ایک شخص حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اے نبی اللہ' میرے پڑوس میں ایسے لوگ ہیں جو میری بطخیں چراتے ہیں لیکن مجھے باوجود کوشش کے یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ حرکت کون شخص کرتا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے نماز کا اعلان فرمادیا جب سب لوگ حاضر ہو گئے تو آپ نے ان کے سامنے خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے کہا کہ تم میں ایک شخص اپنے پڑوسی کی بطخیں چراتا ہے اور اس حال میں مسجد کے اندر آتا ہے کہ اس کے سر پر بطخ کا پر ہوتا ہے۔ یہ سن کر چور نے اپنے سر پر ہاتھ پھیرا' یہ دیکھ کر آپ نے حکم دیا کہ اس شخص کو پکڑ لیا جائے۔ یہی وہ چور ہے جس کی تلاش تھی۔

قانون‘ مذہب اور اخلاق

(سرالفریڈ ڈیننگ چیف جسٹس برطانیہ)

عہد قدیم میں مذہب اور قانون کا تعلق بہت ہی گہرا تھا مگر جدید زمانے میں مذہب کا قانون پر کوئی نمایاں اثر باقی نہیں رہا ہے۔ گزشتہ ادوار میں مذہب اخلاق اور قانون اجزائے لاینفک کی حیثیت رکھتے تھے۔ مثلاً تورات کے احکام عشرہ میں سے پہلا حکم "مذہبی" نوعیت رکھتا ہے۔ اس کے الفاظ میں "خدا نے فرمایا کہ میں خداوند تیرا خدا ہوں‘ تیرا کوئی الٰہ نہیں ہے سوائے میرے" پانچواں حکم اخلاقی نوعیت کا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں "اپنے والدین کی عزت کرو تاکہ تیرا قیام اس زمین میں دراز ہو جو تجھے خدا عطا کرے" آٹھواں حکم ایک قانونی فریضہ ہے اور اس کی عبارت یہ ہے۔ "تو ہرگز چوری نہ کر" قدیم مذاہب و اقوام سب میں یہی صورتحال تھی لیکن بعد میں آہستہ آہستہ مذہب‘ اخلاق اور قانون تینوں کو ایک دوسرے سے الگ کر دیا گیا۔ اس تفریق و امتیاز کو بہت دور تک پہنچا دیا گیا ہے حتیٰ کہ بہت سے لوگوں میں اب یہ خیال پیدا ہو گیا ہے کہ مذہب اور قانون کا آپس میں کوئی رشتہ نہیں ہے‘ ان لوگوں کا مقولہ یہ ہے کہ "مذہب‘ خدا اور انسان کے تعلقات متعین کرتا ہے اور قانون ایک انسان اور دوسرے انسان کے تعلقات کا تعین کرتا ہے۔" اسی طرح ان لوگوں کا کہنا یہ بھی ہے کہ قانون کا اخلاق سے بھی کوئی واسطہ نہیں ہے۔ قانون بہر حال واجب الاتباع ہے خواہ وہ اخلاقی لحاظ سے صحیح ہو یا غلط۔ قانون کا مقصد معاشرے میں نظم و ضبط کو برقرار رکھنا ہے‘ نہ کہ عدل و انصاف کو قائم کرنا ہے۔

میری دانست میں تفریق و انقطاع کا یہ تصور حد سے تجاوز کر گیا ہے اگرچہ مذہب اور قانون کو ایک دوسرے سے جدا کیا جا سکتا ہے تاہم یہ حقیقت ہے کہ یہ دونوں بہت بڑی حد تک ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔ مذہب کے بغیر اخلاق کا وجود ناممکن ہے اور اخلاق کے بغیر قانون کا وجود محال ہے۔

(1) اُصولِ حق و صداقت

سب سے پہلے ہم حق و صداقت کے اصول کو لیتے ہیں۔ میرے خیال میں کوئی انسان اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ ہمیشہ سچ بولنا ہر آدمی کا بنیادی فریضہ ہے اب اگر مذہب‘ اخلاق اور قانون

کے تقاضوں سے قطع نظر کر کے محض مصلحت وقت کے نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو حق پرستی کے خلاف بھی اتنے ہی دلائل دیئے جا سکتے ہیں۔ جتنے اس کے حق میں دیئے جا سکتے ہیں۔ انگریزی کی ایک ضرب المثل ہے کہ "دیانت و صداقت ایک بہترین پالیسی ہے" لیکن ایک مصلحت بین انسان کی نگاہ میں اسی ضرب المثل پر کاربند ہونا دانشمندانہ نہیں بلکہ سراسر ایک احمقانہ فعل قرار پائے گا اگر جھوٹ بولنے سے اس کا مقصد حاصل ہو گا تو وہ ضرور جھوٹ بولے گا اور دلیل یہ دے گا کہ اصل اعتبار مقصد کا ہے' نہ کہ ذریعے کا۔ مثلاً ایک مصلحت پرست انسان کے خلاف اگر یہ الزام عائد کیا جائے کہ وہ نشے کی حالت میں کار چلا رہا تھا تو وہ بڑی آسانی سے انکار کر دے گا۔ خواہ یہ الزام صحیح ہی کیوں نہ ہو۔ میں سمجھتا ہوں کہ جھوٹ سے ہمیں صرف اس لئے نفرت ہے کہ ہمیں اپنے والدین نے اس وقت سچ بولنے کی تعلیم دی تھی جبکہ ان کی آغوشِ عاطفت میں ہمارے اندر بھلے اور برے کی تمیز پیدا ہو رہی تھی۔

(2) قانون اور صداقت

اب آپ قانون کو لیجئے قانون کی نگاہ میں بھی سچ بولنا نہایت ضروری ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب تک خالص سچائی منظر عام پر نہ آئے' قانون اور عدل کے تقاضے کبھی پورے نہیں ہو سکتے۔ قانون اور عدل کی مخالفت اور تنقید کا بہت بڑا ذریعہ ہمارا عدالتی نظام ہے لیکن اگر فریقین اور گواہ عدالتوں میں سچ بولنے سے گریز کریں تو انصاف کا خاتمہ ہو جائے گا اور اس کے قیام کی ساری کوششیں بے کار ثابت ہوں گی۔ اس سے بآسانی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ حق پرستی' جس کا اصل سرچشمہ مذہبی تعلیم ہے۔ قانون کے بقاء کے لئے کس قدر ضروری ہے اور مذہب و قانون کا باہمی تعلق کتنا گہرا اور بنیادی ہے یہاں میں جملہ معترضہ کے طور پر اتنی بات ضرور کہوں گا کہ میرا یہ استدلال ایک مفروضے پر مبنی ہے اور یہ استدلال اسی صورت میں صحیح ہو گا جبکہ قانون بذات خود عادلانہ ہو اور عدالتوں میں بیٹھنے والے جج خود بھی حق و انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے والے ہوں اگر قانون ظالمانہ ہو گا یا عدلیہ کے علمبردار اس کے نفاذ و اجراء میں انصاف پسند سے کام نہیں لیں گے تو عدالتوں میں ہمارے پیش ہونے والے گواہوں کے اندر لازماً یہ رجحان پیدا ہو گا کہ وہ "مقدس فریب سے" کام لے کر دروغ بیانی کریں۔ ہمارے ہاں ایک زمانہ وہ تھا کہ چالیس شلنگ

قیمت کی چوری کی سزا موت تھی۔ اس کا نتیجہ ایک مرتبہ یہ نکلا تھا کہ پانچ پونڈ کے ایک مسروقہ نوٹ کے بارے میں جیوری نے سنجیدگی سے یہ فیصلہ کیا تھا کہ اس نوٹ کی قدر و قیمت 39 شلنگ سے ہرگز زائد نہیں ہے اور اس اعلان کو کسی نے بھی قابل مذمت نہیں سمجھا تھا۔ بہرحال قانون کا صرف واضح اور متعین ہونا ہی کافی نہیں بلکہ اس کی کامرانی کے لئے اس کا مبنی برانصاف ہونا بھی ضروری ہے۔

(3) حلف

سچائی کے لازمۂ قانون و انصاف ہونے اور اس کی ضرورت مسلم ہونے کا ایک نتیجہ یہ بھی ہے کہ دنیا بھر کی عدالتیں سچ بولنے پر اصرار کرتی ہیں اور ہر گواہ کو مجبور کرتی ہیں کہ وہ سچ بولنے کی قسم اٹھائے۔ قانون کے نقطہ نظر سے مذہبی تصورات و اعتقادات کی اہمیت کی اس سے زیادہ واضح مثال ہمارے قانونی نظام میں مشکل سے ملے گی۔ گویا ہمارے قانون کا بنیادی مفروضہ اور نقطہ آغاز یہ ہے کہ ہر شخص خدا پر ایمان رکھتا ہے اور وہ خدا اور ایمان کا نام لے کر جھوٹ نہیں بولے گا۔ عدالتوں کے قیام پر صدیاں گزر چکی ہیں لیکن آج بھی جو شخص گواہ کے کٹہرے کے سامنے آتا ہے اسے سب سے پہلے یہ حلف اٹھانا پڑتا ہے۔ "میں خدائے بزرگ و برتر کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں سچی گواہی دوں گا۔ میں سچائی مکمل پیش کروں گا اور سچائی کے سوا کچھ پیش نہیں کروں گا۔" جس وقت گواہ قسم اٹھاتا ہے تو وہ صرف جج ہی کو یہ باور نہیں کرا رہا ہوتا کہ وہ سچ بول رہا ہے بلکہ وہ اپنے خدا کے سامنے یہ پختہ عہد باندھ رہا ہوتا ہے کہ وہ جھوٹ نہیں بول رہا۔ "مقدس فریب" اور "جزوی صداقت" Half Truth خدا کے ہاں کسی کام کی نہیں ہے۔ ایک عامی سے عامی اور جاہل سے جاہل آدمی بھی جب کٹہرے میں آتا ہے تو اسے اس حقیقت کا اچھی طرح احساس ہوتا ہے۔ ویسٹرن سرکٹ کی ایک عدالت میں اس واقعہ کا باقاعدہ ریکارڈ موجود ہے کہ ایک گواہ نے قسم کے پہلے معمول کے مطابق کلمات دہرانے کے بعد یہ بھی کہا تھا "کہ اگر میں جھوٹ بولوں تو خدا میری جان یہیں قبض کر لے۔" چنانچہ وہ شخص وہیں دھڑام سے گرا اور گر کر اس کا خاتمہ ہو گیا۔ اس جگہ پر اس وقت ایک پتھر نصب کر دیا گیا تھا جو اب تک اس واقعہ کی یاد تازہ کر رہا ہے اگر گواہ کسی ایسے مذہب یا عقیدے کا پیرو ہو جس کے لحاظ سے قسم کی کوئی دوسری شکل مناسب ہو تو عدالت میں اسی کو اختیار

کیا جاتا ہے گواہ کو بہر حال ایسی قسم اٹھانی پڑتی ہے جو اسے اپنے ضمیر واخلاق کے مطابق سچ بولنے کے لئے پابند کر دیتی ہے۔

(4) جب کہے سچ کہے

اس بحث سے آپ کو یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہئے کہ قانون کا منشاء اور تقاضا صرف اتنا ہے کہ محض عدالت میں قسم کھا کر سچ بولنا ضروری ہے اور دوسرے مواقع پر جھوٹ بولنے میں حرج نہیں ہے۔ نہیں ہر گز نہیں!! ہر انسان کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ جب بھی کسی دوسرے انسان سے کوئی معاملہ کرے اس میں حق و صداقت کی روش پر کاربند رہے۔ قانون جتنا اس معاملے میں سخت گیر اور متشدد ہے اتنا کسی دوسرے میں نہیں ہے۔ وہ کسی پس و پیش اور ہیرا پھیری EVASION کو بھی برداشت نہیں کر سکتا اگر ایک بیان محض الفاظ کی حد تک صحیح ہو لیکن اس میں سے کسی ایسے حصے کو قصداً حذف کر دیا گیا ہو' جس کی وجہ سے غلط تاثر پیدا ہوتا ہو تو ایسا بیان ایک "فریب" ہے۔

(5) ایفائے عہد

وعدے کا پورا کرنا بھی سچ بولنے سے کچھ کم اہم نہیں ہے۔ "زبور" کے الفاظ میں کھرا آدمی صرف وہی نہیں ہے جو زبان کو جھوٹ سے آلودہ نہ کرے' خواہ اسے خود تکلیف کا سامنا کرنا پڑے۔ اس اصول کو ہمارے قانون میں بڑا دخل ہے۔ ہمارا قانون معاہدات مختلف مراحل میں سے گزرتا رہا ہے۔ ایک وقت وہ تھا جبکہ صرف قانونی دستاویز پر لکھا ہوا اور مہر زدہ معاہدہ قابل وثوق سمجھا جاتا تھا۔ ایک وقت وہ تھا جبکہ صرف وہ معاہدہ لازم قرار دیا جاتا تھا جس کے عوض میں کچھ مالی لین دین عمل میں لایا جاتا تھا لیکن موجودہ زمانے میں ان تکلفات و رسوم کو ساقط کر دیا گیا ہے۔ آج کل اگر انسان ایسا وعدہ کرتا ہے جس کی پابندی لازمی قرار دی جائے اور جس بناء پر دوسرا فریق کوئی کارروائی کرتا ہے تو اب اس کارروائی کے وقوع میں آجانے کے بعد اس وعدے کی پابندی از روئے قانون واجب ہو جاتی ہے۔

(6) عدل وانصاف

حق پرستی اور ایفائے عہد کے بعد آیئے اب عدل وانصاف کو لیں۔ میرے خیال میں اس

امر سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ انسان کو ہمیشہ ہر معاملے میں عادلانہ اور منصفانہ رویہ اختیار کرنا چاہیے۔

(7) جرائم کا سد باب

اب آپ دیکھیے کہ جرائم کی روک تھام کے لئے کس طرح مذہب اور قانون دونوں مل کر کام کرتے ہیں۔ یہ تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں ہے اور مذہب بھی ہمیں یہی بتاتا ہے کہ معاشرہ بہت حد تک وہ حالات پیدا کرتا ہے جو جرائم کے ارتکاب کا باعث بنتے ہیں۔ ہمارے ہاں گھریلو زندگی کا شیرازہ بالکل بکھر چکا ہے۔ اکثر کمسن اور نابالغ مجرمین اجڑے ہوئے گھرانوں میں سے نمودار ہو رہے ہیں۔ ایک نوعمر انسان جب اپنے گرد و پیش کے ماحول میں اپنے لئے کوئی ماویٰ ملجا نہیں پاتا تو وہ اس بے رحم دنیا سے لڑنے کا عزم کر لیتا ہے۔ اس کے اندر لازماً اجتماعیت کش اور مجرمانہ ذہنیت پرورش پانے لگ جاتی ہے۔ یہ برباد اور ویران گھرانے جو کثیر تعداد میں مجرمین فراہم کرتے ہیں ہمارے اس معاشرہ کے دامن پر ایک بدنما داغ ہیں جو رشتہ ازدواج کا احترام کرنے میں ناکام ثابت ہو رہا ہے جو اپنے اخلاقی اقدار و معیارات کو خیرباد کہہ رہا ہے اور جو اپنے مذہب سے قطع تعلق کر رہا ہے۔ معاشرے کی اصلاح کئے بغیر محض مجرموں کی اصلاح کے لئے کوشش کرنا مرض کو چھوڑ کر مرض کے علامات کے پیچھے پڑنا ہے۔ ہم مرض کو جڑ سے اکھیڑنے کی کوئی کوشش نہیں کر رہے ہیں۔ اس کے لئے پوری سوسائٹی کی اصلاح لابدی ہے اور اس ضمن میں مذہبی اور اخلاقی مصلحتیں اور رہنماؤں کی ذمہ داری بہت کٹھن ہے۔ یہ دیکھ کر بڑا دکھ ہوتا ہے کہ ہمارے سب سے اونچے گھرانوں میں خانگی ناچاقیوں اور ازدواجی جرائم کی مثالیں روزافزوں ہیں۔

☆☆☆

قاضی کی بیدار مغزی

امام ابن جوزی رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے کسی کے پاس اپنی کچھ رقم بطور امانت رکھوائی' امانت دار شخص بہت دیانتدار مشہور تھا لیکن کچھ عرصہ کے بعد جب اس شخص نے آکر اپنی امانت طلب کی تو وہ صاف انکار کر گیا۔ مدعی اپنا دعویٰ لے کر قاضی شہر کے پاس پہنچا۔ قاضی نے مدعی سے پوچھا کہ کیا تم نے اس شخص سے اپنا مطالبہ کسی اور کے روبرو تو نہیں کیا

تھا نیز اسے یہ تو معلوم نہیں کہ تم میرے ہاں مقدمہ لے کر آئے ہو۔ مدعی نے دونوں باتوں کا جواب نفی میں دیا۔ قاضی نے اسے کہا کہ اب تم جاؤ اور کسی کے سامنے اپنے مقدمہ کا یا میرے ہاں آنے کا ذکر نہ کیجئے۔ وہ شخص چلا گیا۔ ادھر قاضی نے اس امانتدار شخص کو اپنے ہاں علیحدگی میں بلا کر کہا کہ "سرکاری مال خانہ میں اتفاقاً بہت سا قیمتی سامان آ گیا ہے۔ میرا ارادہ یہ ہے کہ اسے آپ کے ہاں رکھوا دیا جائے کیا آپ کا مکان پوری طرح محفوظ ہے۔" اس نے جواب دیا کہ میرا مکان ہر لحاظ سے محفوظ ہے' آپ شوق سے مال رکھوا دیجئے۔" قاضی نے کہا۔ "بہتر' آپ ذرا تشریف لے جا کر مکان میں مال کے لئے مناسب جگہ کا انتخاب فرما لیجئے اور بار برداری کیلئے مزدوروں کا انتظام بھی کر لیجئے۔ دو دن کے بعد ہم سارا قیمتی سامان آپ کے ہاں بھجوا دیں گے۔" اگلے روز قاضی نے سابقہ مدعی کو طلب کیا اور اسے کہا کہ تم جا کر اس شخص سے اپنا مال دوبارہ طلب کرو اگر وہ شخص اب بھی انکار کرے تو اسے کہنا کہ میں جا کر تمہاری اس حرکت کی اطلاع قاضی شہر کو دیتا ہوں۔ مدعی نے ایسا ہی کیا۔ قاضی کا نام سنتے ہی اس شخص نے فوراً سارا مال لا کر اسے دیدیا۔

☆☆☆

ہے سنت ارباب وفا صبر و توکل
چھوٹے نہ کہیں ہاتھ سے دامان رضا دیکھ
سونے کا نہیں وقت یہ ہشیار ہو غافل
رنگ فلک پیر' زمانے کی ہوا دیکھ

قانون...... علماء قانون کی نظر میں

☆ قانون سے انصاف طلب کرنا ایسا ہی ہے جیسے بلی کے حاصل کرنے کی کوشش میں گائے کھو دینا (چینی کہاوت)

☆ تحریری قانون لکڑی کے جالوں کی مانند ہیں۔ کمزور ان میں پھنس جاتا اور طاقتور ان کو توڑ کر نکل جاتا ہے۔ (اناکراسس)

☆ دو وکیلوں کے درمیان ایک دیہاتی ایسا ہی ہے جیسے دو بلیوں کے بیچ میں ایک مچھلی (فرینکلن)

☆ قانون کا سہارا لینے میں کوئی چیز یقینی نہیں۔ بجز خرچ ا (ایس ٹملر)

☆ ایک چوہے دان جس میں داخل ہونا آسان اور نکلنا بے حد مشکل (بالفر)

☆ قانون اور طب' ان کو نہایت اشد ضرورت ہی میں استعمال کرنا چاہئے ورنہ جیب خالی ہوگی یا جسم کمزور...... یہ اچھے علاج ہیں۔ بری تفریحیں اور تباہ کن عادتیں (کوارلس)

☆ اچھے قانون بنانا بہت آسان ہے۔ مشکل ان کو موثر بنانا ہے سب سے بڑی غلطی ہوگی اگر انسان کو راست رو سمجھا جائے یا یہ سمجھا جائے کہ قانون کے ذریعے اسے ایسا بنایا جاسکتا ہے...... ایک سیاستداں کا سب سے بڑا فن یہ ہے کہ برائیوں کو نیکیوں کے مفاد کے لئے استعمال کرے۔ (بولنگ بروک)

☆ قانون...... مکڑی کا جال ہے' چھوٹی مکھیاں اس کی گرفت میں آجاتی ہیں۔

☆ قانون ایک جال ہے چھوٹے اس سے بچ کر نکل جاتے ہیں اور بڑے اسے توڑ کر، درمیان کے اس میں پھنس جاتے ہیں۔ (شن اسٹون)

☆ جال میں پھنسی ہوئی مچھلی' غریب آدمی کے حق کی طرح ہے جو قانون کے پھندے میں ہو...... اس کا نکلنا ناممکن ہے۔ (شیکسپیئر)

☆ قانون ہماری آزادی کا محافظ بھی ہے اور معیار بھی...... وہ ہماری آزادی محدود بھی کرتا ہے اور اس کی حفاظت بھی۔ قانون کی حدبندی نہ ہو تو آزادی کی مثال تلوار کی سی ہوگی جو ہر شخص کے ہاتھ میں ہو تاکہ وہ جسے چاہے قتل کردے جو لوگ آزادی کے بہت زیادہ علمبردار ہیں۔ شاید وہ بھی اسے نہ پسند کریں گے۔ (گلیریڈن)

☆ اچھا قانون نیکی کرنے کو آسان اور برائی کے ارتکاب کو مشکل بنادیتا ہے۔ (گلیڈاسٹون)

☆ دنیا کے تمام علوم کی چنگاریوں نے قانون کی راکھ کو جنم دیا ہے۔ (مچ)

☆ انتظار کرنے والے کو ہر چیز مل جاتی ہے...... یہاں تک کہ انصاف بھی۔ (اسٹن اوملیے)

☆ اگر قوانین کی بنیاد قوم کے رسوم ورواج پر نہ ہو تو قانون لازماً غیر مستحکم ہوگا اس لئے کہ رسوم اور رواج ہی کسی قوم کی دیرپا ترین اشیاء ہیں۔ (ڈی ملوبی لی)

☆ جنگ کے دوران میں قانون خاموش ہوتا ہے۔ (سیسرو)

☆ قانون کی دلیل قانون ہے۔ (ڈالٹر اسکاٹ)

☆ قانون قابل احترام ہوتا ہے اس لئے نہیں کہ وہ قانون ہے بلکہ اس لئے کہ وہ حق و صداقت پر مبنی ہے۔ (ایچ۔ ڈبلیو بیچر)

☆ قانون کو موت کی طرح ہونا چاہئے...... جس کے چنگل سے کسی کو نجات نہیں۔ (مونٹسکیو)

☆ کسی ملک میں قوانین کی کثرت طبیبوں کی کثرت سے مشابہ ہے جو کمزوری اور نکبت کی نشانی ہیں۔ (والٹیر)

☆ عالمی اور خالص قانون وہ فطری راہ عدل ہے جسے تحریر میں نہیں لایا جاسکتا لیکن جو ہر انسان کے دل میں موجود ہے۔ تحریری قوانین وہ فارمولے ہیں جن میں ہم حتی الامکان یہ بتانے کی کوشش کرتے ہیں کہ کچھ خاص حالات میں فطری راہ عدل کیا ہے۔ (وکٹر کزن)

☆ دیوانی اصول قانون میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ قانون کی بھرمار میں عدل کی گنجائش نہیں رہتی اور ملزم انصاف میں گھر کر بے انصافی کا شکار ہو جاتا ہے۔ بالکل ایسے ہی جیسے سمندر میں ملاح پیاس سے ختم ہو جاتے ہیں۔ (کولٹن)

☆ قوانین بادشاہوں کے بادشاہ ہیں۔ (لوئی چہاردہم)

☆ قوانین کی کثرت یہ ظاہر کرتی ہے کہ یا تو بادشاہ بہت جابر ہے یا رعایا بہت ہی بے لگام۔ (مارسٹن)

☆ قانون سے لاعلمی کوئی عذر نہیں ہے اس لئے نہیں کہ ہر شخص قانون سے واقف ہوتا ہے بلکہ اس لئے کہ یہ عذر ایسا ہے جسے ہر شخص پیش کر سکتا ہے اور کوئی اس کی تردید نہیں کر سکتا۔ (پسلڈن)

☆ میں زندگی میں صرف دو بار برباد ہوا۔ والٹیر نے کہا ایک بار جب میں نے ایک مقدمہ جیتا اور دوسری بار جب میں نے ایک مقدمہ ہارا۔

☆ مصیبتوں اور مظالم کے ازالے کے لئے قانون سے رجوع کرنا ایسا ہے جیسے کوئی بھیڑ پناہ کی تلاش میں کسی خاردار جھاڑی میں گھس جائے۔ (ڈلوٹن)

☆ سوسائٹی بغیر امن و قانون کے زندہ نہیں رہ سکتی لیکن انقلابی افکار رکھنے والوں کے بغیر اس کی ترقی ناممکن ہے۔ (برٹرینڈ رسل)

☆ قانون اور انصاف...... یہ دو چیزیں تھیں جنہیں خدا نے یکجا کر دیا تھا مگر انسان نے انہیں بالکل ہی جدا کر دیا۔ (کولٹن)

☆ دنیا کی سب بڑی بے انصافیاں وہ ہیں جو قانون کے نام پر ہوتی ہیں۔ (بے اسٹریج)

☆☆☆

میں مظلوم ہوں

بادشاہ منصور کے پاس عمارہ بن حضرہ آئے۔ بادشاہ نے انہیں اپنے پاس بٹھایا۔ اتنے میں ایک آدمی نے کھڑے ہو کر باآواز بلند کہا "اے امیر المومنین میں مظلوم ہوں۔"

بادشاہ نے پوچھا۔ "کس نے تم پر ظلم کیا۔"

وہ بولا "اس شخص نے جو آپ کے پاس مسند پر بیٹھا ہے۔"

پھر وہ بولا "یہ عمارہ بن حضر ہے جس نے میری ساری پونجی چھین لی۔

منصور نے حکم دیا کہ عمارہ اس کے پاس سے اٹھ جائے اور مجرم کے کٹہرے میں جا کھڑا ہو۔

عمارہ نے کہا "اگر جائیداد اس کی تھی تو میں معاوضہ نہیں کرتا۔ یہ لے لے اور اگر میری تھی تو میں اسے ہبہ کرتا ہوں۔ میں اس مجلس سے مجرم کی طرح اٹھنا پسند نہیں کرتا جہاں امیر المومنین نے مجھے عزت و حرمت کے ساتھ بٹھایا ہے۔"

☆☆☆

قاضی کو ایک عورت کی نصیحت

امام ابن جوزی لکھتے ہیں کہ مشہور قاضی موسیٰ بن اسحاق کو لوگوں نے کبھی مسکراتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ ایک مرتبہ ایک عورت نے ان سے کہا کہ قاضی صاحب! آپ ہمیشہ خشمگیں نظر آیا کرتے ہیں حالانکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ لا یقضی القاضی بین اثنین وھو غضبان (کوئی قاضی فریقین کے مابین غصہ کی حالت میں فیصلہ نہ کرے) قاضی موسیٰ نے یہ ارشاد نبوی سنتے ہی تبسم فرمایا اور پھر آئندہ کے لئے اسے اپنا شعار بنا لیا۔

☆☆☆

عمدہ فیصلہ

ایک آدمی نے دوسرے آدمی سے ایک مکان خریدا۔ خریدار نے مکان خریدنے کے بعد وہاں ایک خزانہ پایا۔ وہ فوراً اس شخص کے پاس پہنچا جس سے مکان خریدا تھا اور کہا "وہ خزانہ آپ کا ہے لے لیجئے۔"

بائع نے کہا "میں تمہارے ہاتھ مکان بیچ چکا۔ مجھے خبر بھی نہ تھی کہ اس میں خزانہ ہے اب اگر نکلا ہے تو وہ میرا نہیں' تمہارا ہے۔ دونوں ایک دوسرے سے جھگڑتے ہوئے نوشیرواں کے پاس پہنچے۔ اس نے سب کچھ سننے کے بعد کہا۔ "تم دونوں صاحب اولاد ہو"

ایک نے کہا۔ ہاں ایک لڑکا ہے۔

دوسرے نے کہا۔ "میری ایک لڑکی ہے۔"

نوشیرواں نے لڑکے اور لڑکی کی شادی کرادی اور اس طرح دونوں کا "جھگڑا" ختم ہو گیا۔

☆☆☆

مصنوعی وقار

امام ابن جوزی لکھتے ہیں کہ قاضی القضاۃ ابوالسائب شہر ہمدان میں مامور تھے۔ اس زمانے میں یہ دستور تھا کہ قاضی صاحبان شہر کے ایسے اصحاب کو بطور شاہد عادل اپنی عدالت میں مقرر کیا کرتے تھے جن کے تقویٰ اور دینداری کی لوگوں میں خاصی شہرت ہوتی تھی اور پھر اقرار ناموں' نیز عدالتی فیصلوں وغیرہ پر ان شاہدان کے دستخط بطور تصدیق و توثیق کرائے جاتے تھے۔ قاضی ابوالسائب نے اسی دستور کے مطابق ہمدان کے ایک مشہور متقی اور صادق القول شخص کو اپنے ہاں اس عہدہ پر مقرر کرنا چاہا۔ اس شخص سے وہ ذاتی طور پر بھی واقف ہے اور وہ تقریباً روزانہ ہی ان کے پاس بغرض ملاقات آیا کرتا تھا جب قاضی نے اس شخص کے تقرر کا ارادہ کیا اور اس کے ساتھ سرکاری طور پر مراسلت کی تو اسے ایک مقررہ دن پر خاص اسی غرض سے عدالت میں طلب کیا لیکن جب وہ شخص عدالت میں حاضر ہوا تو قاضی صاحب نے اسے آتے دیکھ کر فی الفور اپنا ارادہ بدل لیا اور اس کے تقرر سے انکار کر دیا جب وہ شخص واپس چلا گیا تو کسی نے قاضی صاحب سے اس تبدیلی ارادہ کی وجہ دریافت کیا' قاضی صاحب نے بتلایا کہ یہ شخص مجھے ریاکار معلوم ہوتا ہے۔ ان

سے پوچھا کہ آپ نے کیسے معلوم کیا۔ انہوں نے کہا کہ یہ شخص میرے پاس روزانہ آتا تھا اور کمرے کے دروازے سے لیکر میری نشست تک اس کے جتنے قدم پڑتے تھے۔ وہ میں روزانہ شمار کر لیتا۔ ان کی تعداد ہمیشہ یکساں ہوتی لیکن آج جب میں نے اس کی آمد پر اس کے قدم شمار کیے تو دو تین قدم میں نے سابقہ تعداد سے بڑھے ہوئے پائے۔ اس کا مطلب یہی نکلتا ہے کہ یہ حضرت اپنے عہدہ کی بھنک پا کر مصنوعی وقار کے ماتحت چھوٹے چھوٹے قدم دھرتے ہوئے تشریف لائے ہیں چنانچہ اس کی ریاکارانہ فطرت مجھ پر عیاں ہو گئی اور میں نے اس کی تقرری کا ارادہ بدل دیا۔

☆☆☆

کسب اور توکل

کسب سے دست بردار ہونا' تحصیل معاش کو گراں بار سمجھنا اہل و عیال سے بے تعلقی اختیار کرنا۔ فرائض کو چھوڑنا' صاحب توکل کے نام سے مقدس بن کر دوسروں کا محتاج رہنا اور ان کی دعوتیں قبول کرنا یہ رذیل عادات بجز دنی الطبع (کمینہ خصلت) آدمیوں کے کسی میں نہیں ہوتیں ورنہ انسان کامل وہ ہے جو اپنے جوہر کو جو اللہ نے بخشا ہے۔ ہر ایک پر احسان کرنے کے لئے صرف کرے اور شیر بن کر رہے نہ کہ خود غرض مکار لومڑی جس کا گزارہ دوسروں کے پس خوردہ پر ہو۔

اسباب

جو ہمارا رزق ہے وہ ہم کو ضرور ملے گا۔ یہ بات نہایت قبیح اور فقط پست ہمت آدمی کی حجت ہے۔ قادر مطلق نے اسباب بنا دیئے ہیں۔ کھانے کو بھوک کا سبب قرار دیا حالانکہ وہ قادر تھا کہ بغیر اس کے مخلوق کو زندہ رکھتا۔ پس اس نے مخلوق کو اہل حاجت بنا کر پیدا کیا ہے لہٰذا بھوک کی تکلیف اسی چیز سے رفع ہو گی جس کو اس نے زائل کرنے کا سبب بنایا ہے۔ یہی کیفیت مرض لاحق و دیگر ضروریات کی ہے۔

حکیم مطلق نے حیوانات کو محتاج کے حاصل کرنے کے لئے ساتھ ہی ساتھ آلات و وسائل مہیا کر دیئے ہیں۔ آدمی کی شمع عقل کو منور کیا ہے جو احتیاط و احتراز کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ پس جو مریض احتیاط کو ترک کر کے اللہ کی نعمت بے کار کر دے تو گویا اس نے حکمت الٰہی کو معطل کر دیا۔ لکل داء دواء (ہر مرض کی دوا ہے) کو باطل سمجھنے والے تو دیکھے گئے ہیں مگر ترک

غذا محال ہے جو عقل و علم کا دعویٰ کرے پست ہمتی سے بلا کے سامنے گردن جھکا دے۔ ایسے شخص کو عقلمند و بہادر نہ کہا جائے گا۔ مردوں کے شایان شان یہ ہے کہ اعضاء جوارح کسب و پیشہ میں لگے رہیں اور دل اطمینان کے ساتھ خدا پر بھروسہ کئے ہوئے ہو۔ اب چاہے وہ عطا کرے یا نہ کرے کیونکہ خدا کا تصرف حکمت و مصلحت پر ہوتا ہے لیکن کاہل لوگوں کی پست ہمتی نے بطالت (بے کاری و کاہلی) کو توکل کا ہم پایہ بنا دیا۔ اسباب کو بے کار چھوڑنا۔ بنانے والے کی حکمت سے نہ موڑنا ہے۔

کھانا پیٹ بھرنے کا سبب' پانی پیاس بجھانے کا ذریعہ اور دوا بیماری کے علاج کے لئے موضوع ہیں اگر آدمی سبب کو حقیر سمجھ کر اس سے دست بردار ہو پھر دعا مانگے اور سوال کرے تو اس کو جواب ملے گا۔ ہم نے تیری عافیت کے لئے سبب بنایا تھا جب تو نے اس کو اختیار نہ کیا اور ہماری بخشش کو مہمل چھوڑ دیا تو اکثر اوقات تجھ کو بغیر سبب کے ہم عافیت نہ دیں گے کیونکہ تو سبب کو ذلیل گردانتا ہے۔

اگر کوئی پختہ کھیتی کا آرزومند ہو اور سیرابی زمین کا خواہشمند کھیت میں پانی نہر سے آتا ہے اور نہر پاس جاری ہے اب یہ شخص ٹیلہ پر چڑھ کر نماز استسقاء پڑھنے لگے تو یہ حرکت نہ شریعت کی رو سے اچھی ہے' نہ عقل کے لحاظ سے بہتر ہے اگر کوئی یوں کہنے لگے کہ ہر ایک امر مقدر ہے تو احتراز کیوں کر کیا جا سکتا ہے' جواب یہ ہے حکم و فرمان موجود ہیں جس نے مقدر کیا ہے۔ اس نے حکم دیا ہے اللہ بندوں کو آزماتا ہے۔ بندے اللہ کو نہیں آزماتے۔ توکل دل کا فعل ہے جوارح کی حرکت کے منافی نہیں جس نے توکل کا حکم دیا ہے۔ اسی نے ہتھیار باندھنے کا ارشاد کی ہے خذوا حذرکم اپنے ہتھیار لے لو واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ جس قدر قوت ہو سکے بہم پہنچاؤ۔ رسول اللہ نے دو زرہیں۔ زیب تن فرمائیں۔ طبیبوں سے مشورہ لیا۔ غار میں پناہ لی۔ ایک موقع پر فرمایا۔ "آج کی رات میری نگہبانی کون کرے گا اور حکم دیا اپنا دروازہ بند کر لیا کرو توکل احتراز کے منافی نہیں ہے۔

برتوکل زانوئے اشتر بہ بند

توکل یہ ہے کہ جو کچھ کہا جائے۔ اس پر راضی رہے۔ حد سے زیادہ احتیاط و احتراز و انجام بینی

اور حفاظت سے عجز علماء کے نزدیک تفریط ہے اور اہل عقل خراب جانتے ہیں اللہ تعالیٰ محافظت کی پوری کوشش کے بعد توکل کا حکم دیتا ہے۔

وشاورھم فی الام فاذا عزمت فتوکل علی اللہ مشورہ لیجئے جب مستقل ارادہ ہو تو خدا پر توکل کیجئے۔ نماز خاص ترین عبادت میں ہدایت ہوتی ہے۔ فلتقم طائفة منهم فعك (علت) کفار چاہتے ہیں تمہیں اسلحہ ورخت سے غافل پا کر تم پر یکبارگی ٹوٹ پڑیں اس لئے "ہتھیار باندھے رہنا واجب ہے (امام شافعی) انبیاء واولیاء سلف صالحین وصحابہ کسب کرتے رہے۔ بعض اوائل صوفیہ بوجہ زہد وورع اپنے مال سے علیحدہ ہو جایا کرتے تھے اور ان بزرگوں کا مقصود و خیر محض تھا لیکن اپنے اس خیال و حرکت میں بقول علامہ ابن جوزی غلطی پر ضرور تھے۔ تمام تابعین و تبع تابعین کسب کرتے تھے اور کسب کا حکم دیتے رہے۔ اگلے بزرگ ہاتھ پاؤں توڑ کر خانقاہ و مسجد میں بیٹھنے کو منع کرتے اور کسب کا حکم دیتے تھے۔

امت مسلمہ کی سیادت

ان لوگوں کو کیا ہو گیا جنہوں نے دنیاوی خواہشوں اور نعمتوں کو اپنے اوپر حرام کر لیا۔ میں نے تم کو کبھی یہ حکم نہیں دیا کہ تم عیسائی عابدوں اور راہبوں کی مانند بن جاؤ۔ میری شریعت میں یہ بات نہیں کہ گوشت کھانا ترک کریں۔ معاشرت نسواں سے اجتناب کریں۔ راہبوں کی طرح گوشہ نشین ہو جائیں۔ میری امت کی سیادت یہی ہے کہ وہ گاہے بگاہے روزہ رکھیں اور رہبانیت فقط یہ ہے کہ راہ خدا میں جان ومال سے کوشش کریں۔

اے لوگو! خدا کی بندگی کرو۔ کسی کو اس کا شریک نہ سمجھو۔ حج وعمرہ بجالاؤ نماز پڑھو' روزہ رکھو' ہر کام میں اعتدال ومیانہ روی کو مرعی رکھو' اپنے نفس پر سختی مت کرو تاکہ خدا تم پر سختی نہ کرے جو تم سے پہلے گزرے ہیں۔ انہوں نے خود کو تباہ وہلاک کیا کیونکہ انہوں نے اپنے نفس پر سختی کی اس لئے خدا نے بھی ان پر سختی کی۔ میں اس کام کے لئے مامور نہیں ہوا جیسا کہ خدا کا حق تم پر ہے ایسا ہی تمہارے نفس کا بھی حق ہے جو میرے طریقہ سے روگردانی کرے وہ مجھ سے نہیں۔" حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ سلم۔

اے قاریوں کی جماعت ذرا سر اٹھاؤ' راستہ بالکل روشن ہے نیکیوں کے لئے سبقت کرو اور

محتاج بن کر نہ رہو۔ (عمر رضی اللہ عنہ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جوان سے خوش ہوتے لیکن بے کار معلوم ہونے پر وہ ان کی نظر سے گر جاتا۔ کسی بزرگ کا قول ہے "خدایا ہمارے مال میں برکت دے۔ ہم میں اور ہمارے مال میں جدائی نہ ڈال اگر مال نہ ہوتا تو ہم روزہ نہ رکھ سکتے' نہ نماز پڑھ سکتے' نہ اپنے پروردگار کے فرائض ادا کر سکتے۔"

مجھ کو برا معلوم ہوتا ہے کسی آدمی کو بے کار دیکھوں' نہ دنیا کا کام کرتا ہے' نہ دین کا جو اپنے گھر میں یا مسجد میں بیٹھ رہے اور کہے کہ میں کچھ کام نہ کروں گا۔ وہ شخص علم سے بے خبر ہے۔ (امام احمد حنبل رحمتہ اللہ علیہ) جو شخص دنیا کو آخرت کے لئے اور آخرت کو دنیا کے لئے چھوڑ دے وہ ہم میں سے نہیں (امام جعفر صادق رحمتہ اللہ علیہ) ہمارے نزدیک عبادت اس کا نام نہیں کہ اپنے پاؤں جوڑ رکھو اور دوسرا شخص تمہیں کھلا دے بلکہ اول دو روٹیوں کی فکر کر لو تب عبادت کرو (ابو سلیمان دارانی رحمتہ اللہ علیہ)

کسب حلال

جس شخص کو ذریعہ حلال سے بقدر کفاف حاصل کرنے کی احتیاج ہے تو یہ امر ایسا ہے جو ضروری ہے جس شخص کا مقصود حلال طریقہ سے مال حاصل کرنا ہو تو ہم مدعا پر غور کرینگے۔ اگر صرف بڑائی اور فخر ہے تو بہت بڑا مقصود ہے۔ اگر اپنی اور اہل و عیال کی عفت چاہتا ہے آئندہ زمانہ کی آفتوں کے لئے ذخیرہ رکھتا ہے چاہتا ہے کہ بھائیوں کی امداد کرے۔ محتاجوں کو خوش کرے۔ نیک کاموں کو سرانجام دے تو اس کے قصد پر اس کو ثواب ملے گا۔ اور اس نیت سے جمع کرنا بہت ہی عبادتوں سے افضل ہوگا۔

سلف ہمیشہ مال کی تعریف کرتے اور زمانہ کی آفتوں اور محتاجوں کی اعانت کے لئے مال جمع کرتے رہے محتاجی ایک مرض ہے جس نے اس میں مبتلا ہو کر صبر کیا اس کو ثواب ملیگا۔ مال ایک نعمت ہے اور نعمت کے لئے شکر ضروری۔ مال دار جب محنت کرتا ہے اپنے آپ کو کار بزرگ میں ڈالتا ہے گویا بمنزلہ مجاہد کیلئے ہے۔

ابن جریر طبری کہتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نصف مال چھوڑنا دلیل ہے اس قول

کے باطل ہونے پر جو جاہل صوفیہ کہتے ہیں کہ انسان کو نہ چاہئے کل کے لئے کچھ ذخیرہ رکھے۔
رسول کریم ﷺ کا یہ فرمانا کہ تم بکریاں پالو ان میں برکت ہے اس قول کے فاسد ہونے پر دلالت کرتا ہے جو بعض صوفیہ کا خیال ہے جو بندہ اپنے رب پر توکل کرتا ہے اس کے لئے یہی سامان ہے کہ کسی وقت کچھ مال و روپیہ پاس نہ ہو۔ رسول اللہ صلعم سال بھر کا رزق ذخیرہ رکھتے تھے۔ (جریر)
کیونکہ انسان کی حاجت منقطع نہیں ہوتی اور عاقل آئندہ کے لئے سامان کیا کرتا ہے
چنانچہ رسول کریم صلعم نے ہدایت فرمائی۔
"سعد! تمہارے لئے اپنے وارثوں کو خوشحال چھوڑنا اس سے بہتر ہے کہ ان کو ایسی حالت میں چھوڑ جاؤ جو لوگوں کے سامنے محتاج ہو کر ہاتھ پھیلاتے پھریں"۔
عمرو! مال اچھے آدمی کے لئے بہت بہتر ہوتا ہے"۔
عبداللہ بن کعب کو سارا مال خیرات کرنے کی نیت معلوم ہونے پر یہ نصیحت کی کہ "کچھ مال اپنے پاس رہنے دو، یہ تمہارے حق میں بہتر ہے"۔
سعد بن عبادہ دعا مانگا کرتے تھے
"خداوند مجھ کو فراخ دستی عطا فرما"۔
رسول کریم ﷺ نے انس کے لئے خیر و برکت کی دعا کی کہ
"اللہ! انس کو مال و اولاد زیادہ عطا فرما اور ان میں برکت دے۔
اکتساب مال ایک ایسا درجہ ہے جو فطرۃً طبیعتوں میں ودیعت کیا گیا ہے جب اس سے مقصود خیر ہو تو وہ بھی خیر محض ہوگا۔
جب حضرت یعقوب علیہ السلام سے ان کے بیٹوں نے کہا ایک اونٹ اناج کا زیادہ ملیگا تو حضرت بھی ادھر مائل ہو گئے اور ابن یامین کو ساتھ بھیج دیا۔
حضرت شعیب علیہ السلام نفع لینے میں زیادتی کی خواہش کی چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا فَإِنْ أَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ حضرت ایوب سے ارشاد خداوندی ہوا۔ "اے ایوب کیا تیرا پیٹ نہیں بھرا۔ انہوں نے عرض کیا۔ پروردگار تیرے فضل سے کس کا پیٹ بھرا ہے"۔ اصحاب رسول ﷺ تیری خشکی میں تجارت کے لئے پھرتے تھے اور باغوں میں پھرتے

تھے۔ بڑے بڑے صحابہ و تابعین ذخیرہ رکھا کرتے تھے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو فکر تھی میں اپنے بال بچوں کو کہاں سے کھلاؤں۔

اکثر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے مال حاصل کیا اور چھوڑ گئے۔ طلحہ ۳۰۰ رطل سونا، زبیر ۵ کروڑ ۲ لاکھ، ابن مسعود نوے ہزار، عبدالرحمٰن بن عوف کا قافلہ شام سے آیا۔ سات سو اونٹوں پر ہر قسم کا اسباب تجارت تھا۔

سعد بن شعیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے جو شخص مال پیدا نہیں کرتا وہ خیر پر نہیں۔ مال سے قرض ادا کرے۔ آبرو بچائے۔ مر جائے تو بعد والوں کے لئے میراث چھوڑ جائے۔ چنانچہ آپ نے چار سو دینار ترکہ میں چھوڑے، سفیان ثوری نے دو سو دینار ترکہ میں چھوڑے اور آپ فرمایا کرتے تھے کہ مال ایک ہتھیار ہے۔

نبیوں اور ولیوں کی مثالیں

انبیاء عظام اور علماء کرام کی طویل فہرست سے صاف صاف ثابت و ظاہر ہو جائیگا کہ اہل دین کو پیشہ ہمیشہ مرغوب و محبوب رہا ہے۔ مشتے نمونہ از خروارے ملاحظہ ہو:

حضرت آدم علیہ السلام	کسان	حضرت صالح علیہ السلام	زرہ ساز
حضرت نوح علیہ السلام	نجار	حضرت شعیب علیہ السلام	شبان
حضرت ادریس علیہ السلام	خیاط	حضرت موسیٰ علیہ السلام	شبان
حضرت ابراہیم علیہ السلام	کسان	حضرت داؤد علیہ السلام	زرہ ساز
حضرت لوط علیہ السلام	کسان	حضرت زکریا علیہ السلام	نجار
حضرت نبی اکرم صلعم	شبان	سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ	تیر ساز
ابو بکر رضی اللہ عنہ	بزاز	عثمان طلحہ رضی اللہ عنہ	درزی
عثمان رضی اللہ عنہ	بزاز	ابراہیم بن ادہم رضی اللہ عنہ	کسان
عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ	بزاز	سلیمان خواص رضی اللہ عنہ	خوشہ چین
طلحہ رضی اللہ عنہ	بزاز	حذیفہ مرعشی رضی اللہ عنہ	خشت پز

محمد بن سیرین رضی اللہ عنہ	بزاز	زبیر رضی اللہ عنہ	رفوگر
میمون بن ہران رضی اللہ عنہ	بزاز	حضرت عمر رضی اللہ عنہ	تاجر
عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ	رفوگر	حضرت علی رضی اللہ عنہ	مزدکار
عامر بن کرمز رضی اللہ عنہ	رفوگر		

اگر اسلامی تاریخ کے آسمان شہرت پر نظر ڈالی جائے تو ممتاز درخشند ستاروں یعنی ارباب فضل و کمال میں ایک بڑی تعداد اہل حرفہ نظر آئیں گے۔ مثلاً

امام ابوحنیفہ تاجر	ابویعقوب سراج الدین یوسف بن محمد خوارزمی
ضیاءالدین ابن بیطار	سکاکی
منصور حلاج	شیخ داؤد سمان
ابوالفضل یحیٰی حکاک مکی	عمرولیث بن حضار
خواجہ بہاءالدین نقشبندی حائک	ابونصر صباغ
سیدالطائفہ ابوالقاسم جنید خزار بغدادی	شیخ عطار
عمادالدین یاقوت خیاط	غزالی
ابوعبداللہ خیاط استاد ابن جوزی	ابوعلی فرانحوی
عمر خیام نیشاپوری	شمس الائمہ حلوائی
شیخ ابوعلی دقاق	ابوبکر محمد بن احمد اسکاف
ابویزید بسطامی سقاء جعفر بن صادق	ابوبکر محمد بن احمد اسکاف

سچ ہے

کسب کمال کن کہ عزیز جہاں شوی   کس بے کمال ہیچ نیرزد عزیز من

اعجازِ خُلقِ نبوی ﷺ

حضور ﷺ کی انسانی ہمدردی

پونے چودہ صدیاں گزریں کہ توحید کے سب سے بڑے مرکز یعنی کعبۃ اللہ کو گمراہ لوگوں نے شرک و بت پرستی کا سب سے بڑا تیرتھ بنالیا تھا۔ مندروں، شوالوں میں تو یہی تین چار، حد دس بارہ ہی بت ہوتے تھے۔ مگر یہاں پورے تین سو ساٹھ بتوں کی پوجا ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ حرم کعبہ جو طواف و نماز، رکوع و سجود، خضوع و خشوع، گریہ و بکا، توبہ و انابت اور اطاعت و عبادت کا مقام ہے۔ وہاں بستی کے غنڈوں کی ٹولیاں جمع ہوتیں۔ ہنسی مذاق، ٹھٹھول، مخول، گانا، بجانا، قہقہے لگانا، تالیاں اور سیٹیاں بجانا، ان کا مشغلہ تھا۔

(۲)

ایک دن کا ذکر ہے کہ حرم میں بستی بھر کے آوارہ و بدقماش لوگوں کا مجمع تھا۔ دنیا جہاں کی گپیں اڑ رہی تھیں۔ اسمٰعیلی شرافت اور قریشی تہذیب کا کوئی کرشمہ نظر نہیں آتا تھا۔ حرم کے در و دیوار قوم کی مسخ شدہ حالت پر سوار اور بیت اللہ اپنے سیاہی لباس میں ماتم کناں تھا۔ مگر معمورہ کے ایک کونہ میں حق تعالیٰ کا ایک ایسا پاک و برگزیدہ بندہ بھی تھا۔ جو اس کے ذکر و فکر میں مستغرق تھا۔ یہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تھے جو اس وقت گوشہ حرم میں مشغول بہ نماز تھے۔ اور دوسری طرف چنڈال چوکڑی آپ کا مذاق اڑا رہی تھی۔

(۳)

ایک اجنبی آدمی حرم میں داخل ہوتا ہے۔ اور مجمع کے سامنے جا کر یوں فریاد کرتا ہے۔ حضرات آپ شرفائے قریش اور معززین بلدہ ہیں مجھ غریب الوطن پر ایک ظلم ہو رہا ہے۔ آپ دادرسی فرمائیں۔ ابوالحکم کے ذمے میرے چالیس دینار نکلتے ہیں۔ دو سال ہوئے وہ ادا کرنے میں نہیں آتا۔ اور ٹال مٹول کرتا رہتا ہے۔ مجھ بیکس پر رحم فرما کر یہ رقم اس سے دلا دیں۔

ناظرین کو معلوم ہوگا کہ ابوالحکم مکہ کا وہ مقتدر و بارعب اور متکبر و سرکش سردار تھا۔ جو

بد قسمتی سے اسلام کا دشمن اور پیغمبر اسلام کا سخت مخالف ہونے کے باعث اسلامی روایات میں ابو جہل کہلاتا ہے اور ان دنوں وہ حضور کی مخالفت و عداوت میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا تھا۔ اہل مجمع نے جب سائل کا حرف مطلب سنا تو بعض دل لگی بازوں کو کیا شرارت سوجھی کہ اس بھولے بھالے آدمی سے کہا:۔

بھئی ابو الحکم تو بڑا تند مزاج آدمی ہے۔ تمہارا قرض اسے سے دلا دینا ہمارے بس کا کام نہیں۔ دیکھو وہ سامنے جو بزرگ سر جھکائے بیٹھے ہیں۔ اس کے بڑے گہرے دوست ہیں۔ وہ اگر ایک مرتبہ بھی ابو الحکم سے کہیں گے تو وہ بلا چوں و چرا تمہارا قرض ادا کر دے گا۔ جاؤ یہ عرض ان سے کرو۔

(۴)

حضور ﷺ اپنے فکر و شغل میں مستغرق اور یاد باری میں محو بیٹھے ہیں اور سائل سامنے کھڑا اپنا دکھڑا یوں رو رہا ہے:۔

جناب من! ابو الحکم نے میرا حق دبا رکھا ہے۔ دو سال سے چالیس دینار مارے بیٹھا ہے تعجب ہے کہ آپ تو ایسے پاک ذات اور حق شناس ہیں اور آپ کے دوستوں کا یہ حال ہے۔ برائے خدا مجھ پر رحم فرمایئے اور اس سے میرا حق دلایئے سب لوگ امید دلاتے ہیں کہ وہ آپ کی سفارش کو رد نہ کرے گا۔

حضرت ﷺ نے اس کے یہ الفاظ سن کر سر اٹھایا اور آپ معاً سمجھ گئے کہ ان شریر النفس لوگوں نے اس غریب کیساتھ مذاق کیا ہے مگر وہ قلب پاک جو رحم و کرم کے جذبات سے سرشار ہے وہ روح اطہر جس کی گھٹی میں غریب پروری و مسافر نوازی کی صفات پڑی ہیں۔ وہ طبع مبارک جس کی فطرت میں شفقت علی الخلق اور رافت علی العباد داخل ہے۔ آپ کو فوراً اس سائل کی امداد پر آمادہ کرتی ہے۔

(۵)

"ابو الحکم! ابو الحکم!" یہ حضور سرور کائنات ﷺ کی آواز مبارک ہے۔ جو آپ نے ابو

جہل کے دروازہ پر خود تشریف لے جاکر بلند فرمائی۔ ابو جہل یہ آواز سن کر آتا ہے اور آپ کو بذات خود دروازہ پر کھڑے دیکھ کر حیران، ششدر اور ہکابکارہ جاتا ہے۔ ادھر تو وہ ابھی چپ چاپ دل ہی دل میں یہ سوچ رہا ہے کہ ایسی جرأت کس میں ہو سکتی ہے کہ اپنے ایک جانی دشمن کے دروازہ پر یوں بے پروائی سے چلا آئے اور اس طرح بے تکلفی کے ساتھ اس کو بلانے لگے اور ادھر آپ سنجیدگی کے ساتھ بارعب آواز میں فرماتے ہیں۔

"یہ کیا بے انصافی ہے کہ اس غریب کے چالیس دینار دو سال سے دبائے بیٹھے ہو اور دینے کا نام نہیں لیتے۔ بہتر ہے کہ ابھی میرے سامنے اس کا حق ادا کر دو"۔

(۲)

رعب نبوت ﷺ اور جلال صداقت کیا ایک بجلی تھی جو ان الفاظ سے غیر محسوس طور پر ابو جہل کے دل و دماغ پر گر گئی۔ سرکشی اور تند خوئی کے سارے ترارے دھرے رہ گئے۔ ایک حرف نہیں بولا۔ چپ چاپ پچھلے پاؤں گھر کے اندر گیا چالیس دینار گن کر نکالے اور باہر لا کر اپنے قرض خواہ کے ہاتھ پر رکھ دیئے۔

یار لوگ بھی دور سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ وہ منتظر تھے کہ تھوڑی دیر میں کوئی نہ کوئی نیا تماشا دیکھیں گے۔ غل غپاڑہ مچے گا۔ اور ابو جہل کی جہالت میدان میں کودتی اور اُدہم مچاتی نظر آئے گی۔ مگر جب دیکھا کہ شیر کے سامنے بلی بن کر دب گیا تو تھوڑی دیر بعد اس کے پاس گئے اور حقیقت حال پوچھی اور ابو جہل بولا:۔

"یار کیا پوچھتے ہو اس شخص کے الفاظ میں نہ جانے کیا طاقت تھی کہ گویا مجھ پر ایک پہاڑ کا پہاڑ آن گرا۔ اس بار گراں سے نکل کر جان بچانے کا مجھے یہی ایک چارہ نظر آیا کہ چالیس دینار لا دوں۔ اور ان دونوں کو رخصت کروں۔

مرزا محمد نذیر صاحب عرشی

شہزادہ عباس اور مغیرہ خاتون

اسلامی سیرت اور اسلامی قانون

(رقم زدہ مسلم مصنف کتاب الاخلاق)

پشت پا زن تخت کیکاؤس را

سر بدہ از کف مدہ ناموس را (اقبال)

دیا بتی کا وقت ہے۔ سقف نیلگوں پر آفتاب عالمتاب کی جگہ ماہتاب اپنا جلوہ بکھیرنے کو ہے۔ قمر عروسِ نو کی مانند تڑپ رہا ہے کہ بادلوں کی زرنگار چادروں کو پرے پھینک کر اپنا ستھرا پاکیزہ اجلا اور نکھرا ہوا جوبن ساکنانِ ارض کو دکھائے۔ ستارے کامیاب تھیٹر کے ایکٹروں کی مثل ابھی پس پردہ مستور ہیں۔ ابھی انہوں نے مسکرانا شروع نہیں کیا جب رات کو کھیل شروع ہوگا سارے مل کر ہنسیں گے موذن کی اذان سننے کے لئے دجلہ کا پانی بھی ٹھہر گیا ہے۔ ندی کی لہریں شاید تخت آب مخلوق کو اپنی مخصوص بولی میں یہ کہہ رہیں ہیں کہ تم بھی اپنے خاص انداز میں آفرید کے گن گاؤ۔ دریا کا طویل ساحل عجیب پر اثر منظر پیش کر رہا ہے۔ موجیں خاص نظم اور خاص ترکیب و ترتیب کے ساتھ کنارے سے آ آکر ہم آغوش ہوتی ہیں اور پھر واپس ہو کر سرگرم سفر ہو جاتی ہیں لب ساحل پیہم و متواتر بلبلے پیدا ہو رہے ہیں۔ ان کی ہستی بھی دجلہ کی طرح فنا پذیر ہے۔ فرق اس قدر ہے کہ اول الذکر کی زندگی بہت ہی عارضی اور آخر الذکر کی نسبتاً بہت پائیدار ہے۔ کشتیوں والے عین دریا کے بیچ میں اور ساحل والے کنارے کنارے بیٹھے وضو کرنے میں مصروف ہیں۔ تاکہ نماز پڑھیں اور سجدہ ریز ہو کر بلسان مقال و بزبان حال اس حقیقت کا اظہار کریں کہ مسلمان کی پیشانی صرف ایک ہے اور وہ بجز ایک معبود کے کسی اور کی چوکھٹ پر جبیں سائی کرنے کے لئے تیار نہیں۔ ابھی ابھی سورج ضیا گستر تھا۔ لیکن اس وقت ڈوب گیا ہے۔ پانی میں اس کا عکس بھی دکھائی نہیں دیتا۔

کسی کی ایک طرح سے بسر ہوئی نہ انیس
عروج مہر بھی دیکھا تو دوپہر دیکھا

چاند چمکنے کو ہے لیکن پو پھٹنے سے پیشتر یہ بھی غروب ہو جائیگا۔ اس کی چمک دمک آب و

تاب رعنائی وزیبائی صبح کاذب تک ہے۔ صبح صادق کے وقت پھر نیر اعظم کا نور دنیا میں انقلاب پیدا کر دے گا۔ فرزندان توحید کو ابوالانبیا حضرت ابراہیم کا اسوہ حسنہ ہدایت کرتا ہے کہ ابدی ازلی اور سرمدی حسن ہی اس قابل ہے کہ اس پر دل نثار کر دیا جائے۔ فنا ہو جانے والی ہستیوں سے لو لگانا ایک مسلمان کے شایان شان نہیں۔

مامون الرشید:۔ تخت سلطنت پر خاندان عباسیہ کا یگانہ و فرزانہ تاجدار مامون الرشید براجمان ہے۔ رعایہ امن وامان کی دولت سے مالا مال۔ فارغ البال اور خوشحال ہے۔ مسلمان ہر قسم کی گزند سے مامون و مصئون ہیں۔ ثروت انکی لونڈی اور حکومت غلام ہے۔ غریب سے غریب انسان سلطان سے بالمشافہ گفتگو کر سکتا ہے۔ مظلوم اپنی فریاد عین دربار خسروی میں پیش کر سکتا ہے لیکن بڑے شہنشاہوں کو یہ تاب نہیں کہ اپنے مکتوبات خلیفۃ المسلمین کے نام بلا واسطہ ارسال کریں۔ ان کا فرض ہے کہ اگر امیر المومنین سے کچھ گزارش کرنا چاہتے ہیں تو وزیر کو اپنا مخاطب بنالیں۔

شکار:۔ اس پیکر سطوت و عظمت شہریار کا نور نظر شہزادہ عالی جاہ عباس مقام طائفۃ النمل کے متصل صید افگنی میں مصروف ہے۔ تھوڑے سے فاصلے پر ایک عربی شاعر اس مضمون کے اشعار گا رہا ہے۔

> اے انسان اگر قدرت نے تجھے قوت سماعت مرحمت کی ہے تو ذرا بلبل کا دلدوز ترانہ بھی سن اس لمبی اور نازک گردن سے جو آواز برآمد ہو رہی ہے اس پر بھی تو کان لگا۔ ذرا دیکھو تو سہی۔ اس کھجور پر کس قدر نور برس رہا ہے کیا چاند کے خوشہ دان میں خوشہ ہائے پروین نہیں رہے کہ اس نے میٹھی کھجوروں کو اپنی طرف کھینچنے کے لئے نور کی کمندیں پھینکی ہیں۔ کیا اس رات کا سکون دجلہ کی خاموش لہریں بلبل کا ترنم تیرے لئے کسی تسکین کا موجب نہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ ہمارا پیارا راگ رجز ہے۔ ہمارے بچوں کی نیند لوریاں سن کر نہیں بلکہ دفوں کی ضربوں سے آتی ہے۔ جو جنگ میں بڑے زور سے لگائی جاتی ہیں۔ لیکن انہیں بلانے کے لئے ان ضربوں کو ذرا ملائم یا تھپکیوں کی صورت میں تبدیل کرنا پڑتا ہے۔

نغمہ طراز کی سریلی آواز نے شہزادہ کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ لیکن شہزادے کا دل اچھے

خاصے فاصلے پر چلا گیا۔ کیونکہ وہاں سے ایک نور کے سانچے میں ڈھلی ہوئی پری تمثال حور نے عالم بیخبری میں اپنی زلفوں کا کمند صید افگن پر پھینکا جس میں اس کا دل اٹک کر رہ گیا۔ شہزادہ کا تجربہ یہ تھا کہ شکار بھاگا کرتے ہیں۔ لیکن یہ عجیب بات تھی کہ عباس چاہتا تھا کہ لپک کر ادھر ہی جائے۔ جدھر صیاد ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ شکار اس نوعیت کا تھا۔ جس کے پیچ در پیچ حلقہ کی گرہ کشائی حافظ کے ان الفاظ نے کی ہے۔

خلاص حافظ ازاں زلف تابدار مباد　　　　که بستگانِ کمند تو رستگار انند

حیرانی:۔ شہزادہ کی حیرانی حق بجانب تھی۔ وادی ازبس سنسان تھی۔ قدیم زمانہ میں روایت تھی کہ یہاں پریوں کا مسکن ہے۔ لیکن شہزادہ مسلمان تھا۔ ان توہمات پر ایمان لانے کو تیار نہ تھا۔ جن جھونپڑیوں سے چاند چمکا تھا وہاں غربت برس رہی تھی۔ پہلے لوگ یہ بھی کہتے تھے کہ گھاس پھوس کے ان کوٹھوں میں جنات اور دیو رہتے ہیں۔ مگر شہزادہ کی اسلام دوستی اسے سمجھنے سے قاصر تھی۔ البتہ اسے یہ تعجب ضرور تھا کہ یہاں کے رہنے والے عجب حسن ناشناس اور کافر نعمت واقع ہوئے ہیں کہ انہوں نے ایک حور شمائل خاتون کو پانی کا گھڑا بھرنے کے لئے بھیج دیا ہے۔ کیا اس گھر میں مرد کوئی نہیں رہتا۔ کیا یہ ساری بستی حسن کی نگرانی کہلانے کی مستحق ہے۔ یا ان حرمہروں میں یاقوت صرف ایک ہی ہے۔ جس کی تابانی ماہتاب کو خیرہ کر رہی ہے۔

ماہ میں کہاں، جو تاب رخ سیم تن میں ہے　　　　جالا سا عنکبوت کا چرخ کہن میں ہے

طلسم سکوت:۔ بادشاہ وقت کا فرزند لپک کر وہاں آیا جہاں خاتون کھڑی تھی۔ عباس اگر غضب کا منچلا اور دلیر نہ ہوتا تو اسے بات کرنے کی جرأت نہ ہو سکتی۔ لیکن اسے یہ پوچھنے کی ہمت ہو گئی "اے عورت تو کون ہے؟ تیرا نام کیا ہے؟ کس خاندان کی بہو بیٹی ہے؟ کیا تیرے گھر میں کوئی مرد نہیں؟ کیا تیرا کوئی شوہر نہیں؟ پانی کن کے لئے لے جا رہی ہے؟ یہاں سوالات کی بھرمار تھی اور وہاں طلسم سکوت طاری تھا۔

یاں لب پہ لاکھ لاکھ سخن اضطراب میں　　　　واں ایک خامشی تری سب کے جواب میں

خاتون کا جواب فقط خاموشی تھا۔ عباس انداز نقش پا کی دلفریبی ہی میں محو رہا اور خاتون نے اپنی کٹیا کی راہ لی۔

دیکھو تو دل فریبئ انداز نقشِ پا　　موجِ خرام یار بھی کیا گل کتر گئی

عباس اپنے خیمہ میں واپس آیا۔ خدام طعام لائے مگر اس نے کچھ نہ کھایا۔ چپ چاپ لیٹ گیا۔ ہزار کوشش کی کہ نیند آئے مگر نیند بالکل کافور ہو گئی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اسے نیند آ بھی نہیں سکتی تھی۔ کیونکہ اس کی آنکھیں کسی نظارہ میں محو تھیں۔ اور دل اس کے اثرات میں مستغرق تھا۔ اسے عجیب طرح کا عذاب تھا۔ اس نے عیش میں زندگی بسر کی تھی۔ وہ اس جگر دوز اور قلب سوز کوفت کا عادی نہیں تھا۔ اس لئے بار بار خیمہ سے باہر آتا کبھی ٹہل کر ادھر آتا کبھی ادھر جاتا۔ ستاروں کے سوا اس کا رازدار کوئی اور نہ تھا کیونکہ انہوں نے وار فتگی کا عالم اپنے پھٹے ہوئے دیدوں سے دیکھا تھا۔ اسے پتہ نہیں چلتا تھا کہ اسے کیا ہو گیا ہے۔ اس کا کلیجہ بیٹھا جاتا تھا۔ لیکن یہ نہیں کھلتا تھا کہ اس کا سبب کیا ہے۔ اس کا دل کچھ عجیب طرح کی چٹکیاں لے رہا تھا۔ لیکن معلوم نہیں ہوتا تھا کہ اس کی وجہ کیا ہے اسے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ کسی کا غیر مرئی ہاتھ اس کے جگر میں نشتر چبھو رہا ہے۔ لیکن غضب یہ تھا کہ نہ کہیں خون کا قطرہ دکھائی دیتا تھا اور نہ زخم کا کوئی نشان۔ وہ خاموش تھا لیکن زبان حال سے گویا تھا۔

درون سینہ من زخم بے نشان زدۂ　　بہ حیرتم کہ عجب تیر بے کماں زدۂ

کجا روم بہ کہ گویم بگو چہ چارہ کنز　　کہ تیر ہجر مرا، اندرونِ جاں زدۂ

آخر کار چاند کا پہرا ختم ہوا۔ رات کے سنتری فارغ ہو گئے۔ نور چمکا۔ اذان کی آواز ہوا کے دوش پر سوار ہو کر شہزادے کے کان سے ٹکرائی۔ وضو کیا۔ نماز پڑھی۔ قدرے افاقہ ہوا لیکن ناشتہ کی خواہش اب نہ تھی۔ اشتہا تھی کسی اور شے کی۔

نکاح کا پیغام۔ خدام کو بلا قدرے ماجرا کہہ سنایا۔ راز کو کسی قدر چھپایا کہ رعب شاہی کے دامن پر شکن نہ پڑ جائے۔ انہیں نشان بتایا۔ کہا کہ جاؤ اس کو ڈھونڈو۔ امن سے بات کرو۔ پوچھو۔ کہ اس کا نام کیا ہے۔ کس کی بیٹی ہے۔ کس خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔ اسے میری طرف سے نکاح کا پیغام دو۔ اس سے کہو کہ اس کی مظلومی پر مجھے ترس آ گیا ہے۔ چاہتا ہے کہ اس سے شادی کر لے۔ میرے دل میں اس نے گھر بنا لیا ہے۔ لیکن دل میں خوف خدا کی شاہی ہے۔ اس کی اجازت کے بغیر کسی کو آنے جانے کی طاقت نہیں ہو سکتی۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کی محبت میرے دل کی اقلیم میں

خدا کی وفادار بن کر رہے ہے۔ غدار بن کر نہ رہے۔ مسلمان کتنا ہی گشتہ اور وارفتہ کیوں نہ ہو جائے۔ شریعت کے فرمان سے سر تابی نہیں کر سکتا۔ میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ جلدی جاؤ اور وہ جو کچھ کہے اسے من و عن مجھے آکر سناؤ۔

مغیرہ بنت ازور:۔ خدام ہوا ہو گئے۔ انعام کے لالچ نے ان کے گھوڑوں کو بادپا بنا دیا۔ اور ان کے پاؤں میں غضب کی طاقت بھر دی:۔ ڈھونڈا۔ پتہ مل گیا۔ گفت و شنید کی۔ واپس آئے عرض کی حضور اس غیور و جسور خاتون کا نام مغیرہ ہے۔ اس کے باپ کا اسم گرامی ازور ہے۔ مغیرہ بن ازور خاندان برامکہ کی ایک شریف زادی ہے۔ یہ مظلومہ بیوہ ہے۔ اس کا شوہر حسین ابن موسیٰ مدت کا فوت ہو چکا ہے۔ نہ اس کا کوئی بھائی ہے نہ والی۔ نہ سرپرست۔ نہ مربی۔ اس کے دو ننھے بچے پھول سے زیادہ خوبصورت ہیں۔ یہ انہیں کے لئے اور انہیں کے سہارے زندہ ہے۔ شہزادہ عالیجاہ! آپ کے پیغام نکاح میں جس شوخ چشمی، بے باکی اور بے ادبی کا اظہار اس نے کیا۔ اس ناشائستگی کا اعادہ ہمارے لئے ناممکن ہے۔

یہ تاب یہ مجال یہ طاقت نہیں ہمیں

مختصر یہ کہ اس نے آپ کی دعوت کو بہ کمال تمرد ٹھکرا دیا۔ اور صاف انکار کر دیا۔

شہزادہ عباس: میں نے تمہیں چلتے ہوئے نصیحت کی تھی کہ وہ جو کچھ کہے مجھے انہیں الفاظ میں کہہ سنانا۔ یاد رکھو ہم لوگ سادگی پسند ہیں۔ تکلف کے دلدادہ نہیں۔ یہ عجمیوں کی عادت تم نے کہاں سے سیکھ لی۔ ہم صاف گو ہیں ایچ پیچ نہیں جانتے صاف کہو۔ کھل کر کہو اس نے کیا کہا۔ سمجھ لو کہ الامر فوق الادب اصل چیز اطاعت ہے۔ دگر پیچ، جھوٹ، تصنع، بناوٹ اور لگاوٹ کی باتیں کسی کام نہیں ہوتیں۔

یکے از خدام:۔ حضور والا، آپ کا پیغام اس کے حق میں پیام موت سے کم نہ تھا۔ بھوکی شیرنی کی طرح غرا کر بولی۔ اے شہزادہ کا پیغام لانے والو ایک غمدیدہ عورت کا پیغام بھی اسے پہنچا دو۔ تم اس کا نمک کھاتے ہو اور میرے اسلامی بھائی ہو، وہاں سے انعام کی امید ہے۔ مجھ سے نیک دعا کی امید رکھو پیارے بھائیو! دعا انعام سے کم قیمت نہیں ہوتی۔ لو ان کنتم تعلمون بشرطیکہ تم اس حقیقت کو سمجھو۔ کہہ دو کہ اگر عباس نے اس کنیا کا رخ کیا تو اس کی ولیعہدی کو یہیں دفن ہونا پڑے گا مجھ کو

کسی سے نکاح منظور نہیں۔ صرف اپنے بچوں کی پرورش مطلوب ہے۔ جواب کی یہ تلخی اس لئے ہے کہ اس نے مجھے اس طرح دیکھا تھا کہ مسلمان اس شان سے اجنبی عورت کو نہیں دیکھا کرتا۔ جب امیر المومنین کے بیٹے کا یہ حال ہے تو دوسروں کی کیا حالت ہو گی۔

بہ نیم بیضہ کہ سلطاں ستم روا دارد　　زنند لشکریانش ہزار مرغ بہ سیخ

عباس:۔ بہت خوب۔

بدم گفتی و خورسندم عفاک اللہ نکو گفتی　　جواب تلخ می زیبد لب لعل شکر خارا

شہزادہ کو خدا معلوم کیا سوجھی کہ اس نے بادل ناخواستہ اس خادم کو حکم دیا کہ جاؤ۔ اس جھونپڑی کی ملکہ کو یہ کہہ دو کہ اگر اسے قصر شاہی کی ملکہ بننا منظور نہیں وہ اس مکان کو دو گھنٹہ سے پیشتر خالی کر دے کیونکہ یہ اس کی ملکیت نہیں۔ ورنہ اسے سخت سزا بھگتنی پڑے گی۔ دیکھنا بات نرمی سے کرنا۔ اس سے مقصود اس کو مرعوب کرنا ہے۔ ستانا نہیں۔ ہر کارہ گیا جرأت کی پتلی۔ شرافت کی پیکر، نیکی کی تصویر اور عصمت کی دیوی نے اس فرمان قضا توامان کی فی الفور تعمیل کی۔ گھر میں نور خدا کے سوا دنیا کا سامان بہت کم تھا۔ اس نے ایک بوسیدہ مگر اجلی چادر زیب سر کی اور بچوں گود میں لے کر باہر نکل آئی۔ قریب تھا کہ ہر کارہ کی چیخ نکل جائے لیکن اس نے اس کی نظر بچا کر اپنے آنسو پونچھے اور جنگل کی راہ لی۔"

دربار خسروی:۔ مغیرہ کو آغوش اسلام نے پالا تھا۔ اسے غیرت ایمانی کی گھٹی پلائی گئی تھی اسے معلوم تھا کہ ایک مومنہ قانتہ کو حیات مستعار کس شان سے بسر کرنی چاہئے۔ مغیرہ نادار مگر خوددار تھی۔ اس کی رگوں میں توحید کا خون موجزن تھا۔ اسے اس راز سے آگاہی تھی کہ بے جا رعب سے مرعوب ہو جانا ایک طرح کا کفر ہے۔ شرک یہی ہے کہ خالق کے بجائے مخلوق سے خواہ وہ کتنی ہی جلیل القدر کیوں نہ ہو خوف کھایا جائے۔

آنکہ رمز مصطفیٰ فہمیدہ است　　شرک را در خوف مضمر دیدہ است

مسلمان عورت کفن کو پسند کر سکتی ہے لیکن اپنی حیا کی چادر کو میلا دیکھنا پسند نہیں کر سکتی مغیرہ کو احکم الحاکمین کی ذات پر بھروسہ تھا۔ اسے اس امر کا احساس تھا کہ مسلمان مردہ نہیں بلکہ زندہ

ہیں۔ان کے دلوں میں عشق توحید کی آگ بھڑک رہی ہے۔ فرزندان اسلام کو مشاوات، انصاف اخوت کا جو سبق نبی امی نے پڑھایا تھا اسے انہوں نے بھلایا نہیں۔ انہیں حیات منظور ہے۔ ہلاکت مطلوب نہیں۔ امیر المومنین کے دربار میں قاضی بھی ہوتے ہیں علماء بھی۔ ہو نہیں سکتا کہ انہیں اپنے نبی کا یہ ارشاد یاد نہ ہو کہ "اے مسلمانو اس امر کو یاد رکھو کہ تم سے پہلے جو قومیں ہلاک ہوئیں ان کی عادت یہ بھی تھی کہ جب ان میں سے کوئی بڑا شخص جرم کرتا تو اسے معاف کر دیتے اور اگر کوئی چھوٹا شخص کوئی قصور کرتا تو اسے سزا دیتے اس خدائے پاک کی قسم جس کے قبضہ میں محمد ﷺ کی جان ہے۔ اگر میرے جگر کا ٹکڑا فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی چوری کی مرتکب ہوگی تو میں اس کے ہاتھ کاٹ ڈالوں گا"۔ امید ہے کہ میری فریاد رائیگاں نہیں جائے گی۔ میرا استغاثہ رد نہیں ہوگا۔ عدالت شاہی کے دروازہ پر جو دربان کھڑے ہیں۔ ان کا فرض صرف اطلاع کرنا ہے۔ روکنا نہیں۔ وہ میرے اسلامی بھائی ہیں۔ مجھ کو ہرگز نہیں روکیں گے۔ مغیرہ دربارِ خسروی میں جا ہی دھمکی۔ مامون الرشید کے پہلو میں شہزادہ عباس بھی جلوہ افروز تھا۔ مغیرہ کو دیکھتے ہی اس کے بدن پر رعشہ طاری ہو گیا۔

جان حریت تقریر: مغیرہ نے السلام علیکم یا امیر المومنین کہہ کر بہ کمال بلند آہنگی اپنے دل کی بھڑاس ان الفاظ میں نکالی۔ "اے ناموس شریعت کے محافظ، رمت اسلام کے پاسبان، آئین قرآن کے نگہبان، مسند نبوی ﷺ کے متمکن میں تجھ کو مبارکباد کہنے آئی ہوں کہ ایک بیوہ کے جھونپڑے پر متصرف ہو جانے سے تیرے مال و متاع میں بیش بہا اضافہ ہو گیا ہے۔ کاش میری داستان سننے کے لیے آج یہاں فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہوتے تو اچھا ہوتا۔ تو گو منصف ہے لیکن ان جیسا کہاں مجھے اس جرم میں غریبانہ جھونپڑے کی سکونت سے محروم کیا گیا ہے کہ مجھے عباس کی ملکہ بننا منظور نہ تھا۔ آہ مجھے اسلام نے تو اختیار دیا ہے کہ جو مجھے نکاح کا پیغام دے چاہوں تو اسے قبول کروں اور چاہوں تو اسے رد کر دوں۔ لیکن تمہارے بیٹے کا تو حکم تھا۔ کہ خدا کی حکومت کے بخشے ہوئے اختیارات چھین لے۔ اے شہنشاہ تجھ کو معلوم ہونا چاہیے کہ سلطنت تو فقط اسی کو زیبا ہے جس نے کائنات کو نیست سے ہست کیا ہے۔ وہ اگر چاہے تو چشم زدن سے پیشتر

بادشاہوں کو گدا اور بے نواؤں کو سلطان بنا سکتا ہے۔ قیامت ضرور آئیگی۔ اگر تو نے میری دادرسی نہ کی تو میرا ہاتھ ہوگا اور تیرا دامن۔ ازراہ کرم میری فریاد سن۔ دادخواہوں کی بھی نالش کا کوئی دن ہوگا میرا اور آپ کا انصاف اسی دن ہوگا۔

مساوات:۔ مامون الرشید کے کہنے پر مغیرہ نے کل داستان کہہ سنائی۔ سلطان امیر المومنین کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ غضبناک ہو کر عباس کی طرف دیکھا اور کہا او مغرور ظالم مغیرہ کے برابر کھڑا ہو جا۔ اسلام اس ظلم کو گوارہ نہیں کر سکتا کہ مدعی اور مدعا علیہ میں کوئی امتیاز روا رکھا جائے۔ مغیرہ بولی بلاشک وشبہ میں نے یہ کہا تھا کہ اگر عباس ادھر آنے کا قصد کرے گا تو زندہ نہ جائے گا۔ درباری نے ٹوکنا چاہا۔ امیر المومنین نے ڈانٹ کر کہا او مردود کیا بکتا ہے تجھے کیا حق ہے کہ اس مظلومہ کو اظہار حق سے روکے۔ او نالائق تو کیا بہرہ اور اندھا ہو گیا۔ سنتا اور دیکھتا نہیں کہ سچائی مغیرہ کی حوصلہ افزائی کر رہی ہے۔ اور ظلم نے عباس کی طاقت گویائی سلب کر رکھی ہے۔

معافی:۔ مامون الرشید کے حکم سے اشرفیوں کی چار پانچ تھیلیاں مغیرہ کے قدموں میں پھینک دی گئیں اسے کہا گیا کہ اگر تو چاہے تو عباس کو معاف کر سکتی ہے۔ ورنہ اسے قرار واقعی سزا دینے پر آمادہ ہوں۔ مغیرہ نے کہاں میں معزز مقتدر بھائی کو معاف کرتی ہوں۔ اس نے مجھے کافرانہ نگاہوں سے دیکھا میرے دل میں اس کے خلاف نفرت وحقارت کا جذبہ موجزن ہوا۔ وہ جذبہ مجھے یہاں لے آیا۔ آج اس کی آنکھیں مومنانہ انداز سے اشکبار ہیں۔ اس لئے وہ احترام کا مستحق ہے۔ امید ہے کہ وہ بھی میری گستاخی کو معاف کر دے گا۔ میں دعا کرتی ہوں کہ شہزادہ عباس اللہ تعالیٰ کا مخلص بندہ اور خلفاء راشدین کا جانشین ثابت ہو۔

یافت مورے بر سلیمانے ظفر　　　سطوت آئین پیغمبر ﷺ نگر

آداب المریدین

حضرت ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ کی نصیحتیں

نامور صوفی ممتاز ولی۔ باخدا فلسفی حضرت مولانا محی الدین ابن عربیؒ ۵۶۰ ہجری میں ہسپانیہ (اندلس) کے مشہور شہر مرسیہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے مرید بیشمار تھے۔ آپ نے ارادت کیشوں کو جن اخلاقی ہدایتوں سے نوازا۔ ان کا ترجمہ حسب ذیل ہے۔

ضروریات حیات

(۱) اے مرید! جب انسان میں خواہشاتِ نفسانی کا پودا پیدا ہو جاتا ہے تو اس ناپاک پودے کا اکھیڑنا ایک بہت ہی مشکل کام ہو جاتا ہے۔ اس لئے خواہشاتِ نفسانی کے اس ناپاک پودے کو پیدا نہ ہونے دینے کے لئے اشد ضروری ہے کہ ضروریات زندگی میں وسعت و راحت اختیار نہ کی جائے۔ بلکہ خواہش سے بہت کم ضروریات زندگی کو استعمال میں لایا جاوے تاکہ نفس میں یہ ناپاک پودے اگنے نہ پائیں۔

خوراک

(۲) اے مرید! تمہیں یہ بھی ضروری ہے کہ کم کھایا کرو۔ کیونکہ کم کھانے سے جسم میں سستی پیدا نہیں ہوتی۔ اور عبادت کرنے کے لئے طبیعت تیار رہتی ہے۔ نیز کم کھانے سے عبادت میں لطف بھی زیادہ آتا ہے۔

تلاوت قرآن

(۳) قرآن مجید ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔ جس آیت سے سوال واجب ہوتا ہو۔ اس میں اللہ تعالیٰ سے سوال کرو اور عبرت والی آیت سے عبرت و نصیحت حاصل کرو۔ ہر ایک آیت سے جو جو بات ثابت ہوتی ہو اس پر عمل کرو۔ یعنی جہاں اعوذ باللہ پڑھنا واجب ہو۔ وہاں اعوذ باللہ پڑھو اور جس آیت سے استغفار ثابت ہوتا ہو۔ اس میں استغفار پڑھو۔ جب تم قرآن مجید میں مومنوں کی صفات پڑھو تو دیکھو کہ ان میں سے تم میں کوئی صفت پائی جاتی ہے یا نہیں۔ اگر پائی جاتی ہو تو اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لاؤ

اور اگر نہ پائی جائے تو اس صفت کو حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ اسی طرح جب تم منافقوں اور کافروں کی صفات پڑھو تو سوچو کہ تم میں تو کوئی کفر و نفاق کی صفت موجود نہیں ہے؟ اگر موجود ہو تو اس کو دور کرنے کی سعی بلیغ کرو ہمیشہ قرآن مجید اسی طرح پڑھا کرو۔ اور اس طریقہ تلاوت کو اپنا وظیفہ بنالو۔

نفس محاسبہ

(۴) اے مرید! تمہارے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اپنے نفس کا محاسبہ (حساب و کتاب) کیا کرو۔ اور اپنے دل اور خیالات کی نگرانی رکھو۔ دل میں خدا تعالیٰ سے شرم و حیا رکھو کیونکہ اگر تم خدا سے شرم و حیا کرنے لگ جاؤ گے تو تمہارے دل میں اس قسم کے خیالات کا گزر ہی نہ ہوگا جو کہ اللہ تعالیٰ کو برے لگیں اور تم سے کوئی حرکت صادر نہ ہوگی جو خدا تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث ہو۔ ہمارے ایک مرشد اپنی دن بھر کی حرکات و سکنات کو قلمبند کرتے رہتے تھے۔ جب رات ہوتی تو روزنامچہ اعمال سامنے رکھ کر نیکیوں اور بدیوں کا محاسبہ اور موازنہ فرمایا کرتے تھے۔ میں نے اپنے مرشد کی اس سنت میں یہ بات اور بڑھائی ہے کہ میں علاوہ اعمال کے اپنے دلی خیالات نیک و بد کو بھی قلمبند کرلیا کرتا ہوں۔

اوقات کی نگرانی

(۵) اے مرید! تم پر بھی یہ لازم ہے کہ اوقات کی اس طرح نگرانی اور پابندی کرو کہ ہر وقت یہ دیکھتے رہو کہ فلاں وقت میں از روئے شرع تم پر کون سا کام ضروری ہے اور فلاں وقت میں کون سا کام ممنوع و ناجائز ہے جو اعمال خاص خاص اوقات کے ساتھ مخصوص ہوں ان کو اچھی طرح بجا لاؤ۔ فرض کا وقت ہو تو فرض ادا کرو۔ اور اگر مباح کا وقت ہو تو اس میں بھی ہر قسم کی نیکی کرنے کی سعی کرتے رہو۔ جب تم کوئی نیک کام کرنے لگو تو دل میں یہ خیال نہ کرو کہ میں اس عمل کے بعد زندہ رہوں گا۔ اور کسی نیک کام کا مجھے پھر بھی موقع ملے گا۔ نہیں نہیں بلکہ یہی تصور رکھو کہ یہ آخری وقت ہے جس میں اپنے پروردگار کی ملاقات کر رہا ہوں۔ اس کے بعد مجھے نیک عمل کرنے کا موقع ملے یا نہ ملے۔ اگر تم اس قسم کا تصور دل میں پختہ کرلو گے تو تم اللہ کے مخلص بندے بن جاؤ گے اور در اصل اخلاق پر تمام اعمال کا دار و مدار ہے۔

اخلاق حسنہ

(۶) اے مرید! تم پر یہ بھی واجب ہے کہ اخلاق حسنہ کی جستجو رکھو اور جب تم کو کوئی اچھی خصلت معلوم ہو جائے تو اس کو قبول کر کے اسے اپنا معمول بنالو اور عادتِ بری ہو اس سے پرہیز کرتے رہو۔ یاد رکھو کہ جو شخص کسی اچھی خصلت کو اختیار کرتا ہے اس سے اس کے مقابل کی بری خصلت چھوٹ جاتی ہے۔ نیز یہ بھی یاد رکھو کہ جس طرح مخلوقات کی بہت سی قسمیں ہیں۔ اسی طرح اخلاق و خصائل کی بھی بہت سی اقسام ہیں۔

خدا تعالیٰ کی رضا

(۷) اے مرید! تمہیں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ لوگوں کے ساتھ کون کون سے اخلاق حسنہ برتنے چاہئیں۔ سب سے اعلیٰ خلق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کو آرام و راحت پہنچایا جائے اور ان کی تکلیف کو دور کیا جائے۔ پھر بھی یاد رکھو اخلاق حسنہ کو استعمال کرتے وقت خدا تعالیٰ کی رضامندی پیش نظر رکھنی ضروری ہے۔

حیوانات پر شفقت

(۸) اے مرید! حیوانات سے نیک سلوک رکھو ان پر شفقت و مہربانی کرو۔ طاقت سے زیادہ بوجھ نہ لادو۔ اور غرور و گھمنڈ کے لئے ان پر سواری نہ کرو۔ خدا تعالیٰ کا شکر کرو کہ اس نے کیسے کیسے طاقتور جانور تمہارے مطیع و فرمانبردار بنا دیئے ہیں۔

خاندان پر احسان

(۹) اے مرید! اپنے کنبہ اور خاندان والوں سے نیک سلوک رکھو کیونکہ وہ سارے کے سارے عیال ہیں۔ اور تم ان میں سے ایک فرد معین اور اجتماعی نظام کے ایک رکن رکین ہو تم جیسا سلوک اللہ تعالیٰ سے کرنا چاہتے ہو ویسا ہی اس کی مخلوقات کیساتھ سلوک کرو۔ تم اپنی اولاد کو محض خدا کی رضامندی کے لئے قرآن کریم کی تعلیم دو۔ اس تعلیم قرآن سے تمہاری کوئی دنیاوی غرض مقصود نہ ہو۔ نیز اپنی اولاد سے احکام شریعت اور مذہبی امور کی سختی سے پابندی کراؤ۔ بچپن ہی سے اپنی اولاد کو ریاضت کا عادی بناؤ۔ اور اس کے دل میں خواہشات نفسانی پیدا نہ ہونے دو۔ ہر وقت دنیا کے مال و جاہ اور اس کی زینت و زیبائش کو اس کی نظروں میں حقیر و ناچیز بنانے کی کوشش کرتے رہو اور یہ

بھی اپنی اولاد کو بخوبی سمجھادو۔ کہ دنیاداروں کی زینت وزیبائش آخرت کے عیش وعشرت کے مقابلہ میں کس قدر کم ہے اور طالب آخرت کا عیش و آرام دنیا سے کس قدر زیادہ ہے مگر یہ کام بخل و کنجوسی کے باعث نہ ہو بلکہ محض خدائی رضامندی کے لئے ہو۔

غصہ

(۱۰) غصہ کو پی جانا نہایت ضروری امر ہے۔ کیونکہ یہ سینہ کی کشادگی کی علامت ہے۔ جب تم نے غصے کو پی لیا تو خدا تعالیٰ کو راضی اور شیطان کو ناراض کر لیا۔ اور اپنے نفس کو مغلوب کر لیا۔ اور اس کی سرکشیوں کے سامنے گویا تم نے سد سکندری قائم کر دی۔ جس شخص پر تمہیں غصہ آیا اور پھر تم اس غصے کو ضبط کر گئے اور مخالف کا ترکی بہ ترکی جواب نہ دیا۔ تو وہ مخالف تم سے خوش ہو جائے گا۔ اور اس کے دل پر تمہاری محبت کا سکہ بیٹھ جائے گا۔ نیز وہ تمہاری اس غصے کی ضبطی کو دیکھ کر حق وانصاف کو قبول کرلے گا اور اپنے ظلم و بے انصافی کا اعتراف کرنے لگ جائے گا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ بھی تم سے معافی کا خواستگار ہو تم اس وقت اس کے ساتھ خوش خلقی کے ساتھ پیش آؤ یہ نیکی قیامت کے روز تمہارے نامہ اعمال میں موجود ملے گی۔ پھر سب سے زیادہ فائدہ اور مسرت کی بات یہ ہے کہ جب غصے کو پی جاؤ گے تو اللہ تعالیٰ بھی تمہارے بعض ایسے افعال واعمال کا مواخذہ نہ کرے گا جو غضب الٰہی کا موجب ہوں۔ کیونکہ جب تم نے کسی ایسے شخص کو معافی دے دی جس کا کوئی فعل تمہارے غصے کا باعث ہو جائے تو اللہ تعالیٰ تم کو اس ضبط پر ضرور بالضرور اجر عظیم عطا فرمائے گا۔ اس سے بڑھ کر اور کون سی بات ہو سکتی ہے کہ تم اپنے کسی بھائی کا قصور معاف کر دو۔ اور اس کی ایذا رسانی پر صبر کرو اور غصے کو پی جاؤ کیونکہ خدا تعالیٰ تم سے جو سلوک کرانا چاہتا ہے وہی سلوک تمہارے ساتھ کرنے کے لئے آمادہ ہے۔ اس صفتِ (ضبطی غصہ) کو حاصل کرنے میں سعی بلیغ کرو۔ کیونکہ یہ صفت لوگوں کے دلوں میں محبت کا بیج بو دیتی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ہم کو ایک دوسرے سے محبت وسلوک کرنے کا حکم دیا ہے یہ صفت دوسرے کے دل میں کامل محبت پیدا کرنے کا ایک اعلیٰ سبب ہے۔

اکابر ہنود

اقوال ہری جی بھرتری

فاضل سنسکرت

(۱) سب سے پہلے اور بڑی خدمت جو تم ملک اور قوم کے لئے کر سکتے ہو یہ ہے کہ تم ان کے لئے ایک ایسی اولاد مہیا کرو جو جسمانی وذہنی اور روحانی لحاظ سے سب سے افضل ہو۔

(۲) پسندیدہ عادت شہد کی مکھی کی طرح ہے جو ہر پھول سے شہد نکالتی ہے اور بری عادت مکڑی کی طرح ہے جو اچھے پھولوں سے بھی زہر چوستی ہے۔

(۳) بادشاہ کو برے مصاحبوں کی رائے پر کاربند نہ ہونا چاہئے کہ یہ تباہی لاتا ہے۔

(۴) اولاد بے جالاڈ پیار سے بگڑ جاتی ہے۔

(۵) نیک صحبت دلوں سے جہالت دور کر کے انہیں منور کر دیتی ہے۔ اچھی صحبت راستی کی طرف راغب کرتی ہے اور جھوٹ کو زبان سے اس طرح پاک کرتی ہے جیسے پانی کثافت کو، نیک صحبت ترقی کی راہ راست بتاتی ہے۔

(۶) دولت پر علم کو ترجیح حاصل ہے علم سے دولت حاصل ہو سکتی ہے مگر دولت سے علم نہیں حاصل ہو سکتا۔

(۷) بری اولاد اس طرح خاندان کو خراب کرتی ہے۔ جیسے ایک مچھلی تالات کو گندہ کر دیتی ہے۔

(۸) انسان کا زیور جواہرات نہیں بلکہ علم ہے۔

(۹) وہی لوگ زمانہ کے نشیب و فراز سے خوب واقف ہیں جو اپنے عزیزوں کے ساتھ سلوک کرتے ہیں۔ شناساؤں اور اجنبیوں دونوں سے بہ تلطف پیش آتے ہیں۔ بدی سے بچتے ہیں۔ نیکی کو دل سے چاہتے ہیں۔ دشمن کا مقابلہ بہادری سے کرتے ہیں اور بڑوں کا ادب کرتے ہیں۔

(۱۰) پانی سے آگ بجھ جاتی ہے چھتری سے دھوپ رک سکتی ہے۔ آنکس سے مست ہاتھی مطیع ہو سکتا ہے لکڑی سے دوسرے جانور قابو میں آسکتے ہیں۔ ہر بیماری کے لئے ایک دوا ہے جس نے وہ

دور ہو سکتی ہے۔اور ہر گناہ کی تلافی کے لئے کوئی نہ کوئی طریق ہے لیکن احمقوں کی حماقت کسی طرح دور نہیں ہو سکتی۔

(۱۱)راستی کوئی ایسی چیز نہیں کہ بزرگوں کی صحبت سے نہ حاصل ہو سکے۔

مہابھارت کی باتیں

یہ ہندوؤں کی مشہور مذہبی اور تاریخی کتاب ہے۔

(۱)عالم شباب، حسن صورت اور دولت مندی سب فنا ہونیوالی چیزیں ہیں۔

(۲)نیک نفسی سے انسان ثواب پاتا ہے نہ کہ اعلیٰ خاندان سے۔

(۳)ہر کام تقدیر پر نہ انحصار کھا جائے کیونکہ بغیر تدبیر کے کوئی کام پورا نہیں ہو سکتا۔

(۴)چراغ میں جب تک تیل رہتا ہے اسی وقت تک وہ جلتا ہے۔

(۵)وہ درخت جو بہت قریب قریب اگتے ہیں ہوا کے سخت سے سخت جھونکے کا مقابلہ کر سکتے ہیں کیونکہ ہر ایک درخت دوسرے کو سنبھالتا ہے۔

(۶)بُری حکومت بُری عورت اور بُرے دوست کا ہونے سے نہ ہونا بہتر ہے۔

(۷)میں برہمن اس شخص کو کہوں گا جو غصہ اور غضب کا عادی نہ ہو۔ نیک کام کرتا ہو اور اس میں خود نفسی نہ ہو۔

(۸)وفاشعار عورت روحانی مسرت کا بہترین ذریعہ ہے خوش گفتار عورت خلوت میں ساتھی اور صلاح ومشورے میں باپ اور مصیبت میں ماں ہے۔

(۹)قابل تعظیم وہ شخص ہے جو قانع ہو۔ صاحب قناعت ہی ہمیشہ خوش رہتا ہے۔

(۱۰)انسان کا سب سے بڑا دوست اس کی عورت ہے۔

(۱۱)مال صرف ہونے کے تین طریقے ہیں (۱) خیرات (۲) اپنے ذاتی مصارف (۳) بربادی اگر پہلے دو طرح سے مال صرف نہ ہوگا۔ تو تیسری طرح برباد ہو جائے گا۔

(۱۲)صبر سے دولت اور مسرت اور ثواب حاصل ہوتا ہے۔ خدائے پاک صبر کو پسند فرماتا ہے۔

(۱۳)جس عابد میں صبر نہیں وہ اس پانی کی طرح ہے جو ایک ایسے گھڑے میں ہو جس میں سوراخ ہو

بے صبر آدمی کا روزہ نماز بے کار ہے۔

(۱۴) چغلی کھانے والا اور دوست کے ساتھ بیوفائی کرنے والا ضرور بالضرور تکلیف اور عذاب میں مبتلا ہوگا۔

(۱۵) جس قسم کی انسان کی فطرت ہوتی ہے اسی قسم کے لوگوں کی صحبت کا وہ ہمیشہ متلاشی رہتا ہے اور اس کے اثر سے متاثر ہوتا ہے۔

(۱۶) باپ کے بعد بڑا بھائی مثل باپ کے ہے اور اس کی بیوی مانند ماں کے اس لئے چھوٹے بھائی کو بڑے بھائی کی اطاعت اور بڑے بھائی کو چھوٹے بھائی پر شفقت رکھنی لازم ہے۔

(۱۷) نیکوں کی صحبت جنت اور بروں کی دوزخ ہے۔

(۱۸) نیک آدمی کی صحبت ایک گھڑی یا آدھی گھڑی یا اس سے بھی کم وقت میں بہت سے عیبوں کو دور کر دیتی ہے۔

(۱۹) کسی کو یہ لازم نہیں کہ اپنے دروازہ سے سائل کو حقارت سے بغیر اس کا مطلب پورا کئے ہوئے لوٹا دے۔ ایک کتے اور ایک خانماں سے مہربانی کا سلوک کرو اور اس طرح تم اپنی باری سے برکت دیے جاؤ گے۔

(۲۰) نیک لوگ اپنی دوستانہ توجہ ایسے آدمیوں کی طرف بھی مبذول کرتے ہیں جو خواہ ادنٰی اور بے ہودہ ہی ہوں کیونکہ کمینے چنڈالوں کے گھروں پر بھی روپہلی چاندنی (یعنی آفتاب و مہتاب) کی کرنیں پڑتی ہیں۔

(۲۱) نیکی کا کل مجموعہ اس جملہ میں ہے۔ اس کو سنو اور دل نشین کرو۔ اور دل سے کبھی ایسا سلوک نہ کرو۔ کہ تم سے کیا جاوے تو تم کو رنج ہو۔

(۲۲) جو شخص ثواب چاہتا ہے اس کو اور کسی طرح کی عبادت کی ضرورت نہیں۔ والدین کی اطاعت کافی ہے۔ باپ کی اطاعت سے سب دیوتا خوش ہوتے ہیں۔

(۲۳) روح ایک ایسی چیز ہے جس کو نہ کوتیز ہتھیار کاٹ سکتا ہے نہ آگ جلا سکتی ہے نہ پانی اس کو گلا سڑا سکتا ہے نہ ہوا خشک کر سکتی ہے۔

(۲۴) خدا کو یاد کرتے رہو۔ اسی طرح تم کو اس کا وصال نصیب ہو جائے گا۔

(۲۵) جب انسان کے دل میں دنیاوی آرزو پیدا ہوتی ہے تو معرفت کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ لیکن جب ساری آرزوئیں دل سے نکل جاتی ہیں تو خدا تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے۔

(۲۶) جو شخص یہ خیال رکھے کہ باتوں سے مجھ کو صدمہ پہنچتا ہے ان سے دوسروں کو بھی صدمہ پہنچے گا تو یقیناً وہ کسی گناہ کا مرتکب نہ ہوگا مگر جو شخص دوسروں کو اپنی زبان، افعال یا خیال سے صدمہ پہنچانے کی کوشش کرتا ہے وہ اپنے حق میں کڑوے بیج بوتا ہے جو آئندہ زمانہ میں بڑے ہو کر تکلیف کے پھل لائیں گے۔

(۲۷) تنگ حوصلہ لوگ پوچھا کرتے ہیں کہ فلاں آدمی ہماری قوم کا ہے یا ہماری ذات کا ہے۔ عالی حوصلہ لوگ کل بنی نوع انسان سے بھائیوں کی طرح برتاؤ کرتے ہیں۔

(۲۸) جب تم نے اس دنیا میں قدم رکھا تو لوگ خوشی کے مارے ہنستے تھے اس لئے تم کو چاہئے کہ ایسے کام کرو کہ مرنے کے بعد کوئی تمہارے پیچھے نہ ہنسے۔

(۲۹) سچائی سے کوئی چیز بڑی نہیں اور سچائی کو سب سے بزرگ سمجھنا چاہئے۔

(۳۰) خواہشات سے جو برائیاں پیدا ہوتی ہیں وہ تین ہیں:۔ (۱) دروغ گوئی (۲) بد چلنی (۳) بلا کسی سبب کے کینہ پروری

(۳۱) چکنی چپڑی باتیں بنانے کو تو بہت لوگ ہیں مگر ناصح عاقل عنقا صفت ہے۔

(۳۲) جو بادشاہ اپنی رعایا کی حفاظت نہیں کرتا وہ گناہ گار ہے اور جو حفاظت کرتا ہے وہ عابدوں اور زاہدوں کے چوتھائی ثواب کا مستحق ہے۔

(۳۳) رعایا بادشاہ کے قدم بقدم چلتی ہے۔

(۳۴) جو کام بڑے آدمی سے سرزرد ہوتا ہے۔ دوسرے لوگ بھی اس کی پیروی کرتے ہیں۔

(۳۵) سب سے خراب وہ بادشاہ ہے جو اپنے دوستوں سے وعدہ کر کے پورا نہیں کرتا جو شخص ایک گھوڑا دینے کا وعدہ جھوٹا کرتا ہے وہ سو گھوڑوں کے مار ڈالنے کا گناہگار ہے اور جو مہربانی کا عوض نہیں دیتا وہ گردن زدنی ہے۔

(۳۶)انسان قسمت سے مقابلہ نہیں کر سکتا۔ سب کا انجام موت ہے جس طریق سے ایک مضبوط اور عالی شان عمارت زمانہ کے ہاتھوں ضرور منہدم ہو جاتی ہے۔ اسی طرح انسان کمزور ہو جاتا ہے۔

(۳۷)خاندانی تعلقات کس کام کے ہیں۔ انسان تنہا آتا ہے اور تنہا مرتا ہے۔

(۳۸)جیسے مکھیوں کا جمع کیا ہوا شہد دوسرے کے کام آتا ہے۔ اسی طریق پر بخیلوں کا مال اوروں کے تصرف میں آتا ہے۔

(۳۹)راست بازی میری ماں ہے اور حق میرا باپ ہے۔ سلامت روی میرا بھائی۔ حلم میری زوجہ اور صبر میرا فرزند ہے۔

(۴۰)گولر کا پھول اور سفید کوا ممکن ہے۔ مگر کسی عورت کے دل کی بات پا جانا غیر ممکن ہے۔

(۴۱)کیا گنگا میں اشنان کرنے سے کوا ہنس ہو سکتا ہے۔

(۴۲)کہیں صرف سوراخ کے منہ پر پیٹنے سے سانپ مر سکتا ہے۔

(۴۳)بڑی بڑی ندیاں۔ بڑے بڑے درخت۔ کار آمد پودے اپنے لئے نہیں پیدا کئے گئے۔ بلکہ دوسروں کے کام آنے کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔

(۴۴)تین شخصوں کا امتحان تین حالتوں میں کیا جاتا ہے۔ بہادر کا امتحان میدان جنگ میں۔ دوست کا امتحان ضرورت کے وقت اور عقل مند کا غیظ و غضب کی حالت میں۔

(۴۵)جیسے کوچوان شوخ گھوڑے کو اپنے قبضہ میں رکھتا ہے۔ اسی طرح تو بھی اگر عقلمند ہے۔ تو اپنے جذبات کو روک۔ کیونکہ اگر وہ بے قابو ہو جائیں گے تو پھر تیری خرابی ہے۔

دانشورانِ یورپ کے اقوال

(۱)کیا تمہیں بڑا بننے کی خواہش ہے؟ اگر بڑا بننا چاہتے ہو تو پہلے چھوٹے بننے کی کوشش کرو۔ جب کوئی رفیع الشان عمارت بناؤ تو اس کی چھوٹی چھوٹی بنیادوں کی طرف سے غافل نہ ہو۔

(۲)عمدہ کتابوں کے پسند کرنے سے خود ایک عمدہ کتاب بن جانا بہتر ہے۔ میں اس بچے کی طرح ہوں جو سمندر کنارے کنکروں اور پتھروں سے کھیلتا ہو اور جس کے سامنے سچائی کا ایک بحر ذخار لہرا رہا ہو۔

(۳)میرے خیال میں قرض کا فی الفور ادا کر دینا انسان کا اخلاقی فرض ہے۔

(۴)جو شخص مصیبت کا بوجھ بخوش اسلوبی اٹھا سکتا ہے۔وہی سب سے بہتر کام کرتا ہے۔

(۵)دولت کی زیادتی نوجوانی کی تباہی کا ذریعہ ہے(بیکن)

(۶)جتنی خدمت اور فرمانبرداری تم اپنے ماں باپ کی کروگے۔اتنی ہی کی تم اپنی اولاد سے امید کر سکتے ہو۔(تھیلو)

(۷)راحت کی جڑ خدا پرستی ہے۔(فیثا غورث)

(۸)ناممکن ایک ایسا لفظ ہے جو صرف احمقوں کی لغت میں پایا جاتا ہے۔(نپولین)۔

(۹)علم سے آدمی کے دل کی وحشت اور دیوانگی دور ہوتی ہے۔(بیکن)

(۱۰)اگر عورتیں چاہیں تو لڑکپن ہی میں اپنی اولاد میں وہ خیالات پیدا کر سکتی ہیں جو انہیں بڑے ہونے کے بعد مشہور کر دیں۔(ورسڈن)

(۱۱)مالدار ہونے کی نسبت حقیقی طور پر خوش ہونا بہتر ہے۔(حکیم سولن)

(۱۲)بچہ جس قدر اپنی چھ برس کی عمر میں سیکھ جاتا ہے اس سے زیادہ وہ اپنی تمام باقی زندگی میں نہیں سیکھ سکتا۔(لارڈ بردھم)

(۱۳)جو کوئی دوسروں کا ادب نہیں کرتا۔کوئی اس کا ادب نہیں کرتا(ہربرٹ)

(۱۴)روپیہ پیدا کرنا اتنا دشوار کام نہیں جتنا حاصل کر کے اس کا بچانا مشکل ہے۔(سمائلز)

(۱۵)ہمیں اپنی مدد آپ کرنی چاہیے۔دوسروں کی امداد ہمارے لئے اچھی طرح فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔(سمائلز)

(۱۶)حیوانات پر رحم کرنا فیاضی کی عمدہ مشق ہے(سر آرتھر ہلپس)

(۱۷)خدا پناہ میں رکھے ایک صبح سے جو روشن ہے ایک لڑکے سے جو شرابی ہے اور ایک عورت سے جو لاطینی بولتی ہے۔(ارسمس ڈاروِن)

(۱۸)بنی نوع آدم کا عاشق بننا در حقیقت زندہ رہنا ہے(سینٹ رجہائی)

(۱۹)ترقی کا راز یہ ہے کہ کام کتنا ہی چھوٹا ہو اس کو تندہی اور توجہ سے کرنا چاہیے(اکافیلڈ)

(۲۰) اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو سب سے بڑی نعمت عطا فرمائی ہے وہ عقل ہے اور جو سب سے بڑی نعمت قیامت میں بخشی جائے گی وہ گناہوں کی معافی ہے۔ (ہوشنگ)

(۲۱) بنی نوع انسان کی خیر خواہی میں اپنا مال وقف کر دینے سے بہتر اپنے آپ کو وقف کر دینا ہے۔ (سمایلز)

(۲۲) تمام عالم کی برائیوں میں دروغ گوئی عام طور پر نہایت رائج ہے۔ (سمایلز)

(۲۳) دیو کی طاقت اپنے آپ میں رکھنا اچھا ہے۔ مگر دیو کی طرح اسے استعمال کرنا برا ہے۔ (سمایلز)

(۲۴) جو خدا کو پہچانتا ہے وہی حقیقت میں آدمی ہے اور جو خدا کو نہیں پہنچانتا وہ آدمی نہیں ہے۔ (فیلو)

(۲۵) انسان ایک کھانے پینے اور سونے والا جانور ہے۔ (آر سمس ڈارون)

(۲۶) اخلاص اس کو کہتے ہیں کہ کام کے عوض دنیا و دین کہیں نہ چاہا جائے۔ (ردیم)

(۲۷) جب کوئی شخص کسی کی تحقیر کرے تو بہتر یہی ہے کہ اسے اشتعال انگیز جواب نہ دیا جائے۔ (ار سمس ڈارون)

(۲۸) دین و دنیا کے فیاض خدا کا دھیان انسان کے دل میں نہیں پیدا ہوتا جب تک اسے عمدہ طور پر تعلیم نہ دی جائے۔ (چالس ڈارون)

(۲۹) دنیا میں بڑے بڑے کام طباعی سے نہیں بلکہ سلسلہ وار محنت اور استقلال سے ہوتے ہیں۔ (میمویل جانس)

(۳۰) جب کوئی شخص نیک راہ اختیار کرے اور اسے یہ خیال ہو کہ دنیا کیا کہے گی تو سمجھ لینا چاہئے کہ اس سے کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ (سمایلز)

(۳۱) کام کی طرف نہ دیکھنا چاہئے بلکہ جس نیت سے وہ کام کیا گیا ہو اس پر غور کرنا چاہئے۔ (آکسٹس)

(۳۲) میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جو صبح کو دیر تک بستر پر پڑا رہنے کا عادی رہا ہو اور پھر مشہور اور نامور ہو گیا ہو۔ (ڈین سوفٹ)

(۳۳) جو کوئی دولت کا، مسرت کا اور عیش و عشرت کا عاشق ہے وہ کبھی بنی نوع انسان کا دلدادہ نہیں ہو سکتا۔ (ٹیلس)

(۳۴) خوب صورت عورت دیکھنے سے آنکھ اور نیک دل عورت دیکھنے سے جی خوش ہوتا ہے۔ اس لئے خوبصورت عورت ایک ہیرا ہے اور نیک دل عورت ایک خزانہ۔ (نپولین)

(۳۵) نیک بخت بیوی شوہر کے واسطے نعمت غیر مترقبہ ہے۔ (ملٹن)

(۳۶) جس عورت کے دل میں رحم ہوتا ہے اس سے نازک تر خدائے برتر نے دنیا میں اور کوئی چیز نہیں بنائی۔ (لوتھر)

(۳۷) مال سے زیادہ انسانی مصیبتوں کا ذریعہ اور کوئی نہیں۔ (سنیکا)

(۳۸) ارسمس ڈارون کو ہکلانے کی عادت تھی۔ ایک مرتبہ کسی نے اس سے دریافت کیا کہ ہکلانا تمہیں برا نہیں معلوم ہوتا۔ اس نے جواب دیا کہ مجھے اس ہکلانے کی وجہ سے بات کرنے میں غور و خوض کر لینے کا موقع مل جاتا ہے۔ اور نیز بے ہودہ سوالات سے باز رہ جاتا ہوں۔

(۳۹) دس میں نو حصہ برائیاں اور تکالیف صرف سستی سے پیدا ہوتی ہیں۔ (سمائلز)

(۴۰) کسی چیز کے حصول کا متمنی ہونا اور اس کے لئے محنت اور سختی اٹھانے کے لئے تیار نہ ہونا کمزوری اور سستی کی نشانی ہے۔ (سمائلز)

(۴۱) انسان کی زندگی میں ایسے ایسے تغیرات اور حادثات واقع ہوتے ہیں کہ عقل ہمیں اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ فانی اشیاء پر فخر کریں صرف وہ شخص خوشحال کہا جا سکتا ہے جس کو آخر تک کامیابی ہوتی رہے۔ (حکیم سولن)

(۴۲) سانپ بد طینت آدمی سے بہتر ہے کیونکہ سانپ تو اس وقت کاٹتا ہے جب قضا آ جاتی ہے۔ مگر بد طینت آدمی قدم قدم پر ایذا رسانی کرتا ہے۔ (آگسٹس)

(۴۳) اکثر لوگ اس بات پر فخر کیا کرتے ہیں کہ وہ آزاد اور بہادر ہیں۔ مگر تا وقت کہ صفحہ عالم پر ایک غلام بھی باقی ہے کیا وہ بہادر اور آزاد کہے جا سکتے ہیں۔ کیا آزادی اس کا نام ہے کہ ہم خود غلامی کے لئے آزاد ہوں۔ اور دل سے اس خیال کو ہمیں بنی نوع انسان کیلئے کچھ کرنا ہے نکال دیں۔ سچی

آزادی اس کو کہتے ہیں کہ ہم دل و جان سے اپنے بھائیوں کے گلے سے غلامی کا طوق نکالنے میں مدد دیں۔ وہ لوگ غلام ہیں جو غریبوں اور بیکسوں کی حمایت میں بولنے سے خوف کرتے ہیں۔ وہ لوگ غلام ہیں جو صرف لوگوں کی نفرت اور طعن و تشنیع کے خیال سے راستی کو ہاتھ سے دینا پسند کرتے ہیں۔ (جیمس رسل لول)

(۴۴) خدا کا شکر ہے کہ میں انسان ہوں۔ جانور نہیں ہوں اور خدا کا شکر ہے کہ میں مرد ہوں۔ عورت نہیں ہوں۔ (تھیلز)

(۴۵) خوشخرامی، عمدہ پوشاک، اور خوش آواز کسی کو معزز نہیں بنا دیتی۔ ہاں جو مصیبت کے وقت جری ہو جس کا دامن داغ بدنامی سے پاک ہو وہی باعزت شخص ہے۔ (بینڈنیل)

(۴۶) زندگی کا سرمایہ نیک نامی ہے۔ اچھے آدمی کا انجام بھی اچھا ہوتا ہے (سکندر)

(۴۷) ضرورت سب چیزوں پر غالب آتی ہے۔ (تھیلز)

(۴۸) بیکار رہنے سے کام کرنا بہتر ہے۔ اور غمگین رہنے سے گانا بہتر ہے۔ (بیری کارنوال)

(۴۹) اس دنیا میں سب سے زیادہ مشکل اپنے آپ کو پہچاننا ہے اور سب سے زیادہ آسان کام دوسروں کو پند و نصیحت کرنا ہے۔ (تھیلز)

(۵۰) انسان اپنی مصیبت کو اس وقت بہت آسانی سے سہتا ہے جب وہ اپنے دشمنوں کو اپنے سے بدتر حالت میں پاتا ہے۔ (تھیلز)

(۵۱) عقل استقلال اور تحمل کا نام ہے۔ (بفن)

(۵۲) بڑھاپا زندگی کی مسرتوں کو کم اور زندگی کی ہوس کو زیادہ کرتا ہے (گولڈ اسمتھ)

(۵۳) جو شخص کوئی کام نہیں کرتا اور یہ سمجھتا ہے کہ اس کے لئے دنیا میں کوئی کام کرنے کو نہیں ہے۔ اس کی حالت قابل رحم و افسوس ہے۔ (سمائلز)

(۵۴) جو کام دیانتداری سے نہیں کیا جاتا وہ کبھی فائدہ مند نہیں ہوا کرتا (فرینکلن کا والد)

(۵۵) انسان کی تمام دوسری صفات عقل سے کم درجہ پر ہیں۔ جس طرح کہ معمار جو اینٹ پتھر پر رکھ کر مکان بناتا ہے۔ میر عمارت سے کم درجہ پر ہوتا ہے۔ جو صرف عمارت کا نقشہ بنا دیتا ہے اور

کام کی نگرانی کرتا ہے(رابرٹ ہال)

(۵۶) حقیقی مسرتیں سستی سے نہیں بلکہ محنت اور کام کرنے سے میسر ہوتی ہیں (سمائیلز)

(۵۷) جس طرح بندیا کھڑے پانی میں کیڑے پیدا ہو کر غلیظ کر دیتے ہیں۔ اسی طرح اعضاء بھی اگر ان سے کام نہ لیا جائے تو بے کار ہو جاتے ہیں۔(برٹن)

(۵۸) اس دنیا کو ایک عالیشان محل سمجھنا چاہیے۔ جہاں انسان کو بآرام و آسائش بسر کرنے اور شکر گزاری کے ساتھ رہنے کے لئے بھیجا گیا ہے(گولڈ اسمتھ)

(۵۹) مطالعہ کتاب دل کی غذا ہے۔ کیونکہ اس سے ہمیں اپنے معبود اور اس کی مخلوق اور خاص کر اپنے اور اپنے دوسرے بھائیوں کا حال معلوم ہوتا ہے(گین)

(۶۰) ایک دفعہ مسٹر ایڈلسن (موجد فونوگراف) سے کسی نے پوچھا کہ جب تم کو مال و دولت اور شہرت کی پرواہ نہیں تو پھر وہ کون سی چیز ہے جو تمہیں اس قدر محنت اور مشقت پر مجبور کرتی ہے۔ ایڈلسن نے جواب دیا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ میں کام کرتا رہوں۔ میں جس کام کے کرنے کا ارادہ کرتا ہوں۔ اسے بغیر ختم کئے نہیں چھوڑتا۔

(۶۱) میں یہ بات نہایت جرأت سے کہہ سکتا ہوں کہ کاہل آدمیوں کو اگر تمام دنیا کی نعمتیں میسر ہو جائیں تو بھی وہ خوش نہیں ہو سکتے۔(سمائیلز)

(۶۲) جب انسان کا چال چلن درست نہ ہو وہ تعریف کا مستحق نہیں ہو سکتا(سمائیلز)

(۶۳) جو شخص بہانہ بازیوں میں طاق ہوتا ہے۔ دوسری باتوں میں طاق نہیں ہوتا۔(ڈیوک)

(۶۴) اگر کوئی عمدہ خیال عملی صورت میں نہ آئے۔ تاہم اس کی تائید سے باز نہ آنا چاہیے۔
(کائنس رومز)

(۶۵) کسی شخص کو اپنی غلطی کا اقرار کرنے سے شرم نہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ غلطی کا اقرار ظاہر کرتا ہے کہ تم پہلے کی نسبت فہمیدہ ہو گئے ہو۔(پوپ)

(۶۶) جس شخص کو قرض لینے اور خوشامد کرنے کی ضرورت نہیں وہ سب سے بڑا مالدار ہے(بیکن)

(۶۷) جو شخص دولت کے استعمال سے خوف کرتا ہے وہ دولت پانے کا مستحق نہیں(بیکن)

(۶۸)انتقام لینے والا مندمل اور صحت یاب زخموں کو پھر تازہ کرتا ہے۔(بیکن)

(۶۹)جو انصاف کا طلبگار ہے۔اسے خود بھی منصف بننا چاہیے(سیلس)

(۷۰)وہ شخص جس کے پاس دولت تو بہت ہے مگر کنجوسی کے ساتھ زندگی بسر کرتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک گدھا کہ اٹھائے تو سونا اور چاندی اور کھاتا کوڑا و کرکٹ ہو(ہملٹن)

(۷۱)یہ انصاف کی بات ہے کہ دنیا کو اس حاکم کے پنجہ سے آزاد کیا جائے جو بے انصافی سے حکومت کرتا ہو۔(کارڈلے)

(۷۲)انسان کو چیزیں عقل کل نے عطا کیں ہیں۔وہ نہایت عمدہ اور نفیس ہیں ان کو نہ کوئی دے سکتا ہے نہ لے سکتا ہے۔یہ عالم جو فطرت کی صناعی کا نہایت عجیب نمونہ ہے اور عقل محض اس لئے پیدا کی گئی ہے کہ اس کو دیکھے اور تعریف کرے۔کہ ایسی نعمتیں بھی خدا نے ہمارے لئے پیدا کی ہیں۔

(۷۳)استاد کا ادب اور اس کے مراتب کا لحاظ والدین سے زیادہ کرنا چاہیے۔کیونکہ والدین تو آسمان پر سے زمین پر لاتے ہیں۔اور استاد زمین پر سے آسمان پر لیجاتا ہے۔

(۷۴)جس طرح پانی آگ کا دشمن ہے۔اسی طرح تحمل غیظ و غضب کا اور عفو و خطا کا مخالف ہے۔

(۷۵)خیرات اسے کہتے ہیں کہ برضا و رغبت دی جائے اور دیکر افسوس نہ کیا جائے۔

(۷۶)تین چیزوں سے تین چیزیں حاصل ہوتی ہیں۔خاموشی سے بے خوفی، سخاوت سے عزت اور شجاعت سے مال و دولت۔

(۷۷)دنیا کی ہر چیز مٹ جائے مگر اعمال نہ مٹیں گے۔

تمدن اسلام کا پیام

از مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی لکھنو

بچہ کی پیدائش اور تعلیم

بچے تقریباً سب ہی کے گھرانے میں پیدا ہوتے ہیں۔ مسلمان کے گھر میں ادھر بچہ ہوا ادھر نہلا دھلا سب سے پہلا کام یہ کیا گیا کہ گھر کے کسی بڑے بوڑھے نے کسی نیک مرد نمازی نے آ کر اس کے دونوں کانوں میں اذان واقامت کہی۔ گویا اللہ کی توحید اور محمد ﷺ کی رسالت کا پیام، بچہ کے دنیا میں آتے ہی اسے سنا دیا۔ اور پھر کسی نے ایک خرما اپنے دانتوں سے کچل اور لعاب دہن سے تر کر کے اسے ذرا سا چٹا دیا کہ یہ سنت رسول اسلام وہادی انام ﷺ ہے۔ یہ سب کیا ہے؟ میری ہی یعنی مخصوص وخالص اسلامی تمدن کی ایک جھلک!

بچہ چلنے پھرنے کے قابل ہوا ٹانگوں میں توانائی آئی۔ انگنائی میں اور باہر دوڑا دوڑا پھرنے لگا۔ زبان تلفظ پر کھلی، پڑھنے بٹھائے گئے اور جو لفظ جو فقرہ سب سے پہلے زبان پر لایا گیا، وہ یہ نہیں کہ "الف سے انڈا" یہ نہیں کہ A,FAT MAN AN بلکہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہی بسم اللہ اس کی بنیادی تعلیم ہے۔ یہی اس کا کنڈرگارٹن یہی اس کا مانٹیسوری میتھڈ وہی میری ایک جلوہ آرائی!

بچہ نے اب ہوش سنبھالا۔ سیانا ہو کر اب تنہا سفر کرتا ہے۔ ریل پر جا رہا ہے۔ کھانے کا وقت آ گیا۔ ناشتہ ساتھ ہے۔

یا تازہ کھانا اسٹیشن سے خریدا' ہاتھ دھویا۔ رومال بچھا کھانا رکھا' درجہ میں اور بھی ہمسفر ہیں پہلے کے ملاقاتی نہیں' اجنبی محض' صاحب سلامت تک بھی نہیں لیکن ان میں سے مسلمان نظر آتے ہیں۔ درخواست ان کے سامنے پیش ہو رہی ہے کہ آیئے حضرت کھانا حاضر ہے ادھر سے جواب ملتا ہے کہ بسم اللہ بارک اللہ' آپ نوش فرمائیں' نہ چھوت چھات کا سوال نہ ذات برادری کا خیال' کہ اجنبی لوگ' اپنی برابری کے ہیں بھی یا نہیں' اور نہ تعارف انٹروڈکشن کا انتظار...... یہ آخر کیا ہے؟ میرا ہی ایک اور منظر تمدن اسلام ہی کا ایک اور نمونہ

شادی

بچہ جوان ہوا اور شادی کے قابل' لڑکے اور لڑکی دونوں کی مرضی پالینے کے بعد ماں باپ تاریخ نکاح مقرر کرتے ہیں' دلہن کے گھر پر دولھا معہ اپنی پارٹی کے آئے ہاتھوں ہاتھ لئے گئے۔ زنانخانہ میں دلہن۔ مردانہ میں دولہا، دلہن نے کسی قدر رورو کر باضابطہ منظوری وکیل نکاح کو دو گواہوں کے سامنے دی انھوں نے محفل میں آکر قاضی کے سامنے دہرایا۔ قاضی نے خطبہ میں حمد نعت پڑھی' اللہ ورسول ﷺ کا کلام سنایا۔ آئندہ کے فرائض کو اسلام کی مقدس اور مسلمانوں کی بین الملی زبان (عربی) میں یاد دلایا نکاح اور اولاد کے برکات بیان کئے اور شوہر کی زبان سے مہر و قبول کا اقرار کرا کے اللہ سے زوجین کے حسن معاشرت کی دعائیں مانگ' رسم نکاح خوانی کو ختم کر دیا۔ یہ ہے وہی تمدن اسلامی کی ایک اور نقاب کشائی۔

موت

بچہ بوڑھا ہوا۔ سفر آخرت کی تیاریاں۔ بستر مرگ پر عزیز و اقارب سب اکٹھے کوئی کلمہ پڑھ رہا ہے۔ کوئی سورۃ یٰسین دم کر رہا ہے۔ کوئی صرف اللہ اللہ سنا رہا ہے۔ کہ جو آواز آنکھ کھولتے ہی دنیا میں سب سے پہلے سنی تھی۔ دم رخصت آنکھ بند بھی اسی نام پر ہو۔ کوئی آب زمزم حلق میں ٹپکا رہا ہے' کوئی چارپائی قبلہ رخ کر رہا ہے۔ دم آخر ہوا۔ بھائی' بھتیجے بیٹے' پوتے سب لگے لپٹے ہوئے ہیں۔ کوئی ہاتھ پیر برابر کر رہا ہے۔ کوئی پیر کے انگوٹھے اور آنکھوں پر پٹی باندھ رہا ہے۔ یہ ہو چکا تو غسل کا پانی نیم گرم تیار ہوا۔ بیری کی پتیاں ڈالی گئیں۔ کفن کا کپڑا آیا۔ اجلا اجلا پیراہن تیار ہوا۔ طہارت' وضو' غسل' سب باقاعدہ اور ترتیب کے ساتھ عمل میں آیا۔ کلمہ کا ورد' قرآن کی آیتیں' رسول ﷺ کی بتائی ہوئی دعائیں برابر جاری۔ کافور جا بجا ملا گیا۔ کہ کل جو اعضاء حشر میں چمکیں گے۔ ان کی کچھ دھندلی سی جھلک تو یہیں نظر آجائے' جنازہ بن ٹھن کر قبرستان روانہ ہوا۔ "جیسے گلشن کی آخری ہو بہار" میت غریب سہی غریب کی سی کاندھا بڑے سے بڑا آدمی دے رہا ہے۔ قبرستان سارے بستی والوں' یا سارے محلے والوں کا ایک' یہ نہیں کہ سو بلینس کا اور ملیٹری والوں کا اور گورے اور کالے کا امتیاز مرنے کے بعد بھی قائم رہے۔ نماز جنازہ پڑھی گئی' بوڑھے اور بچے سب نے مل کر خدائے واحد سے دعا مانگی کہ مغفرت و رحمت اس میت کے بھی شامل حال

رہے اور ہم سب کے بھی۔ قبر کے مکان میں آرام واحترام کے ساتھ اتارا۔ قبلہ رخ کر کے لٹایا۔ اتارتے وقت آوازیں بلند رہیں۔ بسم اللہ و باللہ و علی ملۃ رسول اللہ' زمزم و عرق گلاب کی خوشبو نے مٹی کے گھر میں قصر جنت کی دلآویزی پیدا کر دی۔ مکان کے دروازے پہلے لکڑی سے اور پھر مٹی سے بند ہوئے۔ ہاتھ مٹی کے ڈھیلے اٹھا اٹھا کر ڈال رہے ہیں۔ اور زبان ذکر الٰہی کا زمزمہ تسکین و تسلی سناتی جارہی ہے۔ کہ اس میں گھبرانے اور ڈرنے کی کونسی بات ہے (منھا خلقنکم) ارے یہ پیاری مٹی تو وہی ہے جس سے سارا گوشت پوست بنا تھا اور بنانے والے بھی ہم ہی تھے بس اسی کی طرف تو واپس ہو رہے ہیں۔ یہ کوئی اجنبی اور نامانوس چیز تھوڑے ہی ہے۔ اور واپس کرنے والے بھی ہم ہی ہیں۔ اپنوں سے بڑھ کر' اپنے کوئی غیر نہیں (وفیھا نعید کم) اور اسی سے ایک دن پھر صحیح و سالم تمہیں برآمد کریں گے اور پھر وہ بھی ہم ہی ہوں گے سابقہ کسی اور سے پڑنے والا نہیں (ومنھا نخرجکم تارۃ اخری) چلتے چلتے پھر میت کے حق میں دعائیں خدائے واحد سے اور پھر قبرستان سے واپسی مسلمان کی روزانہ زندگی کے سارے مناظر' پیدائش سے لے کر موت تک اپنی نگاہ کے سامنے لے آیئے۔ ہر جگہ آپ کو دوسری قوموں سے دوسری ملتوں سے' دوسری امتوں سے ایک شان امتیاز نظر آئے گی۔ اطوار و آداب میں' بیداری و خواب میں' وضع و لباس میں' بھوک اور پیاس میں' صبح بستر سے اٹھے گا تو ساتھ ہی کہے گا۔ لا الٰہ الا اللہ کھانے پر بیٹھے گا۔ تو لقمہ منہ میں بعد کو رکھے گا۔ پہلے کہے گا بسم اللہ۔ پانی ٹھنڈا حلق سے اتارے گا۔ تو ساتھ ہی منہ سے نکلے گا الحمد للہ۔ گوشت کے لئے زبان چٹخارہ لے گی تو تلاش حلال جانور کی کرے گا اور اسے بھی پہلے قبلہ رخ لٹائے گا' بسم اللہ اور اللہ اکبر پڑھ لے گا جب کہیں جا کر چھری چلائے گا۔ یہ سب اگر میری ہی نشانیاں اور میری ہی جلوہ آرائیاں نہیں ہیں تو آخر کیا ہیں؟

تمدن اسلام

تمدن اسلام کے معنی یہ نہیں کہ اگر کسی ملک یا زمانہ کی مسلمان آبادی نے اکٹھے ہو کر جغرافی' تاریخی' نسلی حالات کے ماتحت اپنے لئے کچھ دستور وضع کر لئے اور ان کا نام تمدن اسلام رکھ لیا۔ تمدن اسلام نام ہے اسلام کے تمدن کا۔ مسلمانوں کے تمدن کا نہیں۔ میں معنوع نہیں۔ مخلوق ہوں' بندوں کے ذہنی اختراع کا نتیجہ نہیں۔ خالق کے احکام کا آئینہ بردار ہوں۔ تمدن اسلام صرف وہ تمدن وہ طرز زندگی ہے۔ جو ثابت ہے قرآن پاک سے اور سنت رسول انام ﷺ سے ہے اور یا

پھر مستنبط ہوتا ہے انہیں دونوں سے آئمہ مجتہدین واکابر فقہا کے قواعد واصول سے۔

پابندیاں

یہاں تو قدم قدم پر پہرا بیٹھا ہوا۔ آزادیوں کا دامن ہر طرف سے سلا ہوا۔ جانور فلاں حرام' فلاں حلال۔ حلال کو بھی ذبیحہ کے طریق پر اپنے لئے حلال کیجئے' ورنہ اس کے ذائقہ سے بھی محروم رہیئے۔ شراب نہ پیجئے۔ افیون کا شوق نہ کیجئے۔ بھنگ بوٹی سے دور ہی کی آشنائی رکھیئے۔ سودی کاروبار کے پاس نہ بھٹکئے۔ ساہوکارہ کھول کر گھر بھر لینے کا خیال بھی دل میں نہ بسایئے۔ بازار یا چوک سے گزرنا ہو تو کوٹھوں کی طرف آنکھ نہ اٹھایئے۔ مرد ریشم سے اپنے جسموں کو زینت نہ دیں۔ عورتیں اپنی زیبائش جمال کی چھاؤں بھی نامحرموں پر نہ پڑنے دیں۔

عبادت

عقائد کے بعد اس جامع مفصل کامل و مکمل نظام عمل کے جتنے جزو کا تعلق براہ راست خالق سے ہے اس کا نام سہولت کیلئے عبادت پڑ گیا۔ اور نماز و روزہ' حج وغیرہ اس کی قسمیں قرار پائیں۔ باقی جن اجزاء کا تعلق بندوں کے باہمی میل جول' لین دین' صلح و جنگ' کھیل کود سے ہے' ان کے مجموعہ کا نام ہے تمدن اسلام یا معاشرت اسلامی اور یہی میں ہوں۔ میں پکار کر کہتا ہوں کہ دنیا بھوک سے تڑپ رہی ہے اور میں ہوں اس کیلئے ایک طاقت بخش غذا' دنیا درد سے لوٹ رہی ہے اور میں ہوں اس کے حق میں نسخہ شفا' پریشانیاں جو کچھ بھی چھائی ہوئی ہیں سب اس لئے کہ مجھے چھوڑ رکھا ہے مصیبتیں جتنی بھی آئی ہوئی ہیں۔ سب اس لئے کہ مجھ سے منہ موڑ رکھا ہے۔ یہ دعویٰ کا اعلان ہے اور میں چاہتا ہوں کہ یہ پیغام پہنچ جائے بیسویں صدی کی زار و نزار لاغر و بیمار دنیا کے کان تک' میرے فرزندوں کے ذریعہ سے۔

اسلام اور منشیات

آج دنیا نشہ بازی کی جن لعنتوں میں گرفتار ہے۔ اس کی داستان دہرانے کے لئے بھی وقت چاہیے۔ افیون' چانڈو' مدک' کوکین' ہیروئن اور سب سے بڑھ کر شراب دنیا کی دولت کا اربوں روپیہ انہیں پر صرف ہو رہا ہے اور پھر بیماریاں اور جرائم جو ان سے پھیل رہے ہیں۔ ان کا شمار ہی نہیں۔ لیگ آف نیشنس کنونشن پر کنونشن تیار کرتی چلی جاتی ہے کمیشن پر کمیشن بٹھاتی چلی جاتی ہے۔ مختلف حکومتیں امتناع (پروہبیشن) کے قانون پر قانون بناتی چلی جاتی ہیں۔ اور دنیا کے بڑے

بڑے مدبرین کی عقلیں چرخ ہو گئی ہیں۔ میں جب زندہ و توانا تھا میرے عہد شباب میں بھی کوئی دشواری اس قسم کی پیش آئی تھی؟ شراب تو عرب کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ بغیر اس کے ان کے نزدیک جینا محال تھا پھر محمد رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں کتنے شرابی حجاز میں' نجد میں یمن میں' سارے ملک عرب میں باقی رہ گئے تھے؟ عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں عراق' ایران' خراسان' حلب' دمشق' مصر سب میرے زیر نگین آچکے تھے۔ اس سارے عرب ایمپائر میں کتنے افیونی تھے۔ کتنے شرابی؟ جواب دل کی عقیدت سے نہیں تاریخ کے اوراق سے حاصل کیجئے۔

قمار بازی

نشہ اور جوئے کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ عرب تہذیب جاہلی جس طرح شراب کی متوالی تھی' جوئے کی بھی دیوانی تھی۔ اور آج کی مہذب قوموں کی زندگی میں تو جوا طرح طرح کے ناموں اور خوشنما و نظر فریب اصطلاحوں کے ساتھ رگ و ریشہ میں پیوست ہو گیا ہے۔ لاٹری اور انشورنس اور گھوڑ دوڑ میں بازی اور فٹ بال میں بازی اور کارنیوال اور لکی بیگ اور کراس ورڈ پزل (الفاظ کے معمے) وغیرہ وغیرہ مجنونوں اور امراض و دماغی کے مریضوں کی کتنی تعداد ہر سال یہی خوش اعمالیاں بڑھا رہی ہیں۔ واقعات خودکشی کے اسباب' کس کثرت سے' بالآخر نشہ اور قمار ہی پر ختم ہوتے ہیں۔ میرے زمانہ عروج و اقبال کی تاریخ پڑھ جایئے۔ اس عہد میں بھی کوئی مشہور جواری ملے گا۔ قمار کی عزت کسی نام کے ساتھ اور کسی پردہ میں نظر آئے گی۔

اسلامی عید

خوشی کی تقریبات سبھی قومیں مناتی ہیں۔ لیکن یہ جشن قومی کے موقع عموماً شرافت' متانت و عصمت کے مقتل ہی ہوتے ہیں۔

سال میں دو جشن میرے ہاں بھی آئے ہیں۔ ایک عید' دوسرے عید الاضحیٰ اور اسی کو عرف عام میں بقر عید کہتے ہیں' دونوں موقعوں پر خوشی اتنی ہوتی ہے کہ اس کے اظہار کیلئے عید کا نام ہی ضرب المثل بن گیا ہے۔ لیکن اس بے انداز خوشی کے ساتھ' بد مستی اور بیخودی کہیں آس بھی آنے پاتی ہے۔

یہاں ہوتا ہے تو یہ کہ عید سے لطف اٹھانے کیلئے پہلے مہینے بھر کے مسلسل روزے رکھئے' صبح سے شام تک دانہ پانی اپنے اوپر حرام کر لیجئے۔ جب کہیں جا کر عید کا چاند نظر آئے گا۔ اس وقت

اس عبادت کا شکریوں عبادت ہی کی صورت میں منائیے کہ روز صبح اٹھ کر وضو کرتے تھے آج غسل کیجئے۔ روز نماز پانچ وقت کی پڑھئے' آج چھ وقت کی پڑھیے۔ دن نکلنے کے بعد ذرا اچھا سا لباس پہن گھر سے باہر عید گاہ کے قصد سے نکلیئے اور وہاں پہنچ کر سب کے ساتھ مل کر نماز پڑھیئے اور خطبہ سنیئے اور اس کے قبل ہی کچھ خیر خیرات کر ڈالیئے۔ اور دن بھر دوست احباب' عزیز آشناؤں سے ملتے رہیئے جس عید کی اتنی دھوم مچی ہوئی ہے۔ یہ ہے اس کی کل کائنات بقر عید میں بجائے نقد و جنس کی خیرات کے' بعد نماز حسب مقدر جانوروں کی قربانی پیش کیجئے۔

نظام حکومت

حاکم و محکوم کے باہمی تعلق کے اندازہ میں دنیا اب تک کیسی کیسی خونریز غلط فہمیوں کا شکار رہی ہے۔ یہ ساری غلط فہمیاں شاخ ہیں۔ ایک اساسی غلط فہمی' یعنی مقصد حکومت کی گمراہی کی جڑ یہی ہے۔ انسان نے حاکم اپنے کو سمجھ لیا اور قوی کمزور پر' زبردست زیردست پر حکمران ہو بیٹھا۔ میں نے علی الاعلان کہا۔ کہ حکومت تو صرف اللہ کی ہے (ان الحکم الا اللہ) بشر بشر پر حاکم کیسے ہو سکتا ہے۔ البتہ بشر کا کام خلافت الٰہی۔ نیابت الٰہی' قوانین الٰہی کا نفاذ ہے۔ قانون ساز وہ نہیں' قانون ساز تو کوئی اور ہے بشر کا کام الٰہی قاعدوں اور ربانی ضابطوں کو دنیا میں صرف چلانا' پھیلانا ہے۔ کانسٹی ٹیوشن (آئین و دستور) والی ساری دشواریاں اس ایک نکتہ سے کافور ہو گئیں۔ اب میرے سامنے یہ سوال ہی نہ رہا کہ کانسٹی ٹیوشن کیا ہو۔ سوال صرف یہ رہ گیا کہ اس کے چلانے والے کون ہوں؟ وہ ہوں جو متدین ہوں جو صاحب ضمیر ہوں' کیر کٹر والے ہوں' امین ہوں' متقی ہوں' اپنے اعمال و اقوال و احوال کے ذمہ دار جوابدہ' مخلوق کے سامنے نہیں۔ خالق کے سامنے ہوں اور فاروق و صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حکومتوں نے دکھلا دیا کہ بغیر انسانی دماغوں کے تیر کیے ہوئے کاغذی طومار کے بغیر لاکھوں روپیہ کی اسمبلی اور کونسل کی عمارتوں کے بغیر کونسلوں میں نامتناہی سلسلہ سوال و جواب کے بغیر منسٹروں سیکرٹریوں' پارلیمنٹری سیکرٹریوں کی ڈسات اور غیر سیکرٹریٹ کی انبوہ در انبوہ فوج کے روئے زمین پر عدل کی حکومت کس طرح قائم ہو سکتی ہے۔

مرد و زن

زن و مرد کا باہمی رشتہ اور تعلق سمجھنے میں دنیا نے شروع سے اب تک کتنی ٹھوکریں کھائی ہیں اور برابر کھاتی جا رہی ہے۔ کسی نے کہا عورت مرد سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے اور اس کی پرستش

شروع کردی۔ کسی نے کہا کہ مرد مالک ہے اور اس نے عورت کو باندی سے بدتر کر رکھا اور کوئی بولا کہ دونوں بالکل مساوی ہیں۔ اور اپنے قاعدہ قانون کی بنیاد اس نظریہ مساوات پر رکھنی چاہی۔ میں نے اپنے دور میں ان ساری بے اعتدالیوں سے ہٹ کر عین منشائے فطرت کے مطابق فیصلہ یہ کیا کہ بلحاظ اصل و خلقت دونوں ایک ہی ہیں۔ بلحاظ عمل دونوں کے مرتبے آخرت میں یکساں ہوں گے۔ دونوں اپنی کمائی کے مالک ہوں گے۔ دونوں کو حق وراثت حاصل ہے۔ میرے ہاں کے سارے قوانین نکاح' طلاق' عدت' خلع' تعدد ازواج وغیرہ انہیں بنیادی اور فطری حقیقتوں پر مبنی ہیں۔

میں نے جس طرح طلاق کو عین فطرت بشری و احوال انسانی کے مطابق چند قیود و شرائط کے ساتھ محدود کر کے روا رکھا ہے۔ اسی طرح مرد کیلئے بھی چار شادیوں کی اجازت اس کی ضرورتوں' مصلحتوں' سہولتوں کی رعایت' نیز ملک و قوم کے عرف عام کا اعتبار کر کے دی ہے۔ اور علاوہ عدل کے طلاق ہو یا تعدد ازدواج بطور قاعدہ کلیہ حسن معاشرت کی قید ہر جگہ لازمی رکھی ہے۔ (وعاشروھن بالمعروف)

آنحضرت ﷺ کی سیرت

"انقلاب زندہ باد" کا نعرہ آج بچہ بچہ لگاتا ہے کبھی آپ نے اس شخص کی بھی سیرت پر نظر کی ہے جو دنیا میں ایک مستقل خوشگوار انقلاب (PERFECTUAL REVOLUTION) پھیلایا گیا؟ اور جس کا پیدا کیا ہوا "انقلاب" عقائد عبادات' معاملات' اخلاق' معاشرت' ہر شعبہ حیات میں آج بھی ساری دنیا کے مقابلہ میں ایک چیلنج ہے۔ اور قیامت تک رہے گا۔ آیئے اس کی ایک ہلکی سی جھلک مولانا شبلی کی سیرۃ النبی کی وساطت سے دیکھتے چلیں۔

گھر کا سارا کام کاج خود کرتے۔ کپڑوں میں پیوند اپنے ہاتھ سے لگا لیتے گھر میں جھاڑو خود دے دیتے۔ بکریوں کا دودھ اپنے ہاتھ سے دوہ لیتے۔ بازار سے سودا خود جا کر لاتے جوتہ پھٹ جاتا تو اسے ٹانک لیتے۔ غلاموں کے ساتھ' مسکینوں کے ساتھ بیٹھتے اٹھتے' ان کے ساتھ کھانا کھانے میں کسی قسم کا تکلف نہ تھا۔ گدھے کی سواری سے عار نہ تھا۔ ایک بار مکان سے باہر تشریف لائے لوگ تعظیم کو اٹھ کھڑے ہوئے۔ فرمایا یہ اہل عجم کی طرح بار بار تعظیم کیلئے اٹھنا کیا معنی؟

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم جانیں فدا کرنے کو تیار رہتے تھے ہر بڑی سے بڑی خدمت اور

اس کی راہ میں بڑی سے بڑی مشقت اپنے لئے باعث فخر وسعادت سمجھتے تھے۔ اس پر بھی یہ حال تھا کہ جب وہ کوئی کام کرنے لگتے تو آپ بھی ان کے شریک ہو جاتے۔ اور مزدوروں کے کام انجام دینے لگتے۔ مدینہ میں جب مسجد نبوی ﷺ تیار ہونے لگی تو دست مبارک سے اینٹیں اٹھا اٹھا کر لاتے اور جان نثار خدام کی جماعت یہ کہتی ہی رہ جاتی کہ ہماری جانیں آپ ﷺ پر قربان یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ غزوہ احزاب کے موقع پر جب صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہر مدینہ کے گرد خندق کھود رہے تھے۔ آپ نے بھی ایک ادنیٰ مزدور کی طرح کام شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ جسم مبارک پر خاک کی تہہ جم گئی۔ غزوہ بدر میں سواریاں بہت کم تھیں تین تین آدمیوں کے درمیان ایک ایک اونٹ پڑتا تھا۔ آپ بھی عام آدمیوں کی طرح ایک اونٹ میں دو اور آدمیوں کے ساتھ شریک رہے۔ اور خدام و جان نثاران کو اپنی باری پیش ہی کرتے رہ گئے۔" (سیرۃ النبی جلد 2 ص 227)

کوئی دو چار دس پانچ واقعات ہوں تو انہیں گن کر بیان کر دیا جائے' اس مقدس ہستی کی مقدس زندگی تو انہیں واقعات سے لبریز ہے۔ کوئی پوری سیرت نبوی ﷺ اس مختصر صحبت میں کیسے سنا ڈالے۔ یہ نمونہ اس ذات نے پیش کیا جو نبوت و رسالت کے روحانی مراتب سے قطع نظر بہر حال اپنی قوم کا بڑا دنیوی سردار بھی تو تھا۔

خوراک

دو واقعات ملتے جلتے میرے عہد زرین کے اور سنتے چلیے غزوہ تبوک میں سامان رسد کی کمی پڑ گئی اور صحابہ بھوک سے نہایت درجہ پریشان ہوئے خیال ہوا کہ اونٹ ذبح کیے جائیں۔ اس پر جرح یہ ہوئی کہ معرکہ جنگ میں سواریاں بھی تو اہم چیزیں ہیں بالآخر آپ نے یہ کیا کہ ہر شخص کے پاس سے اس کا بچا ہوا سامان رسد طلب فرمایا۔ کوئی کم لایا اور کوئی زیادہ ایک چادر پر اکٹھا کر کے آپ نے اس پر دعائے برکت فرمائی۔ اور پھر سب سے پہلے کہا کہ اپنے اپنے برتن اس مجموعہ سے بھر لیں۔ راویوں کا بیان ہے کہ سب نے اپنے اپنے برتن بھر لئے اور خوب سیر ہو کر کھایا اور سامان پھر بھی بچ رہا۔ اسی طرح ایک اور سفر میں جب آپ نے سامان رسد میں نمایاں کمی اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں بھوک کی بیتابی دیکھی تو سب کا زاد و راہ ایک چادر پر ڈھیر کر لیا۔ اس نے کل اتنی جگہ گھیری کہ اس پر ایک بکری بیٹھ سکے اور اشخاص کی تعداد ۱۴۰۰ لیکن اس پر بھی سب لوگوں نے سیر ہو

کر کھالیا اور اپنے اپنے توشہ دان بھر لئے۔ (سیرۃ النبی جلد ۳ ص ۴۴۸)

محدثین نے تو ان واقعات کو کتاب الایمان وغیرہ کے ماتحت درج کیا ہے اور انہیں معجزات نبوی میں شمار کیا ہے معجزہ تو نبی کی ایک ایک بات تھی لیکن میں کہتا ہوں کہ صحیح مساوات کی مثال ان واقعات سے کہیں بڑھ کر ملے گی؟ پھر اسی کے ساتھ اس تاریخی حقیقت کو بھی ملایئے کہ ریاست حجاز بلکہ سارے ملک عرب کے اس فرمانروا کا عام سامان معیشت کیا تھا؟ رہنے کے لئے صرف ایک معمولی حجرہ! بادشاہوں کے محل اور رئیسوں اور امیروں کی کوٹھیاں الگ رہیں۔ ان کے ایک بڑے کمرے سے بھی چھوٹا حجرہ نہ کوئی الگ بیڈ روم، نہ ڈائننگ روم، اسی حجرہ کے اندر سارا انتظام خانہ داری اور اس کا فرنیچر؟ محض کھجور کی کھری چٹائی جس پر لیٹنے سے جسم مبارک پر بدھیاں پڑ پڑ جاتی تھیں کوچ اور صوفے نہ سہی روم کے پر لطف اور ایران کے ریشمی قالین تو ہوتے اور خیر تو یہ عہد سر تا پا خیر و برکت اور سر تا سر تقدس تھا ہی صدیق و فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے راستہ سے ہوتے ہوئے عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ میں آیئے کہ وہ تو ایک بادشاہ تھے اور بادشاہ بھی خاندان بنو اُمیہ کے وہاں بھی تاریخ کی زبان آپ کو یہ واقعات سنائے گی کہ

"خلیفہ ہونے کے بعد جب شاہی سواریاں آئیں تو ان کو یہ کہہ کو واپس کر دیا کہ میرا خچر میرے لئے کافی ہے سوار ہو کر چلے تو کوتوال نے برچھا لے کر آگے آگے چلنا چاہا۔ اس کو یہ کہہ کر ہٹا دیا کہ میں بھی عام مسلمانوں کی طرح ایک مسلمان ہوں قصر خلافت میں داخل ہوئے تو تمام پردوں کو چاک چاک کرا دیا اور خلیفہ کے لئے جو فرش بچھایا جاتا تھا اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت بیت المال میں داخل کر دی"۔

ایک بار ایک لونڈی پنکھا جھل رہی تھی کہ اس حالت میں اس کی آنکھ لگ گئی انہوں نے خود پنکھا لے لیا اور لونڈیا کو جھلنے لگے۔ وہ جاگی تو فرمایا کہ تو بھی میری طرح انسان ہے تجھے بھی میری طرح گرمی معلوم ہوئی۔ میں نے چاہا کہ جس طرح تو نے مجھے پنکھا جھلا ہے میں بھی تجھے پنکھا جھل دوں"۔

(سیرۃ عمر بن عبدالعزیز)

ناصر الدین محمود

یہ سب میرا ہی تو پر تو تھا اور آگے چلیے۔ تاریخ اسلام کی چھ صدیوں کا سفر طے کرتے ساتویں صدی ہجری کے ہندوستان میں آجایئے۔ اس وقت دلی کے تخت پر سلطان ناصر الدین محمود نظر آئیں گے۔ تاریخ کی زبان ان کے حق میں یوں گویا ہے۔

نفقہ خاصہ خود راز از وجہ کتابت مصحف مجید ساختہ روزگار خودمی گزرانید و اموال پادشاہی را در نفقہ خود اصلا صرف نہ می نمود

قرآن مجید کی کتابت کر کے اسی کو وجہ معاش بناتے اور شاہی مال و دولت سے ہرگز اپنا ذاتی خرچ نہ چلاتے۔ (تاریخ فرشتہ جلد اول ص ۱۷ نولکشوری)

اور پھر تصریح ہے کہ ایک بار ایک امیر سلطنت نے بادشاہ کا خط پہچان کر ان کے مکتوب قرآن کو گراں معاوضہ پر لے لیا تھا، اس کی خبر سلطان کو ہو گئی۔ تو ناخوش ہوئے اور حکم دیا کہ آئندہ میرا لکھا قرآن بازاری نرخ پر بالکل خفیہ ہدیہ ہوا کرے۔

زکوٰۃ

میرے عہد میں ممکن نہیں کہ کوئی بیوہ، بڑھیا، کوئی یتیم بچہ، کوئی معذور، کوئی اپاہج، کوئی مسکین، بھوکا اور بے رزق سوئے۔ میرے نظام میں زکوٰۃ فرض ہے۔ یعنی ہر صاحب استطاعت پر لازم ہے کہ "اموال نامیہ" یعنی نقد اور سونے چاندی سے چالیسواں حصہ اور زمینی پیداوار سے بیسواں اور دسواں حصہ اور مویشیوں جانوروں سے بھی ایک مقررہ تعداد میں غریبوں، مسکینوں، اہل حاجت کو دیتا رہے۔ اور پھر یہ شرح لازمی ہے یعنی اگر نہ دیگا تو اسی طرح قابل مواخذہ رہے گا۔ جس طرح اللہ کی براہ راست عبادت و نماز وغیرہ کے ترک سے اور پھر اس سے زیادہ جتنا بھی ہو سکے دیتا رہے۔ یہ دینا سب اپنے اجر و ثواب اپنی ہی فلاح و بہبود کے لئے ہے۔

اس نظام زکوٰۃ و صدقات کی قدر کوئی ڈاکٹر ڈراپر امریکی سے اور ڈاکٹر لائٹنر (سابق ڈائریکٹر پنجاب سے) اور پھر امریکہ کے ایک زندہ ماہر نفسیات و اجتماعات ڈینسین کے دہاں سے پوچھے۔ کیپٹیلزم (سرمایہ داری) کی لعنت کی اصل بنیاد کیا ہے؟ سود اور صرف سود، شرح زیادہ ہو یا کم سود خوار ہی ایسا شخص ہے۔ جو برخلاف تاجر کے جسے صدہا خطرات سے دوچار رہنا پڑتا ہے اور برخلاف

ورکرز (عمال) کے بے ہاتھ پیر ہلائے اور بلا کسی قسم کا خطرہ برداشت کئے مال پر قابض اور جائیداد کا حصہ دار ہو جاتا ہے میں نے فلسفہ معاشیات میں اسی دکھتی ہوئی رگ کو پکڑ کر کاٹ دیا ہے۔ اور سود کو ہر صورت میں ممنوع قرار دیا ہے۔ آج دنیا اور بالخصوص ایشیا کی دنیا۔ سرمایہ داری کے خلاف بڑے سے بڑے پر شور نعرے بلند کر رہی ہے۔ لیکن ہے بجز میرے کسی میں یہ ہمت کہ خون چوس چوس کر پلنے والے ساہوکاروں ہی کی نسل کا سرے سے قلع قمع کر دے؟

اس زمین میں کمیونزم کا پودا جڑ پکڑ سکتا ہے؟ اس فضا میں شوشلزم کا تخم کبھی پھول پتیاں لا سکتا ہے؟ یہاں مراد اس جھوٹے سوشلزم اور کمیونزم سے ہے جو مزرک یرانی کا چلایا ہوا ہے اور جس کی ان سوڈیڑھ سو برس کی زندگی کا حاصل صرف طبقہ داری جنگ اور اخلاقی انار کی نکلا۔ اور جو محض روس کی نقالی میں ایشیا کے سر تھوپا جارہا ہے ورنہ سچی شوشلزم اور صحیح کمیونزم تو لازمہ شرافت و انسانیت ہے اور عین میرا اجزو ہے۔ اور اسی کی مثالیں تو ابھی ابھی پیش ہو چکیں۔ میں نے اپنے نظام میں ہر شخص کو اس کی ذاتی محنت و اہلیت اور اس کے بزرگوں کی جائیداد سے فائدہ اٹھانے کا پورا موقع دیا ہے اور فطرت کے قائم کیے ہوئے فرل مراتب کو پوری طرح قائم رکھا ہے اور اس حد تک میں کمیونزم کا مخالف ہوں لیکن دوسری طرف میں نے سود کو قطعی حرام کر کے سود در سود کے چکر کو ہمیشہ کے لئے بند کر کے جائیداد کو مختلف حصہ داروں میں میں تقسیم کر کے خیرات و صدقات کی انتہائی ترغیب دے کر اور احسان رکھنے کی بجائے انہیں خود ایک نوع کی خدمت قرار دے کر اور زکوٰۃ کی فرضیت پر زور دے کر اور ضعیفوں، مسکینوں سب کے پورے پورے حقوق قرار دے کر سرمایہ پرستی (کیپٹلزم) کو بھی ہمیشہ کے لئے دفن کر دیا ہے۔

موضوع کی وسعت قریباً بے پایاں بزم کا وقت محدود و مختصر، میرے پیام کا خلاصہ در خلاصہ چند لفظوں میں یہ ہے کہ دنیا کے لئے پیام امن اگر ہے تو میری ہی ذات ہے۔ خوب غور کر کے دیکھ لیجئے۔ جرائم کی تعداد روز افزوں کہاں ہے۔ اور بمنزلہ کہاں ہے؟ چوری کے ڈکیتی کے نقب زنی کے آتش زنی کے زہر خورانی کے جعلی دستاویزوں کے حرام کاری کے دروغ حلفی کے قتل کے ضرب شدید و خفیف کے خودکشی کے واقعات وہاں زیادہ پیش آتے ہیں۔ جہاں میرے نام سے بھی عداوت ہے۔ یا جہاں میری تھوڑی بہت حکومت قائم ہے؟ جنون اور دماغی اور عصبی بیماریاں شدت سے پھیلی ہوئی ہیں؟ میری عملداری میں، یا میرے دشمنوں کے قلمرو میں؟ اندھے پن کے،

بہرے پن کے آنکھوں اور کانوں کی طرح طرح کی پیچیدہ بیماریوں کے لئے نئے نئے آلات کے نئے نئے ہسپتالوں کے کھلنے کی ضرورت کہاں پیش آرہی ہے؟ کالجوں والے، یونیورسٹی والے، سینما والے، تھیٹر والے، ٹرام والے، مل اور فیکٹری والے ورکشاپ اور مشین والے، شہروں میں یا وہاں جہاں ابھی تم میری سادگی قائم ہے؟ معدہ، آنت، دانت اور آلات ہضم کی خرابیاں کہاں زیادہ پھیل رہی ہیں۔ وہاں جہاں بڑے بڑے شاندار ہوٹل موجود ہیں جہاں پر تکلف غذاؤں پر منہ ہر وقت چلتا رہتا ہے۔ جہاں برف اور طرح طرح کے مصنوعی پانیوں کی گرم بازاری رہتی ہے اور جہاں سگریٹ اور سگار اور ایل اور وسکی کے دور ہر وقت چلتے رہتے ہیں یا میرے سادہ دستر خوان پر؟ عام صحتیں کہاں درست رہتی ہیں؟ وہاں جہاں طہارت و غسل سے لوگ نا آشنا ہیں۔ اور جہاں صبح آٹھ آٹھ نو نو بجے ہوا کرتی ہے یا میرے ہاں جہاں طہارت اور وضو فرض ہے۔ اور غسل کی پوری ترتیبات موجود اور جہاں سونے کے لئے لازم کہ پچھلے پہرے اگر نہ سہی تو کم از کم قبل فجر تو ضرور ہی اٹھ بیٹھے اور دن رات میں کم از کم مسجد تک تو پانچ مرتبہ آمد ورفت رکھے۔ آتشک اور طرح طرح کی جان لینے والی گندی بیماریوں کا زور کہاں ہے۔ وہاں جہاں ہر پارک میں، ہر کلب میں، ہر موٹر پر، ہر ٹرین پر، ہر کشتی پر، ہر جہاز پر مرد و عورت کا آزادانہ اختلاط قائم ہے جہاں زنانہ لباس کی عریانی یا نیم عریانی داخل فیشن ہے۔ جہاں نمائش جمال وزیبائش عیب نہیں ہنر ہے۔ اور جہاں آرٹ اور فائن آرٹ کے پردہ میں ہر بے پردگی اور ہر بے حیائی دلیل کمال ہے۔ یا میرے حجروں اور زاویوں میں جہاں نہ کوئی سینما کے نام سے آشنا نہ کوئی برہنہ رقاصی کا قدردان، جہاں نہ کوئی عصمت فروشی کا بازار، نہ کوئی ہائڈ پارک اور جہاں کے بسنے والے پابند ہیں۔ قانون حجاب کے اور پتلے ہیں شرم غیرت کے، راحت قلب وسکون خاطر کہاں زیادہ نصیب ہیں۔ وہاں جہاں بیسوں گھنٹے تار اور ٹیلیفون اور گراموفون اور ریڈیو اور لارڈ اسپیکر گنگناتے رہتے ہیں۔ اور جہاں اخبار فروش ہر لحہ اپنی روزی کے لئے ایک نیا ہیجان تلاش کرتے رہتے ہیں۔ یا وہاں جہاں کے باشندے قناعت اور صبر و ضبط نفس کے فضائل کا سبق پڑھ چکے ہیں۔ غرض روح کی بالیدگی و تازگی کے سوال کو تو چھوڑیئے ٹھیٹھ مادیات کی عینک سے مجھے اور میرے حریف کو دیکھئے۔ اور پھر اپنی حالت کو سوچئے۔

چشم بردے منکشا باز بہ خویشتن نگر

اور بیسویں صدی سے جو مجھے چھوڑ چکی ہے اور چھوڑتی جاتی ہے کہئے

بہ بین کہ باکہ بریدی وباکہ پیوستی

گویہ بھی ایک عجیب تماشا ہے کہ ساتھ ہی ساتھ غیر شعوری طور پر میرے قریب آتی جاتی اور میرے بکھرے ہوئے اجزا کو میرا نام زبان پر لائے بغیر میری جانب منسوب کئے بغیر ایک ایک کر کے اپنے اندر سمیٹتی ہی جاتی ہے۔

مذہب واخلاق اور اشتراکیت

جناب محمد فضل الرحمٰن صاحب انصاری

اشتراکیت کا مقصد:۔ موجودہ زمانے کی اشتراکی تحریک جس کا مرکز روس ہے اور جس کا جال تمام دنیا میں پھیلا ہوا ہے۔ ۱۸۴۸ء میں شروع ہوئی تھی۔ جب کہ برسلز میں جرمن مزدوروں کی سوسائٹی نے اشتراکی اعلان شائع کیا۔ یہ جماعت پہلے "انجمن اہل عدل" کے نام سے موسوم تھی پھر اس نے اپنا نام مشترکین رکھ لیا۔ جدید "معاشی مذہب" کے داعی کارل مارکیس جرمنی اور انجلز (برطانی) نے اس کا اعلان مرتب کیا اور یہی اعلان اشتراکی تعلیمات کی اساس قرار پایا۔

مزدک ایرانی:۔ تاریخ میں اس سے پہلے ایک اور اشتراکی تحریک کا بھی پتہ چلتا ہے جس کی بناء چھٹی صدی عیسوی میں مزدک ایرانی نے رکھی تھی۔ اس پرانی اشتراکیت کے دو اصول تھے:۔

(۱) مال ودولت میں تمام انسانوں کی مساوات۔

(۲) تمام عورتوں کا تمام مردوں کے لئے مباح ہونا۔ اس دوسری اصل نے خصوصیت کے ساتھ فواحش کا ایک سیلاب عظیم یکایک برپا کر دیا۔ جس سے ایک عام اضطراب رونما ہوا اور آخر بہت جلدی یہ تحریک فنا کر دی گئی۔

اشتراکیت اور دولت

جدید اشتراکیت ابتدا میں محض ایک معاشی نظریہ کی حیثیت سے پیدا ہوئی جس کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہ تھا کہ شخصی ملکیت کو ختم کر کے دولت اور اس کے وسائل آفرینش کو سب لوگوں میں برابر تقسیم کر دیا جائے لیکن رفتہ رفتہ وہ معاشیات کی حد سے نکلنے پر مجبور ہو گئی کیونکہ زندگی کے تمام شعبے باہم مربوط ہیں کسی ایک شعبے میں کوئی بنیادی انقلاب بغیر اس کے نہیں ہو سکتا کہ تمام دوسرے شعبوں کو او بیشتر کر از سر نو مرتب کیا جائے۔ اسی بنا پر اشتراکیت کو پوری انسانی زندگی

کے لئے ایک ایسا نظریہ اور ایک ایسا ایجابی فلسفہ وضع کرنا پڑا جس میں یہ جدید انقلابی نظم معیشت کھپ سکتا ہو اور چونکہ معاشی اشتراکیت کی تہ میں مادیت کے سوا کوئی کو دوسری بنیاد نہ تھی۔ اس لئے جو نظریہ حیات اور نظام فلسفہ اس کی فطرت سے مناسبت پیدا کرنے کے لئے وضع کیا گیا۔ وہ سراسر ایک مادہ پرستانہ نظریہ اور نظام بن کر رہا اور اس کو ایسا ہی ہونا چاہئے تھا۔ اب جس اشتراکیت سے ہم دوچار ہیں یہ محض غریبوں اور مفلسوں کے معاشی مسائل کا حل ہی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ وہ اخلاق و تمدن و تہذیب اور مابعد الطبیعی تخیلات کا ایک مستقل نظام بھی ہے اور کوئی شخص اس پورے نظام کو قبول کئے بغیر محض اشتراکی معاشیات کو اختیار نہیں کر سکتا۔

ایک طرف خالص مادہ پرستانہ نظریہ حیات اور دوسری طرف غریب و مفلس مصیبت زدہ انسانوں کے ساتھ ہمدردی کا شریف روحانی جذبہ ان دونوں میں آخر کیا ربط ہے۔ اس سوال نے بہت سے لوگوں کو پریشانی میں ڈالا ہے مگر بیسوی صدی کے عجائب میں سے ایک یہ بھی ہے۔ کہ اشتراکیت ان دونوں متضاد چیزوں کو ایک نظام میں جمع کرنا چاہتی ہے۔

لادینیت

وہ آخر ان دونوں کو جمع کیوں کرنا چاہتی ہے۔ حیرت زدہ آدمی پھر یہ سوال کرے گا اسکا سرسری جواب یہ ہے کہ اشتراکیت کا ان دو متضاد چیزوں کو جمع کرنا کچھ اس بنا پر نہیں ہے کہ ان دونوں میں کوئی حقیقی ربط دریافت ہو گیا ہے بلکہ دراصل کئی صدیوں کے دوران میں حالات کا ارتقاء جس راستہ پر ہوتا رہا ہے اس کے دباؤ نے مزدوروں کے ساتھ ہمدردی رکھنے والے لوگوں کو آخر کار مادہ پرستی کا امام بنا کر چھوڑا ہے۔ یورپ میں جب اسلام کے اثر سے عقل و حکمت کی روشنی پھیلی تو مسیحیت نے اس کی مزاحمت کی۔ اس مزاحمت نے عقل و حکمت کے داعیوں کو پہلے مسیحیت سے پھر مذہب سے پھر مذہبی اخلاقیات سے بعید اور بعید تر کرنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ سائنس اور فلسفہ کی ترقی کے ساتھ ساتھ یورپ پر مادیت بھی چھاتی گئی۔ جس وقت محنت پیشہ طبقوں میں بیداری پیدا ہوئی۔ وہ وقت ایسا تھا کہ یورپ کے افکار اور اس کے تمدن و تہذیب میں مادہ پرستی جڑ تک اتر چکی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جو علماء اور مفکرین محنت کش طبقوں کی اصلاح کے لئے اٹھے ان کو حل مشکلات کے لئے مادیت کے سوا اور کوئی بنیاد ہی نہ مل سکی۔ کارل مارکس جو بجا طور

پر اشتراکیت جدیدہ کا باپ کہا جاتا ہے مذہب کا شدید دشمن اور ایک شدید مادہ پرست شخص تھا۔ اس پر مزید یہ کہ وہ یہودی النسل بھی تھا جسے مسیحیت کی نفرت اپنے باپ دادا سے ورثہ میں ملی تھی۔ ان دو اسباب کیساتھ خود مسیحت کے اپنے نقائص بھی مل گئے سب کے امتزاج سے جو نتیجہ بر آمد ہوا وہ یہ تھا کہ ابتدا ہی سے مارکس نے اشتراکی تحریک کو مادہ پرستی اور لادینی کی راہ پر ڈال دیا۔ مذہب کے خلاف اشتراکیت کے عناد نے اس وقت اور بھی زیادہ شدت اختیار کی جب روس میں اس تحریک کا مقابلہ زار کی سلطنت اور مسیحی چرچ کے نامناسب اتحاد سے ہوا۔ وہاں مسیحیت اور زاریت دونوں ایک دوسرے سے ہم رشتہ تھے اور دونوں مل کر باشندگان ملک کا جو خون چوس رہے تھے انہوں نے اپنی متحدہ طاقت سے اشتراکیت کا سر کچلنے کی کوشش کی۔ اور اشتراکیت انتہائی تلخی و نفرت کے ساتھ دونوں سے نبرد آزما ہوئی۔ آخر کار جب ۱۹۱۷ء میں زار کی سلطنت کا خاتمہ ہوا۔ اور لینن کی اشتراکی جماعت وہاں برسر اقتدار آئی تو اس نے سویٹ یونین کی حدود میں مذہب کو بزور شمشیر مٹا دینے کا عزم کر لیا اور تمام دنیا میں سرمایہ داری اور مذہب کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔

خدا کی دشمن

یہ بات کہ اشتراکیت خدا کی دشمن ہے اور خدا پرستی سے اس کی مصالحت غیر ممکن ہے۔ یہ اب ایک ایسی یقینی بات ہو چکی ہے جس کے متعلق دو رائیں نہیں ہو سکتیں۔ کتاب "گاندھی اور لینن" کا مصنف لکھتا ہے۔ کہ لینن اپنی تقریروں اور تحریروں میں بار بار اس امر کا اعادہ کرتا ہے کہ اشتراکی عوام اور ان کے لیڈروں کو اپنی پوری طاقت خدا کو بے دخل کر دینے پر صرف کر دینی چاہیے۔ کیونکہ اشتراکی نظام اجتماعی کا سب سے بڑا دشمن یہی خدا ہے۔

مزدوروں کے ماہوار جریدہ مورخہ دسمبر ۱۹۲۶ء میں خود لینن کے یہ الفاظ شائع ہوئے ہیں:۔

"مذہب لوگوں کے لئے افیون کا حکم رکھتا ہے مارکسی مسلک کی نگاہ میں اس وقت کے تمام مذاہب اور مذہبی نظام دراصل متوسط خوشحال طبقہ کی رجعت پسندی کی آلات کار ہیں اور محنت کش طبقہ کو فریب دینے اور لوٹنے کے لئے دھوکہ کی ٹٹی کا کام دیتے ہیں"

ایک اشتراکی مصنف بخارین پر ایوبرازنسکی اپنی کتاب اشتراکیت کی الف بے میں لکھتا

ہے:۔

"یہ اشتراکی جماعت کا کام ہے کہ اس صداقت (یعنی کارل مارکس کے اس قول کی صداقت کہ مذہب لوگوں کے لئے افیون کا حکم رکھتا ہے) کو محنت کش عوام کے زیادہ سے زیادہ افراد تک پہنچائے اور ان کے ذہن نشین کردے۔ مذہب اور اشتراکیت دو بالکل متضاد چیزیں ہیں۔ نظری حیثیت سے بھی اور عملی حیثیت سے بھی جو اشتراکی اپنے ساتھ مذہبی عقیدہ بھی لئے ہوئے چلتا ہے اس کو در حقیقت اشتراکیت سے کوئی واسطہ نہیں"۔

روس کا پر جوش حامی پروفیسر ہیکر اپنی کتاب میں لکھتا ہے:۔

"اشتراکی محض لامذہب اور مادہ پرست ہونے ہی پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ وہ لامذہبی و مادہ پرستی کا مجاہد بھی ہوتا ہے۔ وہ صرف یہی نہیں چاہتا کہ اس کی جماعت کا ممبر اپنے لامذہب ہونے کا اعتراف کرے بلکہ وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ پورے جوش اور سرگرمی کے ساتھ غیر اشتراکی لوگوں میں لامذہبی اور فلسفہ مادیت کی اشاعت کرے اور نوجوانوں کی تعلیم کا پروگرام اس طرح بنائے کہ آئندہ نسل خود بخود مادہ پرستی کا عقیدہ لے کر اٹھے اس کے نزدیک کوئی دوسری زندگی نہیں ہے۔ جو بعد میں آنیوالی ہو اس لئے وہ اپنی اس زمین کی زندگی کو زیادہ سے زیادہ خوشگوار بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ کمیونسٹ پارٹی کی تحریک پر ایک خاص سوسائٹی انجمن منکرین خدام کے نام سے قائم کی گئی۔ جس کا مقصد وحید اس مسلک کی تبلیغ واشاعت کرنا ہے۔ اس انجمن کو کمیونسٹ پارٹی کی پوری تائید حاصل ہے۔ بلکہ در حقیقت یہ اس کی متعدد تبلیغی شاخوں میں سے ایک شاخ ہے"۔

بطنیت (پیٹ پوجا)

غیر مادی خدا سے اپنا تعلق قطع کر کے اشتراکیت نے اپنے مندر میں جسمانی خواہشات کا بت بٹھایا ہے اور اس مندر کے پجاری جو اپنے تعصب میں مذہبی دیوانوں سے کسی طرح کم نہیں ہیں۔ پورے زور و شور سے اس امر کی تلقین کرتے ہیں کہ انسانی اعمال کے اصلی محرکات بھی بھوک اور شہوت کے محرکات ہیں۔ لہذا صرف انہی کی پرستش کرنی چاہیے۔ اشتراکیت نے انسان کو ایک مشین فرض کر کے جو میکانکی نظریہ حیات اختیار کیا ہے اس کی تبلیغ واشاعت کا نتیجہ یہ ہے کہ اشتراکی سوسائٹی میں اخلاق کی بنیادیں مسمار کر دی گئی ہیں۔ خاندان کے بجائے فرد کو معاشرہ کا جزو

ترکیبی قرار دیا گیا ہے اور اعلیٰ زندگی کے نظام کی پراگندگی نے انسانی اخلاق کی اینٹ سے اینٹ بجادی ہے۔ اشتراکی کے نزدیک انسان زمین پر خدا کا خلیفہ نہیں ہے۔ بلکہ محض حیوانات کی بہت سی انواع میں سے ایک نوع ہے۔ اس میں اور دوسرے حیوانات میں بس اتنا فرق ہے کہ یہ تعقل کی زیادہ ترقی یافتہ قوتیں رکھتا ہے مگر جو ترقی یافتہ قوتیں اس کے پاس ہیں ان کا مصرف اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ حیوانی مقاصد ہی کو زیادہ کمال کے ساتھ پورا کرنے میں ان سے کام لیا جائے۔ اس نقطہ نظر سے جب ہم کیمونزم کے کارنامے کو دیکھتے ہیں تو ہمیں کہنا پڑتا ہے کہ مشترک ملکیت اور وسائل دولت آفرینی کے اجتماعی تصرف سے غریبوں کو جو فوائد حاصل ہوتے ہیں وہ اس نقصان عظیم کے مقابلہ میں ہیچ ہیں جو اشتراکی نظم اجتماعی کی بدولت اخلاق اور انسانیت کو پہنچتا ہے کیونکہ وہ پیٹ کی روٹی اور تن کو کپڑا بہم پہنچانے کے معاوضہ میں وہ چیز انسان سے چھین لیتی ہے جس کی بدولت انسان انسان ہوتا ہے۔

اخلاق کی تباہی

اگر خدا اور یوم آخرت کا اعتقاد نہ ہو اگر انسان کا انتہائی مطمح نظر محض حیوانیت ہی کا نشو و ارتقا ہو تو راست بازی، وفاداری، اخلاص، دیانت، امانت، عصمت و عفت احترام حقوق اور احترام انسانیت کے سارے مذہبی و اخلاقی اصول خود بخود ختم ہو جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ باپ اور بیٹی، ماں اور بیٹے، بھائی اور بہن کے تعلقات کی پاکیزگی کے لئے بھی کوئی بنیاد باقی نہیں رہ سکتی۔ اشتراکی سوسائٹی میں یہ صورت حال عملاً پیدا ہو چکی ہے۔ وہاں مرد و عورت کے تعلق کو نکاح کی قید سے آزاد کر دیا گیا ہے۔ نکاح میں کوئی اہمیت اور کوئی تقدس باقی نہیں۔ آزادانہ شہوانی تعلقات کو نہ صرف جائز بلکہ پسند کیا جاتا ہے اور اس تخیل کو دماغوں سے نکال دینے کی کوشش کی جاتی ہے کہ ایک شخص کسی عورت کو اپنی بیوی قرار دے اور صرف اپنے لئے مخصوص کر کے رکھنا چاہے۔ انسانی ضروریات کے تمام وسائل جس طرح اسٹیٹ کی ملکیت اور سب باشندوں میں مشترک ہیں اسی طرح شہوانی خواہشات کو پورا کرنے کا ذریعہ بھی بہر حال انسانی ضروریات سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کو بھی اسٹیٹ کی ملکیت اور تمام باشندوں میں مشترک ہونا چاہیے، بیوی سب کی بیوی ہے اور شوہر سب کا شوہر ہے۔ کسی کو کسی کے لئے مختص بالذات نہیں کیا جا سکتا۔ ایسے آزادانہ واقعات سے جو بچے پیدا

ہوں وہ بھی اسٹیٹ کی ملکیت ہیں اور چونکہ اسٹیٹ کو ان بچوں کی پرورش کا بار اٹھانا پڑتا ہے۔ اس لئے وہ حق رکھتا ہے کہ وقتاً فوقتاً بچوں کی پیدائش کو اپنے وسائل پرورش کے لحاظ سے گھٹانے اور روکنے کی تدابیر اختیار کرے۔ چنانچہ اسی غرض کے لئے اسقاط حمل اور منع ولادت کا انتظام سرکاری طور پر کیا جاتا ہے۔ یہ نقشہ ہے۔ اس سوسائٹی کا جو ایک اشتراکی اسٹیٹ کے ماتحت بنائی گئی ہے۔ ایک روسی مصنف اپنے ناول میں جس کا نام سمین ہے یہ خیالات ظاہر کرتا ہے کہ شراب خواری اور زنا کوئی قابل شرم چیزیں نہیں ہیں۔ گناہ کوئی چیز نہیں۔ محبت کرنا شراب پینا اور عورت کا تعاقب کرنا خاصہ مردانگی ہے۔ ایک فطری جذبہ ہے اور جو چیز فطری ہو وہ گناہ کیسے ہو سکتی ہے۔ یہ اس مصنف کے خیالات ہیں جو کمیونسٹ سوسائٹی اخلاقی ڈسپلن قائم کرنے پر زور وکیل ہے۔

اشتراکی اخلاق کوئی حقیقی متعین اور ثبوتی چیز نہیں ہے۔ اشتراکیت نے ان تمام بنیادوں کو ڈھادیا ہے جن پر ہزار ہا سال سے انسانی اخلاق کا ڈھانچہ قائم تھا۔ ان کے بجائے وہ صرف ایک اخلاقی اصول وضع کرتی ہے۔ یعنی یہ کہ "ہر وہ چیز جو قیام اشتراکیت کی جدوجہد میں مددگار ہو۔ خیر ہے اور ہر وہ چیز جو اس میں مزاحم ہو شر ہے"۔

لینن اس نکتہ کو بالکل واضح الفاظ میں پیش کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے:۔

"ہم ہر اس اخلاقیت کو رد کرتے ہیں جو فوق الفطری تخیلات یا ایسے تخیلات سے نکلی ہو۔ جو طبقاتی تصورات سے ماوراء ہوں۔ ہم یہ رائے رکھتے ہیں کہ اخلاق تابع ہے طبقاتی جنگ کے مفاد کا ہر وہ چیز اخلاقاً جائز ہے جو قدیم اجتماعی نظام کو مٹانے اور محنت کش عوام کو ایک کرنے کے لئے ضروری ہو جس طبقہ کو اب تک لوٹا جاتا رہا ہے۔ وہ جب اپنے دشمنوں کے خلاف جدوجہد کریگا تو ایسی جدوجہد میں جھوٹ اور مکر و فکر و فریب کے ہتھیاروں کا استعمال ناگزیر ہوگا"۔

اشتراکی تدابیر

اشتراکی نظریہ زندگی پر ایک سرسری نظر ڈالنے کے بعد اب ہم ان تدابیر کی طرف توجہ کرینگے۔ جو مذہب کے اثرات کو دبانے کے لئے اشتراکی حضرات اختیار کرتے ہیں۔ لینن کہتا ہے:۔

"مذہب سے جنگ کا قریبی تعلق اس جدوجہد سے ہونا چاہئے جو تمدن و معاشرت کی جڑوں سے مذہب کا نفوذ و اثر کو نکال پھینکنے کے لئے کی جاتی ہے"۔

مسٹر اوہیکاری ہندوستان میں اشتراکیت کے سب سے بڑے اور ممتاز داعیوں میں سے ایک ہیں میرٹھ کے مقدمہ سازش میں جب وہ ملزم کی حیثیت سے عدالت کے سامنے پیش ہوئے تو انہوں نے اپنے بیان میں فرمایا:۔

"مارکس کے پیرو اور مادہ پرست ہونے کی حیثیت سے ہم مذہب کے قطعی مخالف اور خدا کے منکر ہیں۔ مگر ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ مذہب کے خلاف محض ایک نظری اور خیالی پروپیگنڈے سے مذہب کا استیصال نہیں ہو سکتا۔ لینن اس بات پر زور دیتا ہے کہ مذہب کے خلاف جدوجہد طبقاتی جنگ کی بنیاد پر ہونی چاہئے (ا)۔ استیصال مذہب کی تبلیغ کے بارے میں ہماری جو روش ہے اسے واضح طور پر کمیونسٹ انٹر نیشنل (اشتراکیوں کی بین الاقوامی انجمن) کی پانچویں کانگرس نے حسب ذیل الفاظ میں واضح کر دیا:۔

"بورژوا طبقہ کے پھیلائے ہوئے تعصبات و توہمات کے خلاف جدوجہد کے جتنے شعبے ہیں ان میں سب سے زیادہ اہمیت مذہب کے خلاف جنگ کی ہے۔ مگر یہ جنگ نہایت ہوشیاری اور احتیاط سے ہونی چاہئے۔ خصوصاً محنت کش عوام کے ان طبقات جن کی روزمرہ کی زندگی میں مذہب بہت گہری جڑوں کے ساتھ جما ہوا ہے"۔

اشتراکیت کے ثمرات

اشتراکیت کے ثمرات کو منفعت عامہ سے کوئی دور کا لگاؤ بھی نہیں۔ اشتراکی بڑی بلند آہنگی سے شور مچاتے ہیں کہ مذہب دنیا میں خونریزی و بدامنی کا سب سے بڑا سبب ہے اور دنیا کو

(ا) یہ مقام ذرا سی تصریح چاہتا ہے۔ اشتراکیوں کا خیال ہے کہ اگر مذہب کے خلاف محض نفرت انگیز پروپیگنڈہ کیا جائے اور خدا اور اس کے پرستاروں پر لعن و طعن کی جائے تو اس سے کام نہ چلے گا بلکہ شاید مذہبی خیالات رکھنے والے اپنے عقائد میں اور زیادہ شدید ہو جائیں گے۔ لہذا مذہب کے استیصال کی صحیح تدبیر یہ ہے کہ مفلس عوام کو روٹی کے لئے متوسط اور اعلیٰ طبقوں کے خلاف لڑایا جائے۔ اور اس لڑائی میں دو مقصد اپنے پیش نظر رکھے جائیں۔ ایک یہ کہ بھوکے عوام اشتراکیوں کو اپنا ہمدرد سمجھ کر اپنی باگیں بالکل ان کے ہاتھ میں دیدیں۔ دوسرے یہ کہ متوسط اور اعلیٰ طبقوں کے خلاف عوام کی جدوجہد محض معاشی مسائل ہی کو حل کرنے کے لئے نہ ہو بلکہ اس اجتماعی نظام کو بالکل توڑ پھوڑ دینے کے لئے ہو جو قدیم مذہبی و اخلاقی تصورات پر تعمیر ہوا ہے۔ یہ دونوں مقصد جب تک پوری طرح حاصل نہ ہوں۔ اس وقت لامذہبی کی تبلیغ ذرا نرم انداز میں ہونی چاہیے اور جاہل عوام کو وقتاً فوقتاً اطمینان دلاتے رہنا چاہیے کہ ہم تمہارے مذہب کو ہاتھ نہیں لگاتے۔ ہم تو صرف روٹی کا سوال حل کرنا چاہتے ہیں۔ جس سے مذہب کسی طرح بھی متاثر نہیں ہوتا۔ پھر جب عوام پوری طرح قابو میں آ جائیں اور طبقاتی جنگ اس نوبت پر پہنچ جائے کہ قدیم تمدن معاشرت کی جڑیں ہل چکی ہوں۔ تو اس وقت نئی اشتراکی سوسائٹی کی تعمیر شروع کر دی جائے۔ اور یہ تعمیر ایسے نقشہ پر ہو جس میں مذہب کیلئے کوئی جگہ نہ ہو۔ یہ اشتراکیوں کا اصلی نقشہ جنگ ہے۔

امن نصیب ہی نہ ہو گا۔ جب تک کہ مذہب کو مٹا کر اس کی اشتراکی نظام قائم نہ کر دیا جائے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ دنیا میں خونریزی و بدامنی پھیلانے والے جتنے عناصر ہیں۔ ان میں خود اشتراکیت کا نمبر سب سے اول ہے۔ اس لئے کہ اس کی بنیاد نفرت و حسد پر رکھی گئی ہے اور اس کے برعکس وہ مذہب جس کی بناء انسانیت کے احترام اور خدا کی محبت پر ہے۔ امن کے قیام اور حقوق انسانی کی حفاظت کے لئے سب سے بڑی طاقت ہے۔ یہاں اس بحث کو تفصیل کے ساتھ پیش کرنے کا موقع نہیں ہے۔ میں صرف ان بلند آہنگ اشتراکیوں کی اخلاقی جسارت کی داد ہی دینے پر اکتفا کروں گا۔ جو معصوم حامیان امن کی صورت میں ہمارے سامنے آ کر مذہب کی خونریزیوں کا شکوہ کرتے ہیں۔ در آنحالیکہ خود ان کی تاریخ خون اور آگ کے افسانے سے بھری پڑی ہے۔ اور انہوں ے صرف بیس سال کی مختصر مدت میں اتنا انسانی خون بہایا ہے کہ مذہب غریب صدیوں میں بھی نہیں بہا سکا ہے۔ جان دین ہرڈ جس نے اپنی زندگی کے ۳۰ سال روس میں گزارے ہیں۔ اور جس کی شہادت اس بات میں ایک دقیع شہادت ہے۔ اشتراکی مظالم کی داستان اعداد و شمار میں بیان کرتا ہے۔ ان اعداد و شمار کو دیکھئے اور خود فیصلہ کیجئے۔

۱۹۳۴ء تک جتنے آدمیوں کو روس کی اشتراکی حکومت نے ہلاک کیا۔ انکی طبقہ وار فہرست حسب ذیل ہے:۔

بشپ اور پیشوایان دین	۳۱	اونچے طبقوں کے لوگ	۶۵۸۹۰
اہل خدمات کلیسا	۱۵۶۰	فوجی عہدہ دار	۵۶۳۴۰
جج وکلا اور مجسٹریٹ	۳۴۵۸۵	مزدور اور محنت پیشہ لوگ	۱۹۶۰۰۰
اساتذہ اور طالبان علم	۱۶۳۶۷	سپاہی اور ملاح	۲۶۸۰۰۰
سول عہدہ دار	۷۹۰۰۰	کسان	۸۹۰۰۰۰

یہ ۱۹۳۴ء تک کے اعداد ہیں۔ اس کے بعد ۲۴ سال میں ان اشتراکی فرشتوں کے امن و امان کی جو مزید خدمت کی ہو گی۔ اس کا اندازہ ناظرین خود کر سکتے ہیں۔

اشتراکیت کی ناکامی

روس میں اشتراکی اصولوں کا تجربہ نہایت وسیع پیمانے پر اور انتہائی مبالغہ کیساتھ کیا گیا

ہے۔ اگر ہم سویٹ حکومت کے کارنامے کو اشتراکیت کے حسن و قبح کا معیار قرار دیں تو بلا خوف تردید کہہ سکتے ہیں کہ اشتراکیت کو حقیقت میں ناکامی ہوئی ہے۔ اور ناکامی بھی نہایت شرمناک، حکومت روس کی عظیم الشان فوجی طاقت کو دور سے دیکھ کر اشتراکیت کی کامیابی کا نشان سمجھنا غلطی ہے۔ فوجیت کا ارتقا نہ تو کسی اجتماعی اصول کی خوبی پر دلالت کرتا ہے۔ اور نہ فی نفسہ یہ کوئی اچھی علامت ہے۔ اصل سوال یہ ہے کہ انسان کے مرتبے کو بلند کرنے میں اشتراکیت کو کہاں تک کامیابی ہوئی۔ کیا اس نے عوام کی حکومت عوام کے فائدے کے لئے قائم کی؟ کیا اس نے پائیدار بنیادوں پر ایک عادلانہ نظام اجتماعی مرتب کیا؟ کیا اس نے جمہور کی مصیبتوں کا علاج کر دیا۔ ڈھٹائی کے ساتھ زبانی دعویٰ جس قدر چاہیں کئے جا سکتے ہیں۔ مگر واقعات اور حقائق سے ان سوالات کا جواب اثبات میں نہیں دیا جا سکتا۔

جب ۱۹۱۷ء میں زار کی حکومت ختم ہو گئی تو کسانوں اور مزدوروں کی ایک کانسٹی ٹیوشنل اسمبلی بنائی گئی۔ جس کا صدر لینن تھا۔ ۷ جنوری ۱۹۱۸ء کو رات کے وقت لینن نے یکا یک اسمبلی کو توڑ دیا۔ اور اپنی ڈکٹیٹر شپ (۱) قائم کر دی۔ جس پر وہ مرتے دم تک (۱۹۲۴ء تک) مسلط رہا۔ اس کے بعد اسٹالن اس کا جانشین ہوا۔ اور وہ جب تک روس کا مطلق العنان بادشاہ ہے۔ جس کے اقتدار سے زار کے اقتدار کو کوئی نسبت نہیں تھی۔ پروفیسر اسیکر اس بات میں لکھتا ہے:۔

"بولشویزم اپنی ڈکٹیٹر شپ کے ساتھ بلا شبہ ایک استبداد ہے جس کی شدت قدیم استبداد سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے"۔

ایک مرتبہ کمیونسٹ کانگریس کے کھلے اجلاس میں ایک روسی کسان نے برملا کہا۔ رائے عام محض ایک کھلونا ہے۔ اگر اشتراکی لیڈر چاہیں تو ایک روز کوئی ٹٹو ہمارے نمائندے کی حیثیت

---

(۱) ڈکٹیٹر شپ کا قیام لینن یا اس کے جانشین اسٹالن کی ذاتی حرص کا نتیجہ نہیں جیسا کہ بادی النظر میں ایک شخص قیاس کریگا۔ بلکہ در اصل اشتراکی نظام ایک شدید آہنی گرفت کے بغیر نہ قائم ہو سکتا ہے۔ نہ قائم رہ سکتا ہے۔ اس لئے جو اشتراکی نظام کی فطرت ہی ایک جابر و قاہر ڈکٹیٹر کی طالب ہے۔ وہ ہر وقت ایک ایسی طاقت کا تسلط چاہتی ہے جو ملک کے باشندوں کو لوہے کی زنجیروں میں جکڑ کر رکھے۔ اور قتل و غارت گری کے لئے ہر وقت مستعد رہے کیونکہ اشتراکیت در اصل انسانی فطرت سے جنگ ہے۔ انسان جب تک انسان ہے وہ ہمیشہ ایسے غیر فطری نظام کے خلاف آمادہ بغاوت رہ سکتا ہے۔ اس بغاوت کو ہولناک طریقوں سے کچلنے کی اگر طاقت موجود ہے تو اشتراکی نظام قائم رہ سکتا ہے۔ جہاں یہ طاقت مٹی اور اس نظام کا تار پود بکھرا۔

سے یہاں بیٹھا نظر آئے گا۔

کیسے تعجب کا مقام ہے کہ جو لوگ خدا پرستی کے عقیدے کو صرف اس لئے مٹانا چاہتے ہیں کہ ان کے نزدیک یہ عقیدہ جبر واستبداد کی اولین اساس ہے۔ انہوں نے خود خدا کی جگہ لے لی ہے۔ اور ضمیر کی ادنیٰ سی ملامت کے بغیر وہ بدترین قسم کا جبر واستبداد قائم کئے ہوئے ہیں۔

روسی مزدور

روسیوں کو اپنے سب سے بڑے دعوے یعنی جمہور کی مصیبتوں کا علاج کرنے میں اشتراکی روس کو کیا کامیابی ہوئی؟ ان کے انقلابی نظریات اور ان کی معاشی تجاویز کو سنئے تو کان کے پردوں پر ان کا بڑا وزن محسوس ہوگا۔ مگر حقیقت میں دیکھیے تو روسی کاشتکاروں اور مزدوروں کی حالت کو ان کی کوئی اسکیم بھی نہ سدھار سکی۔ مسٹر ڈینس ویٹلے جو ایک غیر جانبدار مبصر ہے اپنی کتاب میں لینن کی وفات سے ۱۹۳۷ء کے موسم خزاں تک کی کیفیت پر تبصرہ کرتا ہے۔ اس سلسلہ میں اس نے لینن کے دور حکومت کی بے لگام سختیوں کا ذکر کیا ہے۔ اور اب تک روسی عوام کا ایک بڑا حصہ جن مصائب میں گرفتار ہے۔ انہیں تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے وہ ایک روسی مزدور کے یہ الفاظ نقل کرتا ہے:۔

"حالات خراب ہیں۔ بعض مقامات پر تو وہ اتنے خراب ہیں کہ آپ ان پر یقین نہ لائیں گے۔ ہمیں اب مصیبتوں کی عادت پڑ گئی ہے۔ اس لئے کسی نہ کسی طرح زندگی گزار لیتے ہیں۔ مگر بیرونی ممالک کے کارکن جب یہاں آ کر حالات کو دیکھتے ہیں تو ہیبت زدہ ہو جاتے ہیں"۔

آزاد محبت

مسیحی اور اسلامی اخلاقیات کے اصول چھوڑ کر جدید اشتراکی تخیلات کو عمل کا جامہ پہنایا گیا ہے۔ مثلاً آزاد محبت ہر قسم کی حیوانی خواہشات کو پورا کرنے کے بے قید لائسنس سستا نکاح اور اس سے بھی زیادہ ارزاں اطلاق (درحقیقت روس میں نکاح کی جو حیثیت اب رہ گئی ہے۔ اس پر لفظ نکاح کا اطلاق ہی درست نہیں) اور ایسے ہی دوسرے اصول مگر نتیجہ کیا؟ روس عملاً حیوانات کی سرزمین بن گیا ہے۔ اباحت مطلقہ اپنی تمام ناگزیر خرابیوں کے ساتھ پھیلی ہوئی ہے۔ جس نے اشتراکی سوسائٹی کی زندگی کو خطرے میں ڈال دیا ہے۔ ایک ممتاز روسی سائنسدان اینٹون نیملوف

جو اشتراکیت کا بڑا پر جوش ہے۔ اپنی کتاب ''عورت کا حیاتی جزیہ'' میں اعتراف کرتا ہے کہ مزدوروں میں صنفی انارکی عام ہو چکی ہے۔ وہ شہوانیت کے اس طوفان عظیم کے جو اشتراکی سوسائٹی کے اونچے طبقوں سے لے کر نیچے طبقوں تک سب پر چھایا ہوا ہے۔ سخت تشویش کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اور تنبیہ کرتا ہے کہ یہ غیر معمولی صورت حال آخر کار اشتراکی نظام کو تباہ کر کے رہے (۱) گی۔ ملاحظہ ہو کتاب مذکور صفحہ ۳۔ ۲۔ ۲۔ ۲۰، مسٹر ڈو میلے جو روس میں بلجیم کے کونسلر رہ چکے ہیں ایک موقع پر لکھتے ہیں کہ صنفی انارکی کے باعث اس وقت روس میں تقریباً ۵۰ لاکھ بچے ایسے ہیں جن کا کوئی والی وارث نہیں اور جن کی پرورش کا کوئی انتظام نہیں۔ مزید برآں بکثرت کمسن لڑکیاں جن میں بارہ بارہ برس کی بچیاں بھی شریک ہیں۔ پیٹ بھر روٹی حاصل کرنے کے لئے مجبور ہوتی ہیں کہ اپنے جسم کو بیدرد اشتراکی نوجوانوں کی حیوانی خواہشات پوری کرنے کے لئے ان کے حوالہ کر دیں۔ حکومت اس کو بھی منجملہ ان پرائیویٹ تجارتوں کے شمار کرتی ہے جن کی اجازت دے کر اپنا مقررہ حصہ وصول کر لینا اس کا حق ہے۔

---

(۱) مشہور اشتراکی اخبار پرودا میں اب سے چند سال قبل ایک مضمون نکلا تھا جس کے متعلق روسیوں کا کوئی بڑے سے بڑا حامی بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ سرمایہ داروں کا پروپیگنڈا ہے۔ اس مضمون کے یہ الفاظ قابل ملاحظہ ہیں:۔

محبت کے معاملات میں ہمارے نوجوان چند خاص اصول رکھتے ہیں اور ان سب اصولوں کی تہ میں یہ تخیل کار فرما ہے کہ جس قدر زیادہ تم حد کو پہنچنے میں کامیاب ہو گے یا بالفاظ دیگر جس قدر زیادہ تم حیوانیت سے اقرب ہو گے اسی قدر زیادہ تم اشتراکی ہو گے۔ لیبر فیکلٹی کا ہر ممبر ہر طالب علم خواہ وہ مرد ہو یا عورت اس بات کو اصول متعارفہ میں سے شمار کرتا ہے کہ محبت کے معاملات میں جہاں تک ممکن ہو سکے اس کو اپنے اوپر کوئی قید عائد نہ کرنی چاہئے۔ اسی طرح کے اصول متعارفہ میں سے ایک اصل یہ بھی ہے کہ ہر لڑکی جو لیبر فیکلٹی میں داخل ہے اس پر یہ لازم ہے کہ جب اس کے نوجوان ساتھیوں میں سے کسی کی نظر انتخاب اس پر پڑے تو بلا حیل و حجت اپنے آپ کو اس کے سپرد کر دے۔ اشتراکی نظام کی ایک ممتاز رکن مادام سمید دش نے صنفی انارکی کے متعلق بکثرت واقعات نمونے کے طور پر پیش کیے ہیں۔ مثلاً وہ لکھتی کہ ایک روز میں سولہ سولہ سال کے دو لڑکے ایک بچے کو لے کر آئے اور انہوں نے بیان کیا کہ یہ ہم دونوں کا مشترک بچہ ہے۔ ان کو یہ معلوم نہ تھا کہ در حقیقت ان دونوں میں سے کون اس بچے کا باپ ہے۔ آگے چل کر وہ لکھتی ہے کہ نوجوان اشتراکیوں کے نظام میں افریقی راتیں منانے کا رواج بکثرت پھیل گیا ہے جن کی وجہ سے یہ ادارے نوجوانوں کا مرکز مرجع بن گئے۔ ان افریقی راتوں میں بکثرت لڑکیوں کی زندگیاں خراب کر دی جاتی ہیں۔ اور اسی وجہ سے اب عورتیں ان اداروں میں شریک ہوتے ہوئے گھبرانے لگی ہیں۔ اس تباہ کن صنفی انارکی کا تمام الزام صرف غلط اخلاقی نظریات ہی پر عائد نہیں ہوتا بلکہ بڑی حد تک اس کی ذمہ داری روسی حکومت کے اس انتظام پر بھی عائد ہوتی ہے کہ اس نے مزدوروں، کارکنوں اور طالب علموں کو ایسے مکانات میں رکھا ہے جہاں لڑکے اور لڑکیاں مرد اور عورت سب غلط ملط ہو کر رہتے ہیں۔

ایک امریکن مصنف مسٹر بیل نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام "موجودہ دنیا" ہے۔ یہ شخص ایک ممتاز مزدور لیڈر ہے اور اس نے اپنی پوری زندگی مزدوروں کی خدمت میں صرف کی ہے۔ امریکہ میں اس کے خلاف سازش کا مقدمہ قائم ہوا اور وہ جان بچا کر روس بھاگ گیا۔ وہ ایک سخت متعصب اشتراکی تھا۔ مگر جب اپنے اشتراکی تخیلات کی جنت کو اس نے اندر سے دیکھا تو وہ اس قدر دل برداشتہ ہوا کہ اس نے امریکہ واپس جانے کا تہیہ کر لیا۔ درآنحالیکہ امریکہ کی سر زمین میں اس کے لئے حبس دوام کی سزا۔ پہلے سے تیار تھی۔ بوقت تمام اسے بات پر راضی کیا گیا کہ وہ روس کو پھر ایک موقع دے۔ چنانچہ چند سال تک وہ خارکوف کے ٹریکٹر پلانٹ میں ایک افسر اشاعت کی حیثیت سے کام کرتا رہا۔ مگر روس کے حالات دیکھ دیکھ کر آخر کار وہ اس قدر مایوس ہوا کہ اس کو امریکہ واپس جانا پڑا۔ وہ اپنی کتاب میں لکھتا ہے:۔

میری ساری عمر مزدور تحریک میں بسر ہوئی اور میں زندگی بھر اسی کوشش میں لگا رہا کہ خود اپنے اور اپنے ساتھی کارکنوں کے افق کو زیادہ سے زیادہ وسیع اور درخشاں کروں۔ میں دو دنیاؤں کا نکالا ہوا ہوں ایک سرمایہ دارانہ انصاف کی دنیا وسیع اور دوسری اشتراکی انصاف کی دنیا جو تاریکی میں نے ان میں دیکھی ہے۔ کسی زمین دوز قید خانے کی تاریکی بھی اس سے بڑھ کر گہری اور دم گھونٹنے والی نہیں ہو سکتی۔ یہ ایک مٹنے والی تہذیب کی تاریکی ہے اگر کوئی شخص بولشویک نظام پر ایمان لانے کے لئے پہلے سے تیار تھا تو وہ شخص میں خود تھا۔ مگر جس سرزمین کی طرف میں نئی آزادی کی تلاش میں بھاگ کر گیا۔ ہاں میری ساری عقیدت مندیوں کے پرزے اڑ گئے۔ یہ دیکھ کر اس نئے مسلک میں انسانی روح کا فقدان، کسی قید خانہ کی دیواروں سے بھی زیادہ بڑھا ہوا ہے۔

علمائے اسلام سے ایک گزارش:۔ مغرب کے سیاسی اقتدار کی بدولت مادہ پرستی رفتہ رفتہ اسلامی ممالک میں بھی نفوذ کرتی جا رہی ہے۔ اور مذہب کی گرفت غیر محسوس طریقہ پر مگر سرعت کے ساتھ کمزور ہوتی چلی جا رہی ہے۔ موجودہ زمانہ میں مادہ پرستی کو سب سے زیادہ طاقت کیمونزم سے مل رہی ہے۔ یہ نیا مسلک غریبوں اور مفلسوں کی ہمدردی کا بھیس لے کر آتا ہے اور بدترین قسم کی مادہ پرستی اس پردہ میں پھیلاتا جاتا ہے۔ تمام مذاہب میں صرف اسلام ہی وہ مذہب ہے جو کیمونزم اور اس کے مادی فلسفہ کا مقابلہ کامیابی کے ساتھ کر سکتا ہے۔ اسلام ظالمانہ سرمایہ داری کا

مخالف ہے۔ مظلوموں اور غریبوں کا حامی ہے اور خود اپنا ایک معاشی لائحہ عمل رکھتا ہے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ وہ انسانی روح کے تمام اونچے سے اونچے حوصلوں کے لئے ایک خالص عقلی بنیاد پر تکمیل کے ذرائع بہم پہنچاتا ہے مگر جب تک اسلام کے معاشی لائحہ عمل کو نافذ نہ کیا جائے جب تک اسلامی تہذیب کو عمل کی دنیا میں قائم نہ کر دیا جائے جب تک اسلام کا علم رکھنے والے دنیائے جدید کے مسائل پر پوری توجہ نہ صرف کریں تو عالم انسانی کی امامت کا منصب سنبھالنے کے لئے اٹھ نہ کھڑے ہوں۔ اسلام ان لامذہبی اثرات کے مقابلے میں بے بس ہی رہے گا۔

نوجوانان اسلام سے خطاب

اس مضمون میں کمیونزم پر جو مختصر تبصرہ کیا گیا ہے۔ اس میں یہ حقیقت روز روشن ہو جاتی ہے کہ اسلام اور کمیونزم دونوں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس شر عظیم سے بچائے۔

اسلام اور انسداد رشوت

از جناب مولانا فیوض الرحمٰن صاحب۔ لاہور

تین عیب

لوگوں نے سرکاری عہدوں اور ملازمتوں کو بہت معمولی چیز سمجھا ہے حالانکہ ملازمین پر اس قدر بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ اگر انہیں اس کا احساس ہو تو وہ کبھی ملازمتوں اور عہدوں کو قبول نہ کریں لیکن ملازمتوں اور عہدوں کو بڑی خوشی بلکہ فخر کے ساتھ قبول کیا جاتا ہے۔ اور ہر ملازم یہ سمجھنے لگتا ہے کہ وہ مختار غیر مسئول ہے جس کو چاہے ذلیل کرے۔ جس کی چاہے پگڑی اتارے اور جس سے چاہے منہ مانگی رقم طلب کرے۔

انصاف کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹیں تین ہیں (۱) رشوت (۲) سفارش (۳) طرف داری، آج حکومتوں کے ملازموں میں یہ تینوں عیب پائے جاتے ہیں۔ اکثر جگہ رشوت کی کارفرمائی ہے۔ بڑے بڑے حکام تک سفارشوں کا خیال کرتے ہیں اور طبقاتی اختلاف کی وجہ سے کسی نہ کسی کے ساتھ طرف داری بھی کی جاتی ہے۔ ان تینوں برائیوں کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے لیکن جو چیز سب سے زیادہ موثر، تباہ کن اور عام ہے وہ رشوت ستانی ہے۔

رشوت ستانی کا سبب

اگر کسی ملک پر غیر کی حکومت ہے تو سرکاری ملازموں کی رشوت ستانی میں حکومت کو دو فائدے ہیں اول یہ کہ سرکاری ملازم جس قدر عوام کو تختہ مشق بنائے گا اور جس قدر زیادہ رشوت لے گا اسی قدر زیادہ حکومت کا رعب عوام پر جمے گا۔ غیر حاکم کو اپنا رعب چاہئے۔ اسے انصاف کی ضرورت نہیں۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اس صورت میں ملازموں کو کم سے کم تنخواہ دینی پڑتی ہے کیونکہ رشوتوں سے ہاتھ رنگ کر وہ خود تنخواہ کی کمی پوری کر لیتے ہیں۔

رشوت ستانی کا اندازہ لگانے کے لئے ہم ایک معیار پیش کرتے حکومت اعلان کر دے کہ عدالتوں میں، پولیس میں، ریلوے میں اور کنٹرولنگ آفسوں میں اس شخص کو جگہ دی جائے گی جو آنریری طور پر کام کرے اور الٹا حکومت کو دو سو روپے سالانہ بطور ٹیکس ادا کرے۔ اگر اس اعلان کے بعد جگہیں پر نہ ہوں تو ہم جھوٹے، اگر پر ہو جائیں اور یقیناً ہونگی تو سمجھ لینا چاہئے کہ عہدیداروں کو مشاہرہ کی ضرورت نہیں۔ انہیں جس چیز کی ضرورت ہے وہ ملازم ہوتے ہی حاصل ہو جاتی ہے اور اتنی مقدار میں حاصل ہوتی ہے کہ حکومت کے دس مشاہرے بھی اس پر قربان! جب چاہو کر کے دیکھ لو ہر شخص بلا معاوضہ کام کرنے کو تیار ملے گا۔

اسی لئے امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ قاعدہ مقرر کرنا پڑا کہ سرکاری ملازموں کو زیادہ سے زیادہ تنخواہ دی جائے تاکہ خانگی ضروریات سے مجبور ہو کر وہ رشوت نہ لے سکیں۔ مجسٹریٹوں اور ججوں کے لئے یہ قاعدہ رکھا کہ انہیں معزز، آسودہ حال اور دولت مند ہونا چاہئے تاکہ وہ رشوت کی طرف راغب نہ ہوں اور ان پر کسی کی شخصیت و حیثیت کا اثر نہ پڑے۔

رشوت ستانی کے متعلق قرآن کا حکم ہے کہ وَ لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَ تُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ

اور آپس میں مال کو ناروا طور پر مت کھاؤ اور اس کو حکام تک رسائی حاصل کرنے کا ذریعہ مت بناؤ۔

صاحب قرآن نے راشی اور مرتشی پر لعنت بھیجی ہے۔ یعنی رشوت لینے اور دینے والوں پر

لعنت، دونوں ملعون، دونوں قابل نفرت۔

ڈالیاں اورٹی پارٹیاں

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں تمام حکام اور ملازموں کولکھ بھیجا تھا کہ اجعلو الناس فی الحق سواء قریبھم کبعید ھم و بعید ھم کقریبھم و ایاکم والرشوۃ۔ (کنزالعمال جلد ۳)

انصاف میں تمام لوگوں کو برابر سمجھو اور قریب و بعید میں کوئی فرق نہ کرو اور رشوت سے احتراز کرو۔

جو شخص رشوت نہیں لے گا اس میں یہ دونوں اوصاف پائے جائیں گے۔ یعنی وہ تمام لوگوں کے ساتھ انصاف کرے گا۔ اور طرفداری کے جرم کا مرتکب نہ ہوگا اور جو رشوت خوار ہوگا وہ ظالم کو مظلوم اور مظلوم کو ظالم بناڈالے گا۔ اور اس کی غرض صرف یہ ہوگی کہ اپنا فائدہ حاصل کرے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب ایک شخص کو قاضی مقرر کیا تو اسے سب سے پہلی ہدایت یہ کی کہ لا تشتر، لا تبیع ولا ترتش۔ (کنزالایمان جلد ۳)

نہ خریدو، نہ بیچو اور نہ رشوت لو!

خریدنے کی ممانعت اس لئے کی گئی کہ لوگ مجسٹریٹ سے خائف ہوکر اور خوشامدانہ رنگ میں اس کے ہاتھ کم قیمت پر مال فروخت کردیں گے۔ یا خود مجسٹریٹ رعب جما کر سستا مال خرید لے گا۔ تجارت کی ممانعت اس لئے کی گئی کہ وہ اس کے ذریعہ سے ناجائز فوائد حاصل کرسکتا ہے۔

آج کل حکام کو ڈالیاں اورٹی پارٹیاں دی جاتی ہیں۔ وہ رشوت ستانی کی کھلی اور واضح صورتیں ہیں۔ پیغمبر اسلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سرکاری ملازموں کو ہدیہ قبول کرنے سے منع فرمایا ہے۔ آپ ﷺ کے بعد امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے اعلانیہ رشوت قرار دیا ہے۔

ہدیہ یا رشوت؟

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس زمانہ میں خلیفہ مقرر نہیں ہوئے تھے ایک شخص ہر سال ان کی خدمت میں اونٹ کی ایک ران ہدیۃً بھیجا کرتا تھا۔ جب آپ خلیفہ مقرر ہوئے تو اس شخص کا

مقدمہ آپ کی عدالت میں پیش ہوا اور اس نے آپ کو مخاطب کر کے کہا کہ میرے مقدمہ کا ایسا فیصلہ کیجئے۔ جس طرح اونٹ کی ران کو کاٹا جاتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے اشارہ کو سمجھ گئے اور حکام کو تحریری حکم دیا کہ ہدیہ قبول نہ کرو کیونکہ وہ رشوت ہے۔

اللہ اکبر! اسلام نے قیامِ عدل کے لئے رشوتوں کے ہر دروازہ کو کس طرح بند کیا ہے ہم ہر روز دیکھتے ہیں کہ سرکاری عہدیداروں کے پاس ہر قسم کے پھل بھیجے جاتے ہیں اور وہ مزے اڑاتے ہیں۔ ڈالیوں پر ڈالیاں دی جاتی ہیں اور لینے کے لئے ان کے ہاتھ کھلے ہوئے ہیں۔ اور ٹی پارٹیوں کے بغیر تو امراء کا کھانا ہی ہضم نہیں ہوتا۔ اور جن کی خاطر پارٹی دی جاتی ہے۔ انہیں ذرا شرم محسوس نہیں ہوتی کہ وہ کھلی رشوت کھا رہے ہیں۔

قرآنی بول چال

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا ایک مشہور عارفہ گزری ہیں۔ انہوں نے درجہ کمال حاصل کرنے کے بعد قرآنی آیات کے سوا کوئی کلمہ اپنی زبان سے نہیں نکالا۔ چونکہ نہایت ذی علم تھیں۔ اس لئے مناسب موقع آیات تلاش کر لیتی تھیں۔ اور ہر سوال کے جواب میں آیات قرآنی پڑھتی تھیں۔ ان کی نسبت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد عبداللہ بن مبارک بیان کرتے ہیں۔ کہ ایک دن میں مکہ معظمہ سے بیت اللہ شریف اور روضہ مبارک کی زیارت کے لئے جا رہا تھا۔ اتفاقاً راستہ میں حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا تنہا میدان میں بیٹھی ہوئی تھیں چونکہ پہلے سے ہی مجھے ان کی زیارت کا شوق تھا۔ دل نے کہا یہ حضرت رابعہ بصری ہیں۔ اس لئے ان کے پاس آ کر کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا: سَلَامٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ الرَّحِيْمِ (سلام قول ہے مہربان پروردگار کی طرف سے) عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ بن مبارک سمجھ گئے کہ یہ میرے سلام کا جواب ہے۔

عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ: خدا آپ پر رحمت کرے یہاں کیوں ٹھہرے ہیں۔

حضرت رابعہ رحمۃ اللہ علیہ: و من يُضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ (جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کرے، اس کو راہ بتانے والا کوئی نہیں) مطلب یہ کہ مجھے راستہ بھول گیا ہے۔

عبداللہ رحمتہ اللہ علیہ: کہاں جانے کا ارادہ ہے۔

حضرت رابعہؒ: سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَی الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ (پاک ہے وہ پروردگار جو اپنے بندے کو مسجد حرام (کعبہ شریف) سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) کی طرف لے گیا مطلب یہ کہ میں حج سے فارغ ہر کر بیت المقدس جانے کا ارادہ رکھتی ہوں۔

عبداللہ: آپ کا قیام یہاں کتنے روز سے ہے۔

حضرت رابعہ: ثَلٰثَ لَیَالٍ سَوِیًّا۔ پوری تین راتیں۔

عبداللہ: تمہارے پاس کچھ خوراک وغیرہ معلوم نہیں ہوتی۔ آخر تم نے کیونکہ گزر کی۔

رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہ: ھُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ ط۔ (وہ مجھے کھلاتا پلاتا ہے) یعنی میرا پروردگار مجھے رزق پہنچاتا ہے۔

عبداللہ: آپ وضو کے لئے کہاں جاتی ہیں یہاں تو کوسوں پانی نظر نہیں آتا۔

رابعہ بصری: فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَیَمَّمُوْا صَعِیْدًا طَیِّبًا ط۔ (پس اگر تم کو پانی نہ مل سکے تو پاک مٹی سے تیمم کرلو) مطلب یہ کہ میں تیمم کر لیتی ہوں۔

عبداللہ: میرے پاس کھانا موجود ہے۔ کھاؤ گی؟

رابعہ بصری: ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی الَّیْلِ۔ (پھر تمام کرو تم روزہ کو رات کو) یعنی میں روزہ دار ہوں۔

عبداللہ: یہ ماہ رمضان تو نہیں۔ پھر آپ نے کیسے روزہ رکھا۔

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہ: وَمَنْ تَطَوَّعَ خَیْرًا فَھُوَ خَیْرٌ لَّہٗ۔ (اور جو شخص نیکی کی طاقت رکھتا ہے پس وہ اس کے لئے بہتر ہے) یعنی میرا فرضی روزہ نہیں بلکہ نفلی ہے۔

عبداللہ: لیکن سفر میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے۔

رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہ: وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ (اگر تم روزہ رکھو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہوگا۔ اگر تم جانتے ہو۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب معلوم کیا کہ حضرت رابعہ رحمتہ اللہ علیہا میرے ہر سوال کا جواب قرآن مجید ہی کی آیت سے دیتی ہیں تو ان سے عرض کیا جس طرح میں اپنی زبان

میں گفتگو کرتا ہوں۔ اس طرح آپ میرے ساتھ کیوں گفتگو نہیں کرتیں؟

حضرت رابعہ: مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ۔ (انسان کوئی بات زبان سے نہیں نکالتا جس پر کہ ایک جاسوس متعین ہوتا ہے) یعنی انسان کو اپنی ہر ایک بات کا جواب دینا ہوگا۔ اس لئے وہی بات کرے جس کا جواب اسے نہ دینا پڑے۔

عبداللہ: آپ کس قبیلہ کی عورت ہیں۔

حضرت رابعہ: وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ۔ (نہ واقفیت پیدا کرنے کی کوشش کرو اس چیز سے جس کا تم کو علم نہیں، بیشک کان اور آنکھ اور دل سب سے حساب لیا جائے گا) مطلب یہ ہے کہ جس بات سے تمہیں تعلق نہیں دریافت نہ کرو۔

عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ: مجھ سے غلطی ہوئی، اب معافی چاہتا ہوں۔

رابعہ بصری: لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ط يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۔ (نہیں ہے تم پر سرزنش آج اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف کرے۔

عبداللہ: اگر آپ چاہیں تو آپ کو اپنی اونٹنی پر بٹھا کر آپ کے قافلہ تک چھوڑ آؤں۔

حضرت رابعہ: وَ مَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ۔ اور جو کچھ تم نیک کام کرو گے اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے یعنی خدا تم کو اس کا اجر دے گا۔

حضرت عبداللہ نے یہ سنتے ہی اپنی اونٹنی کو ان کے پاس لا کر بٹھا دیا۔

رابعہ بصری: قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ ۔ کہہ دو مومنوں کو کہ وہ اپنی آنکھیں بند کرلیں۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی آنکھیں بند کرلیں اور کہا لو سوار ہو جاؤ۔

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے جیسے سوار ہونے کا قصد کیا۔ اونٹنی بھڑکی جس سے ان کی چادر اس کے پالان سے الجھ کر پھٹ گئی۔ حضرت عبداللہ نے نہایت ادب سے فرمایا کہ افسوس ہے۔ میری غفلت سے آپ کو تکلیف پہنچی۔

حضرت رابعہ: وما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم اور جو مصیبت تم کو

پہنچتی ہے وہ خود تمہارے ہاتھوں سے ہے۔

حضرت عبداللہ: آپ ذرا ٹھیر جائیں تو میں اونٹنی کو باندھ لوں۔

رابعہ بصری: ففهمنا سليمان (پس سمجھایا ہم نے سلیمان کو)

حضرت عبداللہ نے اونٹنی کو باندھ کر کہا کہ آپ سوار ہو جائیں۔

حضرت رابعہ سوار ہو گئیں اور فرمایا سبحن الذی سخرلنا هذا وما كناله مقرنين وانا الى ربنا لمنقلبون (پاک ہے وہ اللہ جس نے آپ کو ہمارا مطیع کیا اور ہم اس کی صلاحیت نہ رکھتے تھے اور ہم البتہ اپنے پروردگار کی طرف توجہ کرنے والے ہیں)

حضرت عبداللہ نے اونٹنی کی مہار اپنے ہاتھ میں لی اور بلند آواز گاتے ہوئے چلنے لگے۔

حضرت رابعہ: و قصد فی مشیک واغضض من صوتک (تیز کرو اپنی رفتار کو اور پست کرو اپنی آواز کو)

حضرت عبداللہ نے اونٹنی کی چال کو تیز کر دیا۔ اور بجائے بلند آواز کے دھیمی آواز سے بطور ترنم کچھ اشعار پڑھنے لگے۔

رابعہ بصری: فاقرء وا ما تيسر من القرآن، پڑھو قرآن شریف سے جس قدر توفیق ہو۔

حضرت عبداللہ: اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت سی خوبیاں عنایت فرمائی ہیں۔ بھلا یہ تو فرمایئے کہ تمام جہان آپ کی طرح کیسے ہو سکتا ہے۔

حضرت رابعہ بصری: وما يذكر الا الوالالباب (اور نہیں سمجھتے مگر عقلمند لوگ)

حضرت عبداللہ نے تھوڑی دور چل کر دریافت کیا کہ تمہارے شوہر بھی ہیں۔

رابعہ بصری: یاایها الذین امنوا لا تسئلوا عن اشياء ان تبدلكم تسؤكم "اے ایمان والو ایسی باتیں دریافت نہ کرو کہ تم کو بتادی جائیں تو تم کو ناگوار معلوم ہوں۔" مطلب یہ کہ بلاضرورت اس سوال کی کیا ضرورت ہے۔

حضرت عبداللہ یہ سن کر خاموش ہو گئے اور تمام راستہ ان سے کسی قسم کی کوئی بات دریافت نہ کی جب قافلہ کے پاس آ گئے تو دریافت کیا۔ بتایئے اس قافلے میں آپ کا کون عزیز ہے۔

رابعہ بصری: المال والبنون زینة الحیوۃ الدنیا (مال اور اولاد دنیاوی زندگی کی زینت ہیں۔)

حضرت عبداللہ نے سمجھ لیا کہ اس قافلہ میں ان کا کوئی بیٹا ہوگا۔ اور دریافت کیا کہ ان کا پتہ کیا ہے اور کیا کام کرتے ہیں۔

حضرت رابعہ بصری: وعلامات ط و بالنجم ھم یھتدون اور علامتیں ہیں۔ تاروں سے راستہ پاتے ہیں) مطلب یہ کہ میرے لڑکے قافلے کے رہبر ہیں۔

حضرت عبداللہ یہ سن کر قافلہ میں پھرنے لگے اور کہا کہ اپنے بیٹوں کا خیمہ پہچان لیجئے اور ان کے نام بتلائیے۔

حضرت رابعہ بصری: واتخذاللّٰہ ابراھیم خلیلا۔ وکلم اللّٰہ موسیٰ تکلیما۔ یا یحیی حذ الکتاب بقوۃ (اور حضرت ابراہیم کو خدا نے دوست بنایا اور جناب موسیٰ سے کلام کی۔ اے یحییٰ اس کتاب کو مضبوطی سے لے لو) مطلب یہ تھا کہ یہاں قافلے میں تم ابراہیم، موسیٰ اور یحییٰ کو آواز دیدو۔ وہی میرے فرزند ہیں۔

عبداللہ سمجھے کہ یہ ان کے بیٹوں کا نام ہے اور آواز دی اے ابراہیم، اے موسیٰ اے یحییٰ یہ سن کر تین نوعمر لڑکے خیمہ سے باہر نکل آئے۔ جنہوں نے حضرت رابعہ کو اونٹنی سے اتارا اور حضرت عبداللہ سے باتیں کرنے لگے۔

حضرت رابعہ نے بیٹوں سے کہا فابعثوا احد کم بورقکم ھذہ الی المدینة فلینظر ایھا ازکی لکم طعاماً فلیأیکم برزق منه پس بھیجو تم اپنے میں سے کسی کو شہر کی طرف اپنا یہ سکہ دے کر تا کہ وہ دیکھے کس کے ہاں اچھا کھانا مل سکتا ہے۔ تا کہ تمہارے لئے کھانا آئے۔ یہ سنتے ہی ان میں سے ایک شہر کی طرف گیا اور وہاں سے کھانا لایا اور حضرت عبداللہ کے سامنے پیش کر دیا۔

رابعہ بصری: کلوا واشربوا ھنیئًا بما اسلفتم فی الایام الخالیة کھاؤ اور پیو برکت سے، بعوض اس کے جو گزشتہ خالی دنوں میں تم کر چکے ہو، (مطلب یہ تھا کہ خوب پیٹ بھر کر کھانا کھاؤ۔ ان دنوں کے عوض کہ جن میں تم روزہ دار تھے۔)

حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ میں حیران تھا کہ کیسی نیک بخت عورت ہے کہ سوائے

قرآن شریف کی آیت کے کوئی لفظ اپنی زبان سے نہیں نکالتی۔ لاچار میں نے ان کے لڑکوں کو کہا کہ میرے لئے آپ کا کھانا حرام ہے جب تک کہ مجھے ان کے مفصل حالات سے آگاہ نہ کرو۔ لڑکوں نے کہا کہ یہ ہماری والدہ محترمہ ہیں۔ چالیس سال ہونے کو ہیں کہ انہوں نے اپنی زبان سے سوائے کلام مجید کی آیات کے کوئی دوسرا لفظ نہیں نکالا۔ اس خوف سے کہ مبادا کوئی ایسا لفظ میری زبان سے نکل جائے جس کی قیامت کے دن مجھے جواب دہی کرنی پڑے گی۔

حضرت عبداللہ نے ہنس کر فرمایا۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم سبحان اللہ یہ حال تھا زمانہ ماضی کے مسلمانوں کا کہ وہ اس قرآن جیسی مکمل مفصل اور واضح کتاب پر عمل کر کے اپنے دینی و دنیوی امور میں کامیابی اور سرخروئی حاصل کرتے تھے۔ برخلاف اس کے آج کل مسلمانوں نے اپنے دلوں سے قرآن کریم کی تعلیم بھلا دی ہے اور اس پر عمل کرنا چھوڑ دیا ہے۔ جس کی وجہ سے تباہ و برباد ہو رہے ہیں۔

لہٰذا ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ آپس کی فرقہ بندیوں کو ترک کر کے اس کتاب کو اپنا ہادی ٹھیرائے۔ اور اس پر عمل کر کے سعادت دارین حاصل کرے۔

لطائف وظرائف

عہد عباسیہ کا ایک مشہور ظریف ابودلامہ لڑائی کے نام سے بہت ڈرتا تھا۔ اور ہمیشہ دعا کیا کرتا تھا کہ مجھے خدا لڑائی کے میدان میں نہ لیجائے۔ خلیفہ مہدی کو اس بات کی خبر ہوگئی کہ ابودلامہ لڑائی سے بہت ڈرتا ہے۔ اس نے ایک روز ابودلامہ کو بلایا اور کہا۔

خلیفہ: ابودلامہ! روح بن حاتم (سپہ سالار) عنقریب ایک مہم پر جائے گا۔ تمہیں بھی فوج میں شریک ہو کر اس کے ساتھ میدان جنگ میں جانا ہوگا۔

ابودلامہ: امیرالمومنین! میں خود نہ سپاہی ہوں۔ نہ میرے باپ دادا سپاہی تھے بھلا مجھ سے یہ کام کیسے ہو سکے گا۔

خلیفہ: تمہاری اس لڑائی میں جانے کی سخت ضرورت ہے۔ ایک فوجی سپاہی نے رخصت لی ہے اس جگہ سردست کوئی آدمی بھرتی نہیں ہو سکتا۔

ابودلامہ: حضور میں کئی روز سے بیمار ہوں۔ میری جگہ کوئی اور آدمی بھیج دیں۔ میں ایسی حالت میں

کیا خاک لڑ سکتا ہوں۔

خلیفہ: کمبخت اور کوئی آدمی فالتو نہیں ہے جو لڑائی پر بھیجا جائے۔ تمہیں ہر صورت میں جانا ہوگا اگر نہ گئے تو یاد رکھنا سر قلم کیا جائے گا۔

قتل کا نام سن کر ابو دلامہ کے ہوش اڑ گئے۔ اور اپنی ظرافت و ہنسی کی ساری باتوں کو بھول گیا۔ بہیتری منت و سماجت کی کہ لڑائی پر جانے سے معاف کر دیا جائے۔ مگر خلیفہ پر اس کا کوئی منتر نہ چلا۔ ناچار مرنے پر کمر باندھی اور چار و ناچار روح بن حاتم کے ساتھ چل پڑا۔

میدان جنگ میں اس نے بہت سی تدبیریں کیں کہ اس کو لڑائی کے لئے نہ بھیجا جائے مگر خلیفہ نے روح کو سمجھا دیا تھا۔ یہ کیونکر ممکن تھا کہ وہ ابو دلامہ کی بزدلی اور نامرادی کا تماشہ نہ دیکھتا۔ جب روح نے بہت اصرار کیا تو اس نے کہا۔

ابو دلامہ: میرے پاس نہ تو ایسا عربی گھوڑا ہے جیسا کہ آپ کے پاس ہے نہ ایسے عمدہ ہتھیار ہیں جیسا کہ آپ رکھتے ہیں۔ اس صورت میں بالکل ناممکن ہے کہ میں دشمن کو مغلوب کر سکوں۔ اگر میرے پاس ایسا نفیس گھوڑا اور ایسی نادر تلوار ہوتی میں ضرور دشمن سے ایک دو ہاتھ کرتا۔

ابو دلامہ نے خیال کیا کہ شاید اس کڑی شرط سے میرے سر سے یہ بلا ٹل جائے۔ مگر روح کو ابو دلامہ کی باتوں پر بہت ہنسی آئی اور کہا۔

روح: خدا کی قسم میں یہی گھوڑا اور یہی تلوار تم کو سپرد کروں گا۔ پھر دیکھوں گا کہ تم لڑائی میں کیا کیا ہنر دکھاتے ہو۔

روح یہ کہہ کر اپنے گھوڑے سے اتر کھڑا ہوا اور اپنی تلوار جو گلے میں حمائل تھی اسے دے کر کہا۔

"لو اب میرے گھوڑے پر سوار ہو جاؤ اور لڑنے کے لئے تیار رہو"۔

ابو دلامہ نے جب دیکھا کہ کسی طرح پیچھا نہیں چھوٹتا اور جو تدبیر کرتا ہوں۔ وہ پٹ پڑتی ہے تو مجبوراً گھوڑے پر سوار ہو گیا اور تلوار گلے میں ڈال لی۔ ابھی چند لمحے ہی گزرے تھے کہ دشمن کی فوج سے ایک قوی ہیکل سپاہی میدان میں نکلا اور خلیفہ کی فوج سے للکار کر کہا کہ اگر کوئی مرد میدان ہے تو میرے مقابلہ کے لیے باہر نکلے۔ روح نے ابو دلامہ سے کہا۔

روح: ابو دلامہ جاؤ اور اس سپاہی کو نیچا دکھاؤ۔

خون اپنی گردن پر نہ لیں۔ میں یقیناً اس کے ہاتھوں مارا جاؤں گا۔

روح: ابھی سے کیوں گھبراتے ہو ایک دو ہاتھ ہو لینے دو پھر خود بخود معلوم ہو جائے گا کہ تم اس کے جوڑ کے ہو یا نہیں۔

ابودلامہ: حضور! میں اس کے مقابلہ سے باز آیا۔ میں اس کے سامنے چڑیا سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ میں ایسے دیو سے کس طرح مقابلہ کر سکتا ہوں۔ آپ کسی اور پہلوان کو بھیجیں جو ایسے دیو سے مقابلہ کرے۔ مجھے تو بغیر مقابلہ کے ہی معلوم ہو گیا ہے کہ اگر میں اس کے سامنے گیا تو میری جان کی خیر نہیں۔ میں خلیفہ کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ آپ اس سے لڑنے کو مجھے نہ بھیجیں۔

روح: نہیں تمہیں ضرور جانا ہوگا۔ اب جب کہ تم میرے گھوڑے پر سوار ہو۔ میری ہی تلوار تمہارے گلے میں حمائل ہے۔ تو پھر ڈرنے اور لڑائی سے جی چرانے کے کیا معنیٰ؟

ابودلامہ: حضور! اگر اس گھوڑے اور اس تلوار کی وجہ سے مجھے اس دیو کے مقابلہ میں جانا پڑتا ہے تو آپ اس گھوڑے کو مجھ سے واپس لے لیں اور یہ تلوار بھی حاضر ہے۔

یہ کہہ کر ابودلامہ گھوڑے سے اترنے لگا۔ اور کانپتے ہاتھوں سے تلوار جدا کرنے کی کوشش کی تو روح نے غصہ سے گرج کر کہا۔

روح: خبردار! اگر تم گھوڑے سے اترے یا تلوار اپنے گلے سے نکالی تو اسی وقت قتل کئے جاؤ گے۔ تمہیں اپنے حریف سے لڑنے اور مقابلہ کرنے کے لئے ہر صورت میں جانا پڑے گا۔

ابودلامہ: خیر اگر آپ نے میرے قتل کرانے کی ہی ٹھان لی ہے تو میں بھی اپنی تقدیر پر راضی ہوں مگر آج دنیا کی زندگی کا آخری دن اور آخرت کی زندگی کا پہلا دن ہے۔ میں اس دنیا میں لوٹ کر نہیں آؤں گا۔ اگر آپ کی یہی مرضی ہے کہ میں لڑنے کے لئے میدان میں جاؤں۔ تو میں بھوکا ہرگز نہیں جاؤں گا۔ اس وقت بھوک غالب ہے۔ اگر آپ میرے لئے کچھ کھانا منگانے کا حکم دیں تو مناسب ہے کھانا کھا کر ضروری مجھ میں طاقت آ جائے گی۔ اور میں اس قابل ہو جاؤں گا کہ اگر حریف پر حملہ نہ کر سکوں تو کم از کم اس کے وار کو جھیل سکوں گا

روح نے اپنے نوکروں کو حکم دیا کہ ابودلامہ کے لئے کھانا لائیں۔ نوکروں نے ایک بھنی ہوئی مرغی اور کچھ روٹیاں لا کر ابودلامہ کے سامنے رکھ دیں۔ ابودلامہ نے کچھ کھایا اور کچھ کمر سے باندھا۔ اور گھوڑے [illegible] اپنے حریف کے

سامنے جا کر کھڑا ہوا تو اس کو معلوم ہوا کہ وہ مذہبا خارجی ہے۔ اور یہ تمام فوج جو خلیفہ کی فوج سے لڑنے کے لئے آئی ہے۔ خارجیوں کی فوج ہے۔ خارجی نے ابودلامہ کو آتے دیکھ کر برچھا تان لیا تھا اور گھوڑے کو ایڑ لگا کر اس کی طرف لپکا کہ یکا یک ابودلامہ نے بلند آواز سے کہا۔

ابودلامہ: ٹھیرو! ٹھیرو! ایسی جلدی کیا ہے پہلے ایک بات سن لو ایسی جلد کیا ہے پھر ہم تم دونوں ایک دوسرے پر وار کرینگے۔

خارجی ابودلامہ کی بات سن کر کھڑا ہو گیا اور حیران ہو کر اس سے پوچھا۔

خارجی: تم یہاں لڑنے کے لئے آئے ہو یا باتیں کرنے کے لئے؟

ابودلامہ: سنو بھائی! لڑنے سے ہم ہرگز نہیں ڈرتے اور جب ہم دونوں اپنی اپنی فوج سے نکل کر میدان میں آگئے تو بیشک ایک دوسرے پر وار کرنے کے لئے آئے ہیں مگر مجھے تم سے ایک ضروری بات کہنی ہے کہ جب تک وہ بات نہ سن لو تم پر برچھے یا تلوار کا وار کرنا حرام ہے۔

خارجی: اچھا کہو وہ کیا بات ہے؟

ابودلامہ: تمہارا مذہب کیا ہے؟

خارجی: میں خارجی المذہب ہوں۔

ابودلامہ: میرا مذہب بھی یہی ہے۔ اچھا یہ بتاؤ اپنے ہم مذہب پر تلوار اٹھانی جائز ہے یا نہیں؟

خارجی: نہیں۔

ابودلامہ: جب میں اور تم دونوں ہم مذہب ہیں اور میں تم سے لڑنا بھی نہیں چاہتا تو یہ کس طرح جائز ہو سکتا ہے کہ تم مجھ پر تلوار کا وار کرو۔

خارجی ابودلامہ کی بات سن کر لاجواب ہو کر خاموش ہو گیا۔ اور دیر تک کچھ سوچتا رہا۔ ابو دلامہ پھر بولا۔

ابودلامہ: مجھے ایک بات تم سے اور پوچھنی ہے کیا میرے اور تمہارے درمیان آج سے پہلے کبھی دشمنی ہوئی تھی

خارجی: نہیں۔

ابودلامہ: کیا میرے رشتہ داروں اور آپ کے رشتہ داروں میں قدیم سے کوئی عداوت چلی آتی ہے؟

خارجی: ''نہیں''۔

ابودلامہ: اب تم ہی انصاف کرو۔ نہ میں تم سے لڑنا چاہتا ہوں۔ نہ تمہارے مذہب اور عقیدہ کے خلاف کوئی عقیدہ اور مذہب رکھتا ہوں۔ نہ میرے اور تمہارے درمیان آج سے پہلے کوئی بات ایسی ہوئی ہے جس سے دشمنی اور عداوت پیدا ہو اور وہ انتقام لینے پر آمادہ کرے نہ میرے اور تمارے خاندان کے درمیان قدیم سے کوئی عداوت چلی آتی ہے۔ پھر تم ہی بتاؤ میرے اور تمہارے درمیان لڑنا اور ایک دوسرے پر حملہ آوار ہونا نادانی اور حماقت نہیں تو اور کیا ہے؟

خارجی: ابودلامہ! واقعی تم نے سچ کہا ہے ہم اور تم آپس میں ہرگز نہیں لڑ سکتے۔ جب ہم اور تم آپس میں یار، دوست اور بھائی بھائی ہیں تو یہ کسی طرح جائز نہیں کہ ایک دوسرے پر تلوار اٹھائیں۔ یا برچھا تان کر حملہ کریں۔

ابودلامہ: خدا تمہارا بھلا کرے۔ تم واقعی دور اندیش اور سمجھدار آدمی ہو اور نہایت جلد کی بات کی تہ تک پہنچ جاتے ہو میں اپنے ساتھ کچھ کھانا لایا ہوں۔ اگر تم پسند کرو تو ہم دونوں گھوڑے سے اتر پڑیں اور زمین پر بیٹھ کر آپس میں مل کر کھائیں۔ اس سے دوستی اور محبت میں ترقی ہوگی اور ہم کو یقین ہو جائے گا کہ جو تعلق ہم دونوں میں قائم ہوا ہے۔ وہ نہایت پختہ اور مضبوط ہے۔

خارجی نے اس بات کو منظور کیا۔ دونوں اپنے گھوڑوں سے اتر پڑے اور زمین پر ایک رومال بچھا کر بیٹھ گئے۔ کھانا درمیان میں رکھا گیا اور دونوں نے کھانا شروع کیا۔

روح بن حاتم ابودلامہ کی ان حرکتوں کو دور سے دیکھ رہا تھا اور ہنستے ہنستے بیتاب ہوا جاتا تھا۔

جب دونوں نے کھانے سے فراغت پائی تو ابودلامہ نے دستر خوان پر طے کیا کہ ہم تم دونوں کو مصافحہ اور معانقہ کرنا چاہئے اور قسم کھا کر اس بات کا اقرار کرنا چاہئے کہ اگر ہماری فوج کے افسر ہم کو ایک دوسرے کے خلاف لڑنے کے لئے بھیجیں گے تو ہم انکار کر دیں گے اور میدان میں نہیں آئیں گے۔

یہ کہہ کر خارجی نے رکاب میں پاؤں رکھا اور جھپٹ کر اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ ابو دلامہ بھی فوراً اپنے گھوڑے پر سوار ہوا۔ پھر دونوں نے ایک دوسرے کو سلام کیا اور اپنی اپنی فوج کی طرف روانہ ہو گئے۔

جب ابودلامہ فوج میں پہنچا تو روح بن حاتم نے اس سے دریافت کیا کہ تم نے اس خارجی

پر ایسا کیا جادو پڑھا تھا کہ وہ تمہارا ہی کلمہ پڑھنے لگا۔ ابودلامہ نے وہ تمام گفتگو بیان کی جو اس کے اور خارجی کے درمیان ہوئی تھی۔ روح نے بے اختیار ایک قہقہہ لگایا اور دیر تک ہنستا رہا۔

"بہادر ابودلامہ! جاؤ اس دشمن کو بھی مغلوب کرو"۔

ابودلامہ نے چند اشعار فی البدیہہ پڑھے۔ ان اشعار کا مضمون یہ تھا کہ

"میں روح سے التجا کرتا ہوں کہ وہ مجھے لڑائی پر نہ بھیجے کیونکہ اس کا انجام یہی ہوگا کہ بنو اسد مجھے ذلیل اور خوار کرینگے۔ میں خوب جانتا ہوں کو جب حریف آپس میں لڑتے ہیں اور ایک دوسرے پر تلوار کا وار کرتے ہیں تو روحوں اور جسموں میں تفرقہ پڑجاتا ہے۔

بہادر سپہ سالار! موت اسی لئے پیدا کی گئی ہے کہ وہ تمام دنیا پر حملہ آور ہو اور تم اسی لئے پیدا کئے گئے ہو کہ موت سے جی توڑ کر لڑو۔ مہلب جو تمہارے خاندان کا سب سے نامور بزرگ ہوا ہے۔ اس نے اپنی اولاد کو میدان جنگ میں مرنے کی آرزو کرنا سکھایا ہے اور یہ خصلت تم نے اسی بزرگ سے ورثہ میں پائی ہے۔ مگر مشکل تو یہ ہے کہ میرے جسم میں ایک ہی جان پیدا کی گئی ہے اگر میں اس کو دے بیٹھوں تو اور کیا کرونگا"۔

ابودلامہ نے یہ اشعار نہایت عاجزی اور التجا کے لہجے میں پڑھے۔ روح کو اس پر رحم آگیا اور دوبارہ اسے میدان جنگ میں نہیں بھیجا۔

خلیفہ مہدی نے جب اس قصہ کو سنا بہت محظوظ ہوا۔ اور ابودلامہ کو انعام واکرام سے سرفراز کیا۔

حکایاتِ ظرافت

(۱) ایک دن ایک فقیر امیر المومنین حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما کے پاس سائل بن کر آیا اور ان سے کسی چیز کی توقع کی۔ تو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اس کو کہا کہ توقف کر، تاکہ کوئی چیز پیدا ہو۔ یہ سن کر فقیر نے ان کو گالی دی۔ حضرت امیر المومنین نے فرمایا کہ اے فقیر تو اپنی مفلسی اور تنگدستی سے آشفتہ و پریشان ہو گیا ہے۔ میرا ماہوار وظیفہ جو بیت المال میں ہے وہ میں نے تجھے بخشا۔ وہ فقیر شرمندہ ہوگیا۔ پھر حضرت نے یہ شعر پڑھا۔

ہم بڑے جمے ہوئے پہاڑ ہیں

ہم کو سخت چلنے والی ہوائیں نہیں ہلاتیں

(۲) ایک شخص مدت تک جہازوں پر سمندروں میں سیر کرتا رہا۔ جب کنارے پر پہنچا تو لوگوں نے اس سے پوچھا: تو نے اپنے سفر میں کیا عجائبات دیکھے۔ اس نے کہا یہی بہت عجیب ہے۔ کہ میں سمندر کی موجوں سے سلامت نکل آیا۔

(۳) کہتے ہیں کہ سکندر نے ایک دن دیوجانس کلبی سے اپنے لشکر سمیت جا کر ملاقات کی اور حکیم دیوجانس کلبی سے پوچھا کہ اگر کچھ حاجت ہو تو فرمایئے تاکہ حکم بجالاؤں۔ اس نے جواب دیا۔ آفتاب کے اور میرے درمیان حائل مت ہو۔ اس وقت حکیم دھوپ سینک رہا تھا اور نہیں چاہتا تھا کہ دھوپ لینے میں رکاوٹ پیدا ہو۔

(۴) روایت ہے کہ حکیم دیوجانس ایک دفعہ ضیافت میں گیا۔ اس کے پاس شراب کا کوزہ پینے کو لائے اس دانا نے کوزہ لیا اور پھینک دیا۔ وہ ٹوٹ گیا اور شراب ضائع ہو گئی۔ لوگوں نے کہا: عمدہ شراب ضائع ہو گئی۔ حکیم نے کہا کہ ابھی تو فقط شراب ضائع ہوئی۔ لیکن اگر میں اسے پیتا تو میرا نفس بھی ضائع ہو جاتا۔

(۵) کہتے ہیں کہ ایک ہرن شکاری کے ڈر سے بھاگا اور ایک غار کی طرف پناہ لی۔ پھر اس غار میں شیر داخل ہوا۔ پس اس ہرن کو پھاڑ لیا۔ تب ہرن نے اپنے دل میں کہا افسوس کہ میں کتنا بڑا بدبخت ہوں کیونکہ میں آدمیوں سے بھاگا اور اس کے ہاتھ میں پڑا جو سخت تر تھا۔

جو شخص آسان بلا سے بھاگتا ہے کبھی بڑی بلا میں پڑ جاتا ہے۔

(۶) حکایت ہے کہ ایک عورت کے پاس ایک مرغی تھی۔ وہ ہر روز ایک سونے کا انڈا دیتی تھی اس عورت نے اپنے دل میں کہا اگر میں اس کی خوراک بڑھاؤں تو ہر روز دو انڈے دیگی۔ جب اس کی خوراک بڑھی تو اس کا پوٹا پھٹ گیا اور وہ مر گئی۔

بیشک بعض آدمی اپنی اصل پونجی بھی بہت سے نفع کی طمع سے کھو دیتے ہیں۔

(۷) ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ ایسا پیاسا ہرن پانی کے چشمے کی طرف پانی پینے کے لئے آیا اور وہ پانی گہری جگہ میں تھا۔ پس وہ اس میں اترا۔ جب اس نے اوپر چڑھنا چاہا تو نہ چڑھ سکا۔ ایک لومڑی نے اسے دیکھ کر کہا تو نے اپنے کام میں خطا کی جب تو نے اوپر چڑھنے کا راستہ نہ جانا تجھے لازم تھا کہ اترنے سے پہلے باہر آنے کی راہ اندر جانے کی راہ سے پہلے تجویز کر لیتا۔

(۸) ایک خرگوش کا مادہ شیر کے پاس سے گزر ہوا۔ کہنے لگا کہ میں ہر سال بہت اولاد جنتا ہوں اور تو فقط ایک یا دو بچے ساری عمر میں جنتی ہے۔ شیر مادہ نے کہا تو نے سچ کہا۔ مگر میرا بیٹا اگرچہ ایک ہے لیکن وہ درندہ ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ ایک لائق بیٹا بہت سی نالائق اولاد سے بہتر ہے۔

(۹) ایک مچھر اتفاق سے بیل کے سینگ پر بیٹھا اور اپنے دل میں گمان کیا کہ میرا اس پر بوجھ پڑا ہوگا۔ کہنے لگا اے بیل اگر تجھ پر میرا بوجھ پڑا ہو تو کہہ دے تاکہ میں تجھ سے اڑ جاؤں۔ بیل نے کہا اے نادان مجھے تو معلوم بھی نہیں ہوا کہ تو کب آکر بیٹھا اور جب تو اڑیگا تو بھی معلوم نہ ہوگا۔

مطلب یہ کہ جو شخص نالائق ہو اور وہ اپنے تئیں بزرگی ولیاقت کا اظہار کرے آخر کو ایک روز شرمندہ ہوگا۔

(۱۰) ایک شخص لکڑیوں کا بوجھ اٹھائے چلا جاتا تھا جب بھاری معلوم ہوا اور اس کے بوجھ سے بے طاقت ہو کر تھک گیا تو بوجھ کو سر سے پرے نیچے پھینک دیا۔ اور ملک الموت کو پکارا تا کہ اس کی روح قبض کرے۔ تب ایک شخص اس کے پاس آکر کہنے لگا کہ میں ملک الموت ہوں۔ فرمایئے مجھے کس لئے یاد فرمایا۔ اس شخص نے کہا کہ میں نے تجھے اس لئے بلایا ہے کہ یہ لکڑیوں کا گٹھا اٹھا کر میرے سر پر رکھ دے۔

انسان حیات دنیا کا اتنا حریص ہے کہ خواہ کیسی ہی تکلیف پہنچے مرنے کو راضی نہیں۔

(۱۱) حکایت ہے کہ ایک سیاہ فام آدمی کپڑے اتار کر برف لے کر اپنے بدن کو اس سے ملنے لگا۔ اس کے پاس ایک حکیم آیا اور پوچھا کہ تو اپنے جسم کو برف سے کیوں ملتا ہے وہ بولا اس لئے کہ میں گورا ہو جاؤں۔ حکیم نے کہا اے بھلے آدمی اپنے آپ کو زحمت میں مت ڈال۔ یہ ہونا ناممکن ہے۔ بیشک تیرا جسم برف کو سیاہ کر دے گا مگر برف تیرے جسم کی سیاہی رفع نہ کر سکے گی۔

بدی جو کچھ طینت میں ہے۔ تعلیم وتربیت سے زائل نہیں ہوتی۔

(۱۲) حکایت ہے کہ ایک دفعہ ایک شیر نے دو بیلوں پر حملہ کیا۔ وہ دونوں بیل مل کر اپنے سینگوں سے اس کو مارنے لگے۔ تب شیر کو پریشانی لاحق ہوئی۔ تو شیر الگ ہوا کہ ان کو دھوکا دے اور ان سے ایک نیا وعدہ کیا کہ اگر تم دونوں ایک دوسرے سے الگ ہو جاؤ تو میں تم کو نہ چھیڑوں گا

اور جب وہ الگ الگ ہو گئے تب دونوں کو پھاڑ ڈالا۔

بیشک اتفاق ہلاکت سے نجات دیتا ہے۔ اور نفاق برباد اور ہلاک کر دیتا ہے۔

(۱۳) کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک بارہ سینگے کو پیاس لگی اور پانی پینے کو چشمے کی طرف آیا۔ اس نے اپنا سایہ پانی میں دیکھا۔ دیر تک غور کرتا رہا۔ پھر اپنے شاندار سینگوں کی بڑائی دیکھ کر خوش ہوا اور اپنے پاؤں کی نازک نلیاں دیکھ کر غمگین ہوا وہ اسی طرح اپنے حال میں متفکر تھا کہ شکاری اس پر دوڑ آئے۔ وہ ان کو دیکھ کر جنگل کی طرف بھاگا۔ جب تک میدان میں دوڑتا پھرتا تھا۔ کوئی اس کو پکڑ نہ سکا۔ جب پہاڑ کی جھاڑی کی طرف آیا۔ جھاڑیوں کی ڈالیاں اور بیلیں اس کے شاخ دار سینگوں میں لپٹ گئیں۔ وہ مقید رہا۔ تب شکاری آ پہنچے۔ اور انہوں نے اسے مار ڈالا۔ بارہ سینگے نے مرتے وقت کہا ہائے افسوس! میرے پاؤں جن کو میں عیب دار کہتا تھا۔ مجھے بچاتے تھے لیکن میرے سینگ جن کی میں تعریف کرتا تھا۔ انہوں نے مجھ کو ہلاک کیا۔

جو حقیر چیز تجھ کو نفع اور فائدہ دیتی ہے اس بڑی چیز سے جو تجھ کو خرابی اور گرفتاری میں ڈالتی ہے بہتر ہے۔

(۱۴) کسی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بنی آدم عمروں کی بابت سوال کیا۔ فرمایا! مرد کو بارہ سال کی عمر تک بچہ کہتے ہیں۔ پھر چوبیس برس کی عمر تک لڑکا۔ پھر چھتیس برس تک نوجوان۔ پھر اڑتالیس برس کی عمر تک جوان۔ پھر ساٹھ برس کی عمر تک ادھیڑ۔ پھر اسی برس کی عمر تک بوڑھا۔ پھر اس کے بعد کہن سال و پیر بے عقل۔

(۱۵) روایت ہے کہ ایک شخص نے یحیٰی بن خالد برمکی کو عرضی لکھی۔ اس میں بیان کیا کہ ایک سوداگر مسافر نے وفات پائی ہے۔ اور پیچھے چھوڑے ایک حسین لونڈی اور ایک شیر خوار بچہ اور بہت سا مال۔ اور وزیر اس کا زیادہ حقدار ہے۔ یحیٰی نے عرضی پر لکھ دیا کہ سوداگر پر خدا رحم کرے اور لونڈی کو خدا بچائے اور لڑکے کی خدا نگہداشت کرے اور مال کو خدا سنبھالے اور ہمارے پاس چغلی کھانے والے پر خدا لعنت کرے۔

(۱۶) ایک بدوی نے جس کا نام موسیٰ تھا۔ ایک ہمیانی چرائی۔ اس میں درہم تھے۔ پھر مسجد میں جا کر جماعت کیساتھ نماز پڑھنے لگا۔ پس امام نے پڑھا۔ یہ کیا ہے تیرے داہنے ہاتھ میں اے موسیٰ؟ بدوی نے کہا! بخدا تو ساحر ہے۔ پھر ہمیانی پھینک دی اور نکل بھاگا۔

(۱۷) ایک بدوی نے ایک جماعت کیساتھ نماز پڑھی۔ تو امام نے پڑھا تو کہہ بھلا دیکھو تو اگر ہلاک کرے اللہ مجھ کو اور میرے ساتھ والوں کو یا ہم پر رحم کرے۔ تو بدوی نے کہا۔ تجھے تنہا ایک کو ہلاک کرے اللہ، کیا گناہ ہے تیرے ساتھیوں کا۔ یہ سن کر جماعت نے نماز توڑ ڈالی، ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو گئے۔

(۱۸) کہتے ہیں کہ ایک بدوی عورت ایک قوم کے پاس سے گزری جو نماز میں تھی۔ تو امام نے پڑھا۔ نکاح کرو جو تم کو خوش لگے عورتوں میں سے۔ اور بار بار اسی کو پڑھنے لگا تو بدویہ بے تحاشا گرتے پڑتے بھاگی۔ یہاں تک کہ اپنی بہن کے پاس آئی اور کہا اے بہن! امام بار بار قوم کو حکم کرنے لگا ہم سے نکاح کرنیکا حتی کہ میں اس بات سے ڈر گئی کہ کہیں مجھ پر نہ سب کے سب ٹوٹ پڑیں۔

(۱۹) ایک بدوی نے ایک امام کے پیچھے نماز پڑھی۔ تو امام نے پڑھا: کیا ہم نے ہلاک نہیں کیا اگلوں کو۔ بدوی پہلی صف میں تھا تو ہٹ آیا۔ دوم میں پھر امام نے پڑھا۔ پھر بھیجتے ہیں ہم ان کے پیچھے پیچھے لوگوں کو تو بدوی اور بھی پیچھے ہٹ آیا پھر امام نے پڑھا۔ ہم اسی طرح کرتے ہیں مجرموں کے ساتھ۔ اور بدوی کا نام بھی مجرم تھا۔ پس نماز چھوڑ کر بھاگ نکلا کہتا ہوا۔ "واللہ سوائے میری ہلاکت کے اور کچھ مقصود نہیں۔" راہ میں اسے بعض بدوی ملے اور پوچھا یہ تیرا کیا حال ہے اے مجرم؟ کہا امام نے ہلاک کیا اگلوں کو اور پچھلوں کو اور انہیں میں مجھکو بھی ہلاک کیا چاہتا تھا۔ قسم خدا کی آج کے بعد پھر کبھی اسے نہ دیکھوگا:

(۲۰) ایک عورت نے نالش کی اپنے شوہر پر قاضی کے پاس۔ تاکہ اسے آزاد کر دیا جائے یعنی فارغ خطی دیدی جائے کیونکہ وہ شوہر کے روزانہ بستر پر پیشاب کرنے سے تنگ آ گئی تھی۔ اس کے شوہر نے قاضی سے کہا۔ قاضی صاحب! میرے مقدمہ میں جلدی نہ کیجئے۔ جب تک کہ میں آپ کے پاس اپنا قصہ بیان کرلوں۔ میں اپنے خواب میں دیکھتا ہوں۔ کہ میں دریا میں ایک جزیرہ میں ہوں اس میں ایک بلند محل ہے، اور محل پر ایک بلند گنبد ہے۔ اور گنبد پر ایک اونٹ ہے اور میں اونٹ کی پیٹھ پر سوار ہوں۔ اونٹ دریا میں پانی پینے کو سر جھکاتا ہے۔ جب میں یہ دیکھتا ہوں تو شدت خوف سے پیشاب کر دیتا ہوں۔ قاضی نے جب یہ سنا تو وہیں بیٹھے بیٹھے اپنے کپڑوں میں پیشاب کر دیا۔ اور کہا: اے عورت! میں نے یہ قصہ سنتے ہی خوف سے بے اختیار ہو کر پیشاب کر دیا تو اس کا کیا حال ہوگا۔ جو یہ بات خواب میں کھلی کھلی دیکھے۔

خنثیٰ لاذکر ولا انثیٰ

(۲۱) ایک ماہی گیر مچھلی پکڑ کر بادشاہ کے پاس تحفہ کے طور پر لایا۔ بادشاہ نے چار ہزار درہم اسے انعام دیئے۔ کچھ دیر بعد کے بادشاہ کو بیگم نے کہا تو تم نے اسراف کیا ہے۔ بادشاہ نے پوچھا کہ اب کیا کروں۔ بیگم نے جواب دیا کہ جا کر ماہی گیر سے پوچھو کہ یہ مچھلی نر ہے یا مادہ، اگر وہ کہے کہ نر ہے تو تم کہنا کہ مجھے مادہ چاہیئے چنانچہ بادشاہ نے باہر آ کر ماہی گیر سے سوال کیا کہ یہ مچھلی نر ہے یا مادہ۔ ماہی گیر سمجھ گیا۔ اور فوراً جواب دیا۔ اَنَّھَا خنثی لاذکر ولا انثیٰ یعنی یہ نر ہے نہ مادہ یہ تو مخنث ہے بادشاہ جواب سن کر ہنس پڑا۔ اور چار ہزار درہم اور بخش دیئے:

لولا انا بینکما لا کنتما

(۲۲) ایک روز حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، اور حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اکٹھے سیر کو جا رہے تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ درمیان میں تھے۔ صدیق اکبر اور عمر فاروق طویل القامت تھے اور حضرت علی پست قد۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:۔

یَا عَلِیُّ اَنْتَ بَیْنَنَا کَالنُّوْنِ فِیْ لَنَا۔ یعنی اے علی آپ ہمارے درمیان ایسے ہیں جیسے لفظ لنا میں نون۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جواب دیا۔ لولا انا بینکما لا کنتما۔ یعنی اگر میں آپ کے درمیان نہ ہوتا تو آپ لا ہوتے یعنی نہ ہوتے۔

ال م

(۲۳) سلطان محمود غزنوی نے خلیفہ بغداد القادر باللہ کو خط لکھا کہ بلاد خراسان کا اکثر حصہ میرے پاس ہے۔ باقی حصہ جو حضرت کے غلاموں کے پاس ہے وہ بھی مجھے عنایت ہو۔ خلیفہ نے ناچار سلطان کی درخواست منظور کر لی۔ دوسری بار پھر محمود نے خلیفہ عباسی کو لکھ بھیجا کہ (سمرقند) مجھے عنایت کیجئے اور منشور لکھ کر بھیجئے خلیفہ نے ایلچی کی زبانی کہلا بھیجا کہ معاذ اللہ یہ کام مجھ سے نہ ہوگا۔ اور میرے حکم کے بغیر سمرقند کی تسخیر کا ارادہ تو کریگا تو ایک عالم کو تیرے برخلاف شورش پر آمادہ کریگا۔ سلطان محمود اس بات پر بہت ناراض ہوا اور خلیفہ کے ایلچی کو کہا کہ تو یہ چاہتا ہے کہ میں بغداد پر ایک ہزار ہاتھی چڑھا کر لیجاؤں اور اس کو برباد کر کے اس کی خاک ہاتھیوں کی پیٹھ پر لاد کر غزنی لے آؤں۔ قاصد یہ جواب سن کر چلا گیا اور کچھ دنوں بعد نامہ لایا۔

اور سلطان محمود کو دیا کہ امیر المومنین نے یہ جواب لکھا ہے جب خط کھولا تو یہ لکھا دیکھا:

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط ا ل م ، ا ل م، ال م

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ اَجْمَعِیْنَ

سوائے اس تحریر کے باقی کچھ لکھا نہ تھا دربار کے سب منشی و بیر حیران تھے کہ یہ کیا جواب ہے۔ تفاسیر میں ان حروف کی تفسیر دیکھی مگر کچھ نہ نکلا۔

اس پر خواجہ ابو بکر قہستانی نے جرأت کر کے عرض کی کہ حضور نے جو ہاتھیوں کے پاؤں کا ڈراوا لکھا تھا اس کا یہ جواب اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِاَصْحَابِ الْفِیْلِ ہے۔ یہ سنتے ہی سلطان محمود کے ہوش اڑ گئے۔ بہت رویا۔ اور خلیفہ کے پیامبر سے معذرت کی اور بہت تحائف نذر کے لئے بھیجے اور ابو بکر قہستانی کو خلعت خاص عنایت کیا۔

مُبارک باشد

(۲۴) ایک دن عرفی فیضی کی ملاقات کو گیا۔ فیضی کو کتوں کا بہت شوق تھا اور ہر وقت چند کتے اس کے گرد و پیش بیٹھے رہتے تھے۔ جیسا کہ ہندوستان کی رسم ہے اس نے پیار سے ایک کتے کو بیٹا کر کے خطاب کیا۔ عرفی نے کہا کہ "ایں صاحب زادہ چہ نام دارد"۔ فیضی نے کہا۔ برائے سگ نام چہ باشد خود عرفی ست۔ عرفی نے ہنس کر کہا مبارک باشد۔

"مبارک فیضی کے باپ کا نام تھا"

یا لیتنی کنت ترابا

(۲۵) علامہ قطب الدین نہایت صاحب جمال تھے۔ ایک روا اپنے استاد کے ہمرکاب جا رہے تھے اور بوجہ گرد راہ کے چہرہ غبار آلود ہو رہا تھا۔ استاد نے از روئے ظرافت کہا کہ یَا لَیْتَنِیْ کُنْتُ تُرَابًا۔ مولانا قطب الدین نے فوراً جواب میں پڑھ دیا۔

وَیَقُوْلُ الْکَافِرُ یَالَیْتَنِیْ کُنْتُ تُرَابًا

حاضر جوابی

(۲۶) ابوالعیناء شاعر کے پاس ایک آدمی آیا۔ ابوالعیناء نے پوچھا آپ کون ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ بنی آدم میں سے ایک شخص۔ ابوالعیناء نے کہا خدا آپ کو خوش رکھے میرا تو خیال تھا کہ

شاید یہ نسل منقطع ہو چکی ہے۔

دیگر

(۲۷) کہتے ہیں کہ خلیفہ مامون الرشید کے پاس ایک حبشی آیا اور دعویٰ کیا کہ میں موسیٰ بن عمران ہوں خلیفہ نے اسے کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تو ہاتھ گریبان میں ڈال کر باہر نکالا تو سفید تھا۔ تو بھی سفید ہاتھ نکال کر دکھا تا کہ میں تم پر ایمان لاؤں۔ حبشی نے جواب دیا کہ حضرت موسیٰ نے یہ بات اس وقت کی تھی جب کہ فرعون نے کہا تھا کہ اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی۔ آپ بھی ایسے کہیے میں ابھی سفید ہاتھ دکھائے دیتا ہوں۔

علیک و علیٰ والدیک

(۲۸) ایک لڑکا مکتب میں استاد کے سامنے بیٹھا سبق یاد کر رہا تھا۔ اور وَ اِنَّ عَلَیْکَ وَاللَّعْنَتَ کا تکرار کر رہا تھا چونکہ لڑکا استاد کی طرف دیکھ رہا تھا اور بار بار یہ عبارت پڑھتا تھا۔ استاد کو اس بات پر غصہ آ گیا اور کہا کہ عَلَیْکَ وَ عَلٰی وَالِدَیْك۔ لڑکے نے کہاں یہاں صرف علیک ہے۔ اگر آپ حکم دیں تو علی والدیک بھی کہوں۔

ٹیڑھی کھیر

(۲۹) مشہور ضرب المثل ہے کہ مجھ سے یہ ٹیڑھی کھیر نہیں کھائی جاتی۔ اصل قصہ یہ ہے کہ ایک اندھے کو کسی نے کہا کہ آؤ حافظ جی کھیر کھاؤ۔ اندھے نے کھیر پہلے کبھی کھائی نہ تھی۔ پوچھا کہ کھیر کیا چیز ہوتی ہے۔ اس شخص نے جواب دیا کہ کھیر سفید ہوتی ہے۔ اندھے کو سیاہ و سفید کی تمیز کیوں کر ہوتی۔ پھر پوچھا کہ سفید کس طرح؟ جواب ملا۔ کہ بگلے کی گردن کی طرح۔ اندھے کو بگلے کی گردن کی کیفیت بھی معلوم نہ تھی۔ پوچھا کہ بگلے کی گردن کیسی ہوتی ہے۔ اس شخص نے اپنے بازو اور ہاتھ کو ٹیڑھا کر کے بگلے کی گردن کی شکل بنائی اور حافظ صاحب نے جب اس خمیدہ ہاتھ اور بازو کو ہاتھوں سے ٹٹولا۔ تو فوراً بول اٹھا نہ بابا مجھ سے یہ ٹیڑھی کھیر نہیں کھائی جاتی۔

ایک مجنون کی قرآن دانی

کہتے ہیں کہ بغداد کا ایک امیر مجلس میں بیٹھا ہوا تھا اور اس کے سامنے ایک طبق بادامون سے بھرا پڑا تھا۔ اتنے میں ایک مجنون آدمی وہاں آ موجود ہوا۔ اور امیر کو کہا کہ حضرت یہ کیا ہے۔

امیر نے ایک بادام اٹھا کر اس کی طرف پھینکا۔ مجنوں نے کہا "ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْهُمَا فِی الْغَارِ"۔ اس پر امیر نے ایک اور بادام اس کی طرف پھینک دیا۔ پھر مجنوں نے کہا۔ فَعَزَّزْنَا هُمَا بِثَالِثٍ۔ امیر نے ایک اور بادام اس کے سامنے ڈال دیا۔ مجنوں نے کہا۔ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ۔ امیر نے ایک اور بادام اس کے سامنے ڈال دیا۔ مجنوں نے کہا۔ خَمْسَةٌ" سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ۔ اس پر ایک اور بادام اس کے سامنے رکھ دیا گیا۔ پھر مجنوں بول اٹھا کہ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ۔ امیر نے ایک اور بادام بڑھا دیا۔ مجنوں نے کہا۔ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا۔ امیر نے ایک اور بادام بڑھا دیا۔ اس پر مجنوں نے کہا۔ وَ كَانَ فِی الْمَدِیْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ۔ امیر نے ایک اور بادام بڑھا دیا۔ مجنوں نے پھر کہا۔ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ۔ امیر نے دسواں بادام بھی آگے کر دیا۔ مجنوں نے کہا۔ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا۔ امیر نے ایک اور بادام اس کے سامنے رکھ دیا۔ پھر مجنوں نے کہا۔ اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَا للّٰهِ اثنا عَشَرَ شَهْرًا۔ امیر نے بارہواں بادام بھی پیش کر دیا۔ پھر مجنوں نے کہا۔ اِنْ یَّكُنْ مِّنْ كُمْ عِشْرُوْنَ۔ امیر نے بیس بادام پورے کر دیئے اس پر مجنوں نے کہا۔ یغلبُا مِائَتَیْنِ۔ اس پر تنگ آکر امیر نے حکم دیا کہ سارا طبق اس کیسامنے رکھ دیں۔ طبق مجنوں کے سامنے رکھا گیا۔ امیر نے کہا کہ اب کھاؤ خدا تمہارے شکم کو کبھی سیر نہ کرے۔ مجنوں نے کہا کہ خدا کی قسم اگر تو ایسا نہ کرتا پھر میں یہ پڑھتا کہ وَ اَرْسَلْنَاهُ اِلٰی مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ یَزِیْدُوْنَ۔

تحصیل علم کا بہترین ذریعہ

ایک حکیم نے اپنے لڑکے کو کہا۔ اے بیٹے علم داناؤں کے مقولات سے سیکھ کیونکہ وہ لوگ جو کچھ سنتے ہیں۔ اس میں سے سب سے اچھی بات لکھ لیتے ہیں اور جو کچھ وہ لکھ لیتے ہیں۔ اس میں سے سب سے اچھی بات یاد کر لیتے ہیں اور جو کچھ وہ یاد کر لیتے ہیں۔ اس میں سے سب اچھی بات منہ سے نکالتے ہیں۔

امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کی ظرافت

کہتے ہیں کہ ایک روز امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کا کسی کوچہ میں سے گزر ہوا۔ دُھنیا ایک دکان میں روئی دُھنک رہا تھا۔ کسی نے کہا کہ جس دُھنیے کو دیکھو ایک ہی انداز پر روئی دُھنکتا ہے۔ سب ایک ہی استاد کے شاگرد ہیں مگر حیران ہوں کہ اس آواز کو لفظوں میں کیونکر لا سکیں۔

امیر خسرو رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس طرح:

در پئے جاناں۔ جاناں ہم رفت۔ جاناں ہم رفت۔ جاناں ہم رفت' رفت۔ رفت۔ جانا ہم رفت۔ ایں ہم رفت و آں ہم رفت و آں ہم رفت۔ آں ہم رفت۔ آں ہم رفت۔ ایں ہم آں ہم۔ ایں ہم آنہم۔ آں ہم رفت۔ رفتن۔ رفتن۔ دفتن وہ۔ وہ۔ وہ رفتن دہ۔ رف۔ رف۔ رفتن وہ۔ رفتن وہ۔

امیر خسرو رحمتہ اللہ علیہ کے دو سخنے

جوتا کیوں نہ پہنا۔ سموسہ کیوں نہ کھا.................. تلا نہ تھا

وزیر کیوں نہ رکھا۔ انار کیوں نہ چکھا........... دانا نہ تھا

گوشت کیوں نہ کھایا۔ ڈوم کیوں نہ گایا........... گلا نہ تھا

زن۔ نار

زن بود در زبان ہندی نار ☆☆ وَقِنَا رَبَّنَا عَذَابَ النَّارِ۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے احوال واقوال

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ 632ء (5 شعبان المعظم 4 ہجری) کو مکہ مکرمہ زاد اللہ شرفا و تعظیما میں پیدا ہوئے۔ آپ کا نام حسین رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تجویز فرمایا۔ آپ غایت درجے کے حسین و جمیل تھے۔ آپ کا بچپن بھی انوکھی نوعیت کا تھا۔ آپ کی تربیت آپ کی والدہ مقدسہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کی۔ اس کا نقشہ محض اس ایک واقعہ سے ہو سکتا ہے۔ آپ اپنے برادر مکرم حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے ہلکی سی تکرار کر بیٹھے۔ بالکل بچے تھے۔ جناب فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دونوں امام زادگان سے فرمایا۔ قرآن مجید کے اس حکم پر غور کرو۔ لا تعثوا فی الارض مفسدین۔ زمین میں فساد کرنے والے نہ بنو۔ یونہی سا بگاڑ اور اس پر یہ ارشاد ظاہر ہے کہ ان کی والدہ مقدسہ انہیں کس کردار پر فائز دیکھنا چاہتی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں بھائیوں کو اپنے گلشن کے پھول اور جنتیوں کے سردار قرار دیا۔ دونوں مسجد میں تھے۔ ان کے سامنے ایک بوڑھے نے غلط طریق پر وضو کیا۔ انہوں نے اس سے یہ بھی نہ کہا۔ بابا آپ نے وضو غلط طریق پر کیا۔ اس کے سامنے خود وضو کیا۔ اس پر اس کی غلطی عیاں ہو گئی۔ عالم طفولیت میں یہ سوجھ بوجھ یہ انداز تفہیم و تذکیر خصوصی شان

رکھتا ہے۔ آپ چار سال کے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو رب العزت نے بتایا۔ ان کے نواسے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کربلا کی زمین میں شہید ہو جائیں گے اور شہید کرنے والے کلمہ گو ہوں گے۔ آپ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود اس حقیقت سے آگاہ تھے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کا علم تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس راز الٰہی سے آگاہ تھیں۔ حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے مطلع فرمایا تھا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی استدعا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی کہ آنحضرت کی جرات اور صبر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو مرحمت ہو جائے۔ قضا نبی کی دعا کے ساتھ لپٹی ہوئی ہوتی ہے۔ وہی ہوا جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا تھا۔

نبی کے منہ سے جو نکلی وہ بات ہو کے رہی'

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو الفت و محبت کی نگاہ سے دیکھنا سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم یقین کرتے تھے۔ حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے اعتقاد کے مطابق حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی اولاد سے زیادہ محبوب جانتے تھے۔ آپ نے حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سرکاری وظیفہ اپنے بیٹے سے بڑھ کر مقرر فرمایا۔ ہر معاملہ میں آپ کو بلند تصور کیا۔ ایران کی جنگ میں تاجدار فارس کی پوتی شہر بانو مدینہ میں وارد ہوئیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایماء سے ان کا نکاح حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کیا گیا۔ حضرت امام زین العابدین اسی نو مسلمہ مقدسہ کے لخت جگر تھے۔

حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ علم کے پیکر زہد و ورع کی زندہ تصویر تھے۔ آپ نے 25 حج پیادہ پا کیے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی الحرمین صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کے راوی ہیں۔ انسان کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ ناکارآمد چیز کو ترک کر دے۔ آپ نے ہر وہ کام کیا جو خدا کو پسند ہے اور ہر ناکارہ اقدام سے احتراز کیا۔ اس وصف و عمل کو قرآن کی بولی میں تقویٰ کہا گیا ہے۔ بنابریں ملت کے نزدیک حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ امام الاتقیا ہیں۔

آپ بڑے کریم النفس تھے۔ آپ نے جہاد میں شرکت کی۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں جوان ہوئے۔ طرابلس، مراکش کی لڑائیوں میں شامل ہوئے۔ حضرت امیر

معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں قسطنطنیہ کی مہم میں شریک ہوئے۔ آپ اعلیٰ درجے کے ادیب خطیب اور شاعر بھی تھے۔

شہید توحید

آپ جب عمر رسیدہ ہوگئے تو آپ کو جابر و قاہر آمر یزید کے خلاف نبرد آزما ہونا پڑا۔ آپ نے واضح کیا کہ آپ نے یزید کے خلاف یہ اقدام کیوں کیا۔ آپ مکہ مکرمہ سے کوفہ جا رہے تھے۔ راستے میں حاکم وقت کے مقرر کردہ موسوم حر بن یزید ریاحی نے آپ کو روکا۔ اس پر جو تقریر کی اس کا ایک پارہ یہ ہے۔

یاایھاالناس ان رسول اللہ قال من رای منکم سلطانا جائراً نَاکِثاً بعھداللہ مخالفاً لِسنۃِ رسول اللہ مستحلا لحرام اللہ.

اے لوگو! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد یہ ہے کہ جو تم میں سے کسی جور و ستم کرنے والے فرمانروا کو دیکھے کو وہ الٰہی عہد کو توڑ رہا ہے۔ نبی کریم ﷺ کے طریق کی مخالفت کر رہا ہے جس چیز کو شریعت نے حرام کیا ہے۔ وہ اسے حلال کر رہا ہے۔

یعمل فی عباداللہ بالاثم والعدوان فلم یغیّر ما علمہ یفعل ولا یقول.

وہ اللہ کے بندوں کے ساتھ سیاہ کارانہ برتاؤ کر رہا ہے۔ ان پر زیادتی کر رہا ہے اور جو شخص مقدور بھر اس ظالم کی روش میں خوشگوار تبدیلی پیدا کرنے کیلئے سعی نہیں کرتا۔

کان حقا علی اللہ ان یدخلہ مدخلہ

تو اللہ کو حق ہے کہ اس کو اس کی سزا دے۔

آپ کے نزدیک یزیدی نظام ایسا تھا جس میں شیطان کام ہو رہے تھے۔ رحمانی دستور پامال کیا جا رہا تھا۔ حدود شریعہ کو برباد کیا جا رہا تھا۔ رعایا پر ظلم کیا جا رہا تھا۔ آپ فرماتے ہیں آپ سمجھتے ہیں کہ اس فتنہ کو روکنے کیلئے سب سے زیادہ ذمہ داری آپ پر عائد ہوتی تھی۔ آپ نے اسی فریضہ کو ادا کرنے کی ٹھانی اور اسی راہ میں ہر قربانی فرمائی اور ظاہر کیا کہ آپ کو رضائے الٰہی مطلوب ہے۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

ماسوائے اللہ را مسلماں بندہ نیست
پیش فرعو نے سرش افگندہ نیست

مسلمان اللہ کا غلام ہے۔ غیر اللہ کا غلام نہیں ہے۔ وہ رب العزت کی چوکھٹ پر اپنے سر کو جھکاتا ہے۔ فرعون کو سجدہ نہیں کرتا۔ آپ اور آپ کے 72 ساتھی کربلا کے میدان میں راہ توحید میں شہید ہو گئے۔ میں نے عرض کیا ہے۔ کربلا میں جو ہو رہا تھا اس کا نہایت ہی مختصر مرقع یہ ہے۔

یزید کی طرف سے:۔ پامال ہو رہی تھیں انسانیت کی قدریں
اسلام نوحہ زن تھا اخلاق رو رہا تھا

امام کا کام:۔ تھے اس کے پاس دانے توحید کے بہتر
ایثار کی لڑی میں ان کو پرو رہا تھا

جب امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہوئے۔ آپ کی عمر شریف 57 سال کی تھی۔

آپ کے دس اقوال

(1) نماز: جنگ شروع ہونے سے ایک روز قبل آپ نے اپنے قاصد حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا۔

دشمن کے پاس دوبارہ جاؤ۔ کوشش کرو جنگ آج ملتوی ہو جائے تاکہ ہم رات بھر نماز، عبادات اور استغفار میں بسر کر سکیں۔

جو شخص نماز نہیں پڑھتا۔ اس کے متعلق ہمیں یہ بھی پروا نہیں اس کا حشر فرعون کے ساتھ ہوتا ہے یا ہامان یا قارون کے ساتھ۔

(2) موت: آپ سے عرض کی گئی۔ آپ جہاں جا رہے ہیں وہاں آپ کے لئے موت ہے۔ آپ نے فرمایا جو ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ نے بوقت جہاد کہا تھا۔ موت مومن کے لئے خوفناک نہیں اس لئے کہ وہ موت حق کے لئے قبول کرتا ہے جب اس کی نیت جہاد ہو تو موت مبارک ہے۔

آپ نے اپنے بھتیجے حضرت قاسم بن حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا۔ بیٹا آپ جا سکتے ہیں۔ بھتیجے نے عرض کی۔ اے چچا جان کیا ہم حق پر نہیں۔ (یا عم السنا علی الحق)

آپ نے جواب دیا' بیٹا ہم حق پر ہیں۔ (بلیٰ)

حضرت قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بولے! جب ہم حق پر ہیں تو موت کی کوئی پروا نہیں ہے۔ (فاذالا ابنالی بالموت)

آپ نے اپنے بھتیجے سے پوچھا' تم موت کو کیسا سمجھتے ہو۔ حضرت قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بولے' میں موت کو شہد سے زیادہ شیریں خیال کرتا ہوں۔ (اعلیٰ من العسل)

جب یہ نونہال شہید ہونے کو تھے۔ فرمایا۔ بیٹا صبر کر اور نعمت خداوندی پر اس کا شکر بجالا۔ اسی نوعیت کی گفتگو آپ نے اپنے بڑے بیٹے علی اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کی۔ آپ نے ان کو جنگ میں بھیجتے ہوئے کہا۔

یں اس فرزند ارجمند کو جنگ پر بھیج رہا ہوں جو نکوکار ہے۔ وفاشعار ہے جس کی صورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتی ہے۔

(3) صبر: آپ نے اپنی ہمشیرہ مقدسہ جنابہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا۔

ہمشیرہ موت کے بغیر چارہ نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا سے جدا ہونا پڑا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال ہوا۔ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس عالم فانی سے چل دیئے۔ والدہ ماجدہ مقدسہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جنت کو سدھار گئیں۔ اس لئے آپ کا فرض ہے۔ میری شہادت پر صبر کریں۔ واویلا نہ کریں' گریباں چاک نہ کریں۔ اپنی نمازوں بالخصوص تہجد میں ہمیں فراموش نہ کریں۔

(4) ایثار: جو شخص "حر" آپ کو گرفتار کرنے اور آپ پر آب بند کرنے پر مامور تھا۔ آپ نے اس پانی سے جو آپ اپنے ہمراہ مکہ سے لائے تھے۔ اس کے جانوروں کو نوازا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ وہ آپ کا فدائی ہو گیا۔

(5) حریت ضمیر: دشمن نے چاہا آپ جتنا روپیہ چاہیں لے لیں مگر یزید کی بیعت کر لیں۔ آپ نے حریت ضمیر کے مقابلے میں دولت کو ٹھکرا دیا۔ کہا گیا آپ ایسا نہ کریں گے تو آپ کو ہلاک کر دیا جائے گا۔ آپ نے اس کی پروا نہ کی اور یہی واضح کیا کہ ضمیر کی آزادی سب سے زیادہ گراں قیمت متاع ہے۔

(6) سنت کی پیروی: آپ نے اہل بصرہ سے فرمایا۔

میں تمہیں دعوت دیتا ہوں۔ کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کی حفاظت کرو اور امر کے

احکام کونافذ کرانے کی کوشش کرو۔ (کامل ابن اثیر)

(7) تقدیر: جو چیز مقدر ہو چکی وہ ہو کر رہے گی۔ ہماری جانیں اللہ کے لئے ہیں۔

(8) حق کی حمایت: ہر کام اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جو چاہتا ہے۔ کرتا ہے۔ ہمارا پروردگار ہر روز نئی شان میں جلوہ گر ہوتا ہے اگر اس کی قضا ہمارے موافق ہو تو ہم اس کی توفیق سے اس کا شکریہ ادا کریں گے اور اگر تقدیر الٰہی ہماری مراد میں حائل ہو گئی تو وہ شخص خطا پر نہیں جس کی نیت حق کی حمایت ہو۔ اس صورت میں ہمیں ثواب صبر عطا ہو گا۔

(9) دین کی سمجھ: میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں۔ راحت میں بھی اور مصیبت میں بھی۔ اے پروردگار میں تیرا شکر گزار ہوں تو نے ہمیں شرافت نبوت سے نوازا اور ہمیں کان' آنکھیں اور دل دیا تاکہ آپ کی آیات کو سمجھیں۔ ہمیں اللہ تو نے قرآن سکھایا اور دین کی سمجھ عطا فرمائی۔

(10) قصہ شہادت: بلاشبہ اصحاب کہف کا قصہ عجیب ہے مگر میرا قصہ شہادت عجیب تر ہے۔

حیوانی زندگی' انسانی زندگی

انجیل شریف نے جناب مسیح کی نسبت لکھا ہے۔ انہوں نے فرمایا۔ لومڑ کے لئے بھٹ ہے۔ چڑیوں کے لئے گھونسلا ہے۔ ابن آدم کے لئے مکان ہیں۔ وہ صرف اپنا تذکرہ فرما رہے تھے' ساری دنیا کی سیاحت کی جائے۔ جنگلوں میں پہنچ کر دیکھا جائے۔ یہی نظر آئے گا کہ لومڑوں کے گھر یکساں نوعیت کے ہیں۔ ان کی ضروریات بھی ویسی ہی ہیں۔ ان کی خوراک بھی وہی ہے جو جنابِ نوح علیہ السلام کے عہد میں تھی۔ ان کے بھٹ کی بناوٹ میں کوئی فرق نہیں آیا۔ لومڑوں میں نہ کوئی نقشہ نویس ہے' نہ معمار نہ انجینئر' چڑیوں کے گھونسلے بھی نہیں بدلے۔ وہی تنکے وہی ان کے جوڑنے کی ترکیب ان گھروں کا فرنیچر بھی نہیں بدلا۔ امریکہ بھی نہیں بدلا۔ رومہ کی بادبانی کشتیوں میں بھی ان کی اڑان اسی رنگ کی تھی۔ جیسے برطانیہ کے سمندروں میں ان دنوں ان کی ہے۔ وہی روش ان کی افریقہ' ایشیا میں بھی دیکھی گئی۔ بلاشبہ شہد کی مکھی کا چھتہ بڑا لاجواب ہوتا ہے مگر زمانے کی تبدیلی کے ساتھ اس میں تبدیلی پیدا نہیں ہوئی۔ زنبور کے چھتے کا مرقع بھی دقیانوسی کیفیت کا ہے۔ عنکبوت کے جال کا حال بھی کچھ انوکھا نہیں۔ اس میں جدت نظر نہیں آتی مگر کراچی جب مچھیروں کی بستی تھی۔ اس وقت ماہی گیر جو جال استعمال میں لاتے تھے۔

اس وقت کی کراچی بالکل بدل گئی ہے۔ مچھلی پکڑنے والوں کی کنڈیاں بھی جدید طرز کی ہو گئی ہیں۔
پرندوں، چرندوں اور درندوں کی حرکات و سکنات کو عملی عینک سے دیکھنے والے کہتے ہیں کہ وہ اسی قدر لیتے ہیں۔ اسی قدر تلاش کرتے ہیں جتنا ان کی ضروریات حیات کے لئے کافی ہو سکتا ہے۔
انسانوں میں جن کی زندگی بہت حد تک حیوانوں سے ملتی جلتی ہے۔ ان کی ضروریات بھی گنی جا سکتی ہے۔ ان کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے مگر جوں جوں انسان مہذب ہوتا جاتا ہے اس کو کلچر کے پر لگ جاتے ہیں۔ وہ تمدن کی طرف سیڑھیوں پر نظر آتا ہے جہاں فرشتے بھی نہیں پہنچ سکتے کیا تہذیب کا منشا یہی ہے کہ ضروریات غیر محدود ہو جائیں۔ کیا ثقافت کی غایت یہی ہے کہ ہماری آرزو بحر بیکراں بن جائے۔
اونٹ کی نسبت نہیں کہا جا سکتا کہ وہ مہذب ہے۔ ہاتھی بھی غیر متمدن ہی ہے۔ کہنے کو تو کہہ دیا جاتا ہے کہ ان کی حیوانی خواہشیں تہذیب و تمدن و ثقافت کے ساتھ ہی بتدریج بڑھتی رہتی ہیں مگر جو واقعی حیوان ہیں۔ ان کی خواہشات میں تکثیر کا یہ عالم نہیں ہے۔ حیوان تو صرف بھوک کا علاج کرتا ہے۔ ہاں یہ ٹھیک ہے اسے اس کی پرواہ نہیں کہ جس طریق سے وہ خوراک حاصل کر رہا ہے۔ وہ جائز ہے یا ناجائز۔ وہ حرام و حلال کا مکلف ہی نہیں۔ اس کا کوئی مذہب ہی نہیں۔
انسان کو زبان کی چاٹ بھی لگ جاتی ہے۔ یہ شان حیوان کی نہیں۔ حیوان کو لباس کی حاجت ہی نہیں مگر انسان کو لباس سے ستر جسم اور گرمی سردی کا بچاؤ ہی مقصود نہیں ہوتا۔ اسے نمائش آرائش بناؤ سنگھار تصنع کا بھی جنون ہوتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ جب وہ بن ٹھن کر نکلے تو دیکھنے والے کہیں۔

بن سنور کر گھر سے نکلے خلق دیوانی ہوئی
جامہ زیبی سے تری کس کس کی عریانی ہوئی

اس کے نزدیک خواہ پارسا ہی کیوں نہ ہو۔ ٹوٹی پھوٹی جھونپڑی میں زندگی بسر کرنے والا انسان اونچی شان کا انسان نہیں۔
آہ! کتنا غلط تصور ہے۔ بلندی کو کپڑوں، مکانوں اور کھانوں کے معیار پر پرکھا جاتا ہے۔ اس سے زیادہ کوتاہ نظری کوئی اور نہیں ہو سکتی۔
یہ خواہشات حیوانی ہی لطیف جذبات انسان میں منتقل ہو جاتی ہیں۔ ان کا اثر ہے کہ انسان

محلات بناتا ہے۔ سلطنتیں قائم کرتا ہے۔ زرنگار کرسیاں تیار کرتا ہے۔ سمندروں سے موتی نکالتا ہے تاکہ اس کی رفیقہ حیات کے کانوں کی زینت بنیں۔ پھولوں کو توڑتا ہے ان کو سوئیوں سے زخم پہنچاتا ہے۔ ہار بناتا ہے۔ گلدستے بنا کر اپنے مکانات کے طاقچوں کی زینت بناتا ہے اور گلوں کو مجبور کرتا ہے کہ ذوق کی ہمنوائی میں بزبان حال یہ کہیں۔

اگر یہ جانتے چن چن کے ہم کو توڑیں گے
تو گل کبھی نہ تمنائے رنگ و بو کرتے

عقل

یہ بھی حقیقت ہے کہ حیوانی ضروریات محدود ہیں اور انسانی ضروریات غیر محدود ہیں اور انسانی ضروریات غیر محدود ہیں۔ یہ بھی ایک روشن حقیقت ہے کہ حیوان اپنی زندگی کا سامان لے کر پیدا ہوتا ہے۔ اس کا لباس اس کی جلد ہے۔ اس کے پر و بال ہیں۔ دشمنوں سے اپنا بچاؤ کرنے کے لئے اس کے ایٹم بم اس کے پنجے ہیں۔ اس کے ناخن ہیں اس کے سینگ ہیں اس کی سونڈ ہے۔ اس کی دوش ہے جن غذاؤں کی ان کو ضرورت ہے وہ اسے جنگلوں' پہاڑوں' صحراؤں' وادیوں' آبادیوں' ویرانوں' سمندروں کے کناروں' سمندروں کی گہرائیوں میں مہیا اور تیار ملتی ہیں' نہ اسے ہوٹلوں کی ضرورت نہ باورچیوں کی حاجت' اسے کیا پڑی ہے کہ وہ انہیں پیسے' چھانے' گوندھے' بنائے پکائے وہ جس حالت میں ہیں۔ اس کی شکم پری کیلئے کافی ہیں انسان کی حالت دگرگوں ہے۔ وہ پیدا ہوتا ہے اس کے پاس کوئی سامان نہیں ہوتا اس کی جلد نازک' اس کے ہاتھ کمزور اس کے بازو کم طاقت اس کے جسم پر کوئی لباس نہیں ہوتا۔ دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے اسے کوئی ہتھیار نہیں دیا گیا۔ دوسری جانب یہ ہے کہ جہان بھر کی چیزیں اس کی دشمن ہیں۔ وہ ان کو اپنا خادم تصور کرتا ہے۔ آزادی حیوانوں' پرندوں' درندوں اور چرندوں کو بھی عزیز ہے۔ یہ سب کی آزادی چھینتا ہے اور اسے انسانی حق خیال کرتا ہے۔ آفتاب کی گرمی اسے ستانے سے دریغ نہیں کرتی۔ لو کی لپٹ اسے تنگ کرتی ہے۔ سردی اس کی بربادی کے درپے رہتی ہے۔ سیدھی بات یہ ہے کہ مادی اسباب کی بجائے اسے عقل لگا دی گئی ہے۔ یہ اس کی پاسبان ہے۔ رفیق ہے' غمگسار ہے' جاں نثار ہے۔ اس کے زور سے وہ پل بناتا ہے دریاؤں کو قابو میں لاتا ہے۔ شیر دل'

ہاتھیوں اونٹوں کو اپناتا ہے۔ ان کی سرکس کے کھیل ان حیوانوں کے باعث نہیں بلکہ ان کی دانش حکمت کے ذریعے ہیں۔ وہ گولے' بم' ٹینک' جہاز عقل ہی کی مدد سے بناتا ہے جس قوم کی عقل تیز ہے۔ وہ دوسرے انسانوں کو بھی اپنی غلامی میں لے لیتی ہے۔ عقل والی قوم سورج' چاند' بجلی' ہوا وغیرہ سے وہ کام لیتی ہے جو مزدوروں کاریگروں اور قلیوں سے لیا جاتا ہے۔

اسلام

قرآن نے یہ تصدیق و توثیقی مہر ثبت کر دی کہ انسان خلیفہ ہے۔ وہ زمین اور آسمان پر اپنا تصرف جما سکتا ہے۔ یہ لفظِ خلیفہ وہ چارٹر ہے جس نے سائنس کو قوتِ پرواز عطا کر دی اگر یہ نہ ہوتا تو انسان درندوں' چرندوں' دریاؤں' پہاڑوں' درختوں' کیڑوں' مکوڑوں کو پوجتا' ان کے سامنے سانپوں کی مانند رینگتا ان کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو جاتا۔

کیا انسانیت یہی ہے کہ اس کا لباس' اس کی خوراک اس کا مکان از بس شاندار ہو جائے۔ اگر یہی انسانیت ہے تو اس کا مقام حیوانیت سے کوئی اونچا نہیں ہے۔ انسان محتاج ہے' حیوان کم محتاج ہے۔ انسان معاشی اقتصادی آزادی کا خواہاں ہے۔ حیوان ان جھمیلوں میں گرفتار نہیں' وہ ان گورکھ دھندوں سے آگاہ ہی نہیں۔ اسے اس علم اس آگہی کی ضرورت ہی نہیں۔ اس کے لئے یہ علوم بے کار محض ہیں۔

کیا انسانیت یہ ہے کہ انسان کم کھائے؟ کیا آدمیت کے لئے لازمی ہے کہ آدمی کی خوراک بہت زیادہ ہو۔ کیا وہ نیک ہے جو چھٹانک بھر کھانا کھاتا ہے اور صرف لنگوٹی میں گزارہ کرتا ہے۔ کیا وہ اچھا نہیں جو آٹھ روٹیاں کھاتا ہے اور اچھا لباس پہنتا ہے۔

وہ کیا چیز ہے جس کی بناء پر انسان کو اچھا یا برا کہا جاتا ہے اس سوال کا جواب ایک ہی ہے۔ وہ یہ ہے کہ انسان کی فضیلت اس کے کردار کی اونچائی سے ہے۔

مادیت

آج دنیا ایک نظام کی وباء میں مبتلا ہے۔ اس کا نام ہے مادیت۔ اس سکہ کا دوسرا پہلو کہلاتا ہے اشتراکیت' مادیت اور اشتراکیت کو اخلاق سے کوئی سروکار نہیں۔ ان کا مدعا ہے' مذہب کو نابود کرنا۔ اس لئے کہ اخلاق اسی کے بطن سے پیدا ہوتا ہے۔ اس کی گود میں پرورش پاتا ہے اور اس کے

سایہ میں پروان چڑھتا ہے۔ اشتراکیت کہتی ہے انسان خود بخود پیدا ہوا ہے اس کا مقصد زیادہ سے زیادہ کھانا خوب پینا۔ اچھے سے اچھا لباس پہننا۔

شیر' ہرن کو اس لئے کھاتا ہے کہ اس کے پنجے قدرتاً مضبوط ہیں۔ ہرن کی ٹانگیں پتلی ہیں۔ جسم کمزور ہیں۔ شیر اگر اسے شکار بناتا ہے تو وہ مجرم نہیں جو کچھ ذرات بدن کے اجتماع کے باعث ہے اگر زار روس کو اس کے ذرات اس کے علم نے مضبوط بنادیا تھا۔ ظالم بنادیا تھا تو اس میں کیا قصور تھا۔ ہم کیوں اسے برا کہیں۔

برائی' گناہ' جرم کے الفاظ ہی بے معنی ہیں۔ اس کی لاٹھی اس کی بھینس ایک صحیح دستور ہے۔ اس وقت جو انسان زیادہ سے زیادہ شاد کام طاقت ور بننے کا خواہاں ہے اور وہ کسی اخلاقی ضابطہ کو قبول کرنے کا روادار نہیں تو اس کا واحد سبب ہے کہ اس پر کسی مذہب کی گرفت باقی نہیں رہی۔

اشتراکیت پسندوں کو اخلاق کا نام اس لئے لینا پڑتا ہے کہ وہ ابھی دوسروں کے مقابلے میں اتنے زبردست نہیں ہوئے۔ جتنے چرندوں اور پرندوں کے مقابلے میں درندے مضبوط ہیں۔ انہوں نے انسان کو حیوان کے مقام سے بھی نیچے گرادیا ہے۔ حیوانات کی ضرورتیں محدود ہیں مگر اشتراکیت پسندوں نے خوراک' پوشاک اور مکانات کے باب میں بھی انسانوں کی ضرورتوں کو غیر محدود کردیا ہے اور وہ اسی غیر محدودیت کو شرف انسانیت قرار دیتے ہیں اور عقل و سائنس کو انہیں کے حصول میں لگنا اور دوسروں کو نیچا دکھانا چاہتے ہیں اگر یہ نظامِ خود غرضی جاری رہا۔ اس کے سیلاب کو نہ روکا گیا تو انسانی زندگی بلاشبہ حیوانوں سے بدتر ہو جائے گی۔ ممکن ہے سمندروں کی مچھلیاں امن سے رہیں۔ جنگلوں کے درندے انسانی فطرت سے بے نیاز ہو جائیں مگر انسان کو اطمینان کا سانس نصیب نہیں ہو سکتا' اگر کل انسان مر گئے تو حیوانوں' پرندوں' درندوں آبی' ہوائی' بحری جانوروں کی زندگی آرام سے گزرے گی۔

اشتراکیت اور مادیت جو کچھ کر رہی ہے حیوانیت کے لئے کر رہی ہے۔ انسانیت کی خدمت اس میں ہے کہ اخلاقی قدروں کو مضبوط کیا جائے اور انسانی ہمدردی کے جذبے کو عام کیا جائے۔ یہ جذبہ اس طرح پیدا ہو سکتا ہے کہ انسان کو ذروں کے اتفاقی اجتماع کا نتیجہ تصور کرنے کے بجائے خدا کی مخلوق مانا جائے۔ یہی ہے انسانیت اور اسی کا نام ہے روحانیت۔

عبادت بہ از خدمت خلق نیست۔

فلاسفروں، حکمیوں اور مدبروں کے اقوال

1- اوّل خدا کو پہچانو جس نے تم کو پیدا کیا ہے۔

2- کسی کو صدمہ پہنچا کر اپنا دل خوش نہ کرو۔

3- دشمن کو کبھی حقیر نہ سمجھنا چاہئے۔

4- اپنے مرتبہ سے بڑھ کر دعویٰ نہ کرو۔

5- جس لیاقت کا جو آدمی ہو' اس کی ویسی ہی عزت کرو۔

6- نیک ہمسایہ دیکھ کر ویسی بود و باش اختیار کرو۔

۷۔ جو راز کہنے کے قابل نہ ہو اس کو ہرگز زبان سے نہ نکالو۔

۸۔ اگر تم عقلمند ہو تو سب سے اول اپنے آپ کو پہچانو۔

۹۔ جو کام آج کرنا چاہتے ہو۔ اس کو کل پر مت رکھو۔

۱۰۔ اپنی عزت بڑھا کر پستی کی جانب رجوع نہ کرو۔

۱۱۔ جو شخص اپنے سے بزرگ (بڑا) ہو۔ اس کے ہمراہ ہنسی مت کرو۔

۱۲۔ بڑے عہدے والے شخص کے روبرو مختصر بات کرو۔

۱۳۔ سب سے جھک کر ملو۔ ذی عزت ہو جاؤ گے۔

۱۴۔ حماقت ذلت کی جڑ ہے۔

۱۵۔ اگر کوئی بیوقوفی کی بات تم سے ہو گئی ہو تو اس کو خوب یاد رکھو تاکہ ویسی بیوقوفی پھر نہ ہونے پائے۔

۱۶۔ کبھی چھوٹوں کی رائے بڑوں سے صائب ہوا کرتی ہے۔

۱۷۔ ایسا مختصر بھی نہ بولو کہ مطلب فوت ہو جائے۔

۱۸۔ تہذیب و اخلاق ایک انسانی جوہر ہے جس کو انسان خود پیدا کر سکتا ہے۔

۱۹۔ نیکی کر کے بھول جاؤ کیونکہ اس کے یاد رکھنے سے تکبر پیدا ہوتا ہے۔

۲۰۔ نیکی کرنا کسی کے ساتھ ایسا ہے گویا تمام عمر اس کو اپنا غلام بنانا ہے۔

۲۱۔ جب دو شخص بات کر رہے ہوں تو تم ہرگز ان کے بیچ میں نہ بولو۔ خواہ تم ان سے بہتر

جانتے ہو۔

۲۲۔ فارغ البالی کے وقت تنگی کو پیش نظر رکھو۔ ہمیشہ خوش حال رہو گے۔

۲۳۔ بیوقوف کی ایک بڑی نشانی یہ ہے کہ بے پوچھے بول اٹھتا ہے۔

۲۴۔ کسی کی تعریف سے پھول نہ جاؤ۔ اپنے تئیں اپنی نظر سے دیکھو۔

۲۵۔ جو کسی کا قرض دار نہیں ہے۔ وہ آرام سے سوئے گا۔

۲۶۔ مغرور آدمی کو کوئی نہیں پسند کرتا اگرچہ بادشاہ کیوں نہ ہو۔

۲۷۔ کنواں کبھی پیاسے کے پاس نہیں آتا۔ پیاسا ہی کنوئیں کے پاس جاتا ہے۔

۲۸۔ غیبت بہت بڑا گناہ ہے۔

۲۹۔ محنت اختیار کرو۔ دولت تمہاری لونڈی بنی رہے گی۔

۳۰۔ اگر ہو سکے تو سخاوت ضرور کرو۔

۳۱۔ میں نے کسی کو بُری صحبت سے فائدہ اٹھاتے نہیں دیکھا۔

۳۲۔ سستی کو پاس نہ آنے دو۔ یہ تمام خرابیوں کی جڑ ہے۔

۳۳۔ تجربہ ناتجربہ کاروں سے، عقل بے وقوفوں سے سیکھو۔

۳۴۔ کسی آدمی کو غیر آدمی کے روبرو شرمندہ نہ کرو۔

۳۵۔ دوست کو قرض نہ دو۔ ہاں بخش دو۔

۳۶۔ باپ کی شرافت اور علم کی دولت بیٹے کو ورثہ میں نہیں ملتی۔

۳۷۔ خدا کو ہر جگہ حاضر ناظر جانو، ہر کام میں ابتداء اس کے نام سے کرو۔

۳۸۔ اپنی تعریب اپنے منہ سے ہر گز نہ کرو۔

۳۹۔ کوئی مذہب ایسا نہیں جس نے نیکی کی تعریف نہ کی ہو۔

۴۰۔ ہزار نیکیوں کو ایک عیب چھپا دیتا ہے۔

۴۱۔ جو شخص تمہاری عزت کرے۔ تم اس کی ضرور کرو۔

۴۲۔ وعدہ خلافی ذلیل ورسوا کرتی ہے۔

۴۳۔ جوانی میں اتنا تو پس انداز کرو کہ پیری میں آرام سے کٹے۔

۴۴۔ جوانی کی بے اعتدالیاں پیری میں آرام نہیں لینے دیتیں۔

۴۵۔ مہمان کے روبرو کسی آدمی پر خفا نہ ہونا چاہئے۔

۴۶۔ مہمان سے کام نہ لو بلکہ اس کا کام خود کرو۔

۴۷۔ نیک بیوی کا شوہر بڑا خوش قسمت ہوتا ہے۔

۴۸۔ کسی نفع یا نقصان کی بابت اپنی عزت برباد نہ کرو۔

۴۹۔ اپنی لیاقت سے باہر کام نہ کرو ورنہ انجام میں نقصان اٹھاؤ گے

۵۰۔ جس کو اپنے نیک و بد کی تمیز نہیں۔ وہ جاہل نہیں گدھا ہے۔

۵۱۔ ہر مقام پر اپنے مرتبہ کے لائق جگہ تجویز کرنی چاہئے۔

۵۲۔ طرفداری وہاں تک کرنی چاہئے کہ خود ذلیل و خوار نہ ہو جائے۔

۵۳۔ صحت ایک بڑی نعمت ہے جہاں تک ہو سکے۔ اس کی حفاظت کرو۔

۵۴۔ شہر کے حکیم اور حاکم سے دوستی پیدا کرو۔

۵۵۔ شہرت اچھی ہے مگر جب نیک نامی کے ساتھ ہو۔

۵۶۔ دنیا میں اپنے آپ کو مسکین اور متواضع بنائے رکھو۔

۵۷۔ نیم حکیم اور نیم ملاں سے ہمیشہ دور رہو۔

۵۸۔ محتاجوں سے ہمیشہ بسخاوت پیش آؤ۔

۵۹۔ اصل وہ ہے جو اپنی اصلیت کو نہ بھولے۔

۶۰۔ عقل کا امتحان دیانت کے مکتب میں ہو سکتا ہے۔

۶۱۔ جو جتنی زیادہ قسمیں کھاتا ہے۔ وہ اتنا ہی زیادہ جھوٹا ہے۔

۶۲۔ کاہلی ہمیشہ تباہی کی طرف لے جاتی ہے۔

۶۳۔ اس توقع پر علم نہ سیکھو کہ اس سے دولت اور دنیا ملتی ہے بلکہ انسانیت حاصل کرنے اور اپنے آپ کو عقلمند بنانے کے لئے علم سیکھو۔

۶۴۔ جو شخص کسی کی غیبت تمہارے سامنے آکر کرے تو تمہاری بُرائی ضرور کسی اور کے پاس کرے گا۔

۶۵۔ شرع میں شرم مت کرو۔

۶۶۔ سب سے بڑی نصیحت یہ ہے کہ جھوٹ نہ بولو۔

۶۷۔ بیہودہ گوئی کو رسوائی کا پیش خیمہ تصور کرنا چاہیے۔

۶۸۔ جس شخص نے اپنی زبان اور اپنے نفس کو قابو میں رکھا اس نے گویا سینکڑوں آدمیوں کو اپنے بس میں کر لیا۔

۶۹۔ جس کے قول کا اعتبار نہیں۔ اس کے فعل کا کیا اعتبار ہے۔

۷۰۔ اچھی کتاب وہ ہے جس کے پڑھنے سے انسان کے عیب اور برائیاں جاتی رہیں اور انسانیت پیدا ہو۔

۷۱۔ جو تم سے مشورہ کرے۔ اسے نیک مشورہ دینے میں بخل نہ کرو۔

۷۲۔ خیرات ایسے طور پر کرو کہ اگر داہنے ہاتھ سے دو تو بائیں ہاتھ کو بالکل خبر نہ ہو۔

۷۳۔ نیک کام میں ثابت قدمی اختیار کرو تاکہ انجام بہتر ہو۔

۷۴۔ جو شخص کسی کی بدی سن کر خوش ہوتا ہے۔ وہ غیبت کرنے والوں میں شمار کیا جاتا ہے۔

۷۵۔ ہر ایک بات پر ہنسنے والا اور ہر ایک بات سے متنفر' دونوں بیوقوف ہیں۔

۷۶۔ فروتنی سے عزت بڑھتی ہے اور تکبر سے مرتبہ گھٹتا ہے۔

۷۷۔ وقت بہت قیمتی شے ہے۔ کوئی لمحہ اس کا بیکار نہ جانے دو۔

۷۸۔ اپنوں کی طرح ملو اور غیروں کی طرح معاملہ کرو۔

۷۹۔ خدا اور موت کو ہمیشہ یاد رکھو اور نیکی جو تم نے کی ہے' بھول جاؤ۔

۸۰۔ جب تک انسان زندہ رہے۔ اس کو ہمیشہ اپنے علم کی ترقی کرنی چاہیے۔

۸۱۔ عقلمند کو اشارہ کافی ہوتا ہے اور جاہل کو سزا کی ضرورت ہوتی ہے۔

۸۲۔ کمینہ آدمی کو جب کوئی عہدہ ملتا ہے تو تکبر کرنے لگتا ہے۔

۸۳۔ عقلمند وہ شخص ہے جو دوسروں پر مصیبت پڑی دیکھ کر آپ نصیحت حاصل کرے۔

۸۴۔ تاجر کو اپنے قول کا سچا ہونا چاہیے۔

۸۵۔ اگر تمہارا ظاہر و باطن یکساں ہے تو تم قابل قدر انسان ہو۔

۸۶۔ بہادر وہ شخص ہے جو مصیبت کے وقت صبر کرے اور جزع فزع نہ کرے۔

۸۷۔ آرام اور تکلیف دو بہن بھائی ہیں۔

۸۸۔ رات کو جلد سونا اور بہت سویرے (قبل از طلوع آفتاب) اٹھنا صحت اور عقل کو بڑھاتا ہے۔

۸۹۔ کسی دوست سے اس کی ضرورت کی شے مت مانگو۔

۹۰۔ ساری دیگ میں ایک ہی چاول کے دیکھنے سے امتیاز ہو جاتا ہے۔

۹۱۔ ایک گندی مچھلی سارے تالاب کو گندہ کر دیتی ہے۔

۹۲۔ میٹھے بول میں جادو ہے۔

۹۳۔ دنیا صرف آزمائش کی جگہ ہے اگر امتحان اچھا رہا تو زندگی کامیاب گزرے گی۔

۹۴۔ سب سے بہتر وہ آدمی ہے جس سے دوسروں کو فائدہ پہنچے۔

۹۵۔ جو وقت کو نہیں پہچانتا وہ اندھا ہے۔

۹۶۔ وہم کی دوا لقمان کے پاس بھی نہ تھی۔

۹۷۔ اپنے تئیں شاندار نہ بناؤ بلکہ اپنی عزت کو چار چاند لگاؤ۔

۹۸۔ تاروں کی چمک مہتاب کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔

۹۹۔ نیکی کے لئے اپنے دونوں ہاتھوں کو اتنا کھلا رکھو جیسے دروازے کے دونوں پٹ کھلے رہتے ہیں۔

۱۰۰۔ کام کے وقت کام کرو اور آرام کے وقت آرام کرو۔

۱۰۱۔ محنت سونے کی کنجی ہے جو دولت کے دروازے کھول دیتی ہے۔

۱۰۲۔ کاہلی سے بڑھ کر انسان کا دنیا میں کوئی دشمن نہیں۔

۱۰۳۔ عورت گھر میں برکت دینے کے لئے بنائی گئی ہے۔

۱۰۴۔ سچے دوست کی قدر کرنی اور اس سے محبت رکھنی زندگی کا لطف اور حیات بے ثبات کا مزہ ہے۔

۱۰۵۔ مسافر نوازی...... شیوہ انسانیت و شرافت ہے۔

۱۰۶۔ عالم کی صحبت سے بجز فائدے کے نقصان نہیں ہو سکتا۔

۱۰۷۔ نوکر کی موجودگی میں کبھی اپنا کام خود اپنے ہاتھ سے کر لینا کوئی عیب نہیں ہے تم کو لوگ منکسر مزاج سمجھیں گے۔

۱۰۸۔ جس سے خدا کی مخلوق راضی نہیں اس سے خدا بھی راضی نہیں۔

۱۰۹۔ ماں باپ یا بزرگ کے سامنے بیہودہ کلمہ منہ سے نہ نکالو اور ان کا ہمیشہ ادب کرو۔

۱۱۰۔ محفل میں چھینک آتے وقت رومال یا ہاتھ منہ پر رکھ لو۔

۱۱۱۔ آندھی یا بجلی یا زلزلہ کے وقت راستہ نہ چلو۔

۱۱۲۔ نصیحت اس شخص کو کرو جس پر یقین ہو کہ یہ ہماری نصیحت پر عمل کرے گا۔

۱۱۳۔ نشہ باز' قمار باز' چغل خور' زانی یا چور سے دوستی نہ کرو۔

۱۱۴۔ دوستی ایسی بیش بہا چیز ہے کہ بغیر اس کے انسان دینی یا دنیاوی کوئی کام نہیں کر سکتا۔

۱۱۵۔ اپنے بچوں کو بری صحبت اور بری مجلس سے بچاؤ۔

۱۱۶۔ عورتوں کو سوائے مذہبی اور علم اخلاق کی کتابوں کے حسن و عشق کی کتابیں نہ دکھلاؤ۔

۱۱۷۔ اس قدر کام خدمتگار سے نہ لو کہ وہ گھبرا جائے۔

۱۱۸۔ ایسی وضع اختیار نہ کرو کہ جسے لوگ دیکھ کر ہنسیں۔

۱۱۹۔ کوا اگرچہ چالاک ہوتا ہے مگر گندگی کھاتا ہے۔

۱۲۰۔ بیکار آدمی کا دماغ شیطان کا کارخانہ ہوتا ہے۔

۱۲۱۔ جس عورت یا مرد میں جسمانی عیب یا مہلک بیماری ہو اس سے شادی نہ کرو۔

۱۲۲۔ غیر عورت یا لڑکے پر نظر بد نہ ڈالو۔

۱۲۳۔ بادشاہ کو رعایا پروری اور انتظامِ ملکی کا بہت لحاظ رکھنا چاہئے۔

۱۲۴۔ آج کل کے دوست بجلی کی طرح چمک کر غائب ہو جاتے ہیں۔

۱۲۵۔ ایک ایک دانہ جمع کرنے سے منوں غلہ اور ایک ایک بوند پانی سے بڑا دریا ہو جاتا ہے۔

۱۲۶۔ جو شخص محنت کرنے میں بے عزتی سمجھتا ہے۔ یہ اس کی رسوائی کا باعث ہے۔

۱۲۷۔ ہر ایک آدمی پر بھروسہ مت رکھو' برباد ہو جاؤ گے۔

۱۲۸۔ ایمان' دولت اور علم تھوڑا تھوڑا کر کے ہی جمع ہوتے ہیں۔

۱۲۹۔ مطالعہ کتب سے بہتر دوسرا کوئی شغل نہیں۔

۱۳۰۔ غفلت۔ عیاشی۔ آرام طلبی اور خوشامدیوں کی میٹھی زبان سے جو بچے گا۔ وہی دولت مند ہو گا۔

۱۳۱۔ اپنے سے زبردست کا مقابلہ نہیں کرنا چاہئے۔

۱۳۲۔ اپنی پیدا کردہ دولت سے خیرات ضرور نکالو۔

۱۳۳۔ نیک چلنی سے بڑے لوگوں نے اعلیٰ درجہ حاصل کیا ہے اور اعلیٰ خاندان بد چلنی سے گر

گئے ہیں۔

۱۳۴۔ اچھی بات سُنی چاہیے خواہ کوئی کہے۔ بھلی کہنے والوں سے بری طرح پیش نہ آنا چاہیے۔

۱۳۵۔ تہذیب اخلاق آدمی کو انسان بنا دیتا ہے۔

۱۳۶۔ ہنر مند ہونے کی کوشش کرو۔ کامیابی تمہارے قدم چومے گی۔

☆☆☆

پرہیز کرو

شراب کے جام سے ☆☆ مال حرام سے

بُرے کلام سے ☆☆ یارِ نافرجام سے

اسپ بدلگام سے ☆☆ کار بدانجام سے

فریبی کے نام ☆☆ خرابی ننگ و نام سے

خیال خام سے ☆☆ صبح و شام کے آرام سے

گیارہ چیزوں سے گیارہ چیزیں قائم رہتی ہیں

۱۔ پرہیز گاری سے صحت ۲۔ سچائی سے سرخروئی

۳۔ سخاوت سے دولت ۴۔ نفرت سے دشمنی

۵۔ نیک چلنی سے عزت ۶۔ فضول خرچی سے قرضداری

۷۔ نیک اولاد سے راحت ۸۔ راست گفتاری سے اعتبار

۹۔ دلی صفائی سے محبت ۱۰۔ صبر سے خوشی

۱۱۔ انصاف سے سلطنت۔

☆☆☆

سچ ہے

زبان اگرچہ تلوار نہیں پر تلوار سے زیادہ تیز ہے

بات اگرچہ تیر نہیں پر تیر سے زیادہ زخمی کرتی ہے

غصہ اگرچہ شیر نہیں پر شیر سے زیادہ خوفناک ہے

نشہ اگرچہ سانپ نہیں پر سانپ سے زیادہ قاتل ہے

☆☆☆

مفید عام طبی نکات

۱۔ دوپہر کو کھانا کھاکر کم از کم آدھ گھنٹہ اور زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ آرام کیجئے۔ لیٹ رہا کیجئے' اس ترکیب سے معدہ کو تقویت پہنچے گی اور کھانا خوب ہضم ہوگا اور ہاتھ پاؤں میں کاہلی نہ پیدا ہوگی۔

۲۔ شب کو کھانا کھانے کے بعد کم از کم پانچ سو قدم اور زیادہ سے زیادہ ایک ہزار قدم چہل قدمی کیجئے۔ اس سبب سے نیند خوب آئے گی اور روح تازہ رہے گی۔

۳۔ کھانا کھانے کے بعد فوراً پیشاب کرنا چاہئے تاکہ انسان امراض جگر۔ گردہ و مثانہ سے ہمیشہ محفوظ رہے۔

۴۔ جس چیز کے چبانے سے دانتوں کو تکلیف و ضعف معلوم ہو۔ اس کو مت کھاؤ۔

۵۔ بھوک سے زیادہ کبھی نہ کھانا چاہئے بلکہ خواہش سے دو چار لقمے کم کھاؤ۔

۶ غصہ کی حالت میں کھانا کھانے سے بدہضمی کا عارضہ لاحق ہو جاتا ہے۔

۷۔ جب تک پہلی غذا ہضم نہ ہو جائے۔ دوبارہ کھانا نہ کھاؤ ورنہ تکلیف کا احتمال ہے۔

۸۔ بھوک نہ لگنا بیمار ہونے کی علامت ہے۔

۹۔ کھانا کھانے اور خصوصاً جماع کے فوراً بعد ٹھنڈا پانی مت پیو۔

۱۰۔ دمہ کے بیمار کو رات کو غذا نہ کھانی چاہئے اگر بلا غذا کے گزارہ نہ ہو تو شام سے پہلے کھالیں مگر کم تاکہ سونے سے پہلے ہضم ہو جائے۔

۱۱۔ بیماری سے صحت یاب ہونے کے بعد پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھانا چاہئے۔

۱۲۔ غصہ و غم اور فکر کرنے سے ہاضمہ بگڑ جاتا ہے۔

۱۳۔ بے فائدہ' جلدی اور بے وقت غذا کھانا مضر ہے۔

۱۴۔ دہی اور مولی بیک وقت استعمال کرنے سے درد پیدا ہونے کا خوف ہے۔

۱۵۔ دودھ اور مچھلی بیک وقت نہ کھاؤ۔ جذام اور برص کا اندیشہ ہے۔

۱۶۔ دودھ اور لسی پینے کے بعد کیلا مت کھاؤ۔ ہیضہ پیدا ہونے کا خوف ہے۔

۱۷۔ شہد اور گھی ہموزن ملا کر کھانے سے زہر پیدا ہوتا ہے۔

۱۸۔ خربوزہ یا کھیر کھانے کے بعد پانی مت پیو۔ تخمہ یا ہیضہ کا خوف ہے۔

۱۹۔ گرم مصالحہ زیادہ کھانے سے نقصان ہوتا ہے اور تھوڑ کھانا قوت ہاضمہ کو تیز کرتا ہے۔

۲۰۔ صبح نہار منہ باسی پانی کا پینا قبض کے لئے مفید ہے۔

۲۱۔ رات کو سوتے وقت ایک آدھ گلاس گرم دودھ یا نیم گرم پانی کا آہستہ آہستہ پینا قبض کے لئے مفید ہے۔

۲۲۔ ہیضہ میں خوراک زہر ہے جیسے بوڑھے آدمی کے واسطے جوان عورت۔

۲۳۔ زیادہ ترشی کھانا جلدی بڑھاپا لاتا ہے۔

۲۴۔ بہت سی بیماریاں ہاضمہ کی خرابی سے پیدا ہوتی ہے۔

۲۵۔ پیشاب روکنے سے ضعف مثانہ پیدا ہوتا ہے۔

۲۶۔ حمام میں جلدی جانا اور آہستہ آہستہ نکلنا چاہیے۔

۲۷۔ بغیر ضرورت کبھی دوا کا استعمال نہ کرو۔

۲۸۔ جہاں تک بن سکے مفرد دوا کا استعمال رکھو لیکن غذا سے علاج کرنا اس سے بھی بہتر ہے۔

۲۹۔ کمزور آدمیوں کو بچوں کے برابر دوا دینی چاہیے۔

۳۰۔ اگر زندگی چاہتے ہو تو کثرت مجامعت سے بچو۔

۳۱۔ بار بار سر میں کنگھی پھیرنے سے درد سر جاتا رہتا ہے۔

۳۲۔ جس کو بہت تھوکنے کی عادت ہو اس کا چہرہ بہت کمزور ہو جاتا ہے۔

۳۳۔ برف سے پانی سرد کر کے پینا معدہ اور دانتوں کو اکثر نقصان دیتا ہے۔

۳۴۔ کونین کا مقدار سے زیادہ استعمال دماغ میں ہیجان اور خلل پیدا کرتا ہے۔

۳۵۔ ناخنوں کا جلدی بڑھنا اچھی صحت کی علامت ہے۔

۳۶۔ شراب میں زہر ملا ہوا ہو تو اس کا رنگ کالا۔ شہد کا سبزی مائل اور تیل کا سرخ ہو جاتا ہے۔

۳۷۔ گرمی کے موسم میں قبل از طلوع آفتاب یا شام کو جبکہ دھوپ کی تیزی کم ہو جائے۔ سیر کرنا چاہیے۔ جاڑوں میں دھوپ نکلی ہو تو ہوا خوری کو جانا چاہیے۔

۳۸۔ صبح اٹھتے ہی بغیر کچھ کھائے پئے آنکھوں پر زور نہ ڈالیں

۳۹۔ کم روشنی میں ہر گز نہ پڑھو بلکہ پڑھنے کی جگہ ایسی ہو کہ جس میں سب طرف سے روشنی آتی ہے۔

۴۰۔ لیٹے لیٹے پڑھنا۔ لیٹے لیٹے کھانا بہت برا طریقہ ہے۔

۴۱۔ بہت عرصہ تک برابر آنکھ کو کتاب وغیرہ پر نہ لگائے رکھیئے بلکہ درمیان میں تھوڑا آرام دیں۔

۴۲۔ بخار سے صحت پانے کے بعد جب تک کہ طاقت نہ آئے' غسل نہ کرو ورنہ پھر بخار لوٹ آنے کا اندیشہ ہے۔

۴۳۔ اصطبل میں جہاں مویشی رہتے ہوں' سونا مضر ہے۔

۴۴۔ چاند کی روشنی میں پڑھنے سے آنکھوں کو نقصان پہنچتا ہے۔

۴۵۔ مٹی کے تیل کا دھواں آنکھوں کو مضر ہے۔

۴۶۔ مسواک' تیل کی مالش اور سرمہ ان سب کا استعمال روزانہ کرنا چاہئے۔

۴۷۔ کسی بد مزہ دوا کے بعد لونگ چبا لینے سے منہ کا ذائقہ درست ہو جاتا ہے۔

۴۸۔ اسہال و پیچش (دست و مروڑ) میں لیموں کا رس بہت مفید ہے۔

۴۹۔ صحت اور تندرسی قائم رکھنے کے لئے بشاشت اور شادمانی ایک اعلیٰ دوا ہے۔

۵۰۔ تھوڑی ورزش مفید اور بکثرت ورزش نقصان دہ ہوتی ہے۔

۵۱۔ المونیم کے برتن میں گرم چائے (زیادہ دیر) رکھنے سے سمیّت پیدا ہو جاتی ہے۔

۵۲۔ ناریل کا تیل گنج کو مفید ہے۔

۵۳۔ بھیگا کپڑا پہننا صحت کے واسطے نہایت مضر ہے۔

۵۴۔ مکان کے دروازہ اور کھڑیاں علی الصبح کھول دینا چاہئیں۔

۵۵۔ مکان ہوادار ہونا چاہئے۔ خراب ہوا سے بیماری پھیلتی ہے۔

۵۶۔ حفظِ صحت کی پابندی سے آدمی تندرست رہتا ہے اور عمر دراز حاصل کرتا ہے۔

۵۷۔ بچوں کا خراب ہونا جوانوں کی نسبت زیادہ نقصان رساں ہے۔

۵۸۔ اگر عورت بچہ کو زیادہ عرصہ دودھ پلا دے تو جلد کمزور ہو جاتی ہے۔

۵۹۔ چکنا معدہ کر کے مسہل کرے نقصان نہ ہوگا۔

۶۰۔ بیماری کا علاج نہ کرانا۔ نیم حکیم سے علاج کرانے کی نسبت اچھا ہے۔

۶۱۔ مرغن اور شیریں اشیاء اور شراب جگر کی بیماری میں بہت مضر ہے۔

۶۲۔ جمال گوٹہ کے جلاب سے دست بند نہ ہوں تو مصری کے شربت میں لیموں کا عرق ملا کر پینا فائدہ مند ہے اور دہی کا ادھ رڑکا بھی مفید ہے۔

۶۳۔ جماع کے بعد نیم گرم دودھ (شہد ملا کر) کا پینا طاقت کو عود کرنے والا ہے۔

۶۴۔ خشخاش کا تیل کنپٹی اور پیشانی پر ملنے سے رات کو نیند آجاتی ہے۔

۶۵۔ جوتی سے پاؤں پر زخم ہو تو بانس پانی میں گھس کر لگانا چاہئے۔

۶۶۔ اگر قبض کی شکایت روز بروز رہنے لگی ہے تو اس کو دور کرو کیونکہ یہ اکثر امراض کا پیش خیمہ ہے۔

۶۷۔ اطباء کی رائے ہے کہ ساٹھ قطرہ خون سے ایک قطرہ منی بنتی ہے۔

۶۸۔ رات کو منہ دھو کر سونا چہرہ کو صاف کرتا ہے اور پاؤں دھو کر سونا گہری نیند لاتا ہے۔

۶۹۔ ہنسنا صحت کے واسطے ضروری سمجھو۔ اس سے سینے کو جنبش ہوتی ہے۔ مواد فاسدہ پھیپھڑے سے خارج ہو جاتا ہے۔ دل کو تقویت اور فرحت ملتی ہے۔

۷۰۔ سمندر کا پانی معدہ، جگر اور گردے کے واسطے مفید ہے۔

۷۱۔ تندرستی میں خواہ مخواہ دوائی کا استعمال بعض اوقات نقصان دہ ہوتا ہے۔

۷۲۔ جس کو بچھو نے کاٹا ہو۔ فوراً عرق یا تیل دار چینی روئی کے پھائے سے اس مقام پر لگا دیجئے بہت جلد شفا ہوگی۔

۷۳۔ عقرقرحا، گندھک۔ نرگس کی جڑ۔ ان کو پیس کر پانی میں ملا کر دیواروں پر چھڑکیں تو مکھیاں ہرگز نہ آئیں گی۔

۷۴۔ اگر صبح و شام لیموں کی سکنجبین نمکین بنا کر استعمال کی جائے تو بدہضمی نہیں ہونے دیتا۔

۷۵۔ لیموں کا عرق دودھ یا چنبیلی کے تیل میں ملا کر صبح و شام چہرہ پر ملا جائے تو چہرہ خوب صورت ہو جاتا ہے۔ منہ کی پھنسیوں کو بھی فائدہ کرتا ہے۔

☆☆☆

خوش خُلق رسول اللہ ﷺ کی نظر میں

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ''روز قیامت تم میں میرے سب سے پیارے اور نشست میں مجھ سے سب سے نزدیک وہ ہوں گے جو تم میں خوش خُلق ہیں اور روز حشر تم میں سے مجھے ناپسند اور مجھ سے دور وہ ہوں گے جو باتونی ہیں اور منہ پھٹ ہیں اور متکبر ہیں۔'' لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! ثرثارون اور متشدقون کو تو ہم جانتے ہیں 'متفیہقوں کیا ہیں؟ فرمایا ''تکبر کرنے والے۔''

''قیامت ٹوٹ پڑی۔ حشر برپا ہو گیا۔'' یہ محاورے زبان پر اس وقت آتے ہیں جب کوئی بڑا حادثہ رونما ہو یا خوفناک ہنگامہ برپا ہو۔ اصل قیامت جو آئے گی۔ اس کے سامنے سخت سے سخت حادثے اور ہنگامے ہیچ ہیں۔ اس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لوائے حمد کے نیچے ہی امن ملے گا۔

خوش بخت ہوں گے۔ وہ جو قیامت کی تمام سختیوں سے محفوظ و مامون شفاعت کبریٰ کے زیر سایہ ہوں گے۔ اس حدیث میں ان کا وصف یہ ہے۔ ''جو تم میں سے خوش خلق ہیں۔'' جو خوبی شافع محشر سے تقرب کا باعث ہو گی۔ وہی سب سے بڑی سرفرازی ''تقرب الٰہی'' کا باعث ہو گی۔ خلق ایمان دین کا اصل الاصول ہے مگر وہ دل جو خالی ہے جس کو کوئی جانتا نہیں' زبان سے ظاہرا اقرار تو منافق بھی کر لیتا ہے۔ اس لئے ان کی پہچان کا ذریعہ اخلاق حسنہ کو قرار دیا گیا جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ایمان والوں میں کامل ایمان اس کا ہے جس کا خُلق سب سے اچھا ہے۔

اقرارِ کلمہ توحید کے بعد اسلام کی عمارت نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ پر قائم ہے۔ یہ چاروں ارکان بھی اخلاق کی تکمیل کرتے ہیں۔ فرمایا۔ ''نماز عاجزی' فروتنی' زاری' دردمندی اور شرمندگی کا نام ہے۔''

روزہ کی روح یہ ہے کہ زبان بری باتوں سے رُک جائے۔ دل میں برے وسوسے نہ آنے پائیں۔ ہاتھ پاؤں برے افعال کے لئے حرکت میں نہ آئیں۔ آنکھ ممنوع چیزوں کو نہ دیکھے۔ کان غیبت چغل خوری نہ سنیں۔

زکوٰۃ سراپائے انسانی ہمدردی، غم خواری دوست گیری ہے۔

حج کی روح عزم وصبر۔ تقویٰ واخلاص اور غریبوں کی مالی اعانت۔

عہد نبوی ﷺ میں دو عورتیں تھیں۔ ایک رات بھر نماز پڑھتی۔ دن کو روزہ رکھتی۔ صدقہ دیتی مگر زبان درازی سے پڑوسیوں کا ناک میں دم کیے رکھتی تھی۔ دوسری عورت صرف فرض نماز پڑھتی۔ غریبوں کو چند کپڑے بانپ دیتی مگر کسی کو تکلیف نہ دیتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان دونوں کی نسبت دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے پہلی کی نسبت فرمایا کہ اس میں کوئی نیکی نہیں۔ وہ اپنی بدخلقی کی سزا بھگتے گی اور دوسری کی نسب فرمایا کہ وہ جنتی ہو گی۔

خوش اخلاق لوگوں کے تقرب کے ذکر کے بعد اس حدیث میں زبان کی آفتوں کا ذکر ہوا جن کی پاداش میں قرب رسول اکرم ﷺ سے محرومی ہو گی اور آپ ناراض ہوں گے۔ زبان کی آفتوں سے پرہیز نہ کرنے والے کون ہیں؟ وہ جو تصنع کے ساتھ بہت زیادہ باتیں بناتے ہیں اور حق سے نکل جاتے ہیں۔

پس وہ ہیں (جو) بغیر احتیاط و پرہیز لمبی چوڑی باتیں کرتے ہیں اور کہا گیا ہے کہ "تشدق" سے آپ کی مراد ہے لوگوں کا مذاق اڑانے والا۔" کہ اس کی باچھیں لوگوں کے بارے میں اور ان کے خلاف پھٹی رہتی ہیں۔

وہ جو بڑھ چڑھ کر بولتے بولتے ان کا منہ کھلا رہتا ہے۔ "فہق" سے ماخوذ ہے اور وہ ہے "لباب بھر جانا" کہا جاتا ہے۔ میں نے برتن کو بھرا تو وہ لبالب بھر گیا۔

پرشد خنور چنداں کہ از سر بیرون شد' برتن اتنا بھر گیا کہ کناروں سے نکلنے لگا۔

لوگوں کے دریافت کرنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "متفیہقون" کے معنی بتائے "متکبر" آپ کے اس ارشاد اور لغوی معنی تعارض نہیں ہے کیونکہ متکبر ہمیشہ بڑھ چڑھ کر بولتا ہے اور ترانیاں ہانکتا رہتا ہے اور اس کا ظرف چھلک جاتا ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ

بغداد سے ایک شخص پولیس کی نگرانی میں رقتہ لایا جا رہا تھا۔ وہ زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا لیکن اس کے چہرے پر گھبراہٹ کے اثرات نہ تھے۔

بخلاف اس کے وہ عزم وثبات کا پیکر نظر آرہا تھا۔ اس کے چہرے کی تابندگی پیشانی کی ضو اور آنکھوں کی چمک اس کی غیر معمولی شخصیت کی غمازی کررہی تھی۔

یہ عظیم انسان دنیائے اسلام کا نامور امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ تھا۔

امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ کا جرم اس کے سوا اور کچھ نہ تھا کہ انہوں نے برسر اقتدار طبقے کا آلہ کار بننے سے انکار کردیا تھا۔ بغداد کا حاکم اسحٰق بن ابراہیم یہ چاہتا تھا کہ خلق قرآن کے بارے میں جو سرکاری نظریہ ہے۔ احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ نہ صرف اس کی تائید کریں بلکہ وہ اپنے علم وفضل کو اقتدار کے تابع کردیں۔ سرِکاری نظریات کو عوام میں مقبول بنانے کے لئے اپنی تمام صلاحیتیں وقف کردیں۔

امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ جیسے غیور اور خوددار انسان کے لئے یہ مشکل تھا کہ وہ اپنے ضمیر کی آواز کو دبائیں اور سرکاری عقائد و نظریات کے ترجمان بن کر زندگی بسر کرنے لگیں۔ گو اس صورت میں ان کے لئے وہ سب کچھ تھا جس کی ایک انسان کو خوشحال زندگی بسر کرنے کے لئے ضرورت ہوتی ہے لیکن امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ کی زندگی کا مقصود کچھ اور تھا۔ کوئی لالچ اور ترغیب وترہیب انہیں اس راستے سے نہیں ہٹا سکتی تھی۔ جو ان کے نزدیک ایک صراط مستقیم تھی۔ ضمیر فروشی وہ لوگ کیا کرتے ہیں جن کا مقصدِ زندگی عیش و آرام ہوتا ہے۔ ایک سخت کوش اور حق پرست انسان کو ایسی چیزوں سے کیا غرض؟ وہ تو اس راہ کے ہر خسارے کو فائدہ اور رنج کو راحت سمجھ کر قبول کرتا ہے۔

مامون رشید بغداد کے حاکم اسحاق بن ابراہیم کی وساطت سے خلق قرآن کے نظریہ میں امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ کی تائید چاہتا تھا اور اسی لئے اس نے اسحاق کو لکھا تھا۔ حاکم بغداد کی تمام کوششیں ناکام ہو گئیں تو اس نے امام بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ کو زنجیروں میں جکڑ کر طرطوس روانہ کردیا۔ ان دنوں مامون کا قیام طرطوس تھا لیکن راستے ہی میں اطلاع مل گئی کہ مامون کا انتقال ہو گیا ہے۔

اب امام حنبل رحمتہ اللہ علیہ کو پھر بغداد لایا جارہا تھا۔ بغداد لاکر انہیں قید خانہ ناصریہ میں محبوس کردیا گیا۔ چند ماہ یہاں رہنے کے بعد انہیں دار القریب میں منتقل کردیا گیا اور پھر ورب الموصلیع پہنچادیا گیا۔

ان تینوں قید خانوں میں امام حنبل رحمتہ اللہ علیہ کو شدید ترین امتحانوں سے گزرنا پڑا۔ انہوں نے یہ ثابت کر دکھایا کہ مصیبت میں مومن کی کیا شان ہونی چاہیے...... احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ کا یہ عزم و استقلال دیکھ کر گو ان کے بارے میں کسی کو کوئی غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے لیکن معتصم ان کا مزید امتحان لینا چاہتا تھا۔ مامون کے انتقال کے بعد اقتدار اس کے ہاتھ میں آ چکا تھا اور وہ اپنے اختیارات کو خدا کے ایک نیک دل بندے پر آزمالینا ضروری سمجھتا تھا۔

اس نے امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ کے سر عام کھڑا کر کے جلادوں کو حکم دیا کہ انہیں درے مارو۔ ہر جلاد آگے بڑھ کر پوری قوت سے ان کے بدن پر دو کوڑے مارتا تھا اور اس کے پیچھے ہٹنے کے بعد دوسرا جلاد یہی خدمات سر انجام دینے کے لئے آگے بڑھ آتا تھا۔

پے در پے درے کھانے کے بعد دنیائے اسلام کا امام بے ہوش ہو چکا تھا اور اس کا جسم خون میں لت پت تھا۔ اب اسے ہوش میں لانے کی کوشش کی جا رہی تھی۔

جب امام حنبل رحمتہ اللہ علیہ کو ہوش آ گیا تو ان کے سامنے ستو پیش کئے گئے لیکن انہوں نے یہ کہہ کر رد کر دیئے کہ رمضان شریف کا بابرکت مہینہ ہے اور میں روزے سے ہوں۔

اسی نیم مردہ حالت میں حاکم بغداد اسحاق بن ابراہیم نے انّ کی لاش اپنے گھر منگالی۔ امام نے اسی حالت میں ظہر کی نماز پڑھی۔ قاضی ابن سماء نے اعتراض کیا کہ آپ نے اس حال میں نماز پڑھی ہے کہ آپ کے بدن سے خون بہہ رہا ہے۔

امام حنبل رحمتہ اللہ علیہ نے جواب دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ظلم کیا گیا تو انہوں نے بھی اپنی زندگی کی آخری نماز اسی حال میں پڑھی تھی۔

☆☆☆☆

علامہ واقدی رحمتہ اللہ علیہ

کمال علم و فضل کے باوجود علامہ واقدی رحمتہ اللہ علیہ مدینے میں گندم کی تجارت کیا کرتے تھے۔ خود چونکہ متمول آدمی نہ تھے۔ اس لئے سرمایہ لوگوں سے لے کر تجارت کرتے تھے۔ ایک دفعہ انہیں ایک لاکھ کا خسارہ برداشت کرنا پڑا جن لوگوں نے سرمایہ لگا رکھا تھا۔ انہیں خسارہ کا علم ہوا تو انہوں نے اپنی رقم لوٹا دینے کا مطالبہ شروع کر دیا۔ واقدی کو ادائیگی کی کوئی صورت

دکھائی نہ دی تو وہ سخت مضطرب ہوئے۔ چاروں طرف جب مشکل کشائی کی کوئی صورت دکھائی نہ دی تو انہوں نے بغداد جانے کا قصد کر لیا۔

بغداد پہنچ کر واقدی وزیر اعظم یحییٰ بن خالد برمکی سے ملے۔ اس نے ان کی غایت درجہ تعظیم و تکریم کی۔

ابتداء میں واقدی وزیر اعظم کے دروازے پر پہنچے تو ان کی ظاہری سادہ ہیئت کذائی کو دیکھ کر ملازموں نے کوئی زیادہ قابل التفات نہ سمجھا۔ البتہ یہ کہہ دیا کہ وزیر اعظم چونکہ فیاض اور کشادہ ظرف آدمی ہیں اس لئے اور لوگوں سے دستر خوان پر ملا کرتے ہیں۔ اس لئے کھانے کے وقت تک انتظار کریں۔

وزیر اعظم یحییٰ بن خالد برمکی اور واقدی کی ملاقات ہوئی تو ان کے آگے دستر خوان بچھا ہوا تھا۔ واقدی نے جب اپنا تعارف کرایا تو دونوں کے درمیان مختلف مسائل چھڑ گئے۔ معاشرت' معیشت مذہب اور سیاست کے موضوعات پر واقدی کی معلومات کا یہ عالم دیکھ کر وزیر اعظم کو سخت حیرت ہوئی اور واقدی کی خستگی دیکھ کر اسے رنج بھی ہوا کہ جس شخص کا دامن علم کے جواہرات سے بھرا ہوا ہے۔ وہ اس قدر تنگدستی کی زندگی بسر کر رہا ہے۔

وزیر اعظم نے تین دن تک واقدی سے بات چیت کی۔ ہر روز واقدی جب وزیر اعظم سے علمی مذاکرے کے بعد باہر نکلتے تو دربان ان کی خدمت میں ایک ہزار اشرفیوں کی تھیلی پیش کرتا۔ تیسرے دن وزیر اعظم نے ان کی خدمت میں دو لاکھ اشرفیوں کی تھیلی پیش کی اور ساتھ ہی یہ درخواست بھی پیش کی کہ وہ بغداد میں مستقل سکونت اختیار کر لیں۔ حکومت کو ان کے زریں مشوروں کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔

لیکن واقدی نے یہ کہہ کر مدینہ جانے کیلئے اصرار کیا کہ ان کے ذمہ قرض واجب الادا ہے۔ اس کی ادائیگی میں تاخیر نہیں ہونی چاہئے۔

واقدی وزیر اعظم سے جلد واپس آنے کا وعدہ کر کے چلے گئے۔ چند دن بعد جب وہ واپس آئے تو بغداد میں ان کا شدید انتظار ہو رہا تھا۔

واقدی کی مقبولیت عوام یا وزیر اعظم تک ہی محدود نہ تھی۔ خود مامون بھی ان کی قدر کرتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ خراسان سے ان کی واپسی پر مامون نے بغداد کے مشرقی حصے کا انہیں

قاضی مقرر کر دیا تھا۔

مال و دولت کو واقدی زندگی گزارنے کا ایک ذریعہ سمجھتے تھے۔ اس سے زیادہ ان کی نگاہوں میں مال و دولت کی کوئی حیثیت نہ تھی جو لوگ دینوی مال و متاع کو زندگی کا مقصود ٹھہرا لیتے ہیں۔ واقدی ان میں سے نہ تھے بلکہ ایسے لوگوں کو نہایت حقارت کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔

کشادہ ظرفی اور شانِ قلندری ہی کا یہ نتیجہ تھا کہ جب اسلام کے اس جلیل القدر مورخ کا انتقال ہوا تو کفن کے لئے اس کے گھر میں ایک پیسہ تک نہ تھا۔ مامون کو اس صورتحال کی اطلاع ہوئی تو تجہیز و تکفین کا انتظام اس نے کیا۔

واقدی خود کہتے ہیں کہ میں جب بھی صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اولاد یا ان کے رشتہ داروں سے ملتا تو جس جگہ کسی نے شہادت پائی ہوئی تھی۔ اس جگہ کی تفصیل معلوم کرنے کی کوشش کرتا۔ پھر خود اس جگہ جا کر مشاہدہ کرتا۔

ہارون القروی کہتے ہیں کہ ایک دفعہ واقدی کو اس حال میں سفر کرتے ہوئے دیکھا کہ گرد سفر ان کے دامن پر تھی اور انہوں نے کندھے پر پانی کا مشکیزہ اٹھا رکھا تھا۔ میرے استفسار پر انہوں نے بتایا کہ میں جنگ حنین کی تفصیلات لکھ رہا ہوں۔ اس لئے حنین پہنچ کر ہر جگہ کا بغور مطالعہ کر رہا ہوں۔

---

(1) یہ مقام ذرا سی تصریح چاہتا ہے۔ اشتراکیوں کا خیال ہے کہ اگر مذہب کے خلاف محض نفرت انگیز پروپیگنڈہ کیا جائے اور خدا اور اس کے پرستاروں پر لعن و طعن کی جائے تو اس سے کام نہ چلے گا بلکہ شاید مذہبی خیالات رکھنے والے اپنے عقائد میں اور زیادہ شدید ہو جائیں گے۔ لہٰذا مذہب کے استعمال کی صحیح تدبیر یہ ہے کہ مفلس عوام کو روٹی کے لئے متوسط اور اعلیٰ طبقوں کے خلاف لڑایا جائے۔ اور اس لڑائی میں دو مقصد اپنے پیش نظر رکھے جائیں۔ ایک یہ کہ بھوکے عوام اشتراکیوں کو اپنا ہمدرد سمجھ کر اپنی باگیں بالکل ان کے ہاتھ میں دیدیں۔ دوسرے یہ کہ متوسط اور اعلیٰ طبقوں کے خلاف عوام کی جدوجہد محض معاشی مسائل ہی کو حل کرنے کے لئے نہ ہو بلکہ اس اجتماعی نظام کو بالکل توڑ پھوڑ دینے کے لئے ہو جو قدیم مذہبی و اخلاقی تصورات پر تعمیر ہوا ہے۔ یہ دونوں مقصد جب تک پوری طرح حاصل نہ ہوں۔ اس وقت لامذہبی کی تبلیغ ذرا نرم انداز میں ہونی چاہیے۔ اور جاہل عوام کو وقتاً فوقتاً اطمینان دلاتے رہنا چاہیے کہ ہم تمہارے مذہب کو ہاتھ نہیں لگاتے۔ ہم تو صرف روٹی کا سوال حل کرنا چاہتے ہیں۔ جس سے مذہب کسی طرح بھی متاثر نہیں ہوتا۔ پھر جب عوام پوری طرح قابو میں آ جائیں اور طبقاتی جنگ اس نوبت پر پہنچ جائے کہ قدیم تمدن معاشرت کی جڑیں ہل چکی ہوں۔ تو اس وقت نئی اشتراکی سوسائٹی کی تعمیر شروع کر دی جائے۔ اور یہ تعمیر ایسے نقشہ پر ہو جس میں مذہب کیلئے کوئی جگہ نہ ہو۔ اشتراکیوں کا اصلی نقشہ جنگ ہے۔

ہماری نئی مطبوعات